بسم اللہ الرحمن الرحیم

تو اپنے ایک جام پہ نازاں ہے ساقیا ۔ چودہ پیالے والے ہیں یہ شیشے مجھ کو دیا
بتلائے دیتا ہوں تجھے میخانوں کا پتہ ۔ بطحا و کاظمین و غری سامرا

خورشید مدینہ مرا برج شرف میں ہے !
اک کربلا میں اک مرا ساقی نجف میں ہے !

چودہ (۱۴) ستارے

(معہ اضافہ)

یعنی

حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حالاتِ زندگی

مؤلفہ

تاج المتکلمین نجم الواعظین مورخ یگانہ فخر العلماء حضرت حجۃ الاسلام الحاج مولانا مولوی السید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی مدظلہ
ناظم اعلیٰ، پاکستان مجلسِ علماء، ممبر حج کمیٹی مرکزی حکومتِ پاکستان

ناشران

امامیہ کتب خانہ

مغل حویلی اندرون موچی دروازہ
لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ہوتے نہ گر ازل میں "چودہ ستارے" ہادی
مٹی خراب ہوتی آدم سے رہنما کی

چودہ ستارے سے مراد حضرات چہاردہ معصومین علیہم السّلام ہیں جن میں سرخیل انبیا خاتم النبیین حضرت محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وشفیع روزِ جزا خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اور بارہ امام علیہم السّلام شامل ہیں ۔ یہ وہ ذوات ہیں جو خالقِ کائنات کی طرح بے مثل و بے نظیر ہیں۔ یہ جب عالمِ نور میں تھے ، انھوں نے ملائکہ کو تسبیح وتحمید کا سبق دیا ۔ جبرئیل کو علم معرفت سے بہرہ ور کیا۔ آدم وحوّا جو گرے ہوئے آنسوؤں کی طرح بے وقعت ہو چکے تھے انھیں شرفِ انسانیت میں توبہ کے ذریعہ سے عروج وفروغ بخشا ، اور جب عالم ظہور میں آئے تو عقولِ انسانی کو علم ومعرفت کی جلا دے کر چمکایا ۔ گمراہوں کو رہبری کا جادۂ مستقیم بتایا ۔ جنّت میں جانے کا راستہ دکھایا۔

ان کی مدح سرائی کے لیے زبانِ قدرت ناطق ۔ ان کے وضاحتِ حالات کے لیے اوراقِ قرآن شاہد ۔ انسان کی کیا مجال کہ ان کے کشفِ حالات کے لیے قلم اُٹھا سکے ۔ حالات واوصاف اُن کے لکھے جا سکتے ہیں جن کی کُنہ معلوم اور حقیقت آشکار ہو، اور جن کو دنیا میں آزاد زندگی بسر کرنے کا موقع ملا ہو یہ وہ ذوات ہیں جن کے سمجھنے سے عقلِ انسانی قاصر اور فہمِ انسانی معذور ہے ۔ میں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے دُعائے توفیق اور کُتب کی مدد سے لکھا ہے مجھے ہرگز اس کا دعویٰ نہیں کہ میں ان حضرات کے حالات کا ایک شمہ بھی لکھ سکا ہوں ۔ بہر حال احباب کی خواہش تھی کہ میں ان کے حالات قلم بند کروں ۔ اس لیے قلم اُٹھایا اور کچھ نہ کچھ لکھ دیا ۔ ع

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

میں نے اس کی پُوری سعی کی ہے کہ واقعات صحیح الفاظ وعبارت موجز ومختصر اور حالات دُرست لکھے جائیں ۔ تاریخ ولادت وشہادت کی صحت پر بھی پُوری قوّت صرف کی جائے اور میں نے اس کی سعی بلیغ میں بھی دریغ نہیں کیا کہ صحیح تاریخ منظرِ عام پر آجائے ۔ میں نے اپنی بساط کے مُطابق اس کی بھی کوشش کی ہے کہ جو واقعات بعض معاصرین نے غیر مناسب لکھ دیے ہیں ، وہ بھی صاف ہو جائیں اور اعتراض

کی گنجائش باقی نہ رہے۔ مَیں نے ایسا بھی کیا ہے کہ جن معصومین کے کوائف و حالات مشہور ہیں انھیں زیادہ اختصار سے لکھا ہے اور جو زیادہ پردہ خفا میں ہیں اُن کی قدرے وضاحت کی ہے۔

مَیں نے اِس کتاب کو حضرت حجت علیہ السلام سے منسوب کیا ہے۔ کیونکہ آپ وارث الانبیاؑ و اوصیاء ہونے کے ساتھ ساتھ حاضر و ناظر اور حیاتِ ظاہریہ سے بہرہ مند ہیں۔

مجھے اِس کی ہرگز توقع نہ تھی کہ اِس ناچیز ہدیہ کو اتنی شہرت و مقبولیت حاصل ہوجائے گی جتنی حاصل ہے۔ مجھے اِس بات کی خوشی ہے کہ مَیں نے پاکستان کے فحول علماء کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ کتاب "چودہ ستارے" ہمارے پاس ہر وقت رہتی ہے۔ ہم بوقتِ ضرورت اس سے استفادہ کرتے ہیں، مجھے اِس کی بھی خوشی ہے کہ کتاب پُوری آب و تاب کے ساتھ منظرِ عام پر آرہی ہے، قابلِ مبارکباد ہیں۔ جناب شیخ راحت علی صاحب وغیرہ جنھوں نے امامیہ کتب خانہ کی طرف سے اسے آفسٹ پر چھپوایا ہے، بہترین کاغذ لگایا ہے اور خوش منظر بنایا ہے۔

مَیں نے اِس ایڈیشن میں بہت سے اضافے کر دیئے ہیں جن میں بعض وہ اضافے ہیں جن کی کمی میں شدّت سے محسوس کرتا تھا جیسے (۱) حضرت رسُولِ کریم صلعم کی زندگی کے ابتدائی حالات (۲) حضرت رسُولِ کریمؐ کے سببِ وفات کی تحقیق (۳) ہندوستان میں اِسلام کے پہنچنے کا ذریعہ اور سندھ سے آلِ محمدؐ کا علاقہ اور اہلِ سندھ سے اُن کی دلچسپی (۴) حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی کنیز جنابِ فضہ کے حالات (۵) حضرت زینب و اُمِ کلثوم صلواۃ اللہ علیہما کے حالات، اُن کی تاریخ ولادت و وفات اور اُن کا مدفن (۶) فاطمی خلفاء کے حالات (۷) قم کی تاریخ اور حضرت معصومہ قم کے حالات (۸) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے فرزندِ ارجمند جناب موسیٰ مبرقع کے حالات وغیرہ وغیرہ۔

والسّلام

سیّد نجم الحسن کراروی

۱۵ر شعبان ۱۳۹۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

باب ۴

حضرت امام حسن علیہ السلام

اِنتساب

میں اپنی اس حقیر تالیف کو حجت یگانہ ، اِمامِ زمانہ ناخدائے کشتیِ اسلام صاحب العصر والزمان حضرت اِمام محمدؐ مہدی علیہ السّلام کے وجودِ مقدّس اور نامِ نامی واسمِ گرامی سے معنون و منسوب کرتا ہوں ۔

احقر الزمن،

السیّد نجم الحسن صین عن المحن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

ملاذ الشیعہ، سلطان الشریعہ، مرجع تقلید عالم شیعیت آیۃ اللہ العظمیٰ مجتہد اعظم، سرکار شریعتمدار مجتہد اعظم حضرت الحاج آقا السید محمد کاظم مدظلہ، زعیم حوزہ علمیہ و دار التبلیغ الاسلامی قم (ایران)

تاریخ کو عالم انسانیت میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ انسان واقعات گذشتہ سے آشنا ہو کر اپنے مستقبل کو روشن بنا سکتا ہے۔ گذشتگان کی زندگی سے سبق حاصل کرتے ہوئے کسی بھی موجودہ مسئلہ میں اختیار و اجتناب میں مختار ہوتا ہے۔ موجودہ زندگی گزرے ہوؤں کی زندگی سے درس حاصل کرتی ہے کیا کہنے ان کی زندگی کے جو منصوص من اللہ، نمونۂ عمل اور پیکر انسان میں افتخار ملائکہ ہوں اور اُن کی زندگی سے درس حاصل کرنا خوشنودیٔ الٰہی کا سبب بھی ہو تو یقیناً ہر انسان کے حال و مستقبل دونوں بہتر ہوں گے جس کے لیے ضروری ہے کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کی سوانح حیات کو ہر زبان میں ترجمہ کر کے اشاعت مذہب حق کی جائے۔

حجۃ الاسلام الحاج آقائے مولانا سید نجم الحسن کراروی دامت افاضاتہ کی یہ تالیف جو نظر ثانی اور اضافہ کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ مزید مفید ثابت ہوگی۔ البتہ تاریخی اختلاف جو عقائد اور حشمت و عظمت معصومین علیہم السلام کے خلاف نہ ہوں تو زیادہ گرفت و انتقاد کے قابل نہیں ہیں۔

ہم دُعا کرتے ہیں کہ یہ کوشش عند اللہ مقبول اور معصومین علیہم السلام کے سامنے سرفراز ہو دُنیا و آخرت میں جزائے خیر کا سبب بنے اور مومنین اس کتاب کا مطالعہ کر کے سیرت معصومین علیہم السلام کے مطابق باعمل زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

خداوند متعال مومنین کو ہر آفت ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سید محمد کاظم شریعتمدار

سید محمد کاظم شریعتمداری

مؤلف "چودہ ستارے" کے متعلق خطیبِ اعظم قائدِ ملت حضرت الحاج مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلوی (اعلی اللہ مقامہٗ)

کے

پاکیزہ تاثرات

① آپ کی تصانیف لاجواب ہیں ② مطالبات کے سلسلے میں آپ کے خدمات قوم فراموش نہ کرسکے گی ③ قوم آپ کے حوالے ہے

۱۲ ستمبر ۱۹۷۰ء کے ایک اہم مکتوب کا اقتباس

حامیِ ملت جعفری خطیب العصر ادام اللہ عزہ

تسلیم مسنون ! والا نامہ پہنچا، صدر سے ایک گھنٹہ کی ملاقات معلوم ہوئی۔ جزاک اللہ و مرحبا

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند . . . بھائی میں آپ کی زیرکی، سوجھ بوجھ اور قومی و دینی خدمات کا پہلے سے معترف ہوں۔ پاکستان بننے کے بعد **چودہ ستارے**، ذکر العباس، مختار آلِ محمدؐ وغیرہ کی تصنیف نے "سونے پر سہاگہ" کا کام کیا ہے، سچ یہ ہے کہ **آپ کی تصانیف لاجواب ہیں** اور ماشاء اللہ تقریر میں تو **خطیب العصر** ہیں ہی . . . **بھائی میں لبِ گور ہوں اب یہ کام آپ ہی چند حضرات ہیں جو سنبھال لیں گے قوم آپ کے حوالے ہے** . . . آپ مطالبات کے لیے اوّل یوم سے جو کچھ کر رہے ہیں قوم سے فراموش نہ کرسکے گی . . . خبرنامہ میں خود نکال رہا ہوں، فوراً جواب دیجئے کہ میں اس میں صدر صاحب سے آپ کی ملاقات کا حال لکھوں ؟ . . . آپ نے باوجود دل شکستہ ہونے کے جو کام کیا ہے اس کی جزا آئمہ معصومین دیں گے . . . میں نے اوّل میں لکھا ہے کہ میں تقریباً زندہ درگور ہوں اور الحمدللہ کہ **اب آپ یہ کام اپنے کاندھوں پر خوب اٹھا** رہے ہیں . . . میں آپ کی حسنِ کارکردگی سے بہت خوش ہوں اور آپ کو **"آقائے ملت"** کا خطاب دیتا ہوں "کیسے قبول ہے"۔ . . . آپ نے باوجود بے اعتنائی اہلِ کورم جو کام ان کے اسیران کی رہائی کے لیے کیا ہے وہ آپ کے خلوص اور قوتِ ایمانی کو بتلاتا ہے، خداوندِ کریم آپ کی ذات کا سایہ مومنین پر سلامت رکھے۔

والسلام

سید محمد دہلوی

کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب

چودہ ستارے معہ اضافہ

حقائق و تحقیقات سے مملو اور حوالوں سے مرصّع ہے
اِس کی تالیف نے ملّتِ اسلامیہ کے خزانہ میں ایک
دُرِّ بے بہا کا اضافہ کر دیا ہے

حجۃ الاسلام حضرت علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ

صدر مجلسِ عمل علماء شیعہ پاکستان

کا

ارشادِ گرامی

یُوں تو قدرت ہر دَور میں ملّتِ حق کی بقا و فروغ کے لیے ناسا عد حالات اور ناخوشگوار ماحول کے باوجود کفر و نفاق کے اندھیروں میں ایسے چراغ روشن کرتی رہی ہے جنھوں نے کبھی ظلمات کو نوُر پر غالب نہیں ہونے دیا اور یکے بعد دیگرے ایسی ہستیاں عالمِ وجود میں آکر اور دولت علم سے مالا مال ہو کر اپنی زبان و قلم سے دینِ حق کی تبلیغ کا حق ادا کرتی رہی ہیں، جیساکہ عربی، فارسی، اُردو اور دُوسری زبانوں میں اُن کے عدیم المثال تصنیفات، و تالیفات کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ جو آج تک مشعلِ راہ کا کام دیتا رہا ہے۔

میرے مکرّم اور عزیز دوست عالی جناب الحاج مولانا سیّد نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی صدر الافاضل مُبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے پاکستان و ہندوستان میں شاید ہی کوئی محبِّ اہل بیت ہو جسے شرفِ تعارف حاصل نہ ہو، آپ کی خُداداد قابلیّت، حقائق کی تلاش میں شب و روز ریاضت، اندازِ تحریر کی پختگی، دلچسپ اور دل آویز طرزِ نگارش اور اُس کے ساتھ ساتھ کہنہ مشقی اِن کے وُہ خصوصیات ہیں جن کا ہر صاحبِ نظر و انصاف کو اعتراف کرنا پڑتا ہے آپ ان ہستیوں میں وحید فرید خصوصیات سے مشرف و ممتاز ہیں جن کے ذریعہ آج ملّتِ بیضا مُصطفویہ کی تبلیغ کے فرائض ادا ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ آنے والی نسلیں بھی اِس سے مستفیض ہوتی رہیں گی۔

آج سے چند سال قبل آپ نے ایک جامع کتاب "**چودہ ستارے**" کے نام سے تالیف کی تھی جس میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سوانح حیات اختصار اور جامعیت اور دلچسپ طریقے سے درج فرماتے تھے جس سے اہل علم اور عوام دونوں مستفیض اور لطف اندوز ہوتے رہے، کتاب حقائق و تحقیقات سے مملو اور حوالوں سے مرصع ہونے کے علاوہ اس قدر صاف اور سادہ اور دلکش انداز میں لکھی گئی تھی کہ ایک نظر پڑ جانے کے بعد جب تک ختم نہ ہو جائے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کتاب کیا ہے حضرت رسول کریمؐ اور اُن کی آل پاک کا لہلہاتا ہوا باغ ہے جس میں ہر قسم کے گل و ریحان کی خوشبوئیں دل و دماغ کو معطر کر دیتی ہیں۔" کتب ماخذ کے حوالے مکمل درج ہیں مگر عربی عبارت بالکل نہیں کہ پڑھنے میں عوام کو اُلجھن نہ ہو۔

اگرچہ اس موضوع کے لیے پانچ چھ سو صفحات بہت کم تھے۔ مگر یہ بھی ایک معجزۂ تحریر ہے کہ ناپیداکنار سمندر کو کوزہ میں سمو دیا ہے۔ یہ کتاب کی مقبولیت کا نتیجہ ہے کہ کئی مرتبہ زیور طبع سے مرصع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئی، اب پھر وہ زیر طبع ہے اور طباعت بھی آفسٹ پر ہو رہی ہے۔ اس مرتبہ آپ نے خصوصی توجہ سے اس میں اس قدر اضافے فرمائے ہیں کہ اب یہ کتاب نئی معلوم ہوتی ہے اس لیے اب اس کی جامعیت اور دل آویزی میں بھی اضافہ ہو گیا ہے اور حجم میں بھی مجھے یقین کامل ہے کہ یہ اور اشاعتوں سے کہیں زیادہ مقبول ہوگی انشا اللہ تعالیٰ۔ خدا شاہد ہے کہ اسے دیکھ کر بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے۔ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

میری دعا ہے کہ خداوند عالم آپ کو اس سے بھی بہتر خدمات کی توفیق عطا فرمائے اور فرزندانِ اسلام کو اس چشمۂ فیض سے مستفیض ہونے کا بیش از بیش موقع بخشے اور ہمارے دوسرے اہل علم کو بھی ایسی ہی توفیقات سے سرفراز فرمائے تاکہ اسلام کا خزانہ مدح اہلبیت رسولؐ سے معمور اور دولتِ معرفت خدا و رسولؐ و آئمۂ طاہرین علیہم السلام سے مالا مال رہے اور اس خدمت کے صلہ میں خداوند عالم بہترین جزا مرحمت فرمائے (آمین)

والسلام

مرزا یوسف حسین عفی عنہ (لاہور)

۴ دسمبر ۱۹۷۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماشاء اللہ "چودہ ستارے" نامی کتاب اپنے مندرجات کی طلعت سے جگمگا رہی ہے!

ثقۃ الاسلام حضرت الحاج علامہ محمد بشیر صاحب قبلہ انصاری دام ظلہ العالی

صدر پاکستان شیعہ مجلس علماء

کا

ارشادِ گرامی

جناب عزیز محترم ناظم اعلیٰ پاکستان مجلس علماء الحاج مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی صدر الافاضل واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ، کی ذات ستودہ صفات سے پاک و ہند کے حضرات مومنین بخوبی متعارف ہیں۔ موصوف کچھ عرصہ اخبار الواعظ لکھنؤ کے فرائضِ ادارت بھی انجام دیتے رہے ہیں، متولی منتظم مدرسۃ الواعظین حضرت سرکار صدر الشریعۃ نجم الملۃ، اعلی اللہ مقامہ نے آپ کی ذہانت، لیاقت، وسعت نظر اور مدرسہ ہذا کے عظیم کتب خانے میں کثرتِ مطالعہ سے عظیم استفادہ کے پیشِ نظر نشر و اشاعت کے فرائض آپ سے متعلق کیے تھے، اس لیے آپ کی کتب مؤلفہ اپنی افادیت میں ممتاز ہوتی ہیں، کثرت تفحص و شدت تجسس کتب متداولہ سے مضامین میں ابتکار و ندرت ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ "چودہ ستارے مع اضافہ" نامی کتاب اپنے مندرجات کی طلعت سے جگمگا رہی ہے، جس کی ضیاء سے ہر خانۂ مومن روشن اور "چودہ ستاروں" کے انوار شعشعہ سے قلوب مومنین منور ہوں گے۔

فقط

غریق تقصیر محمد بشیر انصاری لقا مبر (ٹیکسلا)

۳۰ اکتوبر ۱۹۷۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب "چودہ ستارے" تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ حقائق
کے اثبات کا مرکز و منبع ہے

حجۃ الاسلام حضرت الحاج مولانا سید صادق علی شاہ صاحب قبلہ
نجفی امام الجمعۃ والجماعۃ جامع محمدی
حالی روڈ۔ گلبرگ لاہور
کا

ارشادِ گرامی

علمی دنیا میں ان حضرات کا مقام بہت بلند ہے جنھوں نے مختلف زمانوں میں بنی نوعِ انسان کی راہِ حق اور صراطِ مستقیم کی جانب راہنمائی کے اسباب مہیا کیے اور سخت سے سخت حالات میں بھی اعلاءِ کلمۂ حق کا فریضہ ادا کیا۔ یقیناً اہلِ ایمان کے قلوب پر اُن کی محبت کے ایسے نقوش موجود ہیں جو کبھی محو نہیں ہو سکتے۔

ہدایت کا حقیقی سرچشمہ **حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ ہیں** جن کی قربانیوں نے اسلام کو حیاتِ جاوداں بخشی اور انسان کو معراجِ انسانیت تک پہنچنے کے اصولوں کی تعلیم دی۔ عربی اور فارسی زبانوں میں ان کے حالات سے متعلق کتب کا عظیم ذخیرہ موجود ہے لیکن اُردو زبان میں ان ہستیوں کے حالات پر مشتمل کوئی کتاب نہ تھی جس کی شدید ضرورت تھی۔ بحمد اللہ اس ضرورت کو نجم الواعظین عالی جناب **الحاج مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی** کی تالیف و تصنیف "**چودہ ستارے**" نے پورا کیا ہے۔

اس کتاب میں تاریخی واقعات کے ساتھ حقائق کا اثبات بھی بطریقِ احسن موجود ہے۔ کتاب کی جملہ خصوصیات ہی کی وجہ سے اسے خاص و عام میں جو شہرت و مقبولیت حاصل ہو چکی ہے، بہت کم کسی اُردو کتاب کے حصے میں آئی ہے۔

یہ جناب مولانا کی محنت، خلوص اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کی خصوصی توجہ کا نتیجہ ہے۔ میری دُعا ہے کہ خداوند متعال مولانا کی مذہبی اور ملی خدمات کو قبول فرمائے۔ اس کتاب نیز دیگر تالیفات و تصنیفات کو باقیات صالحات میں قرار دے اور مومنین کو ان کے مولفات سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

والسلام

صادق علی نجفی
گلبرگ - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب چودہ ستارے" تاریخ کے علاوہ اُردو ادب میں بھی اپنے مقام پر شاہکار ہے۔ اس کے پڑھنے سے نظر، قلب اور ایمان کو سرور حاصل ہوا ہے

حجۃ الاسلام الحاج عالی جناب مولانا سید شمیم السبطین صاحب قبلہ رضوی سبزواری بی اے فاضل عراق و ایران، اُستاذ حوزہ علمیہ قم، معتمد خاص مجتہد اعظم آقا شریعتمدار مدظلہ قم، ایران کا

ارشادِ گرامی

حجۃ الاسلام جناب آقائے الحاج مولانا سید نجم الحسن کراروی دام مجدہٗ کی یہ تازہ تالیف چودہ معصومین علیہم السّلام کی سوانح حیات مع اضافہ اور نظرِ ثانی کے بعد یقیناً زیادہ مفید اور قابل قدر ہوگی جو تاریخ کے علاوہ اُردو ادب میں اپنے مقام پر شاہکار ہے۔

جس طرح خود مولانا سید نجم الحسن رضوی کراروی دامت افاضاتہٗ کی گفتار و رفتار میں متانت و ٹھہراؤ ہے، اسی طرح قلم بھی ان اوصاف سے متصف ہے۔ جستہ جستہ نظر کتاب پر ڈالی، مگر پیوستہ ہوئی۔ نظر کو قلب کو اور ایمان کو سُرور حاصل ہوا۔ واقعاً معصومین علیہم السّلام کے کردار و اخلاق کو اپنانے کے لیے تھوڑا سا علم رکھنے والے حضرات بھی کتاب سے استفادہ کامل کر سکتے ہیں۔ خداوند متعال سے دُعا کرتا ہوں کہ مومنین کو اِس کتاب کے پڑھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ موصوف کے لیے توشۂ آخرت بنے۔

خادم الشریعۃ

سید شمیم السبطین رضوی

سید شمیم السبطین رضوی

حوزہ علمیہ قم ایران

کتاب "چودہ ستارے"

شجرہ

مصدقہ حضرت فخر المحققین آقائے ملت حجۃ الاسلام

اسمائے معصومین	مشہور لقب	کنیت	اُمہات	تعداد اولاد	تاریخ ماہ و سنہ ولادت
پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم	مُصطفےٰ	اُبُوالقاسم	حضرت آمنہ بنت وہب	فاطمۃ الزہرا وطیب وطاہر و قاسم وابراہیم	۱۷ ربیع الاوّل سنہ عام الفیل
اُم الائمہ جناب فاطمہ ع	زہرا	ام الحسنین سیدۃ النساء	حضرت خدیجۃ الکبریٰ	حسن وحسین وزینب و ام کلثوم واسقاط محسن	۲۰ جمادی الثانیہ سنہ ۵ بعثت
ابوالائمہ حضرت علی ع	امیرالمومنین	اُبوالحسن ابوتراب	حضرت فاطمہ بنت اسد	۱۱ پسر ۱۶ دختر	۱۳ رجب سنہ ۳۰ عام الفیل یوم جمعہ
حضرت امام حسن ع	مجتبےٰ	اُبو محمدؑ	حضرت فاطمۃ الزہرا	۸ پسر ۷ دختر	۱۵ رمضان سنہ ۳ ھ
حضرت امام حسین ع	سید الشہدا	اُبوعبداللہ	حضرت فاطمۃ الزہرا	۶ پسر ۴ دختر	۳ شعبان سنہ ۴ ھ (بنا بر مشہور)
حضرت امام علی ع	زین العابدین	ابو محمدؑ	حضرت شہر بانو بنت یزدجرد بادشاہ ایران	۱۱ پسر ۴ دختر	۱۵ جمادی الثانیہ سنہ ۳۶ ھ بقولے ۱۵ جمادی الاول سنہ ۳۸ ھ
حضرت امام محمد ع	باقر	ابوجعفر	فاطمہ بنت امام حسن	۵ پسر ۲ دختر	یکم رجب سنہ ۵۷ ھ
حضرت امام جعفر ع	صادق	ابوعبداللہ ابواسماعیل	اُم فروہ بنت قاسم بن محمد ابن ابی بکر	۷ پسر ۳ دختر	۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۳ ھ
حضرت امام موسیٰ ع	کاظم	ابوالحسن ابوابراہیم	حمیدہ خاتون	۱۹ پسر ۱۸ دختر	۷ صفر المظفر سنہ ۱۲۸ ھ
حضرت امام علی ع	رضا	اُبوالحسن	ام البنین	امام محمد تقی	۱۱ ذی قعدہ سنہ ۱۵۳ ھ
حضرت امام محمد ع	تقی	ابوجعفر	خیزران خاتون (ریحانہ)	۲ پسر ۲ دختر	۱۰ رجب سنہ ۱۹۵ ھ
حضرت امام علی ع	نقی	اُبوالحسنؑ	سمانہ خاتون	۵ پسر	۵ رجب سنہ ۲۱۴ ھ
حضرت امام حسن ع	عسکریؑ	اُبو محمدؑ	حدیثہ خاتون	حضرت صاحب الامرؑ	۱۱ ربیع الثانی سنہ ۲۳۲ ہجری
حضرت امام محمد ع	مہدی الحجۃ القائم صاحب الزمان	ابوالقاسم	نرجس خاتون	العلم عنداللہ	۱۵ شعبان سنہ ۲۵۵ ہجری بقولے سنہ ۲۵۶ ھ

ایک نظر میں

طیبہ

الحاج مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی

جائے ولادت	تاریخ و ماہ وسنہ وفات	مدت حیات	بادشاہ وقت	سبب شہادت	جائے دفن
شعب ابی طالب (مکہ معظمہ)	۲۸ صفر سنہ ۱۱ ھ	۶۳ سال	و۔ نوشیروان عادل ش۔ ہرقل بادشاہ قیصر روم	دوا میں زہر کی آمیزش	مدینہ طیبہ
مکہ معظمہ	۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۱ ھ	۱۸ سال ۹ ماہ ۱۵ دن	و۔ یزدجرد ش۔ ابن ابی قحافہ	خلیفہ دوم کے حکم سے پہلو پر جلتا ہوا دروازہ گرایا نیز ضربِ تازیانہ	جنت البقیع (مدینہ)
درمیان خانہ کعبہ	۲۱ رمضان سنہ ۴۰ ھ	۶۳ سال	و۔ شہریار ش۔ معاویہ	ضربت ابن ملجم بسازش امیر شام بمقام مسجد کوفہ	نجف اشرف (عراق)
مدینہ منورہ	۲۸ صفر سنہ ۵۰ ھ	۴۷ سال	و۔ یزدجرد ش۔ معاویہ	زہر دادن جعدہ بنت اشعث ہمشیر زادی خلیفہ اول بحکم امیر شام (معاویہ)	جنت البقیع (مدینہ)
مدینہ منورہ	۱۰ محرم سنہ ۶۱ ھ	۵۷ سال	و۔ یزدجرد ش۔ یزید	زخمہائے بے شمار بمقام کربلا (بخنجر شمر لعین)	کربلائے معلیٰ (عراق)
مدینہ منورہ	۲۵ محرم سنہ ۹۵ ھ	۵۷ سال	بادشاہ دین و دنیا امیر المومنین حضرت علیؑ	زہر دادن ولید بن عبد الملک بن مروان	جنت البقیع (مدینہ)
مدینہ منورہ	۷ ذی الحجہ سنہ ۱۱۴ ھ	۵۷ سال	و۔ معاویہ ش۔ ہشام	زہر ابراہیم بن ولید بحکم ہشام بن عبد الملک	جنت البقیع (مدینہ)
مدینہ منورہ	۱۵ شوال المکرم سنہ ۱۴۸ ھ	۶۵ سال	و۔ عبد الملک بن مروان ش۔ منصور دوانقی	زہر منصور دوانقی	جنت البقیع (مدینہ)
ابواء مابین مکہ مدینہ	۲۵ رجب سنہ ۱۸۳ ھ	۵۵ سال	و۔ مروان الحمار ش۔ ہارون رشید	زہر ہارون رشید عباسی بذریعہ سندی بن شاہک	کاظمین (عراق)
مدینہ منورہ	۲۳۔ ذی قعدہ سنہ ۲۰۳ ھ	۵۰ سال	و۔ منصور دوانقی ش۔ مامون رشید	زہر مامون رشید عباسی	مشہد مقدس (خراسان (ایران))
مدینہ منورہ	۲۹۔ ذیقعدہ سنہ ۲۲۰ ھ	۲۵ سال ۳ ماہ ۱۲ یوم	و۔ محمد الامین عباسی ش۔ معتصم باللہ عباسی	زہر معتصم بذریعہ ام الفضل بنت مامون رشید	کاظمین (عراق)
حوالی مدینہ منورہ	۳ رجب سنہ ۲۵۴ ھ	۴۰ سال	و۔ مامون رشید ش۔ معتز باللہ	زہر معتز باللہ	سر من رائے (عراق)
مدینہ منورہ	۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ ھ	۲۸ سال ۲ ماہ	و۔ واثق باللہ ش۔ معتمد علی اللہ	زہر معتمد علی اللہ	سر من رائے (عراق)
سر من رائے (عراق)	بحکم خدا زندہ ہیں	ماشاء اللہ	و۔ معتمد علی اللہ	★	جائے غیبت سر من رائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب "چودہ۱۴ ستارے" (معہ اضافہ) کے ماخذ

۱۔ قرآن مجید
۲۔ زبور (حضرت داؤدؑ)
۳۔ توریت (حضرت موسیٰؑ)
۴۔ انجیل (حضرت عیسیٰؑ)
۵۔ صحیفہ شعیاؑ
۶۔ نہج البلاغہ
۷۔ اصول کافی
۸۔ معتقد الامامیہ
۹۔ روضۃ الاحباب
۱۰۔ سیرۃ حلبیہ
۱۱۔ حیات القلوب
۱۲۔ الیعقوبی
۱۳۔ تاریخ ابوالفداء
۱۴۔ مفردات امام راغب
۱۵۔ مجمع البحرین
۱۶۔ تاریخ اسلام ذاکر حسین
۱۷۔ مناقب ابن شہر آشوب
۱۸۔ مواہب لدنیہ
۱۹۔ تقریب التہذیب
۲۰۔ تاریخ ابن خلدون
۲۱۔ استیعاب
۲۲۔ اُسد الغابہ
۲۳۔ تاریخ طبری
۲۴۔ تاریخ کامل
۲۵۔ لباب التاویل
۲۶۔ معالم التنزیل
۲۷۔ بہجۃ المحافل
۲۸۔ تفریح الاذکیاء
۲۹۔ تنقید الکلام
۳۰۔ خصائص نسائی
۳۱۔ مسند احمد حنبل
۳۲۔ کنز العمال
۳۳۔ سیرت ابن اسحاق
۳۴۔ تفسیر ابن ابی حاتم
۳۵۔ دلائل بیہقی
۳۶۔ مناقب امام احمد
۳۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ
۳۸۔ تاریخ خمیس
۳۹۔ تفسیر ابن مردویہ
۴۰۔ تفسیر واحدی
۴۱۔ تفسیر سراج منیر
۴۲۔ تفسیر امام ثعلبی
۴۳۔ حلیۃ الاولیاء
۴۴۔ ذخیرۃ المآل عجلی
۴۵۔ مختار ضیاء مقدسی
۴۶۔ تہذیب الآثار طبری
۴۷۔ اکتفا عاصمی
۴۸۔ روضۃ الصفاء
۴۹۔ حبیب السیر
۵۰۔ معارج النبوت
۵۱۔ مدارج النبوت
۵۲۔ ازالۃ الخفا
۵۳۔ کتاب ابن شحنہ
۵۴۔ ثمرات الاوراق
۵۵۔ سفینۃ البحار
۵۶۔ بحار الانوار
۵۷۔ حیات الحیوان
۵۸۔ سنن ابن ماجہ
۵۹۔ تفسیر قمی
۶۰۔ فہرست ابن ندیم
۶۱۔ نشر الطیب تھانوی
۶۲۔ تاریخ خضری
۶۳۔ صحیح بخاری
۶۴۔ غیاث اللغات
۶۵۔ ریاض النضرہ
۶۶۔ سیرۃ النبی
۶۷۔ تلخیص سیرۃ النبی
۶۸۔ در منثور
۶۹۔ لغات سروری
۷۰۔ ینابیع المودت
۷۱۔ زہرۃ الریاض
۷۲۔ تفسیر فتح البیان
۷۳۔ کبریت احمر
۷۴۔ الیواقیت والجواہر
۷۵۔ علم ترجمہ مسلم
۷۶۔ نیل الاوطار شوکانی
۷۷۔ صحیح مسلم
۷۸۔ الرق فی الاسلام
۷۹۔ تاریخ اسلام عباسی
۸۰۔ شواہد النبوت
۸۱۔ شرح شفا قاضی عیاض
۸۲۔ صواعق محرقہ
۸۳۔ وفاء الوفا
۸۴۔ فتاویٰ عزیزی
۸۵۔ شرح مواقف
۸۶۔ معجم البلدان
۸۷۔ شرح مسلم نووی
۸۸۔ الفاروق شبلی
۸۹۔ میزان الکبریٰ
۹۰۔ عجائب القصص
۹۱۔ فتح الباری
۹۲۔ خصائص نسائی

۹۳ - روض الانف
۹۴ - قرۃ العین
۹۵ - خلافت و امامت
۹۶ - تاریخ ابن الوردی
۹۷ - عرائس ثعلبی
۹۸ - جامع عباسی
۹۹ - اختیاراتِ مجلسی
۱۰۰ - نور الابصار
۱۰۱ - صراح
۱۰۲ - امہات الامۃ
۱۰۳ - ابنِ خلکان
۱۰۴ - سر العالمین
۱۰۵ - مکتوباتِ شیخ احمد سرہندی
۱۰۶ - محرم نامہ حسن نظامی
۱۰۷ - مودۃ القربیٰ
۱۰۸ - ارجح المطالب
۱۰۹ - المرتضیٰ
۱۱۰ - ربیع الابرار زمخشری
۱۱۱ - اسعاف الراغبین
۱۱۲ - لوامع التنزیل
۱۱۳ - صحاح المصابیح
۱۱۴ - مشکوٰۃ شریف
۱۱۵ - دمعہ ساکبہ
۱۱۶ - تاریخ مروج الذہب
۱۱۷ - مرجاء الانس بدخشانی
۱۱۸ - سوانح حیات سیدہؑ
۱۱۹ - اعلام الوریٰ
۱۲۰ - نور الانوار شرح سجادیہ
۱۲۱ - تذکرہ خواص الامۃ
۱۲۲ - تکلیف المکلفین
۱۲۳ - وسائل الشیعہ
۱۲۴ - مکارم الاخلاق
۱۲۵ - سنن ترمذی
۱۲۶ - مطالب السئول
۱۲۷ - زاد العقبیٰ
۱۲۸ - الامامت والسیاست
۱۲۹ - الملل والنحل
۱۳۰ - شرح ابن ابی الحدید
۱۳۱ - کتاب الاکتفاء
۱۳۲ - انسان العیون
۱۳۳ - انوار الحسینیہ
۱۳۴ - رویائے صادقہ
۱۳۵ - تیسیر القاری
۱۳۶ - مشکل الآثار طحاوی
۱۳۷ - براہین قاطعہ
۱۳۸ - اشعۃ اللمعات
۱۳۹ - الزہراء، ابونصر
۱۴۰ - شرح بخاری عینی
۱۴۱ - منتہی الآمال
۱۴۲ - دلائل الامامۃ
۱۴۳ - ناسخ التواریخ
۱۴۴ - عمدۃ المطالب
۱۴۵ - الانوار العلویہ
۱۴۶ - مشارق الانوار
۱۴۷ - رسالہ حضرت فضہ
۱۴۸ - مصابیح القلوب
۱۴۹ - ریاض القدس
۱۵۰ - معالی السبطین
۱۵۱ - تفسیر کشاف
۱۵۲ - تفسیر بیضاوی
۱۵۳ - تفسیر برہان
۱۵۴ - ذکر العباس
۱۵۵ - لسان الواعظین
۱۵۶ - خلاصۃ المصائب
۱۵۷ - مستدرک امام حاکم
۱۵۸ - کشف الغمہ
۱۵۹ - روضۃ الشہداء
۱۶۰ - کفایۃ الطالب
۱۶۱ - تاریخ آئمہ
۱۶۲ - میزان الاعتدال
۱۶۳ - فصول مہمہ
۱۶۴ - معارف الملۃ (حائری)
۱۶۵ - اصابہ
۱۶۶ - اسنی المطالب
۱۶۷ - نص و اجتہاد
۱۶۸ - کنز الواعظین بوعلی
۱۶۹ - جنات الخلود
۱۷۰ - حدیث قدسی
۱۷۱ - مدینۃ المعاجز
۱۷۲ - روح القرآن
۱۷۳ - عبقات الانوار
۱۷۴ - عین الحیات مجلسی
۱۷۵ - تاریخ بغداد
۱۷۶ - کتاب الشفا قاضی عیاض
۱۷۷ - نسیم الریاض
۱۷۸ - شرح مشکوٰۃ
۱۷۹ - کتاب خلافت
۱۸۰ - جنرل ہسٹری
۱۸۱ - انسائیکلوپیڈیا
۱۸۲ - اسپرٹ آف اسلام
۱۸۳ - منح مکیۃ
۱۸۴ - سلسبیل فصاحت
۱۸۵ - احیاء العلوم غزالی
۱۸۶ - منتخب بصائر
۱۸۷ - تفسیر کبیر
۱۸۸ - اربعین رازی
۱۸۹ - بحاری اُردو
۱۹۰ - شرح مواقف
۱۹۱ - انوار اللغت
۱۹۲ - مہذب مکالمہ
۱۹۳ - خلفاء رسول
۱۹۴ - تاریخ عرب
۱۹۵ - اعجاز التنزیل
۱۹۶ - معالم العلماء
۱۹۷ - الشیعہ وفنون الاسلام
۱۹۸ - اعیان الشیعہ
۱۹۹ - تاریخ تمدن اسلامی
۲۰۰ - امام مبین

۲۰۱ - ترجمہ نہج البلاغہ (شیعہ)
۲۰۲ - ترجمہ نہج البلاغہ (سُنی)
۲۰۳ - سیرت محمدیہ
۲۰۴ - ارشاد مفید
۲۰۵ - خصائص سیوطی
۲۰۶ - تاریخ اعثم کوفی
۲۰۷ - اتقان سیوطی
۲۰۸ - تاریخ اسلام امیر علی
۲۰۹ - الغفاری
۲۱۰ - نہایہ ابنِ اثیر
۲۱۱ - کتاب فتوحات
۲۱۲ - احسن الانتخاب
۲۱۳ - شرائع الاسلام
۲۱۴ - مجمع البحار
۲۱۵ - تحفہ سلیمانیہ
۲۱۶ - مناقب اخطب خوارزمی
۲۱۷ - نہایۃ الارب قلقشندی
۲۱۸ - معارف ابنِ قتیبہ
۲۱۹ - چچ نامہ قلمی
۲۲۰ - فتوح البلدان
۲۲۱ - تاریخ سندھ
۲۲۲ - تاریخ فرشتہ
۲۲۳ - طبقاتِ ناصری
۲۲۴ - کتاب زید شہید
۲۲۵ - تاریخ الفخری
۲۲۶ - تذکرہ محمدؐ و آلِ محمدؐ
۲۲۷ - مناقب مرتضوی
۲۲۸ - اکرار (بنارسی)
۲۲۹ - رحمۃٌ للعالمین
۲۳۰ - الاخبار الطوال
۲۳۱ - کشف الاسرار
۲۳۲ - مرقات الایقان
۲۳۳ - عقد الفرید
۲۳۴ - رحلۃ ابن جبیر اندلسی
۲۳۵ - سیف المقلدین
۲۳۶ - علل الشرائع
۲۳۷ - احقاق الحق
۲۳۸ - تاریخ الخلفاء
۲۳۹ - روضۃ الواعظین
۲۴۰ - مرآۃ الجنان
۲۴۱ - کامل مبرد
۲۴۲ - کفایۃ الاثر مجلسی
۲۴۳ - ترجمہ ابنِ خلدون
۲۴۴ - تسکین الفتن
۲۴۵ - دراسات اللبیب
۲۴۶ - سوانح امام حسنؑ
۲۴۷ - معجم الطالب
۲۴۸ - محاضرات اصفہانی
۲۴۹ - سمط الثمین طبری
۲۵۰ - سنن ابی داؤد
۲۵۱ - تاریخ عرب (ہٹی)
۲۵۲ - تاریخ سار اسٹیز کلی
۲۵۳ - سیرۃ الحسنؑ
۲۵۴ - ابصار العین
۲۵۵ - مقاتل الطالبین
۲۵۶ - عقد الفرید
۲۵۷ - روضۃ المناظر
۲۵۸ - نزل الابرار
۲۵۹ - مناقب ابن سمعان
۲۶۰ - شجرۃ الاولیاء
۲۶۱ - اقتباس الانوار
۲۶۲ - نصائح کافیہ
۲۶۳ - دیوان حسان بن ثابت
۲۶۴ - الحریت فی الاسلام
۲۶۵ - تطہیر الجنان
۲۶۶ - تفسیر نیشاپوری
۲۶۷ - منتخب اللغات
۲۶۸ - اغانی ابو الفرج
۲۶۹ - اوائل سیوطی
۲۷۰ - کامل السفینہ
۲۷۱ - حدیقہ سنائی
۲۷۲ - فرائد السمطین
۲۷۳ - منہاج السنت
۲۷۴ - انوار المضیہ
۲۷۵ - تفریح الاحباب
۲۷۶ - المدخل ابن الحاج
۲۷۷ - سنن ترمذی
۲۷۸ - سرمایۂ ایمان لاہجی
۲۷۹ - موضوعات ملّا علی قاری
۲۸۰ - تفسیر صافی
۲۸۱ - مصباح طوسی
۲۸۲ - مسند امام رضا
۲۸۳ - غنیۃ الطالبین
۲۸۴ - کشف المحجوب
۲۸۵ - مجمع الهیثمی
۲۸۶ - ذخائر العقبیٰ
۲۸۷ - میزان الکبریٰ
۲۸۸ - کنوز الحقائق مناوی
۲۸۹ - فضائل الخمسہ
۲۹۰ - طبقات ابن سعد
۲۹۱ - خون کے آنسو
۲۹۲ - شجرۂ طوبیٰ
۲۹۳ - کبریت احمر
۲۹۴ - منتخب طریحی
۲۹۵ - شہیدِ اعظم عبد المجید خاں
۲۹۶ - سر الشہادتین
۲۹۷ - نور العین
۲۹۸ - مخزن البکاء
۲۹۹ - جلاء العیون
۳۰۰ - اثارۃ الاحزان
۳۰۱ - کشکول بہائی
۳۰۲ - البدایہ والنہایہ
۳۰۳ - مقتل ابی مخنف
۳۰۴ - تذکرہ
۳۰۵ - مقتل عوالم
۳۰۶ - تاریخ اسلام
۳۰۷ - انسانیت موت کے دروازے پر
۳۰۸ - وسائل مظفری

۳۰۹ ۔ مائتین کنتوری
۳۱۰ ۔ مہیج الاحزان
۳۱۱ ۔ نور العین ترجمہ اسفرائنی
۳۱۲ ۔ انوار الشہادت
۳۱۳ ۔ ناموس اسلام
۳۱۴ ۔ تاریخ چین
۳۱۵ ۔ تہذیب التہذیب
۳۱۶ ۔ اسرار الشہادت دربندی
۳۱۷ ۔ الحسین ابو نصر
۳۱۸ ۔ زینب اخت الحسین
۳۱۹ ۔ بطلۂ کربلا
۳۲۰ ۔ سلسلۃ الذہب
۳۲۱ ۔ خصائص زینبیہ
۳۲۲ ۔ کتاب زینب
۳۲۳ ۔ حدائق الحنفیہ
۳۲۴ ۔ حیات الزہراء
۳۲۵ ۔ وسیلۃ النجات
۳۲۶ ۔ طبقات الحفاظ ذہبی
۳۲۷ ۔ عیون اخبار رضا
۳۲۸ ۔ مجمع البحرین
۳۲۹ ۔ الفرع النامی صدیق حسن
۳۳۰ ۔ فصل الخطاب
۳۳۱ ۔ فتوح العجم
۳۳۲ ۔ فتوحات اسلامیہ
۳۳۳ ۔ تحفہ حسینیہ بسطامی
۳۳۴ ۔ لہوف
۳۳۵ ۔ احسن القصص
۳۳۶ ۔ ریاض القدس
۳۳۷ ۔ مصباح المتہجد
۳۳۸ ۔ الحسینؑ جلال مصری
۳۳۹ ۔ الزام الناصب
۳۴۰ ۔ تحریر الشہادتین
۳۴۱ ۔ خلاصۃ الطاعات
۳۴۲ ۔ تفسیر امام حسن عسکری
۳۴۳ ۔ احتجاج طبرسی
۳۴۴ ۔ صحیفہ کاملہ
۳۴۵ ۔ ریاض السالکین
۳۴۶ ۔ شرح معلقات زوزنی
۳۴۷ ۔ دیوان حماسہ
۳۴۸ ۔ مجانی الادب
۳۴۹ ۔ تاریخ احمدی
۳۵۰ ۔ مجالس المومنین
۳۵۱ ۔ تاریخ فقہ خضری
۳۵۲ ۔ المنجد
۳۵۳ ۔ رجال کشی
۳۵۴ ۔ اعلام الموقعین ابن قیم
۳۵۵ ۔ اتحاف شبراوی
۳۵۶ ۔ الخراج ابو یوسف
۳۵۷ ۔ تدریب الراوی
۳۵۸ ۔ مآثر باقریہ
۳۵۹ ۔ مقدمہ ابن خلدون
۳۶۰ ۔ وفیات الاعیان
۳۶۱ ۔ سفر نامہ حج و زیارات
۳۶۲ ۔ تحفہ اثنا عشریہ
۳۶۳ ۔ انوار اللغۃ
۳۶۴ ۔ حلیۃ الابرار
۳۶۵ ۔ الوسائل محمد علی
۳۶۶ ۔ اسوۃ الرسول
۳۶۷ ۔ جامع الاخبار
۳۶۸ ۔ حجج الکرام عتیق حسن
۳۶۹ ۔ تاریخ صغیر بخاری
۳۷۰ ۔ سیرۃ النعمان شبلی
۳۷۱ ۔ مصفی شرح موطا
۳۷۲ ۔ تذکرۃ المعصومین
۳۷۳ ۔ صادق آل محمدؐ
۳۷۴ ۔ تحفۃ الزائر
۳۷۵ ۔ تصویر عزا
۳۷۶ ۔ ادب الکاتب ابن قتیبہ
۳۷۷ ۔ الاعلام زرکلی
۳۷۸ ۔ معارف القرآن وجدی
۳۷۹ ۔ کتاب و کتاب خانہ (بلسوائی)
۳۸۰ ۔ طبقات الامم
۳۸۱ ۔ اخبار الحکماء
۳۸۲ ۔ انسائیکلو پیڈیا اسلامک ہسٹری ۔
۳۸۳ ۔ معجم المطبوعات
۳۸۴ ۔ خلاصۃ الاقوال حلی
۳۸۵ ۔ منہج المقال
۳۸۶ ۔ مولفو الشیعہ فی صدر الاسلام
۳۸۷ ۔ المعتبر محقق حلی
۳۸۸ ۔ رجال ابن عقدہ
۳۸۹ ۔ رجال طوسی
۳۹۰ ۔ الخصال بابویہ
۳۹۱ ۔ حلیۃ المتقین
۳۹۲ ۔ تہذیب الاسلام
۳۹۳ ۔ سوانح چہاردہ معصومین
۳۹۴ ۔ شرح شافیہ
۳۹۵ ۔ مشارق الانوار برسی
۳۹۶ ۔ فتوح الشام واقدی
۳۹۷ ۔ تحفۃ الناظرین
۳۹۸ ۔ انوار الاخبار
۳۹۹ ۔ انوار نعمانیہ
۴۰۰ ۔ اخبار الخلفا ابن داعی
۴۰۱ ۔ سوانح امام موسیٰ کاظم
۴۰۲ ۔ التنازع والتخاصم
۴۰۳ ۔ روائح المصطفیٰ
۴۰۴ ۔ کشف الظنون
۴۰۵ ۔ عیون المعجزات
۴۰۶ ۔ اثنا عشریہ (ایڈورڈ سیل)
۴۰۷ ۔ لمعۃ الضیا
۴۰۸ ۔ جامع الاصول
۴۰۹ ۔ شرح جامع صغیر
۴۱۰ ۔ تحفہ رضویہ
۴۱۱ ۔ کنز الانساب ابی مخنف
۴۱۲ ۔ سوانح امام رضاؑ
۴۱۳ ۔ المامون
۴۱۴ ۔ تنزیہ الانبیاء
۴۱۵ ۔ شرح تجرید

۴۱۶ - کاشف النقاب
۴۱۷ - تاریخ فخری
۴۱۸ - منتہی الآمال
۴۱۹ - تاریخ آلِ محمدؐ
۴۲۰ - خلاصہ تہذیب الکمال
۴۲۱ - مختصر اخبار الخلفاء
۴۲۲ - سوانح محمد تقیؑ
۴۲۳ - آئمہ اثنا عشر (ابن طولون)
۴۲۴ - کتاب شجرۂ سادات کرادی
۴۲۵ - بدر مشعشع
۴۲۶ - اثبات الوصیت
۴۲۷ - تاریخ گزیدہ
۴۲۸ - قمقام زخار
۴۲۹ - امالی شیخ طوسی
۴۳۰ - تاریخ قرمانی قلمی
۴۳۱ - دسویں امام
۴۳۲ - ترجمہ سنن ابن ماجہ
۴۳۳ - البشریٰ شرح مودۃ القربیٰ
۴۳۴ - منتہی الارب
۴۳۵ - التقاط صدیق حسن
۴۳۶ - مناقب ائمہ اطہار محدث دہلوی
۴۳۷ - غایۃ المقصود
۴۳۸ - کتاب اقبال (ابن طاؤس)
۴۳۹ - لوائح الانوار
۴۴۰ - فتوحات مکیہ
۴۴۱ - کفایۃ الطالب
۴۴۲ - البیان فی اخبار صاحب الزمان

۴۴۳ - فضل المبین (محدث دہلوی)
۴۴۴ - مفتاح النجا بدخشانی
۴۴۵ - مراۃ الاسرار
۴۴۶ - ہدایۃ السعداء
۴۴۷ - موالید الائمہ جہمی
۴۴۸ - مرقات شرح مشکوات
۴۴۹ - براہین ساباطیہ
۴۵۰ - کتاب لواقع (شیخ حسن)
۴۵۱ - مکاشفات
۴۵۲ - کتاب نوادر (محدث دہلوی)
۴۵۳ - تاریخ خمیس (سمنانی)
۴۵۴ - کتاب شرح میبذی
۴۵۵ - کتاب بیان الاحسان
۴۵۶ - تاریخ اسلام (ذہبی)
۴۵۷ - ابطال الباطل (روزبہان)
۴۵۸ - تفسیر حسینی
۴۵۹ - اشاعت اسلام دیوبندی
۴۶۰ - المستطرف امام الشبہی
۴۶۱ - دینی باتیں (ذاکر حسین)
۴۶۲ - روضۃ الناظر
۴۶۳ - حق الیقین
۴۶۴ - معانی الاخبار
۴۶۵ - شرح مواقف
۴۶۶ - انوار القلوب
۴۶۷ - الوافی محسن فیض
۴۶۸ - تہذیب الاحکام
۴۶۹ - محسن اعظم و محسنین

۴۷۰ - زندگانی محمدؐ
۴۷۱ - شرح عقائد نسفی
۴۷۲ - معارج العرفان
۴۷۳ - تفسیر بیضاوی
۴۷۴ - تاریخ اسلام عبدالحکیم نشتر
۴۷۵ - دلائل الامامت
۴۷۶ - جمع الفوائد
۴۷۷ - الجمہرۃ ابن حزم
۴۷۸ - تہذیب الاسماء
۴۷۹ - مقتل ابن نما
۴۸۰ - شرح فقہ اکبر
۴۸۱ - تاریخ القرآن کردی
۴۸۲ - انوار المجالس
۴۸۳ - جواہر الکلام بغدادی
۴۸۴ - نجوم زاہرہ
۴۸۵ - المصائب
۴۸۶ - منہاج الدموع
۴۸۷ - ریاحین الشریعۃ
۴۸۸ - سیدہ کی عظمت مولانا کوثر نیازی
۴۸۹ - مناقب ابو حنیفہ
۴۹۰ - سلاطین اسلام، لینن پول
۴۹۱ - غایۃ الاختصار
۴۹۲ - صحاح الاخبار
۴۹۳ - درالمصائب

۴۹۴ - تاریخ ابن طولون
۴۹۵ - انساب سمعانی
۴۹۶ - قیامت نامہ دہلوی
۴۹۷ - تاریخ اسلام غلام رسول مہر
۴۹۸ - احسن التقاسیم مقدسی
۴۹۹ - کفایۃ الاثر
۵۰۰ - رسالہ جزیرۂ خضراء
۵۰۱ - اکمال الدین
۵۰۲ - تاریخ جہاں آرا
۵۰۳ - ریاض العلماء
۵۰۴ - کفایۃ المہدی
۵۰۵ - کشف القناع
۵۰۶ - ریاض المومنین
۵۰۷ - سراج القلوب
۵۰۸ - جواہر البیان جردنی
۵۰۹ - بدایع الاخبار سروری
۵۱۰ - ارشاد الطالبین
۵۱۱ - عربی ماہنامہ الہادی قم
۵۱۲ - اخبار پانیر لکھنؤ
۵۱۳ - سرفراز لکھنؤ
۵۱۴ - اخبار پیام اسلام لکھنؤ
۵۱۵ - الجواد بنارس
۵۱۶ - اہل حدیث امرتسر
۵۱۷ - آجکل لکھنؤ
۵۱۸ - انقلاب لاہور
۵۱۹ - طلوع اسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علیٰ اھلہا

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کے مختصر خاندانی حالات

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی نسل سے تھے۔ حضرت ابراہیم اہواز۔ بابل یا عراق کے ایک قریہ "کوثہ" میں طوفانِ نوح سے ۱۰۸۱ سال بعد پیدا ہوئے جب آپ کی عمر ۸۶ سال کی ہوئی تو آپ کے یہاں بطن جنابِ ہاجرہ سے حضرتِ اسماعیلؑ پیدا ہوئے اور ۹۰ سال کی عمر میں جناب سارہ سے حضرت اسحاق متولد ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے دونوں بیویوں کو ایک جگہ رکھنا مناسب نہ سمجھ کر سارہ کو مع اسحاق شام میں چھوڑا اور ہاجرہ کو مع اسماعیل حجاز کے شہر مکہ میں بحکمِ خدا پہنچا آئے۔ اسحاق کی شادی شام میں اور اسماعیل کی مکہ میں قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے ہوئی۔ اس طرح اسحٰق کی نسل شام میں اسماعیلؑ کی نسل مکہ میں بڑھی۔ جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سال کی ہوئی اور جناب ہاجرہ کا انتقال بھی ہوگیا تو آپ مکہ تشریف لائے اور اسماعیلؑ کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ تعمیر ہجرت نبوی سے ۲۷۹۳ سال قبل ہوئی تھی۔ انھوں نے ایک خواب کے حوالہ سے بحکم خدا اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرنا چاہا تھا۔ جس کے ردِ عمل میں خدا نے دُنبہ بھیج کر فرمایا کہ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ ابراہیمؑ سُنو! ہم نے تمھارے فدیہ (اسماعیل) کو ذبح عظیم امام حسینؑ سے بدل دیا ہے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ حضرت آدمؑ کے دُنیا میں آنے کے ۳۴۳۵ سال بعد کا ہے۔ اس کے بعد چند باتوں میں آپ کا امتحان لیا گیا جس میں کامیابی کے بعد آپ کو درجہ امامت پر فائز کیا گیا۔ آپ نے خواہش کی کہ یہ عہدہ میری نسل میں مستقر کر دیا جائے۔ ارشاد ہوا بہتر ہے لیکن تمھاری نسل میں جو ظالم ہوں گے وہ اس سے محروم رہیں گے۔ آپ کا لقب خلیل اللہ تھا اور آپ اولوالعزم پیغمبر تھے۔ آپ صاحب شریعت تھے اور خدا کی بارگاہ میں آپ کا یہ درجہ تھا کہ خاتم الانبیاء کو آپ کی شریعت کے باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ آپ نے ۱۷۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مقام قدس جلیل (خلیل الرحمٰن) میں دفن کئے گئے۔ وفات سے قبل

آپ نے اپنا جانشین حضرت اسماعیل کو قرار دیا۔

مؤرخین فرنگ کا کہنا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت جناب مسیح سے ۱۹۱۱ سال قبل ہوئی تھی۔ حضرت اسماعیل کے یہ خصوصی امتیازات ہیں کہ (۱) انھیں کی وجہ سے مکہ آباد ہوا (۲) چاہ زمزم برآمد ہوا۔ (۳) حج کعبہ کی عبادت کا آغاز ہوا۔ ۱۰ ذی الحجہ کو عید قربان کی سنّت جاری ہوئی۔ آپ کا انتقال ۱۳۷ سال کی عمر میں ہوا۔ اور آپ حجر اسماعیل (مکہ) کے قریب دفن ہوئے۔ آپ نے بارہ فرزند چھوڑے۔ آپ کی وفات کے بعد خانۂ کعبہ کی نگرانی و دیگر خدمات آپ کے فرزند ہی کرتے رہے۔ ان کے فرزندوں میں قیدار کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ غرضیکہ اولاد حضرت اسماعیل مکہ معظمہ میں بڑھتی اور نشوونما پاتی رہی۔ یہاں تک کہ تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص فہر نامی پیدا ہوا جو انتہائی باکمال تھا۔ اس فہر کی نسل سے پیغمبر اسلام متولد ہوئے۔ علامہ طریحی کا کہنا ہے کہ اسی فہر یا اس کے دادا نضر بن کنانہ کو قریش کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بحر الہند سے اُس نے ایک بہت بڑی مچھلی شکار کی تھی جس کو قریش کہا جاتا تھا۔ اور اُسے لاکر مکہ میں رکھ دیا تھا جسے لوگ دیکھنے کے لیے دُور دُور سے آتے تھے۔ لفظ فہر عبرانی ہے۔ اور اس کے معنی پتھر کے ہیں اور قریش کے معنی قدیم عربی میں "سوداگر" کے ہیں۔

قصی

پانچویں صدی عیسوی میں ایک بزرگ فہر کی نسل سے گزرے ہیں جن کا نام "قصی" تھا۔ شبلی نعمانی کا کہنا ہے کہ انہیں قصی کو قریش کہتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ غلط ہے قصی کا اصل نام زید اور کنیت ابوالمغیرہ تھی۔ ان کے باپ کا نام کلاب اور ماں کا نام فاطمہ بنت سعد اور بیوی کا نام عاتکہ بنت خالخ بن لیک تھا۔ یہ نہایت ہی نامور بلند حوصلہ، جوان مرد عظیم الشان بزرگ تھے۔ انھوں نے زبردست عزّت و اقتدار حاصل کیا تھا۔ یہ نیک چلن بامروّت، سخی اور دلیر تھے۔ ان کے خیالات پاک اور بے لوث تھے۔ ان کے اخلاق بلند شائستہ اور مہذب تھے۔ ان کی ایک بیوی حبی بنت خلیل خزاعی تھیں۔ یہ خلیل بنو خزاعہ کا سردار تھا۔ اس نے وفات کے وقت خانۂ کعبہ کی تولیت حبی کو سپرد کردینا چاہی۔ اس نے اپنی کمزوری کے حوالہ سے انکار کر دیا پھر اُس نے اپنے ایک رشتہ دار ابوغبشان خزاعی کے سپرد کی۔ اُس نے اس اہم خدمت کو قصی کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اس طرح قصی ابن کلاب اس عظیم شرف کے بھی مالک بن گئے انھوں نے خانۂ کعبہ کی مرمت کرائی اور دار الندوہ بنوایا۔ رفاہ عام کے سلسلہ میں بے شمار خدمات کیں۔ مکہ میں کنواں کھدوایا جس کا نام عجول تھا قصی کا انتقال ۴۸۰ء میں ہوا۔ مرنے کے بعد انھیں مقام حجون میں دفن کیا گیا اور اُن کی قبر زیارت گاہ بن گئی۔ قصی اگرچہ نبی یا امام نہ تھے۔ لیکن حامل نور محمدی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمان فضیلت کے آفتاب بن گئے۔

عبد مناف

قصی کے چھ بیٹے تھے جن میں عبدالدار سب سے بڑا اور عبدالمناف سب سے لائق تھا۔ انھوں نے مرتے وقت بڑے بیٹے کو تمام مناصب سپرد کئے۔ لیکن عبدمناف نے اپنی لیاقت

کی وجہ سے سب میں شرکت حاصل کرلی۔ یہ قریش کے مسلم الثبوت سردار بن گئے۔ عبدمناف کا اصل نام مغیرہ اور کنیت ابوعبدشمس تھی اور ماں کا نام حبی بنت خلیل تھا۔ انھوں نے عاتکہ بنت مرہ سلیمہ بن حلال سے شادی کی انھیں حسن وجمال کی وجہ سے "قمر" ماہتاب کہا جاتا تھا۔" دیار بکری" کا کہنا ہے کہ عبدمناف کو مغیرہ کہتے تھے۔ وہ تقویٰ وصلہ رحم کی تلقین کیا کرتے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں ایک ہی عقیدہ پر تھے اور انھوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ یہ بھی اپنے باپ قصی کی طرح مناقب بے حد اور فضائل بے شمار کے مالک اور نور محمدی کے حامل تھے۔ انھوں نے ملک شام کے مقام غزوہ میں انتقال کیا۔

عبدمناف کے جیتے جی تو کوئی جھگڑا اٹھا نہیں۔ ان کے بعد ان کی اولاد جن میں ہاشم مطلب عبدشمس اور نوفل نمایاں حیثیت رکھتے تھے، میں یہ جذبہ ابھر پڑا کہ عبدالدار کی اولاد سے وہ مناصب لے لینے چاہئیں جن کے وہ اہل نہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے بنی عبدالدار سے مناصب کی واپسی یا تقسیم کا سوال کیا انھوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد جنگ کا میدان ہموار ہوگیا۔ بالآخر اس بات پر صلح ہوگئی کہ رفادہ سقایہ کی قیادت بنی عبدمناف کے قبضہ میں رہے اور حجابت اور لوا برداری کا منصب بنی عبدالدار کے پاس رہے۔ اور دارالندوہ کی صدارت مشترکہ ہو۔

ہاشم آپ کا نام عمرو کنیت ابونضلہ تھی۔ آپ کے والد عبدمناف اور والدہ عاتکہ بنت مرۃ السلیمہ تھیں۔ آپ کو علو مرتبہ کی وجہ سے عمرو العلاء بھی کہتے تھے۔ آپ اور عبدالشمس وہ دونوں اس طرح جڑواں پیدا ہوئے تھے کہ ان کے پاؤں کا پنجہ عبدالشمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا۔ جسے تلوار کے ذریعہ سے علیحدہ کیا گیا۔ اور بے انتہا خون بہا، جس کی تعبیر نجومیوں نے باہمی خونریز جنگ سے کی جو بالکل صحیح اتری اور دونوں خاندانوں کے درمیان ہمیشہ جنگ متوارث رہی۔ جس کا اختتام ۱۳۳ھ ہجری میں ہوا۔ بنی عباس (ہاشمی) اور بنی امیہ (شمسی) میں ایسی خونریز جنگ ہوئی۔ جس نے بنی امیہ کی قوت وطاقت اور بلندی اقبال کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔

آپ فطرتاً سیر چشم اور فیاض تھے۔ دولت مندی میں بھی بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ حجاج کی خدمت آپ کی زندگی کا کارنامہ تھا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ آپ کو ہاشم اس لیے کہتے ہیں کہ آپ نے ایک شدید قحط کے موقع پر اپنی ذاتی دولت سے شام جاکر بہت کافی کیک خریدا تھا اور اسے لاکر تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ اسے شوربا میں توڑ کر کھا جاؤ۔ ہشم کے معنی توڑنے کے ہیں۔ لہٰذا ہاشم کہے جانے لگے۔ آپ نے اپنی شادی اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے کی، جس سے حضرت اسد پیدا ہوئے۔ دوسری شادی خزرجیوں کے ایک مشہور قبیلہ بنی عدی ابن نجاریہ یثرب (مدینہ) کی نجیب الطرفین دختر سے کی۔ اسی کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبدالمطلب شیبۃ الحمد سے پکارا گیا۔ عبدالمطلب ابھی دودھ ہی پیتے تھے کہ جناب ہاشم کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی اولاد کے متعلق حضرت جبرئیلؑ کا کہنا ہے کہ میں نے مشرق و

مغرب کو چھان کر دیکھا ہے کہ محمد مصطفیٰ سے بہتر کوئی نہیں ہے اور بنی ہاشم سے بہتر کوئی خاندان نہیں ہے۔
جنابِ ہاشم نے ۵۱۰ء میں بمقام غزہ شام میں انتقال فرمایا۔

جنابِ اسد

آپ حضرت ہاشم کے بڑے بیٹے تھے۔ آپ کی ولادت ۴۹۷ء سے قبل ہوئی تھی۔ آپ میں انسانی ہمدردی بحدِ کمال پہنچی ہوئی تھی۔ فخر الدین رازی کا بیان ہے کہ جناب اسد نے ایک دن اپنے ایک دوست کو سخت بھوکا پاکر (جو بنی مخزوم سے تھا) اپنی والدہ سے کہا کہ اس کے لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ اُنھوں نے پنیر اور آٹا وغیرہ کافی مقدار میں اس کے گھر بھجوا کر اُسے سکون بخشا۔ پھر اسی واقعہ سے متاثر ہو کر جناب ہاشم نے اہلِ مکّہ کو جمع کیا اور ان میں تجارت کا جذبہ وشوق پیدا کیا۔
اسد کے معنی شیر کے ہیں۔ ابنِ خالویہ کا یہ کہنا ہے کہ "شیر" کے پانچ سو نام ہیں جن میں ایک اسد بھی ہے۔ شیر بھوک اور پیاس پر صابر ہوتا ہے۔ علامہ طریحی کا کہنا ہے کہ شیر کی اولاد کم ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت اسد کے اولاد کم تھی بلکہ اولادِ ذکور مفقود اور غالباً صرف فاطمہ بنت اسد ہی تھیں جو بعد میں حضرت علیؑ کی والدہ گرامی قرار پائیں۔

جنابِ عبد المطلب

آپ حضرت ہاشم کے نہایت جلیل القدر صاحبزادے تھے ۴۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا انتقال بچپنے میں ہی ہو چکا تھا۔ پرورش کے فرائض آپ کے چچا مطلب کی کنارِ عاطفت میں ادا ہوئے اور خوش قسمتی سے آخر میں عرب کے سب سے بڑے سردار قرار پائے۔ آپ کے والد ہی کی طرح آپ کی والدہ بھی (جن کا نام سلمٰی) تھا۔ شرافت وعظمت میں انتہائی بلندی کی مالک تھیں۔ ابنِ ہشام کا کہنا ہے کہ وہ وقارِ خاندانی کی وجہ سے اپنے نکاح کو اس شرط سے مشروط کرتی تھیں کہ جب چاہیں گی گھر چلی جائیں گی۔ علامہ حلبی کا کہنا ہے کہ وہ یہ شرط بھی لگاتی تھیں کہ تولید کے موقع پر اپنے میکے میں رہوں گی۔ جناب عبد المطلب کا ایک نام شیبۃ الحمد بھی تھا۔ کیونکہ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے سر پر سفید بال تھے۔ اور شیب سفیدی سر کو کہتے ہیں۔ حمد سے اسے مضاف اس لیے کیا کہ آگے چل کر بے انتہا ممدوح ہونے کی ان میں علامتیں دیکھی جا رہی تھیں۔ آپ سنِ شعور تک پہنچتے ہی جناب ہاشم کی طرح نامور اور مشہور ہو گئے۔ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح اپنے پر شراب حرام کر رکھی تھی اور غارِ حرا میں بیٹھ کر عبادت کرتے تھے۔ آپ کا دسترخوان اتنا وسیع تھا کہ انسانوں کے علاوہ پرندوں کو بھی کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مصیبت زدہ وں کی امداد اور اپاہجوں کی خبر گیری ان کا خاص شیوہ تھا۔ آپ نے بعض ایسے طریقے رائج کئے جو بعد میں مذہبی نقطۂ نظر سے انسانی زندگی کے اصول بن گئے۔ مثلاً ایفاءِ نذر۔ نکاح محارم سے اجتناب، دختر کشی کی ممانعت، خمر و زنا کی حرمت اور قطع یدِ سارق۔ عبد المطلب کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے چاہ زمزم کو جو مرورِ زمانہ سے بند ہو چکا تھا۔ پھر کھدوا کر جاری کیا۔
آپ کے عہد کا ایک اہم واقعہ کعبۂ معظّمہ پر لشکر کشی ہے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ ابرہۃ الاشرم یمن کا عیسائی

بادشاہ تھا۔ اس میں مذہبی تعصب بے حد تھا۔ خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت دیکھ کر آتشِ حسد سے بھڑک اٹھا اور اس کے وقار کو گھٹانے کے لیے مقام "صنعا"[1] میں ایک عظیم الشان گرجا بنوایا۔ مگر اس کی لوگوں کی نظر میں خانہ کعبہ والی عظمت نہ پیدا ہو سکی تو اس نے کعبہ کو ڈھانے کا فیصلہ کیا۔ اور اسود بن مقصود حبشی کی زیرِ سرکردگی ایک عظیم الشان لشکر مکّہ کی طرف روانہ کر دیا۔ قریش، کنانہ، خزاعہ اور ہذیل پہلے تو لڑنے کے لیے تیار ہوئے۔ لیکن لشکر کی کثرت دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے اور مکّہ کی پہاڑیوں میں اہل و عیال سمیت جا چھپے۔ البتہ عبدالمطلب اپنے چند ساتھیوں سمیت خانہ کعبہ کے دروازے میں جا کھڑے ہوئے اور کہا۔ مالک تیرا گھر ہے اور صرف تُو ہی بچانے والا ہے۔ اسی دوران میں لشکر کے سردار نے مکّہ والوں کے کھیت سے مویشی پکڑے جن میں عبدالمطلب کے دو سو اُونٹ بھی تھے۔ الغرض ابرہہ نے حناط حمیری کو مکّہ والوں کے پاس بھیجا اور کہا کہ ہم تم سے لڑنے نہیں آئے۔ ہمارا ارادہ صرف کعبہ ڈھانے کا ہے۔ عبدالمطلب نے پیغام کا یہ جواب دیا کہ ہمیں بھی لڑنے سے کوئی غرض نہیں اور اس کے بعد عبدالمطلب نے ابرہہ سے ملنے کی درخواست کی۔ اُس نے اجازت دی یہ داخلِ دربار ہوئے۔ ابرہہ نے پُرتپاک خیر مقدم کیا اور ان کے ہمراہ تخت سے اُتر کر فرش پر بیٹھا۔ عبدالمطلب نے دورانِ گفتگو میں اپنے اُونٹوں کی رہائی اور واپسی کا سوال کیا۔ اس نے کہا تم نے اپنے آبائی مکان "کعبہ" کے لیے کچھ نہیں کہا۔ انھوں نے جواب دیا "انا ربّ الابل وللبیت ربٌّ سیمنعہ"۔ "میں اُونٹوں کا مالک ہوں اپنے اونٹ مانگتا ہوں جو کعبہ کا مالک ہے اپنے گھر کو خود بچائے گا۔ عبدالمطلب کے اونٹ ان کو مل گئے اور وہ واپس آ گئے۔ اور قریش کو پہاڑیوں پر بھیج کر خود وہیں ٹھہر گئے۔ غرضیکہ ابرہہ عظیم الشان لشکر لے کر خانہ کعبہ کی طرف بڑھا اور جب اس کی دیواریں نظر آنے لگیں تو ڈھا دالو دینے کا حکم دے دیا۔ خدا کا کرنا دیکھتے کہ جیسے ہی گستاخ و بیباک لشکر نے قدم بڑھایا مکّہ کے غربی سمت سے خداوندِ عالم کا ہوائی لشکر "ابابیل" کی صُورت میں نمودار ہوا۔ ان پرندوں کی چونچ اور پنجوں میں ایک ایک کنکری تھی۔ انھوں نے یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برسانا شروع کیں۔ چھوٹی چھوٹی کنکریوں نے بڑی بڑی گولیوں کا کام کر کے سارے لشکر کا کام تمام کر دیا۔ ابرہہ جو محمود نامی سُرخ ہاتھی پر سوار تھا۔ زخمی ہو کر یمن کی طرف بھاگا۔ لیکن راستہ ہی میں

---

[1] صنعاء، یمن کا دارالحکومت ہے۔ اسے قدیم زمانے میں اُزال بھی کہتے تھے۔ تمام عرب میں سب سے عمدہ اور خوب صُورت شہر ہے۔ عدن سے ۲۶۰ میل کے فاصلہ پر ایک زرخیز وادی میں واقع ہے، اس کی آب و ہوا معتدل اور خوشگوار ہے۔ اس کے جنوب مشرق میں تین دن کی مسافت پر شہر "مارب" ہے جس کو "سبا" بھی کہتے ہیں، صنعا کے شمال مغرب میں ۹۰ فرسخ پر "صوزہ" ہے۔ یہاں کا چمڑہ دُور دراز ملکوں میں تجارت کو جاتا ہے۔ صنعاء کے مغرب میں بحیرۂ قلزم سے ایک منزل کی مسافت پر "شہرِ زبید" واقع ہے جہاں سے تجارت کے واسطے "قہوہ" اطراف میں جاتا ہے۔ زبید سے ۴ منزل اور صنعا سے ۶ منزل پر "بیت الفقیہ" واقع ہے۔ زبید کے شمال مشرق میں "شہر مہجم" ہے صنعاء سے ۶ منزل کے فاصلہ پر زبید کے جنوب میں "قلعہ تعز" ہے۔ صنعاء کے شمال میں ۱۰ منزل کی مسافت پر "نجران ہے"۔

واصلِ جہنم ہوگیا۔ یہ واقعہ ۵۷۰ کا ہے۔ چونکہ ابرہہ ہاتھی پر سوار تھا اور عرب نے اس سے قبل ہاتھی نہ دیکھا تھا نیز اس لئے کہ بڑے بڑے ہاتھیوں کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی ننھی ننھی کنکریوں سے بحکم خدا تباہ کرکے خدا کے گھر کو بچایا اس لیے اس واقعہ کو ہاتھی کی طرف منسوب کیا گیا اور اسی سے سنہ عام الفیل کہا گیا۔ مہندی کا خضاب عبدالمطلب نے ایجاد کیا ہے۔ ابن ندیم کا کہنا ہے کہ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط مامون رشید کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ علامہ مجلسی اور مولوی شبلی کا کہنا ہے کہ آپ نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور مقام حجون میں دفن ہوئے۔ میرے نزدیک آپ کا سن وفات ۵۷۰ عیسوی ہے۔

جنابِ عبداللہ

آپ جنابِ عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ کنیت ابواحمد تھی۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا جو عمر بن عائذ بن عمر بن مخزوم کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے کئی بھائی تھے۔ جن میں ابوطالب کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ جنابِ عبداللہ ہی وہ عظیم المرتبت بزرگ ہیں جن کو ہمارے نبی کریمؐ کے والد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نہایت متین، سنجیدہ اور شریف طبیعت کے انسان تھے اور نہ صرف جلالتِ نسب بلکہ مکارمِ اخلاق کی وجہ سے تمام جوانانِ قریش میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ محاسنِ اعمال اور شمائلِ مطبوع میں فرد تھے۔ حرکات موزوں اور لطف و گفتار میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے جنابِ عبدالمطلب آپ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نذر مانی کہ اگر خدا نے مجھے دس بیٹے دیئے تو میں ان میں سے ایک راہِ خدا میں قربان کر دوں گا۔ اور اس کی تکمیل میں عبداللہ کو ذبح کرنے چلے لوگوں نے پکڑ لیا اور کہا کہ آپ قربانی کے لیے قرعہ ڈالیں۔ چنانچہ بار بار عبداللہ کے ذبح پر ہی قرعہ نکلتا رہا۔ عبدالمطلب نے سخت اصرار کے ساتھ انھیں ذبح کرنا چاہا۔ لیکن اونٹوں کی تعداد بڑھا کر قرعہ کے لیے ۱۰۰ تک لے گئے۔ بالآخر تین بار عبداللہ کے مقابلہ میں ۱۰۰ اونٹوں پر قرعہ نکلا۔ اور عبداللہ ذبح سے بچ گئے۔ اس کے بعد آپ کی شادی قبیلہ زہرا میں وہب ابن عبدمناف کی صاحبزادی "آمنہ" سے ہوگئی۔ شادی کے وقت جنابِ عبداللہ کی عمر تقریباً ۱۸ سال کی تھی۔ آپ نے ۲۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ آپ مکہ سے بسلسلہ تجارت مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں آپ کا انتقال ہوگیا۔ اور آپ مقامِ ابواء میں دفن کیے گئے۔ آپ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی، جس کا نام برکتؓ اور عرف ام ایمن تھا۔

حضرت ابوطالب

آپ حضرت ہاشم کے پوتے، عبدالمطلب کے بیٹے اور جنابِ عبداللہ کے سگے بھائی تھے۔ آپ کا اصلی نام عمران تھا۔ کنیت ابوطالب تھی۔ آپ کی مادرِ گرامی فاطمہ بنت عمر و مخزومی تھیں شمس العلما نذیر احمد کا کہنا ہے آپ عبدالمطلب کے اولاد ذکور میں سب سے زیادہ باوقار اور عقلمند تھے۔ عبدالمطلب کے بعد پیغمبر اسلام کی پرورش آپ نے شروع کی اور تاحیات اُن کی نصرت و حمایت کرتے رہے۔ مولوی شبلی کا کہنا ہے کہ ابوطالب کا یہ طریقہ تا زیست رہا کہ آنحضرتؐ کو اپنے

ساتھ سُلاتے تھے۔ اور جہاں جاتے تھے ساتھ لے جاتے تھے۔ کفارِ قریش اور اشرار یہود سے آپ نے آنحضرتؐ کی حفاظت کی اور انھیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچنے دیا۔ مورخ ابنِ اثیر کا کہنا ہے کہ سفر شام کے موقع پر ایک راہب کی نظر آپؐ پر پڑی۔ اُس نے اِن میں بزرگی کے آثار دیکھے اور ابوطالب سے کہا کہ انھیں جلد واپس وطن لے جاؤ۔ مبادا انھیں یہود قتل کر ڈالیں۔ ابوطالب نے اپنا سارا سامانِ تجارت فروخت کر کے وطن کی راہ لی۔ مورخ دیار بکری کا کہنا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰؐ جنابِ ابوطالب کی تحریک سے جناب خدیجہؓ کا مال برائے فروخت شام کی طرف لے جایا کرتے تھے۔ چند دنوں میں خدیجہؓ نے شادی کی خواہش کی اور نسبت ٹھہر گئی۔ جنابِ ابوطالب نے آنحضرتؐ کی طرف سے خطبۂ نکاح پڑھا[۱]۔ ابوطالب کے خطبہ کی ابتدا اِن لفظوں سے ہے۔ الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم۔ تمام تعریفیں اُس خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں ذریت ابراہیم میں قرار دیا۔ چار سو دینار سُرخ پر عقد ہوا۔ عقدِ نکاح کے بعد "فرح ابوطالب فرحاً شدیداً" حضرت ابوطالب بہت ہی خوش ہُوئے۔ علامہ طریحی کا بحوالہ امام جعفر صادق علیہ السّلام کہنا ہے کہ ابوطالب ایمان کے تحفظ میں اصحاب کہف کے مانند تھے۔ شمس العلما نذیر احمد کا کہنا ہے کہ عبد المطلب اور ابوطالب دینِ فطرت کو مضبوطی سے پکڑے ہُوئے تھے۔ علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ "ان اباالنبی لم یکن فیھم مشرک"۔ آنحضرتؐ کے آبا و اجداد میں ایک شخص بھی مشرک نہیں تھا۔ قرآن مجید میں ہے کہ اے نبیؐ ہم نے تم کو سجدہ کرنے والوں کی پُشت میں رکھا۔ ابوطالب کے متعلق شمس العلما نذیر احمد کا کہنا ہے کہ وہ دل سے پیغمبر کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے۔ شمسُ العلما شبلی کا کہنا ہے کہ ابوطالب مرتے وقت بھی کلمہ پڑھ رہے تھے لیکن بخاری کی ایک ایسی مرسل روایت کی بنا پر جس میں مسیّب شامل ہے انھیں غیر مسلم کہا جاتا ہے۔ جو قابلِ صحت لائق تسلیم نہیں ہے۔ غرضکہ آپ کے مومن اور مسلمان ہونے پر منصف مورخین کا اتفاق ہے۔ ابوطالب کے دو شعر قابلِ ملاحظہ ہیں۔

ودعوتنی وعلمت انک صادق ولقد صدقت فکنت قبل امینا

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریہ دینا

(ترجمہ) اے محمدؐ! تم نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی اور میں خوب جانتا ہوں کہ تم یقیناً سچے ہو کیونکہ تم اس عہدِ نبوت کے اظہار سے قبل بھی لوگوں کی نظر میں سچے رہے ہو۔ میں اچھی طرح جانتے ہوئے ہوں کہ اے محمدؐ! تمہارا دین دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔ آپ کی بیوی فاطمہ بنت اسد تھیں جو سنہ بعثت میں ایمان لائیں اور سنہ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ انتقال فرما گئیں اور خود آپ کا انتقال ۸۵ سال کی عمر میں شوال سنہ بعثت میں ہوا۔ آپ کے انتقال کے سال کو رسُول اللہؐ نے "عام الحزن" سے موسوم کر دیا تھا۔

جنابِ عباسؓ آپ جنابِ عبد المطلب کے بیٹے اور پیغمبر اسلامؐ کے چچا تھے۔ آپ کی والدہ فتیلہ تھیں۔ آپ رسُولِ خدا صلعم سے ۲ یا ۳ سال بڑے تھے۔ آپ کا قد طویل

[۱] خلاصہ سیرۃ النبی ص ۹۹

اور بدن خوب صورت تھا۔ آپ ہجرت سے قبل اسلام لائے تھے۔ آپ بڑے صائب الرائے تھے۔ آپ نے فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں شرکت کی تھی۔ آپ کے دس بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپ نے ۸۸ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۲ رجب ۳۲ ہجری بمقام مدینہ منورہ انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ آپ کا مقبرہ کھود ڈالا گیا ہے لیکن نشانِ قبر اب بھی باقی ہے۔ مؤلف نے ۱۹۶۰ء میں موقع حج اسے دیکھا ہے۔

جنابِ حمزہ

آپ جناب عبد المطلب کے صاحبزادے اور آنحضرت صلعم کے چچا تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہب تھا۔ جو کہ جناب آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں۔ آپ نے بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا تھا۔ آپ نے جنگِ بدر میں شرکت کی تھی اور بڑے کارہائے نمایاں کیے تھے۔ آپ جنگِ اُحد میں بھی شریک ہوئے اور زبردست نبرد آزمائی کی۔ ۳۱ کافروں کو قتل کرنے کے بعد آپ کا پاؤں پھسلا اور زمین پر گر پڑے۔ جس کی وجہ سے پُشت سے زرہ ہٹ گئی اور موقع پا کر ایک وحشی نامی حبشی نے تیر مار دیا اور آپ اسی دن بلکہ اسی وقت بتاریخ ۵ شوال ۳ ہجری شہید ہو گئے۔ کافروں نے آپ کو مثلہ کر ڈالا اور امیر معاویہ کی ماں ہندہ نے آپ کا جگر نکال کر چبا ڈالا۔ اسی لیے امیر معاویہ کو "ابن اکلۃ الاکباد" کہتے ہیں۔ آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ نمازِ جنازہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ۴۰ھ میں جب امیر معاویہ نے نہر کھدوائی تو شہداء احد کی قبریں کھد گئیں اور اسی سلسلہ میں ایک تیشہ جنابِ حمزہ کے پیر پر لگا جس سے خون تازہ جاری ہو گیا تھا۔

حضرت ابوطالب کے بیٹے

ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابوطالب کے چار بیٹے تھے (۱) طالب (۲) عقیل (۳) جعفر (۴) حضرت علیؑ ان میں چھٹائی بڑائی دس سال کی تھی۔ دیار بکری کا کہنا ہے کہ دو بیٹیاں تھیں۔ ام ہانی اور جمانہ۔ طالب نے جنگِ بدر میں مسلمانوں سے نہ لڑنے کے لیے اپنے کو سمندر میں گرا کر ڈوبا دیا۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ عقیل آپ ۵۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابویزید تھی حدیبیہ کے موقع پر اسلام ظاہر کیا۔ اور ۸ھ میں مدینہ آ گئے آپ نے جنگِ موتہ میں بھی شرکت کی تھی۔ آپ زبردست نساب تھے۔ آپ نے ادائے قرض کے لیے معاویہ سے ملاقات کی تھی اور بروایت ابن قتیبہ تین لاکھ اشرفیاں حاصل کر لی تھیں۔ آپ بڑے حاضر جواب تھے۔ آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے۔ آپ نے ۹۶ سال کی عمر میں ۵۰ھ مطابق ۶۷۰ء انتقال کیا۔ جعفر آپ صورت و سیرت میں رسول اللہ سے بہت مشابہ تھے۔ آپ نے شروع ہی میں ایمان ظاہر کیا تھا۔ آپ نے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں میں شرکت کی تھی۔ آپ کو جمادی الاول ۸ھ میں جنگ موتہ کے لیے بھیجا گیا۔ آپ نے علم لے کر زبردست جنگ کی۔ آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ علم دانتوں سے سنبھالا بالآخر شہید ہو گئے۔ آپ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انھیں ان کے ہاتھوں کے عوض خدا نے جنت میں دو زمردین پر عطا فرمائے ہیں اور آپ فرشتوں کے ساتھ اڑا کرتے ہیں۔ آپ کے شہید ہونے ہی پیغمبر اسلامؐ اور فاطمہ زہرا اسمائ

بنت عمیس کے پاس ادائے تعزیت کے لیے گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ جعفر کے گھر کھانا بھیجو۔ آپ نے ۴۱ سال کی عمر میں شہادت پائی۔ آپ کے جسم پر نوّے زخم تھے۔ آپ نے آٹھ بیٹے چھوڑے جن کی ماں اسما بنت عمیس تھیں۔ جن میں عبد اللہ بن جعفر اور محمد بن جعفر زیادہ نمایاں تھے۔ یہی عبداللہ حضرت زینب کے اور محمد حضرت اُمّ کلثوم بنت فاطمہ کے شوہر تھے۔ ۴ حضرت علیؑ آپ کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

۱

پیغمبرِ اسلام

ابوالقاسم

حضرت

محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دو ٹکڑے اک اشارے سے جس کے قمر ہوا   جس در پہ جھک گئی ہے جبیں آفتاب کی
تفسیر اس کی زلف ہے واللیل کی ندا   کیا شان ہے جناب رسالت مآب کی

(ندا کلکتوی (پشاور))

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۱

خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اے نور کے پتلے تجھے کیا خاک سے نسبت
احسان ترا ہے جو زمیں پر اُتر آیا

خلاق عالم نے اپنے بندوں کی رہبری اور رہنمائی کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہادی بھیجے جن میں ۳۱۳ رسول، باقی نبی تھے، رسولوں میں ۵ اولوالعزم تھے، ان انبیاء و رسل پر ایمان ضروری ہے۔ انھیں معصوم منصوص عالم علم لدنی اور افضل کائنات قرار دیا گیا تھا، یہ نہ صرف بطن مادر بلکہ بدو فطرت ہی سے نبی بنائے گئے تھے۔ انھیں انبیاء و رسل میں ہمارے نبی و رسول ابوالقاسم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تھے، جنھیں خلاق عالم نے اپنے نور عظمت و جلال سے پیدا کیا تھا، وہ نوری تھے، ان کے جسم کا سایہ نہ تھا۔

خالق کائنات نے ان کی نبوت و رسالت کو دوام دے کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا لیکن چونکہ سلسلۂ تخلیق کا جاری رہنا مسلم تھا اور ضرورت تبلیغ کی بقا لازمی تھی۔ لہٰذا اس دانا و بینا خدا نے اپنے ازلی فیصلے کے مطابق بابِ نبوت بند کر کے امامت کا ابدی دروازہ کھول دیا اور بارہ اماموں کے ان اسماء کی بزبانِ رسول وضاحت کرا دی جو "لوحِ محفوظ" میں لکھے ہوئے تھے۔

یہ نوری مخلوق بھی سائے سے بے نیاز تھی، اسے بھی خدا نے معصوم، منصوص، عالم علم لدنی اور افضل کائنات قرار دیا ہے۔ یہ حجتِ خدا بھی ہے اور امامِ زمانہ بھی، اسے خدا نے اسلام کی حفاظت، دین کی صیانت، کائنات کی امامت اور رسولِ خداؐ کی خلافت کی ذمہ داری سونپی ہے اور اس سلسلہ کو قیامت تک کے لیے قائم کر دیا ہے۔

آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت

آپ کے نورِ وجود کی خلقت بروایتے حضرت آدمؑ کی تخلیق سے ۹ لاکھ برس پہلے اور بروایتے ۴-۵ لاکھ سال قبل ہوئی تھی، آپ کا نور اقدس، اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ میں ہوتا ہوا جب صلب جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تک پہنچا تو آپ کا ظہور و شہود بشکل انسانی بطن جناب "آمنہ بنت وھب" سے مکہ معظمہ میں ہوا۔

آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت حیرت انگیز واقعات کا ظہور

آپ کی ولادت سے متعلق بہت سے ایسے امور رُونما ہُوئے جو حیرت انگیز ہیں۔ مثلاً آپ کی والدہ ماجدہ کو بارِ حمل محسوس نہیں ہوا اور وہ تولید کے وقت کثافتوں سے پاک تھیں، آپ مختون اور ناف بریدہ تھے۔ آپؐ کے ظہور فرماتے ہی آپؐ کے جسم سے ایک ایسا نُور ساطع ہوا جس سے ساری دُنیا روشن ہوگئی، آپؐ نے پیدا ہوتے ہی دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر سجدہ خالق ادا کیا۔ پھر آسمان کی طرف سر بلند کر کے تکبیر کہی اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ زبان پر جاری کیا۔ بروایت ابن واضح المتوفی ۲۹۲ھ شیطان کو رجم کیا گیا۔ اور اس کا آسمان پر جانا بند ہوگیا، ستارے مسلسل ٹوٹنے لگے۔ تمام دُنیا میں ایسا زلزلہ آیا کہ تمام دُنیا کے کنیسے اور دیگر غیر اللہ کی عبادت کرنے کے مقامات منہدم ہوگئے، جادُو اور کہانت کے ماہر اپنی عقلیں کھو بیٹھے۔ اور ان کے موکل محبوس ہوگئے۔ ایسے ستارے آسمان پر نکل آئے جنھیں کبھی کسی نے دیکھا نہ تھا۔ ساوہ کی وہ جھیل جس کی پرستش کی جاتی تھی جو کاشان میں ہے وہ خشک ہوگئی۔ وادیٔ سماوہ جو شام میں ہے اور ہزار سال سے خشک پڑی تھی اس میں پانی جاری ہوگیا، دجلہ میں اس قدر طغیانی ہُوئی کہ اس کا پانی تمام علاقوں میں پھیل گیا۔ محل کسریٰ میں پانی بھر گیا اور ایسا زلزلہ آیا کہ ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے زمین پر گر پڑے اور طاق کسریٰ شگافتہ ہوگیا، اور فارس کی وہ آگ جو ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھی، فوراً بجھ گئی۔ (تاریخ اشاعت اسلام دیوبندی ص۲۱۸ طبع لاہور)

اُسی رات کو فارس کے عظیم عالم نے جسے (موبذان موبذ) کہتے تھے، خواب میں دیکھا کہ تند و سرکش اور وحشی اونٹ، عربی گھوڑوں کو کھینچ رہے ہیں اور انھیں بلادِ فارس میں متفرق کرتے ہیں، اُس نے اس خواب کا بادشاہ سے ذکر کیا۔ بادشاہ نوشیرواں کسریٰ نے ایک قاصد کے ذریعہ سے اپنے حیرہ کے گورنر نعمان بن منذر کو کہلا بھیجا کہ ہمارے عالم نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے تو کسی ایسے عقلمند اور ہوشیار شخص کو میرے پاس بھیج دے جو اس کی اطمینان بخش تعبیر دے کر مجھے مطمئن کر سکے۔ نعمان بن منذر نے عبدالمسیح بن عمر الغسانی کو جو کہ بہت لائق تھا بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ نوشیرواں نے عبدالمسیح سے تمام واقعات بیان کیے اور اُس سے تعبیر کی خواہش کی۔ اُس نے بڑے غور و خوض کے بعد عرض کی۔ "کہ اے بادشاہ، شام میں میرا ماموں "سطیح کاہن"[1] رہتا ہے وہ اس فن کا بہت بڑا عالم ہے۔ وہ صحیح جواب دے سکتا ہے اور اس خواب

---

[1] سطیح، ایک عجیب الخلقت انسان تھا، اس کے جسم میں مفاصل یعنی جوڑ بند نہ تھے۔ وُہ اُٹھ بیٹھ نہیں سکتا تھا مگر غصّہ کے وقت اُٹھ بیٹھتا تھا۔ اس کے بدن میں کھوپڑی کے سوا کوئی ہڈی نہ تھی۔ اُس کے سر و گردن نہ تھے۔ اور مُنہ سینہ میں تھا۔ وہ "جابیہ" میں رہتا تھا۔ جب اُسے کہیں لے جانا ہوتا تھا تو اُسے گٹھڑی کی طرح باندھ لیتے تھے۔ جب اس سے کچھ پوچھنا مقصود ہوتا تھا تو اُسے خوب جھنجھوڑتے تھے۔ پھر وہ اندھا ہو کر غیب کی باتیں بتاتا تھا۔ دونوں فرقوں کے علماء کا بیان ہے کہ وہ کاہن تھا

کی تعبیر بتا سکتا ہے۔ نوشیرواں نے عبدالمسیح کو حکم دیا کہ فوراً شام چلا جائے۔ چنانچہ وہ روانہ ہو کر دمشق پہنچا اور بروایت ابنِ واضح "باب جابیہ" میں اس سے اس وقت ملا جبکہ وہ عالمِ احتضار میں تھا، عبدالمسیح نے کان میں چیخ کر اپنا مدّعا بیان کیا۔ اُس نے کہا کہ ایک عظیم ہستی دُنیا میں آ چکی ہے۔ جب نوشیرواں کی نسل کے ۱۴ مرد و زن حکمران کنگروں کے عدد کے مطابق حکومت کر چکیں گے تو یہ ملک اس خاندان سے نکل جائے گا۔ "ثم فاضت نفسہ"۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا۔ (روضۃ الاحباب ج ۱ ص۵۶، سیرت حلبیہ ج ۱ ص۸۳، حیات القلوب ج ۲ ص۴۶، الیعقوبی ص۹)۔

آپؐ کی تاریخِ ولادت

آپؐ کی تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض مسلمان ۲ ربیع الاوّل بعض ۶ بعض ۹ اور بعض ۱۲ بتلاتے ہیں۔ لیکن جمہور علماء اہلِ تشیع اور بعض علماء اہلِ تسنن ۱۷ ربیع الاوّل سنہ عام الفیل مطابق ۵۷۰ء کو صحیح سمجھتے ہیں۔ علاّمہ مجلسی علیہ الرحمۃ حیات القلوب ج ۲ ص۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ علماً امامیہ کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ آپ ۱۷ ربیع الاوّل سنہ عام الفیل یوم جمعہ بوقتِ شب یا بوقتِ صبح صادق "شعب ابی طالب" میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس وقت نوشیرواں کسریٰ کی حکومت کا بیالیسواں سال تھا۔

آپؐ کی پرورش و پرداخت اور آپؐ کا بچپنا

مورّخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ بروایتے آپ کے پیدا ہونے سے پہلے اور بروایتے آپؐ دُو ماہ کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آپؐ کے والد "عبداللہ" کا انتقال بمقام مدینہ ہو گیا، کیونکہ وہاں تجارت کے لیے گئے تھے۔ انھوں نے سوائے پانچ اونٹ اور چند بھیڑوں اور ایک حبشی کنیز برکت (ام ایمن) کے اور کچھ ورثہ میں نہ چھوڑا۔ حضرت آمنہؓ کو حضرت عبداللہؑ کی وفات کا اتنا صدمہ ہوا کہ دُودھ خشک ہو گیا۔ چونکہ مکہ کی آب و ہوا بچّوں کے واسطے چنداں موافق نہ تھی۔ اس واسطے نواح کی بدو عورتوں میں سے دُودھ پلانے

اور کہانت کے معنی غیب کی خبر دینے کے ہیں۔ بروایت سفینۃ البحار، اُس نے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی نبوّت اور حضرت علیؑ کی خلافت اور حضرت مہدی کی غیبت کی بھی خبر دی تھی۔ اس کی عمر بروایت روضۃ الاحباب ۶ سو برس اور بروایت حیات القلوب ۹ سو برس کی تھی۔

ان دونوں علماء کے بیان میں فرق اس لیے ہے کہ اس کی ولادت بندِ عرِم کے ٹوٹنے کے وقت ہُوئی تھی اور بندِ عرِم کے ٹوٹنے کو بعض مورخین سابقین نے حضرت مسیحؑ سے ۳۰۲ برس پہلے اور بعض نے پہلی صدی مسیحی کے آغاز میں لکھا ہے

مجمع البحرین میں ہے کہ کاہن کے معنی ساحر کے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ کاہن کے جن تابع ہوتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ کہانت ایک علم ہے جو حساب سے تعلق رکھتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ شیطان جب آسمان پر جاتا تھا تو وہاں سے خبریں لاتا تھا۔ اور شیطانی افراد کو بتاتا تھا۔ دنیا میں دو بڑے کاہن گزرے ہیں۔ ایک شق دوسرا سطیح، رسولِ کریمؐ کی ولادت کے بعد فنِ کہانت ختم ہو گیا تھا۔

کے واسطے تلاش کی گئی۔ اُنا کے دستیاب ہونے تک ابُولہب کی کنیزک، ثوبیہ نے آنحضرتؐ کو تین چار مہینے تک دُودھ پلایا۔ اقوام بدّو کی عادت تھی کہ سال میں دو مرتبہ موسم بہار اور موسم خزاں میں دُودھ پلانے اور بچے پالنے کی نوکری کی تلاش میں آیا کرتی تھیں۔ آخر حلیمہ سعدیہ کے نصیبہ نے زور کیا۔ اور وہ آپؐ کو اپنے گھر لے گئیں اور آپؐ حلیمہ کے پاس پرورش پانے لگے۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ صہ ۲۲ تاریخ ابوالفداء ج ۲ صہ ۲)۔

مجھے اس تحریر کے اِس جُزو سے کہ رسُولِ خُداؐ کو ثوبیہ اور حلیمہ نے دُودھ پلایا[1]، اتفاق نہیں ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ آپؐ میں نمو کی قوّت اپنے سن کے اعتبار سے بہت زیادہ تھی جب تین ماہ کے ہوئے تو کھڑے ہونے لگے۔ اور جب سات ماہ کے ہوئے تو چلنے لگے، آٹھویں مہینے اچھی طرح بولنے لگے۔ نویں مہینے

---

[1] اگرچہ تقریباً تمام مورخین نے ثوبیہ اور حلیمہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ان عورتوں نے حضرت رسُولِ کریمؐ کو دُودھ پلایا تھا اور تھوڑے دنوں نہیں بلکہ کافی عرصہ تک پلایا تھا۔ لیکن میرے نزدیک یہ دُرست نہیں ہے۔ کیونکہ دُنیا کی کسی تاریخ میں یہ نہیں ہے کہ کسی نبی کو اُس کی ماں کے علاوہ کسی اور نے دُودھ پلایا ہو۔ حضرت نوحؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کے حالات دیکھ جائیے کوئی ایک مثال بھی ایسی نہ ملے گی جس سے رسُولِ خداؐ کو حلیمہ وغیرہا کے دُودھ پلانے کی تائید ہوتی ہو، اور ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ جیسے قُدرت کو اس امر پر اصرار شدید تھا کہ وہ اپنے نبیؑ کو اُس کی ماں ہی کا دُودھ پلوائے۔ مثال کے لیے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت مُوسیٰؑ کا واقعہ دیکھ لیجیے اور اندازہ لگائیے کہ کن ناسازگار حالات و واقعات میں اُن کی ماؤں کو دُودھ پلانے کے لیے اُن تک پہنچایا گیا اور جب ایسا دیکھا کہ ماں کے پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے تو خود اُسی بچے کے انگوٹھے سے دُودھ پیدا کر دیا، جیسا کہ حضرت ابراہیم کے لیے ہوا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر بچے کو ماں کا دُودھ دستیاب نہ ہو سکے تو کسی دوسرے طریقے سے شکم سیری ہو جائے۔ دریں حالات میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انبیاء سابق کے طریقے اور اصول سے ہٹ کر رسُولِ کریمؐ کو ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کے دُودھ پلانے کو کیونکر تسلیم کر لیا جائے۔ خصُوصاً ایسی صورت میں جب کہ یہ تسلیم شدہ ہو۔ "لحمۃ الرضاع کلحمۃ النسب" دُودھ سے جو گوشت پیدا ہوتا ہے وہ نسب کے گوشت و پوست کے مانند ہوتا ہے۔" و یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" اور دُودھ پینے سے وُہ رشتہ ناجائز ہو جاتا ہے جو نسب سے ناجائز ہوتا ہے۔ (مفردات امام راغب اصفہانی صہ ۱۲) اور پھر ایسی صُورت میں جب کہ ماں موجود تھیں اور عہدِ رضاعت کے بعد تک زندہ رہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کو جناب آمنہؓ نے دُودھ پلایا تھا اور ثوبیہ و حلیمہ نے اُن کی پرورش و پرداخت کی تھی۔

میرے اِس نظریے کو اس سے اور تقویت پہنچتی ہے کہ خداوندِ عالم حضرت مُوسیٰؑ کے لیے ارشاد فرماتا ہے کہ "حرمنا علیہ المراضع من قبل" ہم نے دُودھ پلائے جانے کے سوال سے پہلے ہی تمام دائیوں کے دُودھ کو مُوسیٰؑ کے لیے حرام کر دیا تھا۔ (پ ۲۰ - رکُوع ۴) ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خداوندِ عالم حضرت مُوسیٰؑ کو ماں کے علاوہ کسی کے بھی دُودھ پینے سے بچانے کا اتنا اہتمام کرے اور فخرِ مُوسیٰؑ حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ ایسی عورتیں انھیں دُودھ پلائیں جن کا اسلام بھی واضح نہیں ہے ۱۲ منہ۔

اس فصاحت سے کلام کرنے لگے کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔

آپؐ کی سایۂ مادری سے محرومی

آپؐ کی عمر جب چھ سال کی ہوئی تو سایۂ مادری سے محروم ہوگئے۔ آپؐ کی والدہ جناب آمنہؑ بنت وھب حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئی تھیں۔ وہاں انھوں نے ایک ماہ قیام کیا، جب واپس آنے لگیں تو بمقام ابواء (جوکہ مدینہ سے ۲۲ میل دور مکہ کی جانب واقع ہے) انتقال فرماگئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ آپ کی خادمہ اُم ایمن، آپؐ کو لے کر مکہ آئیں۔ (روضۃ الاحباب ا ص۶۷)۔

جب آپ کی عمر ۸ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا "عبدالمطلب" کا ۱۲۰ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے بڑے چچا جناب ابوطالب اور آپ کی چچی جنابِ فاطمہ بنت اسد نے فرائض تربیت اپنے اوپر عائد کیے۔ اور اس شان سے تربیت کی کہ دنیا نے آپ کی ہمدردی اور خلوص کا لوہا مان لیا۔ عبدالمطلب کے بعد ابوطالب بھی خانہ کعبہ کے محافظ اور متولی اور سردار قریش تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ کوئی غریب اس شان کا سردار نہیں ہوا جس شان و شوکت کی سرداری میرے پدر محترم کو خدا نے دی تھی۔ (الیعقوبی ج ۲ ص۱۱)۔

حضرت ابوطالبؑ کو حضرت عبدالمطلبؑ کی وصیت و ہدایت

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کا وقت وفات قریب پہنچا تو انھوں نے آنحضرتؐ کو اپنے سینے سے لگایا اور سخت گریہ کیا اور اپنے فرزند ابوطالب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ "اے ابوطالب یہ تیرے حقیقی بھائی کا بیٹا ہے اس دُرِ یگانہ کی حفاظت کرنا، اسے اپنا نورِ نظر اور لختِ جگر سمجھنا، اس کے تفقد و خبر گیری میں کوتاہی نہ کرنا اور دست و زبان اور جان و مال سے اس کی اعانت کرتے رہنا" روضۃ الاحباب)۔

حضرت ابوطالبؑ کے تجارتی سفر شام میں آنحضرتؐ کی ہمراہی اور بحیرہ راہب کا واقعہ

حضرت ابوطالب جو تجارتی سفر میں اکثر جایا کرتے تھے جب ایک دن روانہ ہونے لگے، تو آنحضرتؐ کو جن کی عمر اس وقت بروایت طبری و ابن اثیر ۹ سال اور بروایت ابوالفدا و ابن خلدون ۱۳ سال کی تھی، اپنے بال بچوں میں چھوڑ دیا۔ اور چاہا کہ روانہ ہوجائیں۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے اصرار کیا کہ مجھے اپنے ہمراہ لیتے چلیے آپ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ میرا بھتیجہ یتیم ہے انھیں اپنے ہمراہ لے لیا۔ اور چلتے چلتے جب شہر بصرہ کے قریہ کفر پہنچے جو کہ شام کی سرحد پر ۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے جو اس وقت بہت بڑی منڈی تھی اور وہاں نسطوری عیسائی رہتے تھے۔ وہاں ان کے ایک نسطوری راہبوں کے معبد کے پاس قیام کیا۔ راہبوں نے آنحضرتؐ اور ابوطالب کی بڑی خاطر داری کی۔ پھر ان میں سے ایک نے جس کا نام جرجیس اور کنیت

"ابوعداس" اور لقب "بحیرا راہب" تھا۔ آپ کے چہرہ مبارک سے آثار عظمت و جلالت اور اعلیٰ درجے کے کمالات عقلی اور محامد اخلاق نمایاں دیکھ کر اور ان صفات سے موصوف پاکر جو اس نے توریت اور انجیل اور دیگر کتب سماویہ میں پڑھی تھیں، پہچان لیا کہ یہی پیغمبر آخرالزمان ہیں، ابھی اس نے اظہار خیال نہ کیا تھا کہ ناگاہ لکۂ ابر کو سایہ فگنی کرتے ہوئے دیکھا، پھر شانہ کھلوا کر مہر نبوت پر نگاہ کی، اس کے بعد فوراً مہر نبوت کا بوسہ لیا اور نبوت کی تصدیق کر کے ابو طالب سے کہا کہ اس فرزند ارجمند کا دین تمام عرب و عجم میں پھیلے گا اور یہ دنیا کے بہت سے حصے کا مالک بن جائے گا۔ یہ اپنے ملک کو آزاد کرائے گا اور اپنے اہل وطن کو نجات دلائے گا۔ اے ابو طالب اس کی بڑی حفاظت کرنا اور اس کو اعداء کے شر سے بچانے کی پوری کوشش کرنا، دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودیوں کے ہاتھ لگ جائے۔ پھر اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم شام نہ جاؤ اور اپنا مال یہیں فروخت کر کے مکہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ ابوطالب نے اپنا مال باہر نکالا وہ حضرتؐ کی برکت سے آناً فاناً بہت زیادہ نفع پر فروخت ہوگیا اور حضرت ابوطالب واپس مکہ چلے گئے۔ (روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۵۷ تنقید الکلام ص ۳۰ ایرونگ ص ۲۴ تفریح الاذکیاء وغیرہ۔

آنحضرتؐ کا مکہ کو رومیوں کے اقتدار سے بچانا

جسٹس امیر علی بحوالہ تاریخ "کاسٹ ڈی پرسن" لکھتے ہیں کہ ہنوز کعبہ دوبارہ تعمیر نہ ہو چکا تھا کہ آپؐ نے مکہ معظمہ کو اس خفیہ سازش سے بچا لیا جو اس کی آزادی کو مٹانے کے لیے کی گئی تھی جس میں عثمان بن حریث کو بڑا دخل تھا۔ اس نے قسطنطنیہ کے دربار قیصری میں جا کر دین مسیحی قبول کر لیا تھا اور قیصر روم سے مال و زر لے کر حجاز واپس آیا تھا۔ اُس کی کوشش تھی کہ مکہ پر یونانیوں کا اقتدار قائم کرا دے۔ وہ خفیہ سعی کر رہا تھا۔ لیکن راز فاش ہوگیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ نے اس کا مقصد اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا تھا۔ بالآخر وہ ان کی حسن سعی سے ناکامیاب ہوگیا۔

اہل فرنگ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے مولد و مسکن کو قسطنطنیہ کے قیصروں کے دست اقتدار سے بچا کر مسلمانوں پر عظیم احسان کیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ابدی شکر گزاری کے مستحق ہیں۔ (تنقید الکلام ص ۳۳) یہی کچھ مورخ ابن خلدون نے بھی تحریر کیا ہے۔

خانہ کعبہ میں حجر اسود کو نصب کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی

مورخین کا بیان ہے کہ بعثت پیغمبر سے قبل قریش نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کر کے از سر نو اس کی تعمیر کی جائے اور اسے بلند کر دیا جائے۔ چنانچہ اسے گرا کر اس کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ پھر جب عمارت حجر اسود کے نصب کرنے کی جگہ تک پہنچی اور اس کے نصب کرنے کا سوال پیدا ہوا تو قریش میں شدید اختلاف پیدا ہوگیا۔ ہر قبیلہ کا سربراہ یہ چاہتا تھا کہ اس شرف کو وہ حاصل کرے۔ بالآخر کافی جد و کد اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ کل جو سب سے پہلے

داخلِ حرم ہو اُسے حکم بنا کر اس جھگڑے کو ختم کیا جائے، وہ نصب حجر کے بارے میں جو فیصلہ دے دے اُس کی پابندی ہر ایک کو کرنا ہوگی۔

غرضیکہ جب صبح ہوئی تو حضرت رسولِ کریمؐ سب سے پہلے داخلِ حرم ہوئے۔ بنا بریں انھیں کو حکم بنا دیا گیا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ایک مضبوط چادر لائی جائے اور اُس میں حجرِ اسود کو رکھا جائے اور اُس کے گوشوں کو ہر قبیلہ کا سردار پکڑ کر اُسے اٹھائے اور مقامِ حجر تک لائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

پھر جب حجرِ اسود قریب بیت اللہ آگیا تو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر اسے نصب کر دیا۔ حضورؐ کی اس حکمتِ عملی سے فتنۂ عظیم کا سدِ باب ہوگیا۔ (تاریخ ابوالفداء ج ۲ صـ۲۶ و الیعقوبی ج ۲ صـ۱۴)۔

جنابِ خدیجہؓ کے ساتھ آپکی شادی خانہ آبادی

جب آپؐ کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی اور آپؐ کے حسنِ سیرت، آپؐ کی راستبازی، صدق اور دیانت کی عام شہرت ہوگئی اور آپؐ کو صادق و امین کا خطاب دیا جا چکا۔ تو جنابِ خدیجۃؓ بنت خویلد نے جو انتہائی پاکیزہ نفس، خوش اخلاق اور خاندانِ قریش میں سب سے زیادہ دولت مند تھیں۔ ایسے حال میں اپنی شادی کا پیغام پہنچایا جب کہ اُن کی عمر چالیس سال کی تھی۔ پیغامِ عقد منظور ہوا، اور حضرت ابوطالبؑ نے نکاح پڑھا۔ (تلخیص سیرت النبیؐ علامہ شبلی صـ۹۹ طبع لاہور ۱۹۶۵ء)۔ مورخ ابن واضح المتوفی ۲۹۲ھ کا بیان ہے کہ حضرت ابوطالب نے جو خطبۂ نکاح پڑھا تھا اُس کی ابتدا اس طرح تھی "الحمد للہ الذی جعلنا من زرع ابراھیم وذریۃ اسمعیل الخ تمام تعریفیں اُس خدائے واحد کے لیے ہیں جس نے ہمیں نسلِ ابراہیم اور ذریتِ اسمٰعیل سے قرار دیا ہے۔ (الیعقوبی ج ۲ صـ۱۶ طبع نجف اشرف)

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا مہر بارہ اونس سونا اور ۲۵ اُونٹ مقرر ہوا جسے حضرت ابُوطالب نے اسی وقت ادا کر دیا۔ (مسلمانانِ عالم صـ۳۸ طبع لاہور) تواریخ میں ہے کہ جنابِ خدیجہؓ کی طرف سے عقد پڑھنے والے اُن کے چچا عمرو بن اسد اور حضرت رسولِ خدا کی طرف سے جنابِ ابوطالب تھے۔ (تاریخ اسلام ج ۲ صـ۸ طبع لاہور ۱۹۶۲ء)

ایک روایت میں ہے کہ شادی کے وقت جنابِ خدیجہؓ باکرہ تھیں۔ یہ واقعہ نکاح ۵۹۵ء کا ہے۔ مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ رسولِ خدا کے ساتھ خدیجہؓ کا یہ پہلا عقد تھا۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ صـ۱۱۹ میں ہے کہ جب تک خدیجہ زندہ رہیں رسولِ کریمؐ نے کوئی عقد نہیں کیا

کوہِ حرا میں آنحضرتؐ کی عبادت گذاری

تواریخ میں ہے کہ آپؐ نے ۳۸ سال کی عمر میں "کوہِ حرا" جسے جبل نور بھی کہتے ہیں کو اپنی

عبادت گذاری کی منزل قرار دیا اور اس کے ایک غار میں بیٹھ کر جس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی ڈیڑھ ہاتھ تھی عبادت کرتے اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر لذت محسوس کرتے تھے۔ یوں تو دو دو، چار چار شبانہ روز وہاں رہا کرتے تھے۔ لیکن ماہِ رمضان سارے کا سارا وہیں گزارتے تھے۔

آپ کی بعثت

مورخین کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی عالم تنہائی میں مشغولِ عبادت تھے کہ آپ کے کانوں میں آواز آئی "یا محمدؐ" آپ نے ادھر اُدھر دیکھا کوئی دکھائی نہ دیا۔ پھر آواز آئی، پھر آپ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ناگاہ آپ کی نظر ایک نورانی مخلوق پر پڑی وہ جناب جبرئیلؑ تھے۔ انھوں نے کہا کہ "اقراء" پڑھو، حضورؐ نے ارشاد فرمایا "ما اقراء" کیا پڑھوں انھوں نے عرض کی۔ "اقراء باسم ربك الذی خلق الخ پھر آپ نے سب کچھ پڑھ دیا۔ کیونکہ آپ کو علمِ قرآن پہلے سے حاصل تھا۔ جبرئیلؑ کے اس تحریک اقرار کا مقصد یہ تھا کہ نزولِ قرآن کی ابتدا ہو جائے۔ اُس وقت آپؐ کی عمر چالیس سال ایک یوم کی تھی۔ اس کے بعد جبرئیلؑ نے وضو اور نماز کی طرف اشارہ کیا اور اس کی تعدادِ رکعات کی طرف بھی حضورؐ کو متوجہ کیا۔ چنانچہ حضورؐ والا نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ آپ نے سب سے پہلے جو نماز پڑھی وہ ظہر کی تھی۔ پھر حضرت وہاں سے اپنے گھر تشریف لائے۔ اور خدیجۃ الکبریٰ اور علی بن ابی طالب سے واقعہ بیان فرمایا۔ ان دونوں نے اظہار ایمان کیا[1] اور نمازِ عصر ان دونوں نے بجماعت ادا کی۔ یہ اسلام کی پہلی نماز جماعت تھی۔ جس میں رسولِ کریمؐ امام اور خدیجہؓ اور علیؑ ماموم تھے۔

---

[1] حضرت علی بن ابی طالب کے سابق الاسلام ہونے کے متعلق اتنے کثیر روایات وشواہد موجود ہیں کہ اگر انھیں جمع کیا جائے تو ایک کتاب بن سکتی ہے۔ حضرت رسولِ کریم صلعم نے خود اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے ابوسعید خدری سے امام احمد نے حضرت عمرؓ سے حاکم نے معاذ سے، عقیلی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے علیؑ ہیں۔ حضرت علیؑ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

سبقتکم الی الاسلام طرا   غلاما ما بلغت اوان حلمی

میں نے تم سب سے پہلے اسلام کی طرف بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا ہے۔ یہ واقعہ ہے اس وقت کا جبکہ میں بالغ بھی نہ ہوا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی، تقریب التہذیب طبع دہلی کے ص۲۸۰ پر چند اقوال لکھنے کے بعد لکھتے ہیں "المرجح انہ اول من اسلم" ترجیح اسی کو ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اسلام ظاہر کیا۔ علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون بصراحت لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علیؑ ابن ابی طالب ایمان لائے (تاریخ ابن خلدون ص۲۹۵ طبع لاہور) مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ واضح ہو کہ جنابِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اوّل ایمان لانے میں اور مسلمان ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ مگر اختلاف ان کے بعد میں ہے کہ بی بی خدیجہؓ کے بعد کون اوّل ایمان لایا۔ صاحبِ سیرت اور بہت سے اہلِ علم بیان کرتے ہیں کہ مردوں میں

آپ درجۂ نبوت پر بد و فطرت ہی سے فائز تھے، ۲۷ رجب کو مبعوث برسالت ہوئے حیات القلوب کتاب المنتقیٰ، مواہب اللدنیہ اسی تاریخ کو نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی۔

دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ اور اعلانِ رسالت و وزارت

بعثت کے بعد آپ نے تین سال تک نہایت رازداری اور پوشیدگی کے ساتھ فرائض کی ادائیگی فرمائی۔ اس کے بعد کھلے بندوں تبلیغ کا حکم آگیا "فاصدع بما تومر" جو حکم دیا گیا ہے اس کی تکمیل کرو۔ میں اس مقام پر "تاریخ ابوالفداء" کے اس ترجمہ کی لفظ بلفظ عبارت نقل کرتا ہوں جسے مولانا کریم الدین حنفی انسپکٹر مدارس پنجاب نے ۱۸۴۶ء میں کیا تھا۔

"واضح ہو کہ تین برس تک پیغمبر خدا دعوت طرف اسلام خفیہ کرتے رہے مگر جب کہ یہ آیت نازل ہوئی "وانذر عشیرتک الاقربین" یعنی ڈرا اپنے کنبے والوں کو جو قریب رشتہ کے ہیں۔ اس وقت حضرت نے بموجب حکم خدا کے اظہار کرنا دعوت کا شروع کیا۔ بعد نازل ہونے اس آیت کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ سے ارشاد کیا کہ "اے علیؑ ایک پیمانہ کھانے کا میرے واسطے تیار کر اور ایک بکری کا پیر اس پر چھوا لے اور ایک بڑا کانسہ دودھ کا میرے واسطے لا اور عبدالمطلب کی اولاد کو میرے پاس بُلا کر لا۔ تاکہ میں اُس سے کلام کروں اور سُناؤں اُن کو وہ حکم کہ جس پر جناب باری سے مامور ہوا ہوں۔ چنانچہ حضرت

اوّل حضرت علیؑ بن ابی طالب ۹ یا ۱۰ یا ۱۱ برس کی عمر میں سب سے اوّل مسلمان ہوئے۔ عفیف کندی کی روایت سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے جس میں انھوں نے چشم دیدگواہ کی حیثیت سے وضاحت کی ہے کہ "میں نے رسولِ خدا کو نماز پڑھتے ہوئے بعثت کے فوراً بعد اس عالم میں دیکھا کہ ان کے پیچھے جناب خدیجہؓ اور حضرت علیؑ کھڑے تھے۔ اس وقت کوئی اور اسلام نہ لایا تھا۔" اس روایت کو علامہ ابن عبدالبر قرطبی نے استیعاب ج ۲ ص ۴۲۵ طبع حیدرآباد دکن میں علامہ ابن اثیر جزری نے اسدالغابہ ج ۳ ص ۴۱۴ طبع مصر میں۔ علامہ ابن جریر طبری نے تاریخ کبیر ج ۲ ص ۲۱۳ طبع مصر میں علامہ ابن اثیر نے، تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۰ میں درج کیا ہے۔

صاحب تفریح الاذکیاء نے بہجۃ المحافل سے نقل کیا ہے کہ دوشنبہ کو رسولِ خدا مبعوث برسالت ہوئے ہیں اور اسی دن آخر وقت حضرت علیؑ مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ یہی کچھ روضۃ الاحباب ج ا ص ۸۳ میں بھی ہے۔ علامہ عبدالبر نے دعویٰ کیا ہے کہ " بالاتفاق ثابت ہے کہ خدیجہ کے بعد سب سے پہلے حضرت علیؑ مشرف باسلام ہوئے ہیں"۔ علامہ اقبال کہتے ہیں

مسلم اوّل شہ مردانِ علیؑ عشق را سرمایۂ ایمان علیؑ

واضح ہو کہ حضرت علیؑ ازل سے ہی مسلمان اور مومن تھے، ان کے لیے "اسلام لانے کا" جملہ مناسب نہیں ہے لہٰذا جہاں کہیں بھی تاریخ میں ان کے متعلق اسلام یا ایمان لانے کا جملہ ہے۔ اس سے اظہار اسلام و ایمان سمجھنا چاہیئے۔ ۱۲ منہ

علی کرم اللہ وجہہ نے وہ کھانا ایک پیالہ بموجب حکم تیار کرکے اولادِ عبدالمطلب کو جو قریب چالیس آدمی کے تھے بُلایا، ان آدمیوں میں حضرت کے چچا ابوطالب اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس بھی تھے۔ اس وقت حضرت علیؑ نے وہ کھانا جو تیار کیا تھا لاکر حاضر کیا۔ سب کھاپی کر سیر ہوگئے۔ حضرت علیؑ نے ارشاد کیا کہ جو کھانا ان سب آدمیوں نے کھایا ہے وہ ایک آدمی کی بھوک کے موافق تھا۔ اِس اثنا میں حضرت چاہتے تھے کہ کچھ ارشاد کریں۔ کہ ابولہب جلد بول اُٹھا اور یہ کہا کہ محمدؐ نے بڑا جادو کیا۔ یہ سنتے ہی تمام آدمی الگ الگ ہوگئے تھے، چلے گئے۔ پیغمبر خُدا کچھ کہنے نہ پائے تھے۔ یہ حال دیکھ کر جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد کیا کہ اے علیؑ دیکھا تو نے اس شخص نے کیسی سبقت کی۔ مجھ کو بولنے ہی نہ دیا اب پھر کل کو تیار کر جیسا کہ آج کیا تھا اور پھر ان کو بُلا کر جمع کر چنانچہ حضرت علیؑ نے دُوسرے روز پھر موافق ارشادِ آنحضرتؐ کے وہ کھانا تیار کرکے سب لوگوں کو جمع کیا، جب وہ کھانے سے فراغت پا چکے اس وقت رسُول اللہؐ نے ارشاد کیا کہ "تم لوگوں کی بہت اچھی قسمت اور نصیب ہے۔ کیونکہ ایسی چیز میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں کہ اس سے تم کو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور لے آیا ہوں۔ تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں اچھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو تمہاری ہدایت کا حکم فرمایا ہے۔ کوئی شخص تم میں سے اِس امر کا اقتدا کر کے میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ بنا چاہتا ہے۔ اس وقت سب موجود تھے اور حضرتؐ پر ایک ہجوم تھا۔ اور حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہؐ میں آپ کے دشمنوں کو نیزہ ماروں گا اور آنکھیں اُن کی پھوڑوں گا۔ اور پیٹ چیروں گا اور ٹانگیں کاٹوں گا اور آپ کا وزیر ہوں گا۔ حضرتؐ نے اس وقت علی مرتضیٰ کی گردن پہ ہاتھ مبارک رکھ کر ارشاد کیا کہ "یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے تمہارے درمیان اس کی سُنو اور اطاعت قبول کرو۔ یہ سُن کر سب قوم کے لوگ از روئے تمسخر کے ہنس کر کھڑے ہوگئے۔ اور ابوطالب سے کہنے لگے کہ اپنے بیٹے کی بات سُن اور اطاعت کر یہ تجھے حکم ہوا ہے الخ ص۳۳ تا ص۳۶ طبع لاہور۔

مورخ ابوالفداء متوفی ۷۳۲ھ کی تحریر پر میرا وضاحتی نوٹ

آیۂ انذر عشیرتک الاقربین کے نزول کی تفصیل حضرت علی علیہ السلام کی خلافت بلافصل کی بنیاد قائم کرتی ہے۔ اس پر عمل رسُول، فعل رسُول اور قول رسُولؐ نے ثابت کردیا کہ حضرت علیؑ ہی رسُول کریم صلعم کے خلیفہ، اوّل اور خلیفہ بلافصل ہیں، انھیں کو انھوں نے اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا تھا جس کی تجدید اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں فرمائی

رہے۔ یہاں تک کہ نص صریح آیۃ یاایھاالرسُول بلغ ما انزل الیک من ربک" کے ذریعہ سے غدیر خم میں حج آخر کے موقع پر آخری اعلان فرمایا اور واضح کر دیا کہ میرے بعد علی بن ابی طالب ہی میرے جانشین اور خلیفہ ہیں۔

مورخ ابوالفدار نے اسلام کی اس پہلی اور بنیادی دعوت تبلیغ کی مناسب وضاحت فرمادی ہے اور صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ حضرت رسُولِ کریمؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین اور خلیفہ اسی بنیادی دعوت کے موقع پر بنا دیا تھا اور لوگوں کو حکم دے دیا تھا کہ" فاسمعوالہٗ واطیعوہ" اِن کی بات کان دھر کر سُنو اور ان کی اطاعت کرو۔

کچھ کم و بیش لفظوں کے ساتھ یہ واقعہ 'تاریخ طبری ج ۲ ص۲۱۷۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص۱۲۲' لباب التاویل ج ۵ ص۱۰۶ معالم التنزیل برحاشیہ خازن ج ۶ ص۱۰۵۔ خصائص نسائی ص۱۳ مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص۳۶۱۔ کنز العمال ج ۶ ص۳۹۷، سیرت ابن اسحاق۔ تفسیر ابن حاتم۔ دلائل بیہقی مناقب امام احمد مصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ۔ تاریخ خمیس۔ تفسیر ابن مردویہ۔ تفسیر سراج منیر۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر واحدی۔ حلیۃ الاولیاء۔ ذخیرۃ المآل عجلی۔ مختارہ ضیاء مقدسی۔ تہذیب الآثار طبری۔ اکتفار عاصمی۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر۔ معارج النبوت۔ مدارج النبوت۔ ازالۃ الخفا۔ تاریخ اسلام عبدالحکیم نشتر جلد ا ص۴۴ وغیرہ میں موجود ہے۔

ان اسلامی کتب کے علاوہ اس کا تذکرہ اہلِ فرنگ کی تصنیفات میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو اپالوجی جان ڈیون پورٹ ص۵ کارلائل ص۶۱۔ خلفار محمد، ایرونگ ص۳ تاریخ گبن ج ۳ ص۴۹۹۔ اوکلی ص۱۵۔

دعوت ذوالعشیرہ کے سلسلہ میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس اہم واقعہ کا ذکر امام بخاری نے اپنی صحیح میں نہیں کیا جس سے اُن کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ نیز یہ کہ جرمن میں جو تاریخ طبری چھپی ہے اس کی جلد ۹ ص۶۲ میں وصی و خلیفتی کے بجائے "کذا وکذا" درج ہے جس سے اہلِ مصر کی تحریفی جدوجہد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

واضح ہو کہ دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ سنہ۴ بعثت کا ہے۔

ہجرت حبشہ (سنہ۵ بعثت)

اعلانِ نبوت کے بعد عرب کی زمین اور عرب کے آسمان یعنی اپنے پرائے سب دشمن ہوگئے۔ ان دشمنوں میں ابوسفیان، ابوجہل اور ابولہب نمایاں تھے۔ ان لوگوں نے آپ پر گندگی ڈالنا اور آپؐ کو ساحر و مجنوں کہہ کر ستانا اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ دشمنوں نے ایک دفعہ کمبل اوڑھا کر مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس قسم کے مصائب و آلام سے جب آنحضرتؐ اور آپ کے پیرو دوچار ہوئے اور آپ نے محسوس کر لیا کہ مسلمان کی حیثیت سے مکہ میں زندگی کے ایّام گذارنا مشکل ہے تو ہجرت حبشہ کا

فیصلہ کر کے اپنے اصحاب کو ہجرت کا حکم دیا۔ چنانچہ ۵ بعثت میں ۱۰ مرد و زن نے ہجرت کی۔ اور حبش پہنچ گئے حبش کا بادشاہ نجاشی[1] تھا جو نسطوری فرقہ کا عیسائی تھا۔ اُس نے اِن لوگوں کی آؤ بھگت کی اور ان کا خیر مقدم کیا۔ مگر دشمنوں نے وہاں پہنچ کر کوشش کی کہ یہ لوگ ٹھہرنے نہ پائیں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔

مورخین کا بیان ہے کہ ان ہجرت کرنے والوں میں جعفر طیار بھی تھے جو ان میں سربراہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ لوگ ۷ ہجری تک وہیں مقیم رہے۔ اور فتح خیبر کے موقع پر واپس آئے، ان کی واپسی پر رسولِ کریمؐ نے فرمایا تھا کہ میں حیران ہوں کہ دو خوشیوں میں سے کس کو ترجیح دوں۔ آیا فتح خیبر کی خوشی کو اہم سمجھوں یا جعفر طیار وغیرہ کی واپسی کو اہمیت دوں

الغرض ہجرت حبشہ کے سلسلہ میں کفار مکّہ کو جب معلوم ہوا کہ یہاں کے وہ باشندے جو مسلمان ہو چکے ہیں چپکے سے حبشہ چلے جاتے ہیں اور وہاں آرام سے بسر کرتے ہیں تو اُن کی دشمنی اور ضد و کد اور بڑھ گئی۔ اور اُنھوں نے بروایت ابنِ اثیر عبداللہ بن امیہ کو عمرو عاص[2] کے ساتھ نجاشی اور ارکینِ سلطنت کے واسطے ہدایا و تحائف دے کر روانہ کیا، ان دونوں نے حبشہ پہنچ کر نجاشی کو مختلف ذرائع اور طریقوں سے بھڑکانا چاہا۔ مگر وہ نہ بھڑکا اور مسلمانوں کی حمایت کرتا رہا۔ بالآخر یہ لوگ خائب و خاسر واپس آئے۔

حضرت رسولِ کریمؐ دارالارقم میں ۶ بعثت

مورخ ذاکر حسین بحوالہ سیرت ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ "جب مسلمان حبشہ کی طرف مہاجرت کر گئے تو بھی رسول اللہؐ برابر وعظ فرماتے رہے اور نئے نئے لوگ دینِ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ کفار نے یہ دیکھ کر آنحضرتؐ کو اور زیادہ ستانا شروع کیا، ناچار آنحضرتؐ اپنے بقیہ اصحاب کو ساتھ لے کر "ارقم بن ابی ارقم بن عبدِ مناف بن اسار" کے مکان میں جا چھپے اور اس مکان میں ایک مہینہ تک رہے۔ یہ مکان کوہِ صفا کے اُوپر واقع تھا، آپ وہاں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت کرتے تھے۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۵۲)۔

حضرت رسولِ کریمؐ شعبؑ ابی طالب میں (محرّم ۷ بعثت)

مورخین کا بیان ہے کہ جب کفارِ قریش نے دیکھا کہ اسلام روزافزوں ترقی کرتا چلا جا رہا ہے۔ تو سخت مضطرب ہوئے پہلے

---

[1] نجاشی کا اصل نام بروایتے، اصحمہ بن بحری اور بروایتے مکحول ابن صصہ تھا ۱۲۔

[2] عمرو عاص حضرت رسولِ کریمؐ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا، یہ مکّہ کی ایک کسبی عورت کا فرزند تھا، جب یہ پیدا ہوا تھا تو اس کی ماں کے پانچ یاروں نے اُس کی ابوّت کا دعویٰ کیا تھا۔ مگر چونکہ اس کی شکل عاص سے ملتی جلتی تھی۔ لہٰذا اسے اسی کا فرزند قرار دیا گیا۔ یہ عرب کا مشہور شاعر تھا اور رسولِ کریمؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو (کتاب ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۴ و ثمرات الاوراق ج ۱ ص ۱۰۸)۔

توچند قریش دشمن تھے۔ اب سب کے سب مخالف ہوگئے اور بروایت ابن ہشام وابن اثیر وطبری ابوجہل بن ہشام، شیبہ، عتبہ بن ربیعہ، نصر بن حارث، عاص بن وائل، اور عقبہ بن ابی معیط ایک گروہ کے ساتھ رسولِ خدا کے قتل پر کمر باندھ کر حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور صاف لفظوں میں کہا کہ محمدؐ نے ایک نیئے مذہب کا اختراع کیا ہے۔ اور وہ ہمارے خداؤں کو ہمیشہ بُرا بھلا کہا کرتے ہیں۔ لہٰذا اُنھیں ہمارے حوالے کردو۔ ہم انھیں قتل کردیں یا پھر آمادہ بہ جنگ ہوجاؤ۔ حضرت ابوطالب نے اس وقت اُنھیں ٹالدیا اور وہ لوگ واپس چلے گئے، اور رسُولِ کریمؐ اپنا کام برابر کرتے رہے چند دنوں کے بعد دُشمن پھر آئے۔ اور اُنھوں نے آکر شکایت کی اور حضرت کے قتل پر اصرار کیا۔ حضرت ابوطالب نے آنحضرتؐ سے واقعہ بیان کیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اے چچا میں جو کہتا ہوں، کہتا رہوں گا۔ میں کسی کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کسی لالچ میں پھنس سکتا ہوں۔ اگر میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دُوسرے پر ماہتاب رکھ دیا جائے۔ جب بھی میں تعمیل حکمِ خداوندی سے باز نہ آؤں گا۔ میں جو کرتا ہوں حکمِ خدا سے کرتا ہوں، وُہ میرا محافظ ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ "بیٹا تم جو کرتے ہو کرتے رہو، میں جب تک زندہ ہوں تمھاری طرف کوئی نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد بروایت ابنِ ہشام و ابنِ اثیر، کفار نے ابوطالب سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کردو ہم اسے قتل کردیں۔ اور اُس کے بدلے میں ایک نوجوان ہم سے بنی مخزوم میں سے لے لو۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ تم بعید از عقل باتیں کرتے ہو، یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں تمھارے لڑکے کو لے کر اس کی پرورش کروں۔ اور تم ہمارے بیٹے کو لے کر قتل کردو۔ یہ یہ سُن کر اُن کی آتشِ غضب اور برافروختہ ہوگئی اور وہ اُن کے ستانے پر بھرپور تل گئے۔ حضرت ابوطالب نے اُس کے ردِ عمل میں بنی ہاشم اور بنی مطلب سے امداد چاہی اور دُشمنوں سے کہلا بھیجا کہ کعبہ و حرم کی قسم اگر محمدؐ کے پاؤں میں تمھاری طرف سے کانٹا بھی چبھا تو میں سب کو ہلاک کر دُوں گا۔ حضرت ابوطالب کے اس کہنے پر دُشمن کے دلوں میں آگ لگ گئی اور وہ آنحضرتؐ کے قتل پر پُوری طاقت سے تیار ہوگئے۔

حضرت ابوطالب نے جب آنحضرتؐ کی جان کو غیر محفوظ دیکھا تو فوراً اُن لوگوں کو لے کر جنھوں نے حمایت کا وعدہ کیا تھا۔ جن کی تعداد بروایت حیات القلوب چالیس تھی۔ محرم ۷ بعثت میں "شعب ابی طالب" کے اندر چلے گئے اور اس کے اطراف کو محفوظ کردیا

کفارِ قریش نے ابوطالب کے اس عمل سے متاثر ہوکر ایک عہد نامہ مُرتب کیا جس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب سے مکمل بائیکاٹ کا فیصلہ تھا۔ طبری میں ہے کہ اس عہد نامہ کو منصور بن عکرمہ بن ہاشم نے لکھا تھا جس کے بعد ہی اُس کا ہاتھ شل ہوگیا تھا۔

تواریخ میں ہے کہ دشمنوں نے شعب کا چاروں طرف سے بھرپور محاصرہ کر لیا تھا۔ اور انھیں مکمل قید میں مقید کر دیا تھا۔ اس قید نے اہلِ شعب پر بڑی مصیبت ڈالی جسمانی اور روحانی تکلیف کے علاوہ رزق کی تنگی نے انھیں تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ دیندار درختوں کے پتے کھانے لگے۔ ناتے، کنبے والے اگر چوری چھپے کچھ کھانے پینے کی چیز پہنچا دیتے اور انھیں معلوم ہو جاتا تو سخت سزائیں دیتے۔ اسی حالت میں تین سال گزر گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب اہلِ شعب کے بچے بھوک سے بے چین ہو کر چیختے اور چلاتے تھے تو پڑوسیوں کی نیند حرام ہو جاتی تھی۔ اس حالت میں بھی آپ پر وحی نازل ہوتی رہی، اور آپ کارِ رسالت انجام دیتے رہے۔

تین سال کے بعد ہشام بن عمر بن حرث کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہم اور ہمارے بچے کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں۔ اور بنی ہاشم اور اُن کے بچے فاقہ کشی کر رہے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ پھر اُس نے اور چند آدمیوں کو ہم خیال بنا کر قریش کے اجتماع میں اس سوال کو اُٹھایا۔ ابوجہل اور اُس کی بیوی "ام جمیل" جسے بزبانِ قرآن "حمالۃ الحطب" کہا جاتا ہے نے مخالفت کی۔ لیکن عوام کے دل پسیج اٹھے اسی دوران میں حضرت ابوطالب آگئے اور انھوں نے کہا کہ "محمدؐ" نے بتایا ہے کہ تم نے جو عہدنامہ لکھا ہے اُسے دیمک چٹ گئی ہے اور کاغذ کے اس حصے کے سوا جس پر اللہ کا نام ہے سب ختم ہو گیا ہے اے قریش بس ظلم کی حد ہو چکی، تم اپنے عہدنامہ کو دیکھو اگر محمدؐ کا کہنا سچ ہو تو انصاف کرو۔ اور اگر جھوٹ ہو تو جو چاہے کرو۔

حضرت ابوطالب کے اس کہنے پر عہدنامہ منگوایا گیا۔ اور حضرت رسولِ کریمؐ کا ارشاد اس کے بارے میں من وعن صحیح ثابت ہوا جس کے بعد قریش شرمندہ ہو گئے اور شعب کا حصار ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد ہشام بن عمر بن حرث اور اس کے چار ساتھی، زہیر بن ابی امیہ مخزومی اور مطعم بن عدی ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن الاسود بن المطلب بن اسد شعب ابی طالب میں گئے اور ان تمام لوگوں کو جو اس میں محصور تھے ان کے گھروں میں پہنچا دیا۔ (تاریخ طبری، تاریخ کامل، روضۃ الاحباب)۔ مورخ ابن واضح المتوفی ۲۹۲ھ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد "اسلم یومئذ خلق من الناس عظیم"۔ بہت سے کافر مسلمان ہو گئے۔ (الیعقوبی ج ۲ ص ۲۵ طبع نجف ۱۳۸۴ھ)۔

رُومیوں کی شکست پر آنحضرت صلعم کی کامیاب پیشین گوئی (۵ بعثت)

مورخین لکھتے ہیں کہ ۵ بعثت میں ایرانیوں نے رُومیوں کو شکست دی اور چونکہ ایرانی آتش پرست اور رُومی عیسائی اہلِ کتاب تھے۔ اس لیے کفارِ مکہ کو اس واقعہ سے خوشی ہوئی اور مسلمانوں کو رنج ہوا۔ مسلمانوں کے رنج کو حضرت رسولِ کریمؐ نے اپنی تسلی سے دُور کیا اور اُن سے بطورِ پیشین گوئی فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ۳ اور ۹ سال کے درمیان

رُومی، ایرانیوں کو شکست دے کر کامیاب ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ۹ برس گذرنے سے پہلے رُومی ایرانیوں پر غالب آئے۔ اِس پیشین گوئی کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ میرے نزدیک اِس پیشین گوئی کی صحت نے حقیقتِ قرآن اور حقیقتِ رسالت کو اُجاگر کر دیا ہے۔

گبن اور دیگر عیسائی مورخین نے لکھا ہے کہ وہ لڑائی جس میں ایرانیوں نے فتح پائی تھی سنہ ۶۱۱ء سے سنہ ۶۱۷ء تک جاری رہی اور جس میں رُومیوں نے فتح پائی۔ وہ سنہ ۶۲۲ء سے سنہ ۶۲۸ء تک رہی۔ ایرانیوں نے سنہ ۶۱۷ء تک تمام ایشیائے کوچک اور مصر فتح کر لیا تھا اور قسطنطنیہ سے ایک میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا تھا اور آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے، صرف ابنائے فاسفرس حد فاصل تھا مگر سنہ ۶۲۳ء میں رُومیوں نے ایرانیوں کو بھاری شکست دے کر اپنے علاقے واپس لینے شروع کر دیئے

تاریخ طبریؒ جلد ۲ صفحہ ۳۶ میں ہے کہ اِس واقعہ کے متعلق قرآن میں لفظ "بضع سنین" آیا ہے جس کے معنی دس کے ہیں یعنی فتح دس سال کے اندر ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ کا مُعجزہ شق القمر (سنہ ۹ بعثت)

ابنِ عباس، ابنِ مسعود، انس بن مالک، حذیفہ بن عمر، جبیر بن مطعم کا بیان ہے کہ "شق القمر" کا معجزہ کوہِ ابو قبیس پر ظاہر ہوا تھا، جب کہ ابو جہل نے بہت سے یہودیوں کو ہمراہ لا کر حضرت سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ یہ واقعہ چودھویں رات کو ہوا تھا جبکہ آپ کو موسم حج میں شعب ابی طالب سے نکلنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ سنہ ۹ بعثت کا ہے، اِس معجزہ کا ذکر "تاریخ فرشتہ" میں بھی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "یجب اعتقاد وقوعہ" اِس معجزہ کے واقع ہونے پر ایمان واجب ہے۔ (سفینۃ البحار ج ۱ صفحہ ۷۰۹) اِس معجزہ کا ذکر عزیز لکھنوی مرحوم نے کیا خوب کیا ہے ؎

معجزہ شق القمر کا ہے "مدینہ" سے عیاں مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

حضرت ابوطالبؓ اور جناب خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات (سنہ ۱۰ بعثت)

حیواۃ الحیوان دمیری میں ہے کہ شعب ابی طالب سے نکلنے کے ۸ مہینے ۱۱ دن بعد وسط ماہ شوال میں حضرت ابوطالب نے انتقال کیا۔ بروایت ابن واضح اس وقت ان کی عمر ۸۶ سال کی تھی (الیعقوبی ج ۲ صفحہ ۲۸)۔ کثیر تواریخ میں ہے کہ ان کی وفات کے تین دن بعد جنابِ خدیجۃ الکبریٰؓ نے بھی انتقال فرمایا، اُس وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی (الیعقوبی ج ۲ صفحہ ۲۸)۔

ان دو عظیم ہمدردوں اور مددگاروں کے انتقال پُرملال سے حضرت رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ آلہٖ وسلّم کو سخت رنج پہنچا، آپؐ نے اِسی شدید رنج و غم اور صدمہ و الم کے تاثر میں اس کا نام "عام الحزن" سال

غم رکھ دیا۔

مومن قریش حضرت ابُوطالب اور جناب خدیجۃ الکبریٰ کی قبر مکّہ کے قبرستان "حجون" میں ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ قبریں پہلے گنبد والی نہ تھیں۔ بروایت مورّخ ذاکر حسین مرزا اصغر علی فصیح لکھنوی نے تیرھویں صدی کے وسط میں مومنین کی مدد سے ان پر گنبد تیار کرایا تھا۔

اسی سنہ بعثت میں، ابوطالب کے انتقال کے بعد قریش نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی مضبوط حامی اور مددگار نہیں ہے۔ آنحضرتؐ پر دست ظلم و تعدی اور بھی زیادہ دراز کر دیا۔ اور بنی ہاشم اپنے رئیس کے مرجانے سے آپؐ کی کماحقہ حفاظت و اعانت نہ کر سکے۔ اور دشمنوں کی ایذا رسانی عروج کو پہنچ گئی۔ بروایت تاریخ خمیس حضرت کی یہ حالت پہنچ گئی کہ آپؐ نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ پھر یہ خیال کر کے کہ طائف میں بنی ثقیف رہتے ہیں۔ اور وہیں چچا عباس کی زمین ہے، طائف چلے جانے کا قصد کر لیا اور اپنے غلام آزاد، زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوگئے۔ راستے میں بنی بکر اور بنی قحطان میں ٹھہرنا چاہا مگر کوئی صورت نظر نہ آئی بالآخر طائف چلے گئے جو مکّہ سے ستر میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں توقع کے خلاف سخت دشمنی کا مظاہرہ دیکھا۔ دس یوم اور بروایتے ایک ماہ بمشکل گذارا۔ بالآخر غلاموں، کمینوں اور غنڈوں نے آپؐ پر پتھراؤ کر کے آپؐ کو زخمی کر دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ پتھر مارتے ہوئے فصیل شہر سے باہر نکال دیا۔ آپؐ کے پاؤں زخمی ہوگئے اور زید کا سر پھوٹ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے سر پر اتنے پتھر لگے تھے کہ آپ کے سر کا خون ایڑی سے بہہ رہا تھا، الغرض وہاں سے بارادہ مکّہ روانہ ہوکر جب بطن نخلہ میں پہنچے جو مکّہ سے ایک شب کی مسافت پر قبل واقع ہے۔ تو رات کو وہیں قیام کیا اور قرآن پڑھنے لگے نصیبین سے یمن جاتے ہوئے جنوں کے ایک گروہ نے کلام خدا سُنا اور وہ مسلمان ہوگئے، پھر آپؐ نے زید کو مکّہ بھیجا کہ کسی حامی کا سُراغ لگائے، مگر کوئی نہ ملا۔ البتہ مطعم بن عدی نے حامی بھری اور آپؐ مکّہ واپس آگئے۔ (روضۃ الاحباب)

(اسی) سنہ بعثت میں وفات خدیجہؑ کے بعد آنحضرتؐ نے "سودہ بنت زمعہ" سے نکاح کیا اور اسی سال حضرت عائشہ بنت ابی بکر سے بھی عقد فرمایا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ اُس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۶ سال کی تھی اسی لیے سنہ ھ میں جبکہ آپ ۹ سال کی ہوگئی تھیں زفاف واقع ہوا۔ (روضۃ الاحباب) ایک روایت میں حضرت عائشہ کا یہ قول مروی ہے کہ میری ماں مجھے ککڑی کھلاتی تھیں تاکہ میں جلدی زفاف کے قابل بن جاؤں۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ مترجم باب القثاء والرطب ج ۶۲ ص ۶۱)۔

قبیلہ خزرج کا ایک گروہ خدمت رسولؐ میں

سنہ ۱۱ بعثت

ماہ رجب میں ایک روز آنحضرتؐ منا میں کھڑے تھے کہ ناگاہ ایک گروہ اہل یثرب[1] کا قبیلہ خزرج سے حضرت کے پاس آیا۔ یہ گروہ

[1] یثرب یعنی مدینہ میں اوس و خزرج دو عرب قبیلے رہتے تھے۔ دونوں ایک باپ کی اولاد تھے۔ ان کا مسکن قدیم

چھ افراد پر مشتمل تھا۔ حضرتؐ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی اور اسلام کے محاسن بیان کیے، وہ مسلمان ہوگئے اور انھوں نے یثرب میں جاکر کافی تبلیغ کی اور وہاں کے گھروں میں اسلام کا چرچا ہوگیا۔

آنحضرت صلعم کی معراجِ جسمانی (۱۲ سنہ بعثت)

۲۷ رجب ۱۲ سنہ بعثت کی رات کو خداوندِ عالم نے جبرئیل کو بھیج کر براق کے ذریعہ آنحضرت صلعم کو "قاب قوسین" کی منزل پر بلایا۔ اور وہاں علی بن ابی طالب کی خلافت و امامت کے متعلق ہدایات دیں۔ (تفسیر قمی) اسی مبارک سفر اور عروج کو "معراج" کہا جاتا ہے۔ یہ سفر ام ہانی کے گھر سے شروع ہوا تھا۔ پہلے آپ بیت المقدس تشریف لے گئے پھر وہاں سے آسمان پر روانہ ہوئے منازلِ آسمانی کو طے کرتے ہوئے ایک ایسی منزل پر پہنچے جس کے آگے جبرئیل کا جانا ممکن نہ ہوا، جبرئیلؑ نے عرض کی حضورؐ "لو دنوت انملۃ لاحترقت" اب اگر ایک انگل بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا:

اگر یک سرِ موئے برتر روم   بنورِ تجلی بسوزد پرم

پھر آپ براق پر سوار آگے بڑھے ایک منزل پر براق رُک گیا اور آپ "رفرف" پر بیٹھ کر آگے روانہ ہوگئے۔ یہ ایک نوری تخت تھا جو نور کے دریا میں جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ منزلِ مقصود پر آپ پہنچ گئے۔ آپ جسم سمیت گئے اور فوراً واپس آئے۔ قرآن مجید میں "اسری بعبدہٖ" آیا ہے۔ عبد کا اطلاق جسم اور رُوح دونوں پر ہوتا ہے وہ ہیں لوگ جو معراجِ رُوحانی کے قائل ہیں وہ غلطی پر ہیں شرح عقائدِ نسفی ص۱۲۶ معراج کا اقرار اور اس کا اعتقاد ضروریاتِ دین سے ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ جو معراج کا منکر ہو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص۱۷۴)
ایک روایت میں ہے کہ پہلے صرف دو نمازیں واجب تھیں۔ معراج کے بعد پانچ وقت کی نمازیں مقرر ہوئیں

بیعت عقبہ اولی

اسی ۱۲ سنہ بعثت کے موسم حج میں ان چھ آدمیوں میں سے جو سال گذشتہ مسلمان ہوکر مدینہ واپس گئے تھے۔ پانچ آدمیوں کے ساتھ سات آدمی مدینہ والوں میں سے اور آکر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت کی حمایت کا عہد کیا۔ یہ بیعت بھی اُسی مکان عقبہ میں ہوئی۔ جو مکہ سے تھوڑے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے، مورخ ابوالفدار لکھتا ہے کہ اس عہد پر بیعت ہوئی کہ خُدا کا کوئی شریک نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ جب وہ بیعت کر چکے تو حضرت نے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدِ مناف ابن عبدالعلار کو تعلیم قرآن اور طریقہ اسلام بتانے کے لیے مامور فرمایا الخ۔ (تاریخ ابوالفدار ج ۲ ص۵۲)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷)

یمن تھا۔ رسُولِ کریمؐ جب تک مدینے نہیں پہنچے یہ شہر یثرب کے نام سے مشہور تھا، جونہی رسُولِ کریمؐ وہاں تشریف لے گئے اُس کا نام مدینۃ الرسُول ہوگیا، پھر بعد میں مدینہ کہلانے لگا۔ یہ شہر مکّہ کے شمال کی طرف ۲۷۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ۱۲ ؏

بیعت عقبہ ثانیہ ۱۳ بعثت

۱۳ بعثت کے ماہ ذی الحجہ میں مصعب بن عمیر، ۷۳ مرد اور دو عورتوں کو مدینہ سے لے کر مکہ آئے اور انھوں نے مقام عقبہ پر رسول کریمؐ کی خدمت میں اُن لوگوں کو پیش کیا وہ مسلمان ہو چکے تھے انھوں نے بھی حضرت کی حمایت کا عہد کیا اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، ان میں اوس اور خزرج دونوں کے افراد شامل تھے۔

ھجرت مدینہ

۱۴ بعثت مطابق ۶۲۲ء میں حکم رسول کے مطابق مسلمان چوری چھپے مدینہ کی طرف جانے لگے۔ اور وہاں پہنچ کر انھوں نے اچھی منزل حاصل کرلی قریش کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ میں اسلام زور پکڑ رہا ہے تو "دارالندوہ" میں جمع ہو کر یہ سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ کسی نے کہا محمدؐ کو یہیں قتل کر دیا جائے تاکہ ان کا دین ہی ختم ہو جائے۔ کسی نے کہا جلا وطن کر دیا جائے۔ ابوجہل نے رائے دی کہ مختلف قبائل کے لوگ جمع ہو کر بیک ساعت اُن پہ حملہ کر کے انھیں قتل کر دیں تاکہ قریش خون بہا نہ لے سکیں۔ اسی رائے پر بات ٹھہر گئی، اور سب نے مل کر آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ پروردگار کی ہدایت کے مطابق جو حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ پہنچی۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور ایک مٹھی دھول لے کر گھر سے باہر نکلے اور اُن کی آنکھوں میں جھونکتے ہوئے اس طرح نکل گئے جیسے کفر سے ایمان نکل جائے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ یہ سخت خطرہ کا موقعہ تھا۔ جناب امیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپؐ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اور آج رسول اللہؐ کا بسترِ خواب قتل گاہ کی زمین ہے۔ لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرشِ گل تھا۔ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۶۵)

صبح ہوتے ہوتے دشمن دروازہ توڑ کر داخلِ خانہ ہوئے تو علی کو سوتا ہوا پایا۔ پوچھا محمدؐ کہاں ہیں؟ جواب دیا جہاں ہیں خدا کی امان میں ہیں۔ طبری میں ہے کہ علیؑ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ اور سب گھر سے نکل بھاگے۔ احیاء العلوم غزالی میں ہے کہ علی کی حفاظت کے لیے خدا نے جبرئیل اور میکائیل کو بھیج دیا تھا۔ یہ دونوں ساری رات علی کی خواب گاہ کا پہرہ دیتے رہے۔ حضرت علیؑ کا فرمانا ہے کہ مجھے شبِ ہجرت جیسی نیند آئی ساری عمر نہ آئی تھی۔ تفاسیر میں ہے کہ اس موقع کے لیے "آیت ومن الناس من یشری" نازل ہوئی ہے۔ الغرض آنحضرت کے روانہ ہوتے ہی حضرت ابوبکر نے ان کا پیچھا کیا۔ آپ نے رات کے اندھیرے میں یہ سمجھ کر کہ کوئی دشمن آرہا ہے اپنے قدم تیز کر دیے۔ پاؤں میں ٹھوکر لگی خون جاری ہو گیا۔ پھر آپؐ نے محسوس کیا کہ ابنِ ابی قحافہ آرہے ہیں۔ آپؐ کھڑے ہو گئے۔ صحیح بخاری ج ۱ حصہ ۳ ص ۶۹ میں ہے کہ رسولِ خداؐ نے ابوبکر بن ابی قحافہ سے بہ قیمت ناقہ خریدا۔ اور مدارج النبوت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے دو سو درہم کی خریدی ہوئی اونٹنی آنحضرتؐ کے ہاتھ نو سو درہم کی فروخت کی اس کے بعد یہ دونوں غارِ ثور تک پہنچے یہ غار مدینہ کی طرف مکہ سے ایک گھنٹہ کی راہ پر ۲½ یا تین میل جنوب کی طرف

واقع ہے۔اس پہاڑ کی چوٹی تقریباً ایک میل بلند ہے۔سمندر وہاں سے دکھائی دیتا ہے۔(تلخیص سیرت النبی صـ ۱۶۹ و زرقانی)۔

یہ حضرات غار میں داخل ہو گئے۔خدا نے ایسا کیا کہ غار کے منہ پر ببول کا درخت اُگا دیا۔مکڑی نے جالا تنا۔کبوتری نے انڈا دیا، اور غار میں داخلہ کا شبہ نہ رہا۔جب دشمن اس غار پر پہنچے تو وہ یہی سب کچھ دیکھ کر واپس ہو گئے۔ عجائب القصص صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ اسی موقع پر حضرت نے کبوتر کو خانہ کعبہ پر آکر بسنے کی اجازت دی۔اس سے قبل دیگر پرندوں کی طرح کبوتر بھی اوپر سے گذر نہیں سکتا تھا

مختصر یہ کہ یکم ربیع الاول ۱۴؁ بعثت یوم پنجشنبہ بوقتِ شب قریش نے آنحضرتؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔صبح سے کچھ پہلے ۲ ربیع الاوّل یوم جمعہ کو غارِ ثور میں پہنچے۔یوم یکشنبہ ۴ ربیع الاول تک غار میں رہے۔حضرت علیؑ آپ لوگوں کے لیے رات میں کھانا پہنچاتے رہے۔چوتھے روز ۵ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو عبداللہ ابن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی آپہنچے اور یہ چاروں اشخاص معمولی راستہ چھوڑ کر بحیرۂ قلزم کے کنارے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کفار مکّہ نے انعام مقرر کر دیا تھا کہ جو شخص آپ کو زندہ پکڑ کر لائے گا۔یا آپ کا سر کاٹ کر لائے گا تو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے اس پر سراقہ ابنِ مالک آپ کی کھوج لگاتا ہوا غار تک جا پہنچا۔اُسے دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ رونے لگے۔ تو حضرت نے فرمایا روتے کیوں ہو۔"خدا ہمارے ساتھ ہے"۔ سراقہ قریب پہنچا ہی تھا کہ اُس کا گھوڑا تا بڑانو زمین میں دھنس گیا اُس وقت حضرت روانگی کے لیے برآمد ہو چکے تھے۔اس نے معافی مانگی حضرت نے معافی دے دی۔گھوڑا زمین سے نکل آیا۔ وہ جان بچا کر بھاگا۔اور کافروں سے کہہ دیا کہ میں نے بہت تلاش کی مگر محمدؐ کا سُراغ نہیں ملتا۔اب دو ہی صورتیں ہیں۔" یا زمین میں سما گئے یا آسمان پر اُڑ گئے۔ [1]

حضرت کا مقامِ قبا میں پہنچنا

۱۲ ربیع الاوّل یوم دوشنبہ بوقت دوپہر آپ مقامِ قبا میں پہنچے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے۔آپ کا ناقہ اس مقام پر خود بخود ٹھہر گیا۔اور آگے نہ بڑھا۔آپ اُتر پڑے۔وہاں کے باشندوں نے جوشِ مسرت میں نعرۂ تکبیر بلند کیا۔آپ نے یہاں ایک مسجد کی بُنیاد ڈالی۔

اسی مقام پر حضرت علیؑ بھی مکّہ سے امانتوں کی ادائیگی سے سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد آپہنچے۔آپ کے ہمراہ عورتیں اور بچے تھے۔عورتیں اور بچے ناقوں پر سوار تھے اور حضرت علیؑ پیادہ تھے۔اِسی وجہ سے آپ کے پیروں پر ورم تھا۔اور بقول ابنِ خلدون آپ کے پیروں سے خون جاری

---

[1] علماء و مورخین کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ کے مشورے سے سنِ ہجری کی ابتداء ہوئی ہے (غیاث اللغات)

تھا۔ آنحضرتؐ کی نظر جب علیؑ کے پیروں پر پڑی تو آپ رونے لگے اور لعابِ دہن لگا کر اچھا کر دیا۔

مدینہ میں داخلہ مقامِ قبا میں ۴ یوم قیام کے بعد آپ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ۱۶ ربیع الاول یوم جمعہ داخلِ مدینہ ہو گئے۔ محلہ بنی سالم میں نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے نمازِ جمعہ یہیں ادا فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نمازِ جمعہ تھی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں اب بھی مسجدِ نبوی واقع ہے۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر مدینہ میں داخلہ کے بعد آپ نے سب سے پہلے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو کمال سادگی کے ساتھ تیار کی گئی۔ اس کی زمین ابوایوب انصاری نے خریدی اور اُس میں مزدوروں کی حیثیت سے دیگر اصحاب کے ساتھ آنحضرتؐ بھی کام کرتے رہے۔ مسجد کے ساتھ ساتھ حجرے بھی تیار کیے گئے۔ اور ایک مسقف چبوترہ جسے صُفّہ کہتے تھے، یہی وہ جگہ تھی جہاں نومسلم ٹھہرائے جاتے تھے۔ اُنھیں لوگوں کو اصحابِ صُفّہ کہا جاتا تھا۔ اور اُن کی پرورش صدقہ وغیرہ سے کی جاتی تھی۔

نماز و زکوٰۃ کا حکم مسجدِ نبوی کی تعمیر کے بعد نماز کی رکعتوں کی بھی مکمل تعیین کر دی گئی یعنی پہلے مغرب کے علاوہ سب نمازیں دو رکعتی تھیں۔ پھر سترہؑ رکعتیں معین کر دی گئیں اور ان کے اوقات بتا دیے گئے۔ ابنِ خلدون کے مطابق اسی سال زکوٰۃ بھی فرض کی گئی۔

۲ھ ہجری کے اہم واقعات

اذان و اقامت ۲ھ ہجری میں اذان مقرر کی گئی۔ جسے حضرت علیؑ نے حکمِ رسولؐ سے بلالؓ کو تعلیم کر دی اور وہ مستقل موذن قرار پائے۔ نیز اقامت کا تقرر بھی ہوا۔

عقدِ مواخات ہجرت کے ۵ یا ۸ ماہ بعد مہاجرینِ مکہ کی دلبستگی کے لیے آنحضرتؐ نے پچاس مہاجر و انصار میں باہمی مواخات (بھائی چارگی) قائم کر دی۔ جس طرح ایک بار مکہ میں کر چکے تھے۔ تاریخ خمیس اور ریاض النضرہ میں ہے کہ وہاں حضرت ابوبکرؓ کو عمرؓ کا۔ طلحہ کو زبیرؓ کا۔ عثمانؓ کو عبدالرحمٰن کا۔ حمزہ کو ابن حارثہ کا اور علیؑ کو خود اپنا بھائی بنایا تھا۔ علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے اتحادِ مذاق، طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے ایک دوسرے کو بھائی بنایا تھا مذاقِ نبوت کا اتحاد فطرتِ امامت ہی سے ہو سکتا تھا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مرتبہ اپنا بھائی علیؑ کو ہی منتخب فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ سے فرمایا کرتے تھے "اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ" تم دنیا اور آخرت دونوں میں میرے بھائی ہو۔

سنہ ۲ ہجری کے اہم واقعات

جناب سیدہ کا نکاح

۱۵ رجب سنہ ۲ ہجری کو جناب سیدہ کا عقد حضرت علی علیہ السلام سے ہوا ۔ اور ۱۹ ذی الحجہ کو آپ کی رخصتی ہوئی ۔ سیرت النبی میں ہے کہ جب حضرت سیدہ کی شادی کی سلسلہ جنبانی ہوئی تو سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ نے پیغام بھیجا ۔ کنز العمال ۷ ص ۱۱۳ میں ہے کہ ان پیغامات سے آنحضرت غضب ناک ہوئے اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۸۴ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے علیؑ سے خود فرمایا کہ اے علیؑ مجھے خدا نے کہہ دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں ۔ کیا تمھیں منظور ہے ۔ عرض کی "بیشک"۔ الغرض عقد ہوا اور شہنشاہ کائنات نے سیدہ عالمیان کو ایک بان کی چارپائی ۔ ایک چمڑے کا گدا ۔ ایک مشک دو چکیاں ۔ دو مٹی کے گھڑے وغیرہ دے کر رخصت کیا ۔ اس وقت علیؑ کی عمر ۲۴ سال اور فاطمہ کی عمر دس سال تھی ۔

تحویل کعبہ

ماہ شعبان سنہ ۲ ہجری میں بیت المقدس کی طرف سے قبلہ کا رخ کعبہ کی طرف موڑ دیا گیا ۔ قبلہ چونکہ عالم نماز میں بدلا گیا ۔ اس لیے آنحضرتؐ کا ساتھ حضرت علیؑ کے علاوہ اور کسی نے نہیں دیا ۔ کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے ہر فعل و قول کو حکم خدا سمجھتے تھے ۔ اسی لیے آپ مقام فخر میں فرمایا کرتے تھے ۔ انا مصلی القبلتین میں ہی وہ ہوں جس نے ایک نماز بیک وقت دو قبلوں کی طرف پڑھی ۔

جہاد

جب قریش کو معلوم ہوا کہ رسول اسلامؐ بخیر و خوبی مدینہ پہنچ گئے اور ان کا مذہب دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے تو اُن کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دنیا اندھیر ہوگئی اور وہ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مل کر کوشش کرنے لگے کہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دیں ۔ اس کے نتیجہ میں حضرت کو مشرکین قریش اور یہودیوں کے ساتھ بہت سی دفاعی لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں سے اہم موقعوں پر حضرت خود فوج اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے ۔ ایسی مہموں کو غزوہ کہتے ہیں اور جن موقعوں پر آپ اصحاب میں سے کسی کو فوج کا سردار بنا کر بھیج دیا کرتے ان کو "سریہ" کہا جاتا ہے ۔ غزوات کی مجموعی تعداد چھبیس ۲۶ ہے ۔ جن میں بدر ۔ احد ۔ خندق ۔ خیبر اور حنین بہت مشہور ہیں اور سریوں کی تعداد چھتیس ۳۶ تھی ۔ جن میں سب سے مشہور "موتہ" ہے جس میں حضرت جعفر طیار شہید ہوئے ۔

جنگ بدر

مدینہ منورہ سے تقریباً اسی ۸۰ میل پر بدر ایک گاؤں تھا ۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش

بڑی آمادگی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور سننے میں آیا کہ ابو سفیان تیس سواروں کے ساتھ ہزار آدمیوں کے قافلہ کے ہمراہ شام سے اسباب تجارت مکہ لیے جا رہا ہے اور نواح مدینہ سے گزرے گا۔ حضرت رسولؐ خدا (۳۱۳) ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، اور مقام بدر پر جا اترے۔ قریش نوسو پچاس (۹۵۰) آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ابوسفیان سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی خدا نے مسلمانوں کو مدد دی، جس سے یہ فتح یاب ہوئے۔ ۷۰ کفار مارے گئے ۷۰ ہی اسیر ہوئے۔ چھتیس کافروں کو حضرت علیؑ نے قتل کیا۔ اس لڑائی میں ابوجہل اور اس کا بھائی عاص اور عتبہ شیبہ ولید بن عتبہ نیز اسلام کے بہت سے دشمن مارے گئے۔ اس پہلی اسلامی جنگ کے علمدار حضرت علیؑ تھے۔ قیدیوں میں نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط قتل کر دیئے گئے اور باقی لوگوں کو زر فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت ابوبکر نے اس غزوہ میں جنگ نہیں کی۔ غزوۂ بدر کے بعد کفار کا گھر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ اور مقتولین کے انتقام کا جذبہ مکہ کے پیر و جوان میں پیدا ہوگیا۔ جس کے نتیجہ میں احد کا معرکہ رونما ہوا۔

یہ جنگ ماہِ رمضان ۲ھ میں واقع ہوئی ہے۔ اسی ۲ھ میں روزے فرض کیے گئے اور عید الفطر کے احکام نازل ہوئے۔ اور غزوہ بنوقینقاع سے واپسی پر عید الاضحیٰ کے احکام آئے اور خمس واجب کیا گیا۔

۳ھ ہجری کے اہم واقعات

جنگِ اُحد جنگِ بدر کا بدلہ لینے کے لیے ابوسفیان نے تین ہزار کی فوج سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ ایک حصّہ کا عکرمہ ابن ابی جہل اور دوسرے کا خالد بن ولید سردار تھا۔ آنحضرتؐ کے ساتھ پورے ایک ہزار آدمی بھی نہ تھے۔ "احد" پر لڑائی ہوئی جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ کامیابی کے بعد بھی پشت کے تیر اندازوں کا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے مسلمانوں کو فتح ہونے کو تھی ہی کہ تیر اندازوں کا وہی دستہ جس کے سرکنے کی ممانعت تھی، خلافِ حکم خدا و رسولؐ مالِ غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گیا جس کے نتیجہ میں فتح و کامرانی شکست و نامرادی سے بدل گئی۔ حضرت حمزہ "اسد اللہ" شہید ہوگئے۔ میدان میں بھگدڑ پڑ گئی۔ بڑے بڑے مدعیانِ شجاعت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اور کسی نے رسولِ اسلام کی طرف توجہ نہ دی۔ تواریخ میں ہے کہ تمام صحابہ رسولِ خداؐ کو میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بروایت الیعقوبی صـ۳۹ صرف تین صحابی رہ گئے۔ جن میں حضرت علیؑ اور دو اور تھے۔ بروایت بخاری حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی بھاگ نکلے۔ درمنثور ج ۲ صـ۸۸ کنز العمال ج ۱ صـ۲۳۸ میں ہے کہ حضرت ابوبکر پہاڑ کی چوٹی پر

چڑھ گئے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں چوٹی پر اس طرح اُچک رہا تھا جیسے پہاڑی بکری اچکتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ یہ سب بھاگ رہے تھے اور رسُولؐ چلا رہے تھے کہ مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو مگر کوئی منہ پھیر کر نہ دیکھتا تھا۔ (پ۴ رکوع ۷ آیت ۱۵۲)۔ ایک شخص نے گوپھنے میں رکھ کر آنحضرتؐ کی طرف پتھر مارا جس کی وجہ سے آپؐ کے دو دانت شہید ہو گئے اور پیشانی مُبارک مجروح ہو گئی۔ تلواروں کے کئی زخم بھی آئے اور آپؐ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ جب سب بھاگ رہے تھے۔ حضرت علیؑ محوِ جہاد تھے اور تحفظ رسالتؐ بھی کر رہے تھے۔ بالآخر کفار کو ہٹا کر آنحضرت صلعم کو پہاڑی پر لے گئے۔ رات ہو چکی تھی۔ دوسرے دن صبح کے وقت مدینہ کو روانگی ہوئی۔ اِس جنگ میں ۷۰ مسلمان مارے گئے۔ اور ستر ہی زخمی ہوئے۔ اور کفار صرف تیس قتل ہوئے جن میں بارہ کافر علیؑ کے قتل کیے ہوئے تھے اِس جنگ میں بھی علمبرداری کا عہدہ شیرِ خدا حضرت علیؑ کے ہی سپرد تھا۔

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ محوِ جنگ رہے آپ کے جسم پر سولہ ضربیں لگیں اور آپ کا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ آپ بہت کافی زخمی ہونے کے باوجود تلوار چلاتے اور دُشمنوں کی صفوں کو اُلٹتے جاتے تھے۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ ص۲۷۷)۔ اسی دوران میں آنحضرتؐ نے فرمایا "علی تم کیوں نہیں بھاگ جاتے"۔ عرض کی مولا" کیا ایمان کے بعد کفر اختیار کر لوں۔ (مدارج النبوت) مجھے تو آپؐ پر قربان ہونا ہے۔ اسی موقعہ پر حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹی تھی۔ اور ذُوالفقار دستیاب ہوئی تھی۔ (تاریخ طبری ج ص۴۰۶ و تاریخ کامل ج ۲ ص۵۸)۔ "نادِ علی" کا نزول بھی ایک روایت کی بنا پر اسی جنگ میں ہوا تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ کے زخمی ہوتے ہی کسی نے یہ خبر اُڑا دی کہ آنحضرت صلعم شہید ہو گئے۔ اِس خبر سے آپؐ کے فدائی مقامِ اُحد پر آ پہنچے، جن میں آپؐ کی لختِ جگر حضرت فاطمہؑ بھی تھیں۔

کثیر تواریخ میں ہے کہ دُشمنانِ اسلام کی عورتوں نے مسلم اموات کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا امیر معاویہ کی ماں نے مسلمان لاشوں کے ناک کان کاٹ لیے اور ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا اور امیر حمزہ کا جگر نکال کر چبایا۔ اِسی لیے مادر معاویہ "ہند" کو جگر خوارہ کہتے ہیں۔

مدینہ ماتم کدہ بن گیا

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو غیرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپؐ کی زبان سے بے اختیار نکلا "اما حمزہ فلا بواکی لہٗ"۔ افسوس حمزہ کو رونے والا کوئی نہیں۔ انصار نے یہ الفاظ سُنے تو تڑپ اُٹھے۔ سب نے جا کر اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہ کا ماتم کریں۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان کی بھیڑ تھی اور حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا کہ میں

تمھاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں۔ (سیرۃ النبی جلد ا ص۲۸۳)۔
یہ جنگ یوم سہ شنبہ ۱۵ شوال ۳ھ میں واقع ہوئی ہے حضرت امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے اور رسولِ خدا کا نکاح حفصہ بنت عمر کے ساتھ ہوا اور غزوۂ حمرالاسد کے لیے آپ برآمد ہوئے حضرت علی علمبردار تھے۔

۴ھ ہجری کے اہم واقعات

محرم ۴ھ ہجری میں بنی اسد نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا۔ جسے رد کرنے کے لیے آپؐ نے ابوسلمہ کو بھیجا انھوں نے دشمنوں کو مار بھگایا۔ پھر سفیان بن خالد نے حملہ کا ارادہ کیا جس کے مقابلہ کے لیے عبداللہ ابن انیس بھیجے گئے۔

واقعہ بیر معونہ صفر ۴ھ ہجری میں ابوبراء عامر بن مالک کلابی کی درخواست پر آنحضرتؐ نے ستر انصار کو تبلیغ کے لیے انھیں کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ لوگ مقام بیر معونہ پر ٹھہرے جو مدینہ سے ۴ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور ایک شخص عامر بن طفیل کے پاس بھیجا اُس نے قاصد کو قتل کر دیا۔ پھر ایک بڑا لشکر بھیج کر تمام صحابہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

غزوہ بنی نضیر عمر بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور ان کا خون بہا اب تک باقی تھا۔ بروایت طبری آنحضرتؐ اس کے مطالبہ کے لیے چند اصحاب کے ہمراہ بنی نضیر کے پاس گئے۔ انھوں نے مطالبہ تو قبول کر لیا، لیکن آپؐ کو قتل کر دینے کا خفیہ پروگرام بنایا۔ کہ ایک شخص کوٹھے پر جا کر ایک بھاری پتھر آپؐ پر گرا دے۔ چنانچہ عمر بن حجاش یہودی بالاخانے پر گیا حضرت کو اس کی اطلاع مل گئی۔ اور آپؐ وہاں سے مدینہ تشریف لے آئے۔

بنی نضیر ایک قلعہ میں رہتے تھے جس کا نام زہرہ تھا۔ یہ قلعہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ حضرت نے اس کی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ آپؐ نے کہلا بھیجا کہ دس یوم کے اندر یہ مقام خالی کر دو۔ انھوں نے عبداللہ بن ابی خزرجی منافق کے ورغلانے سے سرتابی کی۔ قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بالآخر وہ لوگ چھ یوم میں مفرور ہو گئے۔

غزوہ ذات الرقاع اسی ۴ھ ہجری ماہ جمادی الاول میں قبیلہ انمار و ثعلبہ اور غطفان نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا آنحضرتؐ اصحاب کو لے کر ان کی پیش قدمی کو رد کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ لیکن وہ سامنے نہ آئے اور بھاگ نکلے۔ اسی موقع پر ایک شخص نے بارادہ قتل آنحضرتؐ سے تلوار مانگی تھی اور آپ نے دے دی تھی مگر وہ قتل کی جرأت نہ کر سکا۔ (ابوالفداء ج ص۸۸) اسی ۴ھ ہجری میں غزوۂ بدر ثانی بھی پیش آیا۔ لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ اِس غزوہ میں بھی

حضرت علی علیہ السّلام علمبردار تھے۔ اسی سال ماہ شعبان میں حضرت امام حسین علیہ السّلام متولد ہوئے اور ام سلمہ کا رسُولِ کریمؐ کے ساتھ عقد ہوا، اور فاطمہ بنت اسد نے وفات پائی۔

۵ ہجری کے اہم واقعات

جنگِ خندق اِس جنگ کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ یہ جنگ ذیقعدہ ۵ھ میں واقع ہوئی ہے۔ اِس کی تفصیل کے متعلق اربابِ تواریخ لکھتے ہیں کہ مدینہ سے نکالے ہُوئے بنی نضیر کے یہودی جو خیبر میں سکونت پذیر تھے وہ شب و روز اور صبح و شام مسلمانوں سے بدلا لینے کے لیے اسکیمیں بنایا کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسی شکل پیدا ہو جائے جس سے مسلمانوں کا تخم تک نہ رہے۔ چنانچہ اُن میں سے کچھ لوگ مکہ چلے گئے اور ابوسفیان کو ملا کر بنی غطفان اور قیس سے رشتہ اخوت قائم کر لیا۔ اور ایک معاہدہ میں یہ طے کیا کہ ہر قبیلے کے سورما اکٹھے ہو کر مدینہ پر حملہ کریں تاکہ اسلام کی بڑھتی ہُوئی طاقت کا قلع قمع ہو جائے۔ اسکیم مکمل ہونے کے بعد اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ابوسفیان چار ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے نکلا۔ اور یہود کے دیگر قبائل نے چھ ہزار کے لشکر سے پیشقدمی کی۔ غرضکہ دس ہزار کی جمعیت مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھی۔

آنحضرتؐ کو اس حملے کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی۔ اسی لیے آپؐ نے مدینہ سے نکل کر کوہ سلع کو پشت پر لے لیا اور جناب سلمان فارسی کی رائے سے پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھدوائی اور خندق کھودنے میں خود بھی کمال جانفشانی کے ساتھ لگے رہے۔ اِس جنگ میں اندرونی خلفشار اور منافقوں کی ریشہ دوانیاں بھی جاری ہیں۔ جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے کہ اندرونی حالات کے تحفظ کے لیے آنحضرتؐ نے جنابِ ابوبکر پھر عمر کو بھیجنا چاہا۔ لیکن ان حضرات کے انکار کر دینے کی وجہ سے حضرت نے حذیفہ کو بھیجا (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۸۵)

خندق کی کھدائی کا کام چھ روز تک جاری رہا۔ خندق تیار ہوئی ہی تھی کہ کفار کا لشکرِ عظیم آپہنچا۔ لشکر کی کثرت دیکھ کر مسلمانوں کے اوسان خطا ہونے لگے۔ کفار یہ ہمت تو نہ کر سکے کہ دفعتاً حملہ کر کے مُسلمانوں کو تباہ کر دیتے۔ لیکن اکا دُکا خندق پار کر کے حملہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور یہ سلسلہ بیس روز تک جاری رہا۔ ایک دن عمرو بن عبدود جو لوی بن غالب کی نسل سے تھا اور عرب میں ایک ہزار بہادروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ خندق پھاند کر لشکرِ اسلام تک آپہنچا۔ اور "ھل من مبارز" کی صدا دی۔ عمرو بن عبدود کی آواز سُنتے ہی عمر بن خطاب نے کہا یہ تو ایک ہزار قزاق کا اکیلا مقابلہ کرتا ہے یعنی بہت ہی بڑا بہادر ہے۔ یہ سُن کر مسلمانوں کے رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے اس کی صدائے

مبارزت پر لشکرِ اسلام کو مخاطب کر کے مقابلہ کی ہمت دلائی ۔ لیکن ایک نوجوان بہادر کے علاوہ کوئی نہ سنکا ۔ تاریخ خمیس ، روضۃ الاحباب اور روضۃ الصفا میں ہے کہ تین مرتبہ آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کو مقابلہ کے لیے نکلنے کی دعوت دی ۔ مگر حضرت علیؑ کے سوا کوئی نہ بولا ۔ تیسری مرتبہ آپؐ نے علیؑ سے کہا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے ۔ آپ نے عرض کی ۔ میں بھی علی ابن ابی طالب ہوں ۔

الغرض آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو میدان میں نکلنے کے لیے تیار کیا ۔ اپنی زرہ پہنائی ۔ اپنی تلوار کمر میں حمائل کی ۔ اپنا عمامہ اپنے ہاتھوں سے علیؑ کے سر پہ باندھا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر عرض کی خدایا ! جنگِ بدر میں عبیدہ کو ، جنگِ احد میں حمزہ کو دے چکا ہوں ۔ پالنے والے اب میرے پاس علیؑ رہ گئے ہیں ۔ مالک ایسا نہ ہو کہ آج ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں ۔ دعا کے بعد علی کو پیادہ روانہ کیا ۔ اور ساتھ ہی ساتھ کہا "برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ" ۔ آج کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے ۔ (حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ صـ۲۳۸ و سیرۃ محمدیہ جلد ۲ صـ۱۰۲) ۔

الغرض آپ روانہ ہو کر عمر کے مقابلہ میں پہنچے ۔ علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ نے عمرو سے پوچھا کیا واقعاً تیرا یہ قول ہے کہ میدانِ جنگ میں اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک ضرور قبول کرتا ہے ۔ اس نے کہا "ہاں" ۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اسلام قبول کر ۔ اس نے کہا "ناممکن ہے" ۔ پھر فرمایا "اچھا جنگ گاہ سے واپس جا" کہا "یہ بھی نہیں ہو سکتا" ۔ پھر فرمایا "اچھا اُتر آ ۔ اور مجھ سے نبرد آزما ہو" ۔ وہ اُتر پڑا ۔ لیکن کہنے لگا مجھے اُمید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے کوئی شخص بھی مجھ سے یہ کہہ سکتا ہے جو تم کہہ رہے ہو ۔ مگر دیکھو میں تمھاری جان لینا نہیں چاہتا ۔ غرض جنگ شروع ہو گئی ۔ اور تلواروں کی نوبت آئی ۔ بالآخر اس کی تلوار علی کی سپر کاٹتی ہوئی سر تک پہنچی ۔ علیؑ نے جو سنبھل کر ہاتھ مارا تو عمرو بن عبدود زمین پر لوٹنے لگا ۔ مسلمانوں کو اس دست بدست لڑائی کی بڑی فکر تھی ۔ ہر ایک دعائیں مانگ رہا تھا ۔ جب عمرو سے حضرت علیؑ لڑ رہے تھے تو خاک اس قدر اُڑ رہی تھی کہ کچھ نظر نہ آتا تھا ۔ گرد و غبار میں ہاتھوں کی صفائی تو نظر نہ آئی ۔ ہاں تکبیر کی آواز سن کر مسلمان سمجھے کہ علیؑ نے فتح پائی ۔

عمرو ابن عبدود مارا گیا اور اس کے ساتھی خندق کود کر بھاگ نکلے ۔ خبر فتح جب حضرتؐ تک پہنچی تو آپؐ خوشی سے باغ باغ ہو گئے ۔ اسلام کے تحفظ اور علی کی سلامتی کی مسرت میں آپؐ نے فرمایا :-

"ضربت علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین" آج کی ایک ضربت علیؑ میری ساری اُمت وہ چاہے زمین میں بستی ہو یا آسمان میں رہتی ہو کی تمام عبادتوں سے بہتر ہے ۔

بعض کتابوں میں ہے کہ عمرو بن عبدود کے سینے پر حضرت علیؑ سوار ہو کر سر کاٹنا ہی چاہتے تھے کہ اس نے چہرۂ اقدس پر لعابِ دہن سے بے ادبی کی ۔ حضرت کو غصہ آگیا ۔ آپ یہ سوچ کر فوراً سینے سے اُتر آئے کہ کارِ خدا میں جذبۂ نفس شامل ہو رہا تھا ۔ جب غصہ فرو ہوا تب سر کاٹا ۔ اور زرہ اُتارے بغیر خدمت

رسالت مآبؐ میں جا پہنچے۔ آنحضرتؐ نے علیؑ کو سینے سے لگالیا۔ جبرئیلؑ نے بروایت سلیمان قندوزی آسمان سے انار لاکر تحفتہً عنایت کیا جس میں سبز رنگ کا رومال تھا۔ اور اس پہ "علی ولی اللہ" لکھا ہوا تھا۔
حضرت علی علیہ السلام میدان جنگ سے کامیاب وکامران واپس ہوئے۔ اور عمرو بن عبدود کی بہن بھائی کی لاش پر پہنچی اور خود و زرہ بدستور اس کے جسم پر دیکھ کر کہا "ماقتلہٗ الاکفوٌ کریمٌ" اسے کسی بہت ہی معزز بہادر نے قتل کیا ہے۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ اے عمرو! اگر تجھے اس قاتل کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا تو میں ساری عمر تجھ پر گریہ کرتی۔ معارج النبوۃ اور روضۃ الصفا میں ہے کہ فتح کے بعد جب حضرت علیؑ واپس ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اٹھ کر آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔

غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ افک

آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی مصطلق مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ اُسے روکنے کے لیے ۲ شعبان ۵ھ کو ان کی طرف بڑھے۔ حضرت علی علمبردار لشکر تھے گھمسان کی جنگ ہوئی مسلمان کامیاب ہوئے۔ واپسی کے موقع پر حضرت عائشہؓ اسی جنگل میں رہ گئیں۔ جو بعد میں ایک شخص صفوان ابن معطل کے ساتھ ناقہ پر بیٹھ کر آنحضرتؐ تک پہنچیں۔ آنحضرتؐ نے اسے محسوس کیا اور لوگوں نے شکوک کا چرچا کردیا۔ بروایت تاریخ آئمہ آنحضرتؐ کو بھی شک ہوگیا تھا۔ اور آپ کچھ عرصہ کشیدہ رہے۔ پھر فرمایا مجھے جہاں تک معلوم ہے میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی اور کچھ نہیں پاتا۔ اور جس مرد یعنی صفوان ابن معطل کی نسبت لوگ چرچا کرتے ہیں میں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں پاتا۔ وہ بے شک میرے گھر میں آمد و رفت رکھتا تھا۔ مگر ہمیشہ میرے حضور میں (امہات الامہ صفحہ ۱۶۹)

اسی ۵ھ میں غزوہ بنی قریظہ۔ سریہ سیف البحر۔ غزوہ بنی عیان بھی واقع ہوئے ہیں اور تیمم کا حکم بھی نازل ہوا ہے اور بقول محی الدین ابن عربی اسی ۵ھ میں بموقع حفر خندق آنحضرتؐ نے خود اذان میں "حی علی خیر العمل" کا حکم دیا ہے۔ کبریت احمر بر حاشیہ الیواقیت والجواہر جلد ا صفحہ ۴۳ و معلم ترجمہ مسلم صفحہ ۵۲۸ و کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۲۶۔

واضح ہو کہ "حی علی خیر العمل" رسول کریمؐ کی تشکیل اذان کا جزو ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اُسے اپنے عہد میں اذان سے خارج کردیا ملاحظہ ہو۔ نیل الاوطار امام شوکانی ج ا صفحہ ۲۳۹ و صحیح مسلم مترجم ج ۲ صفحہ ۱۰

۶ ہجری کے اہم واقعات

صلح حدیبیہ

ذیقعدہ ۶ ہجری مطابق ۶۲۸ء میں آنحضرتؐ حج کے ارادے سے مکہ کی طرف چلے۔ قریش کو خبر ہوئی تو جانے سے روکا۔ حضرت ایک کنویں پر جس کا حدیبیہ نام تھا

رُک گئے اور صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اسی کو "بیعت الرضوان" کہتے ہیں اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب سمرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قریش کے ایلچی "عروہ" نے کہا کہ امسال حج سے باز آئیں اور یہ بھی کہا کہ میں آپ کے ہمراہ ایسے لوگ دیکھ رہا ہوں جو اوباش ہیں اور جنگ سے بھاگ نکلیں گے یہ سُن کر حضرت ابوبکر نے لفظ لات چوسنے کی گالی دی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے بروایت ابن اثیر حضرت عمر کو قریش کے پاس اس لیے بھیجنا چاہا کہ وہ انھیں سمجھا بجھا کر صلح کرنے پر راضی کرلیں۔ لیکن وہ نہ گئے اور حضرت عثمان کو بھیجنے کی رائے دی حضرت عثمان جو ابوسفیان کے بھتیجے تھے۔ ان کے پاس گئے، ان کی اچھی طرح آؤ بھگت ہوئی، لیکن اخیر میں گرفتار ہوگئے اور جلد ہی چھوٹ کر چلے آئے۔ آخر عمرو قریش کی طرف سے پیغام صلح لایا اور حضرت نے صلح کرلی۔ صلح نامہ حضرت علیؑ نے لکھا۔ طرفین سے شہادتیں لے لی گئیں۔ اس صلح کے بعد قریش بے کھٹکے مسلمان ہونے لگے۔ اور مکہ میں بلا مزاحمت قرآن پڑھا جانے لگا۔ کیونکہ امن قائم ہوگیا اور رسول کا نام لینا جرم نہ رہا۔ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ اور اسلام کا نیا دور شروع ہوگیا۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۱۵ اور درمنثور جلد ۶ ص۷۷ میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت عمر نے کہا کہ محمدؐ کی نبوت میں جیسا مجھے آج شک ہوا ہے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ انھوں نے اس لیے کہا کہ وہ صلح پر راضی نہ تھے۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ ان کے اس طرزِ عمل سے حضرت رسولِ خدا سخت رنجیدہ ہوئے (تاریخ ابن خلدون ص۳۶۱)۔

تاریخ اسلام احسان اللہ عباسی میں ہے کہ حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے راہ میں سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا۔ نازل ہوا۔ اسی سال غزوہ ذی قرو۔ سریہ دومتہ الجندل، سریہ فدک سریہ وادی القریٰ۔ سریہ عرنیہ بھی واقع ہوئے ہیں۔

اسی سنہ ۶ ہجری میں حضرت رسولِ کریمؐ نے زید بن حارثہ کی زیر سرکردگی چالیس آدمیوں کی ایک جماعت حموم کی طرف روانہ کی جس نے قبیلہ مزینہ کی ایک عورت حلیمہ اور اس کے شوہر کو گرفتار کرکے آپ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپؐ نے میاں بیوی دونوں کو آزاد کردیا۔ تاریخ کامل بن اثیر جلد ۲ ص۷۸ والرق فی الاسلام مصنفہ عتیق الرحمٰن عثمانی جلد ۱ ص۱۰۱۔

سنہ ۷ ہجری کے اہم واقعات

جنگِ خیبر خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً بیاسی میل کے فاصلہ پر یہودیوں کی بستی تھی اس کے باشندے یونہی اسلام کے عروج و اقبال سے جل بھن رہے تھے کہ مدینہ میں جلاوطن یہودیوں نے اُن سے مل کر اُن کے حوصلے بلند کردیئے۔ انھوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کے بھروسہ پر مدینہ کو تباہ و برباد کر ڈالنے کا منصوبہ باندھا اور اس کے لیے مکمل فوجی تیاریاں کرلیں۔ جب آنحضرتؐ کو اُن کے عزم و

ارادہ کی خبر ہوئی تو آپ ۱۴ صفر سنہ ۷ ہجری کو چودہ سو پیدل اور دو سو سوار لے کر فتنہ کو فرو کرنے کے لیے مدینہ سے برآمد ہوئے اور خیبر میں پہنچ کر قلعہ بندی کر لی اور مسلمان انھیں محاصرہ میں لے کر ان سے مسلسل لڑتے رہے۔ لیکن قلعہ قموص فتح نہ ہو سکا۔

تاریخ طبری و خمیس اور شواہد النبوۃ صفحہ ۵۰ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فتح قلعہ کے لیے حضرت عمر کو بھیجا، پھر حضرت ابوبکر کو روانہ کیا۔ اس کے بعد پھر حضرت عمر کو حکم جہاد دیا لیکن یہ حضرات ناکام واپس آئے۔ تاریخ طبری جلد ۳ ص ۹۳ میں ہے کہ تیسری مرتبہ جب علم اسلام پوری حفاظت کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ رہا تھا۔ راستہ میں بھاگتے ہوئے لشکر والوں نے سپہ سالار کی بزدلی پر اجماع کر لیا۔ اور سالار لشکر ان لشکریوں کو بزدل کہہ رہا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کل میں علم اسلام ایسے بہادر کو دوں گا جو مرد ہوگا۔ اور بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا۔ اور کسی حال میں بھی میدان جنگ سے نہ بھاگے گا۔ وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہوگا۔ اور خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور وہ اس وقت تک میدان سے نہ پلٹے گا۔ جب تک خداوند عالم اس کے دونوں ہاتھوں پر فتح نہ دے دے گا۔

پیغمبر اسلام کے اس فرمانے سے اہل اسلام میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی اور ہر ایک کے دل میں یہ امنگ آموجود ہوئی کہ کل علم اسلام کسی صورت سے مجھ ہی کو ملنا چاہیے۔ طبری جلد ۳ کے صفحہ ۹۴ میں ہے کہ حضرت عمر کہتے ہیں کہ مجھے سرداری کا حوصلہ آج کے روز سے زیادہ کبھی نہ ہوا تھا۔ مورخ کا بیان ہے کہ تمام اصحاب نے انتہائی بے چینی میں رات گزاری اور علی الصباح اپنے کو آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا۔ اصحاب کو اگرچہ توقع نہ تھی[ف] لیکن بتلائے ہوئے صفات کا تقاضا تھا کہ علیؑ کو آواز دی جائے کہ ناگاہ زبان رسالتؐ سے "ابن علی ابن ابی طالب کی آواز بلند ہوئی لوگوں نے کہا حضور وہ تو آشوب چشم میں مبتلا ہیں آ نہیں سکتے۔ حکم ہوا کہ جا کر کہو رسول خداؐ بلاتے ہیں۔ پیغمبر نے آواز رسالت گوش امیر المومنین میں پہنچائی اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اصحاب کے کندھوں کا سہارا لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے علیؑ کا سر اپنے زانوں پر رکھا۔ اور بخار اتر گیا۔ لعاب دہن لگایا، آشوب چشم جاتا رہا۔ حکم ہوا، علی میدان جنگ میں جاؤ۔ اور قلعہ قموص کو فتح کرو۔ علیؑ نے روانہ ہوتے ہی پوچھا حضورؐ! کب تک لڑوں اور کب واپس آؤں۔ فرمایا۔ جب تک فتح نہ ہو۔

حکم رسولؐ پا کر علیؑ میدان میں پہنچے۔ پتھر پر علم نصب کیا۔ ایک یہودی نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا "علی ابن ابی طالب" اس نے اپنوں سے کہا کہ توریت کی قسم یہ شخص ضرور فتح کرے گا۔ کیوں کہ اس قلعہ کے فاتح کے جو صفات توریت میں بیان کیے گئے ہیں وہ بالکل درست ہیں اس میں سب صفات پائے جاتے ہیں۔ الغرض حضرت علیؑ کے مقابلہ کے لیے لوگ نکلنے لگے، اور فنا کے گھاٹ اترنے لگے سب

ف کہ ان کے سوا کسی اور کو بلایا جائے گا کیونکہ علی بیمار تھے۔

سے پہلے حارث نے جنگ آزمائی کی، اور ایک دو واروں کی رد و بدل میں ہی واصل جہنم ہوگیا۔ حارث چونکہ مرحب کا بھائی تھا اس لئے مرحب نے جوش میں آکر رجز کہتے ہوئے آپ پر حملہ کیا۔ آپ نے اس کے تین بھالے والے نیزے کے وار کو رد کرکے ذوالفقار کا ایسا وار کیا کہ اس سے آہنی خود، سر اور سینے تک دو ٹکڑے ہوگئے۔ مرحب کے مرنے سے اگرچہ ہمتیں ختم ہوگئی تھیں۔ لیکن جنگ جاری رہی اور عنتر ربیع۔ یاسر جیسے پہلوان میدان میں آتے اور موت کے گھاٹ اترتے رہے۔ آخر میں بھگدڑ مچ گئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ دوران جنگ میں ایک شخص نے آپ کے دست مبارک پر ایک ایسا حملہ کیا کہ سپر چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ اور ایک دوسرا یہودی اُسے لے بھاگا۔ حضرت کو جلال آگیا آپ آگے بڑھے۔ اور قلعہ خیبر کے آہنی در پر بایاں ہاتھ رکھ کر زور سے دبایا۔ آپ کی انگلیاں اُس کی چوکھٹ میں اس طرح در آئیں جیسے موم میں لوہا در آتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے جھٹکا دیا اور خیبر کے قلعہ کا دروازہ جسے چالیس آدمی حرکت نہ دے سکتے تھے، جس کا وزن بروایت معارج النبوۃ آٹھ سو من اور بروایت روضۃ الصفا تین ہزار من تھا اکھڑ کر آپ کے ہاتھ میں آگیا۔ اور آپ کے اس جھٹکے سے قلعہ میں زلزلہ آگیا۔ اور صفیہ بنت حیی ابن اخطب منہ کے بل زمین پر گر پڑی۔ چونکہ یہ عمل انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا "میں نے در قلعہ خیبر کو قوت ربانی سے اکھاڑا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اُسے سپر بنا کر جنگ کی اور اسی در کو پل بنا کر لشکر اسلام کو اُس پار اتار لیا۔ مدارج النبوت جلد ۲ ص۲۰۲ میں ہے کہ جب مکمل فتح کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے۔ تو پیغمبر اسلام آپ کے استقبال کے لیے نکلے اور علیؑ کو سینے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ اے علیؑ خدا اور رسولؐ، جبرائیل و میکائیل بلکہ تمام فرشتے تم سے راضی و خوش ہیں۔ علامہ شیخ قندوزی کتاب ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اے علیؑ! تمھیں خدا نے وہ فضیلت دی ہے کہ اگر میں اسے بیان کرتا تو لوگ تمھاری خاکِ قدم بطور تبرک اٹھا کر رکھتے۔ تاریخ میں ہے کہ فتح خیبر کے دن حضورؐ کو دوہری خوشی ہوئی تھی۔ ایک فتح خیبر کی اور دوسری حبش سے مراجعت جعفر طیار کی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی موقع پر ایک عورت زینب بنت حارث نامی نے آنحضرتؐ کو بھنے ہوئے گوشت میں زہر دیا تھا اور اسی جنگ سے واپسی میں بمقام صہبا رجعت شمس ہوئی تھی۔ (شواہد النبوۃ صفحہ ۸۶-۸۷)۔

حضرت علیؑ کے لیے رجعتِ شمس

مورخین کا بیان ہے کہ جب آنحضرت لشکر سمیت خیبر سے واپسی میں مقام وادی القریٰ کی طرف جاتے ہوئے مقام صہبا میں پہنچے اور وہاں قیام پذیر ہوئے تو ایک دن آپ پر وحی کے نزول کا سلسلہ ایسے وقت میں شروع ہوا کہ غروب آفتاب سے قبل ختم نہ ہوا۔ حضرت رسول کریمؐ حضرت علیؑ کی

ؔ (مشکوٰۃ) لیکن میرے نزدیک یہ محل نظر ہے۔

آغوش میں سر رکھے ہوئے تھے۔ جب سلسلہ وحی منقطع ہوا تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اے علیؑ تم نے نمازِ عصر بھی پڑھی یا نہیں عرض کی، مولا نماز کیسے پڑھتا، آپؐ کا سر مبارک زانو پر تھا اور وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ سن کر حضرت رسولِ کریمؐ نے دستِ دعا بلند کیا اور کہا کہ "بار الٰہا علیؑ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ اس کے لیے سورج کو پلٹا دے تاکہ یہ نمازِ عصر ادا کرلیں۔ چنانچہ سورج پلٹ آیا اور علیؑ نے نمازِ عصر ادا کی۔ (حبیب السیر، روضۃ الصفا۔ روضۃ الاحباب شرح شفا قاضی عیاض تاریخ خمیس بعض روایات میں یہ ہے کہ رسولِ خدا نے علیؑ سے فرمایا کہ سورج کو حکم دو۔ وہ پلٹے گا، چنانچہ علیؑ نے حکم دیا۔ اور سورج پلٹ آیا۔ علامہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں یہ حدیث رجعت شمس صحیح ہے۔ ثقہ راویوں سے مروی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

آن کہ در آفاق گردد بو تراب   باز گرداند ز مغرب آفتاب

تبلیغی خطوط

حضرت کو ابھی صلح حدیبیہ کے ذریعہ سے سکون نصیب ہوا ہی تھا کہ آپ نے ۷ھ ہجری میں ایک مہر بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" کندہ کرایا۔ اس کے بعد شاہانِ عالم کو خطوط لکھے۔ ان دنوں عرب کے اردگرد چار بڑی سلطنتیں قائم تھیں (۱) حکومت ایران جس کا اثر وسط ایشیا سے عراق تک پھیلا ہوا تھا (۲) حکومتِ روم جس میں ایشیائے کوچک فلسطین۔ شام اور یورپ کے بعض حصے شامل تھے۔ (۳) مصر (۴) حکومتِ حبش جو مصری حکومت کے جنوب سے لے کر بحیرۂ قلزم کے مغربی ساحل پر حجاز و یمن کے متوازی قائم تھی اور اس کا اثر صحرائے اعظم افریقہ کے تمام علاقوں پر تھا۔ حضرت نے بادشاہ حبش نجاشی۔ شاہِ روم قیصر ہرقل، گورنر مصر جریح ابن مینا قبطی عرف مقوقس۔ بادشاہ ایران خسرو پرویز اور گورنر یمن باذان، والیٔ دمشق حارث وغیرہ کے نام خطوط روانہ فرمائے۔

آپ کے خطوط کا مختلف بادشاہوں پر مختلف اثر ہوا۔ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا۔ شاہِ ایران نے آپ کا خط پڑھ کر غیظ و غضب کے تحت خط کے ٹکڑے اڑا دے قاصد کو نکال دیا، اور گورنر یمن کو لکھا کہ مدینہ کے دیوانہ (آنحضرتؐ) کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے۔ اس نے دو سپاہی مدینہ بھیجے تاکہ حضورؐ کو گرفتار کریں۔ حضرتؐ نے فرمایا، جاؤ تم کیا گرفتار کروگے۔ تمھیں خبر بھی ہے تمھارا بادشاہ انتقال کرگیا۔ سپاہی جو یمن پہنچے تو سنا کہ شاہِ ایران داعی اجل کو لبیک کہہ چکا ہے۔ آپؐ کی اس خبر دہی سے بہت سے کافر مسلمان ہوگئے۔ قیصر روم نے آپؐ کے خط کی تعظیم کی۔ گورنر مصر نے آپؐ کے قاصد کی بڑی مدارات کی اور بہت سے تحفوں سمیت اُسے واپس کر دیا۔ ان تحفوں میں ماریہ قبطیہ (زوجہ آنحضرتؐ

اور ان کی ہمشیرہ شیریں (زوجہ حسان بن ثابت) ایک دلدل نامی جانور برائے حضرت علی، یعفور نامی دراز گوش مابور نامی خواجہ سرا شامل تھے۔

حصول فدک
فدک نواح خیبر میں ایک قریہ ہے۔ فتح خیبر کے بعد آنحضرتؐ نے علیؑ کو فدک والوں کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ انھیں دعوتِ اسلام دے کہ مسلمان کریں۔ ان لوگوں نے اس بات پر صلح کرنی چاہی کہ نصف زمین آنحضرتؐ کو دے دیں اور نصف پر خود قابض رہیں حضرتؐ نے اُسے منظور فرمایا۔ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۵ میں ہے کہ چونکہ یہ فدک بلا جنگ وجدال ملا تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ کا خالصہ قرار پایا۔ درمنثور جلد ۴ ص۱۷۷ میں ہے کہ فدک کے قبضہ میں آتے ہی حکم خدا نازل ہوا "وآت ذالقربیٰ حقہ" اپنے قرابت دار کو حق دے دو۔ شرح مواقف کے صفحہ ۷۳۵ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے "اعطاھا فدک نحلۃ" فاطمہؑ زہرا کو بطور عطیہ فدک دے دیا۔ روضۃ الصفا جلد ۲ ص۱۷۷، معارج النبوۃ رکن ۴ ص۲۲۱ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے تحریری تصدیق نامہ یعنی بذریعہ دستاویز جائداد فدک جناب سیّدہ کے نام ہبہ کر دی۔ یہی کچھ صواعق محرقہ ص۲۱-۲۲، وفاء الوفا ج ۲ ص۱۶۲، فتاویٰ عزیزی ص۱۴۳، روضۃ الصفا ج ۲ ص۱۳۵ ج ۱ ص۸۵، معارج النبوت معین کاشفی رکن ۴ ص۲۲۱ معجم البلدان میں اس زمین کو بہت زرخیز بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ زمین بہت سے چشموں سے سیراب ہوتی تھی۔ اس میں کافی نخلستان بھی تھے۔ ابوداؤد کے کتاب خراج میں اس کی آمدنی چار ہزار دینار (اشرفی) سالانہ لکھی ہے۔

ایک واقعہ
اسی سال مقام صہبا سے واپسی میں غزوہ وادی القریٰ واقع ہوا۔ یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور بہت سامالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ اسی سال مسلمانوں کے مشہور واضع حدیث ابوہریرہ مسلمان ہوئے۔ یہ اسلام کے قبل یہودی تھے۔ تین سال عہدِ رسالتؐ میں زندگی بسر کی۔ آپ نے ۵۳۰۴ حدیثیں نقل کی ہیں۔ شرح مسلم نووی ص۳۷۷ صحیح مسلم ج ۲ ص۵۰۹، الفاروق جلد ۲ ص۱۰۵، میزان الکبریٰ جلد ۱ ص۱۷ میں ہے کہ عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؑ انھیں جھوٹا جانتے تھے۔

۸ھ ہجری کے اہم واقعات

جنگِ مُوتہ
جنگِ مُوتہ اس مشہور جنگ کو کہتے ہیں جس میں اسلام کے تین سپہ سالار پے در پے شہید ہوئے۔ جن میں نمایاں درجہ حضرت جعفر طیار کو حاصل تھا۔ مُوتہ یہ شام کے علاقہ بلقا کا ایک قریہ ہے۔ اس جنگ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلعم نے اسلامی دعوت نامہ دیگر سلاطین اور رؤسا کی طرح شام کے حاکم عیسائی شرجیل بن عمرو غسانی کے پاس بھی بھیجا۔ اُس نے حضورؐ کے قاصد حارث ابن عمیر کو بمقام مُوتہ قتل کر دیا۔ چونکہ اس نے اسلامی توہین کے ساتھ ساتھ دُنیا کے بین الاقوامی قانون کے

خلاف کیا تھا۔ للہذا آنحضرت صلعم نے تین ہزار کی فوج دے کر اپنے غلام زید کو روانہ کیا اور یہ پروگرام بنا دیا کہ جب یہ قتل ہو جائے تو جعفر طیّار پھر ان کے بعد عبداللہ ابن رواحہ علمبرداری کریں۔ میدان میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مقابلہ کے لیے ایک لاکھ کا لشکر آیا ہے۔ حکمِ رسولؐ تھا، زید نے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔ حضرت جعفر نے علم سنبھالا اور انتہائی بہادری اور بے جگری کے ساتھ وہ لڑنے لگے۔ فوج میں ہلچل ڈال دی۔ لیکن سینے پر نوّے زخم کھا کر تاب نہ لا سکے اور زمین پر آگرے۔ عبداللہ ابن رواحہ نے علم سنبھالا اور مشغول نبرد آزمائی ہوئے۔ بالآخر انھوں نے بھی شہادت پائی۔ پھر اور ایک بہادر نے علم سنبھالا۔ کامیابی کے بعد مدینہ واپسی ہوئی۔ مسلمانوں خصوصاً آنحضرتؐ کو اس جنگ میں تین سپہ سالاروں کے قتل ہونے کا سخت ملال ہوا۔ جعفر طیّار کے لیے آپؐ نے فرمایا:" خدا نے انھیں جنت میں پرواز کے لیے دو زمرّد کے پَر عطا کیے ہیں۔ مورخین کا کہنا ہے کہ اسی لیے آپ کو جعفر طیّار کہا جاتا ہے۔ تاریخ کامل میں ہے کہ آنحضرتؐ جب جعفر کے گھر گئے تو اُن کی بیوی کو محوِ گریہ دیکھ کر اپنے گھر پہنچے تو فاطمہؑ کو روتے دیکھا۔ حضورؐ نے سب کو تسلی دی اور جعفر طیّار کے گھر کھانا پکوا کر بھیجا۔ یہ جنگ جمادی الاوّل ۸ھ میں واقع ہوئی ہے۔

ذات السّلاسل

اسی جمادی الاوّل ۸ھ میں یہ سریہ ذات السلاسل بھی واقع ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ نے تین سو سپاہیوں کے ہمراہ عمرو عاص کو قبیلہ قضاعہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ تو ابوعبیدہ بن جراح کو روانہ فرمایا۔ اُنھوں نے کامیابی حاصل کی۔

منبرِ نبوی کی ابتدا

اب سے پہلے آنحضرتؐ کے لیے مسجد میں کوئی منبر نہ تھا۔ آپ ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپ کے لیے عائشہ انصاریہ نے تین درجے کا منبر اپنے رومی غلام "باقوم" نامی سے جو نجاری کا کام جانتا تھا، بنوا دیا۔

فتح مکّہ

صُلحِ حدیبیہ کی رُو سے دس سال تک باہمی جنگ و جدال ممنوع ہونے کے باوجود قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے آنحضرتؐ کے حلیف بنو خزاعہ پر چڑھائی کر دی اور قریش کی مدد سے انھیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ بالآخر حالات سے مجبور ہو کر بنی خزاعہ نے آنحضرتؐ سے مدد مانگی۔ آنحضرتؐ نے دس ہزار پر مشتمل لشکر تیار کر کے مکّہ کا ارادہ کیا۔ ابوسفیان نے جب یہ تیاری دیکھی تو یہ درخواست پیش کرنے کے لیے کہ صلح نامہ حدیبیہ کی تجدید کر دی جائے۔ مدینہ آیا اور اپنی بیٹی ام حبیبہ زوجہ رسولؐ کے گھر گیا۔ اُنھوں نے یہ کہہ کر اسے بسترِ رسولؐ سے ہٹا دیا کہ تو کافر و مشرک ہے۔ (ابوالفداء) پھر آنحضرتؐ کے پاس گیا۔ آپؐ نے خاموشی اختیار کی۔ پھر حضرت علیؑ سے ملا۔ اُنھوں نے بھی مُنہ نہ لگایا۔ پھر حضرت

فاطمہؑ کے پاس پہنچا اور امام حسن علیہ السّلام کے واسطہ سے امان مانگی، انھوں نے بھی کوئی سہارا نہ دیا
اِس کے بعد مسجد میں تجدید صلح کا اِعلان کر کے واپس چلا گیا۔ حضرت محمد مصطفٰےؐ صلعم نے پوری توجّہ کے ساتھ
جنگ کی خفیہ تیاریاں کرلیں۔ مگر یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ کس طرف جانے کا اِرادہ ہے۔ اسی خفیہ تیاری کی
اسکیم کے ماتحت آپؐ نے مکّہ کی آمد و رفت مطلقاً بند کر دی تھی۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ اگر مکّہ والوں کو
قبل از وقت اطلاع مل جائے گی تو کامیابی مشکل ہو جائے گی۔ مگر ایک چغلخور صحابی حاطب ابنِ بلتعہ
نے جس کے بچے مکّہ میں تھے۔ ایک عورت کے ذریعہ سے حملہ کا مکمل حال لکھ بھیجا۔ وہ تو کہئے کہ حضرت کو
اِطلاع مل گئی۔ آپؐ نے علیؑ کو تعاقب میں بھیج کر خط واپس کرالیا۔

الغرض ۱۰ رمضان ۸ھ کو آپ غیر معروف راستوں سے اچانک مکّہ پہنچے اور مکّہ سے چار فرسخ
کے فاصلہ پر "مرالظہران" پر پڑاؤ ڈالا۔ لشکر کی کثرت کا چرچہ ہو گیا۔ ابوسفیان حضرت عباسؓ کے مشورے
سے مسلمان ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے اُس کے لیے یہ رعایت کر دی کہ جو اس کے گھر میں فتح مکّہ کے موقع پر پناہ لے
اُسے چھوڑ دیا جائے۔ ابوسفیان مکّہ واپس گیا اور اس نے آنحضرتؐ کی طرف سے اعلان کر دیا کہ جو مکّہ میں
میرے مکان میں پناہ لے گا محفوظ رہے گا۔ جو ہتھیار لگائے بغیر سامنے آئے گا۔ اُس پر ہاتھ نہ اُٹھایا
جائے گا۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور تھوڑی سی مزاحمت کے بعد مکّہ پر قبضہ ہو گیا۔ سپہ سالار
لشکر حضرت علیؑ تھے۔ آنحضرتؐ ناقہ قصویٰ پر سوار مکّہ میں داخل ہوئے۔ اور زبیر کے لگائے ہوئے
اِسلامی جھنڈے کے قریب جا کر اُترے۔ خیمے نصب ہوئے۔ آپؐ نے قریش سے فرمایا بتاؤ تمھارے
ساتھ کیا سلوک کروں سب نے متفق اللفظ کہا۔ آپؐ کریم ابنِ کریم ہیں۔ ہمیں معاف فرمائیں۔ آپؐ نے
معافی دی۔ اور آپ سات مرتبہ طواف کے بعد داخلِ حرم کعبہ ہو گئے۔ اور اُن تمام بتوں کو اپنے ہاتھ
سے توڑا جو نیچے تھے۔ اور اونچے بتوں کو توڑنے کے لیے حضرت علیؑ کو اپنے کندھے پر چڑھایا، علیؑ نے
تمام بتوں کو توڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ گویا پتھر کے خداؤں کو مٹی میں ملا دیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ
جس جگہ مہرِ نبوت تھی، اور جہاں معراج کی شب کتفِ رسول پر ہاتھ رکھا ہوا محسوس ہوا تھا اُسی جگہ
علیؑ نے پاؤں رکھ کر بت شکنی کی۔ اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ نے اپنی پشت پر سوار
کیا اور جبرئیلؑ نے بت شکنی کے بعد اپنے ہاتھوں سے اُتارا۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ ۹۲)
زندگانی محمد صـ ۷ عجائب القصص صـ ۲۶۸ میں ہے کہ کعبہ میں ۳۶۰ بُت تھے۔

دعوت بنی خزیمہ

مکّہ معظمہ فتح ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ نے چند افراد کو تبلیغ اسلام کے
لیے بعض اطراف میں بھیجا۔ جن میں خالد بن ولید بھی تھے۔ یہ لوگ جب بنی خزیمہ
کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلایا۔ لیکن ابنِ ولید نے کوئی پرواہ نہ کی اور ان
پر غیر اخلاقی ظلم کیا۔ آنحضرتؐ نے جب اس تعدی کی خبر سُنی تو آپؐ نے اپنے بری الذمہ ہونے کا اِعلان

کیا۔ اور حضرت علیؑ کو بھیج کر ہر قسم کا تاوان ادا کیا۔ اور خون بہا دیا۔ (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۲۴)

جنگِ حنین

حنین مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر طائف کی طرف ایک وادی کا نام ہے۔ فتح مکہ کی خبر سے بنی ہوازن، بنی ثقیف، بنی جشم اور بنی سعد نے باہمی اجماع میں فیصلہ کیا کہ سب مل کر مسلمانوں سے لڑیں۔ انھوں نے اپنا سردارِ لشکر مالک ابن عوف نفری اور علمبردار "ابوجرول" کو قرار دیا۔ اور وہ اپنے ہمراہ "دریدا بن صمہ" نامی ۱۲۰ برس کا تجربہ کار سپاہی برائے مشورہ لے کر پانچ ہزار آدمیوں پر مشتمل لشکر سمیت حنین اور طائف کے درمیان مقام "اوطاس" پر جمع ہو گئے۔ جب آنحضرتؐ کو اس اجتماع کی اطلاع ملی تو آپ ۱۲ یا ۱۶ ہزار کا لشکر لے کر جس میں مکے کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے۔ ۶ شوال ۸ھ کو دُلدل پر سوار مکہ سے نکل پڑے۔ حضرت علیؑ حسبِ معمول علمبردارِ لشکر تھے۔ میدان میں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ہم اتنے کثیر ہیں کہ آج شکست نہیں کھا سکتے۔ میدانِ جنگ میں اس قسم کے منصوبے باندھے جا رہے تھے۔ کہ وہ دشمن جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے نکل آئے اور تیروں نیزوں اور پتھروں سے ایسے حملے کئے کہ بزدلوں کے جان کے لالے پڑ گئے۔ سب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ کسی کو رسولِ خدا کی خبر نہ تھی۔ وہ پکار رہے تھے۔ اے بیعت رضوان والو! کہاں جا رہے ہو لیکن کوئی نہ سنتا تھا۔ غرضیکہ ایسی بھگدڑ مچی کہ اصولی جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی حضرت علیؑ، حضرت عباس، ابن حارث اور ابن مسعود کے علاوہ سب بھاگ گئے۔ (سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹) اس موقع پر ابوسفیان کہہ رہا تھا۔ کہ ابھی کیا ہے مسلمان سمندر پار بھاگیں گے۔ حبیب السیر اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلے خالد ابن ولید بھاگے۔ ان کے پیچھے قریش کے نو مسلم چلے۔ پھر ایک ایک کر کے مہاجر و انصار نے راہِ فرار اختیار کی۔ اسی دوران میں دشمنوں نے آنحضرتؐ پر حملہ کر دیا جسے جاں نثاروں نے رد کر دیا۔ حالات کی نزاکت کو دیکھ کر رسول اللہ خود لڑنے کے لیے آگے بڑھے۔ مگر حضرت عباسؓ نے گھوڑے کی لجام تھام لی۔ اور مسلمانوں کو پکارا۔ آپ کی آواز پر سو مسلمان واپس آگئے اور دشمن بھی سب کے سب مقابل ہو گئے گھمسان کی جنگ شروع ہوئی۔ ابوجرول علمبردارِ لشکر نے مقابل طلب کیا۔ حضرت علیؑ علمبردارِ لشکرِ اسلام مقابلہ میں تشریف لائے اور ایک ہی وار میں اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھے اور کامیاب ہو گئے۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ میں ہے کہ اس جنگ میں چار مسلمان اور ۷۰ کافر قتل ہوئے۔ جن میں سے ۴۰ حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اس جنگ میں غیبی امداد ملی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

اس کے بعد مقام اوطاس میں جنگ ہوئی اور وہاں بھی مسلمان کامیاب ہوئے۔ ان دونوں جنگوں

میں کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ اوطاس میں اسماء بنت حلیمہ سعدیہ بھی ہاتھ آئیں۔

حلیمہ سعدیہ کی سفارش جنگِ حنین کی بچی ہوئی فوج طائف میں پناہ گزیں ہوگئی۔ آپ نے شوال ۸ھ میں اس کے محاصرہ کا حکم دیا اور ۲۰ یوم تک محاصرہ جاری رہا۔ اس کے بعد آپ نے محاصرہ اٹھا لیا اور مقام جوانہ پر چلے گئے۔ وہاں ۵ ذیقعدہ کو بنی ہوازن کی طرف سے درخواست آئی کہ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ آپ ہماری عورتیں اور مال واپس کر دیجئے۔ بنی ہوازن کی سفارش میں جناب حلیمہ سعدیہ بھی آئیں۔ آنحضرتؐ نے اُن کی سفارش منظور فرمائی۔

سنہ ۹ ھجری کے اہم واقعات

فلس کی تباہی قبیلہ بنی طے جس میں مشہور سخی حاتم طائی پیدا ہوا تھا "فلس" نامی بُت کو پوجتا تھا فتح مکہ کے کچھ دنوں بعد آنحضرتؐ نے ڈیڑھ سو سواروں سمیت ربیع الاول ۹ھ میں اس کی طرف حضرت علیؑ کو بھیجا۔ عدی ابنِ حاتم جو سردارِ قبیلہ تھا، مفرور ہوگیا۔ بہت سا مالِ غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت علیؑ نے انسان اور مال لشکر میں تقسیم فرما دیا اور عدی کی بہن یعنی حاتم طائی کی بیٹی "سفانہ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچایا اُس نے شرافت خاندان کا حوالہ دے کر رحم کی درخواست کی۔ آپؐ نے اسے آزاد کر دیا۔ اور زادِ سفر دے کر اس کو اس کے بھائی عدی کے پاس بھجوا دیا۔ آپؐ کے اس حسنِ اخلاق سے عدی بہت متاثر ہوا اور سنہ ۱۰ ھج میں آکر مسلمان ہوگیا۔

غزوۂ تبوک

"تبوک" مدینہ اور دمشق کے درمیان ۱۲ - ۱۴ منزل پر تھا۔ حضرت کو اطلاع ملی کہ نصاریٰ شام نے ہرقل بادشاہ روم سے چالیس ہزار فوج منگا کر مدینہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ نے تحفظاً تقدم کے پیشِ نظر پیش قدمی کی۔ مدینہ کا انتظام حضرت علی کے سپرد فرمایا، اور تیس ہزار فوج لے کر شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ روانگی کے وقت حضرت علیؑ نے عرض کی۔ مولا! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ فرمایا، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اسی طرح اپنا جانشین بنا کر جاؤں جس طرح جنابِ موسیٰؑ اپنے بھائی ہارون کو بنا کر جایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی) اے علی خدا کا حکم ہے کہ مدینہ میں میں رہوں یا تم رہو۔ (فتح الباری جلد ۳ صـ ۳۸۷)۔

غرضکہ آپ روانہ ہو کر منزل تبوک تک پہنچے۔ آپ نے وہاں دشمنوں کا ۲۰ یوم انتظار کیا لیکن کوئی بھی مقابلہ کے لیے نہ آیا۔ دورانِ قیام میں اطراف و جوانب میں دعوتِ اسلام کا سلسلہ جاری رہا۔

بالآخر واپس تشریف لائے ۔ یہ واقعہ رجب سنہ ۹ ہجری کا ہے ۔

واقعۂ عقبہ

تبوک سے واپسی میں ایک گھاٹی پڑتی تھی جس کا نام عقبہ ذی فتق تھا ۔ یہ گھاٹی سواری کے لیے انتہائی خطرناک تھی ۔ اندیشہ یہ تھا کہ کہیں ناقہ کا پاؤں پھسل نہ جائے کہ حضرت کو گزند پہنچے ۔ اسی بنا پر منادی کرا دی گئی ۔ کہ جب تک حضرت کا ناقہ گزر نہ جائے کوئی بھی گھاٹی کے قریب نہ آئے ۔ غرضکہ روانگی ہوئی ۔ حضرت سوار ہوئے ۔ حذیفہ نے مہار پکڑی ۔ عمار ہنکاتے ہوئے روانہ ہوئے ۔ یہ حضرات سمجھ رہے تھے کہ نہایت پُرامن جا رہے ہیں ۔ ناگاہ بجلی چمکی اور اُن کی نظر چند ایسے سواروں پر پڑی جو چہروں کو کپڑے سے چھپائے ہوئے تھے ۔ حضرت نے فرمایا اے حذیفہ تم نے پہچانا ۔ یہ منافق میری جان لینا چاہتے تھے ۔ پھر آپؐ نے سب کے نام بتا دیے ۔ اور کہا کسی سے کہنا نہیں ورنہ فساد ہوگا ۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ وہ اکابر صحابہ تھے ۔

تبلیغ سورۂ برات

سنہ ۹ ہجری میں آنحضرتؐ نے تین سو آدمیوں کے ہمراہ حضرت ابوبکر کو حج اور تبلیغ سورۂ برات کے لیے بھیجا ۔ ابھی آپ زیادہ دور نہ جانے پائے تھے کہ واپس بُلا لیے گئے اور یہ سعادت حضرت علیؑ کے سپرد کر دی گئی ۔ حضرت ابوبکر کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھے خدا کا یہی حکم ہے کہ میں جاؤں یا میری آل میں سے کوئی جائے ۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ شیخین دونوں کے دونوں مامور تھے ۔ مگر معزول کیے گئے ۔ قرۃ العین ص ۲۳۴ صحیح بخاری پ ۲ ص ۲۳۸ کنز العمال جلد ۱ ص ۱۲۶ درمنثور جلد ۳ ص ۲۱۰ تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۵۷، ۱۶۱ خصائص نسائی ص ۶۱ روض الانف جلد ۲ ص ۳۲۸ ۔ طبری جلد ۳ ص ۱۵۴ ریاض النضرہ ص ۱۷۴ ۔

جنگ وادی الرمل

وادی الرمل مدینہ سے ۵ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے ۔ وہاں عربوں کی ایک بڑی جمعیت نے مدینہ پر شبخون مارنے اور اچانک شہر پر قبضہ کر کے اسلامی قوت کو پاش پاش کر دینے کا منصوبہ تیار کیا ۔ حضرت کو جونہی اطلاع ملی آپؐ نے اُن کی طرف ایک لشکر بھیج دیا اور علمبرداری حضرت ابوبکر کے سپرد کی ۔ انھیں ہزیمت ہوئی ۔ پھر حضرت عمر کو علمدار بنایا ۔ وہ بھی خیر سے گھر کو آ گئے ۔ پھر عمر بن عاص کو روانہ کیا وہ بھی شکست کھا گئے ۔ جب کامیابی کسی طرح نہ ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علی کو علم دے کر روانہ کیا ۔ خدا نے حضرت علیؑ کو شاندار کامیابی عطا کی ۔ جب علیؑ واپس ہوئے تو آنحضرت نے خود حضرت علیؑ کا استقبال کیا ۔ (حبیب السیر معارج النبوت) ۔

وفود

سنہ ۹ ہجری میں وفود آنا شروع ہوئے اور آنحضرتؐ کی وفات سے پہلے تقریباً عرب کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا ۔ اسی سن میں حکم نجاست مشرکین بھی نازل ہوا ۔

وصولی صدقات اسی سنہ ۹ ھ میں بنی طے سے عدی بن حاتم طائی، بنی حنظلہ سے مالک ابن نویرہ، بنی نجران سے حضرت علیؑ جزیہ وصدقات وصول کرنے گئے اور مال بھجوایا۔ (ابن خلدون)

سنہ ۱۰ ہجری کے اہم واقعات

یمن میں تبلیغی سرگرمیاں سنہ ہجری میں آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کو تبلیغ دین کے خیال سے یمن بھیجا۔ یہ وہاں جاکر چھ ماہ تک اِدھر اُدھر پھرتے رہے اور کوئی کام نہ کرسکے یعنی اُن کی تبلیغ سے کوئی بھی مسلمان نہ ہوسکا۔ تو حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے زور علم اور سلیقۂ تبلیغی کی وجہ سے سارے قبیلہ ہمدان کو مسلمان کرلیا۔ اس کے بعد اہلِ یمن مسلسل داخلِ اسلام ہونے لگے۔ جب آنحضرتؐ کو یہ شاندار کامیابی معلوم ہوئی تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور قبیلہ ہمدان کے لیے دعا کی۔ اور فرمایا خدا قبیلہ ہمدان پر سلامتی نازل کرے۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹)۔

یمن میں حضرت علی کی شاندار کامیابی پر مخالفوں کی حاسدانہ روش مورخین کا بیان ہے کہ یمن میں خالد بن ولید مطلقاً کامیاب نہیں ہوئے۔ پھر جب حضرت علیؑ کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی تو بعض لوگوں نے حضرت علیؑ پر مالِ غنیمت کے سلسلہ میں اعتراض کیا"

کتاب خلافت وامامت کے صفحہ ۷۹ طبع لاہور میں ہے کہ "جب جناب امیر تبلیغ اہلِ یمن کے لیے مامور کیے گئے تھے اور آپ کے خلاف چند لوگوں کی شکایت سُن کر حضرت نے فرمایا تھا کہ مجھ سے علیؑ کی بُرائی نہ کرو" فانہ منی وانا منہ وھو ولیکم بعدی" علیؑ مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارا حاکم ہے بعض احادیث میں الفاظ "وھو ولیکم بعدی" کے نہیں پائے جاتے اور بعض میں وھو مولیٰ کل مومن ومومنۃ پائے جاتے ہیں شکایت یہ تھی کہ جناب امیر نے خمس میں سے ایک لونڈی منتخب کر لی تھی۔ امام بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکایت سُن کر رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا تھا۔ فان لہ فی الخمس اکثر من ذالک" علی کا حصہ خمس میں اس سے بھی زیادہ ہے، یہ حدیث بھی اہلِ تسنن کی تمام معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہے اور اس سے جو منزلت جناب امیرؑ کی ظاہر ہوتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں"

یمن کا نظامِ حکومت اسی سنہ ہجری میں باذان حاکمِ یمن نے انتقال کیا۔ اس کی وفات کے بعد یمن کو مختلف حصوں میں مختلف حاکموں کے سپرد کردیا گیا (۱) صنعا کا گورنر باذان کے بیٹے کو (۲) ہمدان کا عامل عامر ابن شہر ہمدانی کو (۳) مآرب کا حاکم ابوموسیٰ اشعری کو (۴) جند کا افسر یعلیٰ ابن امیہ کو (۵) ملک واشعر میں طاہر ابن ابی ہالہ کو (۶) نجران میں عمرابن خرم کو (۷) نجران، زمع۔ زبید کے درمیان سعید ابن عاص کو (۸) سکاسک وسکون میں عکاشہ ابن ثور کو مقرر کردیا گیا۔

اصحابؓ کا تاریخی اجتماع اور تبلیغِ رسالت کی آخری منزل
حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلاقِ عالم نے انتخابِ خلافت کو اپنے لیے مخصوص رکھا ہے اور اس میں لوگوں کا دسترس نہیں ہونے دیا۔ فرماتا ہے۔ ربك یخلق مایشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سُبحان اللہ تعالیٰ عمّا یشرکون۔ تمہارا رب ہی پیدا کرتا اور جس کو چاہتا ہے (نبوت وخلافت) کے لیے منتخب کرتا ہے۔ یاد رہے کہ انسان کو نہ انتخاب کا کوئی حق ہے اور نہ وہ اس میں خدا کے شریک ہو سکتے ہیں (پ ۲۰ ع ۱۰)۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے اپنے تمام خلفا۔ آدم سے خاتم تک خود مقرر کیے ہیں اور ان کا اعلان اپنے نبیوں کے ذریعہ سے کرایا ہے۔ (روضۃ الصفا، تاریخ کامل۔ تاریخ ابن الوردی۔ عرائس ثعلبی وغیرہ اور اس میں تمام انبیا کے کردار کی موافقت کا اتنا لحاظ رکھا ہے۔ کہ تاریخ اعلان تک میں فرق نہیں آنے دیا۔ علامہ بہائی وعلامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ تمام انبیاء نے خلافت کا اعلان ۱۸ ذی الحجہ کو کیا ہے (جامع عباسی واختیارات مجلسی) مورخین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۸ ذی الحجہ کو بمقام غدیرخم حکمِ خدا سے حضرت علیؑ کے جانشین ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

حجۃ الوداع

حضرت رسول کریم صلعم ۲۵ ذی قعدہ سنہ ۱۰ ہجری کو حج آخر کے ارادے سے روانہ ہو کر ۴ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی تمام بیبیاں اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا تھیں۔ روانگی کے وقت ہزاروں صحابہ ساتھ روانہ ہوئے اور بہت سے مکہ ہی میں جا ملے۔ اس طرح آپ کے اصحاب کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو گئی۔ حضرت علیؑ یمن سے مکہ پہنچے۔ حضور صلعم نے فرمایا کہ تم قربانی اور مناسکِ حج میں میرے شریک ہو۔ اس حج کے موقع پر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت صلعم کو مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے دیکھا اور معرکۃ الآرا خطبے سُنے۔ جن میں بعض باتیں یہ تھیں۔ (۱) جاہلیت کے زمانہ کے دستور کچل ڈالنے کے قابل ہیں (۲) عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں (۳) مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں (۴) غلاموں کا خیال ضروری ہے۔ (۵) جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیے گئے۔ (۶) جاہلیت کے تمام واجب الادا سُود باطل کر دیے گئے۔

غرضکہ حج سے فراغت کے بعد آپ مدینہ کے ارادہ سے ۱۴ ذی الحجہ کو روانہ ہوئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔ جحفہ کے قریب مقام غدیر پر پہنچتے ہی آیۂ بلّغ کا نزول ہوا۔ آپ نے پالان اُشتر کا منبر بنایا اور بلالؓ کو حکم دیا کہ "حی علیٰ خیر العمل" کہہ کر آواز دیں۔ مجمع

سمٹ کر نقطۂ اعتدال پر آگیا۔ آپؐ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ فرمایا۔ جس میں حمد و ثنا کے بعد اپنی فضیلت کا اقرار لیا اور فرمایا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسرے اہل بیت۔ اس کے بعد علی کو اپنے نزدیک بلا کر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا۔ اور اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل ظاہر ہوگئی۔ پھر فرمایا۔ "من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ"۔ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے۔ خدایا علی جدھر مڑیں حق کو اسی طرف موڑ دینا۔ پھر علیؑ کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا۔ لوگوں نے مبارکباد دینی شروع کیں۔ سب آپ کی جانشینی سے مسرور ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے بھی نمایاں الفاظ میں مبارکباد دی۔ جبرئیلؑ نے بھی بزبان قرآن اکمال دین اور اتمام نعمت کا مژدہ سنایا۔ سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ یہ جانشینی ۱۸ ذی الحجہ کو واقع ہوئی ہے۔ نور الابصار صفحہ ۷۸ میں ہے کہ ایک شخص حارث بن نعمان فہری نے حضرت کے عمل غدیر خم پر اعتراض کیا تو اسی وقت آسمان سے اس پر ایک پتھر گرا اور وہ مر گیا۔

واضح ہو کہ اس واقعہ غدیر خم کو امام المحدثین حافظ ابن عقدہؒ نے ایک سو صحابہ سے اس حدیث غدیر کی روایت کی ہے۔ امام جزری و شافعی نے اسی صحابیوں سے امام احمد بن حنبل نے تیس صحابیوں سے اور طبری نے پچھتر صحابیوں سے روایت کی ہے علاوہ اس کے تمام اکابر اسلام مثلاً ذہبی صنعانی اور علی القاری وغیرہ اسے مشہور اور متواتر مانتے ہیں۔ منہج الوصول صدیق حسن ص۱۳، تفسیر ثعلبی فتح البیان صدیق حسن جلد ۱ ص۴۸۔

واقعۂ مباہلہ نجران یمن میں ایک مقام ہے وہاں عیسائی رہتے تھے۔ اور وہاں ایک بڑا کلیسا تھا۔ آنحضرت صلعم نے انھیں بھی دعوت اسلام بھیجی، انھوں نے تحقیق حالات کے لیے ایک وفد زیر قیادت عبد المسیح عاقب مدینہ بھیجا۔ وہ وفد مسجد نبوی کے صحن میں آکر ٹھہرا۔ حضرتؐ سے مباحثہ ہوا مگر وہ قائل نہ ہوئے حکم خدا نازل ہوا۔ فقل تعالوا ندع ابناءنا الخ اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ دونوں اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو لا کر مباہلہ کریں۔ چنانچہ فیصلہ ہوگیا اور ۲۴ ذی الحجہ ۱۰ھ کو پنجتن پاک جھوٹوں پر لعنت کرنے کے لیے نکلے۔ نصاریٰ کے سردار نے جونہی ان کی شکلیں دیکھیں کانپنے لگا اور مباہلہ سے باز آیا۔ خراج دینا منظور کیا۔ جزیہ دے کر رعایا بننا قبول کیا۔ (معارج العرفان ص۱۳۵، تفسیر بیضاوی ص۷۴)۔

سرورِ کائناتؐ کے آخری لمحاتِ زندگی

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپؐ کی وہ علالت جو بروایت مشکوٰۃ خیبر میں دیئے ہوئے زہر کے کروٹ لینے سے ابھرا کرتی تھی مستقر ہوگئی۔ آپؐ اکثر علیل رہنے لگے۔ بیماری کی خبر کے عام ہوتے ہی جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہونے لگے۔ جن میں مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی۔ طلیحہ۔ سجاح زیادہ نمایاں تھے۔ لیکن خدا نے انھیں ذلیل کیا۔ اسی دوران میں آپ کو اطلاع ملی کہ حکومت روم مسلمانوں کو تباہ کرنے کا منصوبہ

تیار کر رہی ہے۔ آپؐ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں وہ حملہ نہ کر دیں اسامہ ابن زید کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اور حکم دیا کہ علیؑ کے علاوہ اعیان مہاجر و انصار میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ رہے۔ اور اس روانگی پر اتنا زور دیا کہ یہ تک فرما دیا "لعن اللہ من تخلف عنہا" جو اس جنگ میں نہ جائے گا اُس پر خدا کی لعنت ہوگی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اسامہ کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے روانہ کیا۔ اُنھوں نے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں کیمپ لگایا اور اعیان صحابہ کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن وہ لوگ نہ آسکے۔ مدارج النبوت جلد ۲ صـ۴۸۸ و تاریخ کامل جلد ۲ صـ۱۲۰ و طبری جلد ۳ صـ۲۰۰ میں ہے کہ نہ جانے والوں میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی تھے۔ مدارج النبوت جلد ۲ صـ۴۹۴ میں ہے کہ آخر صفر میں جب کہ آپ کو شدید دردِ سر تھا۔ آپ رات کے وقت اہل بقیع کے لیے دُعا کی خاطر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے سمجھا کہ میری باری میں کسی اور بیوی کے وہاں چلے گئے ہیں۔ اس پر وہ تلاش کے لیے نکلیں تو آپؐ کو بقیع میں محو دُعا پایا۔

اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا کیا اچھا ہوتا اے عائشہ کہ تم مجھ سے پہلے مر جاتیں اور میں تمھاری اچھی طرح تجہیز و تکفین کرتا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ آپ چاہتے ہیں میں مر جاؤں تو آپ دُوسری شادی کر لیں۔ اسی کتاب کے صـ۴۹۵ میں ہے کہ آنحضرتؐ کی تیمارداری آپ کے اہل بیت کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اہل بیت کو تیمارداری میں پیچھے رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

واقعہ قرطاس

حجۃ الوداع سے واپسی پر بمقام غدیر خم اپنی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے۔ اب آخری وقت میں آپؐ نے یہ ضروری سمجھتے ہوئے کہ اُسے دستاویزی شکل دیدوں اصحاب سے کہا کہ مجھے قلم دوات اور کاغذ دے دو تا کہ میں تمھارے لیے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جو تمھیں گمراہی سے ہمیشہ ہمیشہ بچانے کے لیے کافی ہو۔ یہ سُن کر اصحاب میں باہمی چہ میگوئیاں

لہ حجۃ الاسلام امام ابوالحامد محمد الغزالی اپنی کتاب "سر العالمین" طبع بمبئی کے صـ۹ پر لکھتے ہیں کہ "غدیر خم میں حضرت رسول کریمؐ کے "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" فرمانے کے بعد اور عمرؓ کے مبارک باد دینے کے بعد جب لوگوں پر خلافت کی ہوا و ہوس غالب آگئی تو انھوں نے غدیر خم کی تمام باتیں بھلا دیں، پھر جب رسول خدا کے انتقال کا وقت آیا اور انھوں نے وفات سے قبل فرمایا "ایتونی بدوات و بیاض لازیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لھا بعدی" قال عمر دعوا الرجل فانہ لیھجر الخ مجھے قلم دوات کاغذ دے دو۔ تاکہ میں دستاویزی طور پر خلافت کے اشکال کو دور کر دوں اور تمھیں تحریراً بتا دوں کہ میرے بعد خلافت کا حق دار کون ہے؟ یہ سُن کر حضرت عمر نے کہا کہ "اس مرد کو چھوڑ دو یہ ہذیان بک رہا ہے۔" یہی کچھ مختلف الفاظ میں صحیح بخاری طبع کراچی جلد ۱ صـ۱۳۲-۱۳۵ و جلد ۲ پ۱۷ صـ۶۹۶ و جلد ۳ پ۳۰ صـ۸۴۲-۸۴۳ و صحیح مسلم جلد ۵ صـ۷۶ و فتح الباری شرح بخاری عسقلانی ج ۱ صـ۱۲۹ برحاشیہ و جزء ۸ صـ۱۰۱ و نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض طبع مصر جزء ۴ صـ۲۷۸ و شرح شفا ملا

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۸۶ ملاحظہ فرمائیں)

لہ ملل و نحل شہرستانی

ہونے لگیں۔ لوگوں کے رجحانات قلم و دوات دے دینے کی طرف دیکھ کر حضرت عمر نے کہا " ان الرجل لیہجر حسبنا کتاب اللہ یہ مرد ہذیان بک رہا ہے۔ ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے (صحیح بخاری ج۲ ص۸۴۲) علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں . . . حضرت عمر نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (الفاروق ص۱۱۶) لغت میں ہذیان کے معنی "بیہودہ گفتن" یعنی بکواس کے ہیں۔ (صراح جلد ۲ ص۱۲۳) شمس العلما۔ مولوی نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں۔ "جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی۔ انھوں نے تو دھینگا مشتی سے منصوبہ ہی چٹکیوں میں اڑا دیا۔ اور مزاحمت کی یہ تاویل کی کہ ہماری ہدایت کے لیے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں ہیں۔ کاغذ قلم دوات کا لانا کچھ ضروری نہیں۔ خدا جانے کیا کیا لکھوا دیں گے۔ (امہات الامۃ صفحہ ۹۲) اس واقعہ سے آنحضرتؐ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے جھنجلا کر فرمایا۔ قوموا عنی میرے پاس سے اُٹھ کر چلے جاؤ۔ نبی کے روبرو شور و غل انسانی ادب نہیں ہے۔ علامہ طریحی لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں پانچ افراد نے حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ ابو عبیدہ۔ عبد الرحمٰن۔ سالم غلام حذیفہ نے متفقہ عہد و پیمان کیا تھا کہ " لا نرد ھذا الامر فی بنی ھاشم۔ پیغمبر کے انتقال کے بعد خلافت بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے (مجمع البحرین) میں کہتا ہوں کون یقین کرسکتا ہے کہ جیش اسامہ میں رسول سے سرتابی کرنے والوں جس میں لعنت تک کی گئی ہے اور واقعہ قرطاس میں حکم کو بکواس بتلانے والوں کو رسولِ خدا نے نماز کی امامت کا حکم دے دیا ہوگا میرے نزدیک امامت نماز کی حدیث ناقابلِ قبول ہے۔

وصیت اور احتضار

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آخری وقت آپ نے فرمایا۔ میرے حبیب کو بلاؤ۔ میں نے اپنے باپ ابوبکر پھر عمر کو بلایا۔ انھوں نے پھر یہی فرمایا تو میں نے علی کو بلا بھیجا۔ آپؐ نے علیؑ کو چادر میں لے لیا اور آخر تک سینے سے لپٹائے رہے۔ (ریاض النضرہ ص۱۸۰) مورخین لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ اور حسنینؑ کو طلب فرمایا اور حضرت علیؑ کو بلا کر وصیت کی اور کہا جیش اسامہ کے لیے میں نے فلاں یہودی سے قرض لیا تھا۔ اُسے ادا کر دینا اور اے علی تمھیں میرے بعد سخت صدمات پہنچیں گی۔ تم صبر کرنا اور دیکھو جب اہل دنیا دنیا پرستی کریں تو تم دین

(بقیہ حاشیہ ص۵۲) علی قاری برحاشیہ نسیم الریاض و مدارج النبوت طبع کانپور ص۵۴۲، حبیب السیر ج ص۹۷ و مکتوبات شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ج ۲ ص۶۲ تا ۱۹ وغیرہ میں ہے۔ انھیں کتب کی روشنی میں شمس العلما خواجہ حسن نظامی دہلوی لکھتے ہیں ایسی بیماری کے زمانے میں ایک دن بہت سے لوگ حضرت صلعم کے پاس جمع تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ لاؤ کاغذ میں تم کو کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ . . . یہ سن کر (حضرت عمر) بولے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بخار کی تکلیف کا غلبہ ہے اس کے سبب ایسا فرماتے ہیں۔ وصیت نامے کی کچھ ضرورت نہیں ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے۔ (محرم نامہ ص۱ طبع دہلی)۔

اختیار کئے رہنا۔ (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص۵۵۹ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۵۱۱ وتاریخ بغداد جلد ۱ ص۲۱۹۔

رسولِ کریمؐ کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام سے وصیت فرمانے کے بعد آپ کی حالت متغیر ہوگئی۔ حضرت فاطمہؑ کے زانو پر سرِ مبارک رسالت مآبؐ تھا۔ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ انتہائی پریشانی میں تھے کہ ناگاہ ایک شخص نے اذنِ حضوری چاہا۔ میں نے داخلہ سے منع کر دیا، اور کہا اے شخص یہ وقتِ ملاقات نہیں ہے۔ اِس وقت واپس چلا جا۔ اس نے کہا میری واپسی ناممکن ہے۔ مجھے اِجازت دیجئے کہ میں حاضر ہو جاؤں۔ آنحضرتؐ کو جو قدرے افاقہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ اجازت دے دو۔ یہ ملک الموت ہیں۔ فاطمہ نے اجازت دے دی۔ اور وہ داخل خانہ ہوئے۔ پیغمبر کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی۔ مولا! یہ پہلا دروازہ ہے جس پر میں نے اِجازت مانگی ہے۔ اور اب آپؐ کے بعد کسی کے دروازے پر اجازت طلب نہ کروں گا۔ (عجائب القصص علامہ عبد الواحد ص۲۸۲ و روضۃ الصفا جلد ۲ ص۲۱۶ و انوار القلوب ص۱۸۸)۔

الغرض ملک الموت نے اپنا کام شروع کیا اور حضور رسُولِ کریمؐ نے بتاریخ ۲۸ صفر ۱۱ھ یوم دوشنبہ بوقت دوپہر ظاہری خلعت حیات اُتار دیا۔ (مودۃ القربیٰ ص۴۹ م ۱۴ طبع بمبئی ۱۳۱۰ھ) اہلبیت کرام میں رونے کا کہرام مچ گیا۔ حضرت ابُوبکر اس وقت اپنے گھر محلہ سنح گئے ہوئے تھے۔ جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت عمرؓ نے واقعہ وفات کو نشر ہونے سے روکا اور جب حضرت ابُوبکر آ گئے تو دونوں سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور باطل پر مشورں کے لیے بنایا گیا تھا۔ (غیاث اللغات) اور انھیں کے ساتھ ابوعبیدہ بھی چلے گئے۔ جو غسال تھے غرضکہ اکثر صحابہ رسُولِ خداؐ کی لاش چھوڑ کر ہنگامہ خلافت[1] میں جا شریک ہوئے۔ اور حضرت علیؑ نے غسل و کفن کا بندوبست کیا۔ حضرت علیؑ غسل دینے میں۔ فضل ابن عباس حضرت کا پیراہن اُونچا کرنے میں۔ عباس اور قثم کروٹ بدلوانے میں اور اسامہ و شقران پانی ڈالنے میں مصروف ہوگئے۔ اور انھیں چھ آدمیوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور اسی حجرہ میں آپ کے جسم اطہر کو دفن کر دیا گیا۔ جہاں آپ نے وفات پائی تھی۔ ابوطلحہ نے قبر کھودی۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ آپ کے غسل و کفن اور نماز میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ جب یہ حضرات سقیفہ سے واپس آئے تو آنحضرتؐ کی لاش مطہر سپردِ خاک کی جا چکی تھی کنز العمال جلد ۳ ص۱۴۰۔ ارجح المطالب ص۶۷۰۔ المرتضیٰ ص۳۹۔ فتح الباری جلد ۶ ص۴) وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص۱۵۲)۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۴ ص۱۳۶۲ میں ہے کہ انصار نے جب حضرت علیؑ کی بیعت کرنا چاہی تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اور کہا کہ آپ بھی قرشی ہیں اور ہم میں سزاوار تر ہیں۔ ۱۲

وفات اور شہادت کا اثر

سرورِ کائنات کی وفات کا اثر یُوں تو تمام لوگوں پر ہوا۔ اصحاب بھی روئے اور حضرت عائشہؓ نے بھی ماتم کیا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۷۴ و تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۲۲ و تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۷) ۔ لیکن جو صدمہ حضرت فاطمہؑ کو پہنچا اس میں وہ منفرد تھیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات سے عالمِ علوی اور عالمِ سفلی بھی متاثر ہوئے اور ان میں جو چیزیں ہیں ان میں بھی اثرات ہویدا ہوئے۔ علامہ زمخشری کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ نے ام معبد کے وہاں قیام فرمایا۔ آپؐ کے وضو کے پانی سے ایک درخت اُگا۔ جو بہترین پھل لاتا رہا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ اس کے پتے جھڑے ہوئے ہیں اور میوے گرے ہوئے ہیں۔ میں حیران ہوئی کہ ناگاہ خبرِ وفات سرورِ عالم پہنچی۔ پھر تیس سال بعد دیکھا گیا کہ اس میں تمام کانٹے اُگ آئے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے شہادت پائی۔ پھر مدت مدید کے بعد اس کی جڑ سے خون تازہ ابلتا ہوا دیکھا گیا۔ بعد میں معلوم ہو حضرت امام حسینؑ نے شہادت پائی ہے۔ اس کے بعد وہ خشک ہوگیا۔ (عجائب القصص ص ۲۵۹ بحوالہ ربیع الابرار زمخشری) ۔

آنحضرتؐ کی شہادت کا سبب

یہ ظاہر ہے کہ حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو درجۂ شہادت پر فائز نہ ہوا ہو۔ حضرت رسولِ کریمؐ سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام تک سب ہی شہید ہوئے ہیں۔ کوئی زہر سے شہید ہوا، کوئی تلوار سے شہید ہوا۔ ان میں ایک خاتون تھیں حضرت فاطمہ بنت رسولؐ وہ ضربِ شدید سے شہید ہوئیں۔ ان چودہ معصوموں میں تقریباً تمام کی شہادت کا سبب واضح ہے لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی شہادت کے سبب سے اکثر حضرات ناواقف ہیں اس لیے میں اس پر روشنی ڈالتا ہوں۔

حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد الغزالی کی کتاب سر العالمین کے ص ۸ طبع بمبئی ۱۳۱۴ھ اور کتاب مشکوٰۃ شریف کے باب ۳ ص ۵۸ سے واضح ہے کہ آپ کی شہادت زہر کے ذریعہ سے ہوئی ہے اور بخاری شریف کی ج ۴ طبع مصر ۱۳۱۴ھ کے باب اللدود ص ۱۲۷ کتاب الطب سے مستفاد اور مستنبط ہوتا ہوتا ہے کہ "آنحضرتؐ کو دوا میں ملا کر زہر دیا گیا تھا۔"

میرے نزدیک رسُول کریم کے بستر علالت پر ہونے کے وقت کے واقعات و حالات کے پیش نظر دوا میں زہر ملا کر دیا جانا غیر متوقع نہیں ہے۔ علامہ محسن فیض "کتاب الوافی" کی جلد ا کے ص ۱۹۶ میں بحوالہ تہذیب الاحکام تحریر فرماتے ہیں کہ حضور مدینہ میں زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ الخ۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں زہر خورانی کی تشہیر اخفائے جرم کے لیے کی گئی ہے۔

ازواج

چند کنیزوں کے علاوہ جنھیں ماریہ اور ریحانہ بھی شامل تھیں آپ کے گیارہ بیویاں تھیں جن میں سے حضرت خدیجہ[رض] اور زینب بنت خزیمہ نے آپ کی زندگی میں وفات پائی تھی اور نو ۹، بیویوں نے آپ کی وفات کے بعد انتقال کیا۔ آنحضرت کی بیویوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) خدیجۃ الکبریٰ (۲) سودہ (۳) عائشہ (۴) حفصہ (۵) زینب بنت خزیمہ (۶) ام سلمہ (۷) زینب بنت جحش (۸) جویریہ بنت حارث (۹) ام حبیبہ (۱۰) صفیہ (۱۱) میمونہ۔

اولاد

آپ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی تھی۔ جناب ابراہیم کے علاوہ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ سب بچے حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے۔ حضور کی اولاد کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت قاسم طیب۔ آپ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پاگئے
۲۔ جناب عبد اللہ۔ جو طاہر کے نام سے مشہور تھے۔ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔
۳۔ جناب ابراہیم۔ ۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰ھ ہجری میں انتقال کر گئے۔
۴۔ حضرت فاطمۃ الزہرا۔ آپ پیغمبر اسلام کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ آپ کے شوہر حضرت علیؑ اور بیٹے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ تھے۔ اس جنابہ کی نسل سے گیارہ امام پیدا ہوئے اور ان ہی کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم کی نسل بڑھی اور آپ کی اولاد کو سیادت کا شرف نصیب ہوا۔ اور وہ قیامت تک "سید" کہی جائے گی۔

حضرت رسول کریمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت میں میرے سلسلہ نسب کے علاوہ سارے سلسلے ٹوٹ جائیں گے اور کسی کا رشتہ کسی کے کام نہ آئے گا۔ (صواعق محرقہ ص۹۳) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ تمام انبیاء کی اولاد ہمیشہ قابل تعظیم سمجھی جاتی رہی ہے، ہمارے نبی اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ (روضۃ الشہداء ص۴۰۴) امام المسلمین علامہ جلال الدین، فرماتے ہیں کہ "حضرات حسنینؑ کی اولاد کے لیے سیادت مخصوص ہے۔ مرد ہو یا عورت جو بھی ان کی نسل سے ہے وہ قیامت تک "سید" رہے گا۔ "ویجب علی اجمع الخلق تعظیمھم ابداً" اور ساری کائنات واجب ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ ان کی تعظیم کرتی رہے۔ (لوامع التنزیل ج ۲ ص۴۲ اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار شبلنجی ص۱۱۴ طبع مصر)۔

۲

اُمُّ الائمہ
حضرت
فاطمہ زہرا
صلوٰۃ اللہ علیہا
خاتونِ جنّت

خدیجہ کو ملی بیٹی نبیؐ کو بضعۃٌ منّی ہوئی تکمیلِ تبلیغِ عمل تنظیم ایماں میں
رسالت آمدِ زہرا پہ یہ اعلان کرتی ہے کریں گی فاطمہ کار رسالت صنفِ نسواں میں

(صابر تھاریانی (کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۲

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام

جلوہ نمائے شمع حقیقت ہیں فاطمہؑ　　آئینہ کمال نبوت ہیں فاطمہؑ
یہ مانتا ہوں ان کو رسالت نہیں ملی　　لیکن شریکِ کارِ رسالت ہیں فاطمہؑ

حضرت فاطمہ، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب خدیجۃ الکبریٰ کی اکلوتی بیٹی حضرت علیؑ کی رفیقۂ حیات اور امام حسنؑ و امام حسینؑ، جناب زینب وام کلثوم کی مادرِ گرامی اور نو اماموں کی جدّہ ماجدہ تھیں۔ آپ کی مشہور کنیت ام الآئمہ، امام الحسنین اور ام السبطین تھی مشہور القاب زہرا و سیّدۃ النساء تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی کنیت "ام ابیھا" بھی تھی جو میرے نزدیک یہ "ام ابنیھا" ہے یعنی حسن و حسین کی ماں۔

آپ کی ولادت

آپ کا نورِ وجود نورِ رسالتؐ کے ساتھ خلقت کائنات سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ البتہ آپ کے ظاہری نمود و شہود کے لیے علماء نے لکھا ہے کہ آپ معراج رسالت مآبؐ کے بعد ۵ھ بعثت میں بتاریخ ۲۰ جمادی الثانی یوم جمعہ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا سالِ ولادت عام الفیل کے لحاظ سے ۴۶ھ اور عیسوی نقطۂ نگاہ سے ۶۱۴ - ۶۱۵ء تھا۔ آپ کی ولادت کے وقت جنت سے حوروں اور آسیہ بنت مزاحم، مریم بنت عمران، صفورا بنت شعیب، کلثوم ہمشیرۂ موسیٰ کا آنا کتابوں سے ثابت ہے۔ جناب خدیجہ کا بیان ہے کہ چونکہ میں نے اپنے قبیلہ کے منشاء کے برخلاف سرورِ کائنات سے شادی کرلی تھی۔ اس لیے میری قوم نے میرا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ میں نے ولادت کے وقت حسبِ دستور اطلاع دی لیکن کوئی نہ آیا۔ اللہ کی رحمت شاملِ حال ہوئی۔ حوروں اور پاک بیبیوں نے قابلہ اور دایہ کا کام کیا۔ بچی پیدا ہوئی۔ رحمۃ للعالمین کا گھر بقعۂ نور بن گیا (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۳۱۳، دمعہ ساکبہ ص ۵۳)۔

آپ کا اکلوتی بیٹی ہونا

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ جناب خدیجہ کے ساتھ جب آنحضرتؐ کی شادی ہوئی تو آپ باکرہ تھیں۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ

قاسم عبداللہ یعنی طیب وطاہر اور فاطمہ زہرا بطن خدیجہ سے رسول اسلام کی اولادیں تھیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ زینب، رقیہ ام کلثوم آنحضرت کی لڑکیاں تھیں، یا نہیں یہ مسلم ہے کہ یہ لڑکیاں ظہورِ اسلام سے قبل کافروں عقبہ عتیبہ پسران ابولہب اور ابوالعاص ابن ربیع کے ساتھ بیاہی تھیں۔ جیساکہ مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۱۹۷ طبع مصر و مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۲۹۸ طبع مصر سے واضح ہے یہ مانا نہیں جاسکتا کہ رسول اسلام اپنی لڑکیوں کو کافروں کے ساتھ بیاہ دیتے۔ لہٰذا یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ عورتیں ہالہ بنت خویلد ہمشیرہ جناب خدیجہ کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے باپ کا نام ابوالہند تھا جیسا کہ علامہ معتمد بدخشانی نے مرجان الانس میں لکھا ہے۔" یہ واقعہ ہے کہ یہ لڑکیاں زمانہ کفر میں ہالہ اور ابوالہند میں باہمی چپقلش کی وجہ سے جناب خدیجہ کے زیر کفالت اور تحت تربیت رہیں اور ہالہ کے مرنے کے بعد مطلقاً انھیں کے ساتھ ہوگئیں اور خدیجہ کی بیٹیاں کہلائیں۔ اس کے بعد بذریعہ جناب خدیجہ آنحضرتؐ سے منسلک ہوکر اسی طرح رسول صلعم کی بیٹیاں کہلائیں۔ جس طرح جناب زید محاورہ عرب کے مطابق رسول کے بیٹے کہلاتے تھے۔ میرے نزدیک ان عورتوں کے شوہر مطابق دستور عرب و امادِ رسول کہے جانے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ کسی طرح نہیں مانا جاسکتا کہ یہ رسول کی صلبی بیٹیاں تھیں۔ کیونکہ حضور سرورِ عالم کا نکاح جب بی بی خدیجہ سے ہوا تھا، تو آپ کے اعلانِ نبوت سے پہلے ان لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہوچکا تھا اور حضور سرکارِ دو عالم کا نکاح ۲۵ سال کے سن میں خدیجہ سے ہوا۔ اور تیس سال کے سن تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور چالیس سال کے سن میں آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا۔ اور ان لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے آپ کی چالیس سال کی عمر سے پہلے ہوچکا تھا اور اس دس سال کے عرصہ میں آپ کے فرزند کا بھی پیدا ہونا اور ان تین لڑکیوں کا پیدا ہونا تحریر کیا گیا ہے۔ جیساکہ مدارج النبوت میں تفصیل موجود ہے۔ بھلا غور تو کیجئے کہ دس سال کی عمر میں چار پانچ اولادیں بھی پیدا ہوگئیں اور اتنی عمر بھی ہوگئی کہ نکاح مشرکوں سے ہوگیا۔ کیا یہ عقل و فہم میں آنے والی بات ہے کہ چار سال کی لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہوگیا اور حضرت عثمان سے بھی ایک لڑکی کا نکاح حالتِ شرک ہی میں ہوگیا۔ جیساکہ مدارج النبوت میں مذکور ہے۔ اس حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں حضور صلعم کی نہ تھیں۔ بلکہ ہالہ ہی کی تھیں اور اس عمر میں تھیں کہ ان کا نکاح مشرکوں سے ہوگیا تھا۔ (سوانح حیات سیدہ ص ۳۴)۔

بچپن اور تربیت

جناب سیدہ میں بچپن کے وہ آثار ہی نہ تھے جو عام لڑکیوں میں ہوا کرتے ہیں۔ ام سلمہ سے کہا گیا کہ فاطمہ کو اصول تہذیب سکھائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں مجسمہ عصمت وطہارت کو اخلاق و عادات کی کیا تعلیم دے سکتی ہوں۔ میں تو خود اس کم سن بچی سے تعلیم اصول حاصل کیا کرتی ہوں۔ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا سارا بچپن

عبادت اور خدمتِ والدین میں گذرا۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ صحن کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابوجہل جو حضرت عمر کا ماموں تھا۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ صـ۲) کی نظر آپ پر پڑی تو اُس نے حالت سجدہ میں اونٹ کی اوجھڑی گوبر بھری پُشت حضورؐ پر رکھ دی۔ فاطمہ کو خبر ملی آپ دوڑی ہوئی آئیں اور پُشتِ رسالتؐ سے اوجھڑی ہٹادی اور پُشت مُبارک کو پانی سے دھو دیا۔ رسُول کریمؐ نے فرمایا۔ بیٹی! ایک دن یہ دشمن بھی مغلوب ہوں گے اور خدا میرے دین کو انتہائی بلندی عطا کرے گا تاریخ میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کسی کی شادی میں جانے کے لیے تیار ہوئیں اور کپڑے پہننے لگیں، تو پتہ چلا کہ جناب سیدہ کے لیے کپڑے نہیں ہیں۔ ماں اسی تردد میں تھی کہ بیٹی کو احساس ہوگیا۔ عرض کی مادرِ گرامی! میں پرانے ہی کپڑوں میں چلوں گی۔ کیونکہ باباجان فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمان لڑکیوں کا بہترین زیور حیات تقویٰ ہے اور بہترین آرائش شرم و حیا ہے۔

فاطمہ زہراؑ کا سارا بچپن فقر و فاقہ اور تنگیٔ و مصائب میں گزرا۔ آپ کو جن حضرات سے تربیت ملی وہ یہ ہیں۔ (۱) خدیجۃ الکبریٰ (۲) سرورِ کائناتؐ (۳) فاطمہ بنت اسد (۴) ام الفضل زوجہ عباس۔ (۵) اسماء بنت عمیس زوجہ جعفر طیار (۶) ام ہانی ہمشیرہ جناب ابوطالب (۷) ام ایمن (۸) صفیہ بنت جناب حمزہ۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت رسُول اکرمؐ جناب سیدہ کو جبکہ وہ کمسن تھیں۔ اکثر اپنی آغوش میں بٹھایا کرتے تھے اور ان کے لبوں کو بوسہ دیتے تھے۔ اس پر حضرت عائشہ نے کہا کہ جناب فاطمہ کے بوسے دیتے ہیں اور اپنی زبان ان کے مُنہ میں دے دیتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، تمھیں معلوم نہیں، جب میں معراج پر گیا تھا جبریلؑ نے مجھے ایک سیب جنت دیا تھا۔ میں نے اُسے کھایا تھا اور اسی سے فاطمہؑ کا نطفۂ وجود قائم ہوا تھا۔ اے عائشہ جب میں جنت کا مشتاق ہوتا ہوں تو فاطمہؑ کی خوشبو سونگھتا ہوں اور دہن فاطمہ سے میوۂ جنت کا لطف اُٹھاتا ہوں۔ مدارج صـ۱۹۲ و اعلام الوریٰ صـ۱۹۱

آپ کی عصمت

عصمت کوئی ایسی صفت نہیں جو کسی عمل پر موقوف ہو، یہ خدا کا عطیہ ہوتا ہے اور بدوِ فطرت میں عطا ہوا کرتا ہے۔ ملائکہ انبیاء اور اوصیاء خاص کے علاوہ یہ پاکیزہ صفت جن اہم شخصیتوں کو عطا ہوئی، ان میں حضرت فاطمہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جس طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور بارہ امامؑ دُنیا میں ہدایت خلق کے لیے بھیجے گئے اور سب معصوم تھے۔ اسی طرح صنفِ نازک کے لیے حضرت مریمؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ تشریف لائیں اور یہ دونوں بیبیاں معصوم تھیں اور دونوں کی عصمت پر قرآن گواہ ہے۔

آپ کی والدہ کی وفات

آپ کی والدہ جناب خدیجۃ الکبریٰ تھیں۔ حضرت فاطمہ کو پانچ سال ماں کی آغوش میں تربیت نصیب رہی جناب خدیجہ کی

علالت سے جناب سیدہ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ ان کی تیمار داری میں شب و روز لگی رہتی تھیں اور ان کے چہرہ پر نظر جمائے انھیں کو دیکھا کرتی تھیں۔ ماں کا چہرہ بحال دیکھا تو خوش ہوگئیں۔ ماں کی شکل پژمردہ دیکھی رنجیدہ ہوگئیں۔ یہی طرز عمل رہا کہ ایک دن خدیجہ نے فاطمہ کو اپنے سینے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ بیٹی نے پوچھا۔ اماں جان آج آپ کے رونے کا انداز کچھ نرالا ہے فرمایا۔ بیٹی! میں تجھ سے رخصت ہو رہی ہوں۔ افسوس تجھے دلہن نہ دیکھ سکی۔ ماں بیٹی میں المناک گفتگو جاری تھی کہ ماتھے پر موت کا پسینہ آگیا اور خدیجہ ۱۰ر رمضان سنہ ۱۰ بعثت کو انتقال فرماگئیں موت کے وقت آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ آپ کو مقبرہ حجون میں دفن کیا گیا۔ خدیجہ کے انتقال سے فاطمہ زہرا کو انتہائی رنج پہنچا اور آپ سے زیادہ سرور کائنات کو صدمہ ہوا۔ اسی وجہ سے آپ نے اس سال کو "عام الحزن" کہا ہے۔ صحیح بخاری جلد ۳ صہ ۴۱۹ میں ہے کہ آنحضرتؐ جناب خدیجہ کی یاد میں گوسفند ذبح کر کے ان کی سہیلیوں کے پاس بھیجا کرتے تھے . . . ایک مرتبہ حضرت عائشہ رض نے کہا کہ اس بڈھی عورت کو جس کے منہ میں دانت بھی نہ تھے۔ کب تک یاد کرتے رہو گے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ غضب ناک ہوگئے۔ اور فرمایا کہ اس سے بہتر مجھے کوئی عورت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت ایمان لائیں جب کہ سب کافر تھے۔ اس وقت میری تصدیق کی جب سب جھٹلاتے تھے اور اس وقت میرے لیے مال صرف کیا۔ جب لوگ مجھے محروم رکھنا چاہتے تھے۔ حیات القلوب میں ہے حضرت ابوطالب اور اُن کے تین دن بعد حضرت خدیجہؑ کا انتقال ہوا تھا۔

ھجرت فاطمہ

سنہ ۱۳ بعثت شب جمعہ یکم ربیع الاول کو آنحضرت صلعم نے ہجرت فرمائی اور ۱۶ ربیع الاول یوم جمعہ کو داخل مدینہ ہوئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد آپ نے زید بن حارثہ اور ابورافع کو ۵ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ حضرت فاطمہ، فاطمہ بنت اسد، ام المومنین سودہ اور ام ایمن وغیرہ کو لے آئیں۔ چنانچہ یہ بیبیاں چند دنوں کے بعد مدینہ پہنچ گئیں آپ کے عقد میں اُس وقت صرف دو بیبیاں تھیں۔ ایک سودہ اور دوسری عائشہ۔ سنہ ۴ ہجری میں آپ نے ام سلمہ سے عقد کیا۔ ام سلمہ نے نگہداشت فاطمہ کا بیڑا اٹھایا اور اس انداز سے خدمت گذاری کی کہ فاطمہ زہرا سے ماں کو بھلا دیا۔

حضرت فاطمہ زہرا کی شادی

پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ کی ولادت کے وقت علی کو زبان دے دی تھی اور بعد میں فرمایا تھا کہ میری بیٹی کا کفو خانہ زاد خدا کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ (نورالانوار شرح صحیفۂ سجادیہ) حالات کا تقاضا اور نسلی و خاندانی شرافت کا مقتضیٰ یہ تھا کہ فاطمہ کی خواستگاری کے سلسلہ میں علی کے سوا کسی کا تذکرہ تک نہ

آتا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ دُنیا اِس اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاطمہ کے سن بلوغ تک پہنچتے ہی لوگوں کے پیغامات آنے لگے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے پھر حضرت عمر نے خواستگاری کی اور ان کے بعد عبد الرحمٰن نے پیغام بھیجا۔ حضرات شیخین کے جواب میں رسولِ اکرم غضبناک ہوئے اور ان کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ (کنزل العمال جلد ۷ ص۱۱۳) اور عبد الرحمٰن سے فرمایا کہ فاطمہ کی شادی حکم خدا سے ہوگی، تم نے جو مہر کی زیادتی کا حوالہ دیا ہے وہ افسوس ناک ہے۔ تمھاری درخواست قبول نہیں کی جا سکتی (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۴۱)۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے درخواست کی تو آپؐ نے فاطمہ کی مرضی دریافت فرمائی۔ وہ چُپ ہو رہیں، یہ ایک طرح کا اظہار رضا مندی تھا۔ (سیرۃ النبی جلد ا ص۲۶۱) بعض علما نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے خود علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ مجھے خدا نے فرمایا ہے کہ اپنی لختِ جگر کا عقد تم سے کردوں، کیا تمھیں منظور ہے؟ عرض کی "جی ہاں"۔ اس کے بعد شادی ہوگئی۔ (ریاض النضرہ جلد ۲، صفحہ ۱۸۴ طبع مصر) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ پیغام محمود نامی ایک فرشتہ لے کر آیا تھا۔ (بحار الانوار جلد ۱ ص۳۵) بعض علما نے جبریل کا حوالہ دیا ہے۔

غرضکہ حضرت علیؑ نے ۵۰۰ درہم میں اپنی زرہ عثمان غنی کے ہاتھوں فروخت کی اور اسی کو مہر قرار دے کر بتاریخ یکم ذی الحجہ ۲ھ ہجری حضرت فاطمہ زہرا کے ساتھ عقد کیا۔ مذکورہ رقم آج کل کے لحاظ سے ایک سَو سات روپے ہوتی ہے جو ہمارے نزدیک شرعی مہر ہے۔

جنابِ سیدہ کا جہیز

نکاح کے تھوڑے عرصہ بعد ۲۴ ذی الحجہ کو حضرت سیدہ کی رخصتی ہوئی سرورِ کائناتؐ نے اپنی اکلوتی اور چہیتی بیٹی کو جو جہیز دیا اس کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) ایک قمیض قیمتی سات درہم (۲) ایک مقنع (۳) ایک سیاہ کمبل (۴) ایک بستر کھجور کے پتوں کا بنایا ہوا (۵) دو موٹے ٹاٹ (۶) چمڑے کے چار تکیے (۷) آٹا پیسنے کی چکّی (۸) کپڑا دھونے کی لگن۔ (۹) ایک مشک (۱۰) لکڑی کا بادیہ (۱۱) کھجور کے پتّوں کا بنا ہوا ایک برتن (۱۲) دو مٹّی کے آبخورے (۱۳) ایک مٹّی کی صراحی (۱۴) چمڑے کا فرش (۱۵) ایک سفید چادر (۱۶) ایک لوٹا۔

یہ ظاہر ہے کہ رسولِ کریمؐ اعلیٰ درجے کا جہیز دے سکتے تھے، مگر اپنی اُمت کے غربا کے خیال سے اِسی پر اکتفا فرمایا۔

جلوسِ رخصت

کھانے پینے کے بعد جلوس روانہ ہوا۔ اشہب نامی ناقہ پر حضرت فاطمہ سوار تھیں۔ سلمان ساربان تھے۔ ازواجِ رسول ناقہ کے آگے آگے تھیں۔ بنی ہاشم ننگی تلواریں لیے جلوس میں تھے۔ مسجد کا طواف کرایا اور علیؑ کے گھر میں فاطمہ کو اُتار دیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فاطمہ سے ایک برتن میں پانی منگایا۔ کچھ دُعائیں دم کیں اور اسے فاطمہ کے اور علی کے سر

سینے اور بازو پر چھڑکا اور بارگاہِ احدیت میں عرض کی بار الہا انھیں اور ان کی اولاد کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ (صواعق محرقہ ص۸۴) ۔اس کے بعد فاطمہؑ سے کہا۔ دیکھو علیؑ سے بے جا سوال نہ کرنا۔ یہ دنیا میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ لیکن دولتمند نہیں ہے اور علی سے کہا کہ یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ اسے ملال ہو۔ تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی کے ص۳۶۵ میں ہے کہ فاطمہ کے ساتھ جس وقت علی کی شادی ہوئی اُن کے گھر میں ایک چمڑا تھا۔ رات کو بچھاتے تھے اور دن میں اس پر اونٹ کو چارہ دیا جاتا تھا۔

حضرت فاطمہ کا نظامِ عمل

شوہر کے گھر جانے کے بعد آپ نے جس نظامِ زندگی کا نمونہ پیش کیا ہے وہ طبقۂ نسواں کے لیے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ گھر کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ جھاڑو دینا، کھانا پکانا، چرخہ کاتنا، چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا یہ سب کام اور اکیلی سیدۂ عالم۔ لیکن نہ کبھی تیوری پر بل آئے اور نہ کبھی شوہر سے اپنے لیے مددگار یا خادمہ کی فرمائش کی۔ پھر جب ۷ھ ہجری میں پیغمبر خدا نے ایک خادمہ عطا کی جو فضہ کے نام سے مشہور ہیں، تو رسول اللہؐ کی ہدایت کے مطابق سیدۂ عالم فضہ کے ساتھ ایک کنیز کا سا نہیں، بلکہ ایک عزیز رفیق کا رجیسا برتاؤ کرتی تھیں اور ایک دن گھر کا کام خود کرتی تھیں اور ایک دن فضہ سے کام لیتی تھیں اور اس طرح خادمہ کو خادمہ ہونے کا تصور پیدا نہ ہونے دیتی تھیں۔ دراصل یہ مساواتِ محمدیؐ کی اعلیٰ مثال ہے۔ (سیدہ کی عظمت مصنفہ مولانا کوثر نیازی ص۳)

فاطمہ زہرا اور پردہ

آپ نے عورتوں کی معراج پردہ داری کو بتایا ہے اور خود بھی ہمیشہ اس پر عامل رہی ہیں اور اتنی سختی کے ساتھ کہ مسجدِ رسولؐ سے بالکل متصل قیام رکھنے اور مسجد کے اندر گھر کا دروازہ ہونے کے باوجود کبھی اپنے والد بزرگوار کے پیچھے نماز جماعت میں شرکت یا آپ کے موعظ کے سننے کے لیے بھی مسجد میں تشریف نہیں لائیں۔ ایک مرتبہ پیغمبرؐ نے ممبر پر یہ سوال پیش فرما دیا۔ کہ عورت کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ یہ بات سیدہ تک پہنچی۔ آپ نے جواب دیا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر یہ بات ہے کہ نہ اس کی نظر کسی غیر مرد پر پڑے، اور نہ کسی غیر مرد کی نظر اُس پر پڑے۔ رسولؐ کے سامنے یہ جواب پیش ہوا تو آپؐ نے فرمایا، کیوں نہ ہو، فاطمہ میرا ہی ایک جزو ہے۔

جناب سیدہ کا جہاد

اسلام میں عورت کا جہاد مرد سے مختلف ہے اس لیے سیدہ نے کبھی میدانِ جنگ میں قدم نہیں رکھا۔ مگر رسولؐ جب کبھی زخمی ہو کر گھر واپس تشریف لاتے تھے تو پیغمبرؐ کے زخموں کو دھلانے والی، اور علیؑ جب خون میں ڈوبی ڈوبی ہوئی تلوار لے کر آتے تھے تو ان کی تلوار کو صاف کرنے والی فاطمہ زہرا ہی ہوتی تھیں۔ ایک

مرتبہ نصرتِ اسلام کے لیے میدان میں گئیں ۔ مگر اُس پر امن معاملہ میں جو نصاریٰ کے مقابلہ میں ہوا تھا ۔ اور جس میں صرف رُوحانی فتح کا سوال تھا ۔ اِس جہاد کا نام مباہلہ ہے ۔ اور اس میں پردہ داری کے تمام امکانی تقاضوں کی پابندی کے ساتھ سیدۂ عالم باپ بیٹوں اور شوہر کے درمیان مرکزی حیثیت رکھتی تھیں ۔ (وسائل الشیعہ جلد ۳ صلا) ۔

حضرت فاطمہؑ اور امورِ خانہ داری

عورتوں کا جوہر ذاتی شوہروں کی خدمت اور امورِ خانہ داری میں کمال حاصل کرنا ہے فاطمہ زہرا نے علیؑ کی ایسی خدمت کی کہ مشکل سے اِس کی مثال مل سکے گی ۔ ہر مصیبت اور تکلیف میں فرمانبرداری پر نظر رکھی ۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا ۔ کہ جس طرح جنابِ خدیجہؓ نے اِسلام اور پیغمبرِ اسلام کی خدمت کی ، اسی طرح بنتِ رسولؐ نے اِسلام اور علیؑ کی خدمت کی ۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح رسولِ کریمؐ نے خدیجہؑ کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کیا ۔ حضرت علیؑ نے بھی فاطمہ کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کیا (صواعق محرقہ ص۸۵) ومناقب ص۵ ۔ حضرت علیؑ سے کسی نے پوچھا کہ فاطمہ آپ کی نظر میں کیسی تھیں فرمایا ۔ خدا کی قسم وہ جنت کا پھول تھیں ۔ دُنیا سے اُٹھ جانے کے بعد بھی میرا دماغ اُن کی خوشبو سے معطر ہے

امورِ خانہ داری میں جنابِ سیدہ آپ ہی اپنی نظیر تھیں ۔ سنہ ۷ ھ تک آپ کے پاس کوئی کنیز نہ تھی کنیز نہ ہونے کی صورت میں گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں ۔ جھاڑو دیتیں ۔ پانی بھرتیں ۔ چکی پیستیں ۔ آٹا چھانتیں ۔ آٹا گوندھتیں ۔ تنور روشن کر کے روٹی پکاتی تھیں ۔ حضرت علی سویرے اُٹھ کر مسجد چلے جاتے تھے ۔ اور وہاں سے مزدوری کی فکر میں نکل جاتے تھے ۔ فضہ کے آجانے کے بعد کام تقسیم کر لیا گیا تھا ۔ بلکہ باری باندھ لی تھی ۔ ایک دفعہ سرورِ عالمؐ خانہ سیدہ میں تشریف لائے ۔ دیکھا کہ سیدہ گود میں بچے کو لیے چکی پیس رہی ہیں ۔ فرمایا ۔ بیٹی ایک کام فضہ کے حوالے کر دو ۔ عرض کی بابا جان ! آج فضہ کی باری کا دن نہیں ہے ۔ (مناقب ص۱۴۱) ۔

حضرت فاطمہؑ اور باہم گذاری زوجہ و خاوند

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ "جہاد المرأۃ حسن التبعل" عورت کا جہاد شوہر کے ساتھ حسنِ سلوک ہے ۔ (وسائل الشیعہ جلد ۱۲ ص۱۱۶)

ایک حدیث میں ہے کہ " لاتودی المرأۃ حق اللہ حتی تودی حق زوجہا " عورت اگر خاوند کا حق ادا نہیں کرتی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اللہ کے حقوق بھی ادا نہیں کر سکتی " ۔ (مکارم الاخلاق ص۲۴۷) ۔

رسولِ کریمؐ فرماتے ہیں کہ اگر خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں ۔ (وسائل جلد ۱۴ ص۱۱۵) ۔

حضرت فاطمہ حقوقِ خاوند سے جس درجہ واقف تھیں کوئی بھی واقف نہ تھا ۔ اُنھوں نے ہر موقع پر

اپنے شوہر حضرت علیؑ کا لحاظ و خیال رکھا ہے۔ انھوں نے کبھی اُن سے کوئی ایسا سوال نہیں کیا جس کے پُورا کرنے سے حضرت علیؑ عاجز رہے ہوں۔

کتاب "ریاحین الشریعۃ" میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؑ بیمار پڑیں تو حضرت علیؑ نے اُن سے فرمایا کچھ کھانے کو دل چاہتا ہو تو بتاؤ، حضرت سیدہ نے عرض کی کسی چیز کو دل نہیں چاہتا۔ حضرت علیؑ نے اِصرار کیا تو عرض کی، میرے پدر بزرگوار نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔ ممکن ہے آپ اُسے پورا نہ کرسکیں تو آپ کو رنج ہو۔ اس لیے میں کچھ نہیں کہتی۔ حضرت علیؑ نے جب قسم دی تو انار کا ذکر کیا۔

یہ تاریخ کا مسلّمہ امر ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ میں کبھی کسی بات پر شکر رنجی نہیں ہوئی۔ اور دونوں نے باہم دگر خوشگوار زندگی گزاری ہے۔

ساس بہو کے تعلقات

فاطمہ زہرا کی شادی کے وقت جناب فاطمہ بنت اسد زندہ تھیں ساس بہو کے تعلقات اکثر و بیشتر ناخوشگوار ہو جایا کرتے ہیں لیکن فاطمہ نے ایسا دستور اور رویہ اختیار کیا کہ کبھی بھی تعلقات میں کشیدگی پیدا نہ ہونے پائی۔ فاطمہ بنت اسد کے سپرد اعزار داقربا کی ملاقات، شادی اور غمی میں شرکت وغیرہ قرار دیا۔ اور اپنے ذمہ امور خانہ داری۔ مثلاً چکی پیسنا۔ روٹی پکانا وغیرہ رکھ لیا تھا۔ تاریخ میں ان دونوں کی باہمی کشیدگی کا سراغ نہیں ملتا۔

آپ کی اولاد

آپ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ۱۵ رمضان سنہ ۳ ہجری کو امام حسنؑ اور ۳ شعبان سنہ ۴ ہجری کو امام حسینؑ اور ۵ جمادی الاول سنہ ۵ ہجری میں حضرت زینب اور سنہ ۹ ہجری میں جناب اُم کلثوم اور سنہ ۱۱ ہجری میں اسقاطِ محسن ہُوا۔ علماء نے لکھا ہے کہ زینب کا عقد عبد اللہ بن جعفر سے اور ام کلثوم کا عقد محمد بن جعفر سے ہوا تھا۔ ابن ماجہ ابوداؤد۔ ابن حجر اور اسعاف الراغبین برحاشیہ نورالابصار ص۸۰ طبع مصر۔ بروایت سبط ابن جوزی حضرت زینب کے بطن سے عون و عبد اللہ پیدا ہوئے اور ام کلثوم لاولد فوت ہوئیں۔ (تذکرہ خواص ص۲۸۰)

آپ کی عبادت

آپ بے شمار نمازیں شب و روز پڑھا کرتی تھیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ سنہ ۱۰ ہجری میں آخری حج فرمایا تھا۔

فاطمہ زہرا پیغمبرِ اسلام کی نظر میں

فاطمہ زہرا کی فضیلت اور ان کے مدارج کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیتیں اور بے شمار حدیثیں موجود ہیں۔ میں اس وقت چند احادیث اور پیغمبرِ اسلام کے بعض طرزِ عمل پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ کا

ارشاد ہے کہ فاطمہ بہشت میں جانے والی عورتوں کی سردار ہیں۔ تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہیں آپ کی رضا سے اللہ راضی ہوتا ہے جس نے آپ کو ایذا دی اس نے رسولؐ کو ایذا دی۔ خدا نے آپ کی بدولت آپ کے ماننے والوں کو جہنم سے چھڑا دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مردوں میں بہت لوگ کامل گزرے ہیں۔ لیکن عورتوں میں صرف چار عورتیں کامل گزری ہیں۔ (۱) مریم (۲) آسیہ (۳) خدیجہ (۴) فاطمہ، اور ان میں سب سے بڑا درجہ کمال فاطمہ کو حاصل ہے۔

علماء کا بیان ہے کہ حضرت پیغمبر اسلامؐ آپ سے انتہائی محبت رکھتے تھے اور کمال عزت بھی کرتے تھے۔ محبت کے مظاہروں میں سے ایک یہ تھا کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں فاطمہ سے رخصت ہوتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہ زہرا کو دیکھنے تشریف لے جاتے تھے اور عزت و احترام کا مظاہرہ یہ تھا کہ کانت فاطمہ اذا دخلت علی رسول اللہ قام الیہا فقبلہا واجلسہا فی مجلسہ جب حضرت فاطمہ آتی تھیں تو آپ تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۹ طبع مصر۔ مطالب السئول ص ۲۲ طبع لکھنؤ) مختلف کتب صحاح میں موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ فاطمہ میرا جزء ہے جو اسے اذیت پہنچائے گا وہ مجھے اذیت پہنچائے گا۔ مورخین و محدثین کا اتفاق ہے کہ نزول آیہ تطہیر کے بعد سرور دوعالم درِ فاطمہ پر ۹ ماہ مسلسل بوقت نمازِ صبح جاکر آواز دیا کرتے اور فرطِ مسرت میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ خدا نے تمھیں ہر طرح کی گندگی سے پاک و پاکیزہ کیا ہے۔ (زاد العقبیٰ ترجمہ مودۃ القربیٰ مودت ۱۱ ص ۱۰۱)۔

حضرت فاطمہؑ، ربّ العزّت کی نگاہ میں

محدثین کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؑ کو پروردگار عالم اپنی کنیز خاص جانتا تھا اور ان کی بے حد عزت کرتا تھا۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ حضرت سیدہ نماز میں مشغول ہوتی تھیں اور فرشتے ان کے بچوں کی گہوارہ جنبانی کیا کرتے تھے اور جب وہ قرآن پڑھنے میں مشغول ہوتی تھیں تو فرشتے ان کی چکی پیسا کرتے تھے۔ حضرت رسول کریمؐ نے گہوارہ جنبانی کرنے والے فرشتے کا نام جبریل اور چکی پیسنے والے کا نام "اوقابیل" بتایا ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ ص ۲۸ طبع ملتان)

فاطمہ عہدِ رسالتؐ میں

پیغمبر اسلام کے حین حیات فاطمہ زہرا کی قدر و منزلت، عزت و توقیر کی کوئی حد نہ تھی۔ انسان تو درکنار ملائک کا یہ حال تھا کہ آسمانوں سے اتر کر زمین پر آتے اور فاطمہ کی خدمت کرتے تھے۔ کبھی جنت کے طبق لائے کبھی حسنینؑ کا جھولا جھلا کر فاطمہ کی اعانت کی۔ اگر ان کے منہ سے عید کے موقعہ پر نکل گیا کہ بچو! تمھارے کپڑے درزی لائے گا۔ تو خازن بہشت کو درزی بن کر آنا پڑا۔ حد ہے کہ ملک الموت بھی آپ کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہوتے تھے۔ علامہ عبدالمومن حنفی لکھتے ہیں کہ سرور کائناتؐ کے وقت آخر فاطمہ کے زانو

پر سرِ رسالت مآب تھا۔ ملک الموت نے دقّ الباب کیا اور اذنِ حضوری چاہا، فاطمہ نے انکار کر دیا۔ ملک الموت دروازے پر رُک گئے۔ لیکن مکان میں داخل ہونے پر اصرار کرتے رہے۔ فاطمہ کے متواتر انکار پر ملک الموت نے قدرے لہجہ بدل کر آواز دی۔ فاطمہ رو پڑیں، آپ کے آنسو رخسارِ رسالت پہ گرے۔ پیغمبرؐ نے پُوچھا کیا بات ہے۔ آپ نے واقعہ بتایا۔ حکم ہوا اجازت دو۔ یہ ملک الموت ہیں (عجائب القصص ص۲۸۲)۔

فاطمہؑ زہرا رسُولِ اسلامؐ کے بعد

۲۸ صفر ۱۱ھ کو رسُولِ اسلامؐ کا انتقال ہوا۔ آپؐ کے انتقال کے بعد آپؐ کے اہل بیت پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ اِس درجہ متاذی ہوئیں کہ اپنی کشتیٔ حیات پچھتّر دن سے زیادہ نہ کھینچ سکیں۔ آپ کے سَر پر پٹی بندھی رہا کرتی تھی اور آپ شب و روز گریہ و زاری فرمایا کرتی تھیں۔ آپ کے لیے سرورِ کائنات کی وفات ہی کا صدمہ کیا کم تھا کہ اس پر مستزاد یہ کہ دنیا داروں نے آماجگاہ آلام بنا دیا۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ باپ کے انتقال کے بعد کفن و دفن کی مصیبت سے دُکھ درد کی ماری بیٹی کو بے نیاز کر دیا جاتا اور سارا انتظامِ میّت سنبھال کر اس فریضہ تدفین و تکفین کو بحُسنِ طریق انجام دیا جاتا۔ لیکن افسوس! اِس کے برعکس دنیا والوں نے رسُول کی میّت یُوں ہی گھر میں چھوڑ دی اور خدا اور رسُولؐ کے منشاء کے خلاف اپنی حکومت کی بنیاد قائم کرنے کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔ رسُولؐ کی میت پڑی رہی، بالآخر آلِ محمدؐ اور دیگر چند ماننے والوں نے اِس فریضہ کو ادا کیا۔ یہ واقعہ بھلانے کے قابل نہیں جبکہ حضرت ابوبکر خلیفہ بن کر اور حضرت عمر خلیفہ بنا کر واپس لوٹے تو سرورِ کائناتؐ کی لاشِ مطہر سپُردِ خاک کی جا چکی تھی۔ ان حضرات نے اس طرف توجہ نہ کی اور کسی ملال کا اظہار نہ کیا اور سب سے پہلے جس چیز کی کوشش شروع کی وہ حضرت علیؑ سے بیعت لینے کی تھی۔ حضرت علی اور اعیان و اکابر صحابہ جن میں کل بنی ہاشم۔ زبیر۔ عتبہ بن ابی لہب۔ خالد بن سعید مقداد بن عمر سلمان فارسی۔ ابوذر غفاری۔ عمار یاسر۔ براء بن عازب۔ ابی ابنِ کعب اور ابوسفیان قابلِ ذکر ہیں (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص۳۷۵)۔

یہ لوگ چونکہ خلافتِ منصوصہ کے مقابل سقیفائی خلافت کو تسلیم نہ کرتے تھے لہٰذا خانۂ فاطمہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اِس پر حضرتِ عمر آگ اور لکڑیاں لے کر آئے اور کہا گھر سے نکلو ورنہ ہم آگ لگا دیں گے۔ یہ سُن کر فاطمہ دروازہ کے قریب آئیں اور فرمایا کہ اس گھر میں رسُول کے نواسے حسنین بھی موجود ہیں کہا ہونے دیجیئے۔ (تاریخ طبری والامامت والسیاست جلد ۱ ص۱۲) اس کے بعد برابر شور و غل ہوتا رہا اور علیؑ کو گھر سے باہر نکالنے کا مطالبہ ہوتا رہا۔ مگر علیؑ نہ نکلے۔ فاطمہ کے گھر کو آگ

لگادی گئی[1] جب شعلے بلند ہونے لگے تو فاطمہ دوڑ کر دروازہ کے قریب آئیں اور فرمایا۔ ارے میرے باپ کا کفن بھی میلا نہ ہونے پایا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ یہ سُن کر فاطمہ کے اوپر دروازہ گرا دیا گیا۔ جس کے باعث معصومہ کے شکم پر ضرب لگی اور فاطمہ کے بطن میں محسن نامی بچہ شہید ہوگیا۔ (کتاب الملل والنحل شہرستانی طبع مصر صفحہ[2]) علامہ ملا معین کاشفی لکھتے ہیں کہ "بداں مرض فاطمہ از جہاں رحلت فرمود" فاطمہ اسی ضرب حضرت عمر سے رحلت کر گئیں۔ ملاحظہ ہو معارج النبوت رکن چار باب ۳ صفحہ ۴۲۔
اس کے بعد یہ لوگ حضرت فاطمہ کے گھر میں دَرانہ داخل ہوگئے اور علی کو گرفتار کر کے اُن کے گلے میں رسّی باندھی (ابن ابی الحدید[3]) اور لے کر دربارِ خلافت میں پہنچے، اور کہا کہ بیعت کرو۔ ورنہ خدا کی قسم تمہاری گردن مار دیں گے (روضۃ الاحباب)۔ حضرت علیؑ نے کہا۔ تم کیا کر رہے ہو اور کس قاعدہ اور کس بنیاد پر مجھ سے بیعت لے رہے ہو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ (الامامت والسیاست جلد ۱ صفحہ ۱۳) بعض مورخین کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے خانہ سیدہ میں گھس کر دھاچوکڑی مچا دی۔ بالآخر بروایت ابن واضح "فخرجت فاطمة فقالت والله لتخرجن اولاكشفن شعرى ولاعجن الى الله" فاطمہ بنت رسولؐ صحن خانہ میں نکل آئیں اور کہنے لگیں خدا کی قسم گھر سے نکل جاؤ۔ ورنہ میں اپنے سر کے بال کھول دوں گی۔ اور خدا کی بارگاہ میں سخت فریاد کروں گی۔ (تاریخ الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۱۶)۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علیؑ کو گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا تو حضرت فاطمہ بنت رسولؐ نے فریاد کرتے ہوئے کہا تھا کہ "خلوا ابا الحسن" ابوالحسن کو چھوڑ دو ورنہ اپنے سر کے بال کھول دوں گی۔ طبرسی کہتے ہیں کہ اس کہنے پر مسجدِ نبوی کی دیوار قدِ آدم بلند ہوگئی تھی[4]۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ کو اطلاع ملی کہ آپ کی وہ جاندادِ جس کا نام فدک تھا۔ جو بحکمِ خدا بدستِ رسولؐ ہاتھ آئی تھی[5] اور جس کی آمدنی فقراء و مساکین پر ہمیشہ سے خرچ ہوتی آئی جس کا محلِ وقوع مدینہ منورہ سے شمال کی طرف دو سو میل ہے پر خلیفہ وقت نے قبضہ کر لیا ہے۔ (معجم البلدان صحیح بخاری الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۸۸) یہ معلوم کر کے آپ حد درجہ غضب ناک ہوئیں (بخاری) اور یہ معلوم کر کے اور زیادہ رنجیدہ ہوئیں کہ ایک فرضی حدیث غصب فدک کے جواز میں گڑھ لی ہے۔ الغرض آپ نے دربارِ خلافت میں اپنا مطالبہ پیش کیا اور انکار ہبہ پر بطور ثبوت حضرت علی۔ حضرت امام حسنؑ۔ امام حسینؑ۔ ام ایمن، اور رباح کو گواہی میں پیش کیا۔ لیکن سب کی گواہیاں مسترد کر دی گئیں اور کہا گیا علیؑ شوہر ہیں حسنینؑ فرزند ہیں۔ ام ایمن وغیرہا کنیز و غلام ہیں۔ ان کی گواہی نہیں مانی جا سکتی۔ (کتاب الاکتفاء، انسان العیون صواعق صفحہ ۳۲)۔ ایک روایت کی بناء پر حضرت ابوبکر نے ہبہ کا تصدیق نامہ لکھ کر فاطمہ کو دے دیا۔ وہ لے کر جانے ہی والی تھیں کہ ناگاہ حضرت عمر آگئے۔ پوچھا کیا ہے؟ کہا تصدیق ہبہ نامہ آپ نے وہ خط ہاتھ سے لے کر چاک کر ڈالا اور بروایتے زمین پر پھینک کر اس پر تھوک دیا اور پاؤں سے رگڑ ڈالا

[1] روضۃ المناظر بر حاشیہ کامل ۱۱ صفحہ ۱۱۳ [3] و احتجاج طبرسی [4] و معانی الاخبار صفحہ ۲۰۶ [5] (احتجاج ۱ صفحہ ۱۱۴)

(سیرت حلبیہ ص۱۸۵) اور مقدمہ خارج کرا دیا، (انسان العیون جلد ۳ ص۴۰۰ طبع مصر) اسی سلسلہ میں آپ کا خطبہ لمّہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے تھوڑے دن بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر امیر المومنین حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے فاطمہ کو ناراض کیا ہے۔ ہمارے ساتھ چلیے ہم اُن سے معافی مانگ لیں۔ حضرت علیؑ ان کو ہمراہ لے کر آئے اور فرمایا اے فاطمہ یہ دونوں پہلے آئے تھے۔ اور تم نے انھیں اپنے مکان میں گھسنے نہیں دیا۔ اب مجھے لے کر آئے ہیں اجازت دو کہ داخل خانہ ہو جائیں۔ حکم علیؑ سے اجازت تو دے دی۔ لیکن جب یہ داخل خانہ ہوئے تو فاطمہ نے دیوار کی طرف مُنہ پھیر لیا اور سلام کا جواب تک نہ دیا اور فرمایا خدا کی قسم تا زندگی نماز کے بعد تم دونوں پر بددُعا کرتی رہوں گی۔ غرض کہ فاطمہ نے معاف نہ کیا اور یہ لوگ مایوس واپس گئے۔ (الامامت والسیاست، مؤلفہ ابن ابی قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ جلد ۱ ص۱۴) امام بخاری کہتے ہیں کہ فاطمہ نے تاحیات ان لوگوں سے کلام نہیں کیا اور غضب ناک ہی دُنیا سے رحلت کر گئیں۔

آپ کی علالت

ہم اوپر بحوالہ علامہ شہرستانی و علامہ معین کاشفی تحریر کر آئے ہیں کہ حضرت عمر نے سیدۃ النساء حضرت فاطمہ پر دروازہ گرا دیا تھا اور شکم مبارک پر ضرب لگائی تھی جس کی وجہ سے اسقاط حمل ہوا تھا اور اسی سبب سے آپ علیل ہوئیں اور بالآخر وفات پا گئیں۔ اب آپ کی خدمت میں ڈپٹی نذیر احمد کی تحریر کا اقتباس پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

جو شخص (وفات رسولؐ) سے سب سے زیادہ متاذی ہوا وہ فاطمہ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال کر چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب ہی تھے اور باپ بھی کیسے دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سایہ سر سے اٹھنا اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا ترکہ پدری فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ ہار جانا . . . انھیں رنجوں میں گھُل گھُل کر انتقال فرما گئیں۔ (رویائے صادقہ فصل ۱۴) آپ اس قدر روئیں کہ اہل محلہ متاذی ہونے لگے۔ بالآخر حضرت علیؑ نے آپ کے رونے کے لیے مدینہ سے باہر ''بیت الاحزان'' بنوا دیا تھا۔ (انوار الحسینیہ صفحہ ۲۴ طبع بمبئی)۔

حالات سے متاثر ہو کر حضرت سیدہ نے اپنے والد بزرگوار کا جو مرثیہ کہا ہے اس کا ایک شعر یہ ہے

صبت علیّ مصائب لو انہا   صُبت علی الایام صرن لیالیا

(ترجمہ) ابّا جان آپ کے بعد مجھ پر ایسی مصیبتیں پڑیں کہ اگر دونوں پر پڑتیں تو مثل شب کے تاریک ہو جاتے۔ (نور الابصار ص۴۶ و مدارج جلد ۲ ص۵۲۴)

آپ کی وصیت

فاطمہ زہراؑ نے اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ اے اسماء مجھے مسلمانوں کی عورتوں کی میت کے لے جانے کا طریقہ پسند نہیں ہے۔ یہ تختے پر لٹا کر کپڑا ڈال کر لے جاتے ہیں۔ اسماء نے کہا۔ میں حبشہ میں بہت اچھا تابوت دیکھ آئی ہوں فرمایا۔ اس کی نقل بنا دو۔ اسماء نے تابوت بانس کی قمچیوں سے تیار کیا۔ فاطمہ خوش ہوگئیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور وصیت کی۔ آپ نے کہا مجھے خود غسل دینا۔ کفن پہنانا۔ میرا جنازہ رات کو اٹھانا۔ جن لوگوں نے مجھے ستایا ہے اُن کو میرے جنازے میں شریک نہ ہونے دینا۔ میرے بعد شادی کرنا تو ایک رات میرے بچوں کے پاس اور ایک رات اپنی بیوی کے پاس گذارنا۔

شمس العلماء مسٹر نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں کہ " فاطمہ نے ابوبکر وغیرہ سے بات چیت کرنا چھوڑ دی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے پائیں (امہات الامۃ ص۹۹) علامہ عبدالبر لکھتے ہیں کہ فاطمہ کی یہ وصیت تھی کہ عائشہ بھی شریک جنازہ نہ ہونے پائیں۔ استیعاب جلد ۲ ص۷۷۲) جناب سیدہ کی حضرات شیخین سے ناراضگی کے لیے مزید ملاحظہ ہو۔ تیسیر القاری ترجمہ بخاری پ۱۲ ص۲۱۰-۲۱۸ و پ۱۴ ص۲۱۔ مشکل الآثار طحاوی ج ا ص۴۸ ترجمہ صحیح مسلم جلد ۵ ص۲۵۔ روضۃ الاحباب جلد ا ص۲۳۳۔ ازالۃ الخفا جلد ۲ ص۵۷ براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ ص۲۱ اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص۲۸۰۔ الزہرا۔ عمر ابو نصر (اردو ترجمہ) ص۸۹۔ جمع الفوائد جلد ۲ ص۱۸۔ طبع میرٹھ۔

آپ کی وفات

دنیائے اسلام کے قدیم مؤرخ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت سرورِ کائناتؐ کی وفات کے بعد صرف ۷۵ دن زندہ رہ کر انتقال فرما گئیں۔ (الامامت والسیاست جلد ا صفحہ ۱۴)۔ علامہ بہائی کا جامع عباسی ص۷۹ میں بیان ہے کہ ننوّے دن بعد انتقال ہوا ہے۔ آپ کی تاریخِ وفات یوم یکشنبہ ۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۱ ہجری ہے (انوار الحسینیہ جلد ۳ ص۳۹ طبع نجف) آپ کے واقعہ وفات کے متعلق حضرت ابن عباس صحابی رسولؐ کا بیان ہے کہ جب فاطمہ زہرا کی وفات کا وقت قریب آیا تو نہ معصومہ کو بخار آیا، اور نہ درد سر عارض ہوا۔ بلکہ آپ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ہاتھ پکڑے اور دونوں کو لے کر قبر رسولؐ پر گئیں اور قبر و منبر کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر دونوں کو اپنے سینہ سے لگایا اور فرمایا اے میرے بچو! تم دونوں ایک ساعت اپنے باپ کے پاس بیٹھو، امیر المومنین اس وقت مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر وہاں سے گھر آئیں اور آنحضرتؐ کی چادر اٹھائی غسل کر کے حضرت کا بچا ہوا کفن یا لباس پہنا۔ بعد ازاں زوجہ حضرت جعفر طیار (اسماء) کو آواز دی، اسماء نے عرض کی بی بی حاضر ہوتی ہوں۔ جناب فاطمہ نے فرمایا، اسماء تم مجھ سے الگ نہ ہونا۔ میں ایک ساعت اِس حجرہ میں

لیٹنا چاہتی ہوں۔ جب ایک ساعت گزر جائے اور میں باہر نہ نکلوں تو مجھ کو تین آوازیں دینا۔ اگر میں جواب دوں تو اندر چلی آنا۔ ورنہ سمجھ لینا کہ میں رسولِ خدا سے ملحق ہو چکی ہوں۔ بعد ازاں رسولِ خدا کی جگہ پر کھڑی ہوئیں اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر لیٹ گئیں اور اپنا منہ چادر سے ڈھانپ لیا۔ بعض علماء کہتا ہے کہ سیدہ نے سجدہ ہی میں وفات پائی۔ الغرض جب ایک ساعت گذری تو اسماء نے جناب سیدہ کو آواز دی۔ اے حسنؑ و حسینؑ کی ماں! اے دخترِ رسولؐ خدا! مگر کچھ جواب نہ ملا۔ تب اسماء اس حجرہ میں داخل ہوئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ وہ معصومہ رحلت کر چکی ہیں۔ اسماء نے اپنا گریبان پھاڑ لیا اور گھر سے باہر نکل پڑیں۔ حسنؑ و حسینؑ آ پہنچے۔ پوچھا اسماء۔ ہماری امّاں کہاں ہیں۔ عرض کی حجرہ میں ہیں۔ شاہزادے حجرے میں پہنچے تو دیکھا کہ مادرِ گرامی انتقال فرما چکی ہیں۔ شاہزادے روتے پیٹتے مسجد میں پہنچے۔ حضرت علیؑ کو خبر دی۔ آپ صدمہ سے بے حال ہو گئے۔ پھر وہاں سے باحال پریشان گھر پہنچے۔ دیکھا کہ اسماء سرہانے بیٹھی رو رہی ہیں۔ آپ نے چہرۂ انور کھولا۔ سرہانے ایک رقعہ ملا۔ جس میں شہادتین کے بعد وصیت پر عمل کا حوالہ تھا اور تاکید تھی کہ مجھے اپنے ہاتھوں سے غسل دینا۔ حنوط کرنا۔ کفن پہنانا۔ رات کے وقت دفن کرنا اور دشمنوں کو میرے دفن کی خبر نہ دینا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں تمھیں خدا کے سپرد کرتی ہوں اور اپنی ان تمام اولادوں (سادات) کو سلام کرتی ہوں جو قیامت تک پیدا ہوں گی۔

جب رات ہوئی تو حضرت علیؑ نے غسل دیا کفن پہنایا۔ نماز پڑھی اور بنا بر روایتِ مشہورہ جنت البقیع میں لے جا کر دفن کر دیا۔ (زاد العقبیٰ ترجمہ مودۃ القربیٰ علی ہمدانی شافعی ص۱۲۵ تا ص۱۲۹ طبع لاہور) ایک روایت میں ہے کہ آپ کو منبر اور قبر رسولؐ کے درمیان دفن کیا گیا۔ (انوار الحسینیہ جلد ۳ ص۳۹) کتب مقاتل میں ہے کہ غسل کے وقت حضرت علیؑ نے پشت و بازوئے فاطمہ پر دُرّہ عمری کا نشان دیکھا تھا اور چیخ مار کر روئے تھے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فاطمہ کو رات کے وقت دفن کر دیا۔ ولم یوذن بھا ابابکر وصلی علیھا۔ ابوبکر وغیرہ کو شرکت جنازہ کی اجازت نہیں دی۔ نیز دفن کی بھی اطلاع نہیں دی اور نماز خود پڑھی۔ علامہ عینی شارح بخاری لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ حضرت علیؑ نے جناب فاطمہ کی وصیت کے مطابق کیا تھا۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر وغیرہ سے ناراض ہو گئیں اور ان سے ترک تعلق کر لیا اور مرتے دم تک بیزار رہیں امام ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ خلفاء کو فاطمہ کی ناراضی کا علم تھا۔ وہ کوشش کرتے رہے کہ راضی ہو جائیں ایک دفعہ معافی مانگنے کے لیے بھی گئے۔ "فاستاذنا علی فاطمہ فلم تاذن" اور اذن حضوری چاہا۔ آپ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ اور ان کے سلام تک کا جواب نہ دیا اور فرمایا تا زندگی تم پر بددعا کروں گی اور بابا جان سے تمھاری شکایت کروں گی۔ (الامامت والسیاست جلد ۱ ص۱۴ طبع مصر)۔

آپ کا جنازہ

غسل وکفن کے بعد حضرت علیؑ اپنی اولاد اور اپنے اعزا سمیت جنازہ لے کر روانہ ہوئے۔ بحار الانوار کتاب الفتن میں ہے کہ راستہ دیکھنے کے لیے ایک شمع ساتھ تھی اور حضرت زینب جو کافی کمسن تھیں، سیاہ لباس میں لپٹی ہوئی اس سایہ میں چل رہی تھیں جو شمع کی وجہ سے تابوت کے نیچے زمین پر پڑ رہا تھا۔ مودۃ القربیٰ ص۱۲۹ میں ہے کہ حضرت علیؑ جب جنت البقیع میں پہنچے تو ایک سمت سے آواز آئی اور کھُدی کھُدائی قبر نمایاں ہوگئی۔ حضرت علیؑ نے اسی قبر میں حضرت فاطمہؑ کی لاش مطہر دفن کی اور اس طرح زمین برابر کر دی کہ نشانِ قبر معلوم نہ ہو سکے۔

کتاب منتہی الآمال شیخ عباس قمی ص۱۳۹ میں ہے کہ جب جناب سیدہ کی لاش قبر میں اُتاری گئی تو رسولؐ خدا کے ہاتھوں کی مانند دو ہاتھ برآمد و نمودار ہوئے اور انھوں نے جسم مطہر سیدہ کو سنبھال لیا۔ دلائل الامامۃ میں ہے کہ چونکہ قبر فاطمہ کے ساتھ بے ادبی کا اندیشہ تھا اس لیے چالیس قبریں بنائی گئیں۔ مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ چالیس قبریں اس لیے بنائی تھیں کہ صحیح قبر معلوم نہ ہو سکے اور فاطمہ کو ستانے والا قبر پر بھی نماز نہ پڑھ سکے ورنہ سیدہ کو اذیت ہوگی۔ اس کے باوجود لوگوں نے قبر کھود کر نماز جنازہ پڑھنے کی سعی کی۔ جس کے ردِ عمل میں حضرت علیؑ ننگی تلوار لے کر زرد لباس پہنے ہوئے قبر پر جا بیٹھے۔ اس وقت آپ کے مُنہ سے کف جاری تھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کی ہمتیں پست ہوگئیں اور آگے نہ بڑھ سکے۔ (ناسخ التواریخ وغیرہ) وفات کے وقت جناب سیدہ طاہرہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

نتیجہ

وفاتِ رسولؐ کے بعد جناب سیدہ کے ساتھ جو کچھ کیا گیا۔ اس پر شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد ایل ایل ڈی مترجم قرآن مجید نے اپنی کتاب "رویائے صادقہ" میں نہایت مفصل اور مکمل تبصرہ فرمایا ہے۔ جس کے آخری جملے یہ ہیں:-

"سخت افسوس ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب و لحاظ جو ہونا چاہیے تھا اس میں ضعف آگیا اور رشدہ رشدہ منجر ہوا۔ اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے۔ کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے"

چہ خوش فرمود شخصے ایں لطیفہ — کہ کُشتہ شد حسینؑ اندر سقیفہ

حضرت فاطمہ کے شرکاء جنازہ

علامہ حافظ محمد بن علی شہر آشوب المتوفی ۵۸۸ھ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے جنازے میں امیر المومنینؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ۔ عقیل۔ سلمان فارسی۔ ابوذر۔ مقداد۔ عمار اور بریدہ شریک تھے۔

اور انھیں لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی، ایک روایت میں عباس، فضل، حذیفہ اور ابن مسعود کا اضافہ ہے طبری میں ابن زبیر کا بھی تذکرہ ہے۔ (عمدۃ المطالب ترجمہ مناقب ج ۲ ص ۶۵ طبع ملتان)۔

حضرت فاطمہ کا مدفن

جیسا کہ اوپر گزرا، حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ وسلام علیہا کے جائے دفن میں اختلاف ہے۔ کوئی جنۃ البقیع، کوئی منبر و قبر رسول کے درمیان کوئی قبر اور گھر کے درمیان قبر بتاتا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ جنۃ البقیع میں آپ دفن ہوئی ہیں۔ لیکن احمد بن محمد بن ابی نصر نے ابوالحسن حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اپنے گھر میں مدفون ہوئی ہیں۔ جب بنی امیہ نے مسجد کی توسیع کی تو ان کی قبر روضۂ رسول کے اندر آ گئی ہے۔ (ترجمہ مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۶۹)۔

حضرت فاطمہؑ کی قبر پر حضرت علیؑ کا مرثیہ

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے وفات سیدہ پر بے انتہا رنج و غم کا اظہار فرمایا اور بے پناہ غم و الم کا احساس کیا۔ انھوں نے قبر پر جو مرثیہ پڑھا وہ یہ ہے؎

لکل اجتماع من خلیلین فرقۃ   وکل الذی دون الفراق قلیل

دو دوستوں کے ہر اجتماع کا نتیجہ جدائی ہے اور ہر مصیبت دلبروں کی جدائی کی مصیبت سے کم ہے

وان افتقادی فاطم بعد احمد   دلیل علی ان لا یدوم خلیل

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد میری رفیقۂ حیات فاطمہؑ کا داغ فراق دے جانا اس امر کا ثبوت واضح ہے کہ کوئی دوست ہمیشہ نہیں رہے گا۔

علامہ شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہؑ کو سپرد خاک کرنے کے بعد حضرت امیر المومنین قبر جناب سیدہ کے پاس بیٹھ گئے اور بے انتہا روئے "پس عباس عموی آنحضرت دستش را گرفت واز سر قبر او ببرد" یہ دیکھ کر چچا عباس بن عبدالمطلب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انھیں قبر کے پاس سے اٹھایا۔ اور گھر لے گئے (منتہی الآمال جلد ۱ ص ۱۴۰ طبع نجف اشرف)۔

آپ کے روضہ کا انہدام

علماء کا بیان ہے کہ ایک عرصہ گذرنے کے بعد آپ کی قبر مبارک پر روضہ کی تعمیر عمل میں آئی۔ میں کہتا ہوں کہ اب سے تقریباً ۴۳ سال قبل ابن سعود امیر سعود عربیہ نے آپ کے روضہ مبارک کو جذبۂ وہابیت سے متاثر ہو کر منہدم کر ڈالا۔ شیخ العراقین محمد رضا کا بیان ہے کہ ابن سعود نے مکہ میں ۹ اور مدینہ میں ۱۹ مقدس مقامات کو منہدم کرایا تھا۔ جن میں خانۂ سیدہ روضۂ سیدہ اور بیت الاحزان بھی تھے۔ ملاحظہ ہو، انوار الحسینیہ جلد ۱ ص ۵۴ طبع بمبئی ۱۳۴۶ھ۔

حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی کنیز جناب فضہ کے مختصر حالات

جنابِ فضہ کا اصل نام میمونہ تھا۔ حضرت رسولِ کریمؐ نے ان کا نام فضہ رکھا۔ فضہ کے معنی چاندی کے ہیں۔ گویا رسولِ اکرمؐ نے اُن کے سیاہ فام ہونے کے باوجود انھیں چاندی بنا دیا اور روشن ضمیر کر دیا۔

جنابِ فضہ حبش کے رہنے والی تھیں۔ علامہ شیخ جعفر بن محمد بن جعفر نزاری لکھتے ہیں "ھی کانت بنت ملك من ملوك الحبشة" وہ حبشہ کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی دختر نیک اختر تھیں (الانوار العلویہ ص۱۰۶ طبع نجف اشرف) علامہ رجب علی برسی نے کتاب مشارق الانوار میں انھیں ہندوستان کے ایک بادشاہ کی لڑکی لکھا ہے۔ لیکن یہ میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ (رسالہ حضرت فضہ ص۲ طبع لاہور)۔

جنابِ فضہ اور فنِ کیمیاگری

مورخین کا بیان ہے کہ جنابِ فضہ فنِ کیمیاگری میں ماہر تھیں۔ علامہ رجب علی برسی کتاب مشارق الانوار میں لکھتے ہیں کہ یہ جب حضرت فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا کے خانۂ اقدس میں آئیں اور اُن کی ظاہری غربت و افلاس کو دیکھا تو اکسیر کا ذخیرہ نکالا اور تانبے کے ٹکڑے پر اس اکسیر کو استعمال کیا جس سے تانبا بہترین سونا بن گیا اور جنابِ فضہ اس کو لے کر حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اے فضہ تم نے بہترین سونا بنا یا ہے لیکن اگر تم تانبے کو بھی پگھلا دیتیں تو اس سے زیادہ بہتر سونا بن جاتا، فضہ نے از روئے تعجب کہا کہ مولا آپ اس فن سے بھی واقف ہیں؟ آپ نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ علم تو ہمارا بچہ بھی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اے فضہ ہم تمام علوم سے واقف ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اشارہ فرمایا اور زمین کا ٹکڑا بہترین سونے اور قیمتی جواہر میں تبدیل ہوگیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "یا فضہ مالهذ خلقنا"۔ اے فضہ ہم اس کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ (انوار علویہ و دمعہ ساکبہ ص۱۳۰) مطلب یہ تھا کہ ہم زر و جواہر اور مال و دولت کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ ہماری غرض خلقت تبلیغ دین اور فروغ انسانیت ہے۔

جنابِ فضہ کی شادی

جنابِ فضہ جب حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں آئی تھیں تو غیر شادی شدہ تھیں۔ انھوں نے شاہی ٹھاٹھ باٹھ کو خیرباد کہہ کر حضرت فاطمہ زہرا کی خدمت کو اپنا فریضہ بنالیا تھا۔ وہ پاکیزہ دل کی خاتون تھیں اور پاک گھرانے کی خدمت کو دنیا و آخرت کی عزت سمجھتی تھیں۔ حضرت فاطمہ جب تک زندہ رہیں انھوں نے اپنی شادی نہیں کی البتہ اُن کی وفات کے بعد حضرت علی کے اصرار پر شادی پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ اُن کی تزویج کر دی گئی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ کانت لفاطمۃ الزہراء جاریۃ یقال

لہا فضۃ فصارت بعد ہا لعلی فزوجہا من ابی ثعلبۃ الحبشی فاولدہا ابنا ثم مات عنہا ابوثعلبۃ فتزوجہا من بعدہ ابوسلیک الغطفانی" حضرت فاطمۃ الزہرا کی ایک کنیز تھیں جن کو "فضہ" کہتے تھے۔ جب بی بی فاطمہ کا انتقال ہوگیا تو وہ حضرت علی کی خدمت گذاری کرنے لگیں۔ حضرت علی نے ان کی شادی ابوثعلبہ حبشی کے ساتھ کر دی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، پھر ابوثعلبہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ان کا عقد ابوسلیک غطفانی کے ساتھ کر دیا۔ (انوار علویہ صفحہ ۵۹)

جناب فضہ اور ضیافت حضرت رسول کریمؐ

مورخین کا بیان ہے کہ جناب فضہ بظاہر کنیز تھیں۔ لیکن وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نگاہ میں بڑی ممتاز تھیں اور ان کے نگاہِ کرم کی وجہ سے نگاہ قدرت میں بھی باعزت تھیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ "ماہ رمضان کی ایک شب کو جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلعم جس قدم سے آپ نے عرش معلیٰ کو (شب معراج) مشرف فرمایا ہے۔ آج اس قدم کے ذریعہ ہمارے گھر کو مشرف بخشیں۔ آنحضرتؐ نے دعوت قبول فرمائی اور خانہ امیرالمومنین میں روزہ افطار فرمایا۔ اگلے روز کے لیے حضرت فاطمہ زہراؑ نے دعوت دی اور انھوں نے قبول فرما کر روزہ افطار فرمایا۔ پھر امام حسنؑ نے دعوت دی اس کے بعد امام حسینؑ نے درخواست کی، آپ نے ان شہزادوں کی خواہش پوری کی۔ یہ دیکھ کر جناب فضہ نے بھی دعوتِ طعام دی حضرت نے قبول فرمائی، جب نمازِ مغربین کے بعد آپ اپنے گھر ہو کر جناب فضہ کے وہاں جانے کا ارادہ کیا تو جبریلؑ نے کہا کہ آپ سیدھے فضہ کے گھر تشریف لے جائیں، یہ ربِ جلیل کی خواہش ہے۔ کیونکہ فضہ دروازہ سیدہؑ پر منتظر کھڑی ہیں۔ چنانچہ حضور اکرمؐ سیدھے جنابِ سیدہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے تعظیم کی اور آداب بجالائے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں آج فضہ کا مہمان ہوں۔ یہ سن کر امیرالمومنین نے فضہ سے کہا کہ تم نے ہمیں نہیں بتایا کہ حضورؐ کو مدعو کیا ہے۔ ہمیں بتا دیا ہوتا تو ہم تمھاری مدد کرتے۔ فضہ نے عرض کی مولا میں آپ ہی کی کنیز ہوں۔ سب انتظام ہو جائے گا، اس کے بعد وہ اندر گئیں اور مصلّیٰ بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی، مالک اپنے حبیب کی دعوت کا بندوبست فرما دے۔" دعا قبول ہوئی اور مائدہ آسمانی نازل ہوا وہ اُسے لے کر باہر آئیں اور سب نے طعامِ جنت تناول فرمایا۔ حضرت نے کھانے کے بعد ارشاد کیا۔ "الحمدُ للہ" کہ خدا نے مریم بنت عمران کی طرح میری بیٹی کی کنیز کو بھی جنت سے طعام منگوانے کا شرف بخشا ہے۔ (مصابیح القلوب، ریاض القدس جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ طبع ایران)۔

جناب فضہ اور امدادِ غیبی

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جناب فضہ اپنی باری کے دن خانگی کاروبار

کے سلسلہ میں لکڑیوں کا ایک گٹھر اُٹھا کر لانا چاہتی تھیں لیکن زیادہ وزنی ہونے کی وجہ سے وہ اُن سے اُٹھ نہیں رہا تھا۔ اُنھوں نے فوراً وہ دُعا پڑھی جو انھیں رسُولِ کریمؐ نے تعلیم دی تھی جس کی ابتدا یہ ہے۔ "یا واحد یا احد لیس کمثلہ شئی الخ"۔ اِس دُعا کا پڑھنا تھا کہ ایک اعرابی نمودار ہوا اور اُس نے ایندھن اُٹھا کر حضرت سیدہ کے دروازے پر لا پھینکا۔ (معالی السبطین جلد ۲ صـ ۱۳۶)۔

جناب فضہ اور سُورہ ھل اتیٰ

سُورۂ ھل اتیٰ، جو اہلِ بیت کی مدح وثنا میں نازل ہوا ہے۔ اِس میں جناب فضہ بھی شامل ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ابنِ عباس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرات حسنینؑ بیمار ہوئے تو رسُولِ خدا کچھ لوگوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے اور جنابِ امیر سے فرمایا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے لڑکوں کی صحت کے واسطے نذر کرتے، یہ سُنتے ہی جنابِ امیر فاطمۃ الزھرؑا اور فضہ نے تین تین روزوں کی نذر کی۔ غرضیکہ جب دونوں صاحبزادے اچھے ہوئے اور نذر کے پُورے کرنے کا وقت آیا تو گھر میں کچھ نہ تھا۔ جنابِ امیر نے شمعون یہودی سے تین صاع جو قرض لیے، جنابِ سیدہ نے ایک صاع جو پیسا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کو کھانا ہی چاہتے تھے کہ ایک سائل نے آواز دی "السلام علیکم یا اھلبیت محمّد"۔ میں ایک مسلمان مسکین ہوں مجھے کھانا دو، خدا تمھیں جنّت کے خوان عطا کرے گا۔ یہ سُنتے ہی سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں دے دیں فقط پانی پی کر سو رہے۔ اور دوسرے دن پھر روزہ رکھا حسبِ سابق دوسرے دن جنابِ سیدہ نے پانچ روٹیاں پکائیں اور کھانے بیٹھے کہ ایک یتیم نے آواز دی اور سب نے اپنی اپنی روٹیاں اُس کو دے دیں اور صرف پانی سے افطار کیا، تیسرے روز پھر روزہ افطار کرنے بیٹھے تھے کہ ایک قیدی نے آواز دی اور تیسرے دن پھر سب بزرگوں نے اپنی اپنی روٹیاں دے دیں۔ چوتھے دن صبح کو جنابِ امیر نے صاحبزادوں کے ہاتھ پکڑے اور حضرت رسُولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب رسُول اللہ کی نظر پڑی کہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے ہیں تو فرمایا کہ میں تم لوگوں کو کس قدر تکلیف کی حالت میں دیکھ رہا ہوں، پھر خود اُٹھے اور ان کے ساتھ جنابِ سیدہ کے مکان میں آئے تو فاطمہ کو محرابِ عبادت میں دیکھا کہ ان کا پیٹ پیٹھ سے مل گیا ہے اور آنکھیں دھنس گئی ہیں، یہ دیکھ کر حضرت کو بہت رنج ہوا کہ یکایک حضرت جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ لیجیے یا رسُول اللہؐ آپ کو مُبارک ہو خدا نے یہ سُورہ آپ کے اہلبیت کی شان میں نازل کیا ہے۔ اور سورۂ دھر کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر کشاف جلد ۳ صـ ۲۳۹ و تفسیر بیضاوی) امام جعفرِ صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں یعنی علیاً و فاطمۃ والحسن والحسین وجاریتھم فضۃ" اِس آیت "یوفون بالنذر"۔ میں جنابِ امیر، جنابِ فاطمہ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور اُن کی

کنیز فضہ کو مُراد لیا ہے۔ (تفسیر بُرہان جلد ۴ صفحہ ۱۱۶۴ طبع قدیم)

ضربِ عمری سے بنتِ رسولؐ کا زخمی ہونا اور فضہ کو پکارنا

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمر نے فاطمہؑ کے گھر میں آگ لگا دی تھی اور حضرت سیدہ کے بطن پر دروازہ گرا دیا تھا جس سے اُن کے بطن میں جناب محسن شہید ہو گئے تھے (الملل والنحل) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ "جب بی بی سیدہ کے پہلو پر دروازہ گرا اور بنتِ رسول زخمی ہو کر زمین پر گریں تو مُنہ سے بے ساختہ یہ جملے نکلے تھے" یارسول اللہ ھکذا یفعل بحبیبتک وابنتک، یافضۃ الیک فخذینی واما ظہری فندینی فقد واللہ قتل ما فی احشائی" اے رسولِ خدا آپ کی پیاری بیٹی سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ اے فضہ ذرا مجھ کو سنبھالو اور میری پُشت کی طرف سے مجھے سہارا دو"۔ خدا کی قسم میرے بطن میں میرا بچہ (محسن) شہید ہو گیا ہے۔ (بحار الانوار جلد ۸ طبع ایران)۔

غسلِ سیدہؑ میں فضہ کی شرکت

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جب عمر بن خطاب کے ضرب سے شدید زخمی ہو کر فاطمہ بنت رسولؐ علیل ہو گئیں اور انھوں نے سمجھ لیا کہ میں اب نہ بچوں گی تو مجھے چند وصیتیں کیں۔ ان میں سے ایک وصیت یہ تھی کہ میرے غسل وکفن میں تمھارے اور حسنؑ وحسینؑ اور زینب وام کلثوم اور فضہ و اسماء بنت عمیس کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (معالی السبطین جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)

ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدہ نے جہاں مجھ سے اور بہت سے عہد لیے تھے اُن میں ایک یہ تھا کہ میری وفات کے بعد مردوں میں عبداللہ بن عباس، سلمان فارسی، عمار یاسر، مقداد بن اسود، ابوذر غفاری، حذیفہ یمانی اور عورتوں میں ام سلما، ام ایمن اور فضہ کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور نہ کسی کو خبر دی جائے۔ ایک روایت میں فضل اور ابنِ مسعود کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ (سفینۃ البحار ج ۲ صفحہ ۳۶۰)۔

حضرت سیدہ کا آخری دیدار اور فضہ

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ بنت رسول کا انتقال ہو گیا اور انھیں کفن پہنایا جا چکا تو میں نے چہرہ سیدہؑ کو بند کرتے ہوئے۔ جہاں زینبؑ وام کلثوم اور حسنؑ وحسینؑ کو آواز دی تھی وہاں فضہ کو بھی پکارا تھا کہ "ھلموا تزودوا من امکم" آؤ اور اپنی ماں کا آخری دیدار کر لو۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۳۶۵

جنابِ فضہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی شہادت کے بعد

شہادت حضرت فاطمۃ الزہرا کے بعد جنابِ فضہ اسی گھر میں رہیں اور ان کے بعد حضرت زینب وغیرہا کی خدمت کو اپنا فریضہ قرار دے لیا۔ علامہ مہدی حائری لکھتے ہیں۔ "لما ماتت فاطمۃ انضمت الی زینبؑ وکانت تخذ مہا فی بیتہا وتارۃً فی بیت الحسن وتارۃ فی بیت الحسین فلما خرجت عقیلۃ القریش مع اخیہا الحسین من المدینۃ الی العراق خرجت فضۃ معہا حتی اتت کربلاء" حضرت فاطمہؑ کی وفات کے بعد جنابِ فضہ حضرت زینب کی کنیزی میں آگئیں اور ان کے خانۂ اقدس میں خدمت کے فرائض انجام دینے لگیں اور بعض اوقات امام حسن اور امام حسین کے گھر میں بھی خدمت فرائض انجام دیتی تھیں، پھر جب عقیلۃ القریش حضرت زینب اپنے بھائی کے ہمراہ مدینہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئیں تو جنابِ فضہ ان کے ہمراہ چلیں اور کربلا کے میدان میں آئیں۔

کربلا میں حکمِ فضہ سے شیر کا برآمد ہونا

کُتبِ مقاتل میں ہے کہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد جب ان کی لاش اقدس پر گھوڑے دوڑائے جانے کا بندوبست کیا گیا تو حکم جنابِ زینب کے مطابق جنابِ فضہ نے ابوالحارث نامی شیر کو آواز دی تھی اور اُس نے برآمد ہو کر نعش مُبارک کی حفاظت کی تھی۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۳۶۵) تفصیل کے لیے مُلاحظہ ہو "ذکر العباس" طبع لاہور۔

کربلا میں جنابِ فضہ کا حضرتِ زینب کو سوار کرانا

شہادت حضرت امام حسینؑ کے بعد جب گیارہ محرم الحرام کو اہلبیت کی روانگی کا وقت آیا تو حضرتِ زینب نے تمام مخدرات اور بچوں کو سوار کرا دیا تھا۔ لیکن حضرتِ زینب کو ناقہ پر سوار کرنے والا کوئی نہ تھا۔ راوی کہتا ہے کہ اُس وقت میں نے دیکھا کہ "اذا بجاریۃ مسنۃ سوداء اقبلت الی زینب فارکبتہا فسالت عنہا فقالوا ھی فضۃ جاریۃ فاطمۃ"۔ ایک سیاہ رنگ کی سن رسیدہ کنیز آگے بڑھی اور اس نے حضرتِ زینب کو سوار کیا، میں نے لوگوں سے پُوچھا کہ یہ عورت کون ہے انھوں نے کہا یہ فضہ ہیں جو حضرت فاطمہ زہرا کی کنیز ہیں۔ (معالی السبطین جلد ۲ ص ۵۴ و رسالہ فضہ ص ۱۳ طبع لاہور)۔

دربارِ شام میں پُشتِ جنابِ فضہ پر تازیانہ

کتبِ مقاتل میں ہے کہ جنابِ فضہ واقعہ ہائلہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھیں۔ سید الشہداءؑ جب رخصت آخر کے لیے خیمہ میں آئے تھے اور اُنھوں نے سب کو سلامِ آخر کیا تھا

تو جناب فضہ کو بھی سلام کیا تھا اور کہا تھا کہ اے فضہ میری بہن زینب کا خیال رکھنا۔ چنانچہ وہ ہر محل پر اس ارشاد کی طرف متوجہ رہیں خصوصاً اُس وقت خاص کردار ادا کیا۔ جبکہ یزید نے بھرے دربار میں حضرت زینب سے کلام کرنا چاہا تھا اُس وقت فضہ آڑے آئی تھیں اور یزید ملعون کو اس بدتمیزی میں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک محل ایسا بھی آ گیا تھا جس میں فضہ کو تازیانہ کھانا پڑا۔" علامہ محمد علی کاظمینی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت زینب کو دربار شام میں تیس ۳ کنیزیں اپنے حلقہ میں لیے ہوئے تھیں۔ یزید نے اپنے غلام ابوعبیدہ کو حکم دیا کہ ان کنیزوں کو زینبؑ کے سامنے سے ہٹا دے۔ چنانچہ وہ تازیانہ لے کر آگے بڑھا سب کنیزیں تو ہٹ گئیں۔ لیکن جناب فضہ نے زینب کے سامنے سے ہٹنے سے انکار کر دیا۔" فغضب ابوعبیدة وضربها ضربة بالسوط حتی انکبت علی الارض"۔ ابوعبیدہ نے غصہ میں آ کر ایک ایسا تازیانہ جناب فضہ کے پشت پر مارا کہ وہ زمین پر گر پڑیں، اور چیخ کر کہا" وا ویلاہ ما احل من قوم النوب ههنا حتی فوئی بجزاد رستلث"۔ ہائے مصیبت کیا یہاں کوئی حبشی قوم کا آدمی نہیں ہے جسے غیرت آئے اور تجھ کو اس ظلم کی سزا دے۔ یہ سُن کر ساٹھ حبشی غلاموں میں سے جو یزید کے دربار میں موجود تھے ایک آگے بڑھا اور اُس نے ابوعبیدہ کو فی النار کر دیا۔ (کتاب لسان الواعظین ص۲۹۸)

فضہ کی دُعا اور بیان واقعہ شہادت فاطمہؑ

علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ، ورقہ بن عبداللہ ازدی سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا۔ عالم طواف میں ایک عورت کو دیکھا جس کا رنگ گھر اگندمی تھا اور چہرہ نورانی تھا، اس کی گفتگو نہایت فصیح تھی اور وہ یہ دُعا مانگ رہی تھی "اللّٰھم رب الکعبۃ الحرام" الخ، اے کعبہ محترم کے رب، اے کرام الکاتبین کے رب۔ اے زمزم و مشاعر حرام کے رب۔ اے محمد خیر الانامؐ کے رب۔ مجھ کو میرے مطہر و معصوم سادات اور ان کے مبارک چہروں والے بیٹوں کے ساتھ محشور فرما۔ میں نے دُعا کو سُن کر یہ سمجھ لیا کہ یہ کوئی محب اہل بیتؑ ہے، اس کے بعد میں اُس کے قریب گیا اور میں نے اُس سے پوچھا کہ تو محبانِ آلِ محمد میں سے کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں حضرت فاطمہ زہراؑ کی کنیز "فضہ" ہوں۔ میں نے کہا، اے فضہ میں عرصہ سے تمہارے کلام سُننے کا شائق ہوں، اے بی بی میں تم سے ایک اہم سوال کرنا چاہتا ہوں تم مہربانی کر کے طواف کے بعد فلاں مقام پر آ جانا میں وہیں حاضر ہو کر سوال کروں گا، چنانچہ وہ آ گئیں اور میں بھی حاضر ہو گیا۔"

میں نے عرض کی "یا فضۃ اخبرینی عن مولاتك فاطمۃ الزھراء وما الذی رائیت منھا عند وفاتھا بعد موت ابیھا"۔ اے فضہ مجھے بتاؤ کہ وفاتِ رسولؐ کے بعد ان کی بیٹی فاطمہؑ

پر کیا گزری"۔ یہ سننا تھا کہ "تغرغرت عیناھا بالدموع" فضہ کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک اُٹھیں اور وہ چیخ مار کر رو دیں اور کہنے لگیں اے ورقہ تم نے ہمارے غم کو تازہ کر دیا اور ہمارے دل کو زخموں سے بھر دیا، اے ورقہ تم کو کیا بتاؤں کہ سیدہ پر کیا گذری، اچھا سنو، یہ کہہ کر انھوں نے تمام داستانِ غم دھرا دی۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۵۳ و سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۳۶۵)۔

عمر بن خطاب اور علمیت فضہ کا اعتراف

علامہ شیخ جعفر نزاری تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب فضہ کا عمر بن خطاب سے کسی مسئلہ فقہ میں اختلاف ہو گیا اور فضہ نے اپنی علمیت کی قوت سے انھیں مجروح کر دیا تو انھوں نے از روئے تعجب کہا کہ "شعرۃ من آل ابی طالب افقه من جمیع آل خطاب"۔ آل ابو طالب کا ایک معمولی سا بال بھی تمام آل خطاب سے فقہ جاننے والا ہے۔ (انوار علویہ صفحہ ۵۸)۔

جناب فضہ اور قرآن مجید

ان حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی حافظ تھیں کیونکہ ان کے لیے یہ مسلم ہے کہ انھوں نے بیس سال تک قرآن مجید کی آیات میں کلام کیا تھا۔ علامہ مجلسی بحار الانوار میں اور شیخ عباس قمی سفینۃ البحار میں لکھتے ہیں کہ "ما تکلمت عشرین سنۃ الا بالقرآن"۔ یہ بیس سال تک قرآن مجید کے علاوہ کچھ بولیں ہی نہیں یعنی جو گفتگو کرتی تھیں وہ قرآن مجید کی آیات میں کرتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ جو سوال و جواب اور اپنی نجی زندگی کے مقامات تکلم میں بلکہ حیات کی ہر منزل میں صرف قرآن مجید سے گفتگو کرے اس کے حافظ قرآن ہونے میں کیونکر شبہہ کیا جا سکتا ہے۔ میں مثال کے طور پر ان کے قرآن مجید کی آیات میں کلام کرنے کا ایک واقعہ لکھتا ہوں۔

علامہ حافظ محمد بن علی شہر آشوب المتوفی ۵۸۸ھ بحوالہ ابو القاسم قشیری تحریر کرتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا کہ میں سفر میں تھا اتفاقاً اپنے قافلہ سے رہ گیا اور جنگل کی طرف نکل گیا۔ میں نے اس جنگل میں ایک عورت کو پریشان حال دیکھا تو میں یہ سمجھا کہ یہ بھی ہماری طرح گم کردہ راہ ہے میں نے اس سے پوچھا۔

(۱) تم کون ہو؟ اُس نے جواب دیا، قل سلامٌ فسوف تعلمون، تُم سلام کہو عنقریب جان لوگے میں نے سلام کیا۔

(۲) اب اس جنگل میں پھر کیوں رہی ہو، اُس نے کہا، من یھدی اللہ فلا مضل لہ، جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، میں سمجھا کہ یہ راہ بھٹکی ہوئی ہے۔

(۳) تم جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے، اُس نے کہا "یا بنی آدم خذوا زینتکم" اے بنی آدم اپنی زینت کو سنبھالو۔ میں سمجھا کہ اپنا انسان ہونا بتا رہی ہے۔

(۴) تم کہاں سے آئی ہو؟ اُس نے کہا "تنادون من مکان بعید"۔ وُہ دُور سے پُکار رہے ہیں میں سمجھا کہ بہت دُور سے آئی ہے۔

(۵) کہاں جانے کا ارادہ ہے، اس نے کہا "وللّٰہ علی الناس حج البیت"۔ اللہ کے لیے لوگوں پر حج واجب ہے، میں سمجھا کہ حج کو جا رہی ہیں۔

(۶) تم قافلہ سے کب جُدا ہوئی ہو۔ اُس نے کہا "ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام" ہم نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے، میں سمجھ گیا کہ چھ دن سے بھٹکی ہوئی ہے۔

(۷) تم کچھ کھانا چاہتی ہو، اُس نے کہا "وما جعلنا ھم جسداً یاکلون الطعام"۔ ہم نے ان کو جسم قرار دیا وہ کھانا کھاتے ہیں، میں سمجھ گیا کہ کھانا مطلوب ہے۔

(۸) کھانا کھلا کر میں نے کہا جلد سوار ہو جاؤ، اس نے کہا "لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعھا" اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، میں سمجھا کہ وہ ایک جانور پر زیادہ بار پسند نہیں کرتی۔

(۹) تم میرے ساتھ ایک ہی اُونٹ پر بیٹھ جاؤ، اُس نے کہا "لو کان فیھما الھۃ الا اللّٰہ لفسدتا"۔ اگر زمین و آسمان میں اللہ واحد سے زیادہ خدا ہوتے تو دونوں تباہ ہو جاتے، میں سمجھا کہ ایک ساتھ بیٹھنا نہیں چاہتی۔

(۱۰) میں نے اپنی سواری سے اُتر کر کہا کہ تم سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ سوار ہو کر اُس نے کہا "سبحان الذی سخر لنا ھٰذا"۔ پاک ہے وہ خُدا جس نے ہمیں اس پر سوار ہونے کا موقع دیا اور اُسے ہمارے قابُو میں کیا۔

(۱۱) جب ہم قافلہ میں مل گئے یعنی اس کا قافلہ مل گیا تو میں نے پوچھا کہ اس قافلہ میں تمھارا کوئی اپنا بھی ہے تو اُس نے کہا، یا داؤد انا جعلناك خلیفۃ فی الارض، وما محمد الا رسول یا یحییٰ خذ الکتاب، یا موسیٰ انی انا اللّٰہ، میں سمجھ گیا کہ اس کے چار آدمی ہیں داؤد اور محمد اور یحییٰ اور موسیٰ، چنانچہ میں نے ان کو زور سے پکارا، سب حاضر ہو گئے۔

(۱۲) پھر میں نے پوچھا یہ چاروں تمھارے کون ہیں؟ اُس نے کہا، المال والبنون زینۃ الحیاۃ الدُنیا"۔ مال اور اولاد زندگانی دُنیا کی زینت" ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ چاروں اس کے بیٹے ہیں۔

پھر اُس عورت نے یہ آیت پڑھی، "یاابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین" یعنی اُس نے ان سے کہا کہ اس شخص کو کچھ اُجرت دے دو، چنانچہ انھوں نے مجھے کچھ مال دیا، میں نے اُسے کم سمجھ کر کہا کہ اللہ جسے چاہتا ہے دُوگنا دیتا ہے۔ یہ سُن کر انھوں نے مزید اُجرت دی۔ پھر میں نے ان

سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ اور اس کا کیا نام ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت فاطمہ بنت رسولؐ کی آزاد کنیز ہے، اس کا نام "فضّہ" ہے اور یہ ہماری ماں ہے۔ یہ بیس سال سے آیات قرآنی کے ذریعہ سے بات چیت کرتی ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ ص۳۴۰ والمستطرف امام ابشیہی جلد ا ص۵۴)

جناب فضہ کی وفات اور اُن کا مدفن

جناب فضہ کی حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں حاضری کا واقعہ اور ان کا سن ولادت و وفات نیز اُن کے مدفن کا تاریخ سے سُراغ نہیں ملتا تاہم بروایت "خلاصۃ المصائب" یہ ہے کہ اُنھوں نے حضرت زینب کبریٰ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد انتقال کیا تھا اور انھیں کے قریب شام میں دفن ہوئی تھیں۔

جناب فضّہ کی ایک نواسی کا واقعہ

جناب فضّہ کے ۴ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ۔ لڑکی کا نام "مسکہ" تھا۔ اس لڑکی کی ایک دختر تھی جس کا نام "شہرت" تھا۔

شہرت ایک دن حج کو جا رہی تھی راستے میں اُس کی سواری تھک کر بیٹھ گئی۔ اُس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا "خُدایا! تُو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ اب نہ گھر واپس جا سکتی ہوں نہ مکہ پہنچ سکتی ہوں"، راوی مالک بن دینار کہتا ہے کہ اِس کہنے کے فوراً بعد جنگل کے درختوں سے ایک شخص ایک اُونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے برآمد ہُوا، اور اُسے بٹھا کر مکّہ لے گیا۔ (بحار الانوار، سفینۃ البحار جلد ۲ ص۳۶۵ و مناقب جلد ۲ ص۳۰)۔

جناب فضہ کے وطن "افریقہ" سے انبیاؑ، آئمہ اور اسلام کا علاقہ

تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ برِّ اعظم افریقہ کا انبیاء، آئمہؑ اور اسلام سے بہت گہرا اور قدیمی تعلق ہے۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰ جیسے بڑے پیغمبروں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ افریقہ ہی میں بسر کیا ہے۔ ہمارے نبیؐ کی جدہ عالیہ حضرت ہاجرہ افریقہ کے ملک مصر کی شاہزادی تھیں۔

جب ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کی تو کافروں نے آپ کو اور آپ کے ماننے والے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا۔ آپ نے یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں کو حضرت جعفر طیار کے ساتھ حبش (افریقہ) بھیج دیا۔ وہاں کے بادشاہ نے ان مظلوم مسلمانوں کو پناہ دی اور ان دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کو مسترد کیا جو مکّہ سے جا کر شاہ حبش کو مسلمانوں سے بدظن کرنا چاہتے تھے۔

رسول اللہ صلعم کی ایک زوجہ "ماریہ قبطیہ" افریقہ کی رہنے والی تھیں آپ افریقہ کے مشہور قبیلہ "نوبہ" سے تھیں اور رسول اللہؐ کو گود میں کھلانے والی "ام ایمن" (برکت) افریقہ ہی کی رہنے والی تھیں، ان کے ایک

بیٹے، ایمن، جنگِ خیبر میں شہید ہوئے۔ ان کے دوسرے بیٹے اسامہ بن زید تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار بنایا تھا جس میں بڑے بڑے صحابی شامل تھے اور آپ کے ایک خاص صحابی اور مؤذن حضرت بلالؓ بھی افریقہ کے باشندے تھے۔ بلال، اسلام کے پہلے مؤذن ہیں۔ آج بھی افریقہ میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ شمالی افریقہ میں مصر، سوڈان، طرابلس، تیونس الجزائر اور مراقش، خاص اسلامی ملک ہیں۔ مغربی افریقہ میں، گنی اور نائیجیریا میں مسلمانوں کی حکومت ہے۔ مشرقی افریقہ میں ہمالیہ اور زنجبار میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں۔ مشرقی افریقہ کے ممالک، زنجبار، یوگنڈا، کینیا، اور ٹانگانیکا میں کافی شیعہ اثنا عشری بھی آباد ہیں۔

شمالی افریقہ کا سب سے اہم اسلامی ملک "مصر" ہے۔ آج سے ہزاروں سال پہلے مصر کے بادشاہوں کو "فرعون" کہتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک فرعون ہی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔

مصر کی "راجدھانی" قاہرہ ہے۔ یہ اسلامی دنیا کا بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں کی سب سے پرانی یونیورسٹی "الازہر" موجود ہے جو ایک ہزار سال سے علم کا گہوارہ بنی ہوئی ہے۔

قاہرہ میں مشہد "راس الحسینؑ" نام کی ایک عمارت ہے جہاں ہزاروں مصری روزانہ جمع ہو کر امام حسین علیہ السلام سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

مصر کے جنوب میں "سوڈان" ہے۔ یہ بھی ایک آزاد اسلامی ملک ہے۔ مصر اور سوڈان میں دریائے نیل بہتا ہے۔ یہ وہی دریا ہے جس پر حضرت موسیٰؑ نے عصا مارا تھا تو دریا کا پانی پھٹ گیا تھا اور حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل گئے تھے۔ اسلامی تاریخ میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے۔

مصر کے مغرب میں "لیبیا" ہے۔ جہاں سنوسی عربوں کی حکومت ہے۔ لیبیا سے مغربی سمت میں تیونس ہے۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ ہے اور اب وہاں بھی ایک آزاد اسلامی حکومت قائم ہے۔ تیونس کے مغرب میں "الجزائر" ہے جو اپنی پیداوار اور معدنیات کے لیے بہت مشہور ہے۔ الجزائر کے مغرب میں مراقش ہے جہاں ایک آزاد مسلمان سلطان کی حکومت ہے۔ مراقش سے ہی مسلمانوں نے پہلی مرتبہ یورپ پر حملہ کیا تھا اور "اسپین" پر قبضہ کر لیا تھا، جہاں صدیوں تک مسلمان حکومت کرتے رہے۔ شمالی افریقہ کی طرح مغربی اور وسطی افریقہ کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مغربی افریقہ میں نائیجیریا اور گنی کی آزاد مسلمان حکومتیں قائم ہیں۔ صحارا، مالی اور کانگو کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

مشرقی افریقہ میں زنجبار کی مسلم ریاست بہت قدیمی ہے۔ یہاں خوجہ اثنا عشری آبادی بھی کافی ہے اور ہماری دو مساجد اور کئی امام باڑے موجود ہیں۔

ٹانگانیکا میں بھی مسلم اکثریت ہے اور اس ملک میں جگہ جگہ اثنا عشری شیعہ بھی موجود

ہیں، ٹانگانیکا کے دارالحکومت " دارالسلام " میں اور دوسرے تمام بڑے شہروں عروشہ، موشی ۔ ٹانگانیکا وغیرہ میں شیعوں کی مساجد اور امام باڑے موجود ہیں اور ان میں زور شور سے عزاداری ہوتی ہے کینیا اور " یوگنڈا " میں بھی شیعہ آبادیاں موجود ہیں۔ مثلاً کمپالہ ۔ سروٹی ۔ اروا ہیمہ ۔ نگورا وغیرہ ان کی مساجد اور امام باڑے معمور نظر آتے ہیں۔ برِاعظم افریقہ کا صرف جنوبی علاقہ ایسا ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ۔ افریقہ پر اسلامی اثرات کی نمایاں نشانی عربی زبان ہے۔ شمالی افریقہ کی عام زبان عربی ہے، اور مشرقی افریقہ کی سواحلی زبان میں بیشمار عربی الفاظ موجود ہیں۔ مشرقی افریقہ میں شیعہ آبادی صمالیہ ، زنجبار، کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا[۱]، کانگو، ازمیرا، ممباسہ، مڈاغاسکر میں پائی جاتی ہے۔ (دینی باتیں)

مؤلف کا سفرِ یوگنڈا

برِاعظم افریقہ کے علاقہ "یوگنڈا" کے صدر جنرل "عیدی امین" نے صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو لکھا کہ میں "آل ورلڈ مسلم سپریم کونسل" کا اجلاس کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے تمام ممالک اسلامیہ کو لکھا جا چکا ہے کہ وہ اپنے نمائندے بھیجیں، آپ سے بھی یہی درخواست ہے۔ صدر بھٹو نے مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات و حج و اوقاف جناب مولانا کوثر نیازی سے مشورہ کرکے بتاریخ ۲۶ ؍مئی ۱۹۷۳ء مجھ سے بذریعہ "فارن الفیرس" خواہش کی کہ میں اس عظیم کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کروں جس میں تقریریں عربی میں ہوں گی۔ کیونکہ وہاں کی زبان عربی ہے چنانچہ میں ایک دن میں جملہ انتظامات مکمل کرکے ۲۸ ؍مئی ۱۹۷۳ء بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہوکر کراچی، تہران، بیروت، یونان اور مغربی جرمنی ہوتا ہوا ۲۹ ؍مئی کو لندن پہنچا۔ وہاں "سنٹر ہوٹل" میں تقریباً دس گھنٹے قیام کے بعد "کمپالہ" کے لیے روانہ ہوا جو یوگنڈا کا "دارالسلطنت" ہے۔ وہاں "انٹرنیشنل ہوٹل" میں قیام کیا۔ کئی پاکستانی حضرات ملنے کے لئے آئے پھر ۳۱ ؍مئی کی صبح کو ملک کے مختلف دور و دراز اطراف میں تین اجلاس منعقد ہوئے جن میں عربی اور انگریزی میں تقریریں کی گئیں۔ پھر یکم جون ۷۳ء کو اصل سپریم کونسل کا اجلاس شاہی شان و شوکت کے ساتھ منعقد کیا گیا۔ صدر عیدی امین نے اجلاس شروع ہونے سے قبل نمائندگان سے ملاقات کی اور گروپ فوٹو لیا گیا۔ اس کے بعد ½ ۸ بجے شب اجلاس شروع ہوا ایک بجے رات تک جاری رہا۔ پھر ½ ۱ بجے سپریم کونسل کے دفتر کا افتتاح کیا گیا اور ½ ۲ بجے شب کو ایوانِ صدر "این ڈی" میں کھانا کھایا گیا۔ جہاں میں نے صدر سے پاکستانیوں پر خاص نگاہ رکھنے کی درخواست کی۔ (جس کا نتیجہ میری یاددہانی پر اُس وقت ظاہر ہوا جب یوگنڈا سے تمام ایشیا کے باشندے نکالے جا رہے تھے۔

۲ ؍جون ۷۳ء کو شیعہ اثنا عشری جماعت کے صدر جناب سلطان داؤد صاحب میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ہمراہ شیعہ مسجد و امام باڑہ دکھانے کے لیے گئے جنھیں دیکھ کر میں بے حد خوش ہوا، دریافت سے معلوم ہوا کہ اس کمپالہ میں تقریباً ۳ ہزار شیعوں کی آبادی ہے اس رات کو اجلاس عام کا بندوبست کیا گیا جو بعد میں جہاز کی روانگی کے وقت کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا پھر اسی ۲ جون کو شام کے وقت کمپالہ سے براہ نیروبی روانہ ہوکر ۳ ؍جون ۷۳ء بوقت ۵ بجے صبح کراچی پہنچا۔ اس سفر میں میرے ہمراہ جناب فضل الرحمٰن صاحب ایم۔ اے بھی تھے جو انگریزی میں تقریریں کرتے تھے، تقریباً ایک ماہ کے بعد جناب الحاج مولانا کوثر نیازی صاحب مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات و حج و اوقاف حکومت پاکستان اور جناب غفور احمد صاحب سیکشن آفیسر فارن الفیرس نے بتایا کہ یوگنڈا سے سرکاری رپورٹ نہایت ہی اچھی آئی ہے ۔ ۱۲ منہ ش

٣

ابو الحسن

حضرت علی علیہ السلام

امیر المومنین

نصرتِ دیں ہے علیؑ کا کام سوتے جاگتے ۔۔ خواب و بیداری ہے یکساں یہ ہیں عینِ کردگار
اس کی بیداری کی عظمت کو سنِ ہجری سے پوچھ ۔۔ جس کا سونا بن گیا تاریخ دیں کی یادگار

(صابر تھاریانی (کراچی))

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ۳

حضرت علی علیہ السلام

اوصاف علی بہ گفت گو ممکن نیست گنجائش بحر در سبو ممکن نیست
من ذات علی بواجبی کے دانم الا دانم کہ مثل او ممکن نیست

مولود کعبہ حضرت علی علیہ السلام، ابوالایمان حضرت ابوطالب و جناب فاطمہ بنت اسد کے بیٹے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے سہیم نور، داماد، بھائی، جانشین اور فاطمہ کے شوہر حضرت امام حسن، امام حسینؑ، زینب و ام کلثومؑ کے پدرِ بزرگوار تھے۔ آپ جس طرح سرورِ کائناتؐ کے نور میں شریک تھے۔ اسی طرح کارِ رسالتؐ میں بھی شریک تھے۔ یوم ولادت سے لے کر تا بحیات پیغمبر اسلام کے مدارالمہام کی حیثیت سے کار پرواز رہے۔ امورِ مملکت ہوں یا میدانِ جنگ، آپ ہر موقع پر تاج دارِ دو عالمؐ کے پیش پیش رہے۔ عہدِ رسالتؐ کے صحیح فتوحات کا سہرا آپ ہی کے سر رہا ہے۔ اسلام کی پہلی منزل (دعوت ذوالعشیرہ) سے لے کر تا بہ ارتحالِ رسولؐ آپ نے وہ کارہائے نمایاں کئے جو کسی صورت سے بھلائے نہیں جا سکتے اور کیوں نہ ہو جبکہ آپ کا گوشت پوست رسول کا گوشت پوست تھا۔ اور علیؑ پیدا ہی کئے گئے تھے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے۔

آپ کی ولادت

آپ کی نوری تخلیق، خلقتِ سرورِ کائنات کے ساتھ ساتھ پیدائشِ عالم و آدمؑ سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ لیکن انسانی شکل و صورت میں آپ کا ظہور و نمود ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل مطابق ۶۰۰ء یوم جمعہ بمقام خانہ کعبہ ہوا۔ آپ کی ماں فاطمہ بنت اسد اور باپ ابوطالب تھے۔ آپ دونوں طرف سے ہاشمی تھے۔ مورخینِ عالم نے آپ کے خانہ کعبہ میں پیدا ہونے کے متعلق کبھی کوئی اختلاف ظاہر نہ کیا، بلکہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ "لم یولد قبلہ ولا بعدہ مولود فی بیت الحرام"۔ آپ سے پہلے کوئی نہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔ اس کے بارے میں علماء نے تواتر کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ (مستدرک امام حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۸۳)
تواریخِ اسلام میں واقعہ ولادت یوں بیان کیا گیا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو جب دردِ زہ کی تکلیف

محسوس ہوئی تو آپ بہ مشورہ رسولِ کریمؐ خانہ کعبہ کے قریب گئیں اور اس کا طواف کرنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئیں اور بارگاہِ خدا کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگیں۔ خدایا میں مومنہ ہوں۔ تجھے ابراہیم بانیٔ خانہ کعبہ اور اس مولود کا واسطہ جو میرے پیٹ میں ہے۔ میری مشکل دُور کر دے۔ ابھی دُعا کے جملے ختم نہ ہونے پائے تھے کہ دیوارِ کعبہ شق ہو گئی اور فاطمہ بنت اسد داخلِ کعبہ ہو گئیں۔ اور دیوار جوں کی توں ہو گئی۔ (مناقب صفحہ ۱۳۲، وسیلۃ النجات ص۶۰) ولادت کعبہ کے اندر ہوئی۔ علی پیدا تو ہوئے لیکن انھوں نے آنکھ نہیں کھولی۔ ماں سمجھی کہ شاید بچہ بے نور ہے۔ مگر جب تیسرے دن سرورِ کائنات تشریف لائے اور اپنی آغوشِ مبارک میں لیا تو حضرت علی نے آنکھیں کھول دیں اور جمالِ رسالتؐ پر پہلی نظر ڈالی۔ سلام کر کے تلاوت صحف آسمانی شروع کر دی۔ بھائی نے گلے لگایا اور یہ کہہ کر اے علیؑ جب تم ہمارے ہو تو میں بھی تمھارا ہوں۔ فوراً منہ میں زبان دے دی۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں۔ "واز زبانِ مبارک دوازدہ چشمہ کشودہ شد۔" زبانِ رسالتؐ سے دہنِ امامت میں بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اور علی اچھی طرح سیراب ہو گئے۔ اسی لیے اس دن کو "یوم الترویہ" کہتے ہیں۔ کیونکہ ترویہ کے معنی سیرابی کے ہیں۔ (کشف الغمہ ص۱۳)

الغرض حضرت علی خانہ کعبہ سے چوتھے روز باہر لائے گئے اور اس کے در پر علی کے نام کا بورڈ نصب کر دیا گیا۔ جو ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ تک لگا رہا۔ آپ پاک و پاکیزہ، طیب و طاہر اور مختون پیدا ہوئے۔ آپ نے کبھی بُت پرستی نہیں کی، اور آپ کی پیشانی کبھی بُت کے سامنے نہیں جھکی۔ اسی لیے آپ کے نام کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" کہا جاتا ہے۔ (نور الابصار ص۷۶ صواعق محرقہ ص۷۲)۔

آپؑ کا نامِ نامی

مورخین کا بیان ہے کہ آپ کا نام جنابِ ابوطالب نے اپنے جدِ اعلیٰ جامع قبائل عرب "قصی" کے نام پر "زید"۔ اور ماں فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پر "اسد" اور سرورِ کائناتؐ نے خدا کے نام پر "علی" رکھا۔ نام رکھنے کے بعد ابوطالب اور بنتِ اسد نے کہا۔ حضور! ہم نے ہاتفِ غیبی سے یہی نام سنا تھا۔ (روضۃ الشہدا اور کفایت الطالب) آپ کا ایک مشہور نام حیدر بھی ہے جو آپ کی ماں کا رکھا ہوا ہے جس کی تصدیق اس رجز سے ہوتی ہے جو آپ نے مرحب کے مقابلہ میں پڑھا تھا جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ع انا الذی سمتنی امی حیدرہ ۔ اس نام کے متعلق روایتوں میں ہے کہ جب آپ جھولے میں تھے۔ ایک دن ماں کہیں گئی ہوئی تھیں جھولے پر ایک سانپ جا چڑھا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ کو پکڑ لیا اور گلا کو چیر پھینکا۔ ماں نے واپس ہو کر یہ ماجرا دیکھا تو بیساختہ کہہ اٹھیں۔ یہ میرا بچہ حیدر ہے۔

کنیت والقاب

آپ کی کنیت والقاب بے شمار ہیں۔ کنیت میں ابوالحسن اور ابوتراب اور القاب میں امیرالمومنین۔ المرتضیٰ۔ اسد اللہ۔ یداللہ۔ نفس اللہ حیدر کرار۔ نفس رسول اور ساقیِ کوثر زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کی پرورش وپرداخت

آپ کی پرورش رسولِ اکرمؐ نے کی۔ پیدا ہونے ہی گود میں لیا۔ منہ میں زبان دی اور دُودھ کے بجائے لعابِ دہن رسول سے سیراب ہوکر "لحمک لحمی" کے حقدار بنے (سیرت حلبیۃ جلد ا ص۲۶۸) اسی دوران میں جب کہ آپ سرورِ کائنات کے زیرسایہ عارضی طور پرورش پا رہے تھے۔ مکہ میں شدید قحط پڑا۔ ابوطالب کے یہاں چونکہ اولاد زیادہ تھی۔ اس لیے حضرت عباس اور سرورِ کائنات ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو راضی کر کے حضرت علیؑ کو اپنے پاس مستقل طور پر لے آئے اور عباس نے بھی جعفر طیارؓ کو لے لیا۔ حضرت علیؑ سرورِ کائنات کے پاس رات دن رہنے لگے۔ حضور اکرمؐ نے جملہ نعماتِ الٰہی سے بہرہ ور کر دیا۔ اور ہر قسم کی تعلیمات سے بھرپور بنا دیا۔ یہاں تک کہ علی نام خدا قوت بازو بن کر یوم بعثت ۲۷ رجب کو کل ایمان کی صورت میں اُبھرے اور حضور کی تائید کر کے اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔

اظہار ایمان

مسلمانوں میں اکثر یہ بحث چھڑ جاتی ہے۔ کہ سب سے پہلے اسلام کون لایا اور اس سلسلہ میں حضرت علی کا نام بھی آجاتا ہے۔ حالانکہ آپ موضوع بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ زیر بحث وہ لائے جا سکتے ہیں۔ جو یا تو مسلمان ہی نہ رہے ہوں اور تمام عمر شرک و بت پرستی میں گزری ہو۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمان وغیرہم۔ یا مسلمان تو رہے ہوں اور دینِ ابراہیم پر چلتے بھی رہے ہوں۔ لیکن اسلام ظاہر نہ کر سکے ہوں۔ جیسے حضرت حمزہ۔ حضرت جعفر طیار اور ابوالایمان حضرت ابوطالب وغیرہم۔ ایسی صورت میں اول الذکر حضرات کو کہا جائے گا کہ اسلام قبول کیا اور آخر الذکر کے لیے کہا جائے گا کہ اسلام ظاہر کیا۔ اب رہ گئے حضرت علیؑ یہ کعبہ میں فطرت اسلام پر پیدا ہوئے۔ کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام رسُولِ اسلام کی گود میں آنکھ کھولی۔ لعاب دہن رسولؐ سے پرورش پائی۔ آغوشِ رسالت میں پلے، بڑھے۔ دس سال کی عمر میں بوجہ ضرورت اعلانِ ایمان کیا۔ رسولؐ کے داماد قرار پائے۔ میدانِ جنگ میں کامیابیاں حاصل کر کے "کل ایمان" بنے۔ پھر امیرالمومنینؑ کے خطاب سے سرفراز ہوئے

فاضل معاصر تاریخ آئمہ میں لکھتے ہیں کہ علمائے محققین نے تصریح لکھا ہے کہ حضرت علیؑ تو کبھی کافر رہے ہی نہیں۔ کیونکہ آپ شروع سے حضرت رسُولِ خدا کی کفالت میں اسی طرح رہے جس طرح خود حضرت کی اولاد رہتی تھی۔ اور کل امور میں حضرت کی پیروی کرتے تھے۔ اس سبب سے اس کی ضرورت ہی نہیں ہوئی کہ آپ کو اسلام کی طرف بُلایا جاتا اور جس کے بعد کہا جاتا کہ آپ مسلمان ہوجائیں

(سیرت حلبیہ جلد ۱ ص۲۶۹) مسعودی کہتا ہے کہ آپؑ بچپن ہی سے رسولؐ کے تابع تھے۔ خدا نے آپ کو معصوم بنایا اور سیدھی راہ پر قائم رکھا۔ آپ کے لیے اسلام لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مروج الذہب ج ۵ ص۶۸) حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے اس اُمت میں سب سے پہلے خدا کی عبادت کی اور سب سے پہلے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھی (استیعاب جلد ۲ ص۴۷۲) پیغمبر اسلام فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے چشم زدن کے لیے بھی کفر اختیار نہیں کیا۔ (سیرت حلبیہ جلد ۱ ص۲۷۰)۔

حلیہ مُبارک

آپ کا رنگ گندمی۔ آنکھیں بڑی۔ سینہ پر بال۔ قد میانہ۔ داڑھی بڑی اور دونوں شانیں، کہنیاں اور پنڈلیاں پُر گوشت تھیں۔ آپ کے پاؤں کے پٹھے زبردست تھے شیر کے کندھوں کے مانند آپ کے کندھوں کی ہڈیاں چوڑی تھیں۔ آپ کی گردن صراحی دار اور آپ کی شکل نہایت پُر صنعت اور حسین تھی۔ آپ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلا کرتی تھی۔ آپ خضاب نہیں لگاتے تھے

آپ کی شادی خانہ آبادی

آپ کی شادی سنہ ۲ ہجری میں حضور اکرمؐ کی دختر نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہرا سے ہوئی۔ آپ کے گھر میں لونڈی۔ غلام اور خدمتگار نہ تھے۔ باہر کا کام آپ خود اور آپ کی والدہ محترمہ کرتی تھیں اور امور خانہ داری کے فرائض جناب فاطمہ زہرا انجام دیتی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ رشتہ عام رشتوں کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ لیکن درحقیقت اس میں ایک اہم قدرتی راز مضمر ہے اور اس کا انکشاف اس طرح ہوسکتا ہے کہ اس پر غور کیا جائے۔ کہ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ علی کے علاوہ فاطمہ کا ساری دنیا میں رہتی دُنیا تک کفو نہیں ہوسکتا۔ (نور الابصار) پھر فرماتے ہیں کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی شادی علی سے کروں۔ اور اسی سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "ہر نبی کی نسل اس کے صلب میں ہوتی ہے۔ لیکن میری نسل صلب علی میں قرار دی گئی ہے (صواعق محرقہ ص۷۴) ان تمام اقوال کو ملانے کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ علی اور فاطمہ کا رشتہ نسلِ نبوت کی بقا اور دوام کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ پیغام رشتہ دے کر کامیاب نہیں ہو سکے۔ جن کی بُنیاد نجاست کفر پر استوار ہوئی اور جن کی انتہا گندگی نفاق پر ہوئی۔

سرداری اور سیادت علیؑ کی صفت ذاتی ہے

سرور کائنات سے اتحاد ذاتی اور اشتراک نوری کی بناء پر حضرت علی کی سیادت مسلم ہے۔ جو مدارج کرم حضور اکرمؐ کو نصیب ہوئے۔ انھیں سے ملتے جُلتے حضرت علی کو بھی ملے سیادت جس طرح سرورِ کائنات کے لیے ذاتی ہے۔ اسی طرح حضرت علی کے لیے بھی ہے۔ حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ غدیر کے موقع پر خطبہ سے فراغت کے بعد جب امیر المومنین حضور اکرمؐ کے سامنے آئے تو آپ نے فرمایا "مرحبًا بسید المسلمین وامام المتقین"۔ اے مسلمانوں کے سردار اور اے پرہیز گاروں کے امام تمھیں جانشینی مُبارک ہو۔ اس ارشاد رسول پر اظہار خیال کرتے ہوئے علامہ

محمد ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل میں لکھا ہے کہ حضرت کی سیادت مسلمین اور امامت متقین جس طرح صفت ذاتی ہے ۔ خدا نے اپنا نفس قرار دے کر۔ رسولؐ نے اپنا نفس فرما کر علی کی شرف سیادت کو بام عروج پر پہنچا دیا ۔ کیونکہ جس طرح اصلیۂ نبویہ میں نفس نبوت مشارک ہے ۔ اسی طرح اصلیہ سیادت میں بھی نفس شریک ہے اس لیے حضور اکرم حضرت علی کو سید العرب ۔ سید المومنین ۔ سید المرسلین فرمایا کرتے تھے ۔ (مطالب السؤل ص۵۶-۵۷) ۔ اور حضرت فاطمہ کو سیدۃ النساء العالمین اور ان کے فرزندوں کو سید اشباب اہل الجنۃ کے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے معلوم ہونا چاہیئے کہ علی و فاطمہ کی باہمی مناکحت و مزاوجت نے صفت سیادت کو دائمی فروغ دے دیا ہے ۔ یعنی جو بنی فاطمہ ہیں ان کا درجہ اور ہے اور جو دیگر اولادِ علی ہیں جو بطن فاطمہ سے متولد نہیں ہوئے ۔ اُن کی حیثیت اور ہے ۔ کیونکہ بنی فاطمہ سلسلہ نسل نبوت کی ضمانت ہیں ۔

ماں کی وفات

آپ کی والدہ ماجدہ جناب فاطمہ بنت اسد نے سلسہ بعثت میں اظہار اسلام کیا ۔ آپ سلسہ ہجری میں شرف ہجرت سے مشرف ہوئیں ۔ سلسہ ہجری میں آپ نے اپنے نورِ نظر کو رسولؐ کی لخت جگر سے بیاہ دیا اور سلسہ ہجری میں انتقال فرما گئیں ۔ آپ کی وفات سے حضرت علی بے حد متاثر ہوئے اور آپ سے زیادہ رسولِ اکرمؐ کو رنج ہوا ۔ رسول کریمؐ حضرت علی کی والدہ کو اپنی ماں فرماتے تھے اور اکثر ان کے وہاں جاکر رہتے تھے ۔ انتقال کے بعد آپ نے قبر کھودنے میں خود حصہ لیا ۔ اپنی چادر اور اپنے کرتے کو شریک کفن کیا اور قبر میں لیٹ کر اُس کی کشادگی کا اندازہ کیا ۔ (کنز العمال جلد ۶ ص۷ فصول مہمہ ص۱۵ واصابہ جلد ۸ ص۱۹۰ ۔ ازالۃ الخفا جلد ۱ ص۲۱۵) ۔

آپ کے والدِ ماجد کا انتقال

آپ کے والد ماجد ابوالایمان حضرت ابوطالب ۵۳۵ء میں بمقام مکہ پیدا ہوئے ۔ اور وہیں پلے بڑھے ۔ آپ کی بنیاد دینِ فطرت پر تھی ۔ (امہات الامۃ ص۱۴۱) آپ نے حضرت علی کو ہدایت کی تھی کہ رسولؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا (تاریخ کامل جلد ۲ ص۲۶) آپ ہی کی ہدایت سے حضرت جعفر طیار نے حضور اکرمؐ کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کی تھی (اصابہ ج ۷ ص۱۱۳) عبدالمطلب کے انتقال کے وقت ۵۷۸ء میں جبکہ رسول کریمؐ کی عمر ۸ سال کی تھی آپ نے اُن کی پرورش اپنے ذمہ لے لی ۔ اور ۵۰ سال کی عمر تک محو خدمت رہے ۔ اسی عمر میں غالباً ۵۹۴ء میں آپ نے رسولِ کریمؐ کی شادی جناب خدیجہ کے ساتھ کردی اور خطبۂ نکاح خود پڑھا ۔ اسنی المطالب ص۳۴ طبع مصر ، تاریخ خمیس مواہب لدنیہ) آپ کا انتقال ۱۵ شوال سلسہ بعثت میں بعمر ۸۰ سال ہوا ۔ آپ کے انتقال سے حضرت علی کو بے انتہا رنج ہوا ، اور رسول اللہ بھی بے حد متاثر ہوئے ۔ آپ نے انتہائی تاثر کی وجہ سے اس سال کا نام عام الحزن رکھا ۔ ابوطالب کو اسلامی اصول پر دفن کیا گیا ۔ (تاریخ خمیس سیرت حلبیہ) ۔

حضرت علی کے جنگی کارنامے

علماء کا اتفاق ہے کہ علم اور شجاعت جمع نہیں ہو سکتے۔ لیکن حضرت علی کی ذات نے اسے واضح کر دیا کہ میدان علم اور میدان جنگ دونوں پر قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ انسان میں وہی صلاحیتیں ہوں جو قدرت کی طرف سے حضرت علی میں ودیعت کی گئی تھیں۔ ۲ سنہ ہجری سے لے کر عہد وفات پیغمبر اسلام تک نظر ڈالی جائے تو علی کے جنگی کارنامے اوراق تاریخ پر روشن نظر آئیں گے۔ جنگ اُحد ہو یا بدر۔ جنگ خندق ہو یا خیبر۔ جنگ حنین ہو یا کوئی معرکہ، ہر منزل میں، ہر موقع پر علی کی ذوالفقار چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ علی کے مقابلہ میں کوئی بہادر ٹکا ہی نہیں۔ آپ کی تلوار نے مرحب و عنتر حارث و عمرو بن عبدود جیسے بہادروں کو دم زدن میں فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ (جنگ کے واقعات گذر چکے ہیں)۔ باور کرنا چاہیئے کہ علی سے مقابلہ جس طرح انسان نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح آپ سے نبرد آزمائی جنوں کے بھی بس میں نہ تھی۔

جنگ بیر العلم

مناقب ابن آشوب جلد ۲ ص ۹۰ وکنز الواعظین مُلا صالح برغانی میں بحوالہ امام المحققین الحاج محمد تقی القزوینی بتوسل حضرت امام حسن عسکریؑ و ابو سعید خدری و حذیفہ یمانی مرقوم ہے کہ رسول خدا صلعم جنگ سکاسک سے واپسی میں ایک اجاڑ وادی سے گذرے۔ آپ نے پوچھا یہ کونسا مقام ہے۔ عمرو بن امیہ ضمری نے کہا اسے وادیٔ کثیب ارزق" کہتے ہیں۔ اس جگہ ایک کنواں ہے جس میں وہ جن رہتے ہیں جن پر جناب سلیمانؑ کو قابو نہیں حاصل ہو سکا ادھر سے تبع یمانی گذرا تھا۔ اُس کے دس ہزار سپاہی انھیں جنوں نے مار ڈالے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر ایسا ہے تو پھر یہیں ٹھہر جاؤ۔ قافلہ ٹھہرا۔ آپ نے فرمایا کہ دس آدمی جا کر جنوں کے کنوئیں سے پانی لائیں۔ جب یہ لوگ کنوئیں کے قریب پہنچے تو ایک زبردست عفریت برآمد ہوا۔ اور اس نے ایک زبردست آواز دی۔ سارا جنگل آگ کا بن گیا۔ دھرتی کانپنے لگی۔ سب صحابی بھاگ نکلے لیکن ابوالعاص صحابی پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر میں جل کر راکھ ہو گئے۔ اتنے میں جبرئیل نازل ہوئے اور انھوں نے سرور کائناتؐ سے کہا کہ کسی اور کو بھیجنے کے بجائے آپ "علمؑ دے کر علی ابن ابی طالب کو بھیجیے۔ علی روانہ ہوئے۔ رسول صلعم نے دست دعا بلند کیا۔ علی پہنچے، عفریت برآمد ہوا اور بڑے غصہ میں رجز پڑھنے لگا۔ آپ نے فرمایا میں علی ابن ابی طالب ہوں۔ میرا شیوہ، میرا عمل سرکشوں کی سرکوبی ہے۔ یہ سُن کر آپ پر اس نے زبردست کرتبی حملہ کیا۔ آپ نے وار خالی دے کر اُسے ذوالفقار سے دو ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کے بعد آگ کے شعلے اور دھوئیں کے طوفان کنوئیں سے برآمد ہوئے اور زبردست شور مچا اور بے شمار ڈراؤنی شکلیں سامنے آگئیں علی نے برداً وسلاماً کہا اور چند آیتیں پڑھیں۔ آگ بجھنے لگی، دُھواں ہوا ہونے لگا۔ حضرت علی کنوئیں کی جگت پر چڑھ گئے

اور ڈول ڈال دیا۔ کنوئیں سے ڈول باہر پھینک دیا گیا۔ حضرت علی نے رجز پڑھا اور کہا کہ مقابلہ کے لیے آ جاؤ۔ یہ سُن کر ایک عفریت برآمد ہوا، آپ نے اُسے قتل کیا۔ پھر کنوئیں میں ڈول ڈالا وہ بھی باہر پھینک دیا گیا۔ غرضکہ اسی طرح تین بار ہوا۔ بالآخر آپ نے اصحاب سے کہا کہ میں کمر میں رسّی باندھ کر کنوئیں میں اُترتا ہوں تم رسّی پکڑے رہو۔ اصحاب نے رسّی پکڑ لی اور علی کنوئیں میں اُترے۔ تھوڑی دیر بعد رسّی کٹ گئی اور علی و اصحاب کے مابین رشتہ منقطع ہوگیا۔ اصحاب سخت پریشان ہوئے اور گریہ کرنے لگے۔ اتنے میں کنوئیں سے چیخ و پکار کی آواز آنے لگی۔ اس کے بعد یہ صدا آئی اِعطنا الامان لے علی ہمیں پناہ دو۔ آپ نے فرمایا کہ قطع و برید اور ضرب شدید کلمہ پر موقوف ہے۔ کلمہ پڑھو امان لو۔ غرضکہ کلمہ پڑھا گیا۔ اس کے بعد رسّی ڈالی گئی اور امیر المومنین ۲۰ ہزار جنّوں کو قتل کرکے ۲۴ ہزار قبائل کو مسلمان بنا کر کنوئیں سے برآمد ہوئے۔ اصحاب نے مسرت کا اظہار کیا اور سب کے سب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم نے علی کو سینے سے لگایا۔ اُن کی پیشانی کا بوسہ دیا۔ اور مبارک باد سے ہمت افزائی فرمائی۔ پھر ایک رات قیام کے بعد مدینہ کو روانگی ہوئی۔ (ومعۃ کبریٰ ص۱۷۶ طبع ایران وشواہد النبوت علامہ جامی رکن ۶ ص۱۶۵ طبع لکھنؤ ۱۹۲۰ء)۔

اسلام پر علیؑ کے احسانات

اسلام پر علیؑ کے احسانات کی فہرست اتنی مختصر نہیں ہے کہ ہم اسے اس مختصر مجموعہ حالات میں لکھ سکیں، تاہم "مشتے از خروارے" لکھے دیتے ہیں۔ (۱) دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر جس جگہ رسول اکرم کو تقریر کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ آپ نے ایسی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا کہ پیغمبر اسلامؐ کامیاب ہو گئے۔ اور آپ نے اسلام کا ڈنکا بجا دیا۔ (۲) شب ہجرت فرش رسول پر سو کر اسلام کی قسمت بیدار کر دی اور جان جوکھم میں ڈال کر غار میں تین یوم کھانا پہنچایا۔ (۳) جنگ بدر میں جب کہ مسلمان صرف ۳۱۳ اور کفار بے شمار تھے۔ آپ نے کمال جرأت و ہمت سے کامیابی حاصل کی (۴) جنگ اُحد میں جب کہ مسلمان سرور عالمؐ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس وقت آپ ہی نے رسول اکرمؐ کی جان بچائی اور اسلام کی عزت محفوظ کر لی تھی۔ (۵) کفار جن کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ عمرو بن عبدوُد جیسے بہادر کو لے کر میدان میں آپہنچے اور اسلام کو چیلنج کر دیا۔ پیغمبر اسلامؐ پریشان تھے۔ اور مسلمانوں کو بار بار اُبھار رہے تھے کہ مقابلہ کے لیے نکلیں لیکن علی کے سوا کسی نے ہمت نہ کی۔ بالآخر رسول اللہؐ کو کہنا پڑا کہ آج علی کی ایک ضربت عبادت ثقلین سے بہتر ہے (۶) اسی طرح خیبر میں کامیابی حاصل کرکے آپ نے اسلام پر احسان فرمایا (۷) میرے خیال کے مطابق حضرت علیؑ کا اسلام پر سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ وفات رسول کے بعد روح فرسا واقعات اور جان لیوا حالات کے باوجود آپ نے تلوار نہیں اُٹھائی ورنہ اسلام منزل اول پر ہی ختم ہو جاتا۔

دُنیا حضرت علی کی نگاہ میں

یہ ایک مُسلّمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام دُنیا اور اموردُنیا سے حددرجہ بیزار تھے۔ آپ نے دُنیا کو مخاطب کر کے بارہا کہا ہے کہ " اے دنیا " غرّی غیری " جا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے میں نے تجھے طلاق بائن دے دی ہے۔ جس کے بعد رجُوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت علیؑ نے جابر ابن عبداللہ انصاری کو لمبی لمبی سانس لیتے ہوئے دیکھا تو پوچھا اے جابر کیا یہ تمھاری ٹھنڈی سانس دُنیا کے لیے ہے۔ عرض کی مولا ہے تو ایسا ہی آپ نے فرمایا۔ جابر سُنو! ۔ اِنسان کی زندگی کا دارو مدار سات چیزوں پر ہے اور یہی سات چیزیں وہ ہیں جن پر لذتوں کا خاتمہ ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے (۱) کھانے والی چیزیں (۲) پینے والی چیزیں (۳) پہننے والی چیزیں (۴) لذتِ نکاح والی چیزیں (۵) سواری والی چیزیں (۶) سونگھنے والی چیزیں (۷) سننے والی چیزیں۔ اے جابر اب ان کی حقیقتوں پر غور کرو۔ کھانے میں بہترین چیز شہد ہے۔ یہ مکھی کا لعابِ دہن ہے۔ اور بہترین پینے کی چیز پانی ہے۔ یہ زمین پر مارا مارا پھرتا ہے بہترین پہننے کی چیز دیباج ہے یہ کیڑے کا لعاب ہے اور بہترین منکوحات عورت ہے جس کی حد یہ ہے کہ پیشاب کا مقام پیشاب کے مقام میں ہوتا ہے۔ دُنیا اِس کی جس چیز کو اچھی نگاہ سے دیکھتی ہے وہ وہی ہے جو اس کے جسم میں سب سے گندی ہے۔ اور بہترین سواری کی چیز گھوڑا ہے جو قتل و قتال کا مرکز ہے اور بہترین سونگھنے کی چیز مشک ہے جو ایک جانور کے ناف کا سُوکھا ہوا خوُن ہے۔ اور بہترین سننے کی چیز غنا (گانا) ہے جو انتہائی گناہ ہے۔ اے جابر ایسی چیزوں کے لیے عاقل کیوں ٹھنڈی سانس لے۔ جابر کہتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد سے میں نے کبھی دُنیا کا خیال تک نہیں کیا۔ (مطالب السؤل ص۱۹۱)

کسبِ حلال کی جدوجہد

آپ کے نزدیک کسبِ حلال بہترین صفت تھی جس پر آپ خود بھی عمل پیرا تھے۔ آپ روزی کمانے کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور مزدوری کو نہایت اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ محدث دہلوی کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک دفعہ کنوئیں سے پانی کھینچنے کی مزدوری کی اور اُجرت کے لیے فی ڈول ایک خرمہ کا فیصلہ ہوا، آپ نے ۱۶ ڈول پانی کے کھینچے اور اُجرت لے کر سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دونوں نے مل کر تناول فرمایا۔ اِسی طرح آپ نے مٹی کھودنے اور باغ میں پانی دینے کی بھی مزدوری کی ہے۔ علامہ محب طبری کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ نے باغ سینچنے کی مزدوری کی اور رات بھر پانی دینے کے لیے جَو کی ایک مقدار طے ہوئی۔ آپ نے حسبِ فیصلہ ساری رات پانی دے کر صبح کی اور جَو حاصل کر کے آپ گھر تشریف لائے۔ جَو فاطمہ زہرا کے حوالہ کیا۔ اُنھوں نے اس کے تین حصّے کر ڈالے اور تین دن کے لیے علیحدہ علیحدہ رکھ لیا۔ اس کے بعد ثلث حصّہ کو پیس کر شام کے وقت

روٹیاں پکائیں ۔ اتنے میں ایک یتیم آگیا ۔ اور اس نے مانگ لی ۔ پھر دوسرے دن ثلث کی روٹیاں تیار کی گئیں مسکین نے سوال کیا اور سب روٹیاں لے گیا ۔ پھر تیسرے دن روٹیاں تیار ہوئیں ۔ فقیر نے آواز دی اور لے گیا ۔ یہ سب کے سب تینوں دن بھوکے ہی رہے ۔ اس کے انعام میں خدا نے سورہ ھل آتی نازل فرمایا ۔ (ریاض النضرۃ جلد ۲ ص ۲۲۷) بعض روایات میں نزول ھل اتی کے متعلق ۔ اس کے علاوہ دوسرے انداز کا واقعہ مرقوم ہے ۔

حضرت علیؑ اخلاق کے میدان میں

آپ نہایت خوش اخلاق تھے ۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ روشن رو اور کشادہ پیشانی رہا کرتے تھے ۔ یتیم نواز تھے ۔ فقیروں میں بیٹھ کر خوشی محسوس کرتے تھے ۔ مومنوں میں اپنے کو حقیر اور دشمنوں میں اپنے کو بارعب رکھتے تھے ۔ مہمانوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے ۔ کار خیر میں سبقت کرتے تھے ۔ جنگ میں دوڑ کر شامل ہوتے تھے ۔ ہر مستحق کی امداد فرماتے تھے ۔ ہر کافر کے قتل پر تکبیر کہتے تھے ۔ جنگ میں آپ کی آنکھیں خون کی مانند ہوتی تھیں ۔ عبادت خانہ میں انتہائی خضوع اور خشوع کی وجہ سے بے حس معلوم ہوتے تھے ۔ ہر رات کو وہ ہزار رکعت نوافل ادا کرتے تھے ۔ اپنے عیال واطفال کو امور خانہ داری میں مدد دیتے تھے ۔ ضروریات خانگی بازار سے خود خرید کر لاتے تھے ۔ اپنے لباس کو بدست خود پیوند لگاتے تھے ، اپنی نیز رسول کریم کی جوتی خود ٹانکتے تھے ۔ ہر روز دنیا کو تین طلاق دیتے تھے ۔ وہ غلام اپنی مزدوری سے خرید کر آزاد کرتے تھے ۔ (جنات الخلود) کتاب ارجح المطالب ص ۲۰۱ میں ہے کہ حضرت علی حضور اکرم کی طرح کشادہ رو ہنسنے والے اور خوش طبع تھے اور مزاح بھی فرمایا کرتے تھے

حضرتِ علیؑ خلّاقِ عالم کی نظر میں

(۱) خلاقِ عالم نے خلقت کائنات سے قبل نورِ علوی کو نورِ نبوی کے ساتھ پیدا کیا (۲) پھر مسجودِ ملائکہ قرار دیا (۳) پھر جبرئیلؑ کا اُستاد بنایا ۔ (۴) پھر انبیاء کے ساتھ اپنی طرف سے مددگار بنا کر بھیجا ۔ (حدیث قدسی ومدینۃ المعاجز ص ۱۹ طبع ایران (۵) اپنے مخصوص گھر خانہ کعبہ میں علی کو پیدا کیا (۶) عصمت سے بہرہ ور فرمایا (۷) آپ کی محبت دنیا والوں پر واجب قرار دی (۸) رسول اکرم کا خود جانشین بنایا (۹) معراج میں اپنے حبیب سے انہی کے لہجہ میں کلام کیا ۔ (۱۰) ہر اسلامی جنگ میں ان کی مدد کی ۔ (۱۱) آسمان سے علیؑ کے لیے ذوالفقار نازل فرمائی (۱۲) علی کو اپنا نفس قرار دیا (۱۳) علم لدنی سے ممتاز کیا ۔ (۱۴) فاطمہ کے ساتھ عقد کا خود حکم دیا (۱۵) مبلغ سورہ برات بنایا (۱۶) مدح علی میں کثیر آیات نازل فرمائیں (۱۷) علی کو انتہائی صبر و ضبط دے کر رسول کے بعد فوری تلوار اٹھانے سے روکا (۱۸) ان کی نسل میں قیامت تک کیلئے امامت قرار دی (۱۹) قسیم النار والجنۃ بنایا (۲۰) لواء الحمد کا مالک (۲۱) اور ساقی کوثر قرار دیا ۔

علی کی شان میں مشہور آیات

(۱) آیۂ تطہیر (۲) آیۂ صالح المومنین (۳) آیۂ ولایت (۴) آیۂ مباہلہ (۵) آیۂ نجویٰ (۶) آیۂ اذن واعیۃ۔ (۷) آیۂ اطعام (۸) آیۂ بلغ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "رُوح القرآن" مؤلفہ حقیر مطبوعہ لاہور۔

حضرت علیؑ رسُولِ خُداؐ کی نگاہ میں

(۱) فخرِ موجُودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے علی کے کعبہ میں پیدا ہوتے ہی مُنہ میں اپنی زبان دی (۲) علی کو اپنا لُعابِ دہن چُوسایا (۳) پرورش و پرداخت خود کی (۴) دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر جبکہ علی کی عمر ۱۰ یا ۱۴ سال کی تھی۔ اپنا وصی، جانشین اور خلیفہ بنایا۔ (۵) دامادی کا شرف بخشا (۶) بُت شکنی کے وقت علی کو اپنے کندھوں پر سوار کیا۔ (۷) جنگ خندق میں آپ کے کُل ایمان ہونے کی تصدیق کی۔ (۸) علم وحکمت سے بہرہ ور کیا (۹) امیرالمومنین کا خطاب دیا۔ (۱۰) آپ کی محبت ایمان اور آپ کا بغض کفر قرار دیا۔ (۱۱) علی کو اپنا نفس قرار دیا۔ (۱۲) شب ہجرت آپ نے اپنے بستر پر جگہ دی (۱۳) آپ پر بھروسہ کر کے فرمایا کہ امانت وغیرہ تم ادا کرنا۔ (۱۴) علی کو مخصوص قرار دیا کہ وہ غار میں کھانا پہنچائیں (۱۵) ۱۸ ذی الحجہ کو آپ کی خلافت کا ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب کے مجمع میں بمقام غدیر خم اعلان فرمایا (۱۶) وفات کے قریب جانشینی کی دستاویز لکھنے کی سعی کی (۱۷) آپ کی مدح وثنا میں بے شمار احادیث فرمائیں (۱۸) آپ کو حکم دیا کہ میرے بعد فوری جنگ نہ کرنا۔ (۱۹) موقع ہاتھ آنے پر منافقوں سے جنگ کرنا تاکہ حکمِ خدا جاھد الکفار والمنافقین کی تکمیل ہو سکے جو کہ میرے لیے ہے۔

علیؑ کی شان میں مشہور احادیث

(۱) حدیث مدینہ (۲) حدیث سفینہ (۳) حدیث نُور (۴) حدیث منزلت (۵) حدیث خیبر (۶) حدیث خندق (۷) حدیث طیر (۸) حدیث ثقلین (۹) حدیثِ غدیر ... تفصیل کے لیے عبقات الانوار مُلاحظہ ہو۔

نقشِ خاتمِ رسولؐ اور علی ولی اللہ

امام المحدثین علامہ محمد باقر مجلسی، علامہ محمد باقر نجفی علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت رسُولِ کریمؐ نے حضرت علیؑ کو ایک نگینہ دے کر مُہر کن کے پاس جو انگشتریوں کے نگینوں پر کندہ کرتا تھا بھیجا اور فرمایا کہ اس پر "محمد بن عبداللہ" کندہ کرا لاؤ۔ حضرت علیؑ نے اسے کندہ کرنے والے کو دے کر ارشادِ رسول کے مُطابق ہدایت کر دی۔ امیرالمومنین جب شام کے وقت اسے لانے کے لیے گئے تو اس پر "محمد بن عبداللہ" کے بجائے "محمدؐ رسُول اللہ" کندہ تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے جو عبارت

بتائی تھی تم نے وہ کیوں کندہ نہیں کی ۔ کندہ کنندہ نے عرض کی مولا، آپ اسے حضور کے پاس لے جائیے پھر وہ جیسا ارشاد فرمائیں گے، ویسا کیا جائے گا ۔حضرت نے اسے قبول فرمالیا، رات گزری صبح کے وقت وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ اس پر محمد رسول اللہ کے نیچے علی ولی اللہ کندہ ہے ۔آپ اس پر غور فرمارہے تھے کہ جبرئیلؑ امین نے حاضر ہو کر عرض کی " حضور فرمایا گیا ہے کہ کتبت ما اردتنا وکتبنا ما اردنا " اے نبی جو تم نے چاہا تم نے لکھوایا، جو میں نے چاہا میں نے لکھوا دیا ۔تمھیں اس میں تردد کیا ہے ؟ (بحار الانوار، دمعہ ساکبہ ۔ سفینۃ البحار ج ا ص۳۷۶ طبع نجف اشرف)

نیابتِ رسولؐ

ہر عقل سلیم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ منیب و مناب میں توافق ہونا چاہیے یعنی جو صفات نائب بنانے والے میں ہوں اسی قسم کی صفتیں نائب بننے والے میں بھی ہونی چاہیئے ۔ اگر نائب بنانے والا نور سے پیدا ہو تو جانشین کو بھی نوری ہونا چاہیئے ۔ اگر وہ معصوم ہو تو . . . اسے بھی معصوم ہونا چاہیئے ۔ اگر اُسے خدا نے بنایا ہو تو اسے بھی بحکم خدا ہی بنایا گیا ہو ۔حضرت علی چونکہ حضرت محمد مصطفٰے کے جانشین تھے لہٰذا ان میں نبوی صفات کا ہونا ضروری تھا ۔یہی وجہ ہے کہ جن صفات کے حامل سرور کائناتؐ تھے انھیں صفات سے حضرت علیؑ بھی بہرہ ور تھے ۔

جانشین بنانے کا حق صرف خدا کو ہے

قرآن مجید کے پارہ ۲۰ رکوع ۷ میں بصراحت موجود ہے کہ خلیفہ اور جانشین بنانے کا حق صرف خداوند کریم کو ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اس نے تمام انبیاء کا تقرر خود کیا اور ان کے جانشین کو خود مقرر کرایا ۔ اپنے کسی نبی تک کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ بطور خود اپنا جانشین مقرر کر دے ۔چہ جائیکہ امت کو اختیار دیتا کہ اجماع سے کام لے کر منصب الٰہیہ پر کسی کو فائز کر دے اور یہ ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ تمام اُمت خطا کار ہے اور خطا کاروں کا اجماع نہ صواب بن سکتا ہے اور نہ خاطیوں کا مجموعہ معصوم ہو سکتا ہے ۔ اور جانشین رسول کا معصوم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ رسول معصوم تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے رسولِ کریمؐ کا جانشین حضرت علی اور ان کی گیارہ اولاد کو مقرر فرمایا ۔(ینابیع المودۃ ص۹۳) جس کا سنگِ بنیاد دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر رکھا اور آیت ولایت اور واقعہ تبوک (صحیح مسلم ج ۲ ص۲۷۲) سے استحکام پیدا کیا پھر " اذا فرغت فانصب " سے حکم کے نفاذ کا فرمان جاری فرمایا اور آیۂ بلغ کے ذریعے سے اعلانِ عام کا حکم نافذ فرمایا ۔چنانچہ رسول کریمؐ نے بیوم جمعہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو بمقام غدیر خم ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب کی موجودگی میں حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان عام فرمایا ۔ روضۃ الصفا ج ۲ ص۲۱۵ میں ہے کہ مجمع کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیے جو اعلان

ہوا تھا۔ وہ "حیّ علیٰ خیر العمل"۔ کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ کتب تواریخ و احادیث میں موجود ہے کہ اس اعلان پر حضرت عمر نے بھی مبارکباد ادا کی تھی جس کی تفصیل باب ملا میں گذری۔

۱۸ ذی الحجہ

علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے اس تاریخ کو یوم عید قرار دیا ہے رئیس العلماء حضرت علامہ بہاؤالدین عاملی تحریر فرماتے ہیں کہ سرور عالم کی ولادت سے ۴ سال بعد ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو حضرت علیؑ کی جانشینی عمل میں آئی اور آپ کے امام الانس والجن ہونے کا اعلان کیا گیا۔ اور اسی تاریخ سنہ ۳۵ ہجری میں عثمان قتل ہوئے اور حضرت علی کی بیعت کی گئی اسی تاریخ حضرت موسیٰؑ ساحروں پر غالب آئے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے نجات ملی اور اسی تاریخ کو حضرت موسیٰؑ نے جناب یوشع ابن نون کو حضرت سلیمانؑ نے جناب آصف ابن برخیا کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اسی تاریخ کو تمام انبیاء نے اپنے جانشین مقرر فرمائے ہیں۔ الخ (جامع عباسی باب دوازدہ دہابی ص ۵۸ طبع دہلی ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ء و اختیارات مجلسی رحمۃ اللہ)

دستاویز خلافت

سرور کائنات علیہ السلام نے ابتدائے اسلام سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک حضرت علی کی جانشینی کا بار بار مختلف انداز و عنوان سے اعلان کرنے کے بعد بوقت وفات یہ چاہا کہ اسے دستاویزی شکل دے دیں۔ لیکن حضرت عمر نے بنی بنائی اسکیم کے ماتحت رسول کریمؐ کو کامیاب ہونے نہ دیا۔ اور ان کے آخری فرمان (قلم و دوات کی طلبی) کو بکواس اور ہذیان سے تعبیر کر کے انھیں مایوس کر دیا۔ جس کے متعلق آپ کا خود بیان ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے اپنے مرض الموت میں حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جانا چاہا "تاکہ علی کے نام کی صراحت کر دیں۔ تو خدا کی قسم میں نے آنحضرتؐ کو منع کر دیا۔ اور آنحضرت علی کے نام کو تحریراً ظاہر نہ کر سکے۔ (تاریخ بغداد و شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۵۱ طبع طہران)۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے اپنی وفات سے قبل اصحاب سے کہا کہ مجھے قلم دوات کاغذ دے دو" لازیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق بعدی قال عمر دعو الرجل فانہ لیھجر"۔ تاکہ میں تمہارے لیے امارت و خلافت کی مشکلات کو تحریراً دور کر دوں اور بتا دوں کہ میرے بعد امارت و خلافت کا کون مستحق ہے۔ مگر حضرت عمر نے اس وقت یہ کہہ دیا کہ اس مرد کو چھوڑ دو" یہ ہذیان بک رہا ہے اور بکواس کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو (سر العالمین طبع بمبئی ص ۹ سطر ۱۵ کتاب الشفاء قاضی عیاض طبع بریلی ص ۳۰۸ و نسیم الریاض شرح شفاء، شرح مشکوٰۃ محدث دہلوی و مدارج النبوت، حبیب السیر ج ۱ ص ۱۴۴۔ روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۵۵۹، بخاری جلد ۶ ص ۶۵۴، الفاروق ۲ ص ۴۸)

خلیفہ کا تقرر اور تواریخ فرنگ

مورخین اسلام کے علاوہ مورخین فرنگ نے بھی حضرت علی کے استحقاق خلافت اور نمایاں طور پر خلیفہ مقرر کئے

جانے پر مکمل روشنی ڈالی ہے ہم اس موقع پر مسٹر ڈیون پورٹ کی تحریر کا ترجمہ پیش کرتے ہیں کہ "ان دونوں فرقوں سنّی اور شیعہ میں سے ایک نے محمدؐ کے چچا زاد بھائی اور داماد علی سے جیسا کہ مقتضائے انصاف و حمیت ہے تولا رکھا۔ کیونکہ آنحضرت علانیہ طور پر ان سے محبت و الفت رکھتے تھے اور کئی بار اُن کو اپنا خلیفہ بھی ظاہر کیا تھا۔ خصوصاً دو مواقع پر ایک جب آنحضرتؐ نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علی نے باوصف تمسخر و توہین کفار اپنا ایمان ظاہر کیا۔ حضرت نے اپنی بانہیں اُس جوان کے گلے میں ڈال کر چھاتی سے لگایا اور باآواز بلند کہا دیکھو میرے بھائی میرے وصی اور میرے خلیفہ کو دوسرے جب آنحضرت نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا بحکم خدا جس کو جبرئیلؑ آنحضرت کے پاس لائے تھے۔ اور یوں کہا تھا کہ اے پیغمبر میں خدا کی طرف سے آپ پر صلوات و رحمت لایا ہوں۔ اور اس کا حکم آپ کے پیروؤں کے نام جس کو آپ بغیر تاخیر کے سُنا دیجئے، اور شریروں سے کوئی خوف نہ کیجئے خدا آپ کو ان کے شر سے بچائے گا۔ خدا کے حکم کے مطابق آنحضرتؐ نے اُنس سے کہا کہ لوگوں کو جمع کریں۔ جس میں آنحضرتؐ کے پیرو اور یہودی و نصرانی اور مختلف باشندے بھی حاضر ہوں یہ جمعیت ایک گاؤں کے پاس جمع ہوئی جسے غدیر خم کہتے ہیں جو نواح شہر جحفہ میں مکّہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ پہلے اس مقام کو صاف کیا گیا اور ۲۰ اپریل ۶۳۲ء کو آنحضرت ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کے لیے نصب کیا گیا تھا اور جب کہ حاضرین نہایت توجہ سے سُنتے تھے۔ ایک خطبہ حضرت نے بڑی شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت سے پڑھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔" تمام حمد و ثنا اس خدائے یکتا کے لیے ہے جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اس کا علم ماضی حال اور مستقبل کو شامل ہے اور اس کو انسانوں کے کل پوشیدہ اسرار معلوم ہیں کیونکہ اِس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وہ بے انتہا بعید اور بالکل قریب ہے۔ وہی وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزوں کو خلق کیا وہ غیر فانی ہے اور جو کچھ ہے سب اس کی قدرت اور اُس کے اختیار کے تابع ہے۔ اس کی رحمت اور اس کا فضل سب کے شامل حال ہے۔ وہ جو کرتا ہے مصلحت سے کرتا ہے وہ نزول عذاب میں تامل متوں کرتا ہے۔ اس کا سزا دینا رحمت سے خالی نہیں ہے۔ اس کی ذات کا بھید ممکنات کو معلوم نہیں ہوسکتا۔ آفتاب و ماہتاب اور باقی اجرام سماوی اسی کے علم سے اپنی راہ پر جو اسی نے مقرر کر دی ہے چلتے ہیں۔ بعد حمد خدا، واضح ہو کہ میں خدا کا صرف ایک بندہ ہوں۔ مجھے خدا کا حکم ہوا ہے اور میں اس کی تعمیل میں سر نیاز بکمال ادب و خضوع جھکاتا ہوں۔ سنو! تین بار جبرئیلؑ میرے پاس آ چکے ہیں اور تینوں دفعہ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے تمام پیروؤں سے خواہ وہ گورے ہوں یا کالے یہ ظاہر کر دوں کہ علی میرے خلیفہ اور میرے وصی اور تمام اُمت کے امام ہیں اور میرے گوشت و پوست ہیں اور میرے ایسے ہیں جیسے موسیٰ کے ہارون تھے اور میری وفات کے بعد وہی تمہاری ہدایت

کریں گے۔ اور ہادی ہوں گے۔ جب میں اِس دنیا سے رحلت کر جاؤں تو میرے پیروؤں کو ان کی فرمانبرداری ایسی کرنی چاہیے جیسے اطاعت میری کرتے تھے۔ جب کہ میں تم میں موجود تھا۔ سنو جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے درحقیقت خدا و رسولؐ کی نافرمانی کی، اے دوستو! یہ خدا کے احکام ہیں۔ سب وحیاں جو وقتاً فوقتاً مجھ پر آئی ہیں علی نے مجھ سے سیکھ لی ہیں جو اس کا حکم نہ مانے گا اور علی کا حکم بجا نہ لائے گا اللہ کی دائمی لعنت اُس کے سر پر ضرور رہے گی۔ خدا نے قرآن کی ہر سورت میں علی کی تعریف کی ہے میں دوبارہ کہتا ہوں کہ علی میرے چچا زاد بھائی اور میرے گوشت اور خون ہیں اور خدا نے ان کو نہایت نادر خوبیاں عطا کی ہیں۔ علی کے بعد ان کے بیٹے حسن اور حسین اُن کے جانشین ہوں گے۔

اس خطبہ کے تمام ہونے پر ابوبکر۔ عمر۔ عثمان، ابوسفیان اور دوسرے لوگوں نے علی کے ہاتھ چومے اور اُن کو رسول کے خلیفہ مقرر ہونے کی مبارک باد دی اور اقرار کیا کہ ان کے کل احکام کو سچے طور پر بجا لائیں گے۔ ۶۲۲ء میں صرف تین دن قبل اپنے انتقال سے آنحضرت نے پھر اپنے تابعین کو ... ان عقیدوں کی مزید تاکید کر دی۔ اور اس بات پر زور دیا کہ آپ کی آل سے خصوصیت کے ساتھ محبت رکھیں اور ان کی عزت و توقیر کریں۔ آپ نے بڑے شد و مد سے یوں فرمایا کہ جو مجھ کو مولا مانتا ہو وہ علی کو بھی اپنا مولا سمجھے، اللہ تائید کرے اس کی جو دوستی رکھے علی سے اور غضبناک ہو اُس پر جو ان کا دشمن ہو۔ ایسے مکرر اور مُصرّح بیانات سے جو خود رسول کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔ ایک وقت تک تو امر خلافت سے شک شبہ بالکل دُور رہا۔ مگر آخر میں سب کو مایوسی ہوگئی کیونکہ ابوبکر کی بیٹی اور آنحضرتؐ کی دوسری زوجہ عائشہ نے ساز باز کر کے اپنے باپ کو پہلا خلیفہ لوگوں سے مقرر کرا لیا۔ ملک الموت کے انتظار میں آنحضرتؐ کا عائشہ کے حجرے میں جانا خواہ آپ کی مرضی سے ہوا ہو یا بی بی عائشہ کے حکم سے خاص کر ان کے مفید مطلب بات ہوگئی کہ آنحضرتؐ کا حکم دوبارہ خلافت علی لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔ پس علی العموم یہ سمجھا گیا کہ رسولؐ نے بغیر اپنے خلیفہ کے متعلق آخری وصیت کئے ہوئے انتقال کیا اور اس طرح یہ بات ہوئی کہ تینوں خلیفوں نے راج کیا قبل اس کے کہ علی اپنے حق کو پہنچیں جس کا وہ مکمل استحقاق رکھتے تھے، نہ صرف بلحاظ قرابت و زوجیت، فاطمہ دختر رسول بلکہ بلحاظ اُن بے شمار اور بڑی خدمتوں کے جو انھوں نے اسلام کی کیں ہو سکتا ہے کہ بی بی عائشہ نے اپنے باپ کی لڑکی ہونے کی وجہ سے ان کی یہ خدمت کی ہو کہ انھیں خلیفہ بنا دیا ہو۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ عائشہ کو علی کی طرف سے پُرانا بغض و کینہ تھا جو واقعہ افک کے موقع پر پیدا ہو گیا تھا ... کیونکہ اس موقع پر علی نے یہ رائے پیش کی تھی کہ بی بی عائشہ کی تحقیقات کرائی جائے۔ بی بی عائشہ اس چیز کو کبھی نہ بھولیں اور انھوں نے درگذر نہیں کیا بلکہ علی کو ستایا۔ اور ایسا انتقام لیا۔ جو اسلام میں اپنی آپ نظیر ہے (کتاب خلافت منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۵)۔

آنریبل مسٹر تا ئیلر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ محمدؐ نے خود اپنے داماد علی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا تھا۔ لیکن آپؐ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنی سازش میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔ (ملاحظہ ہو ایلیمنٹس آف جنرل ہسٹری صـ۲۴۹ طبع سنہ ۱۸۵۵ء) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں یہ ہے کہ "رسولؐ کے بعد اسلام کی سرداری کا دعویٰ علی کو زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا۔ مسٹر ڈیون نے لکھا ہے کہ اگر قرابت کی وجہ سے تخت نشینی کا اصول علی کے موافق مانا جاتا تو وہ بربادکن جھگڑے پیدا ہی نہ ہوتے جنھوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا۔ (اسپرٹ آف اسلام مسٹر سڈیو از تاریخ اسلام جلد ۳ صـ۲۰)

حضرت علیؑ کے فضائل

امیرالمومنین حضرت علی کے فضائل کا قلمبند کرنا طاقت بشریہ سے بالا ہے۔ خود سرور کائناتؐ نے اس کے محال ہونے پر نص فرما دی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ " اگر تمام دنیا کے دریا سیاہی بن جائیں اور درخت قلم ہو جائیں اور جن و انس لکھنے اور حساب کرنے والے ہوں۔ تب بھی علی ابن ابی طالب کے فضائل کا احصار نہیں کر سکتے۔ (کشف الغمہ صـ۵۳ وارجح المطالب) علماء اسلام نے بھی اکثریت فضائل کا اعتراف کیا ہے۔ اور اکثر نے احاطہ فضائل سے عاجزی ظاہر کی ہے۔ علامہ عبدالبر نے کتاب استیعاب جلد ۲ کے صفحہ ۴۷۸ پر تحریر فرمایا ہے فضائلہ لا یحیط بھا کتاب آپ کے فضائل کسی ایک کتاب میں جمع نہیں کیے جا سکتے علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ اور منح مکیہ میں لکھتے ہیں کہ مناقب علی وفضائلہ اکثر من ان تحصیٰ۔ حضرت علی کے مناقب و فضائل حد احصا سے باہر ہیں اور صواعق صـ۷۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ فضائل علی وھی کثیرۃ عظیمۃ مشائعۃ حتی قال احمد وماجاء لاحد من الفضائل ماجاء لعلی۔ بے شمار ہیں۔ بیش بہا ہیں اور مشہور ہیں۔ احمد ابن حنبل کا کہنا ہے کہ علی کے لیے جتنے فضائل و مناقب موجود ہیں کسی کے لیے نہیں ہیں۔ قاضی اسماعیل، امام نسائیؒ اور ابوعلی نیشاپوری کا کہنا ہے کہ کسی صحابی کی شان میں عمدہ سند وا ء کے ساتھ وہ فضائل وارد نہیں ہوئے جو حضرت علی کی شان میں وارد ہوئے ہیں۔ علامہ محمد ابن طلحہ شافعی تحریر فرماتے ہیں کہ علی کے جو فضائل ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ رسول اللہؐ نے آپ کو " ایۃ الھدیٰ" منار الایمان اور امام الاولیاء فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ علی کا دوست میرا دوست ہے اور علی کا دشمن میرا دشمن ہے (مطالب السؤل صـ۵۰) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں " یاایھا الذین اٰمنوا" آیا ہے۔ وہاں ایمان داروں سے مراد لیے جانے والوں میں علی کا درجہ سب سے پہلا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اصحاب کی مذمت آئی ہے۔ لیکن حضرت علی کے لیے جب بھی ذکر آیا ہے خیر کے ساتھ آیا ہے اور علی کی شان میں قرآن مجید کی تین سو آیتیں نازل ہوئیں۔ (صواعق محرقہ صـ۷۶ طبع مصر) یہی وجہ ہے کہ

امام الانس والجن حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ اس امت میں سے کسی ایک کا بھی قیاس اور مقابلہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں کیا جا سکتا اور ان لوگوں کی برابری جن کو . . . برابر نعمتیں دی گئیں ان افراد سے نہیں کی جا سکتی جو نعمت دینے والے تھے اور نعمتیں دیتے رہے۔ آلِ رسول دین کی نیو اور یقین کے کھمبے ہیں۔ (سلسبیل فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ ص۲۷) بے شک حضور ولایت کا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ آلِ محمدؐ کی برابری نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ حضور رسول کریمؐ نے نص فرما دی ہے کہ میری آل میرے علاوہ ساری کائنات سے بہتر اور افضل ہے اور حدیث کفو فاطمہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ آلِ رسول کا درجہ انبیاء سے بالاتر ہے۔ ان ہی حضرات کی محبت کا حکم خداوند عالم نے قرآن مجید میں دیا ہے اور ان کی محبت سے سوال کیا جانا مسلّم ہے۔ ان کے لیے دنیا کی مسجدیں اپنے گھر کے مانند ہیں۔ (درمنشور و مطالب السوٴل ص۵۹) اہل بیت میں حضرت علی کا پہلا درجہ ہے، اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جو فضیلت علی کی ہے۔ اس میں تمام آئمہ مشترک ہیں۔ آپ کو خدا نے قسیم النار والجنۃ بنایا ہے۔ (صواعق محرقہ ص۷۵) آپ کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے اور آپ کا ذکر کرنا عبادت ہے (نور الابصار ینابیع ص۹۰ وصواعق محرقہ ص۷۳) آپ کے حکم کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا۔ علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی شخص بھی صراط پر سے گذر کر جنت میں جا نہ سکے گا جب تک علی کا دیا ہوا پروانہ جنت اس کے پاس نہ ہوگا۔ (صواعق محرقہ ص۷۵ طبع مصر) آپ کو حق کے ساتھ اور حق کو آپ کے ساتھ ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ آپ کو رسولِ اکرمؐ نے بموقعہ مواخات اپنا بھائی قرار دیا ہے۔ آپ کے لیے دو بار آفتاب پلٹا شواہد النبوت ص۸۵ میں ہے کہ جنگِ خیبر کے سلسلہ میں بمقام صہبا جب وحی کا نزول ہونے لگا اور سر رسول علی کے زانو پر تھا اور آفتاب غروب کر گیا تھا۔ اس وقت آپؐ نے علی کو حکم دیا کہ آفتاب کو پلٹا کر نماز ادا کریں چنانچہ آفتاب غروب ہونے کے بعد پلٹا اور علی نے نماز ادا کی۔ اسی کتاب کے ص۱۶۷ پر نیز کتاب سفینۃ البحار جلد ا ص۵۸ ومجمع البحرین ص۲۳۲ میں ہے کہ وفاتِ رسول کے بعد حضرت علی بابل جاتے وقت جب فرات کے قریب پہنچے تو اصحاب کی نماز عصر قضا ہوگئی آپ نے آفتاب کو حکم دیا کہ پلٹ آئے۔ چنانچہ وہ پلٹا اور اصحاب نے نماز عصر ادا کی نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا ایک ذاکر آپ کے ذکر میں مشغول تھا کہ نماز عصر قضا ہوگئی اس نے کہا اے آفتاب پلٹ آ کہ میں اس کا ذکر کر رہا ہوں جس کے لیے تو دو بار پلٹ چکا ہے۔ چنانچہ آفتاب پلٹا اور اس نے نمازِ عصر ادا کی۔ شواہد النبوت کے ص۲۱۹ میں ہے کہ علی مجسمِ حق تھے اور ان کی زبان پر حق ہی جاری ہوتا تھا۔ امام شافعی ارشاد فرماتے جو مسلمان اپنی نماز میں ان پر درود نہ بھیجے اس کی نماز صحیح نہیں ہے (صواعق محرقہ)۔

مولانا ظفر علی خاں کا ایک شعر اور اُس کی رَد

مولانا ظفر علی خاں مرحوم ایڈیٹر "زمیندار" لاہور کا ایک عجیب و غریب شعر ایک درسی کتاب (ہماری اردو) مصنفہ ہارون رشید میں ہماری نظر سے گزرا شعر یہ ہے

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی ابوبکر و عمر عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اِس شعر میں اگر مشعل سے مراد نبیؐ کی ذات لی گئی ہے تو اصحاب کا ان کی کرن ہونا انتہائی بعید ہے۔ کیونکہ وہ نوری اور جوہری تھے اور یہ مادی ہیں۔ وہ مجسم ایمان تھے اور ان لوگوں نے ۳۸ ۳۹ - ۴۰ سال کفر میں گذارے ہیں۔ انھوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی اور انھوں نے اپنے عمر کے بڑے حصے بت پرستی میں گذار کر اسلام قبول کیا تھا۔ اور اگر مشعل سے مراد نبوت لی گئی ہے اور اس کی کرنیں ان کی امامت اور خلافت کو قرار دیا ہے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ رسولؐ کی نبوت منجانب اللہ تھی اور ان کی خلافت کی بنیاد اجماع ناقص پر قائم ہوئی تھی۔

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں چاروں کو "ہم مرتبہ" کہا گیا ہے اور رسول کا یار بتایا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تینوں حضرات رسولؐ کے یار رہے ہوں لیکن حضرت علی ہرگز رسول کے یار نہ تھے۔ بلکہ داماد اور بھائی تھے۔ اب رہ گیا چاروں کا ہم مرتبہ ہونا یہ تو ہوسکتا ہے کہ تینوں ہم مرتبہ ہوں اور تھا بھی کہ تینوں حضرات ہر حیثیت سے ایک دوسرے کے برابر تھے۔ لیکن حضرت علی کا ان کے برابر ہونا یا ان کا آپ کے ہم مرتبہ ہونا سمجھ سے باہر ہے کیونکہ یہ چالیس سال بت پرستی کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ اور علی پیدا ہی مومن اور مسلمان ہوئے۔ ان لوگوں نے مدتوں بت پرستی کی اور علی نے ایک سیکنڈ کے لیے بت نہیں پوجا۔ اسی لیے کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے۔ یہ فاطمہ کے شوہر تھے۔ ان میں سے کسی کو یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ وہ لوگ عام انسانوں کی طرح خلق ہوئے اور علی مثلِ نبی نور سے پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ خود خداوندِ عالم نے علی کے افضل ہی ہونے کی نہیں بلکہ بے مثل ہونے کی نص فرمادی ہے ملاحظہ ہو (احیاء العلوم غزالی تفسیر ثعلبی و تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۳) امام فخرالدین رازی نے حضرت علیؑ کو انبیاء کے برابر اور تمام صحابہ سے افضل تحریر کیا ہے۔ (اربعین فی اصول الدین وارجح المطالب ص ۴۵۵) سرورِ کائناتؐ نے علی کو اپنی نظیر بتایا ہے۔ (ارجح المطالب ص ۴۵۴) انھیں وجوہ کی بنا پر علی کو معیار ایمان قرار دیا گیا ہے۔ علامہ ترمذی اور امام نسائی نے بغض علی سے منافق کو پہچاننے کا اصول بتایا ہے اور بعض نے افضلیت علی پر اعتقاد ضروری قرار دیا ہے۔ اور علامہ عبدالبر نے استیعاب میں صحابہ تابعین وغیرہ کی فہرست پیش کی ہے جو علی کو افضل صحابہ مانتے تھے اور شاید اس کی وجہ یہ ہوگی۔ کہ تمام لوگ جانتے تھے کہ خداوندِ عالم نے علی کے سوا کسی کے قلب کو ایمان کی

کسوٹی پر نہیں کسا (ازالۃ الخفا جلد دوم ص۲۵۶) ۔

حضرت علیؑ کی علمی حیثیت

حضرت علی کا نفسِ اللہ ہونا مسلمات سے ہے اور اللہ اس واجب الوجود ذات کو کہتے ہیں جو علم و قدرت سے عبارت ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ جو نفس اللہ ہوگا اسے فطرتاً تمام علوم سے بہرہ ور ہونا چاہیئے ۔ حضرت علیؑ کے لیے یہ مانی ہوئی چیز ہے کہ آپ دُنیا کے تمام علوم سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ ان میں مہارت تامہ رکھتے تھے ۔ اور علمِ لدنی سے بھی مالا مال تھے ۔ آپ کے علوم کا احصا ناممکن ہے امام شبلنجی لکھتے ہیں "ومکانتہ فی العلم والفہم . . . تحمل مجلدات" آپ کے علم و فہم وغیرہ کے لیے بہت سی جلدیں درکار ہیں۔ محمد ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ امام المفسرین جناب ابن عباس کا کہنا ہے کہ علم و حکمت کے دس درجوں میں سے ۹ حضرت علی کو ملے ہیں اور دسویں میں تمام دُنیا کے علماء شامل ہیں اور اس دسویں درجہ میں بھی علی کو اول نمبر حاصل ہے ۔ ابو الفداء کہتے ہیں کہ حضرت اعلم الناس بالقرآن والسنن تھے ۔ یعنی تم لوگوں سے زیادہ انھیں قرآن و حدیث کا علم تھا ۔ خود سرور کائناتؐ نے آپ کے علمی مدارج پر بار بار روشنی ڈالی ہے ۔ کہیں انا مدینۃ العلم وعلی بابہا فرمایا کہیں انا دار الحکمۃ وعلی بابہا ۔ ارشاد فرمایا کسی مقام پر "اعلم امتی علی ابن ابی طالب" کہا ۔ حضرت علی نے خود بھی اس کا اظہار کیا ہے ۔ اور بتایا ہے کہ علمی نقطۂ نظر سے میرا درجہ کیا ہے ۔ ایک مقام پر فرمایا کہ رسول اللہ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے ہیں اور میں نے ہر باب سے ہزار باب پیدا کر لیے ہیں ۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا "زقنی رسول اللہ زقاً زقاً" مجھے رسول اللہؐ نے اس طرح علم بھرایا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچے کو دانا بھراتا ہے ، ایک منزل پر کہا کہ سلونی قبل ان تفقدونی" میری زندگی میں جو چاہے پوچھ لو ۔ ورنہ پھر تمھیں علمی معلومات سے کوئی بہرہ ور کرنے والا نہ ملے گا ۔ ایک مقام پر فرمایا کہ آسمان کے بارے میں مجھ سے جو چاہے پوچھو ۔ مجھے زمین کے راستوں سے زیادہ آسمان کے راستوں کا علم ہے ۔ ایک دن فرمایا کہ اگر میرے لیے مسندِ قضا بچھا دی جائے تو میں توریت والوں کو توریت سے ، انجیل والوں کو انجیل سے ، زبور والوں کو زبور سے اور فرقان والوں کو قرآن سے اس طرح جواب دے سکتا ہوں کہ ان کے علماء حیران رہ جائیں ۔ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے علم ہے کہ قرآن کی کونسی آیت کہاں نازل ہوئی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ خشکی میں کونسی نازل ہوئی ہے ۔ اور تری میں کون سی آیت نازل ہوئی ۔ کون سی دن میں کون سی رات میں نازل ہوئی ہے ۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایک شب ابن عباس نے علی سے خواہش کی کہ بسم اللہ کی تفسیر بیان فرمائیں ۔ آپ نے ساری رات بیان فرمایا اور جب صبح ہوگئی

تو فرمایا اے ابن عباس میں اس کی تفسیر اتنی بیان کر سکتا ہوں کہ ۷۰ اونٹوں کا بار ہو جائے بس مختصر یہ سمجھ لو کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ سورۃ حمد میں ہے اور جو سورۃ حمد میں ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور جو بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو بائے بسم اللہ میں ہے وہ نقطۂ بائے بسم اللہ میں ہے "وانا النقطۃ اللتی تحت الباء" اے ابن عباس میں وہی نقطہ ہوں جو بسم اللہ کی (ب) کے نیچے دیا جاتا ہے۔ شیخ سلیمان قندوزی لکھتے ہیں کہ تفسیر بسم اللہ سن کر ابن عباس نے کہا کہ خدا کی قسم میرا اور تمام صحابہ کا علم علی کے علم کے مقابلے میں ایسا ہے۔ جیسے سات سمندروں کے مقابلہ میں پانی کا ایک قطرہ کمیل ابن زیاد سے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے کمیل میرے سینے میں علم کے خزانے ہیں۔ کاش کوئی اہل ملتا کہ میں اُسے تعلیم کر دیتا۔ محب طبری تحریر فرماتے ہیں کہ سرور عالمؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم آدمؑ فہم نوحؑ حلم ابراہیم زہد یحییٰ، صولت موسیٰ کو ان حضرات سمیت دیکھنا چاہے "فلینظر الی علی ابن ابی طالب" اسے چاہیے کہ وہ علی ابن ابی طالب کے چہرۂ انور کو دیکھے ملاحظہ ہو (نور الابصار شرح مواقف، مطالب السؤل صواعق محرقہ شواہد النبوت ابوالفدا، کشف الغمہ، ینابیع المودت، مناقب ابن شہر آشوب، ریاض النضرہ، ارجح المطالب، انوار اللغۃ) علماء اسلام کے علاوہ مستشرقین فرنگ نے بھی آپ کے کمال علمی کا اعتراف کیا ہے۔ مصنف انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لکھتے ہیں علی علم اور عقل میں مشہور تھے اور اب تک کچھ مجموعے ضرب المثال اور اشعار کے ان سے منسوب ہیں۔ خصوصاً مقالات علیؑ جس کا انگریزی ترجمہ ولیم پول نے ۱۸۳۲ء میں بمقام ٹونبرا شائع کرایا ہے۔ (مہذب مکالمہ صفحہ ۱۰۴) مسٹر ایرونگ لکھتے ہیں۔ آپ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے علوم و فنون کی بڑی حمایت فرمائی۔ آپ کو خود بھی شعر گوئی کا پورا ذوق تھا اور آپ کے بہت سے حکیمانہ مقولے اور ضرب الامثال اس وقت تک لوگوں کے زبان زد ہیں اور مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ کتاب خلفائے رسول ص ۱۷۸) مسٹر ادکلی لکھتے ہیں۔ تمام مسلمانوں میں باتفاق علی کی عقل و دانائی کی شہرت ہے۔ جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے صد کلمات ابھی تک محفوظ ہیں جن کا عربی سے ترکی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے اشعار کا دیوان بھی ہے۔ جس کا نام انوار الاقوال ہے۔ لوربوڈلین لائبریری میں آپ کے اقوال کی ایک بڑی کتاب (نہج البلاغہ) موجود ہے۔ آپ کی مشہور ترین تصنیف "جفر و جامعہ" ہے۔ جو ایک بعید الفہم خط میں اعداد و ہندسہ پر مشتمل ہے یہ ہندسے ان تمام عظیم الشان واقعات کو جو ابتدائے اسلام سے رہتی دنیا تک ہونے والے واقعات بتلاتے ہیں۔ یہ آپ کے خاندان میں ہے اور پڑھی نہیں جا سکتی البتہ امام جعفر صادق اس کے کچھ حصے کی تشریح و تفسیر میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اس کو مکمل بارہویں امام کریں گے (تاریخ عرب ادکلی ص ۳۳۲) مورخ گلمن لکھتے ہیں، آپ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے علم و فن اور کتابت کی پرورش کی اور حکمت سے مملو اقوال کا ایک بڑا مجموعہ آپ کے نام سے منسوب ہے ... آپ کا قلب و

دماغ ہر شخص سے خراجِ تحسین حاصل کرتا ہے گا۔ . . آپ کا قلب و دماغ مجسّم نور تھا . . . آپ کی دانائی اور پُر مغز نکتہ سنجی ضرب الامثال کے ایجاد میں آپ کی فراست بہت ہی اعلیٰ پایہ کی تھی۔ (تاریخ عرب ص۲۸۶) بمبئی ہائی کورٹ کے جج مسٹر ارنولڈ ایڈووکیٹ جنرل ایک فیصلہ میں لکھتے ہیں۔ شجاعت حکمت، ہمت، عدالت، سخاوت، زہد اور تقویٰ میں علی کا عدیل و نظیر تاریخِ عالم میں کمتر نظر آتا ہے۔ لاء رپورٹ جلد ۱۲، اعجاز التنزیل ص۱۶۶)

حضرت علیؑ کی تصنیفات

علماءِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے مصنّف حضرت علی ہیں۔ علّامہ رشید الدین ابن شہر آشوب کتاب معالم العلماء میں اور علّامہ سید محسن صدر نے کتاب الشیعہ و فنون الاسلام میں[۵] تحریر فرمایا ہے کہ اول من صنف فی الاسلام امیر المومنین اسلام میں سب سے پہلے حضرت علی نے تصنیف کی ہے۔ آپ کی کتاب کا نام "کتاب علی" اور جامعہ تھا اصول کافی کتاب الحجۃ میں ہے کہ اس کتاب میں تمام دنیا کے ہونے والے واقعات و حالات مندرج تھے، یہ بھی مسلّم ہے کہ سب سے پہلے جامع قرآن مجید بھی حضرت علیؑ ہی ہیں۔ ملاحظہ ہو (نور الابصار امام شبلنجی ص۷۳ طبع مصر) کتاب اعیان الشیعہ میں ابو الائمہ کی تالیفات و تصنیفات کی فہرست اس طرح مرقوم ہے۔

(۱) قرآن مجید کو تنزیل کے مطابق حضرت علیؑ نے جمع کیا۔ اس میں اسباب و مقامات نزول آیات و سور کا بھی ذکر تھا۔ (۲) کتاب علی جس میں قرآن مجید کے ساٹھ قسم کے علوم کا ذکر تھا (۳) کتاب جامعہ (۴) کتاب الجفر (۵) صحیفۃ الفرائض (۶) کتاب فی زکوٰۃ النعم (۷) کتاب فی ابواب الفقہ (۸) کتاب فی الفقہ (۹) مالک اشتر کے نام تحریری ہدایات (۱۰) محمد بن حنفیہ کے نام وصیّت (۱۱) مسند علی لابی عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، ان کتابوں کے علاوہ آپ کا مجموعہ اوراد "صحیفۂ علویہ" اور آپ کے اشعار کا مجموعہ "دیوان علی" کے نام سے حضرت علی بن ابی طالب کی طرف منسوب ہے۔ یہ کتاب نواب علاء الدین احمد خان بہادر، فرمانروائے لوہارو کے حکم سے ۱۸۷۶ء میں، فخر المطابع، لوہارو میں چھپی تھی اور اب مختلف ملکوں میں چھپ چکی ہے اور اس کی شرحیں بھی ہو چکی ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ جناب امیر المومنین کا کلام مندرجہ ذیل کتب میں جمع کیا گیا ہے۔

(۱) نہج البلاغہ اِسے علّامہ سید رضی علیہ الرحمۃ نے جمع فرمایا ہے۔ وہ ۳۵۹ھ مطابق ۹۶۹ء میں پیدا ہوئے تھے اور ان کی وفات محرم ۴۰۴ھ مطابق جولائی ۱۰۱۳ء میں ہوئی ہے۔

کتاب نہج البلاغہ کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں لکھنے والوں میں سے چند نام یہ ہیں:۔

(۱) امام اہل سنّت عزیز بن ابو حامد عبد الحمید بن ہبۃ اللہ بن محمد بن حسنین ابن ابی الحدید مدائنی المتولد یکم ذی الحجہ ۵۸۶ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۱۹۰ء بمقام مدائن، المتوفی ۶۵۵ھ مطابق ۱۲۵۷ء بمقام

[۵] اور علامہ شرف الدین نے کتاب مولفو الشیعہ فی صدر الاسلام کے ص۱۷ میں

بغداد (۲) قوام الدین یوسف بن حسن المتوفی ۹۲۲ھ مطابق ۱۵۱۶ء (۳) مفتی محمد عبدہ مصر (۴)
علامہ محمد حسن نائل المرصفی جن کا حاشیہ ہے اصل کتاب نہج البلاغہ مصر کے مشہور مطبع دارالکتب العربیہ
میں چھپ گئی ہے یہ چاروں شارح اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۵) سید علی بن ناصر
یہ سید رضی کے معاصر تھے۔ سب سے پہلے نہج البلاغہ کی شرح انھوں نے ہی لکھی ہے۔ ان کی شرح
کا نام "اعلام نہج البلاغہ" ہے۔ (۶) علامہ قطب الدین راوندی ان کی شرح کا نام منہاج البراعۃ
ہے۔ (۷) سید ابن طاؤس، ابوالقاسم علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن طاؤس المتولد محرم ۵۱۹ھ
المتوفی ۵ ذی قعدہ ۶۶۴ھ (۸) کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی (۹) قطب الدین محمد بن الحسین
سکندری (۱۰) شیخ حسین بن شہاب الدین حیدر علی عاملی متوفی صفر ۱۰۷۶ھ مطابق اگست ۱۶۶۵ء
بمقام حیدر آباد دکن (۱۱) شیخ نظام الدین علی بن الحسین ان کی شرح کا نام انوار الفصاحت ہے
(۱۲) علامہ مرزا علاء الدین محمد بن ابی تراب الحسین ان کی شرح نہایت مبسوط ہے۔ اس کا نام
"حدائق الحقائق" ہے یہ ۲۰ جلدوں میں ہے (۱۳) آقا شیخ محمد رضا مسمی بہ "دُرِّ نجفیہ" (۱۴)
ملا فتح اللہ کاشانی المتوفی ۹۹۷ھ، یہ فارسی میں ہے اور اس کا نام تنبیہ الغافلین ہے۔ (۱۵)
محقق حبیب اللہ ہاشمی الخوئی، ان کی شرح کا نام بھی "منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ" ہے
یہ ۲۵ جلدوں میں ہے۔ قم خیابان ارم تہران میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کے چند مستدرکات
ہیں جو طبع ہو چکی ہیں۔

(۲) مائۃ کلمۃ جس کو جاحظ نے جمع کیا تھا (۳) "غرر الحکم و درر الکلم" جس کو عبدالواحد بن محمد
بن عبدالواحد نے جمع کیا تھا (۴) دستور معالم الحکم جس کو قاضی ابو عبداللہ محمد بن سلامہ متوفی ۴۵۴ھ
نے جمع کیا تھا (۵) نثر اللآلی جس کو ابوالفضل علی بن الحسن الطبرسی صاحب مجمع البیان نے جمع کیا (۶)
"کتاب مطلوب کل طالب من کلام علی بن ابی طالب" جس کو ابو اسحاق الوطواط الانصاری نے جمع
کیا ہے۔ اس کا فارسی اور جرمن زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے (۷) "قلائد الحکم و فرائد الکلم"
جس کو قاضی ابو یوسف بن سلیمان الاسفرائنی نے جمع کیا ہے (۸) کتاب "معمیات علیؑ" (۹)
امثال الامام علی بن ابی طالب (۱۰) شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے کتاب الارشاد میں کچھ کلام جمع کیا ہے
(۱۱) نصر بن مزاحم کی کتاب "صفین" میں آپ کا کلام جمع ہے۔ (۱۲) کتاب "جواہر المطالب"

آپ کی علمی مرکزیت

علامہ ابن ابی الحدید، علامہ ابن شہر آشوب۔ علامہ ابن طلحہ شافعی
اور علامہ اربلی تحریر فرماتے ہیں کہ "اشرف العلوم" علم الٰہیات ہے
اور یہ حضرت علی ہی کے کلام سے اقتباس کیا گیا ہے۔ اور آپ ہی اس کی ابتدا اور انتہا ہیں۔ عقائد
کے اعتبار سے اسلام میں جو مختلف فرقے ہیں۔ ان میں معتزلہ بھی ہے اس فرقہ کا بانی واصل ابن عطا ہے

جو ابو ہاشم کا شاگرد تھا اور وہ اپنے باپ محمد بن حنفیہ کا شاگرد تھا اور محمد حضرت علی کے شاگرد تھے۔ دوسرا فرقہ اشعریہ ہے جو ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہے اور وہ شاگرد تھا ابو علی جبائی کا جو مشائخ معتزلہ سے تھا۔ اس کی انتہا بھی حضرت علی تک قرار پاتی ہے۔ تیسرا فرقہ امامیہ و زیدیہ ہے اس کا حضرت کی طرف منسوب ہونا بالکل واضح ہے۔

اسلامی علوم میں علم فقہ بھی ہے اور اسلام کا ہر فرقہ و مجتہد حضرت ہی کا شاگرد ہے۔ چنانچہ اہل سنت میں چار فرقے ہیں۔ مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی۔ مالکی فرقہ کے بانی امام مالک شاگرد تھے ربیعۃ الرائی کے اور وہ شاگرد تھے عکرمہ کے اور وہ شاگرد تھے ابن عباس کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علی کے دوسرے فرقہ حنفی کے بانی امام ابوحنیفہ تھے یہ شاگرد تھے امام محمد باقر کے اور امام جعفر صادق کے اور یہ شاگرد تھے امام زین العابدین کے اور امام عابد شاگرد تھے امام حسین کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علی کے۔ تیسرے فرقہ کے بانی امام شافعی شاگرد تھے۔ امام محمد کے اور وہ شاگرد تھے امام ابوحنیفہ کے۔ چوتھے فرقہ کے بانی، امام احمد ابن حنبل شاگرد تھے۔ امام شافعی کے اس طرح ان کا فرقہ بھی حضرت علی کا شاگرد ہوا۔ اس کے علاوہ صحابہ کے فقہا و حضرت عمر و عبد اللہ ابن عباس تھے اور دونوں نے علم فقہ حضرت علی ہی سے سیکھا۔ ابن عباس کا شاگرد حضرت علی ہونا تو واضح اور مشہور ہے۔ رہے حضرت عمر تو ان کے بارے میں بھی سب کو علم ہے کہ بکثرت مسائل میں جب ان کی عقل و فہم اور راہ چارہ و تدبیر بند ہو جایا کرتی تھی تو وہ حضرت علی کی طرف رجوع کرتے اور حضرت علی سے ہی مشکل کشائی کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ اپنے علاوہ دیگر صحابہ کی بھی مشکل کشائی علی سے کرایا کرتے تھے، ان کا بار بار "لولا علی لھلک عمر" اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا، کہنا اور یہ فرمانا کہ " خدا وہ وقت نہ لائے کہ میں کسی علمی مشکل میں مبتلا ہو جاؤں اور علی موجود نہ ہوں اس کے علاوہ یہ کہنا کہ جب علی مسجد میں موجود ہوں تو کوئی فتویٰ دینے کی جرأت نہ کرے، یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر کی فقہی حد حضرت علی تک منتہی ہوتی ہے۔ حضرت علی ہی وہ ہیں جنھوں نے اس عورت کے مقدمہ میں منصفانہ فتویٰ دیا جس نے چھ مہینہ میں بچہ جنا تھا اور زنا کار حاملہ عورت کے معاملہ کو طے فرمایا تھا جس کے رجم کا فتویٰ حضرت عمر دے چکے تھے۔

اسلامی علوم میں تفسیر قرآنی کا علم بھی ہے یہ علم بھی حضرت علی ہی سے حاصل کیا گیا ہے، جو شخص تفسیر کی کتابیں دیکھے اسے آسانی سے اس دعویٰ کی صحت معلوم ہو جائے گی، کیونکہ تفسیر کے مطالب زیادہ تر حضرت علی اور عبد اللہ ابن عباس ہی سے منقول ہیں اور عبد اللہ ابن عباس کا شاگرد حضرت علی ہونا مشہور و معروف ہے۔ لوگوں نے عبد اللہ ابن عباس سے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت علی کے علم کے مقابلہ میں آپ کا علم کتنا ہے! فرمایا جتنا ایک بحر زخار کے مقابلہ میں ایک چھوٹا قطرہ ہو سکتا ہے۔

اسلامی علوم میں علم طریقت و حقیقت اور اصولِ تصوف بھی ہے اور تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس فن کے جملہ علماء و ماہرین اپنے کو حضرت کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں اور حضرت ہی تک اپنے سلسلہ کو منتہی قرار دیتے ہیں ۔ اس کی صراحت اُن لوگوں نے بھی کی ہے ۔ جو فرقۂ صوفیہ کے امام اور پیشوا مانے گئے ہیں جیسے شبلی ۔ جنید ۔ سری ۔ ابویزید بسطامی ۔ معروف کرخی ۔ صوفی خرقہ ۔ صوفی کو علی ہی کا شعار قرار دیتے ہیں ۔

علوم عربیہ میں علم نحو بھی ہے ۔ دُنیا کے ماہرین کو علم ہے کہ اس علم کے بانی حضرت علی ہیں ۔ آپ ہی نے اس کی ایجاد کی ہے . . . آپ ہی نے اس کے قواعد و ضوابط مدون فرمائے ہیں ۔ آپ نے اس علم کے اصول و جوامع کی تعلیم ابوالاسود دیلی کو دی اور اس کے قوانین ترتیب دینے کا طریقہ سکھایا حضرت نے جو مختصر اور جامع اصول بتائے ان میں کلام ، کلمہ اور اعراب تھے ۔ آپ نے کہا کہ کلام ، اسم فعل ، حرف کو کہتے ہیں اور کلمہ معرفہ اور نکرہ ہوتا ہے ۔ اور اعراب " رفع نصب جر اور جزم میں منقسم ہوتا ہے ۔ حضرت کے ان مختصر اصول و ضوابط کو آپ کے معجزات میں شمار کرنا چاہیئے ۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ ص۷ و مطالب السئول ص۹۸ و کشف الغمہ ص۴۵ مناقب ج ۲ ص۶۷) ۔

اس کے علاوہ علم القرآت ، علم الفرائض ، علم الکلام ، علم الخطابت ، علم الفصاحت والبلاغت ۔ علم الشعر علم العروض والقوافی ۔ علم الادب ۔ علم الکتابت ۔ علم تعبیر خواب ۔ علم الفلسفہ ۔ علم الہندسہ علم النجوم علم الحساب ۔ علم الطب ۔ علم منطق الطیر وغیرہ ۔ میں آپ کو انتہائی کمال حاصل تھا (مناقب جلد ۲ ص۶۷) ۔ اور علم لدنی ۔ علم الغیب میں بھی آپ کو یدِطولیٰ حاصل تھا (نور الابصار ص۷۰ وارحج المطالب ص۲۱۳) ابن شہر آشوب نے مناقب میں حضرت علی کے صوتِ ناقوس کی تفسیر بیان فرمانے کی تفصیل لکھی ہے ۔ اور علامہ محمد باقر نے دمعۂ ساکبہ کے ص۱۴۱ پر ابن ابی الحدید کے حوالہ سے ۳۳ بڑی سطروں پر مشتمل حضرت کا ایک نہایت فصیح و بلیغ ایسا خطبہ نقل کیا ہے جس میں "الف" نہیں ہے ۔

آپ کا زُہد و تقویٰ

مصر کے مشہور مؤرخ علامہ جرجی زیدان لکھتے ہیں کہ علی کی حالت کیا بیان ہو ، زہد اور تقویٰ کے متعلق آپ کے واقعات بہت کثرت سے ہیں ۔ اصول اسلام کی پابندی کرنے میں آپ بہت سخت اور اپنے ہر قول و فعل میں نہایت شریف و آزاد تھے ۔ جعل ۔ فریب دھوکا مکر کو آپ جانتے تک نہیں تھے اور اپنی زندگی کے مختلف زمانوں سے کسی حالت میں بھی آپ نے چال ۔ حیلہ ۔ غداری وغیرہ کی طرف ذرہ برابر بھی رُخ نہیں کیا ۔ آپ کی تمام تر توجہ محض دین کے متعلق رہتی تھی ۔ اور آپ کا کل اعتماد اور بھروسہ صرف سچائی اور حق پر تھا ۔ چنانچہ آپ کے زہد اور فقیرانہ زندگی کی مثالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے جس وقت

رسُول کی بیٹی فاطمہ سے شادی کی تو آپ کے پاس فرش کی قسم سے کوئی چیز نہیں تھی سوائے دُنبہ کی ایک کھال کے کہ اسی پر دونوں شب کو پڑ کر سو رہتے تھے۔ اور دن کے وقت اِسی چمڑے پر اپنے اونٹ کو دانہ کھلاتے تھے۔ آپ کے پاس ایک مُلازم بھی نہ تھا جو آپ کی خدمت کرتا۔ آپ کی خلافتِ ظاہریہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اصفہان کے (خراج) کا مال آیا تو آپ نے اس کو سات حصّوں پر تقسیم کر دیا پھر اس میں ایک روٹی ملی تو اس کے بھی سات ٹکڑے کئے۔ آپ ایسے کپڑوں کا لباس پہنتے تھے جو سردی سے ذرا بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ بعض لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ اپنے اوڑھنے کی چادر میں کھجوریں اُٹھا کر خود لا رہے ہیں جن کو ایک درم میں خریدا تھا۔ یہ دیکھ کر عرض کی اے امیر المومنین یہ ہمیں دے دیں تاکہ ہم پہنچا دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس کے عیال ہیں انہیں کو ان کا بوجھ اُٹھانا چاہیے۔ آپ کے زرّیں اقوال سے یہ بھی ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اتنا کم کھائیں کہ بھوک سے ان کے پیٹ ملے رہیں اور اتنا کم پئیں کہ پیاس سے ان کے پیٹ سُوکھے رہیں اور خدا کے خوف سے اتنا روئیں کہ ان کی آنکھیں زخمی رہیں۔ (تاریخ تمدن اسلامی جلد ۴ صـ۳۷ و تاریخ کامل ج ۳ صـ۲۰۲)۔

آپ کی اصابت رائے

آپ کی رائے اتنی صائب تھی کہ کبھی لغزش نہیں ہوئی جس کو جو مشورہ دے دیا وہ اٹل ثابت ہوا۔ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ تمام لوگوں سے زیادہ حضرت علی کی رائے صائب اور محکم و صحیح ہوا کرتی تھی اور آپ کی تدبیر تمام لوگوں کی تدبیروں سے بلند و برتر ہوتی تھی البتہ آپ اسی معاملے میں رائے دیتے تھے جو شریعت کے مطابق اور اسلام کی روشنی میں ہو یعنی غلط امور میں آپ کا کوئی مشورہ نہ تھا۔

آپ کی سیاست

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں "کان شدید السیاست خشناً فی ذات اللہ"۔ آپ بے نظیر سیاسی تھے۔ آپ کی سیاست ان لوگوں جیسی نہ تھی جو دین اور خدا کو پہچانتے نہیں۔ آپ کی سیاست حکم خدا و رسُول کا پرتو ہوا کرتی تھی۔ آپ اللہ کی ذات کے بارے میں نہایت ہی سخت اور شدید العمل تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے کبھی اپنے بھائی تک کی پرواہ نہیں کی۔ عقیل اور ابن عباس کی ناراضی مشہور ہے۔ (صواعق محرقہ)

حلم۔ صداقت۔ عدل

خالد ابن نعیم کا بیان ہے کہ میں علی کو تین باتوں کی وجہ سے محبوب رکھتا ہوں (۱) یہ کہ جب وہ خفا ہوتے تھے تو مکمل حلم کا استعمال کرتے تھے (۲) جو بات کہتے تھے سچ کہتے تھے (۳) جو فیصلہ کرتے تھے پورے عدل کے ساتھ کرتے تھے معقل ابن یسار کا بیان ہے کہ سرورِ کائنات نے ایک دن فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ میں نے تمھاری شادی بہت بڑے عالم اور امت میں سب سے بڑے ایماندار اور عظیم ترین حلم کرنے والے (علی) سے کی

ہے۔ (ارجح المطالب صہ ۲۰۲) ۔

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السّلام کے بعض کرامات

یہ مسلم ہے کہ مولائے کائنات، مشکل کشائے عالم حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام، مظہر العجائب والغرائب، تھے۔ خلقت ظاہری سے قبل انبیا علیہم السّلام کی مدد کرنا، سلمان فارسی کو دشت ارژن میں شیر سے چھڑانا، اور ظہور و شہود کے بعد ایک شب میں چالیس جگہ بیک وقت دعوت میں شرکت کرنا، دنیا کے ہر گوشے میں آپ کے قدم کے نشانات کا پتھر پر موجود ہونا، غار اصحاب کہف میں نشان قدم کا موجود ہونا، کابل میں مزار سخی کا وجود اور دیگر نشانات کا موجود ہونا، طورخم کے قریب مسجد علی کی تعمیر، پشاور میں، عصائے شاہ مردان کی زیارت گاہ کا ہونا۔ کوئٹہ کے راستے میں قدم کے نشانات کا پایا جانا، حیدر آباد میں، قدم گاہ مولا علی کا ہونا، عالم میں ہر شخص کی مشکل کشائی کا ہو جانا۔ نیز باب خیبر کا اکھاڑنا۔ رسُول کریم کی آواز پر چشم زدن میں پہنچ جانا۔ چادر پر بیٹھ کر غار اصحاب کہف تک جانا اور اُن سے کلام کرنا وغیرہ وغیرہ آپ کے مظہر العجائب والغرائب ہونے کا بین ثبوت ہے۔ ہم ذیل میں کتاب "امام مبین" سے چند واقعات کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

آپ کا گہوارہ میں کلّہ اژدر دو پارہ کرنا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حوالی مکہ میں ایک نہایت زبردست اور طویل اژدہا آگیا اور اُس نے تباہی مچا دی، ایک لشکر نے اُسے مارنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ ایک دن وہ اژدہا مدینہ کی طرف چلا۔ جب قریب پہنچا، شہر مدینہ میں ہلچل مچ گئی۔ لوگ گھروں کو چھوڑ کر باہر بھاگنے لگے۔ اتفاقاً وہ اژدہا خانۂ حضرت ابوطالب میں داخل ہوگیا۔ وہاں مولائے کائنات گہوارے میں فروکش تھے اور ان کی مادر گرامی کہیں باہر تشریف لے گئی تھیں۔ جب وہ اژدہا گہوارے کے قریب پہنچا تو "یداللہ" نے اُس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر دو پارہ کر دیا۔ رسُول خدا نے مسرت کا اظہار کیا۔ عوام نے داد شجاعت دی۔ ماں نے واپس آکر ماجرا دیکھا۔ اور اپنے نورِ نظر کا نام "حیدر" رکھا، اس نام کا ذکر مرحب کے مقابلہ میں علی بن ابی طالب نے خود بھی فرمایا ہے۔ ؎

انا الذی سمتنی امی حیدرہ　　ضرغام آجام ولیث قصورہ

ساقیٔ کوثر اور سنگِ خارا

روایت میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام جنگ صفین سے واپس جاتے ہوئے ایک صحرائے لق و دق سے گزرے، شدت گرما کی وجہ سے آپ کا لشکر بے انتہا پیاسا ہوگیا، اُس نے حضرت سے پانی کی خواہش کی۔ آپ نے صحرا میں ادھر اُدھر نظر دوڑائی، ایک بہت بڑا پتھر نظر آیا، اس کے قریب تشریف لے گئے اور پتھر سے کہا کہ میں تجھ سے

سُننا چاہتا ہوں کہ اس صحرا میں پانی کہاں ہے ، اُس نے بقدرتِ خدا جواب دیا کہ الماء تحتی "چشمۂ آب" میرے ہی نیچے ہے۔ حضرت نے لشکر کو حکم دیا کہ اِس پتّھر کو ہٹائیے۔ ۱۰۰ آدمی کامیاب نہ ہو سکے پھر آپ نے لبِ مُبارک کو حرکت دی اور دستِ خیبر کشا اس پر مارا ، پتّھر دُور جا پڑا ، اس کے ہٹتے ہی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سرد پانی کا چشمہ برآمد ہوگیا ، سب سیراب ہوئے اور سب نے پانی سے چھاگلیں بھر لیں ، پھر آپ نے پتّھر کو حکم دیا کہ اپنی جگہ پر آجے۔ بروایت ابنِ عباس پتّھر اس جگہ سے خود بخود سِرک کر اپنی جگہ پر آ پہنچا ، اور لشکر شکرِ خدا کرتا ہوا روانہ ہوگیا۔

مولا علیؑ اور انسان کی قلبِ ماہیّت

اصبغ بن نباتہ کا بیان ہے کہ ایک شخص قریش سے حضرت علی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں وہ ہوں کہ جس نے بے شمار انسانوں کو قتل کیا ہے اور بہت سے اطفال کو یتیم کیا ہے حضرت نے اُس کا جب یہ تعارف سُنا تو آپ کو غصّہ آگیا ، آپ نے فرمایا کہ " اخسا یا کلب" اے کُتّے میرے پاس سے دُور ہو جا ، حضرت کے دہنِ اقدس سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ اس کی ماہیّت اور اس کی ہیئت بدل گئی۔ اور وُہ کتّے کی شکل میں ہو کر دُم ہلانے لگا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ بیتاب ہو کر فریاد و فغاں کرتے ہوئے زمین پر لوٹنے لگا۔ حضرت کو اُس پر رحم آیا اور آپ نے دُعا کی۔ خُدا نے پھر اُسے اس کی ہیئت اصلی میں بدل دیا۔

عین اللہ ، علیؑ نے کورِ مادر زاد کو چشمِ بینا دے دی

عبد اللہ بن یُونس کا بیان ہے کہ میں ایک سال حجِ بیت اللہ کے لیے گھر سے روانہ ہو کر جا رہا تھا۔ ناگاہ راستے میں ایک نابینا زنِ حبشیہ کو دیکھا کہ وہ ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے اِس طرح دُعا کر رہی ہے ، اے اللہ بحقِ علی بن ابی طالب مجھے چشمِ بینا دے دے۔ یہ دیکھ کر میں اس کے قریب گیا اور اُس سے پوچھا کہ کیا تو واقعی علی بن ابی طالب سے محبت رکھتی ہے اس نے کہا بے شک میں ان پر صد ہزار جان سے قربان ہوں ، یہ سُن کر میں نے اُسے بہت سے درہم دیئے مگر اُس نے قبول نہ کیا اور کہا کہ میں درہم و دینار نہیں مانگتی۔ "میں آنکھ چاہتی ہوں" پھر میں اس کے پاس سے روانہ ہو کر مکّہ معظّمہ پہنچا اور حج سے فراغت کے بعد پھر اسی راستہ سے واپس آیا۔ جب اس مقام پر پہنچا جس مقام پر وہ نابینا عورت تھی تو دیکھا کہ وہ عورت چشمِ بینا کی مالک ہے۔ اور سب کچھ دیکھتی ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تیرا ماجرا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں بدستور دُعا کیا کرتی تھی۔ ایک دن حسبِ معمول مشغولِ دُعا تھی ناگاہ ایک مقدّس ترین عالم بزرگ نمودار ہوئے اور انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تو واقعی علی کو دوست رکھتی ہے ، میں نے کہا "جی ہاں" ایسا ہی ہے یہ سُن کر انھوں نے کہا کہ " خدایا اگر یہ عورت دعوائے محبت میں سچّی ہے تو اسے بینائی عطا فرما" ان کے

اِن الفاظ کے زبان پر جاری ہوتے ہی میری آنکھیں کھُل گئیں، چشمِ بینا مل گئی، میں سب کچھ دیکھنے لگی ۔ میں نے اس کے فوراً بعد قدموں پر گر کر پوچھا، حضور آپ کون ہیں ۔ فرمایا میں وُہی ہوں جس کے واسطہ سے تو دُعا کر رہی تھی ۔

مشکل کُشا کی مشکل کشائی

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت علی علیہ السلام مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے ۔ ناگاہ آپ کی نگاہ اپنے ایک مومن پر پڑی دیکھا کہ اسے ایک شخص بُری طرح گرفت میں لیے ہوئے ہے ۔ حضرت اس کے قریب گئے اور اس سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے، اس مومن نے کہا، مولا میں اس مردِ منافق کے ایک ہزار سات سو دینار کا قرض دار ہوں، اس نے مجھے پکڑ رکھا ہے اور اتنی مہلت بھی نہیں دیتا کہ میں یہاں سے جا کر کوئی بندوبست کروں حضرت نے فرمایا کہ تو زمین کی طرف رُخ کر اور جو پتھر وغیرہ اس وقت تیرے ہاتھ آئیں اُنھیں اُٹھا لے ۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جب اُس نے اٹھا کر دیکھا تو وہ سب سونے کے تھے ۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کا قرضہ ادا کرنے کے بعد جو بچے اسے اپنے کام میں لا ۔ راوی کہتا ہے کہ دوسرے دن جبریل کے کہنے سے حضرت رسُولِ کریمؐ نے اس واقعہ کو اصحاب کے مجمع میں بیان فرمایا

ایک مشلول کی شفایابی

عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ ایک روز نماز صبح کے بعد حضرت رسُول کریمؐ مسجد مدینہ میں بیٹھے ہوئے سلمانؓ ابوذر، مقداد اور حذیفہ سے محوِ گفتگو تھے کہ ناگاہ مسجد کے باہر ایک غلغلہ اٹھا، شور سُن کر لوگ مسجد کے باہر آگئے تو دیکھا کہ چالیس آدمی کھڑے ہیں جو مسلح ہیں اور ان کے آگے ایک نہایت خوب صورت نوجوان شخص ہے حذیفہ نے رسُولؐ خدا کو حالات سے آگاہ کیا، آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو میرے پاس لاؤ، وہ آگئے ۔ تو حضرت نے فرمایا کہ علی بن ابی طالب کو بُلا لاؤ ۔ حذیفہ گئے، امیرالمومنین نے فرمایا کہ اے حذیفہ مجھے علم ہے کہ ایک گروہ قوم عاد سے آیا ہے، مجھے ان کی حاجت بھی معلوم ہے ۔ اس کے بعد آپ حاضر خدمت رسُولِ کریمؐ ہوئے ۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے ان کا سامنا کرایا۔ حضرت علیؑ نے اُس مردِ خوبرو سے کہا کہ اے حجاج بن خلجا بن ابی العصف بن سعید بن ممتع بن علاق بن وھب بن صعب، بتا تیری کیا حاجت ہے، اُس نے جب اپنا نام اور پُورا شجرہ سُنا تو حیران رہ گیا۔ اور کہا کہ حضور میرے بھائی کو شکار کا بڑا شوق ہے ۔ اُس نے ایک دن جنگل میں شکار کھیلتے ہوئے ایک جانور کے پیچھے گھوڑا ڈالا، اور اس پر تیر چلایا، اس کے فوراً بعد اس کا نصف بدن شل ہو گیا ہے، بڑے علاج کئے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا، آپ نے فرمایا کہ اسے میرے سامنے لا، وہ ایک شتر پہ لایا گیا، حضرت نے اُسے حکم دیا کہ اُٹھ بیٹھ۔ چنانچہ وہ تندرست ہو کر اُٹھ بیٹھا ۔ یہ دیکھ کر وہ اور اس کے قبیلہ کے ستر ہزار نفوس مُسلمان ہو گئے ۔

آپؑ کی سایۂ رحمت سے محرومی

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ۲۸ صفر سلسلہ ۱۱ ہجری یوم دوشنبہ انتقال فرمایا۔ (مودۃ القربیٰ) حضرت علیؑ آپ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ حضرت عمر حضرت ابوبکر کو ہمراہ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور مشورہ ہائے باطل کے لیے بنایا گیا تھا۔ (غیاث اللغات) چلے گئے کافی رسّہ کشی کے بعد حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنالائے۔ حضرت علیؑ چونکہ رسول کریمؐ کو ان کی واپسی سے قبل دفن کر چکے تھے۔ اس لیے سب سے پہلے انھوں نے یہ سوال کیا کہ آپ نے ہماری واپسی کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ رسول کریم بمقام غدیر خم خلیفہ مقرر کر چکے تھے۔ آپ کس جواز سے وہاں گئے اور کس اصول سے مسئلہ خلافت کو زیر بحث لائے اور کیا وجہ تھی کہ ہم رسول کا لاشہ بے گور و کفن رہنے دیتے۔ اس کے بعد انھوں نے بیعت کا مطالبہ کیا حضرت علیؑ نے اپنا حق فائق ہونا اور اپنے کو منصوص خلیفہ ہونا ظاہر کر کے ان کے مطالبہ کے خلاف احتجاج کیا اور فرمایا کہ مجھ سے بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر انھوں نے شدید اصرار کیا اور آپ سے بیعت لینے کی ہر ممکن سعی کی۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ اسی سلسلہ میں فاطمہ کا گھر جلایا گیا۔ فاطمہ کے دُرّے لگائے گئے۔ علی کی گردن میں رسّی باندھی گئی اور آپ کو قتل کر دینے کی دھمکی دی گئی اور وراثت رسول سے فاطمہ اور اولاد فاطمہ کو محروم کر دیا گیا۔ باغ چھینا گیا۔ علی حسنین اور اُم ایمن کو گواہی فدک میں جھوٹا قرار دیا گیا۔ ان حالات سے آل محمدؐ کو جتنا متاثر ہونا چاہیئے۔ اس کا اندازہ ہر با فہم کر سکتا ہے۔ حضرت علیؑ جو سایۂ رحمت رسول سے محروم ہو کر مصائب و آلام کی چکّی کے دونوں پاٹے میں آ گئے۔ انھوں نے اپنے خطبات میں اس پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے حالات کی وضاحت کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خطبہ شقشقیہ۔

وفاتِ رسول کے بعد علی کا خطبہ

کتاب نہج البلاغہ ج ۱ ص ۴۳۲ طبع مصر میں ہے "بزرگان اصحاب محمد صلعم نے جو حافظ (قرآن و سنّت نبوی تھے) جان لیا تھا کہ میں کبھی ایک ساعت کے لیے بھی فرمان خدا و رسول سے دور نہیں ہوا اور پیغمبر اکرم کی خاطر کبھی اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔ جب دلیروں نے راہ فرار اختیار کی اور بڑے بڑے پہلوان پیچھے ہٹ آئے اس شجاعت اور جوانمردی کے باعث جو خدا نے مجھے عطا کی ہے۔ میں نے جنگ کی اور رسول خدا کی قبض روح اس حالت میں ہوئی کہ آپ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا۔ ان کی جان میرے ہی ہاتھوں پر بدن سے جدا ہوئی چنانچہ (بہ نیت تبرک و یمن) میں نے اپنے

ہاتھ (رُوح نکلنے کے بعد) اپنے چہرہ پر ملے۔ میں نے ہی آنحضرتؐ کے جسدِ اطہر کو غسل دیا، اور فرشتوں نے (اس کام میں) میری مدد کی۔ پس بیت نبوی اور اس کے اطراف سے گریہ و زاری کی صدا بلند ہوئی۔ فرشتوں کا ایک گروہ جاتا تھا تو دوسرا آجاتا تھا۔ ان کی نمازِ جنازہ کا ہمہمہ میرے کانوں سے جدا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کو آخری آرام گاہ میں رکھ دیا گیا۔ پس آں حضرت کی حیات و ممات میں ان سے میرے مقابلہ میں کون سزاوار تھا۔ (جو کوئی اس کا ادعا کرتا ہے وہ صحیح نہیں کہتا۔الخ (ترجمہ نہج البلاغۃ رئیس احمد جعفری جلد ا صـ۱۲۰ طبع لاہور) اسی کتاب کے صـ۳۰۲ پر ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان اے رسولِ خدا۔ آپ کی وفات سے نبوت۔ احکام الٰہی اور اخبار آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ جو دوسرے (پیغمبروں) کی وفات پر (کبھی) نہیں ہوا تھا۔ آپ کی خصوصیت اور یگانگت یہ بھی تھی کہ دوسری مصیبتوں سے آپ نے تسلّی دے دی۔ (کیونکہ آپ کی مصیبت ہر مصیبت سے بالاتر ہے) اور دُنیا سے رحلت فرمانے کی بناء پر آپ کو یہ عمومیت و خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کے ماتم میں تمام لوگ یکساں دردمند (اور سینہ فگار) ہیں۔ الخ

رفیقۂ حیات کی جُدائی

رسُول کریمؐ کے انتقال پُر ملال کو ابھی ۱۰۰ دن بھی نہ گزرے تھے کہ آپ کی رفیقۂ حیات حضرت فاطمۃ الزہرا اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے صدمے وغیرہ سے بتاریخ ۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۱ھ ہجری انتقال فرما گئیں۔ حضرت علیؑ نے وصیّت فاطمہ کے مُطابق حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عائشہ وغیرہم کو شریکِ جنازہ نہیں ہونے دیا۔ اور شب کے تاریک پردے میں حضرت فاطمۃ الزہرا کو سپردِ خاک فرما دیا۔ اور زمین سے مخاطب ہو کر کہا "یا ارض استودعک ودیعتی ھذا بنت رسُول اللہ" اے زمین میں اپنی امانت تیرے سپرد کر رہا ہوں، اے زمین یہ رسُولؐ کی بیٹی ہیں۔ زمین نے جواب دیا "یا علی انا ارفق بھا منک"۔ اے علی آپ گھبرائیں نہیں۔ میں آپ سے زیادہ نرمی کروں گی۔ (مودۃ القربیٰ صـ۱۲۹ تمام واقعات کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت علیؑ کا خطبہ

زمین سے مخاطبہ کے بعد آپ نے سرورِ کائناتؐ کو مخاطب کر کے کہا، یا رسُول اللہ آپکو میری جانب سے اور آپ کی پڑوس میں اترنے والی اور آپ سے جلد ملحق ہونے والی آپ کی بیٹی کی طرف سے سلام ہو۔ یا رسُول اللہؐ آپ کی برگزیدہ بیٹی کی رحلت سے میرا صبر و شکیب جاتا رہا۔ میری ہمت و توانائی نے ساتھ چھوڑ دیا لیکن آپ کی مفارقت کے حادثۂ عظمیٰ اور آپ کی رحلت کے صدمہ جانکاہ پر صبر کر لینے کے بعد مجھے اس مصیبت پر بھی صبر و شکیبائی ہی سے کام لینا پڑے گا۔ جبکہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو قبر کی لحد میں اتارا اور اس عالم میں آپ کی رُوح نے پرواز کی کہ آپ کا سر میری گردن اور سینے کے درمیان رکھا ہوا تھا (انا للہ وانا الیہ

راجعون) اب یہ امانت پلٹائی گئی ۔ گروی رکھی ہوئی چیز چھڑا لی گئی ۔ لیکن میرا غم بے پایاں اور میری راتیں بے خواب رہیں گی ۔ یہاں تک کہ خداوند عالم میرے لیے بھی اسی گھر کو منتخب کرے ۔ جس میں آپ رونق افروز ہیں (یا رسول اللہؐ) وہ وقت آگیا کہ آپ کی بیٹی آپ کو بتائیں کہ کس طرح آپ کی اُمت نے ان پر ظلم ڈھانے کے لیے ایکا کر لیا ۔ آپ ان سے پورے طور پر پوچھیں اور تمام احوال و واردات دریافت کریں ۔ یہ ساری مصیبت ان پر بیت گئیں ۔ حالانکہ آپ کو گذرے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور نہ آپ کے تذکروں سے زبانیں بند ہوئی تھیں ۔ آپ دونوں پر میرا اسلام رخصتی ہو ایسا اسلام جو کسی ملول و دل تنگ کی طرف سے ہوتا ہے ۔ اب اگر میں (اس جگہ سے) پلٹ جاؤں تو اس لیے نہیں کہ آپ سے میرا دل بھر گیا ہے اور اگر ٹھہرا رہوں تو اس لیے نہیں کہ میں اس وعدہ سے بدظن ہوں ۔ جو اللہ نے صبر کرنے والوں سے کیا ہے ۔ نہج البلاغہ مترجمہ مفتی جعفر حسین جلد ۲ ص ۲۴۳ طبع لاہور) ۔

حضرت علیؑ کی گوشہ نشینی

پیغمبر اسلام کے انتقال پُر ملال اور ان کے انتقال کے بعد کے حالات نیز فاطمہ زہرا کی وفات حسرت آیات نے حضرت علیؑ کو اس اسٹیج پر پہنچا دیا جس کے بعد مستقبل کا پروگرام بنانا ناگزیر ہو گیا یعنی ان حالات میں حضرت علیؑ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ آئندہ زندگی کس اسلوب اور کس طریقہ سے گزاریں بالآخر آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ (۱) دشمنانِ آلِ محمدؐ کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے (۲) گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہیے (۳) حتی المقدور موجودہ صورت میں بھی اسلام کی ملکی و غیر ملکی خدمت کرتے رہنا چاہیے۔ چنانچہ آپ اسی پر کاربند ہو گئے ۔

حضرت علیؑ نے جو پروگرام مرتب فرمایا ۔ وہ پیغمبر اسلام کے فرمان کی روشنی میں مرتب فرمایا کیوں کہ انھیں ان حالات کی پوری اطلاع تھی اور انھوں نے حضرت علیؑ کو سب کچھ بتا دیا تھا ۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں ۔" ان اللہ تعالیٰ اطلع نبیتہ علی مایکون بعدہ مما ابتلی بہ علی" کہ خداوند عالم نے اپنے نبی کو ان تمام امور سے باخبر کر دیا تھا ۔ جو ان کے بعد ہونے والے تھے ، اور ان حالات و حادثات کی اطلاع کر دی تھی جس میں علی مبتلا ہوئے (صواعق محرقہ ص ۷۲) رسول کریمؐ نے فرمایا تھا کہ اے علی میرے بعد تم کو سخت صدمات پہنچیں گے ، تمھیں چاہیے کہ اس وقت تم دل تنگ نہ ہو اور صبر کا طریقہ اختیار کرو اور جب دیکھنا کہ میرے صحابہ نے دنیا اختیار کر لی ہے ، تو تم آخرت اختیار کیے رہنا (روضۃ الاحباب جلد ا ص ۵۵۹ و مدارج النبوت جلد ۲ ص ۵۱۱) یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ نے تمام مصائب و آلام نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیے مگر تلوار نہیں اٹھائی اور گوشہ نشینی اختیار کر کے جمع قرآن

کی تکمیل کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً اپنے مشوروں سے اسلام کی کمر مضبوط فرماتے رہے۔

غصب خلافت کے بعد تلوار نہ اُٹھانے کی وجہ

بعض برادران اسلام یہ کہہ دیتے ہیں کہ جب علی کی خلافت غصب کی گئی اور اُنھیں مصائب و آلام سے دوچار کیا گیا تو انھوں نے بدر و احد، خیبر و خندق میں چلی ہوئی تلوار کو نیام سے باہر کیوں نہ نکال لیا۔ اور صبر پہ کیوں مجبور ہو گئے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ علی جیسی شخصیت کے لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انھوں نے اسلام کے عہد اوّل میں جنگ کیوں نہیں کی۔ کیونکہ ابتدا عمر سے تا حیات پیغمبر علی ہی نے اسلام کو پروان چڑھایا تھا ہر مہلکہ میں اسلام ہی کے لیے علی لڑے تھے۔ علی نے اسلام کے لیے کبھی اپنی جان کی پرواہ نہیں کی تھی۔ بھلا علی سے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ رسول کریمؐ کے انتقال کے بعد وہ تلوار اُٹھا کر اسلام کو تباہ کر دیتے اور سرور کائنات کی محنت اور اپنی مشقت کو اپنے لیے تباہ و برباد کر دیتے۔ استیعاب عبدالبر جلد ۱ ص۱۸۳ طبع حیدرآباد میں ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ دیکھو رسولؐ اللہ کا انتقال ہو چکا ہے اور خلافت کے بارے میں مجھ سے کوئی نزاع نہ کرے کیوں کہ ہم ہی اس کے وارث ہیں۔ لیکن قوم نے میرے کہنے کی پرواہ نہیں کی۔ خدا کی قسم اگر دین میں تفرقہ پڑ جانے اور عہد کفر کے پلٹ آنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ساری کاروائیاں پلٹ دیتا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۴ ص۲۰۴ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی نے اسی طرح چشم پوشی کی جس طرح کفر کے پلٹ آنے کے خوف سے حضرت رسول کریم منافقوں اور مولفۃ القلوب کے ساتھ کرتے تھے۔ کنزالعمال جلد ۶ ص۳۳ میں ہے کہ آنحضرت منافقو کے ساتھ اس لیے جنگ نہیں کرتے تھے کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ محمد نے اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالا۔

کتاب معالم التنزیل ص۴۱۲ و ص۴۱۴، احیاء العلوم جلد ۴ ص۸۸ سیرت محمدیہ ص۳۵۶ تفسیر کبیر ج ۴ ص۶۸۶ تاریخ خمیس ج ۲ ص۱۱۳۹ سیرت حلبیہ ص۳۵۶ شواہد النبوت اور فتح الباری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اے عائشہ "لولا حدثان قومك بالكفر لفعلت" اگر تیری قوم تازی کفر سے مسلمان نہ ہوئی ہوتی تو میں اس کے ساتھ وہ کرتا جو کرنا چاہیئے تھا۔

حضرت علیؑ اور رسولِ کریمؐ کے عہد میں کچھ زیادہ بُعد نہ تھا۔ جن وجوہ کی بنا پر رسولؐ نے منافقوں سے جنگ نہیں کی تھی انھیں وجوہ کی بنا پر حضرت علیؑ نے بھی تلوار نہیں اٹھائی۔ کنزالعمال جلد ۶ ص۶۹ کتاب خصائص سیوطی جلد ۲ ص۱۳۸ و روضۃ الاحباب جلد ۱ ص۳۶۳ ازالۃ الخفاء ج ۱ ص۱۲۵ وغیرہ میں مختلف طریقہ سے حضرت کی وصیت کا ذکر ہے اور اس کی وضاحت ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ کیا ہونا ہے اور علی کو اس وقت کیا کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے اس حوالہ کے بعد کہ میری جنگ سے اسلام منزلِ اول ہی میں ختم ہو جائے گا۔ میں نے تلوار نہیں اٹھائی۔ یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اس وقت کا

بہت زیادہ خیال رکھا کہ رسولِ خدا نے مجھ سے عہد خاموشی و صبر لیا تھا۔ تاریخ اعثم کوفی طبع بمبئی میں حضرت علیؑ کی وہ تقریر موجود ہے جو آپ نے خلافتِ عثمان کے موقع پر فرمائی ہے۔ ہم اس کا ترجمہ اعثم کوفی اُردو طبع دہلی کے صـ ۱۱۳ سے نقل کرتے ہیں۔ خدائے جلیل کی قسم اگر محمد رسول اللہ ہم سے عہد نہ لیتے اور ہم کو اس امر سے مطلع نہ کر چکے ہوتے جو ہونے والا تھا تو میں اپنا حق کبھی نہ چھوڑتا۔ اور کسی شخص کو اپنا حق نہ لینے دیتا۔ اپنے حق کے حاصل کرنے کے لیے اس قدر کوشش بلیغ کرتا کہ حصولِ مطلب سے پہلے معرضِ ہلاکت میں پڑنے کا بھی خیال نہ کرتا۔ ان تمام تحریروں پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے جنگ کیوں نہیں کی اور صبر و خاموشی کو کیوں ترجیح دی۔

میں نے اپنی کتاب "الغفاری کے صـ ۱۲۱" پر حضرت ابوذر کے متعلق امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ارشاد "دعی علما عجز فیہ" کی شرح کرتے ہوئے امام اہل سنت ابن اثیر جزری کی ایک عبارت تحریر کی ہے جس سے حضرت علیؑ کے جنگ نہ کرنے کی وجہ پر روشنی پڑتی ہے۔" وہ یہ ہے "

"نہایۃ اللغت ابن اثیر جزری کے صـ ۲۳۱ میں ہے "الاعجاز جمع عجز وھو موخر الشی یرید بھا آخر الامور" اعجاز، عجز کی جمع ہے جس کے معنی موخر شئی کے ہیں اور جس کا مطلب آخر امور تک پہنچنے سے متعلق ہے۔ اس کے بعد علامہ جزری لفظ اعجاز کی شرح کرتے ہوئے حضرت علی کی ایک حدیث نقل فرماتے ہیں ومن حدیث علی لنا حق ان نعطہ ناخذہ وان نمنعہ نرکب اعجاز الابل وان طال السری " آپ فرماتے ہیں کہ خلافت ہمارا حق ہے اگر ہمیں دے دیا گیا تو لے لیں گے اور اگر ہمیں روک دیا یعنی ہمیں نہ دیا گیا تو ہم "اعجاز ابل" پر سواری کریں گے۔ یعنی آخر تک اپنے اس حق کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے اور اس میں مدت کی پرواہ نہ کریں گے یہاں تک کہ اسے حاصل کرلیں یہی وجہ ہے کہ " سلم وصبر علی التاخیر ولم یقاتل وانما قاتل بعد انعقاد الامامۃ الخ ولننگ اور صبر کئے آخر تک بیٹھے رہے اور خلفاء وقت سے جنگ نہیں کی۔ پھر جب انھوں نے امامت (خلافت) حاصل کرلی تو (اسے صحیح اصولوں پر چلانے کے لیے) ضروری سمجھا الخ۔

حضرت علیؑ کا قرآن پیش کرنا

نورالابصار امام شبلنجی میں ہے کہ حضرت علیؑ نے رسول کریم کے زمانہ میں قرآن مجید جمع کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ (جلد ۱ صـ ۷۳) صواعق محرقہ صـ ۷۶ میں ہے کہ جب آپ کو بیعت ابوبکر کے لیے مجبور کیا گیا اور کہا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن مجید کو مکمل طور پر جمع نہ کرلوں گا۔ ردا نہ اوڑھوں گا (اتقان سیوطی صـ ۵۷) وحبیب السیر ج ۱ صـ ۳ میں ہے۔ کہ علی کا قرآن تنزیل کے مطابق تھا۔ بحار الانوار۔ ومناقب ج ۲ صـ ۶۶ میں ہے کہ امیر المومنین نے پورا قرآن جمع کرنے کے بعد

اسے چادر میں لپیٹا اور لے کر مسجد میں پہنچے اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ یہ وہ قرآن ہے جسے میں نے تنزیل کے مطابق جمع کیا ہے اور جو آنحضرت کی نظر سے گذر چکا ہے، اسے لے لو اور رائج کر دو، آپ نے یہ بھی کہا کہ میں اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ مجھے آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا کہ اتمام حجت کے لیے پیش کرنا۔ کتاب فصل الخطاب میں ہے کہ انھوں نے جواب دیا کہ اسے واپس لے جاؤ۔ ہمیں تمھارے قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء کے صہ ۱۸۴ میں ابن سیرین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر وہ قرآن قبول کر لیا گیا ہوتا، تو لوگوں کو بے انتہا فائدہ پہنچتا۔

حضرت علیؑ کے محافظِ اسلام مشورے

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علیؑ اپنے پیش رَو حضرات خلفاء کو غادر خائن، کاذب، آثم سمجھتے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۹۱ طبع نولکشور) اور ان کی سیرت سے اس درجہ بیزار تھے کہ بموقع تقرر خلافت حضرت عثمان، سیرت شیخین کی شرط کی وجہ سے تخت چھوڑنا گوارا کیا تھا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علی اپنے ذاتی جذبات پر خدا و رسولؐ کے جذبات کو مقدم رکھتے تھے، عمرو بن عبدود نے جب جنگِ خندق میں آپ کے چہرہ مبارک کے ساتھ لعاب دہن کے ساتھ بے ادبی کی تھی اور آپ کو غصہ آگیا تھا تو آپ سینے سے اُتر آئے تھے، تاکہ کارِ خدا میں اپنا ذاتی غصہ شامل نہ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ دل تنگ اور ناراض ہونے کے باوجود، تحفظ وقار اسلام کی خاطر خلفاء کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو (۱) قیصر رُوم نے خلیفہ رُوم سے سوال کر دیا کہ آپ کے قرآن میں کونسا ایسا سورہ ہے جو صرف سات آیتوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں سات حروف حروفِ تہجی کے نہیں ہیں۔ اس سوال سے عالم اسلام میں ہلچل مچ گئی۔ حفاظ نے بہت غور و فکر کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام کو بلوا بھیجا اور یہ سوال سامنے رکھا۔ آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ وہ سورۂ حمد ہے۔ اس سورہ میں سات آیتیں ہیں اور اس میں ث، ج، خ، ز، ش، ظ، ف نہیں ہیں۔ (۲) علماء یہود نے خلیفہ دوم سے اصحاب کہف کے بارے میں چند سوالات کیے، آپ ان کا جواب نہ دے سکے اور آپ نے علی کی طرف رجوع کی حضرت نے ایسا جواب دیا کہ وہ پورے طور پر مطمئن ہو گئے۔ حجر اسود کے بوسہ دینے پر حضرت علی نے جو بیان دیا ہے۔ اس سے حضرت عمر کی پشیمانی، درِ منثور سیوطی میں موجود ہے (۳) عہد اول میں نیز عہد ثانی کی ابتداء میں شراب پینے پر ۴۰ کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے یہ دیکھ کر کہ اس حد سے رُعب نہیں جمتا اور لوگ کثرت سے شراب پی رہے ہیں۔ حضرت علیؑ سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ چالیس ۴۰ کے بجائے اسّی ۸۰ کوڑے کر دیئے جائیں اور اس کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ جو شراب پیتا ہے نشہ میں ہوتا ہے اور جس کو نشہ ہوتا ہے وہ ہذیان بکتا ہے اور جو ہذیان بکتا ہے وہ افترا کرتا ہے وعلی

المفتری ثمانون"۔ اور افترا کرنے والوں کی سزا اسّی کوڑے ہیں۔ لہٰذا شرابی کو بھی اسّی کوڑے مارنے چاہیئے۔ حضرت عمر نے اسے تسلیم کر لیا۔ (مطالب السؤل ص۴۰) (۴) ایک حاملہ عورت نے زنا کیا حضرت عمر نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کیا جائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ زنا عورت نے کیا ہے۔ لیکن وہ بچہ جو پیٹ میں ہے۔ اس کی کوئی خطا نہیں، لہٰذا عورت پر اس وقت حد جاری کی جائے جب وضع حمل ہو چکے۔ حضرت عمرؓ نے تسلیم کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ کہا۔ "لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ" (۵) جنگ روم میں آپ کے جانے کے متعلق حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ کیا (۶) جنگ فارس میں بھی خود شریک جنگ ہونے کے متعلق حضرت علی سے مشورہ لیا۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کو خود جنگ میں جانے سے روکا اور فرمایا کہ اگر آپ شہید ہو جائیں گے تو کسر شان اسلام ہوگی۔ . . . الخ حضرت علی کے مشورہ پر حضرت عمر بہادروں کے مسلسل زور دینے کے باوجود جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت علی نے نہایت ہی صائب مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ جنگ بدر اور خیبر، خندق کے واقعات و حالات سے واقف تھے۔ اگر خدانخواستہ میدان چھوٹ جاتا تو یقیناً کسر شان اسلام ہوتی۔ اگر شہادت سے کسر شان اسلام کا اندیشہ ہوتا تو حضرت علی سرور کائنات کو بھی مشورہ دیتے کہ آپ کسی جنگ میں خود نہ جایئے۔ تاریخ میں ہے کہ وہ برابر جاتے اور زخمی ہوتے رہے۔ احد میں تو جان ہی خطرہ میں آگئی تھی (۷) مسٹر امیر علی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی کے مشورہ سے زمین کی پیمائش کی گئی اور مال گذاری کا طریقہ رائج کیا گیا۔ (۸) آپ ہی کے مشورہ سے سنہ ہجری قائم ہوا۔

مشوروں کے متعلق علماء اسلام کی رائیں

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے چاہا کہ خود جنگ روم و ایران میں جائیں تو حضرت علیؑ ہی نے ان کو مفید مشورہ دیا۔ جس کو حضرت عمر نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور وہ اپنے ارادہ سے باز رہے۔ اور حضرت عثمان کو بھی ایسے قیمتی مشورے دیئے جن کو اگر وہ قبول کر لیتے تو انھیں حوادث و آفات کا سامنا کرنا نہ پڑتا۔ عبید اللہ امرت سری لکھتے ہیں کہ تمام مورخین متفق ہیں کہ اسلام میں حضرت عمر سے زیادہ کوئی خلیفہ مدبر پیدا نہیں ہوا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر ہر باب میں حضرت علی سے مشورہ لیتے تھے۔ (ارجح المطالب ص۲۲۷) مسٹر امیر علی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے عہد حکومت میں جتنے کام رفاہ عام کے ہوئے ہیں وہ سب حضرت علی کے صلاح و مشورہ سے عمل میں آئے۔ (تاریخ اسلام)

مشوروں کے علاوہ جانی امداد

حضرت علیؑ نے صرف مشوروں ہی سے عہد گوشہ نشینی میں اسلام کی مدد نہیں کی بلکہ جانی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ مثال کے لیے عرض ہے کہ جب فتح مصر کا موقع آیا تو حضرت علی نے اپنے خاندان کے نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کرایا اور ان کے ذریعہ سے جنگی خدمات انجام دیئے۔ شیخ محمد ابن محمد بن معز مملکت مصر میں مسلمانوں

کی فتوحات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ مبارکباد کے قابل ہیں حضرت علی کے بھتیجے اور داماد مسلم بن عقیل اور ان کے بھائی جنھوں نے محاذِ مصر میں سخت جنگ کی اور اس درجہ زخمی ہوئے کہ خون ان کی زرہ پر سے جاری تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اونٹ کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب فتوحات ص۹۴ طبع بمبئی ۱۲۸۶ھ) اسی طرح فتح شوشتر کے موقع پر ۱۷ھ میں آپ کے بھتیجے محمد ابن جعفر اور عون بن جعفر شہید ہوئے۔ تاریخ اسلام جلد ۳ ص۱۸ بحوالہ تاریخ کامل واستیعاب۔

حضرت علیؑ اور اسلام میں سڑکوں کی تعمیری بنیاد

حضرت علی بذاتِ خود صراطِ مستقیم تھے۔ اور آپ کو راستوں سے زیادہ دلچسپی تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ میں زمین و آسمان کے راستوں سے واقف ہوں۔ حافظ حیدر علی قلندر سیرت علویہ میں لکھتے ہیں کہ جزیہ کا مال وروپیہ لشکر کی آراستگی، سرحد کی حفاظت اور قلعوں کی تعمیر میں صرف ہوتا تھا۔ اور جو اس سے بچ رہتا تھا۔ وہ سڑکوں پلوں کی تیاری اور سر رشتۂ تعلیم کے کام میں آتا تھا۔ (احسن الانتخاب ص۴۸۸ طبع لکھنؤ ۱۳۵۱ھ) اسی سیرت علویہ کی روشنی میں فقہی کتابوں میں سڑک کی تعمیر کی طرف (لفظ فی سبیل اللہ) سے اشارہ کیا گیا ہے (شرائع الاسلام طبع ایران ۱۲۸۰ھ) میں ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مخصوص جنگی اخراجات ہیں اور ایک قول ہے کہ اس میں راستوں اور پلوں کی تعمیر زائروں کی امداد و مسجدوں کی مرمت بھی شامل ہے اور مجاہد کو چاہے وہ اپنے معاملات میں غنی ہی کیوں نہ ہو۔ امداد دینی ضروری ہے سبیل کے معنی راستے کے ہیں اور اس کی اضافت اللہ کی طرف دینے سے بحوالہ مذکورہ ثابت ہوتا ہے کہ سڑک کی تعمیر کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے حضرت علی نے سڑک کی تعمیر میں پورے انہماک کا ثبوت دیا ہے۔ علامہ ہاشم بحرینی کتاب مدینۃ المعاجز کے ص۷۹ پر بحوالہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے، ۱میل تک اپنے ہاتھوں سے زمین ہموار کی اور سڑک تعمیر فرمائی اور ہر میل پر پتھر نصب کر کے ان پر (ھذا میل علی) تحریر فرمایا۔ چونکہ اس زمانہ میں نقل و حمل کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لیے ان وزنی پتھروں کو جنھیں بڑے قوی ہیکل لوگ اٹھا نہ سکتے تھے۔ حضرت علی خود اٹھا کر لے جاتے تھے اور نصب کرتے تھے اور اٹھانے کی شان یہ تھی کہ دو پتھروں کو ہاتھوں میں لے لیتے تھے۔ اور ایک کو پیروں کی ٹھوکروں سے آگے بڑھاتے تھے۔ اس طرح تین تین پتھر لے جا کر ہر میل پر سنگ میل نصب کرتے تھے۔ علامہ شبلی نے حضرت عمر کے محکمہ جنگی کی ایجاد کو "الفاروق" میں بڑے شد و مد سے لکھا ہے۔ لیکن حضرت علی کی اس اہم رفاہی خدمت کا کہیں بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت علی کی یہ وہ بنیادی خدمت ہے۔ جس کا جواب ناممکن ہے۔

حضرت عثمان کی خلافت اور وفات

مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت شیخین کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت پھر زیر بحث لایا گیا۔ اور حضرت علی سے کہا گیا کہ آپ سیرت شیخین پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیجیے۔ تو آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں خدا و رسول اور اپنی صائب رائے پر عمل کروں گا۔ لیکن سیرت شیخین پر عمل نہیں کر سکتا[1]۔ اس فرمانے کے بعد لوگوں نے اسی کے اقرار کے ذریعہ سے حضرت عثمان کو خلیفہ بنا دیا۔ حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں خویش پروری، اقربا نوازی کی۔ بڑے بڑے اصحاب رسول کو جلا وطن کیا۔ بیت المال کے مال میں بے جا تصرف کیا۔ اپنی لڑکی کے لیے محل تعمیر کرائے۔ مروان بن حکم کو اپنا داماد اور وزیر اعظم بنا لیا۔ حالانکہ رسول اللہ اسے شہر بدر کر چکے تھے۔ اور شیخین نے بھی اسے داخل مدینہ نہیں ہونے دیا تھا۔ فدک اس کے حوالے کر دیا۔ بعض معزز اصحاب کو پٹوایا۔ گزرے ہوئے عہد میں جو قرآن رائج تھے انھیں جمع کر کے جلوا دیا[2]۔ جن اصحاب نے اپنے قرآن نہ دیئے انھیں مسجد میں اتنا پٹوایا کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ حضرت عائشہ ام المومنین کا وظیفہ بند کر دیا اور حضرت محمد ابن ابی بکر کو قتل کر دینے کی پوری سازش کی۔ انھیں حالات کی وجہ سے نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حضرت عائشہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ "اقتلوا نعثلاً" اس لمبی ڈاڑھی والے کو قتل کر دو۔ (روضۃ الاحباب جلد ۳ ص ۱۱ ۲۰۰ مجمع البحار ۲ ص ۳۷۲ نہایہ ابن اثیر ص ۱۶۶) اس فرمانے کے بعد آپ حج کو تشریف لے گئیں۔ آپ کے جانے کے بعد لوگوں نے عثمان کو قتل کر ڈالا۔ جب آپ کو مکہ میں قتل عثمان کی اطلاع ملی تو آپ بہت خوش ہوئیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے جنازہ پر حضرت علی مدینہ میں ہونے کے باوجود نماز جنازہ نہیں پڑھ سکے۔ آپ کی لاش کوڑے پر ڈال دی گئی، اور کتوں نے ایک ٹانگ کھالی۔ (تاریخ اعثم کوفی)۔ الغرض آپ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ یوم جمعہ ۸۸ سال کی عمر میں قتل ہو کر یہودیوں کے قبرستان (حش کوکب) میں دفن ہوئے۔

حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری

پیغمبر اسلام کے انتقال کے بعد سے حضرت علی گوشہ نشینی کے عالم میں فرائض منصبی ادا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ خلافت کے تین دور اسلام کی تقدیر کے چکر بن کر گزر گئے اور ۳۵ھ میں تخت خلافت خالی ہو گیا۔ ۲۳ - ۲۴ سال کی مدت حالات کو پرکھنے اور حق و باطل کے فیصلہ کے لیے کافی ہوتی ہے۔ بالآخر اصحاب اس نتیجہ پر پہنچے کہ تخت خلافت حضرت علی کو بلا شرط حوالہ کر دینا چاہیے چنانچہ اصحاب کا ایک عظیم گروہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس گروہ میں عراق، مصر، شام حجاز، فلسطین اور یمن کے نمائندے شامل تھے۔ ان لوگوں نے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی۔

[1] بدائع بعدہ ص ۳۳۳ و شرح فقہ اکبر ص ۸۰ [2] تاریخ القرآن ص ۳۶ طبع جدہ

حضرت علیؑ نے فرمایا مجھے اس کی طرف رغبت نہیں ہے۔ تم کسی اور کو خلیفہ بنالو۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ جب لوگوں نے اسلام کے انجام سے حضرت کو ڈرایا، تو آپ نے رضا ظاہر فرمائی۔ نہج البلاغۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں خلیفہ ہو جاؤں گا تو تمھیں حکم خداوندی ماننا پڑے گا۔ بہرحال آپ نے ظاہری خلافت قبول فرمائی۔ مصنف برایت سروے نے لکھا ہے کہ علی ۶۵۵ء میں تخت خلافت پر بٹھائے گئے۔ جو حقیقت کے لحاظ سے رسولؐ کی رحلت کے بعد ہی ہونا چاہیئے تھا۔ (تاریخ اسلام جلد ۳ ص۲۶) روضۃ الاحباب میں ہے کہ خلافت ظاہریہ قبول کرنے کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ پڑھا اس کی ابتدا ان لفظوں سے تھی " الحمد للہ علی احسانہ قد رجع الحق الی مکانہ " خدا کا لاکھ لاکھ شکر اور اُس کا احسان ہے۔ کہ اس نے حق کو اپنے مرکز اور مکان پر پھر لا موجود کیا۔ تاریخ اسلام اور جامع عباسی میں ہے کہ ۱۸ ذی الحجہ کو حضرت علیؑ نے خلافت ظاہریہ قبول فرمائی اور ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ کو بیعت عامہ عمل میں آئی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ جب محمد صاحب نے انتقال فرمایا۔ تو علی میں مذہب اسلام کے مسلم التبوت سردار ہونے کے حقوق موجود تھے۔ لیکن دوسرے تین صاحب ابوبکر و عمر و عثمان نے جائے خلافت پر قبضہ کر لیا اور علی ملقب بہ خلیفہ نہ ہوئے لیکن بعد عثمان ۶۵۶ء میں علی خلیفہ ہو گئے۔ علی کے عہد خلافت میں سب سے پہلا کام طلحہ و زبیر کی بغاوت کو فرو کرنا تھا جنھیں بی بی عائشہ نے بہکایا تھا۔ عائشہ علی کی سخت دشمن تھیں اور خاص انھیں کی وجہ سے علی اب تک خلیفہ نہ ہو سکے تھے۔ (مہذب مکالمہ ص۳۴) مورخ جرجی زیدان لکھتے ہیں کہ " اگر حضرت عمر کے زمانہ میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور رسالت کی ہیبت قائم تھی اور سچا تدین قائم تھا۔ حضرت علی مسلمانوں کے حاکم مقرر ہوتے تو آپ کی حکومت اور سیاست کہیں بہتر اور اعلیٰ ثابت ہوتی اور آپ کے کاموں میں ذرہ برابر بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آپ کے پاس خلافت کی خدمت اس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں فاسد ہو گئی تھیں اور انتظامات ملکی اور اصولی حکومت کے متعلق والیوں اور ماتحتوں کے دلوں میں حرص و طمع پیدا ہو گئی تھی اور ان سب سے زیادہ طماع اور مکار معاویہ ابن ابی سفیان تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی حکومت جمانے کے لیے لوگوں کو دھوکا فریب دے کر، ان کے ساتھ مکر و حیلہ کر کے اور مسلمانوں کا مال بے دریغ لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کر لیا تھا۔ (تاریخ التمدن الاسلامی ۴ ص۳۷ طبع مصر)۔

فاضل معاصر سید ابن حسن جارچوی لکھتے ہیں کہ اگر علی رسول کے بعد ہی خلیفہ تسلیم کر لیے جاتے تو دنیا منہاج رسالت پر چلتی اور راہوار سلطنت و حکومت دین حق کی شاہراہ پر سرپٹ دوڑتا مگر مصلحت اور دور اندیشی کے نام سے جو آئین و رسوم حکمران جماعت کا جزو زندگی اور اوڑھنا بچھونا بن گئے تھے۔ انھوں نے علی کی پوزیشن ناہموار اور ان کا موقف نا استوار بنا دیا تھا۔ پچھلے دور کی غیر اسلامی رسموں اور

امتیاز پسند ذہنیتوں کی اصلاح کرنے میں ان کو بڑی دقت ہوئی اور پھر بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ طبیعتیں عدمِ مساوات کی خوگر اور معاشرتی عدل سے کوسوں دُور ہو چکی تھیں۔ علی نے بیعت کے دُوسرے روز بیت المال کا جائزہ لیا اور سب کو برابر برابر تقسیم کر دیا۔ حبشی غلام اور قرشی سردار دونوں کو دو دو درہم ملے اس پر پیشانی پر سلوٹیں پڑنے لگیں۔ بنی اُمیہ کو اس دور میں اپنی دال گلتی نظر نہ آئی۔ کچھ معاویہ سے جا ملے کچھ ام المومنین عائشہ کے پاس مکہ جا پہنچے، اعثم کوفی کا بیان ہے کہ عائشہ حج سے واپس آ رہی تھیں کہ انھیں قتلِ عثمان کی خبر ملی۔ انھوں نے نہایت اشتیاق سے پوچھا کہ اب کون خلیفہ ہوا، کہا گیا کہ "علی" یہ سُن کر بالکل خاموش ہوئیں عبداللہ ابن سلمہ نے کہا۔ کیا آپ عثمان کی مذمت اور علی کی تعریف نہیں کرتی تھیں۔ اب ناخوشی کا سبب کیا ہے؟ فرمایا آخر وقت میں اس نے توبہ کر لی تھی۔ اب اس کا قصاص چاہتی ہوں۔ ابنِ خلدون کا بیان ہے کہ عائشہ نے اعلان کرایا کہ جو شخص اسلام کی ہمدردی کرنا اور خونِ عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہو اور اس کے پاس سواری نہ ہو۔ وہ آئے اُسے سواری دی جائے گی۔ بریف سروے آف ہسٹری کا قول ہے کہ "عائشہ جو علی کی پُرانی اور ہمیشہ کی دشمن تھی۔ عداوت میں اس قدر بڑھ گئیں کہ ان کے معزول کرنے کے لیے ایک فوج جمع کر لی۔

حضرت علی کو ایک دوسری دِقت یہ درپیش تھی کہ سارا عالمِ اسلام ان اموی عاملوں اور حاکموں سے تنگ آ گیا تھا۔ جو حضرت عثمان کے عہد میں مامور تھے۔ اگر علی ان کو بدستور رہنے دیتے تو حکومت کے باوجود جمہور کو چین نہ ملتا اور اگر ہٹاتے ہیں تو مخالفوں کی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں حکام و عامل مُدت سے خودسری کے عادی اور بیت المال کو ہضم کرنے کے خوگر ہو چکے تھے۔ اکثر ان میں ایسے تھے جن کے باپ دادا یا عزیز و اقربا علیؑ کی تلوار سے موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے یا علیؑ کے کھرے اور بے لوث عدل و انصاف کا تماشہ دیکھ چکے تھے ان کو نظر آ رہا تھا کہ علی ہیں تو ہم نہیں رہ سکتے اور رہے بھی تو من مانی نہیں کر سکتے۔ انھوں نے وہ کمین گاہ تلاش کی جہاں بیٹھ کر وہ دامادِ رسُول پر تیر چلا سکیں۔ اور وہ مورچے بنائے اور گھاٹیاں کھودیں جن کی آڑ میں چھپ کر وہ نئی حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑ سکیں۔ طلحہ وزبیر جو خود حکومت کے خواہاں اور خلافت کے آرزومند تھے۔ اور حضرت عائشہ کی حمایت اور مدد اُن کو حاصل تھی پہلے تو علیؑ سے بیعت کر بیٹھے، پھر لگے ان سے سازشیں کرنے، ایک دن آئے اور بصرہ و کوفہ کی حکومت طلب کرنے لگے۔ حضرت علیؑ نے کہا مجھے تمھاری ضرورت ہے۔ مدینہ میں رہو اور روزمرہ کے کاروبارِ حکومت میں میری مدد کرو۔ دوسرے دن وہ مکہ جانے کی اجازت مانگنے آئے۔ واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے، ایسی حالت میں کہ لب پر تقویٰ اور دل میں مکر تھا۔ یہ عائشہ سے جا ملے جو مخالفت کے لیے تیار تھیں۔ یہی مورخ لکھتا ہے۔

علی خلیفہ ہو گئے لیکن دیکھتے تھے کہ ان کی حکومت جمی نہیں ہے۔ گزشتہ خلیفہ کے زمانے میں بہت سی بدعنوانیاں پیدا ہو گئیں تھیں جن میں اصلاح کی ضرورت تھی اور بہت سے صوبے ان لوگوں کے ہاتھ میں تھے جن کی وفاداری پہ ان کو مطلقاً اعتماد نہ تھا۔ انھوں نے اصلاحِ عام کا ارادہ کیا، پہلی اصلاح یہ تھی کہ گورنر ہٹا دیئے جائیں۔ لوگوں نے ان کے اس عمل کی موافقت نہ کی۔ مگر علی نے نہ مانا۔

گورنروں کی تقرری

اور گورنروں کی تقرری فرما دی۔ آپ نے حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر اس عہدہ پر زیادہ اُن لوگوں کو فائز کیا جن پہ آپ کو کامل اعتماد تھا اور جو عہدِ سابق میں اپنے حقوقِ سرداری سے محروم رکھے گئے تھے۔ آپ نے عبداللہ کو یمن کا، عبید کو بحرین کا۔ سماعہ کو تہامہ کا۔ عون کو یمامہ کا قثم کو مکہ کا۔ قیس کو مصر کا عثمان بن حنیف کو بصرہ کا۔ عمار کو کوفہ کا اور سہل کو شام کا گورنر مقرر فرما دیا۔

(حضرت علی کو) صلاح دی گئی کہ وہ معاویہ کو اپنی جگہ رہنے دیں . . . مگر علی نے ایسی صلاحوں پر توجہ نہ کی، اور قسم کھائی کہ میں راستی سے منحرف امور پر عمل نہ کروں گا۔ احسان اللہ عباسی تاریخِ اسلام میں لکھتے ہیں۔ علی نے سیدھے طور پر جواب دیا کہ میں اُمتِ رسولؐ پر بُرے لوگوں کو حکمران نہیں رکھ سکتا۔ علامہ جرجی زیدان تاریخ تمدنِ اسلامی میں لکھتے ہیں "یہ امر پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ابوسفیان اور اس کی اولاد نے محض مجبوری کے عالم میں اسلام قبول کیا تھا۔ کیونکہ ان کی اپنی کامیابی سے مایوسی ہو چکی تھی۔ اس لیے معاویہ کو خلافت کی آرزو محض دنیاوی اغراض کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ قریش کے چند چیدہ چیدہ سرداران کے پاس جمع ہو گئے۔ اغراض نفسانی کی بنا پر منصبِ خلافت کا خاندان بنی ہاشم میں جانا ان کو بہت شاق گزر رہا تھا۔"

عامل ہٹتے گئے اور کچھ معاویہ کے پاس شام میں اور کچھ ام المومنین عائشہ کے پاس مکہ میں جمع ہونے گئے۔ طلحہ و زبیر مکہ جا کر ام المومنین سے ملے اور "انتقام عثمان" کے نام سے ایک تحریک اٹھائی۔ عبداللہ ابن عامر اور یعلی ابن امیہ نے جو معزول گورنر تھے اور بیت المال کا روپیہ لے کر بھاگ آئے تھے۔ مالی امداد دی۔ تاریخ اسلام جلد ۳ صـ ۱۶۹ میں ہے کہ بروایت صاحب روضۃ الاحباب و ابن خلدون و ابن اثیر یعلی نے جنابِ عائشہ کو ساٹھ ہزار دینار جو چھ لاکھ درہم ہوتے ہیں اور چھ سو اونٹ اس غرض سے دیئے کہ علی سے لڑنے کی تیاری کریں۔ انھیں اونٹوں میں ایک نہایت عمدہ عظیم الجثہ اونٹ تھا جس کا نام "عسکر" تھا اور جس کی قیمت بروایت مسعودی دو سو اشرفی تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اسی اونٹ پر سوار ہو کر جناب ام المومنین عائشہ داماد رسولؐ زوج بتولؑ حضرت علی علیہ السلام سے لڑیں اور اسی اونٹ کی سواری کی وجہ سے اس لڑائی کو "جنگ جمل" کہا گیا۔

جنگِ جمل

(۳۶ سنہ ھجری)

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی قتل عثمان کے بعد ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو تختِ خلافت پر متمکن ہوئے اور آپ نے عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ قتل عثمان کی تحقیقات سے متعلق تھا۔ نائلہ زوجہ عثمان اگرچہ کوئی شہادت نہ دے سکیں اور کسی کا نام نہ بتا سکیں۔ نیز ان کے علاوہ بھی کوئی چشم دید گواہ نہ مل سکا۔ جس کی وجہ سے فوری سزائیں دی جائیں۔ لیکن حضرت علی تحقیقات یقینیہ کا عزم صمیم کر چکے تھے۔ ابھی آپ کسی نتیجہ پر نہ پہنچنے پائے تھے کہ مکہ میں سازشیں شروع ہو گئیں۔ حضرت عائشہ جو حج سے فراغت کے بعد مدینہ کے لیے روانہ ہو چکی تھیں اور خلافت علی کی خبر پانے کے بعد پھر مکہ میں جا کر فروکش ہو گئی تھیں۔ انھوں نے چار یاران، طلحہ، زبیر، عبداللہ، ابو یعلی کے مشورے سے "انتقام خونِ عثمان" کے نام سے ایک سازشی تحریک کی بنیاد ڈال دی اور قتل عثمان کا الزام حضرت علی علیہ السّلام پر لگا کر لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا اور اس کا اعلانِ عام کرا دیا کہ جس کے پاس علی سے لڑنے کے لیے مدینہ جانے کے واسطے سواری نہ ہو، وہ ہمیں اطلاع دے ہم سواری کا بندوبست کریں گے۔ اس وقت علی کے دشمنوں کی کمی نہ تھی۔ کسی کو آپ سے بغض للہی تھا۔ کوئی جنگ بدر میں اپنے کسی عزیز کے مارے جانے سے متاثر تھا۔ کسی کو پروپیگنڈے سے متاثر کر دیا گیا تھا۔ غرضیکہ ایک ہزار افراد حضرت عائشہ کی آواز پر مکہ میں جمع ہو گئے، اور پروگرام بنایا گیا کہ سب سے پہلے بصرہ پر چھاپا مارا جائے۔ چنانچہ آپ انھیں مذکورہ چاروں افراد کے میمنہ اور میسرہ پر مشتمل لشکر لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ آپ کے ساتھ ازواج نبی میں سے کوئی بھی بی بی نہ گئی۔ حضرت عائشہ کا یہ لشکر جب مقام "ذات العرق" میں پہنچا تو مغیرہ اور سعید ابن عاص نے لشکر سے ملاقات کی اور کہا کہ تم اگر خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتے ہو تو طلحہ اور زبیر سے لو۔ کیونکہ عثمان کے یہی قاتل ہیں اور اب تمہارے طرف دار بن گئے ہیں۔ تواریخ میں ہے کہ روانگی کے بعد جب "مقام حواب" پر حضرت عائشہ کی سواری پہنچی اور کتے بھونکنے لگے تو ام المومنین نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے۔ کسی نے کہا اسے "حواب" کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے ام سلمہ کی یاد دلائی ہوئی حدیث کا حوالہ دے کر کہا کہ میں اب علی سے جنگ کے لیے نہیں جاؤں گی۔ کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میری ایک بیوی پر حواب کے کتے بھونکیں گے اور وہ حق پر نہ ہوگی۔ لیکن عبداللہ ابن زبیر کے ضد کرنے سے آگے بڑھیں، بالآخر بصرہ جا پہنچیں اور وہاں کے علوی گورنر عثمان بن حنیف پر شبخون مارا اور چالیس آدمیوں کو مسجد میں قتل کرا دیا اور عثمان بن حنیف کو گرفتار کرا کے ان کے سر، داڑھی، مونچھ، بھویں اور پلکوں کے بال نچوا ڈالے

اور انھیں چالیس کوڑے مار کر چھوڑ دیا۔ ان کی مدد کے لیے حکیم ابن جبلہ آئے تو انھیں بھی ستر آدمیوں سمیت قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد بیت المال پر قبضہ نہ دینے کی وجہ سے ستر آدمی اور شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۵ ربیع الثانی ۳۶ ہجری کا ہے۔ (طبری)

حضرت علیؑ کو جب اطلاع ملی تو آپ نے بھی تیاری شروع کر دی۔ ابھی آپ بصرہ کی طرف روانہ نہ ہونے پائے تھے کہ مکہ سے ام المومنین حضرت ام سلمہ کا خط آ گیا۔ جس میں لکھا تھا کہ عائشہ حکمِ خدا و رسول کے خلاف آپ سے لڑنے کے لیے مکہ سے روانہ ہو گئی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں عورت ہوں حاضر نہیں ہو سکتی۔ اپنے بیٹے عمر بن ابی سلمہ کو بھیجتی ہوں اس کی خدمت قبول فرمایئے۔ (اعثم کوفی)

حضرت علی آخر ربیع الاول ۳۶ ھ میں اپنے لشکر سمیت مدینہ سے روانہ ہوئے آپ نے لشکر کی علمداری محمد حنفیہ کے سپرد کی اور میمنہ پر امام حسن اور میسرہ پر امام حسین کو متعین فرمایا اور سواروں کی سرداری عمار یاسر اور پیادوں کی نمائندگی محمد ابن ابی بکر کے حوالے کی اور مقدمۃ الجیش کا سردار عبداللہ ابن عباس کو قرار دیا۔ مقام ربذہ میں آپ نے قیام فرمایا۔ اور وہاں سے کوفہ کے والی ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ فوج روانہ کرے۔ لیکن چونکہ وہ عائشہ کے خط سے پہلے ہی متاثر ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے فرمانِ علوی کو ٹال دیا۔ حضرت کو مقام ذی قار پر حالات کی اطلاع ملی، آپ نے اسے معزول کر کے قرظہ ابن کعب کو امیر نامزد کر دیا اور مالک اشتر کے ذریعہ سے دارالامارہ خالی کرایا۔ (طبری) اس کے بعد امام حسن کے ہمراہ ۷ ہزار کوفی اور مالک اشتر کے ہمراہ ۱۲ ہزار کوفی ۶ دن کے اندر ذی قار پہنچ گئے۔ اسی مقام پر اویس قرنی نے بھی پہنچ کر بیعت کی۔ اسی مقام پر ان خطوط کے جواب آئے۔ جو ربذہ سے حضرت نے طلحہ و زبیر کو لکھے تھے۔ جن میں ان کی حرکتوں کا تذکرہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ اپنی عورتوں کو گھر میں بٹھا کر ناموسِ رسول کو جو دربدر پھرا رہے ہو۔ اس سے باز آ جاؤ۔ جوابات میں اسکیم کے ماتحت قتل عثمان کی رٹ تھی۔ اس کے بعد امام حسن نے ایک خطبہ میں طلحہ و زبیر کے قاتل عثمان ہونے پر روشنی ڈالی۔ حضرت ابھی مقام ذی قار ہی میں تھے کہ مظلوم عثمان بن حنیف آپ کی خدمت میں جا پہنچے۔ حضرت نے عثمان کا حال دیکھ کر بے حد افسوس کیا اور فوراً بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے مصنف تاریخ آئمہ لکھتے ہیں کہ عائشہ کے لشکر کی آخری تعداد ۳۰ ہزار اور حضرت علی کے لشکر کی تعداد ۲۰ ہزار تھی ص۲۶۵ علامہ عباسی لکھتے ہیں کہ حضرت علی، طلحہ، زبیر اور عائشہ کے تمام حالات دیکھ رہے تھے۔ لیکن یہی چاہتے تھے کہ لڑائی نہ ہو۔ جب بصرہ کے قریب آپ پہنچے تو قعقاع ابن عمر کو ان لوگوں کے پاس بھیجا اور صلح کی پیش کش کی قعقاع نے جو رپورٹ واپس ہو کر پہنچائی اس سے وہ لوگ تو متاثر ہوئے جو زیر قیادت عاصم ابن کلیب علی کے پاس بطور سفیر آئے ہوئے تھے اور ان کی تعداد سو تھی لیکن عائشہ وغیرہ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ عاصم وغیرہ نے علی کی بیعت کر لی اور اپنی قوم سے

جاکر کہا کہ علی کی باتیں نبیوں جیسی ہیں۔ غرضیکہ دوسرے دن علی بصرہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد جمل والے بصرہ سے نکل کر مقام زابوقہ یا خریبہ میں جا ٹھہرے اور وہاں سے علی کے مقابلہ کے لیے حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہو کر خود نکل پڑیں۔ حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ عائشہ اور ان کے لشکر پر نہ حملہ کریں نہ ان کا جواب دیں۔ غرضیکہ وہ جنگ کی کوشش کر کے واپس گئیں۔ اس کے بعد علی نے زید ابن صوحان کو ام المومنین کے پاس بھیج کر جنگ نہ کرنے کی خواہش کی مگر کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔

۱۵ ؍ جمادی الآخر ۳۶ھ یوم پنجشنبہ بوقت شب طلحہ و زبیر نے شبخون مار کر حضرت علی کو سوتے میں قتل کر ڈالنا چاہا۔ لیکن علی بیدار تھے اور تہجد میں مشغول تھے حضرت کو حملہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے حکم جنگ دے دیا۔ اس طرح جنگ کا آغاز ہوا۔

میدان کارزار

حضرت عائشہ کو طلحہ و زبیر لوہے اور چمڑے سے منڈھے ہوئے ہودج میں بٹھا کر میدان میں لائے اور علمداری کا منصب بھی انھیں کے سپرد کیا اور اس کی صورت یہ کی کہ ہودج میں جھنڈا نصب کر کے مہار ناقہ عسکر یعلی کے سپرد کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رسول اللہ کے گھوڑے (دلدل) پر سوار ہو کر دونوں لشکروں کے درمیان آکھڑے ہوئے اور زبیر کو بلا کر کہا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ اب بھی سوچو اور اس پر غور کرو کہ رسول اللہ نے تم سے کیا کہا تھا اے زبیر کیا تمھیں مجھ سے جنگ کرنے کے لیے منع نہیں کیا تھا یہ سن کر زبیر شرمندہ ہوتے اور واپس چلے آتے۔ لیکن اپنے لڑکے عبداللہ کے بھڑکانے سے عائشہ کی طرف داری میں نبرد آزمائی سے باز نہ آئے۔

الغرض حضرت علی نے جب دیکھا کہ یہ جمل والے خونریزی سے باز نہ آئیں گے تو اپنی فوج کو خاص امور کی تلقین فرمانے لگے۔ آپ نے کہا (۱) بہادرو! صرف دفع دشمن کی نیت رکھنا (۲) ابتداء بہ جنگ نہ کرنا (۳) مقتولوں کے کپڑے نہ اتارنا (۴) صلح کی پیش کش مان لینا اور پیش کش کرنے والے کے ہتھیار نہ لینا (۵) بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرنا (۶) زخمی بیمار اور عورتوں و بچوں پر ہتھیار نہ اٹھانا (۷) فتح کے بعد کسی کے گھر میں نہ گھسنا۔

اس کے بعد عائشہ سے فرمانے لگے تم عنقریب پشیمان ہوگی اور اپنے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم میں کون ایسا ہے جو قرآن کے حوالے سے انھیں جنگ کرنے سے باز رکھے۔ یہ سن کر مسلم نامی ایک جانباز اس پر تیار ہوا، اور قرآن لے کر ان کے مجمع میں جا گھسا۔ طلحہ نے اس کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ پھر شہید کرا دیا۔

حضرت علیؑ کے لشکر پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی بروایت طبری آپ نے فرمایا اب ان لوگوں سے جنگ جائز اور ضروری ہو گئی ہے آپ نے محمد بن حنفیہ کو حکم دیا۔ محمد کافی لڑ کر واپس آئے۔ علیؑ نے علم لے کر ایک زبردست حملہ کیا اور کہا بیٹا اس طرح لڑتے ہیں۔ پھر علم محمد بن حنفیہ کے ہاتھ میں دے کر کہا ہاں بیٹا

آگے بڑھو، محمد حنفیہ انصار لے کر آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ ہودج تک مارتے ہوئے جا پہنچے۔ بالآخر سات دن کے بعد حضرت علی خود میدان میں نکل پڑے اور دشمن کو پسپا کر ڈالا۔

مروان کے زہر آلود تیر سے طلحہ مارے گئے اور زبیر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ راستہ میں وادی السباع کے قریب عمر بن جرموز نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ ۱۲ ہزار جرار سمیت آخری حملہ کے لیے سامنے آگئیں۔ علوی لشکر نے اس قدر تیر برسائے کہ ہودج پشت ساہی کی مانند ہو گیا حضرت عائشہ نے کعب ابن اسود کو قرآن دے کر حضرت علی کے لشکر کی طرف بھیجا۔ مالک اشتر نے اسے راستہ ہی میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد عائشہ کے ناقہ کو پے کر دیا گیا۔ اونٹ ہودج سمیت گر پڑا۔ اور لوگ بھاگ نکلے۔ حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ ہودج کے پاس جا کر اس کی حفاظت کریں اس کے بعد خود پہنچ کر کہنے لگے عائشہ تم نے حرمتِ رسول برباد کر دی۔ پھر محمد سے فرمایا کہ انھیں عبداللہ ابنِ حنیف خزاعی بصری کے مکان میں ٹھہرائیں۔ حضرت نے کشتوں کو دفن کرنے کا حکم دیا اور اعلانِ عام کرایا کہ جس کا سامان جنگ میں رہ گیا ہو تو جامع بصرہ میں آ کر لے جائے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں ۱۳ ہزار عائشہ کے اور ۵ ہزار حضرت علی کے لشکر والے مارے گئے (مُروج الذہب جلد ۵ ص۱۷۷) مورخین کا بیان ہے کہ فتح کے بعد عبدالرحمن ابن ابی بکر نے حضرت علی کی بیعت کر لی۔ مسعودی اور اعثم کوفی نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے عائشہ کو متعدد آدمیوں سے کہلا بھیجا کہ جلد سے جلد مدینہ واپس چلی جاؤ۔ لیکن انھوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر میں بروایت روضۃ الاحباب و حبیب السیر و اعثم کوفی امام حسن کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ اگر تم اب جانے میں تاخیر کرو گی تو میں تمھیں زوجیتِ رسول سے طلاق دے دُوں گا۔ یہ سُن کر وہ مدینہ جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ حضرت علی نے چالیس عورتوں کو مردوں کے سپاہیانہ لباس میں حضرت عائشہ کی حفاظت کے لیے ساتھ کر دیا اور خود بھی بصرہ سے باہر کئی میل تک پہنچانے گئے۔ (الخضری جلد ۲ ص۹۰) اور محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ انھیں منزل مقصود تک جا کر پہنچا آؤ۔ ایرونگ لکھتا ہے کہ عائشہ کو علی کے ہاتھوں سخت برتاؤ کی اُمید ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ عالی حوصلہ شخص ایسا نہ تھا جو ایک گرے ہوئے دُشمن پر شان دکھاتا۔ انھوں نے عزت کی اور چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔

اس کے بعد حضرت علی نے بصرہ کے بیت المال کا جائزہ لیا ۶ لاکھ دُرآمد بر آمد ہوئے آپ نے سب اہل معرکہ پر تقسیم کر دیا اور عبداللہ ابن عباس کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے یوم دوشنبہ ۱۶ رجب سنہ ۳۶ ہجری کو کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر کچھ دنوں قیام کیا اور دوران قیام میں کوفہ، عراق خراسان، یمن، مصر اور بحرین کا انتظام کیا۔ غرض شام کے سوا تمام ممالک اسلامی پر حضرت کا تسلط ہو گیا۔ اور قبضہ بیٹھ گیا۔ اور اس اندیشہ سے کہ معاویہ عراق پر قبضہ نہ کر لے کوفہ کو دارالخلافہ بنا لیا۔

ابنِ خلدون لکھتا ہے کہ جمل کے بعد سیستان میں بغاوت ہوئی حضرت نے ربعی ابن کاس عنبری کو بھیج کر اسے فرو کرایا۔

خراسان میں دفع بغاوت کیلئے علوی فوج کی جنگ اور جنابِ شہر بانو کا لایا جانا

تاریخِ اسلامی میں ہے کہ عہدِ عثمانی میں اہلِ فارس نے بغاوت و سرکشی کر کے عبداللہ ابن معمر والیٔ فارس کو مار ڈالا اور حدود فارس سے لشکرِ اسلام کو نکال دیا۔ اُس وقت فارس کی لشکری چھاونی مقام "اصطخر" تھا۔ ایران کا آخری بادشاہ یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ اہلِ فارس کے ساتھ تھا۔ حضرت عثمان نے عبداللہ ابن عامر کو حکم دیا کہ بصرہ اور عمان کے لشکر کو ملا کر فارس پر چڑھائی کرے۔ اس نے تعمیلِ ارشاد کی۔ حدود اصطخر میں زبردست جنگ ہوئی مسلمان کامیاب ہو گئے اور اصطخر فتح ہو گیا۔

اصطخر کے فتح ہونے کے بعد ۳۱ھ ہجری میں یزدجرد مقام رے اور پھر وہاں سے خراسان اور خراسان سے مرو جا پہنچا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس کے ہمراہ چار ہزار آدمی تھے ۔مرو میں وہ خاقانِ چین کی سازشی امداد کی وجہ سے مارا گیا۔ اور شاہانِ عجم کے گورستان اصطخر میں دفن کر دیا گیا۔

جنگِ جمل کے بعد ایران خراسان کے اسی مقام مرو میں سخت بغاوت ہو گئی۔ اس وقت ایران میں بروایت ارشاد مفید و روضۃ الصفا "حریث ابن جابر جعفی" گورنر تھے۔ حضرت علی نے مرو کے قضیہ نامرضیہ کو ختم کرنے کے لیے امدادی طور پر خلید ابن قرۂ یربوعی کو روانہ کیا۔ وہاں جنگ ہوئی اور حریث ابن جابر جعفی نے یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ (جو عہدِ عثمانی میں مارا جا چکا تھا) کی دو بیٹیاں عام اسیروں میں حضرت علیؑ کی خدمت میں ارسال کیں۔ ایک کا نام "شہر بانو" اور دوسری کا نام "کیہان بانو" تھا۔ حضرت نے شہر بانو امام حسین کو اور کیہان بانو محمد ابن ابی بکر کو عطا فرمائیں۔

ملاحظہ ہو، ارشاد مفید ج ۲ ص ۲۹۳ اعلام الوریٰ ص ۱۵۱ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۵۴۳ عمدۃ الطالب ص ۱۷۱ جامع التواریخ ص ۱۴۹ کشف الغمہ ص ۸۹ مطالب السؤل ص ۲۶۱ صواعق محرقہ ص ۱۲۰ نور الابصار ص ۱۲۶ تحفہ سلیمانیہ شرح ارشادیہ ص ۳۹۱ طبع ایران۔

جنگِ صفین

۳۶-۳۷ھ

صفین نام ہے اُس مقام کا جو فرات کے غربی جانب برقہ اور بالس کے درمیان واقع ہے۔ (معجم البلدان ص ۳۷۷) اسی جگہ امیر المومنین اور معاویہ میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ کے متعلق علماء و مورخین کا بیان ہے کہ بانیٔ جنگ جمل عائشہ کی مانند معاویہ بھی لوگوں کو قتلِ عثمان کے فرضی

افسانہ کے حوالہ سے حضرت علی کے خلاف بھڑکاتا اور اُبھارتا تھا۔ جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؑ
کے شام پر مقرر کیے ہوئے حاکم سہل ابن حنیف نے کوفہ آ کر حضرت کو خبر دی کہ معاویہ نے اعلانِ بغاوت
کر دیا ہے، اور عثمان کی کٹی ہوئی اُنگلیوں اور خون آلود کرتا لوگوں کو دکھا کر اپنا ساتھی بنا رہا ہے اور
اور یہ حالت ہو چکی ہے کہ لوگوں نے قسمیں کھالی ہیں کہ خونِ عثمان کا بدلہ لیے بغیر نہ نرم بستر پر سوئیں گے
نہ ٹھنڈا پانی پئیں گے۔ عمرو عاص وہاں پہنچ چکا ہے جو اُسے مدد دے رہا ہے۔ حضرت علی نے معاویہ
کو ایک خط مدینہ سے، دوسرا کوفہ سے ارسال کر کے دعوتِ بیعت دی۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔
معاویہ جو جمع لشکر میں مشغول و مصروف تھا۔ ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر لے کر مقامِ صفین میں جا
پہنچا۔ حضرت علی علیہ السلام بھی شوال سنہ ۳۶ھ میں نخیلہ اور مدائن ہوتے ہوئے۔ مقامِ رقہ میں جا پہنچے۔
حضرت کے لشکر کی تعداد ۹۰ ہزار تھی۔ راستہ میں لشکر سخت پیاسا ہو گیا، تو ایک راہب کے اشارہ
سے حضرت نے زمین سے ایک ایسا چشمہ برآمد کیا جو نبی اور وصی کے سوا کسی کے بس کا نہ تھا (اعثم کوفی
ص۲۱۲ روضۃ الصفا جلد ۲ ص۳۹۲) حضرت نے اپنے لشکر کو سات حصوں میں تقسیم کیا۔ اور معاویہ نے
بھی سات ٹکڑے کر دیے۔ مقام رقہ سے روانہ ہو کر آبِ فرات عبور کیا۔ حضرت کے مقدمۃ الجیش سے
معاویہ کے مقدمہ نے مزاحمت کی اور وہ شکست کھا کر معاویہ سے جا ملا۔ حضرت علی کا لشکر جب واردِ
صفین ہوا تو معلوم ہوا کہ معاویہ نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا ہے اور علوی لشکر کو پانی دینا نہیں چاہتا۔ حضرت
نے کئی پیغامبر بھیجے اور بندشِ آب کو توڑنے کے لیے کہا۔ مگر سماعت نہ کی گئی۔ بالآخر فوج نے زبردست
حملہ کر کے گھاٹ چھین لیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ گھاٹ پر قبضہ کرنے والوں میں امام حسین اور حضرت
عباس ابنِ علی نے کمال جرأت کا ثبوت دیا تھا۔ ملاحظہ ہو (ذکر العباس ص۲۶ مؤلفہ حقیر) حضرت علیؑ نے
گھاٹ پر قبضہ کرنے کے بعد اعلان کرا دیا کہ پانی کسی کے لیے بند نہیں ہے۔ مطالب السؤل میں ہے
کہ حضرت علی بار بار معاویہ کو دعوتِ مصالحت دیتے رہے۔ لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار ماہ ذی الحجہ
میں لڑائی شروع ہوئی اور انفرادی طور پر سارے مہینہ ہوتی رہی۔ محرم سنہ ۳۷ھ میں جنگ بند رہی
اور یکم صفر سے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ ایرونگ لکھتا ہے علی کو اپنی مرضی کے خلاف تلوار
کھینچنی پڑی . . . چار مہینے تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں معاویہ کے ۴۵ ہزار
آدمی کام آئے اور علی کی فوج نے اس سے آدھا نقصان اٹھایا۔ ذکر العباس ص۲۷ میں ہے۔ کہ
امیر المومنین اپنی روایتی بہادری سے دُشمنِ اسلام کے چھکے چھڑا دیتے تھے عمرو بن العاص اور بشر ابنِ
ارطاۃ پر جب آپ نے حملے کیے تو یہ لوگ زمین پر لیٹ کر برہنہ ہو گئے۔ حضرت علی نے منہ پھیر لیا یہ اٹھ
کر بھاگ نکلے۔ معاویہ نے عمرو عاص پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ "در پناہ عورت خود گریختی" تو نے
اپنی شرمگاہ کے صدقہ میں جان بچالی۔ مورخین کا بیان ہے کہ یکم صفر سے سات شبانہ روز جنگ جاری

رہی۔ لوگوں نے معاویہ کو رائے دی کہ علی کے مقابلہ میں خود نکلیں۔ مگر وہ نہ مانے۔ ایک دن جنگ کے دوران میں علیؑ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ اے جگر خوارہ کے بیٹے کیوں مسلمانوں کو کٹوا رہا ہے تو خود سامنے آ جا۔ اور ہم دونوں آپس میں فیصلہ کن جنگ کر لیں۔ بہت سی تواریخ میں ہے کہ اس جنگ میں نوے لڑائیاں وقوع میں آئیں۔ ۱۱۰ روز تک فریقین کا قیام صفین میں رہا۔ معاویہ کے نوے ہزار اور حضرت علی کے بیس ہزار سپاہی مارے گئے اور ۱۲ صفر ۳۷ھ کو معاویہ کی چال بازیوں اور عوام کی بغاوت کے باعث فیصلہ حکمین کے حوالے سے جنگ بند ہو گئی۔ تواریخ میں ہے کہ حضرت علی نے جنگِ صفین میں کئی بار اپنا لباس بدل کر حملہ کیا ہے۔ ایک مرتبہ ابن عباس کا لباس پہنا۔ ایک بار عباس ابن ربیعہ کا بھیس بدلا۔ ایک دفعہ عباس ابن حارث کا روپ اختیار کیا اور جب کریب ابن صباح حمیری مقابلہ کے لیے نکلا تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت عباس کا لباس بدلا اور زبردست حملہ کیا۔ ملاحظہ ہو مناقب اخطب خوارزمی ص ۱۹۶ قلمی) لڑائی نہایت تیزی سے جاری تھی کہ عمار یاسر جن کی عمر ۹۳ سال تھی، میدان میں آ نکلے اور ۱۸ شامیوں کو قتل کر کے شہید ہو گئے حضرت علی نے آپ کی شہادت کو بے حد محسوس کیا . . . ایرونگ لکھتا ہے کہ عمار کی شہادت کے بعد علی نے بارہ ہزار سواروں کو لے کر پُر غضب حملہ کیا اور دشمنوں کی صفیں اُلٹ دیں اور مالک اشتر نے بھی زبردست بے شمار حملے کئے دوسرے دن صبح کو حضرت علی نے پھر لشکر معاویہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگو سُن لو کہ احکام خدا معطل کئے جا رہے ہیں۔ اس لیے مجبوراً لڑ رہا ہوں اس کے بعد حملہ شروع کر دیا اور کشتوں کے پُشتے لگ گئے۔

لیلۃ الہریر

جنگ نہایت تیزی کے ساتھ جاری تھی، میمنہ اور میسرہ عبداللہ اور مالک اشتر کے قبضہ میں تھا، جمعہ کی رات تھی، ساری رات جنگ جاری رہی۔ بروایت اعثم کوفی ۳۶ ہزار سپاہی طرفین کے مارے گئے ۹۰۰ آدمی حضرت علی کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ لشکر معاویہ سے الغیاث الغیاث کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور دوپہر تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ مالک اشتر دشمن کے خیمہ تک جا پہنچے قریب تھا کہ معاویہ زد میں آ جائے اور لشکر بھاگ کھڑا ہو ناگاہ عمرو بن عاص نے ۵۰۰ قرآن نیزوں پر بلند کرا دیئے اور آواز دی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہے، وہ لوگ جو معاویہ سے رشوت کھا چکے تھے فوراً تائید کے لیے کھڑے ہو گئے اور اشعث ابن قیس مسعود ابن ندک زید ابن حصین نے عوام کو اس درجہ ورغلایا کہ وہ لوگ وہی کچھ کرنے پر آمادہ ہو گئے جو عثمان کے ساتھ کر چکے تھے۔ مجبوراً مالک اشتر کو بڑھتے ہوئے قدم اور چلتی ہوئی تلوار روکنا پڑی۔ مورخ گبن لکھتا ہے کہ امیر شام بھاگنے کا تہیہ کر رہا تھا۔ لیکن یقینی فتح فوج کے جوش اور نافرمانی کی بدولت علی

کے ہاتھ سے چھین لی گئی ۔ جرجی زیدان لکھتا ہے کہ نیزوں پر قرآن شریف دیکھ کر حضرت علی کی فوج کے لوگ دھوکا کھا گئے . . . ناچار علی کو جنگ ملتوی کرنا پڑی ۔ بالآخر پبلک نے معاویہ کی طرف سے عمرو عاص اور حضرت کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کر کے ماہِ رمضان میں بمقام "دومۃ الجندل" فیصلہ سنانے کو طے کیا۔

حکمین کا فیصلہ

الغرض ماہِ رمضان میں بمقام "اذرح" چار چار سو افراد سمیت عمرو بن العاص اور ابو موسیٰ اشعری جمع ہوئے اور اپنا دہ باہمی فیصلہ جس کی رُو سے دونوں کو خلافت سے معزول کرنا تھا۔ سُنانے کا انتظام کیا۔ جب منبر پر جا کر اعلان کرنے کا موقع آیا تو ابو موسیٰ نے عمرو بن العاص کو کہا کہ آپ جا کر پہلے بیان دیں۔ انھوں نے جواب دیا آپ بزرگ ہیں پہلے آپ فرمائیں ۔ ابو موسیٰ منبر پر گئے ۔ اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں علی کو خلافت سے معزول کرتا ہوں ۔ یہ کہہ کر اُتر آئے ۔ عمرو بن العاص جس سے فیصلہ کے مطابق ابو موسیٰ کو یہ توقع تھی کہ وہ بھی معاویہ کے عزل کا اعلان کر دے گا۔ لیکن اس مکار نے اس کے برعکس یہ کہا کہ میں ابو موسیٰ کی تائید کرتا ہوں اور علی کو حکومت سے ہٹا کر معاویہ کو خلیفہ بناتا ہوں ۔ یہ سُن کر ابو موسیٰ بہت خفا ہوئے۔ لیکن تیر ترکش سے نکل چکا تھا۔ یہ سُن کر مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ علی نے مُسکرا کر اپنے طرفداروں سے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ دشمن فریب دینے کی فکر میں ہے ۔

جنگِ نہروان

حکمین کے مہمل لغو اور مکارانہ فیصلہ کو حضرت علی اور ان کے طرف داروں نے مسترد کر دیا اور دوبارہ اعلیٰ پیمانہ پر فوج کشی کا فیصلہ اور تہیہ کر لیا، ابھی اس کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ خوارج کی بغاوت کی اطلاع ملی اور پتہ چلا کہ وہ لوگ جو صفین میں جنگ روکنے کے خلاف تھے ۔ اب حضرت کے سخت مخالف ہو کر مقام "حروراء" میں آرہے ہیں ۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ لوگ بغداد سے چار فرسخ کے فاصلہ پر بمقام نہروان بتاریخ ۱۰ شوال ۳۷ھ جا پہنچے ہیں اور وہاں مسلمانوں کو ستا رہے ہیں۔ حضرت نے مجبوراً ان پر چڑھائی کی ۔ ۱۲ ہزار میں سے کچھ کوفہ اور مدائن چلے گئے اور کچھ نے بیعت کر لی ۔ چار ہزار آمادہ پیکار ہوئے ۔ بالآخر لڑائی ہوئی اور نو آدمیوں کے علاوہ سب مارے گئے ۔ اسی جنگ میں مشہور منافق و خارجی ذوالثدیہ بھی مارا گیا جس کا اصل نام مورج تھا ۔ اس کے ایک ہاتھ کی جگہ لمبا سا پستان بنا ہوا تھا اسی لیے اسے ذوالثدیہ کہا جاتا تھا ۔

محمد ابن ابی بکر کی عبرتناک موت

محمد ابن ابی بکر مصر کے گورنر تھے ۔ معاویہ نے چھ ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کو محمدؐ سے مقابلہ کے لیے مصر بھیج دیا ۔ محمدؐ نے حضرت علی کو واقعہ کی اطلاع دی ۔ آپ نے فوراً جناب مالک اشتر کو ان کی کمک

میں مصر روانہ کر دیا۔ معاویہ کو جب مالک اشتر کی روانگی کا پتہ چلا تو اس نے مقام عریش یا ملزم کے زمیندار کو خفیہ لکھ بھیجا کہ مالک اشتر مصر جارہے ہیں۔ اگر تم انھیں دعوت وغیرہ کے ذریعہ سے قتل کر دو تو میں تمہارا خراج بیس ۲۰ سال کے لیے معاف کر دوں گا۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ جب مالک اشتر پہنچے تو اس نے دعوت دی اور آپ کے لیے افطار صوم کا انتظام کیا۔ اور دودھ میں زہر ملا کر دے دیا جناب مالک اشتر شہید ہو گئے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۱ و طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴) ادھر مالک اشتر شہید ہوئے۔ ادھر عمر و عاص نے جناب محمد ابن ابی بکر پر مصر میں حملہ کر دیا۔ آپ نے پورا پورا مقابلہ کیا لیکن نتیجہ پر گرفتار ہو گئے۔ آپ کو معاویہ ابن خدیج نے معاویہ ابن ابی سفیان کے حکم سے گدھے کی کھال میں سی کر زندہ جلا دیا۔ حضرت عائشہ کو جب اس عبرت ناک موت کی خبر ملی تو آپ بے حد رنجیدہ ہوئیں اور تا حیات معاویہ اور عمرو عاص کے لیے ہر نماز کے بعد بد دعا کرنے کو وطیرہ بنا لیا (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۳ حیواۃ الحیوان وغیرہ) اس واقعہ سے امیرالمومنین کو بے حد رنج پہنچا اور معاویہ کو خوشی ہوئی (طبری ابن خلدون مسعودی) یہ واقعہ صفر ۳۸ھ کا ہے۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۲۱۶)۔

کتاب نہایۃ الارب فی معرفت انساب العرب مولفہ ابوالعباس احمد بن علی بن احمد بن عبداللہ القلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ مطبوعہ بغداد ۱۹۵۸ء کے صفحہ ۲۹۹ کے فٹ نوٹ میں ہے کہ محمد بن ابی بکر مکہ و مدینہ کے درمیان ۱۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی پرورش حضرت علی کی آغوش کرامت میں ہوئی تھی۔ وفات ابوبکر کے بعد ان کی ماں اسماء بنت عمیس سے حضرت نے عقد کر لیا تھا۔ حضرت ان کو بے حد چاہتے تھے۔ انھوں نے مدینہ میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ یہ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔ ۳۶ھ میں امیرالمومنین نے انھیں مصر کا گورنر بنا دیا۔ جب جنگ صفین سے امیرالمومنین بارادہ عراق روانہ ہو گئے۔ تو معاویہ نے ایک بڑا لشکر بھیج کر مصر پر حملہ کرا دیا۔ کافی جنگ ہوئی بالآخر محمد کو شکست ہوئی۔

"اختفی محمد فعرف معاویہ بن خدیج مکانہ فقبض علیہ وقتلہ، ثم احرقہ"۔ محمد بن ابی بکر روپوش ہو گئے۔ لیکن معاویہ نے انھیں تلاش کر کے گرفتار کر لیا۔ پھر انھیں قتل کر کے جلا دیا۔ "وکان من العباد الزھاد" وہ بڑے عابد زاہد تھے۔ تاریخ اعثم کوفی کے صفحہ ۳۲۸ میں ہے کہ انھیں گدھے کی کھال میں سی کر جلوا دیا تھا۔ حضرت محمد بن ابی بکر کی شہادت کے نتیجے میں حضرت عائشہ کو بھی کنویں میں گرا کر امیر معاویہ نے ختم کرا دیا تھا۔ (حبیب السیر وغیرہ) اس کی قدرے تفصیل آئندہ آئے گی۔

امام زین العابدین کی ولادت

اسی سال ۳۸ھ کے جمادی الثانی کی پندرہ تاریخ کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جناب شہربانو بنت یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ شاہ ایران کے بطن سے پیدا ہوئے۔

ہندوستان میں "اسلام" سب سے پہلے حضرت علی بن ابی طالب کے ذریعے پہنچا

علاقہ "سندھ" سے آلِ محمدؐ کا خصوصی علاقہ و رابطہ

یہ ظاہر ہے کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد اسلام کی ساری ذمہ داری امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ پر تھی ۔ جس طرح سرکارِ دو عالمؐ اپنے عہدِ نبوت میں تا بہ حیات ظاہری اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور اسے فروغ دینے میں تن من دھن کی بازی لگائے رہے ۔ اسی طرح ان کے بعد امیرالمومنینؑ نے بھی اسلام کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے جہدِ مسلسل اور سعی پیہم کی اور کسی وقت بھی اس کی تبلیغ سے غفلت نہیں برتی ۔ یہ اور بات ہے کہ غصب اقتدار کی وجہ سے دائرہ عمل وسیع نہ ہو سکا اور حلقۂ اثر محدود ہو کر رہ گیا ۔ تاہم فریضہ کی ادائگی امامت کی خاموش فضا میں جاری رہی ۔ یہاں تک کہ اقتدار قدموں میں آیا اور منہاج نبوت پر کام شروع ہو گیا تبلیغ کے محدود حلقے وسیع ہو گئے ، امامت خلافت کے دوش بدوش آگے بڑھی اور اسلام کی روشنی ممالک غیر میں پہنچنے لگی ۔ ہندوستان جو کفر و الحاد ، اور غیر اللہ کی پرستش کا مرکز اور ملجا و ماویٰ تھا ، امیرالمومنینؑ نے دیگر ممالک کے ساتھ ساتھ وہاں بھی اسلام کی روشنی پہنچانے کا عزم محکم کر لیا اور تھوڑی سی جد و جہد کے بعد وہاں اسلام کی کرن پہنچا دی اور زمینِ ہند کو اسلامی تابندگی سے منور کر دیا ، امام المورخین ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابنِ قتیبہ دینوری اپنی کتاب " المعارف کے صـ۹۵ طبع مصر ۱۹۳۴ء میں لکھتے ہیں " انما بلغ الاسلام فی السندہ اولاً فی زمن امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کما یشھد علیہ وقائع کثیرۃ " اسلام سندھ (ہندوستان میں سب سے پہلے امیرالمومنین علی بن ابی طالب کے عہد میں پہنچا ۔ اس پر بہت سے واقعات شاہد ہیں چچ نامہ قلمی صـ۳۴ میں ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے ۳۸ھ میں ناظر بن دعور کو سرحدات سندھ کی دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا ۔ یہ روانگی بظاہر اپنے مقصد کیلئے راہ ہموار کرنے کی خاطر تھی اور یہ معلوم کرنا مقصود تھا کہ ہندوستان میں کیونکر داخلہ ہو سکتا ہے ، اسی مقصد کیلئے اس سے قبل عہدِ عثمانی میں ، عبداللہ بن عامر ابنِ کریز کو مقرر کیا گیا تھا ۔ مورخ بلاذری لکھتے ہیں کہ وہ " ثغر الہند " کی طرف دریائی مہم پر روانہ ہوئے ۔ غرض یہ تھی کہ اس ملک کے حالات سے آگاہی حاصل ہو ۔ عبداللہ بن عامر نے " حکیم بن جبلۃ العبدی کی سرداری میں ایک دستہ سمندر کے رستے روانہ کیا ۔ وہ بلوچستان اور سندھ کے مشرقی علاقہ کو دیکھ کے واپس آئے تو عبداللہ نے ان کو عثمان بن عفان کے پاس بھیج دیا کہ جو کچھ دیکھا ہے جا کے سنا دیں ۔ عثمان نے پوچھا اس ملک کا کیا حال ہے ۔ کہا ، میں نے اس ملک کو چل پھر کے اچھی طرح دیکھ لیا ہے ۔ عثمان نے کہا مجھ سے اس کی

کیفیت بیان کرو۔ "حکیم بن جبلہ" نے کہا کہ ماءھا وشل، ثمرھا دقل، ولصھا بطل، ان قل الجیش فیھا ضاعوا وان کثروا جاعوا۔" وہاں پانی کم پھل ردی، چور بے باک، لشکر کم ہو تو ضائع جائے گا بہت ہو تو بھوکوں مرے گا۔ یہ سن کر انھوں نے کہا "خبر دے رہے ہو یا سجع کہہ رہے ہو، بولے اے امیر خبر دے رہا ہوں۔ یہ سن کر انھوں نے لشکر کشی کا خیال ترک کر دیا۔ (ترجمہ فتوح البلدان بلاذری جلد ۲ ص ۶۱۳)

حضرت عثمان جن کا مقصد ملک پر قبضہ کرنا اور فتوحات کی فہرست بڑھانا تھا۔ وہاں کے حالات سن کر خاموش ہو گئے اور سندھ وغیرہ کی طرف بڑھنے کا خیال ترک کر دیا۔ لیکن حضرت امیر المومنین علیہ السلام جن کا مقصد فتوحات کی فہرست مرتب کرنا نہ تھا۔ بلکہ دین اسلام پھیلانا تھا۔ انھوں نے ناسازگار حالات کے باوجود آگے بڑھنے کا عزم بالجزم کر لیا اور ۳۹ھ میں سندھ پر قابو حاصل کر کے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کی راہ ہموار کر دی۔

علامہ ابوالظفر الندوی تحریر فرماتے ہیں کہ ۳۹ھ میں حضرت علی علیہ السلام نے حارث بن مرہ عبدی کو سندھ پر قابو حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ "ففتح السندہ فی ذالک السنہ" اسی سن میں سندھ فتح ہوا۔ یہ حضرت علی کا کارنامہ ہے کہ سندھ، علی ید علی بن ابی طالب واقام الحکومۃ الاسلامیۃ علی بن ابی طالب کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اور حکومت اسلامیہ (پہلے پہل) انھیں کے ہاتھوں قائم ہوئی۔ (تاریخ سندھ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء)

علامہ بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ لکھتے ہیں "آخر ۳۸ھ یا اول ۳۹ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر بحیثیت مطوع سرحد ہند پر حملہ کیا، فتحیاب ہوئے کثیر غنیمت ہاتھ آئی، صرف لونڈی غلام ہی اتنے تھے کہ ایک دن میں ایک ہزار تقسیم کیے گئے۔ حارث اور ان کے اکثر اصحاب ارض قیقان میں کام آئے۔ صرف چند زندہ بچے۔ یہ ۴۲ھ کا واقعہ ہے۔ (ترجمہ فتوح البلدان بلاذری ج ۲ ص ۶۱۳ طبع کراچی)۔

مورخ ذاکر حسین کا بیان ہے کہ "صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں قاسم کی ماتحتی میں ایک معتد بہ فوج روانہ کی گئی جو ۳۸ھ کے اوائل میں سندھ کی فتوحات میں مصروف ہوئی۔ اس نے چند مقامات سندھ پر قبضہ کیا۔ قاسم کے بعد ۳۸ھ کے اخیر میں (یا ۳۹ھ کے شروع میں) حارث بن مرہ عبدی ایک دوسری فوج کے ساتھ دارالخلافہ سے روانہ کیا گیا اور اس نے ان ممالک میں بہت سے ممالک فتح کیے۔ بہت سے ہندو گرفتار کیے گئے اور کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا جو براہ راست دارالخلافہ کو روانہ کیا گیا۔ اور ایک دن میں ایک ہزار لونڈی غلام غنیمت کے مال میں تقسیم کیے گئے، حارث بن مرہ مدت تک ان بلاد پر قابض رہے۔ (تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۲۲۲ طبع دہلی ۱۳۳۱ھ)۔

بادشاہ شنسب بن حریق کا دستِ امیرالمومنین پر ایمان لانا

ہندوستان کے لیے فتح سندھ کے بعد راہ کا ہموار ہو جانا یقینی تھا اسی لیے سندھ فتح کیا گیا۔ فتح سندھ کے بعد امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام کے اسلامی جدوجہد کے آثار تاریخ میں موجود ہیں۔ "مورخ ملا محمد قاسم" ہندوشاہ" فرشتہ زیرعنوان" ذکر بنائے شہر دہلی لکھتے ہیں کہ سنہ ۳۰۷ء میں وادپتہ۔ راجپوت نے جو کہ طائفہ توران سے تعلق رکھتا تھا۔ قصبۂ اندرپت کے پہلو میں دہلی کی بنیاد رکھی تھی۔ پھر ان کے آٹھ افراد نے اس پر حکومت کی۔ پھر زوال حکومت توران کے بعد طائفہ چوحان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس طائفہ کے چھ افراد نے حکومت کی۔ اس کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے ان کے آخری بادشاہ پتھورا کو قتل کر دیا پھر امر حکومت سنہ ۵۸۸ھ میں ملوک غور کے اقتدار میں آ گیا۔ پھر ملوک غور کے آخری فرمانروا ضحاک تازی پہ بادشاہ فریدون کا غلبہ ہو گیا۔ اور ضحاک کے دو پوتے یا نواسے، سوری اور سام اس کے ہمراہ ہو گئے۔ ایک عرصہ کے بعد ان دونوں کو فریدوں کی طرف سے اپنی تباہی کا وہم پیدا ہو گیا۔ چنانچہ یہ دونوں نہاوند چلے گئے۔ اور وہاں حکومت قائم کر لی اور فریدوں سے مقابلہ شروع کر دیا، بالآخر فریدون غالب رہا اور ان لوگوں نے خراج قبول کر کے حکومت قائم رکھی، اور ذریت ضحاک اس مملکت میں یکے بعد دیگرے بزرگ قبیلہ یعنی بادشاہ ہوتا رہا

"تا بوقت اسلام نوبت بہ شنسب رسید و اُو در زمانِ امیرالمومنین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب علیہ السّلام بود و بر دست آنحضرت ایمان آوردہ۔ منشور حکومت غور بخط مبارک شاہ ولایت پناہ یافت۔ (تاریخ فرشتہ جلد ۱ صـ۵۴ مقالہ دوم ذکر۔ بنائے دہلی و احوال ملوک غور، طبع نولکشور سنہ ۱۲۸۱ھ۔

یہاں تک کہ دورِ اسلام آ گیا اور نوبت شاہی شنسب تک آ پہنچی۔ اس کا زمانہ عہد امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب میں آیا۔ اس نے حضرت علی علیہ السّلام کے ہاتھوں پر ایمان قبول کیا اور مسلمان ہوا اور حکومت غور کا منشور حضرت شاہ ولایت پناہ کے ہاتھوں بنا۔

یہی کچھ طبقاتِ ناصری" مصنفہ ابوعمر منہاج الدین عثمان بن معراج الدین طبع کلکتہ سنہ ۱۸۶۴ء ذکر سلاطین شنسبانیہ کے طبقہ ۷ صـ۲۹ میں بھی ہے۔ تاریخ اسلام ذاکر حسین کے جلد ۳ صـ۲۲۲ میں ہے کہ شنسب، ترکی النسل" تھا۔

مورخ فرشتہ نے شاہ شنسب کا نسب نامہ یوں تحریر کیا ہے۔ شنسب بن حریق بن نہیق ابن عیسی بن دزن بن حسین بن بہرام بن حجش بن حسن بن ابراہیم بن سعد بن اسد بن شداد بن ضحاک الخ صـ۵۴۔

اولادِ شنسب کی عمل بنی اُمیہ سے بیزاری

مورخ ملا محمد قاسم فرشتہ، لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں بنی اُمیہ نے یہ اندھیر گردی کر رکھی تھی کہ اہلِ بیت رسولِ خدا کو تمام ممالکِ اسلامیہ میں منبروں پر بُرا بھلا کہا جاتا تھا۔ اور وہ حکم (بظاہر) یہاں بھی پہنچا ہوا تھا۔ مگر غور میں "اہلِ غور مرتکب آن امر شنیع نشدند" اہلِ غور نے اِس امرِ نامعقول کا ارتکاب نہیں کیا تھا (اور وہ اس عمل میں بنی امیہ سے بیزار تھے) تاریخِ فرشتہ ۵۴

اولادِ شنسب کی دُشمنانِ آلِ محمدؐ سے جنگ

اسی تاریخِ فرشتہ کے صفحہ ۵۵ میں ہے کہ جب ابومسلم مروزی نے بادشاہِ وقت کے خلاف خروج کیا تھا اور اس نے اولادِ شنسب سے مدد چاہی تھی تو ان لوگوں نے "در قتل اعدائے اہلبیت تقصیرے نکردہ" دُشمنانِ آلِ محمد کے قتل کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔

ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السّلام کے ذریعہ سے اسلام کے ساتھ ساتھ شیعیت بھی ہندوستان میں پہنچی تھی کیونکہ اولادِ شنسب کا طرزِ عمل شیعیت کا آئینہ دار ہے۔

حضرت امام حسینؑ کی راہ کوفہ سے سندھ جانے کی خواہش

مورخ ابو محمد محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۷۶ھ تحریر فرماتے ہیں کہ "ان الحسین لما سد ہ حرفی طریق کوفہ قال علیہ السّلام ان لستم براضین بورود العراق فاترکونی لاذھب الی السندہ"، جب حضرت امام حسین علیہ السّلام کو حُر نے کُوفہ کے راستے میں روکا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اگر میرے عراق میں آنے کو پسند نہیں کرتے تو مجھے چھوڑ دو کہ میں سندھ چلا جاؤں۔ اس کے بعد ابن قتیبہ لکھتے ہیں۔ ویعلم منہٗ ان الاسلام قد بلغ الیہ من قبل۔" امام حسینؑ کے اس فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس وقت سے پہلے سندھ میں پہنچ چکا تھا۔ (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۵ طبع مصر ۱۹۳۴ء بہیج الاحزان صفحہ ۱۶۳)

حضرت امام زین العابدین کی ایک زوجہ کا سندھی ہونا

اسلام کا قدیم ترین مورخ ابنِ قتیبہ اپنی کتاب معارف کے صفحہ ۷۳ پر لکھتا ہے، کانت زوجۃ لامام زین زین العابدین سندیۃ وتولد نہا زید الشھید امام زین العابدین علیہ السّلام کی ایک بیوی سندھی تھیں۔ اور اس سے حضرت زید شہید پیدا ہوئے تھے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۹۵ پر لکھتا ہے اما زید بن علی بن الحسین فکان یکنی اباالحسن وامہ سندیۃ" زید بن علی بن الحسین کی کنیت ابوالحسن تھی اور اُن کی ماں سندھی تھیں۔ ایک اور جگہ لکھتا ہے، "روی ان التی وھبت زین العابدین کانت سندیۃ" مروی ہے جو بیوی امام زین العابدین کو دی گئی وہ سندھی تھی۔ عبدالرزاق لکھتے ہیں کہ زید شہید امام زین العابدین کی جس

بیوی سے پیدا ہوئے وہ سندھی تھی۔ (کتاب زید الشہید ص۵ طبع نجف اشرف)۔

ان جملہ حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سندھ (ہندوستان) میں دین اسلام حضرت علی کے ذریعہ سے پہنچا اور اسی کے ساتھ ساتھ شیعیت کی بھی بنیاد پڑی تھی۔ نیز یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو سندھ کے مسلمان پر بھروسہ تھا۔ وہ کوفہ و شام کے مسلمانوں پر سندھ کے مسلمانوں کو ترجیح دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے راہ کوفہ میں ابن زیاد اور یزید میں معاویہ کے لشکر کے سردار، حُر بن یزید ریاحی (جو بعد میں حضرت امام حسینؑ کے قدموں میں شہید ہو کر راہی جنت ہوئے تھے) سے یہ فرمایا تھا کہ مجھے سندھ چلے جانے دو۔ اس کے علاوہ آپ کے فرزند امام زین العابدین نے ایک بیوی سندھ کی اپنے پاس رکھی تھی جس سے حضرت زید شہید پیدا ہوئے تھے۔ یہ تمام امور اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ آلِ محمدؐ کو علاقہ سندھ سے دلچسپی تھی اور وہ اس کے باشندوں کو اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان پر پورا بھروسہ کرتے تھے۔

حضرت علیؑ کی شہادت

(سنہ ۴۰ ھجری)

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت — بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

صفین کے سازشی فیصلہ تحکیمین کے بعد حضرت علی علیہ السلام اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ایک فیصلہ کن حملہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے تیاری شروع فرما دی اور صفین و نہروان کے بعد ہی سے آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ حملہ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دس ہزار فوج کا افسر امام حسینؑ کو اور دس ہزار فوج کا سردار قیس ابن سعد کو اور دس ہزار کا ابوایوب انصاری کو مقرر کیا۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ فوج کی جو مکمل فہرست تیار ہوئی اس میں چالیس ہزار آزمودہ کار سترہ ہزار رنگ روٹ اور آٹھ ہزار مزدور پیشہ شامل تھے۔ لیکن کوچ کا دن آنے سے پہلے ابن ملجم نے کام تمام کر دیا۔ مقدمہ نہج البلاغۃ عبدالرزاق جلد ۲ ص۲۰۲ میں ہے کہ فیصلہ تو ڈھونگ ہی تھا مگر صفین کی جنگ ختم ہو گئی۔ اور معاویہ حتمی تباہی سے بچ گئے۔ اب امیر المومنین نے کوفہ کا رُخ کیا اور معاویہ پر آخری ضرب لگانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ساٹھ ہزار فوج آراستہ ہو چکی تھی اور یلغار شروع ہی ہونے والی تھی کہ ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم نے دغابازی سے حملہ کر دیا۔ حضرت امیر المومنین شہید ہو گئے۔ ابن ملجم کی تلوار نے حضرت علیؑ کا کام تمام نہیں کیا، بلکہ پوری اُمت مسلمہ کو قتل کر ڈالا، تاریخ کا دھارا ہی بدل ڈالا۔ ابن ملجم کی تلوار نہ ہوتی تو خلافت منہاجِ نبوت

پراستوار رہتی۔ ارجح المطالب ص۴۸۶ میں ہے کہ پیغمبر اسلام نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ علی کی ڈاڑھی سر کے خون سے رنگین ہوگی۔ تاریخ الفخری ص۳۷ میں ہے کہ حضرت علیؑ ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور شیخین انھیں دیکھنے کے لئے گئے تو حالت سقیم دیکھ کر آنحضرت سے کہنے لگے کہ شاید علی نہ بچیں گے۔ آپ نے فرمایا ابھی علی کو موت نہیں آئے گی۔ علی دُنیا کے تمام رنج وغم اٹھانے کے بعد تلوار سے شہید ہونگے۔ صواعق محرقہ ص۸۰ میں ہے کہ حضرت علی فرماتے تھے کہ میرے سر اور میری داڑھی کو خون سے جو رنگین کرے گا۔ وہ دُنیا میں سب سے زیادہ بدبخت ہوگا۔ شرح ابن ابی الحدید جز ۱۳ ص۱۰۲ میں ہے کہ خالد بن ولید بعض امورِ شجاعت کی وجہ سے علی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ سیرت حلبیہ جلد ۲ ص۱۹۹ و بخاری جلد ۵ حالات غزوہ طائف ص۲۹ میں ہے کہ رسُول اللہ خالد ابن ولید پر تبرّا کرتے تھے۔ تاریخ ابوالفدا وغیرہ میں ہے کہ خالد نے عہد ابوبکر میں مالک ابن نویرہ کی بیوی سے زنا کیا تھا۔ تاریخ اعثم کوفی ص۳۴ و تاریخ طبری جلد ۴ ص۴۶۴ میں ہے کہ حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی خالد کو معزول کر دیا تھا۔ تاریخ طبری جلد ۶ ص۵۴ وکامل وغیرہ میں ہے کہ ۳۸ ہجری میں امیر معاویہ نے مالک اشتر کو زہر سے شہید کرا دیا۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص۱۴۲ میں ہے کہ معاویہ نے حضرت ابوبکر کے بیٹے محمد کو گدھے کی کھال میں سی کر زندہ جلا دیا تھا۔ جس کا حضرت عائشہ کو سخت رنج تھا اور معاویہ کو بددعا کیا کرتی تھیں تواریخ میں ہے کہ معاویہ نے حضرت عائشہ کو کنوئیں میں گرا کر زندہ دفن کر دیا۔ ذکر العباس ص۵۱ میں مختلف تواریخ کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ ۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ کو واقعہ شہادت حضرت علیؑ کے دس سال بعد امام حسنؑ کو زہر سے معاویہ نے شہید کرایا تھا۔ کشف الغمہ ص۱۶ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ امیرِ شام کو اس وقت تک موت نہ آئے گی۔ جب تک وہ میرے سر اور میری ڈاڑھی کو خون آلود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے گا۔ کتاب تذکرہ محمد و آلِ محمد جلد ۲ ص۲۹۸ میں ہے کہ ابن ملجم خارجی تحریک کی اس جماعت کا ممبر تھا جو کسی مضبوط ہاتھ کے اشاروں پر ناچ رہی تھی۔ عین اُس وقت جب علی شام کے حملہ کے لیے روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے ابن ملجم کا وار کرنا یہ بتا رہا ہے کہ اس کی تہ میں بڑی سازش تھی۔ تاریخ الامامت والسیاست جلد ۲ ص۳۰ میں ہے کہ معاویہ نے عہدِ عثمان میں حضرت عثمان سے قتل علی کی اجازت مانگی تھی۔ لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا تھا۔ کتاب مناقب مرتضوی کے ص۲۷۷ میں بحوالہ حدیقۃ الحقائق حکیم سنائیؒ مرقوم ہے کہ امیرالمومنین کے قتل کے انتظامات ابن ملجم کے ذریعہ سے امیر معاویہ نے کئے تھے جس کا اقرار خود ابن ملجم نے ان الفاظ میں کیا ہے ؎

کہ مرا ایں معاویہ فرمود ۔۔۔ کار کردم کنون نہ دارد سود۔

میں نے معاویہ کے کہنے سے ایسا فعل کیا۔ مگر افسوس کوئی فائدہ برآمد نہ ہوا۔ ملاحظہ ہو ذکر العباس ص۳۰) کتاب ارجح المطالب ص۶۵۳ وطبری جلد ۴ ص۵۹۹ و روضۃ الاحباب میں ہے کہ عبدالرحمٰن ابن

ملجم نے کوفہ پہنچ کر ایک ہزار درہم کی ایک تلوار خریدی اور اُسے زہر میں بجھا لیا، اور موقع کی تلاش میں کوفہ کے گلیوں کے چکر کاٹنے لگا۔ اِسی دوران میں ایک دن اس کی نظر ایک حسین عورت پر جا پڑی جس کا نام قطامہ بنت شجنہ تھا اور جو معاویہ کی رشتہ دار ہوتی تھی۔ ابن ملجم اس عورت کا بے دام غلام بن گیا۔ اور اس سے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ بالآخر بات ٹھہری اور عقد کا فیصلہ ہوگیا۔ جب مہر کی گفتگو ہوئی تو اس نے کہا کہ تین ہزار اشرفیاں اور حضرت علی کا سر لوں گی۔ کیوں کہ انھوں نے اسلامی جنگوں میں میرے باپ اور بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ ابن ملجم نے جواب دیا کہ مجھے منظور ہے "لقد قصدت لقتل علی وما اقدمنی ھذا المصر غیر ذالک" خدا کی قسم تونے ایسی چیز مانگی ہے جس کے لیے میں خود اس شہر میں بھیجا گیا ہوں۔ البتہ تجھے بھی اپنے وعدہ کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے۔ اس نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ اِس عہد وپیمان اور وعدہ وعید کے بعد، ابن ملجم تگ ودو سعی وکوشش اور جد وجہد میں مشغول ہوگیا۔ صواعق محرقہ ص۸۰ میں ہے کہ ابن ملجم کی اِمداد کے لیے شبیب ابن بجیرہ اشجعی بھی تھا۔ روضۃ الشہدا ص۱۹۸ میں ہے کہ قطامہ نے اور کئی اشخاص اس کی مدد کے لیے معین ومہیا کر دیئے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ قطامہ نے ایسا مہر مانگا جس کی مثال عرب وعجم میں نہیں ہے۔ تاریخ احمدی ص۱۱ میں بحوالہ روضۃ الاحباب مرقوم ہے کہ حضرت علی نے زمانۂ شہادت قریب ہونے پر کئی بار اپنی شہادت کا اشارہ اور کنایہ میں ذکر فرمایا تھا۔ منقول ہے کہ ایک دن آپ خطبہ فرما رہے تھے۔ ناگاہ امام حسن دورانِ خطبہ میں آگئے۔ حضرت علی نے پوچھا بیٹا آج کون سی تاریخ ہے۔ اور اِس مہینے کے کتنے دن گزر چکے ہیں۔ آپ نے عرض کی بابا جان ۱۳ دن گزر گئے ہیں۔ پھر حضرت نے امام حسینؑ کی طرف رُخ کر کے پوچھا بیٹا اب مہینہ کے ختم ہونے میں کتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔ امام حسینؑ نے عرض کی بابا جان سترہ دن رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ عنقریب قبیلۂ مراد کا ایک نامراد میری داڑھی کو سر کے خون سے رنگین کرے گا۔ اخبار صحیحہ میں وارد ہے کہ حضرت علی کا اصول یہ تھا کہ آپ ایک ایک دن اپنے بیٹوں کے ہاں افطار فرمایا کرتے تھے اور صرف ایک لقمہ تناول کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی اُم کلثوم سے فرمایا کہ میں عنقریب تم لوگوں سے رُخصت ہوجاؤں گا۔ یہ سُن کر وہ رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا کہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں "بیٹی" میں نے آج رات کو خواب میں سرورِ عالم کو دیکھا ہے۔ کہ وہ میرے سر سے غبار صاف کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم تمام فرائض ادا کر چکے۔ اب میرے پاس آجاؤ۔ جمہور مورخین کا اتفاق ہے کہ جس رات کی صبح کو آپ شہید ہوئے۔ اس رات میں آپ سوئے نہیں۔ یہ رات آپ کی اس طرح گزری کہ آپ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مصلے سے اُٹھ کر صحنِ خانہ میں آتے اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرماتے تھے کہ میرے آقا سرورِ کائنات نے سچ فرمایا ہے کہ میں شہید

کیا جاؤں گا۔ لکھا ہے کہ جب نمازِ صبح کے ارادے سے باہر نکلے، تو صحن خانہ میں بطخوں نے دامن تھام لیا اور شور مچانے لگیں، کسی نے روکا تو آپ نے فرمایا، مت روکو یہ مجھ پر نوحہ کر رہی ہیں۔ پھر آپ دولت سرا سے برآمد ہوکر داخل مسجدِ کوفہ ہوئے اور گلدستہ اذان پرجاکر اذان کہنے لگے۔ اس کے بعد نماز میں مشغول ہوگئے۔ جب آپ سجدۂ اوّل میں گئے۔ نامراد ابنِ ملجم مرادی نے سرِ اقدس پر تلوار لگادی۔ یہ تلوار اسی جگہ لگی جس جگہ جنگِ خندق میں عمرو بن عبدود کی تلوار لگ چکی تھی۔ ضرب کے لگتے ہی آسمان سے آواز آئی۔ "الاقتل امیرالمومنین" آگاہ ہو کہ امیرالمومنین قتل ہوگئے۔ اس کے بعد آپ زمین پر لوٹنے لگے۔ اور زخم پر مٹی ڈال کر بولے "فزت برب الکعبۃ" خدا کی قسم میں نے حیاتِ ابدی پائی اور کامیاب ہوگیا۔ ضرب لگانے کے بعد ابن ملجم بھاگا۔ لوگوں نے تعاقب کیا۔ (کتاب ذکرالعباس صفحہ ۴۴) میں ہے کہ آپ کو خون میں نہایا ہوا دیکھ کر اولاد و اصحاب نے گریہ کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا بس رو چکو اور مجھے گھر لے چلو۔ یہ سُن کر حضرت امام حسن امام حسینؑ اور حضرت عباس نے ایک گلیم میں ڈال کر آپ کو گھر پہنچایا۔ کتاب الکرار صفحہ ۴۰۲ میں ہے کہ گھر پہنچ کر آپ نے صبح کو مخاطب کرکے فرمایا کہ، تو گواہ رہنا کہ میں نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور خدا و رسول کی کوئی مخالفت مجھ سے نہیں ہوئی۔ تاریخ احمدی صفحہ ۲۱۲ میں ہے کہ کوئی علاج کارگر نہ ہوا اور آپ کی وفات کا وقت آپہنچا۔ تاریخ الامامت والسیاست جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ میں ہے آپ کو ایسی زہر سے بجھی ہوئی تلوار سے زخمی کیا گیا تھا کہ سارے اہلِ مصر کے لیے کافی تھا۔ کتاب رحمۃ اللعالمین "مصنفہ قاضی محمد سلیمان جج پٹیالہ کے صفحہ ۸۱ میں ہے کہ "زخم کو جس پر شہادت ہوئی کثیر بن عمرو سکونی جو شاہانِ ایران کا طبیب خاص رہ چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ زخم ام دماغ تک پہنچ گیا ہے اور اب صحت محال ہے۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ انتقال کے وقت آپ نے نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں جو تقویٰ پرہیزگاری عبادت صلہ رحم وغیرہ وغیرہ سے متعلق تھیں۔ پھر ایک نوشتہ لکھ کر دیا۔ کتاب اخبار ماتم صفحہ ۱۲۴ میں اور بعض کتب تواریخ میں ہے کہ آپ کی خدمت میں شربت پیش کیا گیا تو آپ نے تھوڑا سا پی کر قاتل کو بھجوا دیا۔ الاخبار الطوال صفحہ ۲۲۶ میں ہے کہ حضرت ام کلثوم نے ابن ملجم سے کہلایا کہ اے دشمن خدا تو نے امیرالمومنین کو شہید کر دیا، تو اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین کو نہیں، میں نے تمھارے باپ کو قتل کیا ہے، اور ایسی تلوار سے قتل کیا ہے جسے ایک ماہ زہر پلاتا رہا ہوں۔ کشف الانوار ترجمہ بحار جلد ۹ صفحہ ۲۱۷ میں ہے کہ آپ نے آخری وقت اپنے سب بیٹوں کو بلاکر امام حسن اور امام حسینؑ کی اطاعت اور امداد کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ فرزندانِ رسول ہیں۔ اصول کافی صفحہ ۱۴۱ میں ہے کہ جن بیٹوں کو ہدایت دی گئی۔ ان کی تعداد بارہ تھی۔ مرقات الایقان جلد ۱ صفحہ ۴۴ میں ہے کہ آپ نے اپنی تمام اولاد و ازواج کو امام حسنؑ کے سپرد فرمایا۔ مائتین صفحہ ۲۴۱ میں ہے کہ حضرت عباس کو امام حسینؑ کے حوالہ

کرکے فرمایا کہ یہ تمھارا غلام ہے۔ کربلا میں کام آئے گا۔ کتاب عقد الفرید میں ہے کہ آپ نے امرِ خلافت امام حسن کے سپرد فرمایا۔ کتاب وسیلۃ النجات میں ہے کہ امام حسنؑ حضرت علی کی وصیت کے مطابق امام برحق اور خلیفہ وقت قرار پائے۔ تاریخ کامل ابن اثیر، بحار الانوار، اعلام الوریٰ، ذکر العباس ص۳۸ میں ہے کہ آپ نے ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو انتقال فرمایا۔ کتاب جامع عباسی ص۵۹ اور الیعقوبی میں ہے کہ شب ۲۱ رمضان کو آپ نے انتقال فرمایا ہے۔ اسی شب کو حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھائے گئے۔ حضرت موسیٰ نے رحلت کی اور یوشع ابن نون نے وفات پائی۔ کتاب الامامت والسیاست جلد ۱ ص۱۵۵ وارشاد مفید ص۶ میں ہے کہ امام حسنؑ امام حسینؑ عبداللہ ابنِ جعفر نے غسل دیا اور محمد حنفیہ نے پانی ڈالنے میں مدد کی۔ کفن پہنانے کے بعد حضرت امام حسن نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ رحلہ ابن جبیر اندلسی ص۱۸۹ طبع مصر ۱۹۰۸ء میں ہے کہ آپ کو جس جگہ غسل دیا گیا۔ اسی جگہ حضرت نوح کی بیٹی کا گھر تھا۔ صواعق محرقہ ص۸۰ میں ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ بعض تواریخ میں ہے کہ آپ کی قبر حضرت نوح کی بنائی ہوئی تھی اور آپ کا جنازہ سرہانے کی طرف سے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔ تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ آپ نجفِ اشرف میں سپردِ خاک کئے گئے۔ جو اب بھی زیارت گاہِ عالم ہے۔ الیعقوبی جلد ۲ ص۲۰۳ میں ہے کہ شہادت علی کے بعد امام حسنؑ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ انھوں نے صرف سات سو درہم چھوڑے ہیں۔ مستدرک حاکم اور ریاض النضرہ اور ارجح المطالب ص۶۷۰ میں ہے کہ جس شب میں حضرت علی شہید ہوئے اس کی صبح کو بیت المقدس کا جو پتھر اٹھایا جاتا تھا۔ اس کے نیچے سے خون تازہ برآمد ہوتا تھا۔ تاریخ الیعقوبی جلد ۲ ص۲۰۳ میں ہے کہ حضرت علیؑ کے دفن کے بعد ان کی قبر پر صعصعہ بن زرارہ نے ایک تقریر کی جس میں نہایت غم واندوہ کے ساتھ کہا کہ اے مولا آپ کی زندگی خیر و برکت کی کلید تھی۔ اگر لوگ آپ کو صحیح طریقہ پہ مانتے تو خیر ہی خیر پاتے۔ مگر دنیا والوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی (اور خیر حاصل نہ کر سکے۔ انشاء اللہ دنیا دار جہنم میں جائیں گے) کتاب انوار الحسینیہ جلد ۲ ص۳۶ میں ہے کہ آپ کی قبر پوشیدہ رکھی گئی تھی مسٹر گبن کی تاریخ ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر میں ہے کہ ظالم بنی امیہ کی وجہ سے علی کی قبر چھپائی گئی۔ چوتھی صدی میں ایک قبر روضہ کوفہ کے کھنڈروں کے پاس نمودار ہو گیا مشہد علی کوفہ سے ۵ میل اور بغداد سے ۱۲۰ میل جنوب میں واقع ہے۔ حیواۃ الحیوان دمیری جلد ۲ ص۱۸۷ میں ہے کہ سب سے پہلے آپ کی قبر کے گرد کٹہرے لگوائے گئے تھے۔ کتاب سیف المقلدین باب ۵ ص۱۷۴ میں ہے۔ کہ مصنف کتاب عبدالجلیل یوسف زی نے آپ کی تاریخ کے بارے میں لکھا ہے۔

گر تو سال شہادتش جوئی — سرّ نامم چراغ می گوئی

حضرت علیؑ کی شہادت پر مرثیہ

حضرت کی شہادت پر بہت سے شعراء نے مراثی کہے ہیں۔ ہم اس وقت کتاب "رحمۃ للعالمین" مصنفہ قاضی محمد سلیمان جج ریاست پٹیالہ کے جلد ۲ صـ۸۱ سے بکر بن حماد القاہری کے ۱۱ اشعار میں سے صرف تین شعر مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

قل لابن ملجم والاقدار غالبۃ   ھدمت ویلك للاسلام ارکانا

ابنِ ملجم سے کہنا گو مَیں جانتا ہوں کہ تقدیر سب پر غالب ہے، کہ کمبخت تُونے اسلام کے ارکان کو ڈھادیا

قتلت افضل من یمشی علی قدم   واول الناس اسلاماً وایمانا

وہ شخص جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے افضل تھا اور اسلام و ایمان میں سب سے اوّل

واعلم الناس بالقران ثم بما   سن رسولنا شرعًا وتبیانا

اور قرآن و سُنّت کے جاننے میں سب اعلم تھا، تو نے اسے قتل کیا ہے

حضرت کی ازواج واَولاد

کتاب انوار الحسینیہ جلد ۲ صـ۳۵ میں ہے کہ آپ نے دس عورتوں سے نکاح کیا اور آپ کے انتقال کے وقت چار بیویاں موجود تھیں۔ امامہ، اسماء، لیلیٰ، اور ام البنین آپ نے دس بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں چھوڑیں ارشاد مفید صـ۱۹۹ وجمھرۃ ابن حزم وتہذیب الاسماء جلد ۱ صـ۳۴۹ میں ہے کہ آپ کے بارہ بیٹے اور سولہ بیٹیاں تھیں۔ آپ کی نسل پانچ بیٹوں سے بڑھی (۱) امام حسن (۲) امام حسین (۳) محمد حنیفہ[۱] (۴) حضرت عباس (۵) عمر بن علی ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد ۳ صـ۷۰ طبع بمبئی وذکر العباس صـ۴۴ طبع لاہور۔

---

[۱] محمد کی ماں کا اصلی نام خولہ اور لقب حنفیہ تھا وہ قبیلہ حنفیہ بن لجیم سے تھیں، محمد بن حنفیہ ۱۶ھ ہجری میں پیدا ہُوئے اور اُنھوں نے یکم محرم ۸۱ھ کو انتقال کیا۔ ان کے زہد و ریاضت اور زور و قوت کی حکایات بہت مشہور ہیں۔ (کتاب رحمۃ للعالمین جلد ۲ صـ۸۵ طبع لاہور) ابو العباس احمد بن علی قلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ، تحریر فرماتے ہیں کہ، بنی حنفیہ عدنان کے بکر بن وائل سے متعلق ایک قبیلہ ہے جس کا سلسلہ یہ ہے، بنو حنفیہ بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل، یہ یمامہ میں رہتے تھے۔ (نہایۃ الارب فی انساب العرب صـ۲۲۵ طبع نجف اشرف)۔

۴

ابو محمّد

حضرت

امام حسنؑ علیہ السّلام

باپ کی شمشیر کا ہمسر ہے بیٹے کا قلم   بازوئے حیدرؑ کی طاقت خامۂ شبرؑ میں ہے
فتح خیبر میں ہے مضمر مقصدِ صلحِ حسنؑ   مقصدِ صلحِ حسنؑ فتحِ درِ خیبر میں ہے

(صابر تھاریانی (کراچی))

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ۴

حضرت امام حسن علیہ السلام

ولی ذوالمنن حضرت حسن آن سرورِ خوباں — کہ ہر چیز از عدم باقدرتش ممکن زامکاں شد
نہ ہے سودائے باطل کے توانم مدح آں شاہے — کہ مداحش خدا، راوی پیمبر مدح قرآں شد

حضرت امام حسن علیہ السلام، امیرالمومنین حضرت علی و سیدۃ النساء حضرت فاطمہؑ کے فرزند اور پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم و محسنۂ اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے نواسے تھے، آپ کو بھی خداوندِ عالم نے معصوم منصوص افضل کائنات اور عالم علم لدنی قرار دیا ہے۔

آپ کی ولادت

آپ ۱۵ رمضان ۳ھ کی شب کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ولادت سے قبل ام الفضل نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرمؐ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں آ پہنچا ہے۔ خواب رسول کریمؐ سے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری لخت جگر فاطمہ کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش تم کرو گی۔ مورخین کا کہنا ہے کہ رسولؐ کے گھر میں آپ کی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی۔ آپ کی ولادت نے رسول کے دامن سے مقطوع النسل ہونے کا دھبہ صاف کر دیا۔ اور دنیا کے سامنے سورۂ کوثر کی ایک عملی اور بنیادی تفسیر پیش کر دی۔

آپ کا نام نامی

ولادت کے بعد اسم گرامی حمزہ تجویز ہو رہا تھا۔ لیکن سرور کائناتؐ نے بحکم خدا موسیٰ کے وزیر ہارون کے فرزندوں کے شبر و شبیر نام پر آپ کا نام حسن اور بعد میں آپ کے بھائی کا نام حسین رکھا۔ بحارالانوار میں ہے کہ امام حسن کی پیدائش کے بعد جبریلؑ امین نے سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں ایک سفید ریشمی رومال پیش کیا جس پر "حسن" لکھا ہوا تھا۔ ماہر علم النسب علامہ ابوالحسین کا کہنا ہے کہ خداوند عالم نے فاطمہ کے دونوں شاہزادوں کا نام انظار عالم سے پوشیدہ رکھا تھا یعنی ان سے پہلے حسن و حسین نام سے کوئی موسوم نہیں ہوا تھا کتاب اعلام الوریٰ کے مطابق یہ نام بھی لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

زبانِ رسالتؐ دھنِ امامت میں

علل الشرائع میں ہے کہ جب امام حسنؑ کی ولادت ہوئی اور آپ سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں لائے گئے تو رسولِ کریمؐ بے انتہا خوش ہوئے۔ اور ان کے دہن مبارک میں اپنی زبانِ اقدس دے دی۔ بحارالانوار میں ہے کہ آنحضرتؐ نے نوزائیدہ بچے کو آغوش میں لے کر پیار کیا اور داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت فرمانے کے بعد اپنی زبان اُن کے منہ میں دے دی، امام حسن اُسے چوسنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے دُعا کی خُدایا اس کو اور اس کی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھنا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امام حسن کو لعابِ دہن رسُول کم اور امام حسینؑ کو زیادہ چوسنے کا موقع دستیاب ہوا تھا۔ اسی لیے امامت نسلِ حسینؑ میں مستقر ہوگئی۔

آپ کا عقیقہ

آپ کی ولادت کے ساتویں دن سرورِ کائناتؐ نے خود اپنے دستِ مُبارک سے عقیقہ فرمایا اور بالوں کو منڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی تصدق کی (اسد الغابتہ جلد ۳ صـ۱۳) علامہ کمال الدین کا بیان ہے کہ عقیقہ کے سلسلے میں دُنبہ ذبح کیا گیا تھا۔ (مطالب السوٗل صـ۲۲) کافی کلینی میں ہے کہ سرورِ کائناتؐ نے عقیقہ کے وقت جو دُعا پڑھی تھی اس میں یہ عبارت بھی تھی۔ "اللھم عظمھا بعظمہ، لحمھا بلحمہ دمھا بدمہ وشعرھا بشعرہ اللھم اجعلھا وقاء لمحمدٍ والہ"۔ خُدایا اس کی ہڈی مولود کی ہڈی کے عوض۔ اس کا گوشت اِس کے گوشت کے عوض۔ اس کا خون اِس کے خون کے عوض، اس کا بال اس کے بال کے عوض قرار دے اور اسے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے ہر بلا سے نجات کا ذریعہ بنا دے۔ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے امام حسن کا عقیقہ کر کے اِس کے سُنت ہونے کی دائمی بنیاد ڈال دی۔ (مطالب السوٗل صـ۲۲) بعض معاصرین نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ کا ختنہ بھی کرایا تھا۔ لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ امامت کی شان سے مختون پیدا ہونا بھی ہے۔

کنیت و القاب

آپ کی کنیت صرف ابو محمد تھی اور آپ کے القاب بہت کثیر ہیں۔ جن میں طیب و تقی اور سبط و سید زیادہ مشہور ہیں۔ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آپ کا "سید" لقب خود سرورِ کائنات کا عطا کردہ ہے۔ (مطالب السوٗل صـ۲۲) زیارت عاشورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا لقب ناصح اور امین بھی تھا۔

امام حسنؑ پیغمبر اسلامؐ کی نظر میں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امام حسن پیغمبر اسلامؐ کے نواسے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے انھیں فرزندِ رسُول کا درجہ دیا ہے اور اپنے دامن میں جا بجا آپ کے تذکرہ کو جگہ دی ہے۔ خود سرورِ کائنات نے بیشمار

احادیث آپ کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں حسنین کو دوست رکھتا ہوں اور جو انھیں دوست رکھے اسے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ کریمؐ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ ایک کندھے پر امام حسن کو اور ایک پر امام حسینؑ کو بٹھائے ہوئے لیے جا رہے ہیں اور باری باری دونوں کا منہ چومتے جاتے ہیں۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ نماز پڑھ رہے تھے اور حسنین آپ کی پشت پر سوار ہو گئے۔ کسی نے روکنا چاہا تو حضرتؐ نے اشارہ سے منع فرمایا (اصابہ جلد ۲ ص ۱۲) ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں اس دن سے امام حسن کو بہت زیادہ دوست رکھنے لگا ہوں جس دن میں نے رسولؐ کی آغوش میں بیٹھ کر انھیں ان کی ڈاڑھی سے کھیلتے دیکھا (نورالابصار ص ۱۱۹) ایک دن سرورِ کائنات امام حسن کو کندھے پر سوار کئے ہوئے کہیں لیے جا رہے تھے۔ ایک صحابی نے کہا کہ اے صاحبزادے تمھاری سواری کس قدر اچھی ہے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا یہ کہو کہ کس قدر اچھا سوار ہے (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۵ بحوالہ ترمذی) امام بخاری اور امام مسلم لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن رسولِ خدا امام حسن کو کندھے پر بٹھائے ہوئے فرما رہے تھے۔ خدایا میں اسے دوست رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ حافظ ابونعیم ابوبکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرتؐ نماز جماعت پڑھا رہے تھے کہ ناگاہ امام حسن آگئے اور وہ دوڑ کر پشتِ رسول پر سوار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر رسولِ کریمؐ نے نہایت نرمی کے ساتھ سر اٹھایا۔ اختتام نماز پر آپ سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو فرمایا یہ میرا گل امید ہے"۔ "ابنی ھذا سید" یہ میرا بیٹا سید ہے اور دیکھو یہ عنقریب دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ امام نسائی عبداللہ ابن شداد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نمازِ عشا پڑھانے کے لیے آنحضرتؐ تشریف لائے۔ آپ کی آغوش میں امام حسن تھے۔ آنحضرت نماز میں مشغول ہو گئے۔ جب سجدہ میں گئے تو اتنا طول کر دیا کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہونے لگی ہے۔ اختتامِ نماز پر آپ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ تو فرمایا کہ میرا فرزند میری پشت پر آ گیا تھا۔ میں نے یہ نہ چاہا کہ اسے اس وقت تک پشت سے اتاروں، جب تک کہ وہ خود نہ اتر جائے۔ اس لیے سجدہ کو طول دینا پڑا۔ حکیم ترمذی اور نسائی و ابوداؤد نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ ایک دن محوِ خطبہ تھے کہ حسنین آگئے اور حسن کے پاؤں دامن عبا میں اس طرح الجھے کہ زمین پر گر پڑے، یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے خطبہ ترک کر دیا اور منبر سے اتر کر انھیں آغوش میں اٹھا لیا اور منبر پر لے جا کر خطبہ شروع فرمایا۔ (مطالب السؤل ص ۲۲۳)۔

امام حسنؑ کی سرداری جنت

آلِ محمدؐ کی سرداری مسلمات سے ہے، علماءِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ سرورِ کائناتؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ والبوھا خیر منھا" حسن اور حسین جوانان بہشت کے سردار ہیں اور ان کے والد بزرگوار یعنی علی ابن ابی طالب ان دونوں سے بہتر ہیں۔ جناب حذیفہ یمانی کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو ایک دن بہت زیادہ مسرور پا کر عرض کی مولا آج افراط شادمانی کی کیا وجہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے آج جبرئیلؑ نے یہ بشارت دی ہے کہ میرے دونوں فرزند حسن وحسین جوانان بہشت کے سردار ہیں اور ان کے والد علی ابن ابی طالب ان سے بھی بہتر ہیں (کنز العمال جلد ۷ ص۱۰۷ صواعق محرقہ ص۱۱۷) اس حدیث سے اس کی بھی وضاحت ہو گئی کہ حضرت علیؑ صرف سید ہی نہ تھے بلکہ فرزندان سیادت کے باپ تھے۔

جذبۂ اسلام کی فراوانی

مورخین کا بیان ہے کہ ایک دن ابوسفیان حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آپ آنحضرت سے سفارش کر کے ایک ایسا معاہدہ لکھوا دیجئے جس کی رُو سے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت جو کچھ کہہ چکے ہیں اب اس میں سرمو فرق نہ ہوگا۔ اس نے امام حسن سے سفارش کی خواہش کی، آپ کی عمر اگرچہ اس وقت صرف ۱۴ ماہ کی تھی۔ لیکن آپ نے اس وقت ایسی جرأت کا ثبوت دیا جس کا تذکرہ زبان تاریخ پر ہے۔ لکھا ہے کہ ابوسفیان کی طلب سفارش پر آپ نے دوڑ کر اس کی ڈاڑھی پکڑ لی اور ناک مروڑ کر کہا کلمۂ شہادت زبان پر جاری کرو۔ تمہارے لیے سب کچھ ہے یہ دیکھ کر امیرالمومنین مسرور ہو گئے (مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص۴۶)۔

امام حسن اور ترجمانی وحی

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسن کا یہ وطیرہ تھا کہ آپ انتہائی کم سنی کے عالم میں اپنے نانا پر نازل ہونے والی وحی من عن اپنی والدہ ماجدہ کو سُنا دیا کرتے تھے ایک دن حضرت علی نے فرمایا کہ اے بنت رسول میرا جی چاہتا ہے کہ میں حسن کو ترجمانی وحی کرتے ہوئے خود دیکھوں، اور سُنوں، سیدہ نے امام حسن کے پہنچنے کا وقت بتا دیا۔ ایک دن امیرالمومنین حسن سے پہلے داخل خانہ ہو گئے اور گوشۂ خانہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ امام حسن حسب معمول تشریف لائے اور ماں کی آغوش میں بیٹھ کر وحی سنانا شروع کر دی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد عرض کی "یا اماہ قد تلجلج لسانی وکل بیانی لعل سیدی یرانی" مادر گرامی آج زبان وحی ترجمان میں لکنت اور بیان مقصد میں رکاوٹ ہو رہی ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرے بزرگ محترم مجھے دیکھ رہے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت امیرالمومنین نے دوڑ کر امام حسن کو آغوش میں اُٹھا لیا۔ اور بوسہ دینے لگے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۹۳)۔

حضرت امام حسنؑ کا بچپن میں لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرنا

امام بخاری رقمطراز ہیں کہ ایک دن کچھ صدقہ کی کھجوریں آئی ہوئی تھیں۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ اس کے ڈھیر سے کھیل رہے تھے اور کھیل ہی کے طور پر امام حسنؑ نے ایک کھجور دہن اقدس میں رکھ لی، یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا اے حسن کیا تمھیں معلوم نہیں ہے؟ کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے۔ (صحیح بخاری پارہ ۶ ص۵۲)۔

حضرت حجۃ الاسلام شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتری تحریر فرماتے ہیں کہ" امام پر اگرچہ وحی نازل نہیں ہوتی لیکن اس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے جس پر علامہ ابن حجر عسقلانی کا وہ قول دلالت کرتا ہے۔ جو انھوں نے صحیح بخاری کی اس روایت کی شرح میں لکھا ہے جس میں آنحضرتؐ نے امام حسن کے شیر خوارگی کے عالم میں صدقہ کی کھجور کے منہ میں رکھ لینے پر اعتراض فرمایا تھا۔" کخ کخ اما تعلمان الصدقۃ علینا حرام"۔ تھوکو تھوکو، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ امام حسنؑ اس وقت دودھ پیتے تھے۔ آپ پر ابھی شرعی پابندی نہ تھی۔ آنحضرتؐ نے ان پر کیوں اعتراض کیا۔ اس کا جواب علامہ عسقلانی نے اپنی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں دیا ہے کہ" امام حسن اور دوسرے بچے برابر نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ان الحسن یطالع لوح المحفوظ" امام حسن شیر خوارگی کے عالم میں بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ (احقاق الحق ص۱۲۱)

خلیفہ اوّل کو منبرِ رسولؐ سے اُترنے کا حکم

علامہ ابن حجر اور امام سیوطی رقمطراز ہیں کہ امام حسنؑ ایک دن مسجد رسولؐ سے گزرے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر منبر رسول پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ سے رہا نہ گیا اور آپ منبر کے قریب تشریف لے جا کر فرمانے لگے" انزل عن منبر ابی"۔ میرے باپ کے منبر سے اتر آؤ، یہ تمھارے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ سُن کر وہ منبر سے اُتر آئے اور امام حسنؑ کو اپنی آغوش میں بٹھا لیا۔ (صواعق محرقہ ص۱۰۵ تاریخ الخلفاء ص۵۵ ریاض النضرہ ص۱۲۸)۔

امام حسنؑ کا بچپن اور مسائلِ علمیہ

یہ مسلمات سے ہے کہ حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام کو علمِ لدنی ہوا کرتا تھا۔ وہ دنیا میں تحصیل علم کے محتاج نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بچپن میں ہی ایسے مسائل علمیہ سے واقف ہوتے تھے جن سے دنیا کے عام علماء اپنی زندگی کے آخری عمر تک بے بہرہ رہتے تھے۔ امام حسنؑ جو خانوادہ رسالت کی ایک فرد اکمل اور سلسلۂ عصمت کی ایک مستحکم کڑی تھے، کے بچپن کے حالات و واقعات

دیئے جائیں تو میرے دعویٰ کا ثبوت مل سکے گا۔

(۱) مناقب ابنِ شہر آشوب میں بحوالہ شرح اخبار قاضی نعمان مرقوم ہے کہ ایک سائل حضرت ابوبکر کی خدمت میں آیا اور اس نے سوال کیا کہ میں نے حالت احرام میں شتر مرغ کے چند انڈے بھون کر کھالیے ہیں۔ بتایئے کہ مجھ پر کیا کفارہ واجب الادا ہوا۔ سوال کا جواب چونکہ اُن کے بس کا نہ تھا اس لیے عرقِ ندامت پیشانیٔ خلافت پر آگیا۔ ارشاد ہوا کہ اسے عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس لے جاؤ۔ جو اُن سے سوال دُھرایا تو وہ بھی خاموش ہوگئے اور کہا کہ اس کا حل تو امیرالمومنینؑ کر سکتے ہیں سائل حضرت علیؑ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے سائل سے فرمایا کہ میرے دو چھوٹے بچے جو سامنے نظر آرہے ہیں ان سے دریافت کرلے۔ سائل امام حسن کی طرف متوجہ ہوا اور مسئلہ دہرایا۔ امام حسنؑ نے جواب دیا کہ تو نے جتنے انڈے کھائے ہیں اتنی ہی عمدہ اونٹنیاں لے کر انھیں حاملہ کرا۔ اور اُن سے جو بچے پیدا ہوں انھیں راہِ خدا میں ہدیہ خانۂ کعبہ کردے۔ امیرالمومنین نے ہنس کر فرمایا کہ بیٹا جواب تو بالکل صحیح ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ کچھ حمل ضائع ہوجاتے ہیں اور کچھ بچے مر جاتے ہیں۔ عرض کی بابا جان بالکل درست ہے۔ مگر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ کچھ انڈے بھی خراب اور گندے نکل جاتے ہیں۔ یہ سُن کر سائل پکار اٹھا کہ ایک مرتبہ اپنے عہد میں سلیمان بن داؤد نے بھی یہی جواب دیا تھا۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتابوں میں دیکھا ہے۔

(۲) ایک روز امیرالمومنین مقام رحبہ میں تشریف فرما تھے۔ اور حسنین بھی وہاں موجود تھے ناگاہ ایک شخص آکر کہنے لگا کہ میں آپ کی رعایا اور اہل بلد (شہری) ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے تو نہ میری رعایا میں سے ہے اور نہ میرے شہر کا شہری ہے۔ بلکہ تو بادشاہ روم کا فرستادہ ہے تجھے اس نے معاویہ کے پاس چند مسائل دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اور اس نے میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اُس نے کہا یا حضرت آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے۔ مجھے معاویہ نے پوشیدہ طور پر آپ کے پاس بھیجا ہے اور اس کا حال خداوند عالم کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے، مگر آپ بہ علم امامت سمجھ گئے آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ان مسائل کے جوابات ان دو بچوں میں سے کسی ایک سے پوچھ لے۔ وہ امام حسن کی طرف متوجہ ہو کر چاہتا تھا کہ سوال کرے کہ امام حسن نے فرمایا کہ اے شخص تو یہ دریافت کرنے آیا ہے کہ (۱) حق و باطل میں کتنا فاصلہ ہے (۲) زمین و آسمان تک کتنی مسافت ہے (۳) مشرق و مغرب میں کتنی دُوری ہے۔ (۴) قوس قزح کیا چیز ہے (۵) مخنث کسے کہتے ہیں (۶) وہ دس چیزیں کیا ہیں جن میں سے ہر ایک کو خداوند عالم نے دوسرے سے سخت اور فائق پیدا کیا ہے سُن، حق و باطل میں چار انگشت کا فرق و فاصلہ ہے۔ اکثر و بیشتر جو کچھ آنکھ سے دیکھا حق ہے۔ اور جو کان سے سُنا باطل ہے۔ (آنکھ سے دیکھا ہوا یقینی۔ کان سے سُنا ہوا محتاج تحقیق۔ زمین

اور آسمان کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ مظلوم کی آہ اور آنکھ کی روشنی پہنچ جاتی ہے مشرق و مغرب میں اتنا فاصلہ ہے کہ سورج ایک دن میں طے کر لیتا ہے اور قوسِ قزح اصل میں قوسِ خدا ہے اس لیے کہ قزح شیطان کا نام ہے۔ یہ فراوانی رزق اور اہل زمین کے لیے غرق سے امان کی علامت ہے۔ اس لیے اگر یہ خشکی میں نمودار ہوتی ہے تو بارش کے علامات میں سے سمجھی جاتی ہے اور بارش میں نکلتی ہے تو ختم باران کی علامات میں سے شمار کی جاتی ہے۔ مخنث وہ ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ مرد ہے یا عورت اور اس کے جسم میں دونوں کے اعضا ہوں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ تا حدِ بلوغ انتظار کریں اگر محتلم ہو تو مرد اور حائض ہو اور پستان اُبھر آئیں تو عورت۔ اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کے پیشاب کی دھار سیدھی جاتی ہے یا نہیں اگر سیدھی جاتی ہے تو مرد ورنہ عورت۔ اور وہ دس چیزیں جن میں سے ایک دوسرے پر غالب و قوی ہے وہ یہ ہیں کہ خدا نے سب سے زائد سخت پتھر کو پیدا کیا ہے۔ مگر اس سے زیادہ سخت لوہا ہے جو پتھر کو بھی کاٹ دیتا ہے اور اس سے زائد سخت قوی آگ ہے جو لوہے کو پگھلا دیتی ہے اور آگ سے زیادہ سخت قوی پانی ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے اور اس سے زائد سخت و قوی ابر ہے۔ جو پانی کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے پھرتا ہے اور اس سے زائد و قوی ہوا ہے جو ابر کو اُڑائے پھرتی ہے اور ہوا سے زائد سخت و قوی فرشتہ ہے جس کے ہوا محکوم ہے اور اس سے زائد سخت و قوی ملک الموت ہے جو فرشتہ باد کی بھی رُوح قبض کر لیں گے اور ملک الموت سے بھی زائد سخت و قوی موت ہے جو ملک الموت کو بھی مار ڈالے گی۔ اور موت سے زائد سخت و قوی حکمِ خدا ہے جو موت کو بھی ٹال دیتا ہے۔ یہ جوابات سُن کر سائل پھڑک اُٹھا۔

(۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں خون آلودہ چھُری ہے اور اُسی جگہ ایک شخص ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ جب اُس سے پوچھا گیا کہ تُو نے اسے قتل کیا ہے، تو اس نے کہا ہاں۔ لوگ اسے جسدِ مقتول سمیت جناب امیر المومنین ع کی خدمت میں لے چلے۔ اتنے میں ایک اور شخص دوڑتا ہوا آیا، اور کہنے لگا کہ اِسے چھوڑ دو۔ اس مقتول کا قاتل میں ہوں۔ اُن لوگوں نے اُسے بھی ساتھ لے لیا اور حضرت کے پاس لے گئے۔ سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے پہلے شخص سے پوچھا کہ جب تو اس کا قاتل نہیں تھا تو کیا وجہ ہے کہ اپنے کو اس کا قاتل بیان کیا۔ اس نے کہا یا مولا میں قصاب ہوں۔ گوسفند ذبح کر رہا تھا کہ مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ اِس طرح خون آلود چھری ہاتھ میں لیے ہوئے اس خرابہ میں چلا گیا۔ وہاں دیکھا کہ یہ مقتول تازہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اتنے میں لوگ آگئے اور مجھے پکڑ لیا۔ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اِس وقت جبکہ قتل کے سارے قرائن موجود ہیں میرے انکار کو کون باور کرے گا۔ میں نے اقرار کر

لیا پھر آپ نے دوسرے سے پوچھا کہ تو اس کا قاتل ہے۔ اُس نے کہا۔ جی ہاں۔ میں ہی اسے قتل کر کے چلا گیا تھا۔ جب دیکھا کہ ایک قصاب کی ناحق جان چلی جائے گی، تو حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میرے فرزند حسن کو بلاؤ وہی اس مقدمہ کا فیصلہ سنائیں گے۔ امام حسن آئے اور سارا قصہ سنا۔ فرمایا دونوں کو چھوڑ دو۔ یہ قصاب بے قصور ہے اور یہ شخص اگرچہ قاتل ہے مگر اس نے ایک نفس کو قتل کیا۔ تو دوسرے نفس (قصاب) کو بچا کر . . . اسے حیات دی اور اس کی جان بچالی اور حکم قرآن ہے کہ "من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعًا" یعنی جس نے ایک نفس کی جان بچائی اُس نے گویا تمام لوگوں کی جان بچائی۔ لہٰذا اس مقتول کا خون بہا بیت المال سے دیا جائے۔ [۱۴] علی ابن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شاہ روم نے جب حضرت علی کے مقابلہ میں معاویہ کی چیرہ دستیوں سے آگاہی حاصل کی تو دونوں کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایک نمائندہ بھیج دیں۔ حضرت علی کی طرف سے امام حسنؑ اور معاویہ کی طرف سے یزید کی روانگی عمل میں آئی۔ یزید نے وہاں پہنچ کر شاہ روم کی دست بوسی کی اور امام حسن نے جاتے ہی کہا کہ خدا کا شکر ہے میں یہودی، نصرانی، مجوسی وغیرہ نہیں ہوں بلکہ خالص مسلمان ہوں۔ شاہ روم نے چند تصاویر نکالیں۔ یزید نے کہا کہ میں ان میں سے ایک کو بھی نہیں پہچانتا اور نہ بتا سکتا ہوں کہ یہ کن حضرات کی شکلیں ہیں۔ امام حسنؑ نے حضرت آدمؑ۔ نوح۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل اور شعیب و یحیٰی کی تصویریں دیکھ کر شکلیں پہچان لیں اور ایک تصویر دیکھ کر آپ رونے لگے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کس کی تصویر ہے۔ فرمایا میرے جدّ نامدار کی۔ اس کے بعد بادشاہ نے سوال کیا کہ وہ کون سے جاندار ہیں جو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے۔ آپ نے فرمایا اے بادشاہ وہ سات جاندار ہیں (۱) آدم (۲) حوّا (۳) دنبہ ابراہیم (۴) ناقہ صالح (۵) ابلیس (۶) موسوی اژدہا (۷) وہ کوا جس نے قابیل کی دفن ہابیل کی طرف رہبری کی۔ بادشاہ نے یہ تبحر علمی دیکھ کر آپ کی بڑی عزت کی اور تحائف کے ساتھ واپس کیا۔

امام حسنؑ اور تفسیر قرآن

علامہ ابن طلحہ شافعی بحوالہ تفسیر وسیط واحدی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عباس اور ابن عمر سے ایک آیت سے متعلق "شاھد و مشھود" کے معنی دریافت کئے ابن عباس نے شاہد سے یوم جمعہ اور مشہود سے یوم عرفہ بتایا اور ابن عمر نے یوم جمعہ اور یوم النحر کہا۔ اس کے بعد وہ شخص امام حسن کے پاس پہنچا، آپ نے شاہد سے رسول خدا اور مشہود سے یوم قیامت فرمایا اور دلیل میں آیت پڑھی (۱) یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا اے نبی ہم نے تم کو شاہد و مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے (۲) ذالک یوم مجموع لہ الناس وذالک یوم مشھود۔ قیامت کا وہ دن ہوگا۔ جس میں تمام لوگ ایک مقام پر جمع کر دیئے جائیں گے، اور یہی یوم مشہود ہے۔ سائل نے

سب کا جواب سُننے کے بعد کہا "فکان قول الحسن احسن" امام حسن کا جواب دونوں سے کہیں بہتر ہے۔ (مطالب السؤل ص۲۲۵)۔

امام حسنؑ کی سایۂ رحمت سے محرومی

مورخین کا بیان ہے کہ امام حسن کی عمر جب سات سال پانچ ماہ اور تیرہ یوم کی ہوئی تو آپ کے سر سے رحمۃ للعالمین کا سایہ ۲۸ صفر سنہ ۱۱ ہجری کو اُٹھ گیا۔ ابھی آپ نانا کے سوگ منانے سے فراغت حاصل نہ کر سکے تھے کہ ۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۱ ہجری کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؑ زہرا نے بھی انتقال فرمایا۔ اس غم بالائے غم نے امام حسن کو بے انتہا صدمہ پہنچایا۔

مشابہت رسولؐ

علامہ علی متقی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ حسن رسول کریمؐ صلعم کی شکل و شباہت سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ انس بن مالک کا بیان ہے کہ امام حسنؑ کے جسم کا نصف بالائی حصہ رسول اللہ سے اور نصف حصہ زیریں امیرالمومنین سے مشابہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ حسن میں خدا نے ہیبت اور سرداری اور حسین میں جرأت و ہمت ودیعت کی ہے۔ (کنزالعمال جلد ۷ ص۱۰۱)۔

امام حسنؑ کی عبادت

امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام زبردست عابد، بے مثل زاہد، افضل ترین عالم تھے۔ آپ نے جب بھی حج فرمایا پیدل فرمایا، کبھی کبھی پا برہنہ حج کے لیے جاتے تھے۔ آپ اکثر موت، عذاب، قبر، صراط اور بعثت و نشور کو یاد کر کے رویا کرتے تھے۔ جب آپ وضو کرتے تھے تو آپ کے چہرہ کا رنگ زرد ہوجایا کرتا تھا اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو بید کی مثل کانپنے لگتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب دروازہ مسجد پر پہنچتے تو خُدا کو مخاطب کر کے کہتے۔ میرے پالنے والے تیرا گنہگار بندہ تیری بارگاہ میں آیا ہے۔ اے رحمٰن و رحیم اپنے اچھائیوں کے صدقہ میں مجھ جیسے بُرائی کرنے والے بندہ کو معاف کر دے۔ آپ جب نماز صبح سے فارغ ہوتے تھے تو اس وقت تک خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ جب تک سورج طالع نہ ہو جائے۔ (روضۃ الواعظین بحارالانوار)۔

آپ کا زُہد

امام شافعی لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے اکثر اپنا سارا مال راہِ خُدا میں تقسیم کر دیا ہے اور بعض مرتبہ نصف مال تقسیم فرمایا ہے وہ عظیم و پرہیزگار تھے۔

آپ کی سخاوت

مورخین لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے کچھ مانگا دستِ سوال دراز ہونا تھا کہ آپ نے پچاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں دے دیں اور فرمایا کہ مزدور لا کر اسے اُٹھوا لے جا۔ اس کے بعد آپ نے مزدور کی مزدوری

میں اپنا چغا بخش دیا (مراۃ الجنان ص۱۲۳) ایک مرتبہ آپ نے ایک سائل کو خدا سے دُعا کرتے ہوئے سُنا۔ "خدایا مجھے دس ہزار درہم عطا فرما۔" آپ نے گھر پہنچ کر مطلوبہ رقم بھجوادی۔ (نورالابصار ص۱۲۲)

آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ تو فاقہ کرتے ہیں لیکن سائل کو محروم واپس نہیں فرماتے، ارشاد فرمایا کہ میں خدا سے مانگنے والا ہوں۔ اُس نے مجھے دینے کی عادت ڈال رکھی ہے اور میں نے لوگوں کو دینے کی عادت ڈالی ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنی عادت بدل دُوں، تو کہیں خدا بھی نہ اپنی عادت بدل دے اور مجھے بھی محروم کر دے۔ (ص۱۲۳)

توکّل کے متعلق آپ کا ارشاد

امام شافعی کا بیان ہے کہ کسی نے امام حسن سے عرض کی کہ ابوذر غفاری فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تونگری سے زیادہ ناداری اور صحت سے زیادہ بیماری پسند ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ابوذر پر رحم کرے۔ ان کا کہنا درست ہے۔ لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کے قضا و قدر پر توکّل کرے وہ ہمیشہ اسی چیز کو پسند کرے گا جسے خدا اس کے لیے پسند کرے۔ (مراۃ الجنان جلد ا ص۱۲۵)۔

امام حسنؑ حلم اور اخلاق کے میدان میں

علامہ ابنِ شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن حضرت امام حسن علیہ السلام گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لیے جا رہے تھے۔ راستہ میں معاویہ کے طرف داروں کا ایک شامی سامنے آپڑا۔ اس نے حضرت کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ آپ نے اس کا مطلقاً کوئی جواب نہ دیا جب وہ اپنی جسی کر چکا تو آپ اس کے قریب گئے اور اس کو سلام کر کے فرمایا کہ بھائی شاید تو مُسافر ہے، سُن اگر تجھے سواری کی ضرورت ہو، تو میں تجھے سواری دے دوں، اگر تو بھُوکا ہے تو کھانا کھلا دُوں۔ اگر تجھے کپڑے درکار ہوں تو کپڑے دے دوں۔ اگر تجھے رہنے کو جگہ چاہیے، تو مکان کا انتظام کر دوں۔ اگر دولت کی ضرورت ہے تو تجھے اتنا دے دُوں کہ تو خوش حال ہو جائے یہ سُن کر شامی بے انتہا شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین خدا پر اس کے خلیفہ ہیں۔ مولا میں تو آپ کو اور آپ کے باپ دادا کو سخت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ لیکن آج آپ کے اخلاق نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا۔ اب میں آپ کے قدموں سے دُور نہ جاؤں گا اور تاحیات آپ کی خدمت میں رہوں گا۔ (مناقب جلد ۴ ص۵۲ وکامل مبرد ج ۱ ص۸۶)

احسان کا بدلہ احسان

ابوالحسن مدائنی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام حسن، امام حسین اور عبداللہ بن جعفر طیار حج کو جاتے ہوئے بھُوک اور پیاس کی حالت میں ایک ضعیفہ کے جھونپڑے میں جا پہنچے اور اس سے

کھانے پینے کی چیز طلب فرمائی۔ اس نے عرض کی کہ میرے پاس ایک بکری ہے اس کا دودھ دوھ کر پیاس بجھائی جا سکتی ہے۔ انھوں نے دودھ پی لیا۔ لیکن گرسنگی سے تسلی نہ ہوئی تو اس سے فرمایا کہ کچھ کھانے کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو بس یہی ایک بکری ہے۔ لیکن میں قسم دیتی ہوں کہ آپ اسے ذبح کرکے تناول فرمالیں۔ بکری ذبح کی گئی۔ گوشت بھونا گیا اور سب نے کھالیا اس کے بعد قدرے آرام کرکے وہ لوگ روانہ ہوگئے۔ جب شام کو اس کا شوہر آیا۔ تو اس عورت نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ شوہر نے پوچھا وہ کون لوگ تھے۔ کہا معلوم نہیں، جاتے وقت صرف یہ کہا تھا کہ ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں۔ شوہر نے کہا خدا کی بندی یہ تو بتا کہ اب ہمارا گزارہ کس طرح ہوگا۔ غرضکہ تھوڑے عرصہ میں ان لوگوں کو قحط کا سامنا کرنا پڑا اور یہ سخت مصیبتوں میں مبتلا ہوکر بھیک مانگتے ہوئے مدینہ جا پہنچے، ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ناگاہ امام حسن کی نگاہ اس عورت پر جا پڑی۔ آپ نے اسے بلوا کر بکری والا واقعہ یاد دلایا اور اس کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں عنایت فرما دیں اور اسے امام حسینؑ کی خدمت میں بھیج دیا۔ انھوں نے بھی اسی قدر بکریاں وغیرہ عطا فرمائیں۔ پھر عبداللہ ابن جعفر کو اطلاع دی گئی انھوں نے بھی اسی کے لگ بھگ اسے دے دیا وہ مالا مال ہوکر اپنے گھر واپس چلی گئی۔ (نورالابصار ص ۱۲۱ و مطالب السؤل ص ۲۲۹)۔

عہدِ امیرالمومنین میں امام حسنؑ کی اسلامی خدمات

تواریخ میں ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو پچیس برس کی خانہ نشینی کے بعد مسلمانوں نے خلیفہ ظاہری کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے بعد جمل صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک جہاد میں امام حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ساتھ ہی نہیں رہے بلکہ بعض موقعوں پر جنگ میں آپ نے کارہائے نمایاں بھی کیے۔ سیر الصحابہ اور روضۃ الصفا میں ہے کہ جنگِ صفین کے سلسلے میں جب ابوموسیٰ اشعری کی ریشہ دوانیاں عریاں ہوچکیں تو امیرالمومنین نے امام حسن اور عمار یاسر کو کوفہ روانہ فرمایا۔ آپ نے جامع کوفہ میں ابوموسیٰ کے افسون کو اپنی تقریر کے تریاق سے بے اثر بنا دیا اور لوگوں کو حضرت علی کے ساتھ جنگ کے لیے جانے پر آمادہ کر دیا۔ اخبار الطوال کی روایت کی بنا پر نو ہزار چھ سو پچاس افراد کا لشکر تیار ہوگیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جنگِ جمل کے بعد جب عائشہ مدینہ جانے پر آمادہ نہ ہوئیں تو حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو بھیجا کہ انھیں سمجھا بجھا کر مدینہ روانہ کریں۔ چنانچہ وہ اس سعی ممدوح میں کامیاب ہوگئے۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ امام حسن جنگِ جمل وصفین میں علمدار لشکر تھے اور آپ نے معاہدہ

تحکیم پر دستخط بھی فرمائے تھے۔ اور جنگ جمل وصفین اور نہروان میں بھی سعی بلیغ کی تھی۔

فوجی کاموں کے علاوہ آپ کے سپرد سرکاری مہمان خانہ کا انتظام اور شاہی مہمانوں کی مدارات کا کام بھی تھا۔ آپ مقدمات کے فیصلے بھی کرتے تھے اور بیت المال کی نگرانی بھی فرماتے تھے وغیرہ وغیرہ

حضرت علیؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی بیعت

مورخین کا بیان ہے کہ امام حسن کے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کے سر مبارک پر بمقام مسجد کوفہ ۱۸ رمضان ۴۰ھ ہجری بوقت صبح امیر معاویہ کی سازش سے عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لگائی جس کے صدمہ سے آپ نے ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ ہجری کو بوقت صبح شہادت پائی۔ اس وقت امام حسن کی عمر ۳۷ سال چھ یوم کی تھی۔ حضرت علی کی تکفین و تدفین کے بعد عبداللہ ابن عباس کی تحریک سے بقول ابن اثیر قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری نے امام حسن کی بیعت کی اور ان کے بعد تمام حاضرین نے بیعت کر لی جن کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ یہ واقعہ ۲۱ رمضان ۴۰ھ یوم جمعہ کا ہے۔ کفایۃ الاثر علامہ مجلسی میں ہے کہ اس وقت آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جس میں آپ نے حمد و ثنا کے بعد بارہ امام کی خلافت کا ذکر فرمایا اور اس کی وضاحت کی کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ہم میں ہر ایک یا تلوار کے گھاٹ اترے گا یا زہر دغا سے شہید ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے عراق، ایران، خراسان، حجاز اور یمن و بصرہ وغیرہ کے عمال کی طرف توجہ کی اور عبداللہ ابن عباس کو بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ معاویہ کو جونہی یہ خبر پہنچی کہ بصرہ کے حاکم ابن عباس مقرر کر دیئے گئے ہیں تو اس نے دو جاسوس روانہ کئے ایک قبیلہ حمیر کا کوفہ کی طرف اور دوسرا قبیلۂ قین کا بصرہ کی طرف، اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ امام حسن سے منحرف ہو کر میری طرف آجائیں۔ لیکن وہ دونوں جاسوس گرفتار کر لیے گئے اور بعد میں انھیں قتل کر دیا گیا۔

حقیقت ہے کہ جب عنان حکومت امام حسنؑ کے ہاتھوں میں آئی تو زمانہ بڑا پُر آشوب تھا حضرت علی جن کی شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھی ہوئی تھی۔ دنیا سے کوچ کر چکے تھے۔ ان کی دفعتہً شہادت نے سوئے ہوئے فتنوں کو بیدار کر دیا تھا اور ساری مملکت میں سازشوں کی کھچڑی پک رہی تھی۔ خود کوفہ میں اشعث ابن قیس، عمر بن حریث۔ شیث ابن ربعی وغیرہ کھلم کھلا برسر عناد اور آمادہ فساد نظر آتے تھے۔ . . معاویہ نے جا بجا جاسوس مقرر کر دیئے تھے۔ جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈلواتے اور حضرت کے لشکر میں اختلاف و تشتت و افتراق کا بیج بوتے تھے۔ اس نے کوفہ کے بڑے بڑے سرداروں سے سازشی ملاقاتیں کیں اور بڑی بڑی رشوتیں دے

کر انھیں توڑ دیا۔ بحارالانوار میں علل الشرائع کے حوالہ سے منقول ہے کہ معاویہ نے عمر بن حریث، اشعث بن قیس، حجر ابن الحجر، شبث ابن ربعی کے پاس علیحدہ علیحدہ یہ پیام بھیجا کہ جس طرح ہو سکے حسن ابن علی کو قتل کرا دو، جو منچلا یہ کام کر گزرے گا اس کو دو لاکھ درہم نقد انعام دوں گا۔ فوج کی سرداری عطا کروں گا۔ اور اپنی کسی لڑکی سے اس کی شادی کر دوں گا۔ یہ انعام حاصل کرنے کے لیے لوگ شب و روز موقع کی تاک میں رہنے لگے۔ حضرت کو اطلاع ملی تو آپ نے کپڑوں کے نیچے زرہ پہننی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ نمازِ جماعت پڑھانے کے لیے باہر نکلتے تو زرہ پہن کر نکلتے تھے معاویہ نے ایک طرف تو خفیہ توڑ جوڑ کیے۔ دوسری طرف ایک بڑا لشکر عراق پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ جب حملہ آور لشکر حدودِ عراق میں دور تک آگے بڑھ آیا تو حضرت نے اپنے لشکر کو حرکت کرنے کا حکم دیا۔ حجر ابن عدی کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے فرمایا۔ آپ کے لشکر میں بھیڑ بھاڑ تو خاصی نظر آنے لگی تھی مگر سردار جو سپاہیوں کو لڑاتے ہیں۔ کچھ تو معاویہ کے ہاتھ بک چکے تھے۔ کچھ عافیت کوشی میں مصروف تھے۔ حضرت علی کی شہادت نے دوستوں کے حوصلے پست کر دیے تھے اور دشمنوں کو جرأت و ہمت دلا دی تھی۔

مورخین کا بیان ہے کہ معاویہ ۶۰ ہزار کی فوج لے کر مقام مسکن میں جا اترا جو بغداد سے دس فرسخ تکریت کی "جانب اوانا" کے قریب واقع ہے۔ امام حسن علیہ السلام کو جب معاویہ کی پیشقدمی کا علم ہوا تو آپ نے بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ کوچ کر دیا اور کوفہ سے ساباط میں جا پہنچے اور ۱۲ ہزار کی فوج قیس ابن سعد کی ماتحتی میں معاویہ کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کر دی پھر ساباط سے روانہ ہوتے وقت آپ نے ایک خطبہ پڑھا۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ

> "لوگو! تم نے اس شرط پر مجھ سے بیعت کی ہے کہ صلح اور جنگ دونوں حالتوں میں میرا ساتھ دوگے" میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی شخص سے بغض و عداوت نہیں ہے۔ میرے دل میں کسی کو ستانے کا خیال نہیں۔ میں صلح کو جنگ سے اور محبت کو عداوت سے کہیں بہتر سمجھتا ہوں۔"

لوگوں نے حضرت کے اس خطاب کا مطلب یہ سمجھا کہ حضرت امام حسنؑ، امیر معاویہ سے صلح کرنے کی طرف مائل ہیں اور خلافت سے دستبرداری کا ارادہ دل میں رکھتے ہیں۔ اسی دوران میں معاویہ نے امام حسنؑ کے لشکر کی کثرت سے متاثر ہو کر بمشورہ عمرو عاص کچھ لوگوں کو امام حسنؑ کے لشکر میں اور کچھ کو قیس ابن سعد کے لشکر میں بھیج کر ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا کرا دیا۔ امام حسنؑ کے لشکر والے سازشیوں نے قیس کے متعلق یہ شہرت دینی شروع کی کہ اس نے معاویہ سے صلح کر لی ہے اور قیس بن سعد کے لشکر میں جو سازشی گھسے ہوئے تھے انھوں نے تمام لشکریوں میں یہ چرچا کر دیا کہ امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی ہے۔ امام حسنؑ کے دونوں لشکروں میں اس غلط افواہ کے پھیل جانے سے بغاوت اور بدگمانی کے جذبات

اُبھر نکلے۔ امام حسن کے لشکر کا وہ عنصر جسے پہلے ہی سے شبہ تھا کہ یہ مائل بہ صلح ہیں یہ کہنے لگا کہ امام حسن بھی اپنے باپ حضرت علی کی طرح کافر ہو گئے ہیں۔ بالآخر فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کا کل اسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلیٰ تک گھسیٹ لیا۔ دوش مبارک پر سے ردا بھی اُتار لی اور بعض نمایاں قسم کے افراد نے امام حسن کو معاویہ کے حوالے کر دینے کا پلان تیار کیا۔ آخر کار آپ ان بدبختوں سے مایوس ہو کر مدائن کے گورنر، سعد یا سعید کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک خارجی نے جس کا نام بروایت الاخبار الطوال صہ ۲۹۳، "جراح بن قبیصہ" تھا۔ آپ کی ران پر کمین گاہ سے ایک ایسا خنجر لگایا جس نے ہڈی تک محفوظ نہ رہنے دیا۔ آپ نے مدائن میں مقیم رہ کر علاج کرایا۔ اور اچھے ہو گئے۔ تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۱۶۱ تاریخ آئمہ صہ ۳۳۳ فتح الباری۔

معاویہ نے موقع غنیمت جان کر ۲۰ ہزار کا لشکر عبداللہ ابن عامر کی قیادت و ماتحتی میں مدائن بھیج دیا۔ امام حسن اس سے لڑنے کے لیے نکلنے ہی والے تھے کہ اس نے عام شہرت کر دی کہ معاویہ بہت بڑا لشکر لیے ہوئے آ رہا ہے۔ میں امام حسن اور ان کے لشکر سے درخواست کرتا ہوں کہ مفت میں اپنی جان نہ دیں اور صلح کر لیں۔

اِس دعوتِ صلح اور پیغام خوف سے لوگوں کے دل بیٹھ گئے ہمتیں پست ہو گئیں اور امام حسن کی فوج بھاگنے کے لیے راستہ ڈھونڈھنے لگی۔

صلح

مؤرخ معاصر علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السّلام کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بے وفائی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسن کے لیے جنگ ممکن نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السّلام کتنے ہی بے بس اور بے کس ہوں، مگر علی و فاطمہ کے بیٹے اور پیغمبر کے نواسے ہیں۔ اس لیے وہ ایسے شرائط پر ہرگز صلح نہ کریں گے۔ جو حق پرستی کے خلاف ہوں۔ اور جن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو۔ اس کو نظر میں رکھتے ہوئے انھوں نے ایک طرف تو آپ کے ساتھیوں کو عبداللہ ابن عامر کے ذریعہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے پیچھے نہ پڑو، اور خون ریزی نہ ہونے دو۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کو رشوتیں بھی دی گئیں اور کچھ بزدلوں کو اپنی تعداد کی زیادتی سے خوف زدہ کیا گیا اور دوسری طرف حضرت امام حسن علیہ السّلام کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انہی شرائط پر صلح کے لیے تیار ہوں۔

امام حسن یقیناً اپنے ساتھیوں کی غدّاری کو دیکھتے ہوئے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرور پیش نظر تھا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ باطل کی تقویت کا دھبّہ میرے دامن پر نہ آنے پائے۔ اس گھرانے کو حکومت و اقتدار کی ہوس تو کبھی تھی ہی نہیں انھیں تو مطلب

اِس سے تھا کہ مخلوقِ خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوق الٰہی کا اجرا ہو۔ اب امیر معاویہ نے جو آپ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی تو اب مصالحت سے اِنکار کرنا شخصی اقتدار کی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں قرار پا سکتا تھا اور یہ کہ امیر شام صلح کی شرائط پر عمل نہ کریں گے۔ بعد کی بات تھی۔ جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے آ کہاں سکتا تھا اور حجت تمام کیونکر ہو سکتی تھی۔ پھر بھی آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کو جمع کر لیا اور تقریر فرمائی۔

آگاہ رہو کہ تم میں وہ خون ریز لڑائیاں ہو چکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے۔ کچھ مقتول صفین میں ہوئے جن کے لیے آج تک رو رہے ہو اور کچھ مقتول نہروان کے جن کا معاوضہ طلب کر رہے ہو، اب اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس پیغامِ صلح کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ کے بھروسہ پر تلواروں سے فیصلہ کریں اور اگر زندگی کو عزیز رکھتے ہو تو ہم اس کو قبول کریں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں۔

جواب میں لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع کیا ہم زندگی چاہتے ہیں، ہم زندگی چاہتے ہیں۔ آپ صلح کر لیجیے۔ اِسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صلح کی شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کیے۔ (ترجمہ ابن خلدون)۔

شرائطِ صُلح

اِس صُلح نامہ کے مکمل شرائط حسبِ ذیل تھے۔

(۱) یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں، کتاب خدا اور سُنّتِ رسُولؐ پر عمل کریں گے (۲) یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ (۳) یہ کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لیے امان ہوگی (۴) یہ کہ حضرت علی کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی ہیں ان کے جان و مال اور ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے۔ (۵) یہ کہ معاویہ، حسن ابنِ علی اور ان کے بھائی حسین ابن علی اور خاندانِ رسُول میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے نہ خفیہ طور پر اور نہ اعلانیہ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرایا نہیں جائے گا۔ (۶) یہ کہ جناب امیرالمومنین کی شان میں کلمات نازیبا جو اب تک مسجدِ جامع اور قنوت نماز میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ وہ ترک کر دیے جائیں۔ آخری شرط کی منظوری میں معاویہ کو عذر ہوا تو یہ طے پایا کہ کم از کم جس موقع پر امام حسن علیہ السلام موجود ہوں۔ اِس جگہ ایسا نہ کیا جائے۔ یہ معاہدہ ربیع الاوّل یا جمادی الاوّل ۴۱ ہجری کو عمل میں آیا۔

صلح نامہ پر دستخط | ۲۵ ربیع الاوّل کو کوفہ کے قریب مقامِ انبار میں فریقین کا اجتماع

ہوا اور صلح نامہ پر دونوں کے دستخط ہوئے اور گواہیاں ثبت ہوئیں (نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب ص۸۰) اس کے بعد معاویہ نے اپنے لیے عام بیعت کا اعلان کر دیا اور اس سال کا نام سنت الجماعت رکھا۔ پھر امام حسن کو خطبہ دینے پر مجبور کیا۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! خدائے تعالیٰ نے ہم میں سے اول کے ذریعہ سے تمھاری ہدایت کی اور آخر کے ذریعہ سے تمھیں خونریزی سے بچایا معاویہ نے اس امر میں مجھ سے جھگڑا کیا جس کا میں اس سے زیادہ مستحق ہوں۔ لیکن میں نے لوگوں کی خونریزی کی نسبت اس امر کا ترک کر دینا بہتر سمجھا۔ تم رنج و ملال نہ کرو کہ میں نے حکومت اس کے نا اہل کو دے دی اور اس کے حق کو جائے ناحق پر رکھا۔ میری نیت اس معاملہ میں صرف اُمت کی بھلائی ہے۔ یہاں تک فرمانے پائے تھے کہ معاویہ نے کہا "بس اے حضرت زیادہ فرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔" تاریخ خمیس جلد ۲ ص۳۲۵)۔

تکمیل صلح کے بعد امام حسن نے صبر و استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناخوشگوار حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔ مگر ادھر یہ ہوا کہ امیر شام نے جنگ کے ختم ہوتے ہی اور سیاسی اقتدار کے مضبوط ہوتے ہی عراق میں داخل ہو کر نخیلہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہیے۔ قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد اعلان کیا کہ میرا مقصد جنگ سے یہ نہ تھا کہ تم لوگ نماز پڑھنے لگو۔ روزے رکھنے لگو۔ حج کرو یا زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ سب تو تم کرتے ہی ہو میرا مقصد تو یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلم ہو جائے اور یہ مقصد میرا حسنؑ کے اس معاہدہ کے بعد پورا ہو گیا اور باوجود تم لوگوں کی ناگواری کے میں کامیاب ہو گیا۔ رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسن کے ساتھ کیے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے یہ سن کر مجمع میں ایک سناٹا چھا گیا۔ مگر اب کس میں دم تھا کہ اس کے خلاف زبان کھولتا۔

شرائطِ صلح کا حشر

مورخین کا اتفاق ہے کہ امیر معاویہ جو میدان سیاست کے کھلاڑی اور مکر و زور کی سلطنت کے تاجدار تھے۔ امام حسن سے وعدہ اور معاہدہ کے بعد ہی سب سے مکر گئے" ولم یف لہ معاویۃ لشئی مما عاھد علیہ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص۱۶۲ میں ہے کہ معاویہ نے کسی ایک چیز کی بھی پرواہ نہ کی اور کسی پر عمل نہ کیا۔ امام ابوالحسن علی بن محمد لکھتے ہیں کہ جب معاویہ کے لیے امر سلطنت استوار ہو گیا۔ تو اس نے اپنے حاکموں کو جو مختلف شہروں اور علاقوں میں تھے یہ فرمان بھیجا کہ اگر کوئی شخص ابوتراب اور اس کے اہل بیت کی فضیلت کی روایت کرے گا تو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ جب یہ خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی اور لوگوں کو معاویہ کا منشا معلوم ہو گیا تو تمام خطیبوں نے

منبروں پر سب وشتم اور منقصت امیر المومنین پر خطبہ دینا شروع کر دیا کوفہ میں زیاد ابن ابیہ جو کئی برس تک حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں ان کے عمال میں رہ چکا تھا وہ شیعیان علی کو اچھی طرح سے جانتا تھا۔ مردوں، عورتوں جوانوں اور بوڑھوں سے اچھی طرح آگاہ تھا اسے ہر ایک رہائش اور کونوں اور گوشوں میں بسنے والوں کا پتہ تھا۔ اسے کوفہ اور بصرہ دونوں کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔ اس کے ظلم کی حالت یہ تھی کہ شیعیان علی کو قتل کرتا اور بعضوں کی آنکھوں کو پھوڑ دیتا۔ اور بعضوں کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیتا تھا۔ اس ظلم عظیم سے سینکڑوں تباہ ہو گئے۔ ہزاروں جنگلوں اور پہاڑوں میں جا چھپے۔ بصرہ میں آٹھ ہزار آدمیوں کا قتل واقع ہوا جن میں بیالیس حافظ اور قاری قرآن تھے۔ ان پر محبت علی کا جرم عاید کیا گیا تھا۔ حکم یہ تھا کہ علی کے بجائے عثمان کے فضائل بیان کئے جائیں اور علی کے فضائل کے متعلق یہ فرمان تھا کہ ایک ایک فضیلت کے عوض دس دس منقصتیں تصنیف کی جائیں یہ سب کچھ امیر المومنینؑ سے بدلا لینے اور یزید کے لیے زمین خلافت ہموار کرنے کی خاطر تھا۔

کوفہ سے امام حسنؑ کی مدینہ کو روانگی

صلح کے مراحل طے ہونے کے بعد امام حسن علیہ السلام اپنے بھائی امام حسینؑ اور عبد اللہ ابن جعفر اور اپنے اطفال وعیال کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تاریخ اسلام مسٹر ذاکر حسین کی جلد ا صـ۳۴ میں ہے کہ جب آپ کوفہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو معاویہ نے راستہ میں ایک پیغام بھیجا اور وہ یہ تھا کہ آپ خوارج سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ انھوں نے میری بیعت ہوتے ہی پھر سر نکالا ہے۔ امام حسن نے جواب دیا کہ اگر خونریزی مقصود ہوتی تو میں تجھ سے کیوں صلح کرتا۔ جسٹس امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ خوارج حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو مانتے اور حضرت علی علیہ السلام اور عثمان غنی کو نہیں تسلیم کرتے تھے۔ اور بنی امیہ کو مرتد کہتے تھے۔

صُلح حسنؑ اور اُس کے وجوہ واسباب

اُستاذی العلام حضرت علامہ سید عدیل اختر اعلی اللہ مقامہ (سابق پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ) اپنی کتاب تسکین الفتن فی صلح الحسن کے صـ۱۵۸ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

امام حسنؑ کی پالیسی بلکہ جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے کل اہلبیت کی پالیسی ایک اور صرف ایک تھی (دراسات اللبیب صـ۲۴۹) وہ یہ کہ حکم خدا اور حکم رسول کی پابندی انھیں کے احکام کا اجرا۔ چاہیے۔ اس مطلب کے لیے جو برداشت کرنا پڑے، مذکورہ بالا حالات میں امام حسن کے لیے سوائے صلح کیا چارہ ہو سکتا تھا۔ اس کو خود صاحبان عقل سمجھ سکتے ہیں۔ کسی استدلال کی چنداں ضرورت نہیں

ہے۔ یہاں پر علامہ ابن اثیر کی یہ عبارت (جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے) قابل غور ہے۔

"کہا گیا ہے کہ امام حسنؑ نے حکومت معاویہ کو اس لیے سپرد کی کہ جب معاویہ نے خلافت حوالہ کرنے کے متعلق آپ کو خط لکھا۔ اُس وقت آپ نے خطبہ پڑھا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ دیکھو ہم کو شام والوں سے اس لیے نہیں دبنا پڑ رہا ہے (کہ اپنی حقیقت میں) ہم کو کوئی شک یا ندامت ہے۔ بات تو فقط یہ ہے کہ ہم اہل شام سے سلامت اور صبر کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ مگر اب سلامت میں عداوت اور صبر میں فریاد مخلوط کر دی گئی ہے۔ جب تم لوگ صفین کو جا رہے تھے اس وقت تمھارا دین تمھاری دنیا پر مقدم تھا۔ لیکن اب تم ایسے ہو گئے ہو کہ آج تمھاری دُنیا تمھارے دین پر مقدم ہو گئی ہے۔ اس وقت تمھارے دونوں طرف دو قسم کے مقتول ہیں۔ ایک صفین کے مقتول جن پر رو رہے ہو۔ دوسرے نہروان کے مقتول جن کے خون کا بدلہ چاہ رہے ہو۔ خلاصہ یہ کہ جو باقی ہے وہ ساتھ چھوڑنے والا ہے۔ اور جو رو رہا ہے وہ تو بدلہ لینا ہی چاہتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ معاویہ نے ہم کو جس امر کی دعوت دی ہے نہ اس میں عزت ہے اور نہ انصاف۔ لہٰذا اگر تم لوگ موت پر آمادہ ہو تو ہم اس کی دعوت کو رد کر دیں۔ اور ہمارا اور اس کا فیصلہ خدا کے نزدیک بھی تلوار کی باڑھ سے ہو جائے اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو جو اس نے لکھا ہے مان لیا جائے اور جو تمھاری مرضی ہے ویسا ہو جائے۔ یہ سننا تھا کہ ہر طرف سے لوگوں نے چلانا شروع کر دیا البقا البقا، صلح صلح،" (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۶۲)۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ کیا اب بھی امام حسن کے لیے یہ رائے ہے کہ صلح نہ کریں۔ ان فوجیوں کے بل بوتے پر (اگر ایسوں کو فوج اور ان کی قوتوں کو بل بوتا کہا جا سکے) لڑائی زیبا ہے ہرگز نہیں ایسے حالات میں صرف یہی چارہ تھا کہ صلح کر کے اپنی اور ان تمام لوگوں کی زندگی تو محفوظ رکھیں جو دین رسول کے نام لیوا اور حقیقی پیرو و پابند تھے، اس کے علاوہ پیغمبر اسلام کی پیشین گوئی بھی صلح کی راہ میں مشعل کا کام کر رہی تھی (بخاری) علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ حضرت کو اگرچہ معاویہ کی دغائے صلح پر اعتماد نہیں تھا۔ لیکن آپ نے حالات کے پیش نظر چار و ناچار دعوت صلح منظور کر لی۔ (دمعۂ ساکبہ)۔

صلح حسنؑ اور جنگ حسینؑ

صلح اور جنگ دو متضاد اور متبائن لفظ ہیں۔ صلح کا لفظ کلام عرب میں اس وقت استعمال ہوتا ہے۔ جب فساد باقی نہ رہے اور مصالحہ اُس قرار داد کو کہتے ہیں جس سے نزاع دُور ہو جائے اور صاحبان سیاست کے نزدیک

صُلح اس کو کہتے ہیں جس کے بعد کچھ شرائط پر لڑائی روک دی جائے۔ (سوانح امام حسن ص۹۹ بحوالہ معجم الطالب ص۵۵۵) اور جنگ اُسے کہتے ہیں جس کے دامن میں صلح کا امکان نہ ہو۔ صلح امکانِ جنگ کے مفقود ہونے پر اور جنگ امکانِ صلح کے فقدان پر ہوتی ہے اور اس امکان اور عدمِ امکان نیز موقع کے سمجھنے کا حق صاحب معاملہ کو ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے موقع صلح پر صلح حدیبیہ کیا۔ اور مواقع جنگ میں بے شمار جہاد کئے اور حضرت علی نے موقع صلح میں خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کی اور موقع جنگ میں جمل و صفین کا کارنامہ پیش کیا۔

امام حسن کے لیے جنگ ممکن نہ تھی اس لیے انھوں نے صلح کی اور امام حسین کے لیے صلح ممکن نہ تھی اس لیے انھوں نے جنگ کی۔ اور از روئے حدیث اپنے مقام پر دونوں عمل صحیح اور ممدوح ہوئے۔ "امامان قاما او قعدا" یہ دونوں امام حسن اور امام حسین، ہر حال میں واجب الاطاعۃ ہیں چاہے جنگ کریں یا صلح (بحار) یعنی دونوں کے حالات اور سوالات میں فرق تھا۔ امام حسن کے پاس اس وقت بالکل معین و مددگار نہ تھے۔ جب معاویہ نے خلع خلافت کا سوال کیا تھا۔ نیز معاویہ کا سوال یہ تھا کہ خلافت چھوڑ دو یا اپنی اور اپنے ماننے والوں کی تباہی و بربادی برداشت کرو۔ امام حسن نے حالات کی روشنی میں خلع خلافت کو مناسب سمجھا اور صلح کر لی۔ آپ ارشاد فرماتے تھے "فقد ترکتہ لہ ارادۃً لِاصلاح الامۃ وحقن دماء المسلمین"۔ میں نے خلافت جان بوجھ کر اس لیے ترک کر دی ہے تاکہ اصلاح و سکون ہو سکے اور خون نہ بہے۔ (کامل و بحار)

امام حسینؑ کے پاس بہترین جاں نثار جاں باز موجود تھے اور یزید کا سوال یہ تھا کہ بیعت کرو۔ یا سر دو۔ (طبری روضۃ الصفا) امام حسینؑ نے حالات کی روشنی میں سر دینے کو مناسب سمجھا اور بیعت سے انکار کر کے جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

یقین کرنا چاہیے کہ اگر امام حسنؑ سے بھی بیعت کا سوال ہوتا تو وہ بھی وہی کچھ کرتے جو امام حسینؑ نے کیا ہے۔ آپ کے مددگار ہوتے یا نہ ہوتے۔ کیونکہ آلِ محمد کسی غیر کی بیعت حرام مطلق سمجھتے تھے۔ علامہ جلال حسینی مصری نے "الحسین" میں بحوالہ واقعہ حرّہ لکھا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد کسی حکومت نے آلِ محمد کے کسی عہد میں بیعت کا سوال نہیں کیا۔ ؎

بحکمِ حق کہیں پر صُلح کر لیتے ہیں دشمن سے — کہیں پر جنگِ خاموشی جوابِ سنگ ہوتی ہے
زمانہ یہ سبق لے فاطمہ کے دل کے ٹکڑوں سے — کہاں پر صلح ہوتی ہے کہاں پر جنگ ہوتی ہے

امام حسنؑ پر کثرتِ ازدواج کا الزام

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی جدوجہد اور امیر المومنین کی سعی و کوشش سے اسلام دُنیا میں پھیلا۔ جو لوگ ابتدائے بعثت میں مُسلمان ہوئے اور جنھوں نے حیاتِ پیغمبر تک اسلام قبول

کیا ان کے مذہبی انقلاب میں حضرت علیؑ کے دست و بازو کو بڑا دخل ہے، اموی اور عباسی نسلوں میں اسلام کی درآمد علی کی جہادی قوت کی رہین منت ہے۔ ضرورت تھی کہ ان نسلوں کے چشم و چراغ جب آگے چل کر فروغ پاتے تو علی کا قصیدہ پڑھتے کیونکہ انھیں کے صدقہ میں انھیں صراط مستقیم نصیب ہوئی تھی اور اسلام ملا تھا۔ لیکن یہ ہوتا اسی وقت جبکہ بجبر و اکراہ اسلام قبول نہ کیا ہوتا۔ یہاں حال یہ تھا کہ "زبان پر اللہ اللہ اور دل میں باگڑ بلا"۔ یہی وجہ ہے کہ ان نسلوں کی تقریباً ہر فرد نے فروغ پاتے ہی محمد مصطفےٰ اور ان کی آل پاک کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ امیر معاویہ جو بقول مورخین اسلام فرنگ۔ سیانا۔ بدنیت۔ گناہوں سے بے پرواہ۔ خدا سے بے خوف تھا (محاضرات اصفہانی۔ تاریخ اسلام امیر علی) کو جونہی اقتدار حاصل ہوا، اس نے آل محمدؐ کو تباہ کرنے کے لیے وہ تمام مسائل مہیا کیے جن کے بعد بانیٔ اسلام اور ان کی آل کی عزت و آبرو جان اور مال کا تحفظ ناممکن سا ہو گیا جنگ جمل اور صفین وغیرہ اس کی چیرہ دستیوں سے رونما ہوئیں۔ امام حسن کی صلح اسی کی زیادتیوں کا نتیجہ تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ صلح حسن کے بعد سے معاویہ مسلم الثبوت بادشاہ بن گیا۔ پھر اس نے اپنی طاقت کے زور سے محمدؐ و آل محمدؐ کے خلاف حدیثوں کے گڑھنے اور تاریخ کا دھارا موڑنے کی مہم شروع کر دی اور محمدؐ و آل محمدؐ کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ میں اس موقع پر چند چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

(۱) پیغمبر اسلامؐ کو معراج جسمانی نہیں ہوئی (شرح شفا) (۲) آپ میں جنسی ہوس اس درجہ تھی کہ شب و روز میں اپنی گیارہ بیویوں کے پاس جاتے تھے۔ (سمط الثمین محب طبری ج ۲ ص ۹۴ طبع حلب) (۳) آپ کے دل پر اکثر پردے پڑ جایا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم و ابوداؤد) (۴) آپ کی چار لڑکیاں تھیں اور عثمان غنی ذوالنورین تھے۔ (تواریخ اسلام) (۵) آپ کے باپ دادہ کافر تھے۔ اور آخر وقت تک مسلمان نہیں ہوئے (۷) ابوطالب بالکل مفلس تھے (۸) علی نے عثمان کو قتل کیا ہے (۹) علی بہت زبردست ڈاکو تھے (مروج الذہب مسعودی (۱۰) علی اور فاطمہ نماز صبح نہیں پڑھتے تھے (حلیۃ الاولیاء جلد ۳ ص ۱۴۴ طبع مصر ۱۹۳۳ء (۱۱) علی کی بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہ کا عقد خلیفہ دوم سے ہوا تھا (۱۲) افسانہ سکینہ بنت الحسین، امام حسن کے کثرت ازدواج اور کثرت طلاق کا افسانہ بھی اسی نسل بنی امیہ خصوصاً معاویہ کی پیداوار ہے۔ خلافت کے چھوڑنے کے باوجود وہ اس کے دست ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ مختلف قسم کے الزامات ان پر اپنی حسب عادت لگاتا رہا۔ اور پھر ان تمام چیزوں کو تواریخ اور احادیث میں جگہ دینے کی سعی کرتا رہا۔ اس کے بعد ذرا سکون حاصل کرنے ہی کتاب الاخبار الماضیین کی تدوین کرائی اور اس میں الٹی سیدھی باتیں لکھوا دیں۔

اموی عہد کی تاریخ کے متعلق مستشرقین یورپ کی رائے

امریکہ کا مشہور مورخ پروفیسر فلپ کے ہٹی اپنی تصنیف "تاریخ عرب" میں لکھتا ہے۔ "مسلمان عربوں کے دو فرقوں میں جب کبھی کوئی مذہبی سیاسی یا سماجی نزاع ہوتی تھی تو ہر ایک فرقہ اپنی تائید میں رسول اللہ کی حدیثیں پیش کرتا خواہ وہ حدیثیں صحیح ہوں یا موضوعہ اور جھوٹی، اس لیے کہ علی اور ابوبکر کی سیاسی مخالفت، علی اور معاویہ کا جھگڑا بنی عباس اور بنی امیہ کی باہمی عداوت وغیرہ متعدد جھوٹی حدیثوں کے بننے کے باعث ہوئے۔ اس کے علاوہ علماء کی کثیر تعداد کے لیے یہ دولت کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا۔

پروفیسر سیمین کلے کیمبرج یونیورسٹی متوفی ۱۷۲۰ء اپنی تاریخ "سارا سینز" میں لکھتے ہیں۔

"عربوں نے تاریخ نویسی کا غلط طریقہ اختیار کر کے ہم کو اس مسرت اور فائدے سے محروم کر دیا جو ہم کو ان کی لکھی ہوئی تاریخوں سے حاصل ہو سکتا تھا۔ مورخ کے فرائض اور حقوق کیا ہوتے ہیں۔ انھوں نے کما حقہٗ نہ سمجھا اس لیے ان فرائض اور حقوق کو نظر انداز کر دیا۔ ہمارے لیے ان کی لکھی ہوئی تاریخوں کا مطالعہ کرنا اور ان سے صحیح تاریخی واقعات کا اخذ کرنا بہت مشکل ہو گیا۔

یہ ان تاریخی ماخذوں کی بے اعتباری اور ان کی کوتاہیوں کا عالم ہے جن میں امام حسن جیسے مرتاض امام کی کثرتِ ازدواج وطلاق کا افسانہ مرتب کیا گیا ہے۔

جب ہم کثرتِ ازدواج و کثرت طلاق کے افسانہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ ایسا واقعہ ہرگز نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ان تمام عورتوں کے نام علم رجال و تاریخ کی کتابوں میں ضرور ہوتے۔ ہمیں کتب رجال میں جو نام ملتے ہیں ان کی انتہا صرف نو تک ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ نے وقتاً فوقتاً اسی طرح نو بیویاں اپنے عقد میں رکھیں جس طرح سے رسول اللہ کے نو بیویاں تھیں۔ آپ کی بیویوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) ام فروہ (۲) خولہ (۳) ام بشیر (۴) ثقفیہ (۵) رملہ (۶) ام اسحاق (۷) ام الحسن (۸) بنت امرو القیس (۹) جعدہ بنت اشعث (سیرۃ الحسن۔ ابصار العین)۔

ایڈورڈ گبن اپنی مشہور و معروف "تاریخ تنزل و انقطاع سلطنت روم" میں لکھتے ہیں۔

یہ حضرات (آل محمدؐ) آلاتِ حرب، مال و زر اور رعایا نہ رکھتے تھے۔ اس پر بھی لوگ ان کی عزت، وقعت اور تعظیم کرتے تھے جو چیز حکمران خلفاء کے دلوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑکاتی تھی، ان کے مزارات مقدسہ جو مدینہ، فرات کے کنارے اور خراسان میں موجود ہیں۔ اب تک ان کے شیعوں کی زیارت گاہیں ہیں۔ ان بزرگواروں پر ہمیشہ بغاوت اور خانہ جنگیوں کا اتہام و الزام لگایا جاتا تھا، حالانکہ یہ شاہی خاندان کے اولیاء اللہ دنیا کو ہمیشہ حقیر سمجھتے تھے اور مشیت ایزدی کے

مُطابق تسلیم خم کرتے ہُوئے اور انسانوں کے مظالم برداشت کرتے ہُوئے انھوں نے امورِ دینی کی تعلیم و تلقین میں اپنی عمریں صرف کر دیں۔"

یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جو حضرات دنیا کو حقیر سمجھتے ہوں ان کی طرف کثرتِ ازدواج و کثرتِ طلاق کا انتساب افسانہ سے زیادہ کیا وقعت حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السّلام کی شہادت

مورخین کا اتفاق ہے کہ امام حسن اگرچہ صلح کے بعد مدینہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ لیکن امیر معاویہ آپ کے درپئے آزار رہے۔ انھوں نے بار بار کوشش کی کسی طرح امام حسن اس دارِ فانی سے ملکِ جاودانی کو روانہ ہو جائیں اور اس سے ان کا مقصد یزید کی خلافت کے لیے زمین ہموار کرنا تھی۔ چنانچہ انھوں نے ۵ بار آپ کو زہر دلوایا۔ لیکن ایامِ حیات باقی تھے زہد کی ختم نہ ہو سکی۔ بالآخر شاہِ روم سے ایک زبردست قسم کا زہر منگوا کر محمد ابن اشعث یا مروان کے ذریعہ سے جعدہ بنت اشعث کے پاس امیر معاویہ نے بھیجا اور کہلا دیا کہ جب امام حسن شہید ہو جائیں گے۔ تب ہم تجھے ایک لاکھ درہم دیں گے اور تیرا عقد اپنے بیٹے یزید کے ساتھ کر دیں گے۔ چنانچہ اس نے امام حسن کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ (تاریخ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ ص ۳۰۳ و مقاتل الطالبین ص ۵۱ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۸۳ روضۃ الصفاج ۳ ص ۷ حبیب السیر جلد ۲ ص ۱۸ طبری ص ۶۰۴ استیعاب جلد ۱ ص ۱۴۴)

مفسر قرآن صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی رقمطراز ہیں کہ امام حسن مصالحہ معاویہ کے بعد مدینہ میں مستقل طور پر فردکش ہو گئے تھے۔ آپ کو اطلاع ملی کہ بصرہ میں رہنے والے محبانِ علی کے اوپر چند اوباشوں نے شبخون مار کر ان کے ۳۸ آدمی ہلاک کر دیئے ہیں امام حسن اس خبر سے متاثر ہو کر بصرہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ آپ کے ہمراہ عبداللہ ابن عباس بھی تھے۔ راستے میں بمقام موصلی سعد موصلی جو جناب مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے چچا تھے۔ کے وہاں قیام فرمایا۔ اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر دمشق سے واپسی پر جب آپ موصل پہنچے تو باصرار شدید ایک دوسرے شخص کے ہاں مقیم ہُوئے اور وہ شخص معاویہ کے فریب میں آ چکا تھا اور مال و دولت کی وجہ سے امام حسن کو زہر دینے کا وعدہ کر چکا تھا۔ چنانچہ دورانِ قیام میں اس نے تین بار حضرت کو کھانے میں زہر دیا، لیکن آپ بچ گئے۔ امام کے محفوظ رہ جانے سے اس شخص نے معاویہ کو خط لکھا کہ تین بار زہر دے چکا ہوں مگر امام حسن ہلاک نہیں ہوئے یہ معلوم کر کے معاویہ نے زہرِ ہلاہل ارسال کیا اور لکھا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی تو دے سکا تو یقیناً امام حسن ہلاک ہو جائیں گے۔ نامہ بر زہر اور خط لیے ہوئے آ رہا تھا کہ راستے میں ایک درخت کے نیچے کھانا کھا کر لیٹ گیا، اس کے پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ وہ برداشت نہ کر سکا۔

ناگاہ ایک بھیڑیا برآمد ہوا اور اسے لے کر رفوچکر ہوگیا۔ اتفاقاً امام حسن کے ایک ماننے والے کا اس طرف سے گزر ہوا۔ اس نے ناقہ، خط اور زہر سے بھری ہوئی بوتل حاصل کرلی اور امام حسن کی خدمت میں پیش کیا۔ امام علیہ السّلام نے اسے ملاحظہ فرماکر جانماز کے نیچے رکھ لیا۔ حاضرین نے واقعہ دریافت کیا۔ امام نے نہ بتایا۔ سعد موصلی نے موقع پاکر جانماز کے نیچے سے وہ خط نکال لیا جو معاویہ کی طرف سے امام کے میزبان کے نام سے بھیجا گیا تھا۔ خط پڑھ کر سعد موصلی آگ بگولہ ہوگئے اور میزبان سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ اس نے لاعلمی ظاہر کی مگر اس کے عذر کو باور نہ کیا گیا اور اس کی زود وکوب کی گئی یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد آپ روانہ مدینہ ہوگئے۔

مدینہ میں اس وقت مروان بن حکم والی تھا اسے معاویہ کا حکم تھا کہ جس صورت سے ہوسکے امام حسن کو ہلاک کردو۔ مروان نے ایک رومی دلّالہ جس کا نام "الیسونیہ" تھا کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ تو جعدہ بنت اشعث کے پاس جاکر اسے میرا یہ پیغام پہنچادے کہ اگر تو امام حسن کو کسی صورت سے شہید کردے گی تو تجھے معاویہ ایک ہزار دینار سُرخ اور پچاس خلعت مصری عطا کرے گا اور اپنے بیٹے یزید کے ساتھ تیرا عقد کردے گا اور اس کے ساتھ ساتھ سو دینار نقد بھیج دیئے دلّالہ نے وعدہ کیا اور جعدہ کے پاس جاکر اس سے وعدہ لے لیا۔ امام حسن اس وقت گھر میں نہ تھے اور بمقام عقیق گئے ہوئے تھے اس لیے دلّالہ کو بات چیت کا اچھا خاصا موقع مل گیا۔ اور وہ جعدہ کو راضی کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ الغرض مروان نے زہر بھیجا اور جعدہ نے امام حسن کو شہد میں ملا کردے دیا امام علیہ السلام اسے کھاتے ہی بیمار ہوگئے اور فوراً روضۂ رسول پر جاکر صحت یاب ہوئے زہر تو آپ نے کھا لیا لیکن جعدہ سے بدگمان بھی ہوگئے۔ آپ کو شُبہ ہوگیا جس کی بنا پر آپ نے اس کے ہاتھ کا کھانا پینا چھوڑ دیا اور یہ معمول مقرر کرلیا کہ حضرت قاسم کی ماں یا حضرت امام حسین کے گھر سے کھانا منگا کر کھانے لگا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آپ جعدہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے کہا کہ مولا حوالی مدینہ سے بہت عمدہ خرمے آئے ہیں حکم ہو تو حاضر کروں۔ آپ چونکہ خرمے کو بہت پسند کرتے تھے۔ فرمایا لے آ۔ وہ زہر آلود خرمے لے کر آئی اور پہچانے ہوئے دانے چھوڑ کر خود ساتھ کھانے لگی امام نے ایک طرف سے کھانا شروع کیا اور وہ دانے کھا گئے جن میں زہر تھا۔ اس کے بعد امام حسینؑ کے گھر تشریف لائے۔ اور ساری رات تڑپ کر بسر کی۔ صبح کو روضۂ رسول پر جاکر دعا مانگی اور صحتیاب ہوئے۔ امام حسنؑ نے بار بار اس قسم کی تکلیف اٹھانے کے بعد اپنے بھائیوں سے تبدیلی آب و ہوا کے لیے موصل جانے کا مشورہ کیا اور موصل کے لیے روانہ ہوگئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت عباسؑ اور چند ہوا خواہان بھی گئے۔ ابھی وہاں چند یوم نہ گزرے تھے کہ شام سے ایک نابینا بھیج دیا گیا۔ اور اسے ایک ایسا عصا دیا گیا جس کے نیچے لوہا لگایا ہوا تھا جو زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اس نابینا نے موصل پہنچ کر

امام حسن کے دوستداران میں سے اپنے کو ظاہر کیا اور موقع پا کر ان کے پیر میں اپنے عصا کی نوک چبھودی زہر جسم میں دوڑ گیا اور آپ علیل ہو گئے۔ جراح علاج کے لیے بلایا گیا، اس نے علاج شروع کیا۔ نابینا زخم لگا کر روپوش ہو گیا تھا۔ چودہ دن کے بعد جب پندرھویں دن وہ نکل کر شام کی طرف روانہ ہوا تو حضرت عباس علمدارؑ کی نظر اس پر جا پڑی۔ آپ نے اُس سے عصا چھین کر اُس کے سر پہ اس زور سے مارا کہ سر شگافتہ ہو گیا اور وہ اپنے کیفر و کردار کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد جناب مختار اور ان کے چچا سعد موصلی نے اُس کی لاش جلا دی۔ چند دنوں کے بعد حضرت امام حسن مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔

مدینہ منوّرہ میں آپ ایام حیات گزار رہے تھے کہ "ابسونیہ" دلالہ نے پھر باشارۂ مروان جعدہ سے سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور زہر ہلاہل اُسے دے کر امام حسن کا کام تمام کرنے کی خواہش کی۔ امام حسن چونکہ اس سے بدگمان ہو چکے تھے۔ اس لیے اس کی آمد و رفت بند تھی۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن موقع نہ پا سکی۔ بالآخر، شب بست و ہشتم صفر ۵۰ھ کو وہ اس جگہ جا پہنچی جس مقام پر امام حسنؑ سو رہے تھے۔ آپ کے قریب حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ سو رہی تھیں اور آپ کی پائینتی کنیزیں محوِ خواب تھیں۔ جعدہ اس پانی میں زہر ہلاہل ملا کر خاموشی سے واپس آئی جو امام حسنؑ کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ اس کی واپسی کے تھوڑی دیر بعد ہی امام حسنؑ کی آنکھ کھلی۔ آپ نے جناب زینب کو آواز دی اور کہا اے بہن، میں نے ابھی ابھی اپنے نانا اپنے پدرِ بزرگوار اور اپنی مادرِ گرامی کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اے حسن تم کل رات ہمارے پاس ہو گے۔ اس کے بعد آپ نے وضو کے لیے پانی مانگا اور خود اپنا ہاتھ بڑھا کر سرہانے سے پانی لیا اور پی کر فرمایا کہ اے بہن زینب" ایں چہ آب بود کہ از سرِ حلقم تا بنافم پارہ پارہ شد" ہائے یہ کیسا پانی ہے جس نے میرے حلق سے ناف تک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس کے بعد امام حسینؑ کو اطلاع دی گئی وہ آئے دونوں بھائی بغل گیر ہو کر محوِ گریہ ہو گئے۔ اس کے بعد امام حسینؑ نے چاہا کہ ایک کوزہ پانی خود پی کر امام حسن کے ساتھ نانا کے پاس پہنچیں۔ امام حسنؑ نے پانی کے برتن کو زمین پر پٹک دیا وہ چور چور ہو گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جس زمین پہ پانی گرا تھا وہ اُبلنے لگی تھی۔ الغرض تھوڑی دیر کے بعد امام حسنؑ کو خون کی قے آنے لگی۔ آپ کے جگر کے ستّر ٹکڑے طشت میں آ گئے آپ زمین پر تڑپنے لگے۔ جب دن چڑھا تو آپ نے امام حسینؑ سے پوچھا کہ میرے چہرے کا رنگ کیسا ہے کہا "سبز" ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث معراج کا یہی مقتضیٰ ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ مولا حدیث معراج کیا ہے۔ فرمایا کہ شبِ معراج میرے نانا نے آسمان پر دو قصر ایک زمرّد کا، ایک یاقوت سُرخ کا دیکھا تو پوچھا کہ اے جبرئیلؑ یہ دونوں قصر کس کے لیے ہیں۔ اُنھوں نے عرض کی ایک حسن کے لیے دوسرا حسین کے لیے۔ پوچھا دونوں کے رنگ میں فرق

کیوں ہے؟ کہا حسنؑ زہر سے شہید ہوں گے اور حسینؑ تلوار سے شہادت پائیں گے۔ یہ کہہ کر آپ حسین سے لپٹ گئے اور دونوں بھائی رونے لگے اور آپ کے ساتھ در و دیوار بھی رونے لگے۔

اُس کے بعد آپ نے جعدہ سے کہا افسوس تُو نے بڑی بے وفائی کی۔ لیکن یاد رکھ کر تُو نے جس مقصد کے لیے ایسا کیا ہے اُس میں کامیاب نہ ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے امام حسینؑ اور بہنوں سے کچھ وصیتیں کیں اور آنکھیں بند فرمالیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھول کر فرمایا اے حسین میرے بال بچے تمہارے سپرد ہیں۔ پھر بند فرما کر نانا کی خدمت میں پہنچ گئے "إنا للہ وانا الیہ راجعون"۔ امام حسنؑ کی شہادت کے فوراً بعد مروان نے جعدہ کو اپنے پاس بُلا کر دو عورتوں اور ایک مرد کے ساتھ معاویہ کے پاس بھیج دیا معاویہ نے اُسے ہاتھ پاؤں بندھوا کر دریائے نیل میں یہ کہہ کر ڈلوا دیا کہ تُو نے جب امام حسن کے ساتھ وفا نہ کی، تو یزید کے ساتھ کیا وفا کرے گی۔ (روضۃ الشہداء صـ۲۲۰ تا صـ۲۳۵ طبع بمبئی ۱۲۸۵ھ وذکر العباس صـ۵۰ طبع لاہور ۱۹۵۶ء)۔

معاویہ سجدۂ شکر میں

مروان حاکم مدینہ نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ سے اپنی کامیابی کی اطلاع معاویہ کو دی۔ معاویہ خبر شہادت پاتے ہی خوشی کے مارے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں گر پڑا، اور اُس کے دیکھا دیکھی سارے دربار والے خوشی منانے کے لیے نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے۔ ان کی آوازیں فاطمہ بنت قرظہ کے کانوں میں پہنچیں جو معاویہ کی بیوی تھی۔ تو کہنے لگی یہ کس چیز کی خوشی ہے۔ معاویہ نے جواب دیا کہ امام حسن کی شہادت ہوگئی ہے۔ اسی خوشی میں مَیں نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے سجدۂ شکر ادا کیا ہے۔ فاطمہ بے انتہا رنجیدہ ہوئی اور کہنے لگی افسوس فرزند رسولؐ قتل کیا جاوے اور دربار میں خوشی منائی جائے۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صـ۱۸۲ عقد الفرید جلد ۲ صـ۲۱۱ اوکلی صـ۳۳۶ روضۃ المناظر جلد ۱۱ صـ۱۳۳ تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۳۲۸ حیواۃ الحیوان جلد ۱ صـ۵۱ نزول الابرار صـ۵ ارجح المطالب صـ۳۵۷ واخبار الطوال صـ۴۰۰ ابن قتیبہ نے ابن عباس کے دربار معاویہ میں پہنچ کر اس موقع کی زبردست گفتگو لکھی ہے۔ (الامامت والسیاست)

امام حسنؑ کی تجہیز و تکفین

الغرض امام حسنؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ نے غسل و کفن کا انتظام فرمایا اور نماز جنازہ پڑھی گئی۔ امام حسن کی وصیت کے مطابق انھیں سرورِ کائناتؐ کے پہلو میں دفن کرنے کے لیے اپنے کندھوں پر اُٹھا کر لے چلے۔ ابھی پہنچے ہی تھے کہ بنی اُمیہ خصوصاً مروان وغیرہ نے آگے بڑھ کر پہلوئے رسولؐ میں دفن ہونے سے روکا اور حضرت عائشہ بھی ایک خچر پر سوار ہو کر آ پہنچیں، اور کہنے لگیں یہ گھر میرا ہے میں تو ہرگز حسن کو اپنے گھر میں دفن نہ ہونے دوں گی۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صـ۱۸۳ روضۃ المناظر جلد ۱۱ صـ۱۳۳)، یہ سُن کر بعض لوگوں نے کہا اے عائشہ تمہارا کیا حال ہے۔ کبھی اونٹ پر سوار ہو کر دامادِ رسولؐ سے جنگ کرتی ہو کبھی خچر پر سوار ہو کر فرزند

رسُولؐ کے دفن میں مزاحمت کرتی ہو تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ذکر العباس ص۵۱) مگر وہ ایک نہ مانیں اور ضد پر اڑی رہیں۔ یہاں تک کہ بات بڑھ گئی، آپ کے ہواخواہوں نے آلِ محمدؐ پر تیر برسائے۔ کتاب روضۃ الصفا جلد ۳ ص۷ میں ہے کہ کئی تیر امام حسنؑ کے تابوت میں پیوست ہو گئے کتاب ذکر العباس ص۵۱ میں ہے کہ تابوت میں ستّر تیر پیوست ہوئے تھے۔ تاریخ اسلام جلد ۱ ص۲۸ میں ہے کہ ناچار نعشِ مبارک کو جنّت البقیع میں لاکر دفن کر دیا گیا۔ تاریخ کامل جلد ۳ ص۱۸۲ میں ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۷ سال کی تھی۔

آپ کی ازواج اور اولاد

آپ نے مختلف اوقات میں ۹ بیویاں کیں۔ آپ کی اولادیں ۸ بیٹے اور ۷ بیٹیاں تھیں۔ یہی تعداد ارشاد مفید ص۲۰۸ اور نور الابصار ص۱۱۲ طبع مصر میں ہے۔ علّامہ طلحہ شافعی مطالب السؤل کے ص۲۳۹ پر لکھتے ہیں کہ امام حسنؑ کی نسل زید اور حسن مثنیٰ سے چلی ہے۔ امام شبلنجی کا کہنا ہے کہ آپ کے تین فرزند، عبداللہ قاسم اور عمرو کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔ (نور الابصار ص۱۱۲) جناب زید بڑے جلیل القدر اور صدقاتِ رسُولؐ کے متولی تھے انھوں نے ۱۲۰ھ میں بعمر ۹۰ سال انتقال فرمایا ہے۔ جناب حسن مثنیٰ نہایت فاضل متقی اور صدقاتِ امیرالمومنین کے متولی تھے۔ آپ کی شادی امام حسینؑ کی بیٹی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی۔ آپ نے کربلا کی جنگ میں شرکت کی تھی اور بے انتہا زخمی ہو کر مقتولوں میں دب گئے تھے۔ جب سر کاٹے جا رہے تھے۔ تب ان کے ماموں ابو حسان نے آپ کو زندہ پاکر عمر سعد سے لے لیا تھا۔ آپ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ۹۷ھ میں زہر دے دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ نے ۵۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا آپ کی شہادت کے بعد آپ کی بیوی جناب فاطمہ ایک سال تک قبر پر خیمہ زن رہیں۔ (ارشاد مفید ص۲۱۱ و نور الابصار ص۲۶۹)۔

شیخ عبدالقادر جیلانی

برادرانِ اہلِ سنّت کے عوام کا خیال ہے کہ شیخ سید عبدالقادر جیلانی ابن جنگی دوست اور بروایتے ابن "چنگ دوست سید" تھے۔ اور ان کا نسب جناب حسن مثنیٰ، ابن حسن بن علی علیہم السّلام تک پہنچتا ہے۔ لیکن ان کے علماء اس سے انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ (۱) امام الانساب احمد بن علی بن الحسین بن علی بن مہنا اپنی کتاب عمدۃ الطالب طبع بمبئی کے ص۱۱۲ پر لکھتے ہیں کہ خود شیخ عبدالقادر نے اپنی سیادت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ان کے بیٹوں نے کیا ہے۔ البتہ اس کی ایجاد ان کے پوتے قاضی ابوصالح نصر بن ابی بکر بن عبدالقادر نے فرمائی ہے لیکن اپنے دعویٰ کے ثبوت میں وہ دلیل لانے سے قاصر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اہلِ نسب نے آپ کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا (۲) علّامہ دوران سید احمد بن محمد الحسینی نسابہ کتاب شجرۃ الاولیاء میں رقمطراز ہیں کہ تمام علمائے انساب نے شیخ سید عبدالقادر کے سلسلہ سیادت سے انکار کیا ہے۔ اور کسی

نے بھی ان کے سادات میں ہونے کو نقل نہیں کیا اور خود انھوں نے بھی اپنے سید ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور ان کی زندگی میں کسی اور نے بھی ان کو سید نہیں کہا " ان اول من اظہر ھذہ الدعوی الباطلۃ ھو نصر ابن ابی بکر بن الشیخ عبد القادر "معلوم ہونا چاہیے کہ اس دعویٰ باطلہ کو سب سے پہلے ان کے پوتے نصر بن ابی بکر نے ظاہر کیا ہے۔ الخ (۳) رسالہ صوفی جو لبسرپرستی خواجہ حسن نظامی منڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے ۲۲ جلد ۳ ص۶ میں لکھا ہے "سیوم پیر ریقت حضرت خواجہ محی الدین عبد القادر جیلانی ہیں۔ ولدیت آپ کی قدم بہ قدم حضرت عیسیٰ کی ہے سلسلہ نسب آپ کا حضرت عمر فاروق تک پہنچتا ہے۔

امام شبلنجی کا ارشاد ہے کہ آپ کی ولادت ۴۷۰ھ میں اور وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے۔ آپ حنبلی المذہب تھے۔ آپ کی والدہ ام الخیر مقام جبال علاقہ طبرستان کی رہنے والی تھیں۔ اس لیے آپ کو عبد القادر جیلی کہتے ہیں اور جیلانی اعزازی طور پر کہا جاتا ہے۔ نور الابصار ص۲۱۴ واقتباس الانوار ص۲۔ آپ دو کتابوں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب کے مصنف ہیں۔ (تاریخ اسلام جلد ۵ ص۶۳)۔

معاویہ ابن ابی سفیان کا تاریخی تعارف

امیر معاویہ کے تعارف اور آپ کے کردار کی آئینہ داری کے لیے اگرچہ صرف یہی کہنا کافی ہے کہ آپ حضرت علی، امام حسن، عمار یاسر، مالک اشتر اور ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر و محمد ابن ابی بکر نیز عبد الرحمٰن ابن خالد ابن ولید وغیرہم کے مسلم الثبوت قاتل ہیں جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس سے آپ کے نسلی حالات اور آپ کے کردار کے دیگر پہلو روشن نہیں ہوتے اس لیے ضرورت ہے کہ کتب معتبرہ کے حوالے سے چند چیزیں نہایت مختصر لفظوں میں پیش کر دی جائیں۔ بنا برایں عرض ہے کہ (۱) نصائح کافیہ ص۹۵ و ص۱۱۰ میں ہے کہ قبیلہ قریش کی ابتدا قصی ابن کلاب سے ہوئی جو اولاد کعب ابن لوی سے تھے قصی کے چار بیٹوں میں سے ایک کا نام عبد مناف تھا۔ ہاشم اور عبد الشمس عبد المناف کے بیٹے تھے۔ ہاشم کی ذریت سے محمدؐ و آل محمدؐ ہیں جو ہاشمی کہلاتے ہیں اور عبد الشمس کی طرف منسوب ہے جو پست قد، پُھندھا۔ کرنجا۔ بدشکل تھا۔ جس کے چہرہ سے شرارت اور نحوست نمایاں تھی۔ امیہ کے معنی چھوٹی لونڈی کے ہیں۔ حسان بن ثابت نے اس کے اولاد عبد الشمس ہونے سے انکار کیا ہے۔ دیکھو دیوان حسان ص۹۱ (۲) الحریت فی الاسلام مصنفہ ابو الکلام آزاد کے ص۲۶ میں ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دور فتن و بدعات سے شروع ہوتا ہے۔ جنہوں نے نظام حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں (۳) تطہیر الجنان ص۱۴۲ النصلح

کافیہ ص۱۰۶ میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن قبیلہ بنی امیہ ہے (۴) ینابیع المودۃ ص۱۴۸ میں ہے کہ قبائل عرب میں سب سے شریر بنی امیہ ہیں (۵) تطہیر الجنان ص۱۴۸ میں ہے کہ ہر شئے کے لیے ایک آفت ہے اور دینِ اسلام کی آفت بنی اُمیہ ہیں (۶) تاریخ الخلفا ص۸ اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ آنحضرت نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منبر پر بندر کود رہے ہیں جس سے آپ کو بے انتہا صدمہ ہوا جس سے تسلی کے لیے سُورۂ قدر نازل ہوا جس میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی شبِ قدر مدت حکومت بنی امیہ سے بہتر ہے (۷) روضۃ المناظر برحاشیہ کامل جلد ۱۱ ص۸۵ میں ہے کہ شجرۂ ملعونہ فی القرآن سے مراد بنی اُمیہ ہیں (۸) تاریخ اعثم کوفی ص۲۴۲ میں ہے کہ عہدِ جاہلیت میں بنی امیہ کی غذا ٹڈی اور مُردار تھی (۹) فتح الباری ابن حجر عسقلانی جلد ۵ ص۶۵ میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں فاحشہ عورتیں اپنے مکانوں پر پہچان کے لیے جھنڈے لگائے رہتی تھیں (۱۰) نصائح کافیہ ص۱۱۰ ثمرۃ الاوراق ص۱۰۱ ابوالفدار جلد ۱ ص۱۸۸ ابن شحنہ جلد ۲ ص۱۳۴ ایرونگ ص۴۸ تذکرہ خواص الامۃ ص۱۱۷، تاریخ اعثم کوفی ص۲۲۶ وغیرہ میں ہے کہ مشہور فاحشہ عورتیں جن کے مکانوں پر جھنڈے تھے۔ وہ چار تھیں ۱؎ زرقا ۲؎ نابغہ عمرو عاص کی ماں ۳؎ حمامہ امیر معاویہ کی دادی (۴) ہندہ امیر معاویہ کی ماں۔ اور ہندہ کے متعلق اعثم کوفی ص۲۲۶ میں ہے کہ یہ تمام عیبوں کی خزینہ دار تھی۔ (۱۱) تاریخ الخلفا ص۲۱۸ میں ہے کہ یہ شاعرہ اور بڑی سنگ دل تھی۔ اس کا ایک شعر احوال مامون رشید میں درج ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ہم خوبصورتی میں ستارہ صبح صادق کی بیٹیاں ہیں۔ نرم بستروں پر ہم کسی کے ساتھ یوں ملتے ہیں جیسے مجامعت کرنے والا مست چکور چاند کے گرد گھومتا ہے۔ (منتخب للغات وصراح) (۱۳) نصائح ص۸۳ میں ہے کہ حسان ابن ثابت نے ہندہ کی زناکاری اپنے اشعار میں بیان کی اور اسے آنحضرت کو سُنایا حضرت خاموش رہے۔ اشعار ملاحظہ ہو دیوان حسان ص۶۰۔۴۰ میں (۱۴) ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے عقبہ کو مقام صفوریہ (شام) کا یہودی فرمایا ہے (۱۵) نصائح کافیہ ص۱۱۰ میں ہے کہ اُمیہ نے صفوریہ کی ایک یہودن لڑکی سے زنا کیا تھا جس سے ذکوان نامی لڑکا پیدا ہوا تھا۔ جس کی کنیت ابوعمرو مقرر کی گئی تھی۔ یہی ابوعمرو عقبہ کا دادا تھا۔ (۱۶) روض الالف اصابہ وکامل اور حلبی میں ذکوان کو غلام اُمیہ لکھا ہے (۱۷) آغانی ص۴۹ ترجمہ مسافر میں ہے کہ اُمیہ کے بعد ذکوان نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا تھا۔ (۱۸) آغانی ابوالفرج اصفہانی نصائح کافیہ حاشیہ ص۸۴ تذکرہ سبط ابن جوزی میں ہے کہ اسی ابوعمرو کا بیٹا مسافر تھا جو سخاوت اور جمالی شعر گوئی میں مشہور تھا۔ ہندہ کا اس سے معاشقہ ہو گیا اور اس سے حاملہ ہو گئی جب حمل ظاہر ہو گیا، تو اُس نے مسافر سے کہا کہ تو کسی طرف چلا جا۔ چنانچہ وہ حیرہ کو چلا گیا۔ اس کے بعد ہندہ ابوسفیان کے تصرف میں آ گئی۔ جب مسافر کو پتہ لگا تو اس نے فراق میں جان دے دی۔ مسافر کے چلے جانے کے بعد ہندہ مقام اجیاد کی

طرف چلی گئی اور وہیں بچہ جنا۔

(۱۹) سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامتہ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے ام حبیبہ خواہر معاویہ کو کہا "قاتل اللہ ابنۃ الداھرۃ" خدا لعنت کرے دختر زن زناکار پر، اور حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو کہا وقد علمت الفراش الذی ولدت علیہ میں اس فرش کو جانتا ہوں جس پر تو پیدا ہوا ہے۔ اس کے بعد اس کی توضیح ابن جوزی نے یہ کی ہے۔ قال الاصمعی والھشام ابن محمد الکلبی فی کتاب المسمی بالمثالب وقفت علی معنی قول الحسن لمعاویۃ قد علمتُ الفراش الذی ولدت علیہ۔ ان معاویۃ کان یقال انہ منی اربعۃ من قریش عمارۃ ابن ولید و مسافر ابن ابی عمرو و ابی سفیان والعباس و ھولا کانوا ندما ابی سفیان وکان کل یتھم بھند الخ یعنی اصمعی اور ہشام نے کہا ہے کہ امام حسن کے قول کے یہ معنی ہیں کہ معاویہ۔ ابوسفیان۔ عمارہ عباس اور مسافر چار آدمیوں کی طرف منسوب ہے۔ اما مسافر بن ابی عمرو فقال الکلبی عامۃ الناس علی ان معاویۃ منہ، کلبی نے کہا ہے کہ جمہور کی یہ رائے تھی کہ معاویہ مُسافر ابن عمرو سے ہے۔ کیونکہ وُہی سب سے زیادہ ہندہ سے محبت کرتا تھا۔ مثالب ابن سمعان میں ہے کہ پدر ہندہ نے اس کا نکاح بوعدہ مال کثیر ابوسفیان سے کیا۔" فوضعت معاویۃ بعد ثلاثۃ اشھر" نکاح کے تین ماہ بعد بطن ہندہ سے معاویہ پیدا ہوا۔ اسی لیے زمخشری نے ربیع الابرار میں معاویہ کو چار یاری لکھا ہے۔ بروایتے ہندہ کا تعلق ایک خوب صورت ڈوم سے بھی تھا جس کا نام صباح تھا۔ اسی سے معاویہ کا بھائی عتبہ ابن ابی سفیان پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ نصائح کافیہ ص۱۱ میں ہے۔ قال الشعبی فقد اشار رسول اللہ الی ھندہ یوم فتح مکۃ بشی من ھذا الخ۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ ہندہ کی زناکاری کی طرف آنحضرت نے فتح مکہ کے دن اس موقع پر اشارہ فرمایا تھا جب کہ وہ بیعت کرنے آئی تھی۔ ہندہ نے کہا کہ میں کس چیز پر بیعت کروں۔ حضرت نے فرمایا کہ تو اس چیز پر بیعت کر کہ آج سے زنا نہیں کرے گی۔ اس نے کہا کہ حضرت کہیں "حُرہ" آزاد عورتیں زنا کرتی ہیں۔ "فنظر رسول اللہ الی عمر تبسم" یہ سُن کر آپ نے حضرت عمر کی طرف دیکھ کر تبسّم فرمایا ملاحظہ ہو۔ (معاویہ دائرۃ الاصلاح ص۹) علامہ مجلسی حیواۃ القلوب جلد ۲ ص۴۳۷ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر زمانہ جاہلیت کے عملی شاہد تھے۔ اسی لیے رسول اللہ ان کی طرف دیکھ کر مُسکرائے تھے۔ (۲۰) تمام تواریخ اسلام میں ہے کہ اسی ہندہ نے حضرت حمزہ کو اپنے ایک عاشق حبشی نامی سے شہید کرا کے ان کا جگر چبانا چاہا تھا۔ اور ان کے کان ناک وغیرہ کاٹ کر اپنے گلے کا ہار بنایا تھا (۲۱) معاویہ کا باپ جو ابوسفیان کہا جاتا ہے۔ وہ بروایت حیواۃ الحیوان تیلی تھا (۲۲) اعثم کوفی ص۲۳۶ میں ہے کہ یہ شرابی تھا (۲۳) حیواۃ القلوب اور نہج البلاغہ جلد ۲ ص۱۳۱ میں ہے کہ ابوسفیان نے بجبرو اکراہ اسلام قبول کیا تھا (۲۴) معاویہ دائرۃ الاصلاح ص۱۴ میں ہے کہ معاویہ

۱۷ - یا ۲۲ سال قبل ہجرت ہندہ کے شکم سے پیدا ہوا۔ (۲۵) نہج البلاغہ جلد ۲ صہ ۱۹ میں ہے کہ حضرت علی نے معاویہ کو نصیبق فرمایا ہے۔ جس کے معنی متہم النسب کے ہیں (۲۶) جنات الخلود میں ہے کہ معاویہ کا قد لمبا آنکھیں سبز تھیں (۲۷) تاریخ الخلفاء صہ ۱۳۲ میں ہے کہ اس کی صورت ڈراؤنی تھی (۲۸) تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۱۲۶ و نصائح کافیہ صہ ۲۱ میں ہے کہ محمد ابن ابی بکر نے معاویہ کو لعین ابن لعین کہا ہے۔ (۲۹) اس نے غلط طور پر مشہور کیا کہ علی قاتل عثمان ہیں (اعثم کوفی صہ ۱۹۶) (۳۰) نصائح کافیہ صہ ۵۳ و حلیۃ الاولیاء صہ ۱۲۴ میں ہے کہ اس نے غلط شہرت دی کہ (معاذاللہ) علی نماز نہیں پڑھتے (۳۱) نصائح کافیہ صہ ۵۳ میں ہے کہ معاویہ کے حکم سے عبیداللہ ابن عباس کے دو کمسن بچے ماں کی گود میں ذبح کئے گئے (۳۲) اعثم کوفی صہ ۳۰۷ میں ہے کہ معاویہ نے یمن اور حجاز میں ۳۰ ہزار محبان علی کو قتل کیا۔ (۳۳) نصائح کافیہ صہ ۶۱ میں ہے کہ معاویہ نے مالک اشتر کو زہر سے شہید کرا دیا (۳۴) اعثم کوفی صہ ۳۳۵ میں ہے کہ معاویہ نے محمد ابن ابی بکر کو گدھے کی کھال میں سلوا کر جلوا دیا۔ (۳۵) اسی کتاب میں ہے کہ جب حضرت عائشہ کو اس کی خبر ملی تو بہت روئیں اور معاویہ کو تاحیات بد دعا دیتی رہیں (۳۶) نصائح کافیہ صہ ۶۲ میں ہے کہ حضرت علی کو اس کی اطلاع ملی تو بکی بکاء شدیداً بہت روئے (۳۷) نصائح کافیہ صہ ۵۵ سیرۃ محمدیہ صہ ۵۰۰ میں ہے کہ حجر ابن عدی صحابی رسول بجرم محبت علی قتل کئے گئے اور عبدالرحمن ابن حسان زندہ دفن کئے گئے (۳۸) نصائح کافیہ صہ ۴۳ میں ہے کہ عمر بن الحمق بھی حکم معاویہ سے شہید کئے گئے (۳۹) طبری اور نصائح کافیہ صہ ۵۲ میں ہے کہ معاویہ کے ایک عامل سمرۃ نے ۸ ہزار آدمیوں کو شہید کیا (۴۰) تاریخ اعثم صہ ۳۳۴ و نصائح کافیہ صہ ۷ میں ہے کہ بصرہ اور کوفہ میں ایک ایک رات کو پانچ پانچ سو محبان علی قتل کئے گئے (۴۱) تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صہ ۱۳۳ میں ہے کہ معاویہ نماز کے ہر قنوت میں حضرت علی - ابن عباس - امام حسن امام حسین اور مالک اشتر پر لعنت کرتا تھا (۴۲) نصائح کافیہ صہ ۱۷ میں ہے کہ معاویہ مولفۃ القلوب میں تھا۔ اس کا کاتب وحی ہونا غلط ہے (۴۳) تاریخ اعثم صہ ۴۶ میں ہے کہ معاویہ نے شہدائے اُحد کی قبروں پر سے نہر جاری کرائی اور لاشوں کو دوسری جگہ دفن کرا دیا۔ لاشوں کے نکالنے میں ایک بیلچہ حضرت حمزہ کے پیر میں لگ گیا جس سے خون تازہ جاری ہوا۔

(۴۴) "مولوی امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ امام حسن کے ترک خلافت کے بعد معاویہ حقیقت میں ہی بادشاہ اسلام بن گیا۔ اس طرف زمانہ کے عجیب و غریب انقلاب سے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے دشمنوں نے ان کی اولاد کا موروثی حق غصب کر لیا اور بت پرستی کے حامی ان جناب کے مذہب اور سلطنت کے سردار اور پیشوا بن گئے۔ دارالخلافہ جو حضرت علی نے کوفہ مقرر کیا تھا۔ اب دمشق میں منتقل ہو گیا اور جہاں معاویہ ایرانی اور یونانی شان و شوکت کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہ

اکثر اپنے دشمنوں اور مخالفوں کا زہر یا تلوار سے کام تمام کر دیتا تھا۔ رشتہ داری یا خدمت اسلام بھی اس کے سفاک ہاتھوں سے بچا نہ سکتی تھی۔ اور پھر مورخ ادسبرن سے نقل کیا ہے کہ بنی امیہ کا اول خلیفہ سیاہ منتقمی اور سفاک تھا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کسی جرم کے ارتکاب سے نہ ڈرتا تھا۔ زبردست غنیم کو ہلاک کرا دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ پیغمبر اسلام کے نواسے امام حسن اور مالک اشتر کو زہر سے ہلاک کرا دیا۔ اسی طرح عبدالرحمن ابن خالد ابن ولید کو ۴۵؁ھ میں زہر سے تمام کرا دیا (کامل ابن اثیر۔ طبری۔ ابوالفداء۔ روضۃ الصفاء۔ حبیب السیر) اور ام المومنین جناب عائشہ کو اس طرح زندہ گڑھے میں دفن کر دیا کہ ۵۶؁ھ میں آکر ایک مکان میں گڑھا کھدوا کر اس کو خس پوش کر کے آبنوس کی کرسی بچھوائی اور عائشہ کو دعوت میں بلوا کر اس پر بٹھایا عائشہ بیٹھتے ہی اس گڑھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط بند کرا دیا اور مکہ کی طرف کوچ کر گئے۔ (حبیب السیر جلد ۱ ص ۸۵ اوکلی تاریخ اسلام۔ ربیع الابرار۔ اوائل سیوطی۔ کامل السفینہ حدیقہ حکیم سنائی۔ مناقب مرتضوی)[۴۵] ۵۱؁ھ میں حجر ابن عدی کو جو نہایت متقی و پرہیزگار اور عبادت گذار تھے اور ان کے چھ ہمراہیوں کو اور عمر ابن حمق صحابی کو صرف اس جرم میں کہ وہ دوستداران علی تھے۔ اور جب معاویہ کا گورنر کوفہ کے منبر پر علی پر لعنت کرتا تو یہ روکتے اور علی کی حمایت کرتے تھے قتل کرا دیا۔[۴۶] خاندان بنی امیہ کو قرآن میں شجرۂ ملعونہ فرمایا گیا ہے۔[۴۷] ان کو علی اور ان کی اولاد اور ان کے شیعوں سے سخت دشمنی تھی۔ چنانچہ معاویہ حضرت علیؑ پر تبرا کرتا تھا۔ اس نے ۴۱؁ھ میں حکم دیا کہ ممالک محروسہ کی تمام مسجدوں میں خطیب منبر پر بیٹھ کر حضرت علیؑ پر تبرا کیا کریں اور یہ رسم ۹۹؁ ہجری تک جاری رہی جبکہ عمر بن عبدالعزیز نے خطبہ میں سے اس تبرا کو نکلوا کر آیہ "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان" الخ۔ اور خلفاء اربعہ کے نام داخل کرائے۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم۔ ترمذی۔ منہاج السنۃ۔ عقد الفرید۔ ابوالفداء۔ کامل ابن اثیر۔ طبری۔ تاریخ الخلفاء۔ فتاویٰ عزیزی۔ تفریح الاحباب۔ خصائص نسائی

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ پر شتم و تبرا ایک ہزار ماہ تک جاری رہا (سر العالمین ص ۱۰ طبع بمبئی)۔ النصائح الکافیہ کے ص ۹ میں ہے کہ حضرت علیؑ پر ستر ہزار منبروں پر سب و شتم کی جاتی تھی۔ معاویہ نے ابوہریرہ، عمرو عاص، مغیرہ ابن شعبہ اور عروہ ابن زبیر کو اس امر پر مامور کیا تھا کہ علی کی منقصت میں جھوٹی حدیثیں تیار کریں[۴۸] ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۹ میں ہے شیعیان علیؑ کے مال و متاع ضبط کر لیے گئے وہ قتل کیے گئے اور اس قدر ان پر ظلم کیے گئے کہ کوئی اپنے کو شیعہ نہ کہہ سکتا تھا۔[۴۹] (ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۹ نصائح کافیہ ص ۵۰ کتاب الفخری میں ہے کہ معاویہ امور دنیا میں اس قدر منہمک رہتا اور اپنی ہمت تدبیر امور دنیا میں اتنی مصروف کرتا کہ اور سب باتیں اس کے سامنے ہیچ سمجھتا تھا۔[۵۰] دن میں پانچ مرتبہ کھاتا تھا۔ اور آخری دفعہ سب سے زیادہ کھا کر کہتا تھا اے غلام اٹھا لے کھاتے کھاتے تھک گیا مگر سیر نہیں ہوا۔ ایک بچھڑا بھون

کرلاتے وہ ایک ہی میدہ کی روٹی کے ساتھ کھا گیا اور ساتھ چار موٹے موٹے گردے۔ ایک گرم بھیڑ کا بچہ اور ایک ٹھنڈا بھیڑ کا بچہ اور کھجوروں سے الگ منہ میٹھا کیا۔ اس کے آگے سو رطل باقلانی رطب رکھا گیا وہ سب کھا گیا۔ (۵۱) امام نسائی فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے ان کے حق میں بددعا کی تھی۔ "لا اشبع اللہ بطنہ"۔ خدا اس کا پیٹ نہ بھرے (۵۲) معاویہ اپنا مطلب نکالنے میں خون ریزی کی مطلق پرواہ نہ کرتا تھا (۵۳) ادگلی لکھتا ہے کہ وہ زرق برق کپڑے پہنتا اور شان و شوکت سے بسر کرتا اور ہمیشہ شراب پیتا تھا۔

(۵۴) حسن بصری کہتے ہیں کہ معاویہ کی چار باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ہی اس کی ہلاکت کے لیے کافی ہے۔ اول مستحقین خلافت کو محروم کرکے زبردستی خلافت پر قبضہ کرنا۔ دوسرے یزید کو ولی عہد بنانا جو بد اطوار شرابی حریر پہننے والا۔ گانا بجانا سننے کا شوقین تھا۔ تیسرے ابوسفیان کے حرامی بیٹے زیاد کو شریعت کے خلاف اپنا بھائی بنانا۔ چوتھے حجر اور ان کے اصحاب پر ظلم کرنا۔ اور ان کو قتل کرانا (۵۵) امام شافعی فرماتے ہیں کہ چار صحابی ایسے ہیں جن کی گواہی قابل قبول نہیں۔ معاویہ عمرو عاص۔ مغیرہ۔ زیاد (حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی انھیں چار فتنہ گروں نے کمر توڑی ہے۔

(۵۶) مسعودی لکھتا ہے کہ اہل شام معاویہ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار ایسے تھے کہ جنگ صفین کو جاتے ہوئے معاویہ نے جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھادی اور انھوں نے پڑھ لی (۵۷) پھر مسعودی لکھتا ہے کہ بنی امیہ کے عہد میں عام لوگوں کے اخلاق میں یہ بات داخل ہوگئی تھی کہ یہ بنی کو سردار نہ بنائیں بنی امیہ بغیر عالم ہونے کے علم کی بات کہتے تھے اور بلا تمیز فاضل و مفضول اور فائدہ و نقصان کے جو ان کے آگے ہو جائے، اس کی مطابقت کر لیتے تھے اور حق و باطل میں تمیز نہ کرتے تھے (۵۸) معاویہ سنہ ۶۰ھ میں علیل ہوا۔ اور اس نے یزید سے کہا کہ جو کچھ مانگنا ہو مانگ لے۔ اس نے کہا حکومت چاہتا ہوں۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے جہنم سے نجات حاصل کرلوں۔ اس نے یزید کا منہ چوم لیا اور کہا مجھے منظور ہے۔ (تاریخ کامل) چنانچہ (۵۹) وہ یزید جیسے دشمن اسلام کو خلیفہ بنا کر رجب سنہ ۶۰ ہجری میں راہی دار البوار ہوگیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص۳۳) یہ مسلمات تاریخی میں سے ہے کہ معاویہ کے حق میں کوئی ایک حدیث بھی وارد نہیں ہوئی اور اس کے بدعادات بے شمار ہیں۔ تطہیر الجنان موضوعات ملا علی قاری ص۲۸ و فتح الباری میں، ہے کہ معاویہ کے حق میں کوئی بھی خبر صحیح وارد نہیں یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں اس کے متعلق کوئی باب قائم نہیں کیا گیا۔ مفردات امام راغب اصفہانی میں (۶۰) ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا تھا۔ کہ معاویہ کے گلے میں جب تک عیسائیوں کی صلیب نہ پڑے گی اسے موت نہ آئے گی چنانچہ آخری وقت ایک نصرانی کرسٹان نے تعویز شفا کے نام سے اس کے گلے میں صلیب ڈال دی۔ اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا یقین ہے کہ معاویہ نصرانی و عیسائی محشور ہوگا کیونکہ

یہ علی کا دشمن اور اُن کو اذیت دینے والا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ "من اذی علیاً بعث یوم القیامۃ یہودیا الخ" ۔ جو علی کو اذیت دے گا وہ یہودی یا نصرانی مبعوث و محشور ہوگا۔ (نصائح کافیہ) تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۵ میں ہے کہ معاویہ نے چالیس سال حکومت کی۔ ۷۷ سال کی عمر پائی اور سنہ ۶۰ ھجری میں انتقال کیا، اور دمشق شام میں دفن کیا گیا[1]

میں کہتا ہوں کہ معاویہ کے جملہ عمل و کردار کے نتائج ایک طرف اور اس کا حضرت علیؑ امام حسنؑ کا قتل کرنا ایک طرف۔ یقین کرنا چاہیے کہ امیر معاویہ کی بخشش قطعاً دشوار ناممکن اور محال ہے۔ فقط۔

---

[1] سُنا جاتا ہے کہ شام میں جس جگہ پر معاویہ کی قبر تھی اس جگہ چوڑیاں بنانے کی بھٹی بنی ہوئی ہے۔ ۱۲ منہ ؛

۵
ابو عبد اللہ
حضرت
امام حسین علیہ السّلام
شہیدِ کربلا
حسینؑ تو نے نہ تیغ وہ کیا سجدہ
کہ فخر کرتی ہے طاعت بھی اس اطاعت پہ
نہ عبدیت کو فقط افتخار ہے مولا
الوہیت بھی ہے نازاں تری عبادت پہ
(صابر تھاریانی۔ کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۵

حضرت امام حسین علیہ السلام

یونہی بس تیسری شعبان کو حرمت چوگئی ہوگی — مجھے بارہ پلا دے پانچواں ساقی ہوا پیدا
نہ کیونکر ایسے بیٹے پر ہوں نازاں ساقیٔ کوثر — نہاں ہیں جس میں نو گوہر یہ وہ عصمت کا ہے دریا

(نجم کراروی)

حضرت امام حسین علیہ السلام ابوالآئمہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام وسیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا کے فرزند اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجناب خدیجۃ الکبریٰ کے نواسے اور شہید مظلوم امام حسن علیہ السلام کے قوت بازو تھے۔ آپ کو ابوالائمۃ الثانی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ہی کی نسل سے نو امام متولد ہوئے ہیں۔ آپ بھی اپنے پدر بزرگوار اور برادر عالی وقار کی طرح معصوم منصوص افضل زمانہ اور عالم علم لدنی تھے۔

آپ کی ولادت

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے بعد پچاس راتیں گزریں تھیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا نقطہ وجود بطن مادر میں مستقر ہوا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ولادت حسنؑ اور استقرار حمل حسینؑ میں ایک طہر کا فاصلہ تھا (اصابہ نزل الابرار واقدی) ابھی آپ کی ولادت نہ ہونے پائی تھی کہ بروایتے ام الفضل بنت حارث نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریمؐ کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری آغوش میں رکھا گیا ہے۔ اس خواب سے وہ بہت گھبرائیں اور دوڑی ہوئی رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں کہ حضورؐ آج ایک بہت برا خواب دیکھا ہے۔ حضرتؐ نے خواب سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ خواب تو نہایت ہی عمدہ ہے۔ اے ام الفضل اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری آغوش میں پرورش پائے گا۔ آپ کے ارشاد فرمانے کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ خصوصی مدت حمل صرف چھ ماہ گزار کر نور نظر رسولؐ امام حسینؑ بتاریخ ۳ شعبان ۴ ہجری بمقام مدینہ منورہ بطن مادر سے آغوش مادر میں آ گئے۔ (شواہد النبوت ص ۱۳ وانوار حسینیہ جلد ۳ ص ۴۳ بحوالہ صافی ص ۲۹۸ وجامع

عباسی ص۹۹ و بحارالانوار و مصباح طوسی و مقتل ابن نما ص۲) وغیرہ ام الفضل کا بیان ہے کہ میں حسبِ الحکم ان کی خدمت کرتی رہی۔ ایک دن میں بچہ کو لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے آغوشِ محبت میں لے کر پیار کیا اور آپ رونے لگے میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ابھی ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے وہ بتلا گئے ہیں کہ یہ بچہ اُمت کے ہاتھوں نہایت ظلم و ستم کے ساتھ شہید ہوگا۔ اور اے ام الفضل وہ مجھے اس کی قتل گاہ کی سُرخ مٹی بھی دے گئے ہیں۔ (مشکوٰۃ جلد ۸ صفحہ ۱۴۰ طبع لاہور) اور مسند امام رضا ص۳۸ میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا دیکھو یہ واقعہ فاطمہ سے کوئی نہ بتلائے ورنہ وہ سخت پریشان ہوں گی۔ مُلا جامی لکھتے ہیں کہ اُم سلمہ نے بیان کیا کہ ایک دن رسُولِ خدا میرے گھر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے سرِ مبارک کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور چہرے پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس پریشانی کو دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے۔ فرمایا مجھے ابھی ابھی جبرئیل عراق کے مقامِ کربلا میں لے گئے تھے۔ وہاں میں نے جائے قتلِ حسینؑ دیکھی ہے اور یہ مٹی لایا ہوں۔ اے ام سلمہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھو۔ جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا حسین شہید ہوگیا۔ الخ (شواہد النبوت ص۱۷۴)۔

آپ کا اسمِ گرامی

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد سرورِ کائنات صلعم نے امام حسینؑ کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر بڑی دیر تک چسایا۔ اس کے بعد داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی، پھر دُعائے خیر فرما کر حسین نام رکھا۔ (نور الابصار ص۱۱۳) علماء کا بیان ہے کہ یہ نام اسلام سے پہلے کسی کا بھی نہیں تھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نام خود خداوند عالم کا رکھا ہوا ہے۔ (ارجح المطالب وروضۃ الشہداء ص۲۳۶، کتاب اعلام الوریٰ طبرسی میں ہے کہ یہ نام بھی دیگر آئمہ کے ناموں کی طرح لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

آپ کا عقیقہ

امام حسینؑ کا نام رکھنے کے بعد سرورِ کائناتؐ نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ بیٹی جس طرح حسن کا عقیقہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس کے عقیقہ کا بھی انتظام کرو، اور اسی طرح بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق کرو، جس طرح حسن کے لیے کر چکی ہو الغرض ایک مینڈھا منگوایا گیا۔ اور رسمِ عقیقہ ادا کر دی گئی (مطالب السؤل ص۲۴۱) بعض معاصرین نے عقیقہ کے ساتھ ختنہ کا ذکر کیا ہے جو میرے نزدیک قطعاً ناقابلِ قبول ہے۔ کیونکہ امام کا مختون پیدا ہونا مسلمات سے ہے۔

کنیت والقاب

آپ کی کنیت صرف ابو عبداللہ تھی۔ البتہ القاب آپ کے بے شمار ہیں جن میں سید، سبطِ اصغر، شہیدِ اکبر اور سید الشہداء زیادہ مشہور

ہیں ۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ سبط اور رشید خود رسولِ کریمؐ کے معین کردہ القاب ہیں (مطالب السؤل صـ۳۲۱) ۔

آپ کی رضاعت

اصول کافی باب مولد الحسین صـ۱۱۴ میں ہے کہ امام حسینؑ نے پیدا ہونے کے بعد نہ حضرت فاطمہ زہرا کا شیر مبارک نوش کیا اور نہ کسی اور دائی کا دودھ پیا ، ہوتا یہ تھا کہ جب آپ بھوکے ہوتے تو سرورِ کائناتؐ تشریف لاکر زبان مبارک دہن اقدس میں دے دیتے تھے اور امام حسینؑ اسے چوسنے لگتے تھے ۔ یہاں تک کہ سیر و سیراب ہو جاتے تھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اسی سے امام حسینؑ کا گوشت پوست بنا اور لعاب دہن رسالتؐ سے حسین پرورش پاکر کار رسالت انجام دینے کی صلاحیت کے مالک بنے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رسولِ کریمؐ سے بہت مشابہ تھے ۔ (نور الابصار صـ۱۱۳) ۔

خداوندِ عالم کی طرف سے ولادت امام حسینؑ کی تہنیت اور تعزیت

علامہ حسین واعظ کاشفی رقمطراز ہیں کہ امام حسینؑ کی ولادت کے بعد خلاق عالم نے جبرئیل کو حکم دیا کہ زمین پر جاکر میرے حبیب محمد مصطفےٰ کو میری طرف سے حسین کی ولادت پر مبارک باد دے دو اور ساتھ ہی ساتھ ان کی شہادتِ عظمیٰ سے بھی انھیں مطلع کرکے تعزیت ادا کردو ۔ جناب جبرئیل بحکم ربِ جلیل زمین پر وارد ہوئے ۔ اور انھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ کر تہنیت ادا کی ۔ اس کے بعد عرض پرداز ہوئے کہ اے حبیب ربِ کریم آپ کی خدمت میں شہادتِ حسینی کی تعزیت بھی منجانب اللہ ادا کی جاتی ہے ۔ یہ سن کر سرورِ کائناتؐ کا ماتھا ٹھنکا اور آپ نے پوچھا ، جبرئیل ماجرا کیا ہے تہنیت کے ساتھ تعزیت کی تفصیل بیان کرو ۔ جبرئیلؑ نے عرض کی مولا ایک وہ دن ہوگا جس دن آپ کے اس چہیتے فرزند "حسینؑ" کے گلوئے مبارک پر خنجر آبدار رکھا جائے گا ۔ اور آپ کا یہ نورِ نظر بے یار و مددگار میدانِ کربلا میں یکہ و تنہا تین دن کا بھوکا پیاسا شہید ہوگا ۔ یہ سن کر سرورِ عالمؐ محوِ گریہ ہوگئے ۔ آپ کے رونے کی خبر جونہی امیرالمومنین کو پہنچی وہ بھی رونے لگے اور عالم گریہ میں داخل خانۂ سیدہ ہوگئے ۔ جنابِ سیدہ نے جو حضرت علیؑ کو روتا دیکھا دل بے چین ہوگیا ۔ عرض کی ابوالحسن رونے کا سبب کیا ہے ۔ فرمایا بنت رسول ابھی جبرئیل آئے ہیں اور وہ حسینؑ کی تہنیت کے ساتھ ساتھ اس کی شہادت کی بھی خبر دے گئے ہیں ۔ حالات سے باخبر ہونے کے بعد فاطمہ کے گریہ گلوگیر ہوگیا ۔ آپ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی بابا جان یہ کب ہوگا ۔ فرمایا جب نہ میں ہوں گا نہ تو ہوگی نہ علیؑ ہوں گے نہ حسنؑ ہوں گے ۔ فاطمہ نے پوچھا بابا میرا بچہ کس خطا پر شہید ہوگا ۔ فرمایا فاطمہ بالکل بے جرم و بے خطا صرف اسلام کی حمایت میں شہادت ہوگی ۔ فاطمہ نے عرض کی بابا جان جب ہم

میں سے کوئی نہ ہوگا تو پھر اس پر گریہ کون کرے گا۔ اور اس کی صفِ ماتم کون بچھائے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس سوال کا حضرت رسُولِ کریم ابھی جواب نہ دینے پائے تھے کہ ہاتفِ غیبی کی آواز آئی۔ اے فاطمہ غم نہ کرو۔ تمھارے اِس فرزند کا غم اَبدالآباد تک منایا جائے گا اور اس کا ماتم قیامت تک جاری رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسُولِ خدا نے فاطمہ کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ خدا کچھ لوگوں کو ہمیشہ پیدا کرتا رہے گا جس کے بُوڑھے بُوڑھوں پر اور جوان جوانوں پر اور بچے بچوں پر اور عورتیں عورتوں پر گریہ وزاری کرتے رہیں گے۔

فطرس کا واقعہ

علامہ مذکور بحوالہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں کہ اسی تہنیت کے سلسلہ میں جناب جبرئیل بے شمار فرشتوں کے ساتھ زمین کی طرف آرہے تھے۔ ناگاہ اُن کی نظر زمین کے ایک غیر معروف طبقہ پر پڑی۔ دیکھا کہ ایک فرشتہ زمین پر پڑا ہوا زار و قطار رو رہا ہے۔ آپ اس کے قریب گئے اور آپ نے اس سے ماجرا پوچھا۔ اُس نے کہا اے جبرئیل میں وہی فرشتہ ہوں جو پہلے آسمان پر ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرتا تھا میرا نام فطرس ہے۔ جبرئیل نے پُوچھا تجھے کس جرم کی یہ سزا ملی ہے۔ اُس نے عرض کی، مرضیٔ معبود کے سمجھنے میں ایک پل کی دیری کی تھی جس کی یہ سزا بھگت رہا ہوں۔ بال و پر جل گئے ہیں۔ یہاں کنجِ تنہائی میں پڑا ہوں۔ اے جبرئیل خدا را میری کچھ مدد کرو۔ ابھی جبرئیل جواب نہ دینے پائے تھے کہ اُس نے سوال کیا۔ اے رُوح الامین آپ کہاں جا رہے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام "حسین" ہے۔ میں خدا کی طرف سے اُس کی ادائے تہنیت کے لیے جا رہا ہوں۔ فطرس نے عرض کی اے جبرئیل خدا کے لیے مجھے اپنے ہمراہ لیتے چلو مجھے اِسی در سے شفا اور نجات مل سکتی ہے۔ جبرئیل اسے ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب کہ امام حسینؑ آغوشِ رسُولؐ میں جلوہ فرما تھے۔ جبرئیلؑ نے عرض حال کیا، سرورِ کائناتؐ نے فرمایا کہ فطرس کے جسم کو حسینؑ کے بدن سے مَس کر دو۔ شفا ہو جائے گی۔ جبرئیل نے ایسا ہی کیا اور فطرس کے بال و پر اُسی طرح روئیدہ ہو گئے جس طرح پہلے تھے۔ وہ صحت پانے کے بعد فخر و مباہات کرتا ہوا اپنی منزل "اصلی" آسمانِ سیوم پر جا پہنچا اور مثلِ سابق ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرنے لگا۔ "بعد از شہادت حسینؑ چوں بر آں قضیہ مطلع شد" یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا جس میں امام حسینؑ نے شہادت پائی اور اسے حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے بارگاہِ احدیت میں عرض کی "مالک مجھے اجازت دی جائے کہ میں زمین پر جا کر دشمنانِ حسینؑ سے جنگ کروں۔ ارشاد ہوا کہ جنگ کی کوئی ضرورت نہیں البتہ تو ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر چلا جا اور اُن کی قبرِ مبارک پر صبح و شام گریہ و ماتم کیا کر اور اس کا جو ثواب ہو گا اسے ان کے رونے

والوں کے لیے ہبہ کر دے۔ چنانچہ فطرس زمین کربلا پر جا پہنچا اور تا قیام قیامت شب و روز روتا رہے گا۔ (روضۃ الشہداء از ص۲۳۶ تا ص۲۳۸ طبع بمبئی ۱۳۸۵ھ و غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی)

امام حسینؑ کا روئے تاباں

مُلا جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کو خُداوند عالم نے وہ حُسن و جمال دیا تھا جس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ آپ کے روئے تاباں کا یہ حال تھا کہ جب آپ جائے تاریک میں بیٹھ جاتے تھے۔ تو لوگ آپ کے روئے روشن سے شمع طرق کا کام لیتے تھے۔ یعنی ہر چیز روشن ہو جاتی تھی اور لوگوں کو تاریکی میں راہروی کی زحمت نہیں ہوتی تھی۔ (شواہد النبوت رکن ۶ ص۱۷۴ و روضۃ الشہداء باب ص۲۳۸) شیخ عبدالواسع ابن یحییٰ واسعی لکھتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ ایک دن رسُولِ کریم صلعم کی خدمت میں حاضر تھے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا میرے بچو! اب رات ہو گئی ہے تم اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ۔ بچے حسب الحکم روانہ ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ جیسے یہ بچے گھر کی طرف چلے ایک روشنی پیدا ہوئی جو ان کے راستے کی تاریکی کو دُور کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بچے اپنی ماں کی خدمت میں جا پہنچے۔ پیغمبرِ اسلام جو اس روشنی کو دیکھ رہے تھے۔ ارشاد فرمانے لگے۔ "الحمد للہ الذی اکرمنا اھل البیت" خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہم اہل بیت کو عزت و کرامت عطا فرمائی ہے۔ مسند امام رضا ص۳۲ مطبوعہ مصر ۱۳۴۱ھ)۔

جناب ابراہیمؑ کا امام حسینؑ پر قربان ہونا

علماء کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت رسُولِ خُدا صلعم امام حسینؑ کو داہنے زانو پر اور جنابِ ابراہیمؑ کو بائیں زانو پر بٹھائے ہُوئے پیار کر رہے تھے کہ ناگاہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہنے لگے ارشادِ خداوندی ہے کہ دو میں سے ایک کو اپنے پاس رکھو۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے امام حسینؑ کو ابراہیم پر ترجیح دی اور اپنے فرزند ابراہیم کو حسینؑ پر سے فدا کر دینے کے لیے کہا۔ چنانچہ ابراہیم علیل ہو کر تین یوم میں انتقال کر گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے جب امام حسینؑ آنحضرتؐ کے سامنے آتے تھے تو آپؐ انھیں آغوش میں بٹھا کر فرماتے تھے کہ یہ وہ ہے جس پر میں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو قُربان کر دیا ہے۔ (شواہد النبوت ص۱۷۴ و تاریخ بغداد جلد ۲ ص۲۰۴)۔

حسنینؑ کی باہم زور آزمائی

ابن الخشاب شیخ کمال الدین اور ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام حسن اور امام حسین کمسنی کے عالم میں رسُولِ خداؐ کی نظروں کے سامنے آپس میں زور آزمائی کرنے اور کشتی لڑنے لگے۔ جب باہم ایک دوسرے سے لپٹ گئے تو رسُولِ خدا نے امام حسن سے کہنا شروع کیا، ہاں بیٹا حسن بکڑ حسین کو گرا دے

اور چت کر دے ، فاطمہؑ نے آگے بڑھ کر عرض کی بابا جان آپ تو بڑے فرزند کی ہمت بڑھا رہے ہیں اور چھوٹے بیٹے کی ہمت افزائی نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ اے بیٹی یہ تو دیکھو کہ جبرئیل کھڑے ہوئے حسینؑ سے کہہ رہے ہیں "بگیر حسن را" اے حسینؑ تم حسن کو گرا دو ، اور چت کر دو۔ (شواہد النبوت ص ۱۷۴ و روضۃ الشہداء ص ۲۳۹ نورالابصار ص ۱۱۴ طبع مصر)۔

خاکِ قدمِ حسینؑ اور حبیب ابن مظاہر

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ ایک دن رسولِ خدا ایک راستے سے گزر رہے تھے ۔ آپ نے دیکھا کہ چند بچے کھیل رہے ہیں ۔ آپ اُن کے قریب گئے اور ان میں سے ایک بچہ کو اُٹھا کر اپنی آغوش میں بٹھا لیا اور آپ اُس کی پیشانی کے بوسے دینے لگے ۔ ایک صحابی نے پوچھا حضورؐ اس بچہ میں کیا خصوصیت ہے کہ آپ نے اُس کی اس درجہ قدر افزائی فرمائی ہے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسے ایک دن اس حال میں دیکھا ہے کہ یہ میرے بچے حسینؑ کے قدموں کی خاک اُٹھا کر اپنی آنکھوں میں لگا رہا تھا ۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ وہ بچہ آنحضرتؐ نے جس کو پیار کیا تھا اُس کا نام حبیب ابن مظاہر تھا ؎

پسر مرتضیٰ امام حسینؑ   کہ چو اولیٰ نہ بودہ در کونین
مصطفیٰ او راکشیدہ بدوش   مرتضیٰ پروریدہ در آغوش
عقل در بند عہد و پیمانش   بودہ جبرئیل مہد جنبانش (روضۃ الشہداء ص ۲۳۹)

امام حسینؑ کے لیے بچہ آہو کا آنا

کتاب کنز الغرائب میں ہے کہ ایک شخص نے سرور کائنات کی خدمت میں ایک بچہ آہو ہدیۃً پیش کیا ۔ آپ نے اُسے امام حسن کے حوالے کر دیا ۔ کیونکہ آپ بروقت حاضر خدمت ہو گئے تھے ۔ امام حسین نے جب امام حسن کے پاس بچہ آہو ملاحظہ کیا ، تو اپنے نانا سے کہنے لگے نانا جان ، آپ مجھے بھی بچہ آہو دیجیے ۔ سرورِ کائنات امام حسین کو تسلی دینے لگے ۔ لیکن کمسنی کا عالم تھا فطرتِ انسانی نے اظہارِ فضیلت کے لیے کروٹ لی اور امام حسینؑ نے ضد کرنا شروع کر دیا اور قریب تھا کہ رو پڑیں ناگاہ ایک آہو کو آتا ہوا دیکھا گیا ۔ جس کے ہمراہ اس کا بچہ تھا ۔ وہ آہو سیدھا خدمت میں آیا اور اُس نے بزبان فصیح کہا ، حضور میرے دو بچے تھے ایک کو صیاد نے شکار کر کے آپ کی خدمت میں پہنچا دیا اور دوسرے کو میں لے کر اس وقت حاضر ہوا ہوں ۔ اس نے کہا کہ میں جنگل میں تھا کہ میرے کانوں میں ایک آواز آئی جس کا مطلب یہ تھا کہ نازپروردہ رسول بچہ آہو کے لیے مچلا ہوا ہے ۔ جلد سے جلد اپنے بچہ کو حضور رسولِ کریمؐ کی خدمت میں پہنچا ۔ حکم پاتے ہی میں حاضر ہوا ہوں اور ہدیہ پیش خدمت ہے آنحضرت صلعم نے آہو کو دعائے خیر دی ، اور بچہ امام حسین کے حوالے کر دیا ۔ (روضۃ الشہداء جلد ۱ ص ۲۲۰)۔

امام حسینؑ سینۂ رسولؐ پر

صحابی رسولؐ ابوہریرہؓ راوی حدیث کا بیان ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا ہے کہ رسولِ کریم لیٹے ہوئے ہیں اور امام حسینؑ نہایت کمسنی کے عالم میں ان کے سینۂ مبارک پر ہیں۔ ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے حسین تو میرے سینے پر کود چنانچہ امام حسین آپ کے سینۂ مبارک پر کودنے لگے۔ اس کے بعد حضور صلعم نے امام حسین کا منہ چوم کر خدا کی بارگاہ میں عرض کی اے میرے پالنے والے میں اسے بے حد چاہتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ امام حسین کا لعاب دہن اور ان کی زبان اس طرح چوستے تھے جس طرح کھجور کوئی چوسے۔ (ارجح المطالب صہ ۳۵۹، صہ ۳۶۱ استیعاب جلد ۱ صہ ۱۴۴، اصابہ جلد ۲ صہ ۱۱، کنز العمال جلد ۷ صہ ۱۰۴، کنوز الحقائق صہ ۵۹)۔

حسنینؑ میں خوشنویسی کا مقابلہ

رسولِ کریمؐ کے شہزادے امام حسن اور امام حسین نے ایک دن ایک تحریر لکھی۔ پھر دونوں آپس میں مقابلہ کرنے لگے کہ کس کا خط اچھا ہے، جب باہمی فیصلہ نہ ہوسکا تو فاطمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے فرمایا علی کے پاس جاؤ۔ علی نے کہا رسولِ خدا سے فیصلہ کراؤ۔ رسولِ کریمؐ نے ارشاد کیا۔ اے نورِ نظر اس کا فیصلہ تو میری لختِ جگر فاطمہ ہی کرے گی۔ اُس کے پاس جاؤ۔ بچے دوڑے ہوئے پھر ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ماں نے گلے لگا لیا۔ اور کہا اے میرے دل کی اُمیدو، تم دونوں کا خط بہترین ہے اور دونوں نے بہت خوب لکھا ہے۔ لیکن بچے نہ مانے اور یہی کہتے رہے، مادرِ گرامی دونوں کو سامنے رکھ کر صحیح فیصلہ دیجیے۔ ماں نے کہا اچھا بیٹا، لو اپنا گلوبند توڑتی ہوں۔ اس کے دانے چنو، فیصلہ خدا کرے گا۔ سات دانوں کا گلوبند ٹوٹا، زمین پر دانے بکھرے۔ بچوں نے ہاتھ بڑھائے اور زمین پر دانوں پر دونوں نے قبضہ کرلیا۔ ایک دانہ جو رہ گیا۔ اس کی طرف دونوں کے ہاتھ برابر سے بڑھے حکمِ خدا ازندِ عالم ہوا۔ جبرئیل دانہ کے دو ٹکڑے کردو۔ ایک حسن نے لے لیا ایک حسین نے اُٹھایا۔ ماں نے بڑھ کر دونوں کے بوسے لے لیے اور کہا کیوں؟ بچو میں نہ کہتی تھی کہ تم دونوں کے خط اچھے ہیں اور ایک کی دوسرے کے خط پر ترجیح نہیں ہے۔ (خلاصۃ المصائب صہ ۲۲۵) قاری عبدالودود شمسی لکھنوی خلفِ مولوی عبدالحکیم اُستاد مولوی شیخ عبدالشکور مدیر النجم پاٹانالہ لکھنؤ۔ بھارت اپنے ایک قصیدے میں لکھتے ہیں ؎

دونوں بھائی ایک دن مادر سے یہ کہنے لگے — آپ فرمائیں کہ لکھنا کس کو بہتر آگیا
سات موتی رکھ کے فرمایا کہ جوزائد اٹھائے — ایک موتی دو ہوا حصہ برابر آگیا

جنت کے کپڑے اور فرزندانِ رسولؐ کی عید

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا بچپنا ہے۔ عید آنے کو ہے۔ اور ان اسخیائے عالم کے گھر میں نئے کپڑے کا کیا ذکر پرانے کپڑے بلکہ ان جوئیں تک نہیں ہے۔ بچوں نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں

مادرگرامی اطفال مدینہ عید کے دن زرق برق کپڑے پہن کر نکلیں گے اور ہمارے پاس بالکل لباس نو نہیں ہے۔ ہم کس طرح عید منائیں گے۔ ماں نے کہا بچو گھبراؤ نہیں، تمھارے کپڑے درزی لائے گا۔ عید کی رات آئی۔ بچوں نے ماں سے پھر کپڑوں کا تقاضا کیا۔ ماں نے وہی جواب دے کر نونہالوں کو خاموش کر دیا۔ ابھی صبح نہیں ہونے پائی تھی کہ ایک شخص نے دق الباب کیا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ فضہ دروازے پر گئیں۔ ایک شخص نے ایک بقچہ لباس دیا۔ فضہ نے سیدۂ عالم کی خدمت میں اسے پیش کیا۔ اب جو کھولا تو اس میں دو چھوٹے چھوٹے عمامے دو قبائیں دو عبائیں غرضیکہ تمام ضروری کپڑے موجود تھے۔ ماں کا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ تو سمجھ گئیں کہ یہ کپڑے جنت سے آئے ہیں لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا۔ بچوں کو جگایا کپڑے دیے۔ صبح ہوئی بچوں نے جب کپڑوں کے رنگ کی طرف توجہ کی تو کہا مادرگرامی یہ تو سفید کپڑے ہیں۔ اطفال مدینہ رنگین کپڑے پہنے ہوں گے۔ اماں جان ہمیں رنگین کپڑے چاہئیں۔ حضور انور کو اطلاع ملی، تشریف لائے۔ فرمایا گھبراؤ نہیں تمھارے کپڑے ابھی ابھی رنگین ہو جائیں گے۔ اتنے میں جبرئیل آفتابہ لیے ہوئے آپہنچے۔ انھوں نے پانی ڈالا محمد مصطفیٰ کے ارادے سے کپڑے سبز اور سرخ ہو گئے۔ سبز جوڑا حسن نے پہنا سرخ جوڑا حسین نے زیب تن کیا۔ ماں نے گلے لگایا۔ باپ نے بوسے دیے نانا نے اپنی پشت پر سوار کر کے مہار کے بدلے زلفیں ہاتھوں میں دے دیں اور کہا میرے نونہالو، رسالت کی باگ تمھارے ہاتھ میں ہے جدھر چاہو موڑو اور جہاں چاہو لے چلو (روضۃ الشہداء ص ۱۸۹ بحار الانوار) بعض علماء کا کہنا ہے کہ سرور کائنات بچوں کو پشت پر بٹھا کر دونوں ہاتھوں اور پیروں سے چلنے لگے اور بچوں کی فرمائش پر اونٹ کی آواز منہ سے نکالنے لگے۔ (کشف المحجوب)۔

گریۂ حسینؑ اور صدمۂ رسولؐ

امام شبلنجی اور علامہ بدخشی لکھتے ہیں کہ زید ابن زیاد کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت صلعم خانۂ عائشہ سے نکل کر کہیں جا رہے تھے راستہ میں فاطمہ زہرا کا گھر پڑا۔ اس گھر سے امام حسین کے رونے کی آواز برآمد ہوئی۔ آپ داخل ہو گئے اور فرمایا اے فاطمہ "الم تعلمی ان بکاءہ یؤذینی"۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ حسین کے رونے سے مجھے کس قدر تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے۔ (نور الابصار ص ۱۱۴ و مجمع الہیثمی جلد ۹ ص ۲۰۱ و ذخائر العقبیٰ ص ۱۴۳)۔ بعض علماء کا بیان ہے کہ ایک دن رسول خدا کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک مدرسہ کی طرف سے گزر ہوا۔ ایک بچہ کے رونے کی آواز گوش زد ہوئی جو حسین کی آواز سے بہت زیادہ مشابہ تھی۔ آپ داخل مدرسہ ہوئے اور اُستاد کو ہدایت کی کہ اس بچہ کو نہ مارا کرو۔ کیونکہ اس کی آواز میرے بچے حسینؑ کی آواز سے بہت مشابہ ہے۔

امام حسینؑ کی سرداری جنت

پیغمبر اسلام کی یہ حدیث مسلمات اور متواترات سے ہے کہ "الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ

حضرت عمر کا اعتراف شرفِ آلِ محمدؐ

عہدِ عمری میں اگرچہ پیغمبر اسلامؐ کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور لوگ محمد مصطفےٰؐ کی خدمت اور تعلیمات کو پسِ پشت ڈال چکے تھے۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی "حق بر زبان جاری" کے مطابق عوام ؔپی باتیں سُن سی لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر منبرِ رسولؐ پر خطبہ فرما رہے تھے ناگاہ حضرت امام حسینؑ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور حضرت عمر کی طرف مخاطب ہو کر بولے "انزل عن منبر ابی" میرے باپ کے منبر سے اُتر آیئے اور جایئے اپنے باپ کے منبر پہ بیٹھئے۔ آپ نے کہا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے۔ اس کے بعد منبر سے اُتر کر امام حسینؑ کو اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر پوچھا کہ صاحب زادے تمھیں یہ بات کس نے سکھائی ہے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے سے کہا ہے، مجھے کسی نے سکھایا نہیں۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، کبھی کبھی آیا کرو۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے۔ ایک دن آپ تشریف لے گئے تو حضرت عمر کو معاویہ سے تنہائی میں محوِ گفتگو پا کر واپس چلے گئے . . . جب اس کی اطلاع حضرت عمر کو ہوئی تو انھوں نے محسوس کیا اور راستے میں ایک دن ملاقات پر کہا کہ آپ واپس کیوں چلے آئے تھے۔ فرمایا کہ آپ محوِ گفتگو تھے۔ اس لیے میں عبداللہ (ابن عمر) کے ہمراہ واپس آیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ "فرزند رسولؐ! میرے بیٹے سے زیادہ تمھارا حق ہے" "فانما انت ماترى فى رؤسنا الله ثم انتم" اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میرا وجود تمھارے صدقہ میں ہے اور میرا رواں تمھارے طفیل اُگا ہے۔ (اصابہ ج ۲ صفحہ ۲۵ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۷ وازالۃ الخفا مقصد ۳ صفحہ ۲ و تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ ۔۔۔ جلد ۲ صفحہ ۱۵)

ابنِ عمر کا اعتراف شرفِ حسینی

ابن حریب راوی ہیں کہ ایک دن عبداللہ ابن عمر خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ابن عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ شخص یعنی امام حسینؑ اہلِ آسمان کے نزدیک تمام اہلِ زمین سے زیادہ محبوب ہے۔

امام حسینؑ کی رکاب ابنِ عباس کے ہاتھوں میں

کیبھر کاشانی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسین علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے۔ حضرت ابنِ عباس صحابی رسولؐ کی جو نظر آپ پر پڑی تو آپ نے دوڑ کر حضرت کی رکاب تھام لی اور امام حسینؑ کو سوار کر دیا۔ یہ دیکھ کر کسی نے کہا کہ اے ابنِ عباس تم تو امام حسینؑ سے عمر اور رشتے دونوں میں بڑے ہو، پھر تم نے امام حسینؑ کی رکاب کیوں تھامی۔ آپ نے غصہ میں فرمایا کہ اے کمبخت تجھے کیا معلوم کہ یہ کون ہیں اور ان کا شرف کیا ہے یہ فرزندِ رسولؐ ہیں انھیں کے صدقہ میں میں نعمتوں سے بھرپور اور بہرہ ور ہوں۔ اگر میں نے ان کی رکاب تھام لی تو کیا ہوا؟ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۱۲۵)

امام حسینؑ کی گرد قدم اور جناب ابوھریرہؓ

کون ہے جو جناب ابوہریرہؓ کے نام سے واقف نہ ہو آپ ہی وہ ہیں جن پر سابق کی حکومتوں کو بڑا اعتماد تھا اور آپ پر اعتماد کی حد یہ تھی کہ امیر معاویہ نے جب، امیر المومنین کے خلاف وضع احادیث کی سکیم مرتب کی تھی تو انھیں کو اس سکیم کی رُدرح رواں قرار دیا تھا۔ (میزان الکبریٰ امام شعرانی ص۱۲۱) آپ کو حضرت علیؑ سے عقیدت بھی تھی۔ آپ نماز علیؑ کے پیچھے پڑھتے تھے اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ عبادت کا لطف علیؑ کے ساتھ اور کھانے کا مزہ معاویہ کے ساتھ ہے۔

مورّخ طبری کا بیان ہے کہ ایک میّت میں امام حُسینؑ اور جناب ابوہریرہؓ نے شرکت کی اور دونوں حضرات ساتھ ہی چل رہے تھے راستے میں تھوڑی دیر کے لیے رُک گئے تو ابوہریرہ نے جھٹ رُومال نکال کر حضرت امام حُسینؑ کے پائے مُبارک اور آپ کی جُوتیوں سے گرد جھاڑنا شروع کر دیا۔ امام حُسینؑ نے فرمایا۔ اے ابوہریرہؓ تم یہ کیا کرتے ہو، میرے پیروں اور جُوتیوں سے گرد کیوں جھاڑنے لگے۔ آپ نے عرض کی۔ "دعنی منک فلو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی عواتقہم"۔

"مولا مجھے منع نہ کیجیے، آپ اسی قابل ہیں کہ میں آپ کی گردِ قدم صاف کروں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر لوگوں کو آپ کے وہ فضائل اور آپ کی وہ کرمت معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں تو یہ لوگ آپ کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے پھریں۔ (تاریخ طبری جلد ۲ ص۱۹ طبع مصر)

امام حسینؑ کا ذریت نبیؐ میں ہونا

حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ذریت نبی میں ہونے پر آیہ مباہلہ گواہ ہے، رسُولِ خدا نے "ابنا ئنا" کی تعمیل و تکمیل حسنین ہی سے کی تھی یہ ان کے فرزندانِ رسُول ہونے کی دلیل محکم ہے جس کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی کیا لیکن کور باطنی اور عصبیت کا کیا علاج ہے "عاصم بن بہدلہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ حجاج بن یوسف کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ امام حسینؑ علیہ السلام کا ذکر آگیا حجاج نے کہا کہ ان کا ذریت رسُول سے کوئی تعلق نہیں یہ سُنتے ہی "یحییٰ ابن یعمر نے کہا "کذبت ایھا الامیر" امیر یہ بات بالکل غلط اور جھوٹ ہے وہ یقیناً ذریت رسُول میں ہیں۔ یہ سُن کر اُس نے کہا کہ اِس کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کرو "اولاقتلنک قتلاً" ورنہ تمھیں بُری طرح قتل کردوں گا، یحییٰ نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے "ومن ذریتہ داؤد و سُلیمان . . . وزکریا و یحییٰ و عیسیٰ الخ۔ اِس آیت میں ذریت آدم میں حضرت عیسیٰ بھی بتائے گئے ہیں جو اپنی ماں کی طرف سے شامل ہُوئے ہیں، بس اسی طرح امام حُسینؑ بھی اپنی ماں کی طرف سے ذریت رسُول میں ہیں حجاج نے کہا یہ صحیح ہے لیکن مجمع میں تم نے میری تکذیب کی ہے لہٰذا تمھیں شہر بدر کیا جاتا ہے اِس کے بعد انھیں خراسان بھیج دیا۔ (مستدرک صحیحین جلد ۳ ص۱۶۴)۔

کرم حُسینی کی ایک مثال

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں زیر آیہ "علم آدم الاسماء کُلھا لکھتے ہیں کہ ایک اعرابی نے خدمت امام حسینؑ میں حاضر ہو کر کچھ مانگا اور کہا کہ میں نے آپ کے جد نامدار سے سُنا ہے کہ جب کچھ مانگنا ہو تو چار قسم کے لوگوں سے مانگو۔ (۱)

شریف عرب سے (۲) کریم حاکم ت (۳) حامل قرآن سے (۴) حسین شکل والے سے۔ میں آپ میں یہ جملہ صفات پاتا ہوں اس لیے مانگ رہا ہوں آپ شریف عرب ہیں آپ کے نانا عربی ہیں۔ آپ کریم ہیں۔ کیونکہ آپ کی سیرت ہی کرم ہے، قرآن پاک آپ کے گھر میں نازل ہوا ہے۔ آپ صبیح و حسین ہیں۔ رسولِ خدا کا ارشاد ہے کہ جو مجھے دیکھنا چاہے وہ حسن اور حسین کو دیکھے۔ لہٰذا عرض ہے کہ مجھے عطیہ سے سرفراز فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ جدِ نامدار نے فرمایا ہے کہ "المعروف بقدر المعرفۃ" معرفت کے مطابق عطیہ دینا چاہیئے، تو میرے سوالات کا جواب دے۔ بتا (۱) سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ اُس نے کہا اللہ پر ایمان لانا۔ (۲) ہلاکت سے نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ اُس نے کہا اللہ پر بھروسہ کرنا (۳) مرد کی زینت کیا ہے؟ کہا "علم معہ حلم" ایسا علم جس کے ساتھ حلم ہو، آپ نے فرمایا درست ہے۔ اس کے بعد آپ ہنس پڑے۔ ورمی بالصرۃ الیہ اور ایک بڑا کیسہ اس کے سامنے ڈال دیا۔ (فضائل الخمسۃ من الصحاح الستۃ جلد ۳ صفحہ ۲۶۸)۔

امام حسینؑ کی ایک کرامت

طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۰۱ میں ہے کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے مکہ جانے کے لیے نکلے تو راستے میں ابن مطیع مل گئے۔ وہ اُس وقت کنواں کھود رہے تھے۔ پوچھا مولا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا مکہ جا رہا ہوں۔ (شاید یہ میرا آخری سفر ہو) یہ سن کر انھوں نے عرض کی مولا اس سفر کو ملتوی کر دیجئے۔ فرمایا، ممکن نہیں ہے، پھر باتوں بات میں انھوں نے عرض کی کہ میں کنواں کھود رہا ہوں (اکثر ادھر پانی کھارا نکلتا ہے) آپ دعا کر دیجئے کہ پانی میٹھا ہو اور کثیر ہو، آپ نے تھوڑا پانی جو اُس وقت برآمد ہوا تھا طلب فرما کر چکھا اور اُس میں کلّی کر کے کہا کہ اسے کنوئیں میں ڈال دو۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا "فا عذب و امھی" اُس کا پانی شیریں اور کثیر ہو گیا۔

امام حسینؑ کی نصرت کیلئے رسولِ کریمؐ کا حکم

انس بن حارث کا بیان ہے جو کہ صحابی رسول اور اصحاب صفہ میں سے کہ میں نے دیکھا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک دن رسولِ خدا کی گود میں تھے اور وہ ان کو پیار کر رہے تھے۔ اسی دوران میں فرمایا، ان ابنی ھذا یقتل بارض یقال لھا کربلا فمن شھد ذالک منکم فلینصرہ" کہ میرا یہ فرزند "حسین" اس زمین پر قتل کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے۔ دیکھو تم میں سے اس وقت جو بھی موجود ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مدد کرے۔

راوی کا بیان ہے کہ اصل راوی اور چشم دید گواہ انس بن حارث جو کہ اُس وقت موجود تھے وہ امام حسینؑ کے ہمراہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۱ ص ۱۲۳ و ص ۳۴۹، اصابہ جلد ۱ ص ۶۸ کنز العمال جلد ۶ ص ۲۲۳، و ذخائر العقبیٰ محب طبری، ص ۱۴۶)۔

امام حسین علیہ السلام کی عبادت

علماء و مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام زبردست عبادت گذار تھے - آپ شب و روز میں بے شمار نمازیں پڑھتے اور انواع و اقسام عبادات سے سرفراز ہوتے تھے - آپ نے پچیس حج پاپیادہ کئے اور یہ تمام حج زمانہ قیام مدینہ منورہ میں فرمائے تھے، عراق میں قیام کے دوران آپ کو اموی ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے کسی حج کا موقع نہیں مل سکا - (اسدالغابہ جلد ۳ صـ ۲۷) -

امام حسینؑ کی سخاوت

مسند امام رضا صـ ۳۵ میں ہے کہ سخی دنیا کے لوگوں کے سردار اور متقی آخرت کے لوگوں کے سردار ہوتے ہیں - امام حسینؑ سخی ایسے تھے جن کی نظیر نہیں اور متقی ایسے تھے جن کی مثال نہیں، علماء کا بیان ہے کہ اسامہ ابن زید صحابی رسول علیل تھے - امام حسینؑ انھیں دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے محسوس کیا کہ وہ بے حد رنجیدہ ہیں - پوچھا، اے میرے نانا کے صحابی کیا بات ہے" واغماہ" کیوں کہتے ہو - عرض کی مولا، ساٹھ ہزار درہم کا قرضدار رہوں - آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں اسے میں ادا کروں گا - چنانچہ آپ نے اُن کی زندگی میں ہی انھیں قرضے کے بار سے سبکدوش فرما دیا - ایک دفعہ ایک دیہاتی شہر میں آیا اور اُس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں سب سے زیادہ سخی کون ہے - لوگوں نے امام حسینؑ کا نام لیا - اُس نے حاضر خدمت ہو کر بذریعہ اشعار سوال کیا، حضرت نے چار ہزار اشرفیاں عنایت فرما دیں - شعیب خزاعی کا کہنا ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد آپ کی پشت پر بار برداری کے گھٹے دیکھے گئے - جس کی وضاحت امام زین العابدین نے یہ فرمائی تھی کہ آپ اپنی پشت پر لاد کر اشرفیاں اور غلوں کے گٹھر بیواؤں اور یتیموں کے گھر رات کے وقت پہنچایا کرتے تھے - کتابوں میں ہے کہ آپ کے ایک غیر معصوم فرزند کو عبدالرحمن سلمی نے سورۂ حمد کی تعلیم دی، آپ نے ایک ہزار اشرفیاں اور ایک ہزار قیمتی خلعتیں عنایت فرمائیں - (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صـ ۲۷) امام شبلنجی اور علامہ محمد ابن طلحہ شافعی نے نورالابصار اور مطالب السؤل میں ایک اہم واقعہ آپ کی صفت سخاوت کے متعلق تحریر کیا ہے جسے ہم امام حسنؑ کے حال میں لکھ آئے ہیں کیونکہ اس واقعہ سخاوت میں وہ بھی شریک تھے

امام حسینؑ کا عمرو عاص کو جواب

ایک مرتبہ معاویہ، عمرو عاص اور حضرت امام حسین علیہ السلام ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے - عمرو عاص نے پوچھا کیا وجہ ہے کہ ہمارے اولاد زیادہ ہوتی ہے - اور آپ حضرات کے کم، حضرت نے اس کے جواب میں ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "کمزور اور ذلیل و حقیر چڑیوں کے بچے زیادہ اور شکاری پرندے باز اور شاہین وغیرہ کے بچے قدرتاً کم ہوتے ہیں - پھر عمرو عاص نے پوچھا کہ ہماری مونچھوں کے بال جلدی سفید ہو جاتے ہیں اور آپ کے دیر میں اس کی وجہ کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ تمھاری عورتیں گندہ

دہن ہوتی ہیں بوقت مقاربت ان کے بخارات سے تمہاری مونچھوں کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں کی ڈاڑھی گھنی نکلتی ہے اور ہماری گھنی نہیں نکلتی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب تو قرآن میں موجود ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک آیت پڑھی، جس کا ترجمہ یہ ہے "اچھی زمین سے اچھا سبزہ اُگتا ہے اور بُری اور خبیث زمین سے بُری پیداوار ہوتی ہے۔ (پ۸ رکوع ۱۴) اس کے بعد معاویہ نے عمرو عاص کو مزید سوال کرنے سے روک دیا، تب آپ نے عربی کے دو شعر پڑھے جس کا فارسی میں ترجمہ یہ ہے ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین است | مقتضائے طبیعتش این است [1]

حضرت عمر کی وصیت کہ سندِ غلامی اہلبیت کا نوشتہ میرے کفن میں رکھا جائے

علمائے اہلِ سنت کا بیان ہے کہ ایک دن منزل مناخرت میں عبداللہ بن عمر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے سامنے فخر و افتخار کی باتیں کرنے لگے۔ یہ سن کر امام حسنؑ نے فرمایا کہ تم تو ہمارے غلام زادے ہو اتنی بڑھ چڑھ کر کیا باتیں کر رہے ہو۔ اس پر عبداللہ بن عمر رنجیدہ ہو کر اپنے باپ کے پاس گئے اور امام حسن نے جو کچھ کہا تھا اُسے بیان کیا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا کہ بیٹا یہ بات اُن سے لکھوالو، اگر لکھ دیں تو میرے کفن میں رکھ دینا۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے لکھ دیا اور حضرت عمر نے وصیت کر دی کہ اسے ان کے کفن میں رکھا جائے۔ کیونکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی غلامی بخشش کا ذریعہ ہے۔

یہ روایت اس درجہ مشہور ہے کہ شعراء نے بھی اسے نظم کیا ہے میں اس مقام پر رہبر شریعت و طریقت حضرت فاضلِ مخدوم سید محمد ناصر جلالی مدظلہ العالی کی وہ نظم درج کرتا ہوں جو انھوں نے زیرِ عنوان "شانِ ادب" تحریر فرمائی ہے جسے حافظ شفیق احمد ناصری پاک بنگلہ جہانگیر روڈ کراچی ۵ نے رسالہ "خون کے آنسو" میں شائع کیا ہے اگرچہ اس کے بعض مندرجات سے مجھے اتفاق نہیں ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

ایک دن ابن عمرؓ سے یہ حسنؑ کہنے لگے | جانتے ہو میرے نانا تھے شہنشاہِ زمن
ہمسری کا ہے اگر مجھ سے تمھیں کچھ دعوٰے | صاف کہتا ہوں کہ یہ امر نہیں مستحسن
جانتا ہوں میں تمھیں تم ہو غلام ابن غلام | میرے رتبے سے خبردار ہے ہر اہلِ وطن

سُن کے یہ بات ہوئے ابن عمر سخت ملول | زردی رُخ سے عیاں ہو گئی دل کی اُلجھن
دیر تک پہلے تو خاموش رہے حیرت سے | پھر کہا فرطِ خجالت سے جھکا کر گردن
آپ اپنی زباں سے جسے کہتے ہیں غلام | ہے وہ فرزندِ عمرؓ، کون عمرؓ؟ فخرِ زمن
آج ہیں اہلِ عرب ان ہی کی سرداری میں | آج ہیں تختِ خلافت پہ یہی جلوہ فگن

[1] (مناقب جلد ۴ صفحہ ۷ و بحار جلد ۱ صفحہ ۱۴۵)

نام سے ان کے لرز جاتے ہیں دل شاہوں کے　　کام سے ان کے ہے ایوانِ عرب رشکِ چمن

میری توقیر و شرافت کی ہے دنیا قائل　　میری آزادی عظمت ہے جہاں پر روشن
پھر غلام ابنِ غلام آپ مجھے کہتے ہیں　　غور کیجے ہے یہی عہد وفا رسم کہن
جا کے دربارِ خلافت میں کروں گا فریاد　　ہے کلام آپ کا دراصل بہت صبر شکن

آئے اس حال میں نزدیک عمرؓ ابن عمر　　اشک آنکھوں میں الم دل میں لبوں پر شیون
دادخواہانہ طریقے سے یہ پھر عرض کیا　　دیکھ لیجے مجھے اس طرح سے کہتے ہیں حسنؑ

ماجرا سن کے یہ بیٹے سے عمرؓ کہنے لگے　　سچ ترے ساتھ حسنؑ کا ہے یہی طرزِ سخن
یوں تری بات کا کب دل کو یقیں آتا ہے　　ہاں اگر شاہِ حسنؑ لکھ دیں یہ باتیں من و عن

آئے پھر پیش حسنؑ ابنِ عمر اور کہا　　ہے خلیفہ کا یہ فرمان با آدابِ حسنؑ
آپ لکھ دیجئے کاغذ پہ مناسب ہے یہی　　صاف وہ بات کہ جس سے ہوئی مجھے رنج و محن

سن کے ارشاد کیا شاہِ حسنؑ نے کہ سنو　　مجھ کو ڈر ہے نہ کسی کا نہ کسی سے ہے جلن
لاؤ کاغذ کہ ابھی تم کو نوشتہ دے دوں　　کذب کے کانٹوں میں الجھا نہیں میرا دامن
ہیں عمرؓ میرے غلام اور مرے نانا کے　　ایک کاغذ پہ دیا لکھ کے یہ بے حیلہ و فن

لائے قرطاسِ حسنؑ پیش عمرؓ، ابن عمرؓ　　غصہ کے جوش میں کرتے تھے سب اعضا سن سن
سر میں سودا تھا کہ اب ہو گی حسنؑ کو تعزیر　　وہم تھا ہوں گے گرفتار حسنؑ کے دشمن
اور تھا حال عمرؓ یہ کہ پڑھا جب کاغذ　　بل نہ ابرو پہ پڑے آئی جبیں پہ نہ شکن
جھوم کر فرطِ مسرت سے یہ ارشاد کیا　　بارِ احسانِ حسنؑ سے نہیں اٹھتی گردن
دستِ اقدس سے دیا لکھ کے غلامی نامہ　　مری امید کے کانٹوں کو بنایا گلشن
مل گئی احمدِ مرسلؐ سے غلامی کی سند　　ہو گیا پُر درِ مقصود سے میرا دامن
دین و دنیا میں مرے واسطے ہے باعثِ فخر　　اسے رکھنا (یہ وصیت ہے) مرے زیرِ کفن

امام حسینؑ کی مناجات اور خدا کی طرف سے جواب

علامہ ابنِ شہر آشوب اور علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک رات کو جناب خدیجہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ انس ابن مالک صحابی رسول بھی تھے۔ آپ نے مزارِ خدیجہؓ پر نمازیں پڑھیں اور آپ بارگاہِ خداوندی میں محوِ مناجات

ہوگئے، مناجات میں آپ نے چھ اشعار پڑھے جن میں پہلا شعر یہ ہے۔

یارب یارب انت مولاہ — فارحم عبیداً الیک ملجاہ

(ترجمہ) اے میرے رب، اے میرے رب! تو ہی میرا مولا اور آقا ہے، اے مالک تو اپنے ایسے بندہ پر رحم فرما جس کی بازگشت صرف تیری ہی طرف ہے۔ ابھی آپ کی مناجات تمام ہونے نہ پائی تھی کہ ہاتف غیبی کی منظوم آواز آئی جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

لبیک عبدی وانت فی کنفی — وکلما قلت قد علمناہ

(ترجمہ) اے میرے بندے میں تیری سننے کے لیے موجود ہوں اور تو میری بارگاہ میں آیا ہوا ہے، تو نے جو کچھ کہا ہے میں نے اچھی طرح سے سن لیا ہے، مناقب جلد ۴ ص۷۰ و بحار جلد ۱ ص۱۴۴)۔

جنگِ صفین میں امام حسینؑ کی جدوجہد

اگرچہ مورخین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ امام حسین عہد امیر المومنین کے ہر معرکہ میں موجود رہے۔ لیکن محض اس خیال سے کہ یہ رسول اکرمؐ کی خاص امانت ہیں۔ انھیں کسی جنگ میں لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ (انوار الحسینیہ ص۴۴) لیکن علامہ شیخ مہدی مازندرانی کی تحقیق کے مطابق آپ نے بندش آب توڑنے کے لیے مقام صفین میں نبرد آزمائی فرمائی تھی۔ (شجرۂ طوبیٰ طبع نجف اشرف ۱۳۵۴ھ و بحار الانوار جلد ۱۰ ص۲۵۷ طبع ایران) علامہ باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر امام حسین کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے۔ (کبریت الاحمر ص۲۵ و ذکر العباس ص۲۶)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام گرداب مصائب میں

واقعۂ کربلا کا آغاز

حضرت امام حسین علیہ السلام جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی زندگی کے آخری لمحات سے لے کر امام حسن کی حیات کے آخری ایام تک بحرِ مصائب و آلام کے ساحل سے کھیلتے ہوئے زندگی کے اس عہد میں داخل ہوئے جس کے بعد آپ کے علاوہ پنجتن میں کوئی باقی نہ رہا تو آپ کا سفینۂ حیات خود گردابِ مصائب میں آگیا۔ امام حسن کی شہادت کے بعد سے معاویہ کی تمام تر جدوجہد یہی رہی کہ کسی طرح امام حسین کا چراغ زندگی بھی اسی طرح گل کردے۔ جس طرح حضرت علی اور امام حسن کی شمع حیات بجھا چکا ہے اور اس کے لیے وہ ہر قسم کا داؤں کرتا رہا اور اس سے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یزید کی خلافت کے منصوبہ کو پروان چڑھائے۔ بالآخر اس نے ۵۶ھ میں ایک ہزار کی جمعیت سمیت یزید کے لیے بیعت لینے کی غرض سے حجاز کا سفر اختیار کیا اور مدینہ منورہ پہنچا۔ وہاں امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی اس نے بیعت یزید کا ذکر کیا۔ آپ نے صاف لفظوں میں اس

کی بدکرداری کا حوالہ دے کر انکار کر دیا۔ معاویہ کو آپ کا اِنکار کھلا تو بہت زیادہ لیکن چند اُلٹے سیدھے الفاظ کہنے کے سوا اور کچھ کر نہ سکا۔ اِس کے بعد مدینہ اور پھر مکّہ میں بیعت یزید لیکر شام کو واپس چلا گیا۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے جب مدینہ میں بیعت کا سوال اُٹھایا تو حسین بن علی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر نے بیعت یزید سے انکار کر دیا۔ اس نے بڑی کوشش کی۔ لیکن یہ لوگ نہ مانے اور رفع فتنہ کے لیے امام حسینؑ کے علاوہ سب مدینہ سے چلے گئے۔ معاویہ ان کے پیچھے مکّہ پہنچا اور وہاں ان پر دباؤ ڈالا۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار شام واپس چلا گیا۔ (روضۃ الشہداء صـ۲۴۳) معاویہ بڑی تیزی کے ساتھ بیعت یزید لیتا رہا اور بقول علامہ ابن قتیبہ اس سلسلہ میں اُس نے ٹکوں میں لوگوں کے دین بھی خرید لیے۔

الغرض رجب سنہ ۶۰ ہجری میں معاویہ رخت سفر باندھ کر دُنیا سے چل بسا۔ یزید، جو اپنے باپ کے مشن کو کامیاب کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ سب سے پہلے مدینہ کی طرف متوجہ ہوگیا اور اس نے وہاں کے والی ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسین، عبدالرحمٰن ابن ابی بکر، عبداللہ ابن عمر اور ابنِ زبیر سے میری بیعت لے لے۔ اور اگر یہ اِنکار کریں تو ان کے سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دے۔ ابن عقبہ نے مروان سے مشورہ کیا اس نے کہا کہ سب بیعت کرلیں گے۔ لیکن امام حسین ہرگز بیعت نہ کریں گے اور تجھے ان کے ساتھ پوری سختی کا برتاؤ کرنا پڑے گا۔

صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ ولید نے ایک شخص (عبداللہ ابن عمر بن عثمان) کو امام حسین اور ابنِ زبیر کو بُلانے کے لیے بھیجا۔ قاصد جس وقت پہنچا دونوں مسجد میں محوِ گفتگو تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم چلو ہم آتے ہیں۔ قاصد واپس چلا گیا اور یہ دونوں آپس میں بُلانے کے سبب پر تبادلہ خیالات کرنے لگے۔ امام حسین نے فرمایا کہ میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے جس سے میں سمجھتا ہوں کہ معاویہ نے انتقال کیا اور یہ ہمیں بیعت یزید کے لیے بُلا رہا ہے۔ ابھی یہ حضرات جانے نہ پائے تھے کہ قاصد پھر آگیا اور اس نے کہا کہ ولید آپ حضرات کے انتظار میں ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ جلدی کیا ہے جا کر کہہ دے کہ ہم تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔ اس کے بعد امام حسین دولت سرا میں تشریف لائے اور ۳۰ بہادروں کو ہمراہ لے کر ولید سے ملنے کا قصد فرمایا آپ داخلِ دربار ہوگئے اور بہادرانِ بنی ہاشم بیرون خانہ درباری حالات کا مطالعہ کرتے رہے۔ ولید نے امام حسین کی مکمل تعظیم کی اور خبر مرگ معاویہ سُنانے کے بعد بیعت کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مسئلہ سوچ بچار کا ہے تم لوگوں کو جمع کرو اور مجھے بھی بُلالو میں "علی رؤس الاشہاد" یعنی عام مجمع میں اظہارِ خیال کروں گا۔ ولید نے کہا بہتر ہے، پھر کل تشریف لائیے گا۔ ابھی آپ جواب نہ دینے پائے تھے کہ مروان بول اُٹھا۔ اے ولید اگر حسینؑ اِس وقت تیرے قبضہ سے نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے ان کو اسی وقت مجبور کردے اور ابھی ابھی بیعت لے لے اور اگر یہ انکار کریں تو حکم یزید کے مطابق سر تن سے اُتار

لے یہ سُننا تھا کہ امام حسینؑ کو جلال آگیا۔ آپ نے فرمایا "یا ابن الزرقا" کس میں دم ہے کہ حسینؑ کو ہاتھ لگا سکے، تجھے نہیں معلوم کہ ہم آلِ محمدؐ ہیں فرشتے ہمارے گھروں میں آتے رہتے ہیں ہمیں کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ ہم یزید جیسے فاسق و فاجر اور شرابی کی بیعت کر لیں۔ امام حسینؑ کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ بہادران بنی ہاشم داخلِ دربار ہو گئے اور قریب تھا کہ زبردست ہنگامہ برپا کر دیں لیکن امام حسینؑ نے انھیں سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا۔ اس کے بعد امام حسینؑ واپس دولت سرا تشریف لے گئے۔ ولید نے سارا واقعہ یزید کو لکھ کر بھیج دیا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ اس خط کے جواب میں امام حسینؑ کا سر بھیج دو۔ ولید نے یزید کا خط امام حسینؑ کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ فرزندِ رسولؐ، میں یزید کے کہنے پر کسی صورت سے عمل نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو باخبر کرتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ یزید آپ کے خون بہانے کے درپے ہے۔ امام حسینؑ نے صبر کے ساتھ حالات پر غور کیا اور نانا کے روضہ پر جا کر دردِ دل بیان فرمایا اور بے انتہا روئے صبح صادق کے قریب مکان واپس آئے۔ دوسری رات کو پھر روضۂ رسولؐ پر تشریف لے گئے اور مناجات کے بعد روتے روتے سو گئے۔ خواب میں آنحضرتؐ کو دیکھا کہ آپ حسینؑ کی پیشانی کا بوسہ لے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے نورِ نظر عنقریب اُمت تمھیں شہید کر دے گی۔ بیٹا تم بھوکے اور پیاسے ہو گے۔ تم فریاد کرتے ہو گے اور کوئی تمھاری فریاد رسی نہ کرے گا۔ امام حسینؑ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ دولت سرا واپس تشریف لائے اور اپنے اعزا کو جمع کر کے فرمانے لگے کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ میں مدینہ کو چھوڑ دوں۔ ترکِ وطن کا فیصلہ کرنے کے بعد روضہ امام حسنؑ اور مزار جنابِ سیدہ پر تشریف لے گئے۔ بھائی سے رخصت ہوئے ماں کو سلام کیا۔ قبر سے جواب سلام آیا۔ نانا کے روضہ پر رخصت آخری کے لیے تشریف لے گئے روتے روتے سو گئے سرورِ کائناتؐ نے خواب میں صبر کی تلقین کی اور فرمایا بیٹا ہم تمھارے انتظار میں ہیں

علماء کا بیان ہے کہ امام حسینؑ ۲۸ رجب ۶۰ ہجری یوم سہ شنبہ کو مدینہ منورہ سے بارادہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ "نفر لمکتہ خوفاً علیٰ نفسہ"۔ امام حسینؑ جان کے خوف سے مکہ کو تشریف لے گئے۔ (صواعق محرقہ ص۴۷) آپ کے ساتھ تمام مخدرات عصمت و طہارت اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ البتہ آپ کی ایک صاحبزادی جن کا نام فاطمہ صغریٰ تھا اور جن کی عمر اُس وقت ۷ سال تھی بوجہ علالت شدیدہ ہمراہ نہ جا سکیں۔ امام حسینؑ نے آپ کی تیمارداری کے لیے حضرت عباسؑ کی ماں جنابِ ام البنین کو مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا اور کچھ فریضۂ خدمت ام المومنین جنابِ اُمِ سلمہ کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ ۳ شعبان ۶۰ھ یوم جمعہ کو مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ آپ کے پہنچتے ہی والیٔ مکہ سعید ابن عاص مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلا گیا اور وہاں سے یزید کو مکہ کے تمام حالات لکھے۔ اور بتایا کہ لوگوں کا رجحان امام حسینؑ کی طرف اس تیزی سے بڑھ رہا ہے جس کا جواب نہیں۔ یزید

لے یہ خبر پاتے ہی مکہ میں قتلِ حسینؑ کی سازش پر غور کرنا شروع کر دیا۔

امام حسینؑ کو مکۂ معظمہ میں چار ماہ شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ مقیم رہے۔ یزید جو بہرصورت امام حسینؑ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حسینؑ اگر مدینہ سے بچ کر نکل گئے ہیں تو مکہ میں قتل ہو جائیں اور اگر مکہ سے بچ نکلیں تو کوفہ پہنچ کر شہید ہو سکیں۔ یہ انتظام کیا کہ کوفے سے ۱۲ ہزار خطوط دوران قیام مکہ میں بھجوائے۔ کیونکہ دشمنوں کو یہ یقین تھا کہ حسینؑ کوفہ میں آسانی سے قتل کئے جا سکیں گے۔ نہ یہاں کے باشندوں میں عقیدہ کا سوال ہے اور نہ عقیدت کا۔ یہ فوجی لوگ ہیں ان کی عقلیں بھی موٹی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت حسینؑ سے قبل جب تک جتنے افسر بھیجے گئے وہ محض اس غرض سے بھیجے جاتے رہے کہ حسینؑ کو گرفتار کر کے کوفہ لے جائیں۔ (کشف الغمہ ص۶۸)۔ اور ایک عظیم لشکر مکہ میں شہید کئے جانے کے لیے ارسال کیا اور ۳۰ خارجیوں کو حاجیوں کے لباس میں خاص طور پر بھجوا دیا جس کا قائد عمر ابن سعد تھا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۱ منتخب طریحی خلاصۃ المصائب ص۱۵ ذکر العباس ص۱۲۲) عبدالحمید خان ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں کہ "اس کے علاوہ ایک سازش یہ بھی کی گئی کہ ایامِ حج میں تین سو شامیوں کو بھیج دیا گیا کہ وہ گروہ حجاج میں شامل ہو جائیں اور جہاں جس حال میں بھی حضرت امام حسینؑ کو پائیں قتل کر ڈالیں۔ (شہید اعظم ص۱۷) خطوط جو کوفہ سے آئے تھے انھیں شرعی رنگ دیا گیا تھا۔ اور وہ ایسے لوگوں کے نام سے بھیجے گئے تھے۔ جن سے امام حسینؑ متعارف تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا کہنا ہے کہ یہ خطوط من کل طائفۃ وجماعۃ ہر طائفہ اور جماعت کی طرف سے بھجوائے گئے تھے۔ (سر الشہادتین ص۲) علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ خطوط بھیجنے والے عام اہل کوفہ تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۱۷) ابن جریر کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں کوفہ میں ایک دو کے علاوہ کوئی شیعہ نہ تھا (طبری) حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تفحص حالات کی خاطر جناب مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کر دیا۔

حضرت مسلم ابن عقیل

حضرت مسلم حکم امام پاتے ہی رُو براہ سفر ہو گئے، شہر سے باہر نکلتے ہی آپ نے دیکھا کہ ایک صیاد نے ایک آہو شکار کیا ہے اور اُسے چھری سے ذبح کر ڈالا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس واقعہ کو امام حسینؑ سے بیان کر دوں تو بہتر ہوگا۔ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتایا۔ آپ نے دُعائے کامیابی دی اور روانگی میں عجلت کی طرف اشارہ کیا۔ جناب مسلم امام حسینؑ کے ہاتھوں اور پیروں کا بوسہ دے کر با چشمِ گریاں مکہ سے روانہ ہو گئے۔ مسلم ابن عقیل کے دو بیٹے تھے۔ محمد اور ابراہیم، ایک کی عمر ۷ سال اور دوسرے کی عمر ۸ سال تھی۔ یہ دونوں بیٹے بروایتے مدینہ منورہ میں تھے۔ حضرت مسلم مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر روضۂ رسول صلعم میں نماز ادا کی اور زیارت وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے اپنے گھر وارد ہوئے۔ رات گزری، صبح کے وقت اپنے بچوں کو لے کر دو راہبر سمیت جنگل کے راستہ سے کوفہ روانہ

ہوئے ۔ راستہ میں شدتِ عطش کی وجہ سے وکیل انتقال کر گئے ۔ آپ بہزار وقت کوفہ پہنچے اور وہاں جنابِ مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے مکان پر قیام فرما ہوئے ۔ چند دنوں میں ۱۸ ہزار کوفیوں نے آپ کی بیعت کر لی ۔ اس کے بعد بیعت کنندگان کی تعداد ۳۰ ہزار ہوگئی ۔ اسی کے دوران یزید نے عبید اللہ ابن زیاد کو بصرہ لکھا کہ کوفہ میں امام حسینؑ کا ایک بھائی مسلم ابن عقیل نامی پہنچ گیا ہے تو جلد سے جلد وہاں پہنچ کر نعمان ابن بشیر سے حکومتِ کوفہ کا چارج لے لے اور مسلم کا سر میرے پاس بھیج دے ۔ ابن زیاد پہلی فرصت میں کوفہ پہنچ گیا ۔ اس کے داخلہ کے وقت ایسی شکل بنائی کہ لوگ سمجھے کہ امام حسینؑ آگئے ہیں لیکن مسلم ابن عمر باہلی نے پکار کر کہا کہ یہ ابن زیاد ہے ۔

حضرت مسلم بن عقیل کو جب ابن زیاد کی رسیدگی کوفہ کی اطلاع ملی تو آپ خانۂ مختار سے منتقل ہو کر ہانی ابن عروہ کے مکان میں چلے گئے ۔ ابن زیاد نے معقل نامی غلام کے ذریعہ سے جناب مسلم کی قیامگاہ کا پتہ لگا لیا ۔ اسے جب یہ معلوم ہوا کہ مسلم ہانی بن عروہ کے مکان میں ہیں ۔ تو ہانی کو بلوا بھیجا اور پوچھا کہ تم نے مسلم بن عقیل کی حمایت کا بیڑا اٹھایا ہے ، اور وہ تمہارے گھر میں ہیں جناب ہانی نے پہلے تو انکار کر دیا ۔ لیکن جب معقل جاسوس سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے امیر ہم مسلم کو اپنے گھر میں بلا کر نہیں لائے بلکہ وہ خود آگئے ہیں ۔ ابن زیاد نے کہا کہ اچھا جو صورت بھی ہو تم مسلم کو ہمارے حوالہ کر دو ۔ جناب ہانی نے جواب دیا کہ یہ بالکل ناممکن ہے ۔ یہ سُن کر ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو قید کر دیا جائے ۔ چنانچہ ہانی قید کر دیے گئے ۔ پھر ان سے کہا گیا کہ مسلم ابن عقیل کو حاضر کر دو ۔ ورنہ تم قتل کر دیے جاؤ گے ۔ جناب ہانی نے فرمایا کہ میں ہر مصیبت کو برداشت کروں گا ۔ لیکن مہمان کو تمہارے سپرد ہرگز نہ کروں گا ۔ مختصر یہ کہ جناب ہانی جن کی عمر ۹۰ سال کی تھی کو کھمبے میں بندھوا کر پانچ سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ۔ جناب ہانی بے ہوش ہو گئے ۔ اس کے بعد ان کا سر کاٹ کر تن مبارک کو دار پر لٹکا دیا گیا ۔

حضرت مسلم کو جب جناب ہانی کی گرفتاری کا علم ہوا تو آپ اپنے ہوا خواہوں کو لے کر باہر نکل گئے ۔ دشمن سے گھمسان کی جنگ ہوئی ۔ لیکن کثیر ابن شہاب ، محمد ابن اشعث ، شمر ابن ذی الجوشن شیث ابن ربعی کے بہکانے اور خوف دلانے سے سب ڈر گئے ۔ یہاں تک کہ نماز مغربین میں آپ کے ہمراہ صرف ۳۰ آدمی تھے ، اور جب آپ نے نماز تمام کی تو کوئی بھی ساتھ نہ تھا ۔ آپ نے چاہا کہ کوفہ سے باہر جا کر کہیں رات گذاریں ۔ مگر محمد ابن کثیر نے کہا کہ کوفہ کے تمام راستے بند ہیں ۔ آپ میرے مکان میں جا ٹھہریئے ۔ ابن زیاد نے باپ اور بیٹے دونوں کو طلب کیا اور دربار میں نہایت سخت اور سُست کہا ۔ اُس وقت ہوا خواہان محمد ابن کثیر اور درباریوں میں سخت جنگ ہوئی ۔ بالآخر یہ باپ اور بیٹا دونوں شہید ہو گئے ۔

حضرت مسلم کو جب محمد کثیر کی شہادت کی اطلاع ملی تو وہ ان کے گھر سے باہر برآمد ہوئے مسلم یہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا راستہ مل جائے کہ میں کوفہ سے باہر چلا جاؤں اور اسی کی سعی بلیغ میں گھوڑے پر سوار ہو کر کوفہ کے ہر دروازہ پر گئے۔ لیکن کسی دروازہ سے راستہ نہ ملا کیونکہ ہر جگہ دو دو ہزار کا پہرہ تھا۔ ناگاہ صبح ہو گئی اور مسلم ناچار اپنا گھوڑا شارع عام پر چھوڑ کر ایک کوچہ میں گھس گئے اور وہاں کی ایک بوسیدہ مسجد میں چھپ رہے، ابن زیاد جسے یہ معلوم تھا کہ کوفہ ہی میں مسلم کہیں روپوش ہیں اُس نے منادی کرا دی کہ جو مسلم کو گرفتار کر کے لائے گا۔ یا ان کا سر دربار میں پہنچائے گا۔ اُسے کافی مال دیا جائے گا۔ حضرت مسلم نے دن مسجد میں گذارا اور رات کو مسجد سے نکل کھڑے ہوئے۔ جناب مسلم کی حالت بھوک اور پیاس سے ایسی ہو چکی تھی کہ راستہ چلنا دوبھر تھا۔ آپ اسی حالت میں ایک محلہ میں سرگرداں پھر رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک ضعیفہ پر پڑی۔ آپ اُس کے قریب گئے اور پانی مانگا۔ اُس نے پانی دے کر خواہش کی کہ جلدی اپنی راہ لگئے کیونکہ یہاں کی فضا بہت مکدر ہے، آپ نے فرمایا کہ اے "طوعہ" جس کا کوئی گھر نہ ہو وہ کہاں جائے۔ اُس نے پوچھا آپ کون ہیں۔ فرمایا محمد مصطفےٰ اور علی مرتضیٰ کا بھتیجا اور امام حسینؑ کا چچا زاد بھائی ہوں طوعہ نے اپنے گھر میں جگہ دی، آپ نے رات تو گذاری۔ لیکن صبح ہوتے ہی دشمن کا لشکر آ پہنچا کیونکہ پسر طوعہ نے ماں سے پوشیدہ ابن زیاد سے چغلخوری کر دی تھی۔ لشکر کا سردار محمد بن اشعث تھا جو امام حسنؑ کی قاتلہ جعدہ بنت اشعث کا حقیقی بھائی تھا۔ مسلم نے جب تین ہزار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی تو تلوار لے کر گھر سے باہر نکل پڑے اور سینکڑوں دشمنوں کو تہ تیغ کر دیا۔ بالآخر ابن اشعث نے اور فوج مانگی۔ ابن زیاد نے کہلا بھیجا کہ ایک شخص کے لیے تین ہزار کی فوج کیسے ناکافی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ شاید تو نے یہ سمجھا ہے کہ کسی بقال یا جولاہے سے لڑنے کے لیے بھیجا ہے۔ غرضکہ جب مسلم پر کسی طرح قابو نہ پایا جا سکا تو ایک خس پوش گڑھے میں آپ کو گرا دیا گیا پھر گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ انھیں کوٹھے سے زمین پر گرا کر ان کا سر کاٹ لیا جائے آپ نے چند وصیتیں کیں اور کوٹھے سے گرتے وقت السلام علیک یا ابا عبداللہ کہا اور نیچے تشریف لائے۔ آپ کا سر کاٹا گیا۔ علماء کا بیان ہے کہ آپ کا اور ہانی کا سر کاٹ کر دمشق بھیج دیا گیا۔ اور تن بازار قصابان میں دار پر لٹکا دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ دونوں کے پیروں میں رسی باندھ کر بازاروں میں پھرا رہے تھے کہ قبیلہ مذحج نے کافی جنگ و جدال کر کے لاشیں حاصل کر لیں اور دفن کر دیا۔ ملاحظہ ہو۔ (روضۃ الشہدا ص ۲۶۰ تا ص ۲۷۶ و کشف الغمہ ص ۶۸ و خلاصۃ المصائب ص ۴۶ آپ کی شہادت ۹ ذی الحجہ ۶۰ھ ہجری کو واقع ہوئی ہے۔ انوار المجالس باب ۹ مجلس ۲ طبع ایران)۔

محمدّ اور ابراہیم کی شہادت

مورخین کا بیان ہے کہ شہادتِ مسلم کے بعد لوگوں نے ابن زیاد کو جنابِ مسلم کے دونوں کم سن فرزندوں کے کوفہ میں موجود ہونے کی خبر دی جن کا نام محمد اور ابراہیم تھا۔ ابن زیاد نے ان کی گرفتاری کا حکم نافذ کر دیا۔ پسرانِ مسلم قاضی شریح کے گھر میں پوشیدہ تھے۔ سرکاری اعلان کے بعد قاضی نے بچوں سے کہا کہ ہماری اور تمھاری دونوں کی جان اب خطرے میں ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں کسی صورت سے مدینہ پہنچا دیا جائے۔ بچوں نے اُسے قبول کیا۔ قاضی نے اپنے بیٹے "اسد" کو حکم دیا کہ ان بچوں کو دروازہ عراقین کے باہر جو قافلہ عازمِ مدینہ ٹھہرا ہوا ہے، اس میں چھوڑ آ۔ اسد اُن بچوں کو لے کر جب رات کے وقت وہاں پہنچا تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ لیکن اس مقام سے نظر آ رہا تھا۔ اسد نے بچوں کو اُسی راہِ قافلہ پر لگا دیا اور گھر واپس آیا۔ کم سن بچے چند قدم چلے تھے کہ قافلہ نظروں سے غائب ہو گیا اور صبح کا تڑکا ہو گیا۔ بچے حیران و سرگردان پھر رہے تھے کہ ناگاہ سرکاری آدمیوں نے انھیں گرفتار کر لیا۔ اور ابنِ زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ اُس نے انھیں قید خانہ میں بند کر کے یزید کو بچوں کی گرفتاری کی اطلاع دے دی۔ قید خانہ کا دربان اتفاقاً محبِ آلِ محمدّ تھا۔ اُس نے رات کے وقت بچوں کو رہا کر دیا۔ اور راہِ قادسیہ پر لگا کر ایک انگشتری دی اور کہا کہ قادسیہ میں میرے بھائی سے ملنا اور اس انگشتری کے ذریعہ سے تعارف کے بعد اس سے کہنا کہ وہ تمھیں مدینہ پہنچا دے۔ بچے تو روانہ ہو گئے لیکن صبح ہوتے ہی دربان جس کا نام "مشکور" تھا قتل کر دیا گیا۔ اُس سے پوچھا گیا کہ تو نے پسرانِ مسلم کو کیوں چھوڑ دیا۔ اُس نے کہا کہ خوشنودیٔ خدا کے لیے۔ ابن زیاد نے پانچ سو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ مشکور کی شہادت کے بعد اسے عمر ابن الحارث نے دفن کر دیا۔

پسرانِ مسلم بن عقیل مشکور کی مہربانی سے رہا ہو کر بقصد قادسیہ جا رہے تھے کہ حدودِ کوفہ کے اندر ہی راستہ بھول گئے اور ساری رات چکر لگا کر صبح جو کی تو اپنے کو کوفہ ہی میں پایا۔ صبح ہو چکی تھی دشمن کے خطرے سے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ اتفاقاً اس جگہ ایک عورت پانی بھرنے آئی۔ اُس نے پانی میں بچے دیکھ کر پوچھا تم کون ہو۔ اُنھوں نے اطمینان کرنے کے بعد کہا ہم فرزندانِ مسلم ہیں۔ اُس عورت نے اپنی مالکہ کو خبر دی۔ وہ سر و پا برہنہ دوڑ کر آئی اور ان بچوں کو لے گئی اور اپنے مکان کے ایک گوشہ خالی میں انھیں ٹھہرا دیا۔ تھوڑی رات گزری تھی کہ اس مومنہ کا شوہر "حارث ابن عروۃ" سرگردان و پریشان داخلِ خانہ ہوا۔ مومنہ نے پوچھا کہ آج بڑی رات کر دی خیر تو ہے۔ اُس نے کہا کہ مشکور دربان نے پسرانِ مسلم کو قید سے رہا کر دیا ہے۔ جن کی تلاش کے لیے انعام و اکرام ابن زیاد کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔ میں بھی اب تک انھیں کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ حارث کھانا کھا کر بستر پر لیٹ گیا ابھی آنکھ نہ لگی تھی کہ وہ بچوں کی سانس کی آواز کو محسوس کر کے اٹھ کھڑا ہوا، بیوی سے پوچھا" یہ

کس کے سانس کی آواز آتی ہے۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ اُس تہ خانے کی طرف چلا جس میں نونہالانِ رسالتؐ جلوہ افروز تھے۔ اُس کی آہٹ پاکر ایک بھائی نے دُوسرے کو جگا کر کہا بھیّا! ابھی محمد مصطفٰےؐ، علی مرتضٰیؑ، فاطمہ زہراؑ، حسن مجتبےٰؑ اور امام حسینؑ اور میرے بابا خواب میں تشریف لائے تھے، اور انھوں نے فرمایا ہے کہ ہم تمہارے انتظار میں ہیں۔ اتنے میں حارث اندر داخل ہوگیا اور انھیں پکڑ کر کہا تم کون ہو؟ انھوں نے فرمایا۔ ہم تیرے نبی کی اولاد ہیں "ھربنامن السجن" قید خانہ سے بھاگ کر آئے ہیں اور تیرے گھر میں پناہ گیر ہیں۔ اس نے کہا تم قید سے بھاگ کر موت کے منہ میں آگئے ہو۔ اس کے بعد اُس نے ان یتیموں کے رخساروں پر اس زور سے طمانچے مارے کہ یہ مُنہ کے بل گر پڑے۔ پھر اُس نے ان کی مشکیں کس دیں اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا۔ یہ بے چارے ساری رات اپنی بے لبسی اور بے کسی پر روتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو انھیں برلبِ نہر قتل کرنے کے لیے لے چلا بیوی نے فریاد کی اُسے ایک تلوار ماری، غلام نے روکا اس کو قتل کر دیا۔ بیٹے نے منع کیا اسے بھی قتل کر دیا۔ الغرض نہرِ فرات پر لے جاکر قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ بچوں نے کہا اے شیخ (۱) ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے چل (۲) ہمیں بازار میں بیچ ڈال (۳) ہماری کم سنی پر رحم کر (۴) ہمیں دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے۔ اس نے کہا کہ قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ البتہ نماز اگر پڑھتے ہو پڑھ لو، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہے۔ الغرض بچوں نے وضو کیا اور دو دو رکعت نماز ادا کی اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھایا۔ اس ملعون نے بڑے بھائی کی گردن پر تلوار لگائی، سرِ مبارک دُور جاگرا چھوٹے بھائی نے دَوڑ کر سرِ مبارک اُٹھالیا اور بھائی کے خون میں لوٹنے لگا اس ظالم نے بڑے بھائی کی لاش پانی میں ڈال دی اور چھوٹے کا سر بھی کاٹ لیا۔ جب دونوں لاشیں پانی میں پہنچیں تو باہم بغل گیر ہو کر ڈُوب گئیں۔ راوی کا بیان ہے کہ حارث نے جس وقت ابن زیاد کے سامنے فرزندانِ مسلم کے سر پیش کیے "تام ثم قعد وفعل ذالک ثلاثاً" تو وہ تین مرتبہ اُٹھا اور بیٹھا۔ پھر حکم دیا کہ یہ سر اسی جگہ پانی میں ڈال دیے جائیں۔ جس جگہ ان کے تن ڈالے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک محب آلِ محمدؐ نے ان سروں کو فرات میں ڈال دیا۔ مروی ہے کہ سروں کے پانی میں پہنچتے ہی ڈُوبے ہوئے جسم سطحِ آب پر اُبھر آئے اور اپنے سروں سمیت تہ نشین ہوگئے۔ علامہ حسین واعظ کاشفی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو سرہائے فرزندانِ مسلم پانی میں ڈالنے کے لیے لایا تھا اس کا نام "مقاتل" تھا اُس نے دونوں سروں کو پانی میں ڈالنے کے بعد حارث ملعون کے مقتول غلام اور بیٹے کی لاشوں کو باب بنی خزیمہ میں دفن کر دیا۔ (روضۃ الشہداء از ص ۲۷۶ تا ص ۲۸۵ و خلاصۃ المصائب ص ۴۲۱) علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ جناب مسلم بن عقیل و ہانی ابن عروہ و محمد ابن کثیر اور فرزندانِ مسلم کو ٹھکانے لگانے کے بعد عمر ابن سعد اور ابن زیاد کے مابین حکومت رَے کا معاہدہ ہوگیا اور طے پایا کہ حُر ابن یزید ریاحی کو سب سے پہلے دو ہزار سوار

سمیت روانہ کر کے امام حسینؑ کو گرفتار کرایا جائے اور انھیں کوفہ لا کر قتل کر دیا جائے۔ (کشف الغمہ ص۶۸)

مکۂ معظمہ میں امام حسینؑ کی جان نہ بچ سکی

یہ واقعہ ہے کہ امام حسینؑ مدینہ منورہ سے اس لیے عازم مکہ ہوئے تھے کہ یہاں ان کی جان بچ جائے گی۔ لیکن آپ کی جان لینے پر ایسا سفاک دشمن تلا ہوا تھا جس نے مکۂ معظمہ اور کعبہ محترمہ میں بھی آپ کو محفوظ نہ رہنے دیا اور وہ وقت آ گیا کہ امام حسین مقام امن کو محل خوف سمجھ کر مکۂ معظمہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور مجبوری اس حد تک بڑھ گئی کہ آپ حج تک نہ کر سکے، یہ مسلمات سے ہے کہ شیاطین بنی امیہ کے تیس خونخوار حج کے لباس میں امام حسینؑ کے ساتھ ہو گئے اور قریب تھا کہ آپ کو عالم حج وطواف میں قتل کر دیں، امام حسینؑ کو جیسے ہی سازش کا پتہ لگا۔ آپ نے فوراً حج کو عمرۂ منفردہ سے بدلا اور ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو جناب مسلم کے خط پر بھروسہ کر کے عازم کوفہ ہو گئے۔ ابھی آپ روانہ نہ ہونے پائے تھے کہ اعزا و اقربا نے کمال ہمدردی کے ساتھ التوائے سفر کوفہ کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں چیونٹی کے بل میں بھی چھپ جاؤں تو بھی ضرور قتل کیا جاؤں گا۔ اور سنو میرے نانا نے فرمایا ہے کہ حرمت مکہ ایک دنبہ کے قتل سے برباد ہو گی۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ دنبہ میں ہی نہ قرار پاؤں۔ میری خواہش ہے کہ میں مکہ سے باہر جا ہے ایک ہی بالشت پر کیوں نہ ہو قتل کیا جاؤں۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۲۰) ینابیع المودۃ ص۳۳۷ صواعق محرقہ ص۱۱۷) یہ واقعہ ہے کہ یزید کا ارادہ بہرصورت امام حسین کو قتل کرنا اور استیصال بنی فاطمہ تھا۔ (کشف الغمہ ص۸۸) یہی وجہ ہے کہ جب امام حسینؑ کے مکۂ معظمہ سے روانہ ہونے کی اطلاع والیٔ مکہ عمر بن سعید کو ہوئی تو اس نے پوری طاقت سے آپ کو واپس لانے کی سعی کی اور اسی سلسلہ میں اس نے یحییٰ بن سعید ابن العاص کو ایک گروہ کے ساتھ آپ کو روکنے کے لیے بھیج دیا۔ "فقالوا لہ انصرف این تذھب" ان لوگوں نے آپ کو روکا اور کہا کہ آپ یہاں سے کہاں نکلے جا رہے ہیں۔ فوراً لوٹیے، آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو گا، یہ روکنا معمولی نہ تھا بلکہ ایسا تھا جس میں مار پیٹ کی بھی نوبت آئی۔ (دمعۂ ساکبہ ص۳۱۶) مقصد یہ ہے کہ والیٔ مکہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسینؑ اس کے حدود اقتدار سے نکل جائیں اور یزید کے منشا کو پورا نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کے پیش نظر والیٔ مدینہ کی برطرفی یا تعطل تھا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ حسین کے مدینہ سے سالم نکل آنے پر والیٔ مدینہ برطرف کر دیا گیا تھا۔

امام حسینؑ کی مکہ سے روانگی

الغرض امام حسین اپنے جملہ اعزا و اقربا اور انصار جان نثار کو ہمراہ لے کر جن کی تعداد بقول امام شبلنجی ۸۲ تھی مکہ سے روانہ ہو گئے۔ آپ جس وقت منزل صفاح پر پہنچے تو فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ وہ کوفے سے آ رہا

تھا۔ استفسار پر اُس نے بتایا کہ چاہے لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہوں۔ لیکن ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں۔ آپ نے اپنی روانگی کے وجوہ بیان فرمائے اور آپ وہاں سے آگے بڑھے پھر منزل حاجز کے ایک چشمہ پر اُترے۔ وہاں عبداللہ ابن مطیع سے مُلاقات ہوئی انھوں نے بھی کُوفیوں کی بے پروائی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد آپ منزل بطن الرمہ پہنچے اور وہاں سے منزل ذات العرق میں ڈیرہ ڈالا۔ وہاں ایک شخص بشیر ابن غالب سے مُلاقات ہُوئی۔ اس نے بھی کوفیوں کی غداری کا تذکرہ کیا۔ پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے۔ ایک مقام پر ایک خیمہ نصب دیکھا۔ پوچھا اس جگہ کون ٹھہرا ہے۔ معلوم ہوا کہ زہیر ابن القین۔ آپ نے اُنھیں بُلوا بھیجا۔ جب وہ آئے تو آپ نے اپنی حمایت کا ذکر کیا۔ انھوں نے قبول کر کے اپنی بیوی کو بردائتے اپنے بھائی کے ہمراہ گھر روانہ کر دیا اور خود امام حسینؑ کے ساتھ ہو گئے۔ پھر آپ وہاں سے روانہ ہو کر منزل "زبالہ" میں پہنچے وہاں آپ کو حضرت مسلم دہانی اور محمد بن کثیر اور عبداللہ بن یقطر جیسے دیروں کی شہادت کی خبر ملی آپ نے اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ راجِعُون فرمایا اور داخلِ خیمہ ہو کر حضرت مسلم کی بچیوں کو کمال محبت کے ساتھ پیار کیا اور بے انتہا روئے۔ اس کے بعد بقول علّامہ اربلی آپ نے بوقت شب ایک خطبہ دیا جس میں حالات کی وضاحت کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرا قتل یقینی ہے۔ میں تم لوگوں کی گردنوں سے طوقِ بیعت اتارے لیتا ہوں تمھارا جدھر جی چاہے چلے جاؤ۔ دُنیا دار تو واپس ہو گئے، لیکن سب دیندار ہم رکاب ہی رہے۔

پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزلِ قصر بنی مقاتل پر اُترے، وہاں پر عبداللہ ابن حُر جعفی سے مُلاقات ہوئی۔ آپ کے اصرار کے باوجود وہ بقول واعظ کاشفی آپ کے ہم رکاب نہ ہوا۔ پھر آپ منزلِ ثعلبیہ پر پہنچے، وہاں جناب زینب کی آغوش میں سر رکھ کے سو گئے۔ خواب میں رسُولِ خدا کو دیکھا کہ وہ بُلا رہے ہیں۔ آپ رو پڑے۔ اُمِّ کلثوم نے سببِ گریہ پوچھا آپ نے خواب کا حوالہ دیا اور خاندان کی تباہی کا تاثر ظاہر فرمایا۔ علی اکبر نے عرض کی بابا ہم حق پر ہیں ہمیں موت سے ڈر نہیں۔ اس کے بعد آپ نے منزلِ قطقطانیہ پر خطبہ دیا اور وہاں سے روانہ ہو کر قبیلہ بنی سکون میں ٹھہرے۔ آپ کی یہاں سکونت کی اطلاع ابن زیاد کو دی گئی۔ اس نے ایک ہزار یا دو ہزار کے لشکر سمیت حُر بن یزید ریاحی کو امام حسینؑ کی گرفتاری کے لیے روانہ کر دیا۔ امام حسین اپنی قیام گاہ سے نکل کر کوفہ کی طرف بدستور روانہ ہو گئے۔ راستے میں بنی عکرمہ کا ایک شخص ملا، اس نے کہا قادسیہ سے عذیب تک ساری زمین لشکر سے پٹی پڑی ہے۔ آپ نے اُسے دُعائے خیر دی اور خود آگے بڑھ کر "منزل شراف" پر قیام کیا۔ وہاں آپ نے محرم ۶۱ھ کا چاند دیکھا اور آپ رات گذار کر علی الصباح روانہ ہو گئے۔

حرؑ بن یزید ریاحی

صبح کا وقت گزرا دوپہر آئی، لشکرِ حسینی بادیہ پیمائی کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک صحابی حسین نے تکبیر کہی۔ لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے جواب

(ترجمہ از منتہی الآمال [illegible])

دیا کہ مجھے کوفہ کی سمت خرمے اور کیلے کے درخت جیسے نظر آرہے ہیں۔ یہ سن کر لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس جنگل میں درخت کہاں۔ اُس طرف غور سے دیکھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آئیں۔ امام نے فرمایا کہ دشمن آرہے ہیں لہٰذا منزل ذوحسم یا ذوخشب کی طرف مڑ چلو۔ لشکرِ حسینی نے رُخ بدلا اور لشکرِ حُر نے تیز رفتاری اختیار کی بالآخر سامنے آپہنچا اور بروایتے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عباس آگے بڑھے اور فرمایا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے "ماتریل" کیا چاہتا ہے۔ (ماتین ص۱۸۳) مورخین کا بیان ہے کہ چونکہ لشکرِ حُر پیاس سے بے چین تھا۔ اس لیے ساقیِ کوثر کے فرزند نے اپنے بہادروں کو حکم دیا کہ حُر کے سواروں اور سواری کے جانوروں کو اچھی طرح سیراب کر دو۔ چنانچہ اچھی طرح سیرابی کر دی گئی۔ اس کے بعد نمازِ ظہر کی اذان ہوئی حُر نے امام حسینؑ کی قیادت میں نماز ادا کی اور یہ بتایا کہ ہمیں آپ کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا ہے اور ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ ہم آپ کو ابنِ زیاد کے دربار میں حاضر کریں۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ میرے جیتے جی یہ ناممکن ہے کہ میں گرفتار ہو کر خاموشی کے ساتھ کوفہ میں قتل کر دیا جاؤں۔ پھر اُس نے تنہائی میں رائے دی کہ چپکے سے رات کے وقت کسی طرف نکل جائیے، آپ نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ایک راستے پر آپ چل پڑے۔ جب صبح ہوئی تو پھر حُر کو تعاقب کرتے دیکھا اور پوچھا کہ اب کیا بات ہے۔ اس نے کہا، مولا کسی جاسوس نے ابن زیاد سے غمازی کر دی ہے۔ چنانچہ اب اُس کا حکم یہ آگیا ہے کہ میں آپ کو بے آب و گیاہ جنگل میں روک لوں۔ گفتگو کے ساتھ ساتھ رفتار بھی جاری تھی کہ ناگاہ امام حسینؑ کے گھوڑے نے قدم روکے، آپ نے لوگوں سے پوچھا اس زمین کو کیا کہتے ہیں کہا گیا "کربلا"۔ آپ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ یہیں پہ ڈیرے ڈال دو۔ اور یہیں خیمے لگا دو کیونکہ قضائے الٰہی یہیں ہمارے گلے ملے گی۔ (نور الابصار ص۱۱۷ مطالب السؤل ص۲۵۷ طبری جلد۲ ص۳۰۷ کامل جلد۴ ص۲۶ ابوالفداء جلد۲ ص۲۰۱ ومعہ ساکبہ ص۳۳۰ اخبار الطوال ص۲۵۰ ابن الوردی جلد۱ ص۱۷۳ ناسخ جلد۶ ص۲۱۹ بحار الانوار جلد۱۰ ص۲۸۶)

کربلا میں ورود

۲ محرم الحرام ۶۱ھ یوم پنجشنبہ کو امام حسین علیہ السلام وارد کربلا ہو گئے۔ نور العین ص۴۶ حیواۃ الحیوان جلد۱ ص۵۰ مطالب السؤل ص۲۵۰ ارشاد مفید ومعہ ساکبہ ص۳۲۱، واعظ کاشفی اور علامہ اربلی کا بیان ہے کہ جیسے ہی امام حسینؑ نے زمین کربلا پر قدم رکھا زمین کربلا زرد ہو گئی اور ایک ایسا غبار اٹھا جس سے آپ کے چہرۂ مبارک پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اصحاب ڈر گئے اور جناب اُم کلثوم رونے لگیں۔ (کشف الغمہ ص۶۹ و روضۃ الشہداء ص۳۰۱)۔

صاحب مخزن البکا لکھتے ہیں کہ کربلا پر ورود کے فوراً بعد جناب اُم کلثوم نے امام حسینؑ سے

عرض کی، بھائی جان یہ کیسی زمین ہے کہ اس جگہ ہمارا دل دھل رہا ہے۔ امام حسین نے فرمایا بس یہ وہی مقام ہے جہاں بابا جان نے صفین کے سفر میں خواب دیکھا تھا۔ یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمارا خون بہے گا۔ کتاب مائتین میں ہے کہ اسی دن ایک صحابی نے ایک بیری کے درخت سے مسواک کے لیے شاخ کاٹی تو اُس سے خون تازہ جاری ہوگیا۔

امام حسینؑ کا خط اہل کوفہ کے نام

کربلا پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اتمام حجت کیلیے اہل کوفہ کے نام قیس ابن مسہر کے ذریعے سے ایک خط ارسال فرمایا جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تمھاری دعوت پر میں کربلا تک آگیا ہوں الخ۔ قیس خط لیے جارہے تھے کہ راستے میں گرفتار کر لیے گئے۔ اور انھیں ابن زیاد کے سامنے کوفے لے جاکر پیش کر دیا گیا۔ ابن زیاد نے خط مانگا قیس نے بروایتے چاک کر کے پھینک دیا اور بروایتے اس خط کو کھا لیا۔ ابن زیاد نے انھیں بضرب تازیانہ شہید کر دیا۔ (روضۃ الشہدا صا۳۰، کشف الغمہ ص۶۶)۔

عبیداللہ ابن زیاد کا خط امام حسینؑ کے نام

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کے کربلا پہنچنے کے بعد حُر نے ابن زیاد کو آپ کی رسیدگی کربلا کی خبر دی۔ اس نے امام حسینؑ کو فوراً ایک خط ارسال کیا۔ جس میں لکھا کہ مجھے یزید نے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے اس کے لیے بیعت لے لوں، یا آپ کو قتل کر دوں۔ امام حسینؑ نے اس خط کا جواب نہ دیا۔ "القاہ من یدیہ" اور اُسے زمین پر پھینک دیا۔ (مطالب السئول ص۲۵۷ و نورالابصار ص۱۱۷) اس کے بعد آپ نے محمد بن حنفیہ کو اپنے کربلا پہنچنے کی ایک خط کے ذریعہ سے اطلاع دی اور تحریر فرمایا کہ میں نے زندگی سے ہاتھ دھو لیا ہے اور عنقریب عروس موت سے ہم کنار ہو جاؤں گا۔ (جلاء العیون ص۱۹۶)۔

دوسری محرّم سے نویں محرّم تک کے مختصر واقعات

دوسری محرّم الحرام سنہ ۶۱ ہجری

کو آپ کا کربلا میں ورود ہوا۔ آپ نے اہل کوفہ کے نام خط لکھا۔ آپ کے نام ابن زیاد کا خط آیا، اسی تاریخ کو آپ کے حکم سے برلب فرات خیمے نصب کیے گئے۔ (کشف الغمہ ص۶۹ و شہید اعظم ص۱۱۱) حُر نے مزاحمت کی اور کہا کہ فرات سے دور خیمے نصب کیجیے۔ (نورالعین ص۴۶) عباس ابن علی کو غصہ آگیا (شہید اعظم جلد ۲ ص۳۷۱) امام حسینؑ نے غصہ کو فرو کیا۔ اور بقول علامہ اسفرائنی ۳ یا ۵ میل کے فاصلہ پر خیمے نصب کیے گئے (نورالعین ص۴۶) نصب خیام کے بعد ابھی آپ اس میں داخل نہ ہوئے تھے۔ کہ چند اشعار آپ کی زبان پر جاری ہوئے۔ جناب زینب نے جونہی اشعار کو سُنا اس درجہ روئیں

کر بے ہوش ہوگئیں۔ امام نے رُخسار پر پانی چھڑک کر باہوش کیا (لہوف صـ۱۰۶، اثارۃ الاحزان صـ۳۶)
پھر آلِ محمدؐ داخلِ خیمہ ہوئے۔ اِس کے بعد ساٹھ ہزار درہم پہ ۱۶ مربع میل زمین خرید کر چند شرائط کے ساتھ
انھیں کو ہبہ کر دی۔ (کشکول بہائی صـ۹۱ ذکر العباس صـ۱۴۴)۔

تیسری محرّم الحرام یوم جمعہ

کو عمر ابن سعد ۵، ۶ اور بقول علامہ اربلی ۲۲ ہزار سوار و پیادے لے کر کربلا پہنچا اور اُس نے امام حسینؑ سے تبادلہ
خیالات کی خواہش کی حضرت نے ارادۂ کوفہ کا سبب بیان فرمایا۔ اُس نے ابن زیاد کو گفتگو کی تفصیل
لکھ دی اور یہ بھی لکھا کہ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ اگر اب اہلِ کوفہ مجھے نہیں چاہتے تو میں واپس جانے
کو تیار ہوں۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد کے جواب میں لکھا کہ اب جب کہ ہم نے حسینؑ کو جنگل میں لے
لیا ہے تو وہ چھٹکارا چاہتے ہیں "لات حین مناص"۔ یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ان سے کہہ دو کہ یہ اپنے
تمام اعزا و اقربا سمیت بیعت یزید کریں یا قتل ہونے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ میں بیعت سے پہلے
ان کی کسی بات پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں (ناسخ و روضۃ الشہدا) اسی تیسری تاریخ کی
شام کو حبیب ابنِ مظاہر قبیلہ بنی اسد میں گئے اور ان میں سے ۹۰ جان باز امدادِ حسینی کے لیے تیار
کئے وہ انھیں لا رہے تھے کہ کسی نے ابن زیاد کو اطلاع کر دی۔ اُس نے ۴۰۰ سو کا لشکر بھیج کر اس
کمک کو رُکوا دیا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صـ۲۳۵)۔

چوتھی محرّم الحرام یوم شنبہ

کو ابنِ زیاد نے مسجد جامع میں ایک خُطبہ دیا جس میں اُس نے امام حسینؑ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور کہا کہ حکم یزید
سے تمھارے لیے خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے ہیں تم اس کے دُشمن حسینؑ سے لڑنے کے لیے آمادہ
ہو جاؤ۔ اِس کے کہنے سے بے شمار لوگ آمادۂ کربلا ہو گئے اور سب سے پہلے شمر نے روانگی کی درخواست کی
چنانچہ شمر کو چار ہزار، ابن رکاب کو دو ہزار، ابن نمیر کو چار ہزار، ابن رھینہ کو تین ہزار، ابن خرشہ کو
دو ہزار سوار دے کر روانہ کربلا کر دیا گیا۔ (دمعہ ساکبہ صـ۳۲۲)۔

پانچویں محرّم الحرام یوم یک شنبہ

کو شبث ابنِ ربعی کو چار ہزار، عروہ ابنِ قیس کو چار ہزار سنان ابن انس کو دس ہزار، محمد ابنِ اشعث کو
ایک ہزار۔ عبداللہ ابن حصین کو ایک ہزار کا لشکر دے کر روانہ کر دیا گیا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶
صـ۲۳۳ دمعہ ساکبہ صـ۳۲۲)۔

چھٹی محرم الحرام یوم دو شنبہ

کو خولی ابنِ یزید اصبحی کو دس ہزار کعب ابن الحر کو تین ہزار۔ حجاج ابنِ حُر کو ایک ہزار کا لشکر دے کر روانہ کر
دیا گیا۔ اِن کے علاوہ چھوٹے بڑے اور کئی لشکر ارسال کرنے کے بعد ابنِ زیاد نے عمر ابنِ سعد کو

لکھا کہ اب تک تجھے اسی ہزار کا کوفی لشکر بھیج چکا ہوں، ان میں حجازی اور شامی شامل نہیں ہیں تجھے چاہیئے کہ بلاحیلہ حوالہ حسین کو قتل کر دے۔ (ناسخ جلد ۶ ص۲۳۳ و معہ ساکبہ ص۳۲۲ جلاء العیون ص۱۹۷) اسی تاریخ کو تولی ابن یزید نے ابن زیاد کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں عمر ابن سعد کے لیے لکھا کہ یہ امام حسینؑ سے رات کو چھپ کر ملتا ہے۔ اور ان سے بات چیت کیا کرتا ہے۔ ابن زیاد نے اس خط کو پاتے ہی عمر سعد کے نام ایک خط لکھا کہ مجھے تیری تمام حرکتوں کی اطلاع ہے تو چھپ کر باتیں کرتا ہے۔ دیکھ میرا خط پاتے ہی امام حسینؑ پر پانی بند کر دے اور انھیں جلد سے جلد موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کر۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۳۶ اخبار الطوال ص۲۵۲ طبری جلد ا ص۲۱۲ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۱۷۵)۔

ساتویں محرّم الحرام یوم سہ شنبہ عمر ابن حجاج کو پانچ سو سواروں سمیت نہر فرات پر اس لیے مقرر کر دیا گیا کہ امام حسینؑ کے خیمہ تک پانی نہ پہنچنے پائے (تاریخ طبری جلد ا ص۳۱۳ و ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۳۷) پھر مزید احتیاط کے لیے چار ہزار کا لشکر دے کر حجر کو ایک ہزار کا لشکر دے کر شبث ابن ربعی کو روانہ کیا گیا۔ (مقتل ابی مخنف ص۳۲) اور پانی کی بندش کر دی گئی۔ پانی بند ہو جانے کے بعد عبداللہ ابن حصین نے نہایت کریہہ لفظوں میں طعنہ زنی کی (نور العین ص۳۱) جس سے امام حسینؑ کو سخت صدمہ پہنچا (تذکرہ ص۱۲۱) پھر ابن حوشب نے طعنہ زنی کی جس کا جواب حضرت عباس نے دیا۔ (الامامت والسیاست جلد ا ص۸) آپ نے غالباً طعنہ زنی کے جواب میں خیمہ سے ۱۹ قدم کے فاصلہ پر جانب قبلہ ایک ضرب تیشہ سے چشمہ جاری کر دیا۔ (مقتل عوالم ص۷۸ و اعثم کوفی ص۲۶۶) اور یہ بتا دیا کہ ہمارے لیے پانی کی کمی نہیں ہے لیکن ہم اس مقام پر معجزہ دکھانے نہیں آئے بلکہ امتحان دینے آئے ہیں۔

آٹھویں محرّم الحرام یوم چہار شنبہ کی شب کو خیمہ آل محمدؐ سے پانی بالکل غائب ہو گیا۔ پیاس کی شدت نے بچوں کو بے چین کر دیا ہے۔ امام حسینؑ نے حالات کو دیکھ کر حضرت عباس کو پانی لانے کا حکم دیا آپ چند سواروں کو لے کر تشریف لے گئے اور بڑی مشکلوں سے پانی لائے۔ ولذالک سمی العباس السقاء اسی سقائی کی وجہ سے عباس کو "سقا" کہا جاتا ہے۔ (اخبار الطوال ص۲۵۳ جلاء العیون ص۱۹۸ و معہ ساکبہ ص۳۲۳) رات گزرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو یزید ابن حصین صحرائی نے باجازت امام حسین، ابن سعد کو فہمائش کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں حسین کو پانی دے کر حکومت رے چھوڑ دوں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۳۸) امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ابن حصین اور ابن سعد کی گفتگو کے بعد امام حسین نے اپنے خیموں کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ (نور الابصار ص۱۱۷) اس کے بعد حضرت عباس کو حکم دیا کہ کنواں کھود کر

پانی برآمد کرو۔ آپ نے کنواں توکھودا لیکن پانی نہ نکلا۔ (مقتل ابی محنف ص۲۷)

نویں محرم الحرام یوم پنجشنبہ

کی شب کو امام حسین اور عمر بن سعد میں آخری گفتگو ہوئی۔ آپ کے ہمراہ حضرت عباس اور علی اکبر بھی تھے۔ آپ نے گفتگو میں ہر قسم کی حجت تمام کرلی۔ (دمعہ ساکبہ ص۳۲۳) نویں کی صبح کو آپ نے حضرت عباس کو پھر کنواں کھودنے کا حکم دیا لیکن پانی برآمد نہ ہُوا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۵) تھوڑی دیر کے بعد امام حسین نے بچوں کی حالت کے پیشِ نظر پھر عباس سے کنواں کھودنے کی فرمائش کی آپ نے سعئ بلیغ شروع کردی جب بچوں نے کنواں کھودتا ہوا دیکھا تو سب کُوزے لے کر آپہنچے۔ ابھی پانی نکلنے نہ پایا تھا کہ دشمنوں نے آکر اُسے بند کردیا۔ فهربت الاطفال الخیام دُشمنوں کو دیکھ کر بچے خیموں میں جا چھپے پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت عباس نے کنواں کھودا وہ بھی بند کردیا گیا حتی حفرا اربعًا۔ یہاں تک کہ چار کنویں کھودے اور پانی حاصل نہ کرسکے۔ بروایتے پانچویں مرتبہ پانی برآمد ہوا۔ سکینہ نے کوزہ بھرا اور دشمن کے خوف سے خیمہ کی طرف بھاگیں، طناب خیمہ میں پاؤں اُلجھے اور آپ گر پڑیں پانی جاتا رہا اور دشمن نے کنواں بند کردیا سکینہ پیاسی کی پیاسی ہی رہیں۔ (خلاصۃ المصائب ص۱۱۲ طبع نول کشور ص۱۸۷۶)

اس کے بعد امام حسین ایک ناقہ پر سوار ہوکر دشمن کے قریب گئے اور اپنا تعارف کرایا لیکن کچھ نہ بنا (کشف الغمہ ص۷۲) مؤرخین لکھتے ہیں کہ نویں تاریخ کو شمر کوفہ واپس گیا اور اس نے عمر ابن سعد کی شکایت کرکے ابن زیاد سے ایک سخت حکم حاصل کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حسین بیعت نہیں کرتے تو انھیں قتل کرکے ان کی لاش پر گھوڑے دوڑا دے اور اگر تجھ سے یہ نہ ہوسکے تو شمر کو چارج دے دے ہم نے اُسے حکم تعمیل حکم یزید دے دیا ہے۔ (روضۃ الشہداء ص۳۰۶ دمعہ ساکبہ ص۳۲۳) ابن زیاد کا حکم پاتے ہی ابن سعد تعمیل پر تیار ہوگیا۔ اسی نویں تاریخ کو شمر نے حضرت عباس اور ان کے بھائیوں کو امان کی پیش کش کی اُنھوں نے بڑی دلیری سے اُسے ٹھکرا دیا (جلاء العیون ص۱۹۸ طبری ص۲۳۷ جلد۶) تفصیل کے لیے مُلاحظہ ہو ذکر العباس از ص۱۷۶ تا ص۱۸۲ اسی نویں کی شام آنے سے پہلے شمر کی تحریک سے ابن سعد نے حملہ کا حکم دے دیا۔ امام حسینؑ خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو حضرت زینب پھر حضرت عباس نے دُشمن کے آنے کی اطلاع دی۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھ پر ابھی غنودگی طاری ہوگئی تھی میں نے آنحضرت کو خواب میں دیکھا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ انکَ تروح غدا حسینؑ تم کل میرے پاس پہنچ جاؤ گے (دمعہ ساکبہ ص۳۲۲) جناب زینب رونے لگیں اور امام حسینؑ نے حضرت عباس سے فرمایا کہ بھیا تم جاکر ان دُشمنوں سے ایک شب کی مہلت لے لو۔ حضرت عباس تشریف لے گئے اور لڑائی ایک شب کے لئے مُلتوی ہوگئی۔ (تاریخ اسلام ص۲۷۲ طبع گورکھپور ۱۹۳۱ء) جنگ کے التوا کی غرض کیا تھی۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو ذکر العباس ص۱۸۶۔

شبِ عاشور

نویں کا دن گذرا، عاشور کی رات آئی۔ التوائے جنگ کے بعد امام حسینؑ کو جس چیز کی زیادہ فکر تھی وہ یہ تھی کہ اپنے اصحاب کو موت سے بچالیں، آپ نے رات کے وقت اپنے اصحاب اور اعزا، کو جمع کرکے فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ تم سے بہتر اعزا، اور اصحاب کسی کو نصیب نہیں ہوئے لیکن دیکھو چونکہ یہ صرف مجھ ہی کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں تمھاری گردنوں سے طوق بیعت اتارے لیتا ہوں، تم رات کی تاریکی میں اپنی جان بچاکر نکل جاؤ۔ یہ سُننا تھا کہ حضرت عباس، فرزندان مسلم بن عقیل، مسلم ابن عوسجہ، زہیر ابن قین، سعد ابن عبداللہ یکے بعد دیگرے کھڑے ہوگئے، اور عرض کرنے لگے، مولا، آپ نے یہ کیا فرمایا۔ ” ارے لعنت ہے اس زندگی پر جو آپ کے بعد باقی رہے۔ (ابن الوردی جلد ا ص۱۷۳ ارشاد ص۲۹۷ ومعہ ساکبہ ص۳۲۴ جلا العیون ص۱۹۹ النسانیت موت کے دروازے پر ص۲۷) خطبہ کے بعد آپ نے حضرت عباس کو پانی لانے کا حکم دیا۔ آپ ۳۰ سواروں اور بیس پیادوں سمیت نہر پر تشریف لے گئے اور بڑی دیر جنگ کرنے کے باوجود پانی نہ لاسکے (تذکرہ خواص الامتہ ص۱۴۱) اس کے بعد امام حسین موقع جنگ دیکھنے کے لیے میدان کی طرف تشریف لے گئے واپسی میں خیمہ جناب زینب میں درود فرمایا۔ زینب نے پوچھا بھیا آپ نے اصحاب کا امتحان کر لیا ہے یا نہیں آپ نے اطمینان دلایا۔ پھر ہلال ابن نافع نے زینبؑ کو مطمئن کیا (دمعہ ساکبہ ص۳۲۵) زینب سے گفتگو کے بعد آپ نے پھر ایک خطبہ فرمایا اور اعزا و اصحاب سے مثل سابق کہا کہ یہ لوگ میری جان چاہتے ہیں تو لوگ اپنی جانیں نہ دو۔ یہ سن کر اصحاب و اعزا نے بڑا دلیرانہ جواب دیا۔ ناسخ جلد ۶ ص۲۲۷) اس کے بعد امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جنت دکھلادی۔ (وسائل مظفری ص۳۹۴)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے خیمے میں شدید اضطراب پیدا ہوگیا اور جناب زینب کے گرد ۲۰ لڑکے اور لڑکیاں جمع ہوکر فریاد کرنے لگیں (مائتین جلد ا ص۳۱۸) یہ حالت بریر ہمدانی کو معلوم ہوگئی۔ وہ چند ساتھیوں کو لے کر نہر پر پہنچے۔ زبردست جنگ ہوئی۔ حضرت عباس مدد کو بھیجے گئے۔ چند جاں باز کام آگئے۔ غالباً اسی موقع پر حضرت عباس کے ایک بھائی عباس الاصغر بھی شہید ہوئے ہیں (ناسخ جلد ۶ ص۲۸۹) الغرض بریر بہزار دقت و دشواری ایک مشک خیمہ تک لے ہی آئے بچے بے تابی کی وجہ سے اس مشک پر جاگرے۔ دہانہ کھل گیا۔ پانی بہہ گیا۔ بچوں اور عورتوں کے ساتھ بریر نے بھی منہ پیٹ لیا، اور انتہائی حسرت و افسوس کے ساتھ کہا۔ ہائے آلِ محمدؐ کی پیاس بجھ نہ سکی۔ (مائتین ج ا ص۳۱۶) علامہ کاشفی لکھتے ہیں کہ پانی کی جدوجہد کی ناکامی کے بعد امام حسینؑ نے حکم دیا کہ سب اپنے اپنے خیموں میں جاکر عبادت میں مشغول ہوجائیں۔ (روضۃ الشہداء ص۳۱۲)۔

مجاھدین کربلا کی آخری سحر

امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب و اعزا مشغول عبادت ہیں۔ سفیدہ سحری نمودار ہونے کو ہے زندگی کی آخری سحر طالع ہونے والی ہے۔ ناگاہ امام حسینؑ کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے کُتے آپ پر حملہ آور ہیں اور ان کتوں میں ایک ابلق مبروص کُتا ہے جو بہت ہی سختی کر رہا ہے۔ (دمعہ ساکبہ ص۳۲۶)۔ علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شمر نے شہید کیا ہے جو مبروص تھا (حیوۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۵۱) کاشفی کا بیان ہے کہ جب صبح کا ابتدائی حصہ ظاہر ہوگیا تو آسمان سے آواز آئی یا خیل اللہ ارکبی۔ اے اللہ کے بہادر سپاہیو! تیار ہو جاؤ۔ موقعہ امتحان اور وقت موت آرہا ہے۔ اس کے بعد صبح ہوگئی۔ (روضۃ الشہداء ص۳۱۲ مہیج الاحزان ص۱۰۲)۔

صبح عاشورا

طلوعِ صبح محشر تھی طلوعِ صبح عاشورا

۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری یوم جمعہ رات گذری، صبح کاذب کا ظہور ہوا تو یزیدی کاذبوں اور جھوٹوں نے اپنے لشکر کی ترتیب دے لی اور صبح صادق کا طلوع ہوا تو صادقین نے نمازِ صبح کا تہیہ کیا۔ حضرت علی اکبرؑ نے اذان کہی امام حسینؑ نے نماز جماعت پڑھائی۔ اللہ کے سچے بندے ابھی مصلے ہی پر تھے کہ ۸۰ ہزار کے لشکر میں حملہ آور ہونے کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ امام مصلے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے ۷۲ جانبازوں پر مشتمل لشکر کی جنگی تنظیم یوں فرمادی۔ میمنہ ۲۰ بہادر۔ میسرہ ۲۰ بہادر۔ بقیہ قلب لشکر میمنہ کے سردار۔ زہیر قین میسرہ کے، حبیب ابن مظاہر اور علمدار لشکر حضرت عباسؑ کو قرار دیا (جلاء العیون ص۲۰۱ الاخبار الطوال ص۲۰۳) اس کے بعد حضرت عباسؑ سے فرمایا کہ جنگ چھڑ ہی چاہتی ہے۔ بھیا ایک دفعہ پانی کی اور کوشش کرلو۔ اور سنو صرف اپنے بھائی بھتیجوں کو جمع کر کے کنواں کھودو، یعنی اصحاب کو زحمت نہ دو۔ حضرت عباسؑ نے کمال جانفشانی سے کنواں کھودا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا پھر دوسرا کنواں کھودا وہ بھی بے سود ہی رہا (دمعہ ساکبہ ص۳۲۹ حالات صبح عاشورا) امام حسینؑ خیمہ میں تھے اور بقول عبدالحمید ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی۔ ٹھیک دس بجے لشکر والوں کو عمر ابن سعد کا ارجنٹ حکم ملتا ہے کہ حسینؑ کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھو۔ ٹڈی دل فوج نے حرکت کی اور تین دن کے بھوکے پیاسے تھوڑے سے مسافروں کو قتل کرنے دشمنانِ اسلام آگے بڑھے (شہید اعظم ص۱۹۶ طبع دہلی) حضرت نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ رسولِ خدا کی زرہ زیب تن کی اور خندق میں آگ دینے کا حکم دے کر آپ اصحاب کی

فہمائش کرنے لگے۔ (ناسخ جلد۶ صفحہ ۲۴۵) اتنے میں دشمنوں نے خیموں کو گھیر لیا۔ بریر ابن خضیر نے باہر نکل کر انھیں سمجھایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، پھر آپ خود دشمن کے سامنے آئے اور اپنا تعارف کرایا اور بروایتے یہ بھی فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے سندھ[1] یا کسی اور طرف کو چلا جاؤں۔ مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ مجھے کس جرم کی بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا۔ نقتلک بغضاً لابیک ہم تمھیں تمھارے باپ کی دشمنی میں قتل کر رہے ہیں۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۴۶) پھر آپ نے قرآن مجید کو حکم قرار دیا۔ لیکن انھوں نے ایک نہ مانی۔ (ناسخ التواریخ جلد۶ صفحہ ۲۵) پھر آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دستِ دعا بلند کیا اور آخر میں بروایت دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۸ عرض کی اللھم سلط علیھم غلام ثقیف، خدایا ان پر قبیلہ ثقیف کے ایک غلام (مختار) کو مسلط کر کہ انھیں ظلم آفرینی کا مزہ چکھائے[2]

جنابِ حُر کی آمد

امام حسینؑ کے موعظ کا اثر صرف جناب حُر پر پڑا۔ انھوں نے ابن سعد کے پاس جا کر آخری ارادہ معلوم کیا پھر اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور امام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ (تاریخ طبری) اس کے بعد گھوڑے سے اتر کر امام حسینؑ کی رکاب کو بوسہ دیا (روضۃ الاحباب) امام نے حُر کو معافی دے کر جنت کی بشارت دی (طبری) دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۰ میں ہے کہ حُر کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ عمر سعد نے لشکر حسینی پر سب سے پہلے تیر چلایا۔ اس کے بعد تیروں کی بارش شروع ہوئی۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جناب حُر کو قصور ابن کنانہ اور ارشاد میں ہے کہ ایوب مشرح نے ایک کوفی کی مدد سے شہید کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب "بہتر تارے"۔ مؤلفہ حقیر طبع لاہور۔

امام حسینؑ اور ان کے اصحاب و اعزا کی حشر آفریں جنگ

علامہ عیسیٰ اربلی لکھتے ہیں کہ جنابِ حُر کی شہادت کے بعد عمر سعد کے لشکر سے دو نابکار مبارز طلب ہوئے جن کے نام نسیان و سالم تھے۔ ان کے مقابلہ کے لیے امام حسینؑ کے لشکر سے جنابِ حبیب ابن مظاہر اور بریر ابن حصین برآمد ہوئے اور ان دونوں کو چند حملوں میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد معقل ابنِ یزید سامنے آیا۔ جنابِ یزید ابن حصین اور بقول مجلسی بریر ابن خضیر ہمدانی نے اُسے قتل کر ڈالا۔ پھر مزاحم ابنِ حریث سامنے آیا۔ اسے جناب نافع ابنِ ہلال نے قتل کر دیا۔ (کشف الغمہ صفحہ ۷۱)۔

---

[1] علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا ان لستم براضین بورود العراق فاترکونی لاذھب الی السندہ، تم اگر میرے عراق پہنچنے پر راضی نہیں ہو تو مجھے چھوڑ دو۔ میں سندھ (ہند) چلا جاؤں۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھو۔ مختار آلِ محمد طبع لاہور ۱۲ منہ ؁

جنگِ مغلوبہ

عمر ابنِ سعد نے جب حسینی بہادروں کی شانِ شجاعت دیکھی تو سمجھ گیا کہ ان سے انفرادی مقابلہ ناممکن ہے۔ لہٰذا اجتماعی حملہ کا پروگرام بنایا اور اپنے چیف کمانیر کو حکم دیا کہ کثیر تعداد میں کمان اندازوں کو لاکر یکبارگی تیر بارانی کر دے۔ چنانچہ اُس نے تعمیلِ حکم کی اور بے شمار تیر اندازوں کے ذریعہ سے تیر بارانی شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسینؑ کا تقریباً تمام لشکر مجروح ہوگیا اور ۳۲ یا ۴۰ یا ۲۲ یا ۵۰ اصحاب اسی وقت شہید ہوگئے۔ (ملاحظہ ہو تفصیل کے لیے "بہتر ستارے" مؤلفہ حقیر۔

جنگِ مغلوبہ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السّلام اپنے بہادروں کو لے کر جن کی کل تعداد ۳۲ تھی۔ میدان میں نکل آئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ لشکرِ مخالف کے چھکے چھوٹ گئے جس طرف حملہ کرتے تھے صفیں صاف ہوجاتی تھیں اور اس حملہ میں بے شمار دشمن موت کے گھاٹ اُتار دیئے۔ ان بھوک کے پیاسے بہادر شیروں نے لشکر میں ایسی ہلچل مچادی، جس نے افسران تک کے ہاتھ پاؤں پھُلا دیئے۔ بالآخر لشکرِ کوفہ کے کمانیر عروہ بن قیس نے عمر ابن سعد کو کہلا بھیجا کہ جلد لشکر اور خصوصاً تیر انداز بھیجو۔ کیونکہ ان تھوڑے سے علوی بہادروں نے ہماری درگت بنادی ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۳۵ طبری جلد ۶ ص ۲۵۰ بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۹۹) عمر ابن سعد نے فوراً ۵۰۰ کمان داروں کو حصین ابن نمیر کے ہمراہ عروۃ بن قیس کی کمک میں بھیج دیا۔ ان روباہوں نے پہنچتے ہی تیر بارانی شروع کر دی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسینؑ کے کئی بہادر کام آگئے۔ اور تقریباً کل کے کل پیادہ ہوگئے۔ اسی دوران میں عمر ابنِ سعد نے آواز دی کہ آگ لاؤ ہم خیموں کو جلائیں گے۔ یہ دیکھ کر امام حسینؑ نے شمر کو پکارا کہ یہ کیا بے حیائی کی جارہی ہے۔ اتنے میں شبث ابن اربعی آگیا اور اس نے اِس حرکتِ ناشائستہ سے باز رکھا۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۹۹)۔

مورخ ابن اثیر اور علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ دورانِ جنگ میں نمازِ ظہر کا وقت آگیا تو ابوثمامہ صائدی یا صیداوی نے خدمتِ امام حسینؑ میں عرض کی مولا اگرچہ ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں، لیکن دل یہی چاہتا ہے کہ نمازِ ظہر ادا کرلی جائے۔ امام نے ابوثمامہ کو دعا دی اور نماز کا تہیہ فرمایا۔ تیر چونکہ مسلسل آرہے تھے اس لیے زہیر ابن قین اور سعید ابن عبداللہ امام حسینؑ کے سامنے کھڑے ہوکر تیروں کو سینوں پر لینے لگے۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ نے نماز تمام فرمالی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ تلوار اور نیزوں کے زخم کے علاوہ ۱۳ تیر سعید کے سینے میں پیوست ہوگئے۔ نماز تمام ہوئی اور جناب سعید بھی دُنیا سے رخصت ہوگئے (تاریخ کامل بحار جلد ۱۰ ص ۲۹۹) جنگِ مغلوبہ کے بعد جو ۳۲ اصحاب بچے ان میں سے بعض کے مختصر حالات درج ذیل کئے جاتے۔

حضرت امام حسینؑ کے مشہور اصحاب اور اُنکی شہادت

حبیب ابن مظاہر

جناب حبیب مظاہر ابن ریاب ابن اشتر ابن حجوان ابن فقعس ابن طریف ابن عمر بن قیس ابن حرث ابن ثعلبہ، ابن دودان، ابن اسد الوالقاسم الاسدی کے بیٹے امام حسینؑ کے بچپنے کے دوست تھے۔ انھیں رسالت مآبؐ کے صحابی ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ یہ اصحاب امیرالمومنین میں بھی تھے اور ہر جنگ میں شریک رہے۔ انھوں نے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کا پورا پورا ساتھ دیا اور بعد شہادت مسلم کے بعد کربلا کو پاپیادہ روانہ ہوکر امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے تھے کربلا پہنچ کر انھوں نے پوری کوشش کی کہ بنی اسد سے کچھ مددگار لے آئیں۔ لیکن عمر سعد کے لشکر نے راستے میں مزاحمت کی۔ شب عاشور ایک شب کی مہلت کے لیے جب حضرت عباس گئے تھے تو حبیب بھی ساتھ تھے۔ نماز ظہر عاشورا کے موقع پر حصین ابن نمیر کی بدکلامی کا جواب حبیب ہی نے دیا تھا اور اس کے کہنے پر کہ حسین کی نماز قبول نہ ہوگی، حبیب نے بڑھ کر گھوڑے کے منہ پر تلوار لگائی تھی۔ پھر میدان میں مسلسل لوگوں سے لڑتے اور انھیں قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بدیل ابن حریم عقفانی نے آپ پر تلوار لگائی اور بنی تمیم کے ایک شخص نے نیزہ مارا اور حصین بن نمیر نے سر پر تلوار لگائی۔ آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ اس وقت ایک تمیمی نے سر کاٹ لیا۔ حبیب کی شہادت کے بعد امام حسینؑ نے انتہائی درد انگیز لہجے میں کہا۔ اے حبیب میں تم کو اور اپنے اصحاب کو خدا سے لوں گا۔

زہیر ابن قین

جناب زہیر، قین ابن قیس، انماری بجلی کے بیٹے تھے۔ یہ قوم کے سردار اور رئیس تھے۔ سنہ ۶۰ھ میں امام حسینؑ کے ساتھ ہوئے۔ شب عاشور حضرت عباس جب ایک شب کی مہلت کے لیے آگے بڑھے تو آپ کے ہمراہ زہیر بھی تھے۔ امام حسینؑ کی زندگی میں جب شمر نے خیمہ کے پاس آکر اُسے جلانا چاہا تھا۔ تو جناب زہیر ہی نے اس سے مقابلہ کرکے اس ارادہ سے باز رکھا تھا، اور نماز ظہر کے لیے سعید کے ساتھ زہیر نے بھی امام حسینؑ کی حفاظت کے لیے سینہ تان دیا تھا۔ آپ نے میدان میں زبردست جنگ کی بالآخر کثیر ابن عبداللہ شعبی اور مہاجر ابن اوس تمیمی نے آپ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے بعد امام حسین لاش پر تشریف لائے اور کہا زہیر خدا تم پر رحمت نازل کرے اور تمھارے قاتلوں پر جو بندروں اور ریچھوں کی طرح مسخ ہوگئے ہیں لعنت کرے۔

نافع ابن ہلال

جناب نافع، ہلال ابن نافع ابن جمل ابن سعد العشیرہ ابن مدحج جملی کے بیٹے تھے۔ آپ شریف النفس سردار قوم، بہادر اور قاری قرآن راوی الحدیث تھے۔ آپ ہر جنگ میں امیرالمومنین کے ساتھ رہے کربلا میں جب حضرت عباس پانی کی

جدوجہد کے لیے نہر پر تشریف لے گئے تھے تو نافع ابن ہلال آپ کے ساتھ تھے۔ میدان کارزار کربلا میں نافع ابن ہلال نے ۱۲ دشمنوں کو زہر میں بجھے ہوئے تیر سے قتل کیا پھر جب تیر ختم ہوگئے تو تلوار سے لڑنے لگے۔ بالآخر تیر بارانی کی گئی اور آپ کے دونوں بازو ٹوٹ گئے اور آپ گرفتار ہو کر ابن سعد کے سامنے لائے گئے۔ پھر شمر کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے۔

مُسلم ابنِ عوسجہ

جنابِ مسلم، عوسجہ ابنِ سعد ابنِ ثعلبہ ابن دودان ابنِ اسد، ابنِ حزیمہ ابوحجل اسدی سعدی کے بیٹے تھے۔ یہ شریف ترین مردم، عابد و زاہد اور صحابی رسول تھے۔ اکثر اسلامی جنگوں میں شریک رہے۔ کوفہ میں مسلم بن عقیل کی پوری طاقت سے مدد کی آپ کے ہمراہ مدحج کے چار قبیلے تمیم و ہمدان و کندہ و ربیعہ تھے۔ جنابِ ہانی و مسلم کی شہادت کے بعد اپنے بال بچوں سمیت کربلا آپہنچے اور امام حسینؑ کے قدموں میں شرفِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ مسلم ابن عوسجہ نہایت دلیری کے ساتھ جنگ فرما رہے تھے کہ مسلم ابن عبداللہ ضبابی ملعون اور عبداللہ ابن خشکارہ نے مل کر آپ کو شہید کر دیا۔

عابس شاکری

جنابِ عابس، ابوشبیب بن شاکری ابنِ ربیعہ بن مالک ابنِ صعب ابن معاویہ بن کثیر بن مالک ابن جشم ابن حاشد ہمدانی کے بیٹے تھے۔ آپ نہایت بہادر، رئیس، عابد شب زندہ دار اور امیر المومنین کے مخلص ترین ماننے والوں میں تھے۔ آپ کے قبیلہ بنو شاکر پر امیر المومنین کو بڑا اعتماد تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے جنگِ صفین میں فرمایا تھا کہ اگر قبیلہ بنی شاکر کے ایک ہزار افراد موجود ہوں تو دنیا میں اسلام کے سوا کوئی مذہب باقی ہی نہ رہے۔ عابس نے کوفہ میں جنابِ مسلم کا پورا ساتھ دیا اور جب جنابِ مسلم کوفہ پہنچے تھے تو آپ نے سب سے پہلے تعاون کا یقین دلایا تھا۔ آپ کوفہ سے جنابِ مسلم کا خط لے کر مکہ گئے تھے اور وہیں سے امام حسینؑ کے ساتھ ہو گئے اور یوم عاشورا شہید ہو گئے۔ آپ میدان میں آئے اور مبارز طلبی کی۔ مگر کسی میں دم نہ تھا کہ عابس سے لڑتا بالآخر ان پر اجتماعی طور پر پتھراؤ کیا۔ پھر بے شمار افراد نے مل کر انھیں شہید کر کے سر کاٹ لیا۔

بریر ہمدانی

جنابِ بریر ابنِ خضیر ہمدانی مشرقی، بنو مشرق کے قبیلہ ہمدان کے ایک معمر تابعی تھے۔ یہ نہایت بہادر عابد و زاہد اور بے مثل قاریِ قرآن تھے۔ ان کا شمار کوفہ کے شرفا میں تھا۔ انھوں نے کوفہ سے مکہ جا کر امام حسینؑ کی ہمراہی اختیار کی تھی اور تاحیات ساتھ رہے۔ شبِ عاشور پانی لانے میں انھوں نے عظیم جدوجہد کی تھی۔ میدان جنگ میں آپ کا مقابلہ یزید ابن معقل سے ہوا، بریر نے اُسے قتل کر دیا۔ پھر رضی ابن منقذ عبدی سامنے آیا۔ آپ نے زمین پر دے مارا۔ اتنے میں کعب ابن جابر ازدی نے آپ کی پشت میں نیزہ مارا اور آپ نے اُس رضی کی ناک دانت سے کاٹ لی جس کے سینے پر سوار تھے۔ کعب کا نیزہ بریر کی پشت میں رہ گیا۔ اور اس نے تلوار سے بریر کو شہید کر دیا۔

امامِ حسینؑ کے اعزا و اقربا اور اولاد کی شہادت

اصحاب باوفا اور انصارانِ باصفا کی شہادت کے بعد آپ کے اعزا و اقربا یکے بعد دیگرے میدانِ کارزار میں آکر شہید ہوئے۔ میرے نزدیک بنی ہاشم میں سب سے پہلے جس نے شرفِ شہادت حاصل کیا وہ عبداللہ ابنِ مسلم ابنِ عقیل تھے۔ آپ حضرت علی کی بیٹی رُقیّہ بنت صہبا بنت عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن عبد بن علقمہ ثعلبیہ کے فرزند تھے۔ آپ میدان میں تشریف لائے اور ایسا حملہ شیرانہ کیا کہ روباہوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ آپ نے تین حملے فرمائے اور ۹۰ دشمنوں کو فی النار کیا۔ دورانِ جنگ میں عمر بن صبیح صیدادی نے آپ کی پیشانی پر تیر مارا۔ آپ نے فطرت کے تقاضے پر تیر پہنچنے سے پہلے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ لیا۔ اور ہاتھ پیشانی سے اس طرح پیوست ہوگیا کہ پھر جُدا نہ ہوا۔ پھر اُس نے دوسرا تیر مارا جو صاحبزادے کے دل پر لگا، اور آپ زمین پر تشریف لائے۔ (نور العین ترجمہ ابصار الحسین ۷۶) آپ کو خاک و خون میں غلطان دیکھ کر آپ کے بھائی محمد بن مسلم آگے بڑھے اور اُنھوں نے بھی زبردست جنگ کی بالآخر ابو جرہم ازدی اور لقیط اور ابن ایاس جہمی نے آپ کو شہید کر دیا۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۳۰۲) ان کے بعد جعفر بن عقیل ابن ابی طالب میدان میں تشریف لے گئے۔ آپ نے ۱۵ زبردست دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اُتارا آخر میں بشر بن خوط نے آپ کو شہید کر دیا۔ (کشف الغمہ ص ۹۲) ان کے بعد جناب عبدالرحمٰن ابنِ عقیل میدان میں تشریف لائے۔ آپ نے زبردست جنگ کی اور آپ کو دشمنوں نے گھیر لیا۔ آخر کار عثمان بن خالد ملعون کی ضربِ شدید سے راہی جنت ہوئے۔ ان کے بعد عبداللہ اکبر بن عقیل میدان میں آئے اور زبردست قتال کے بعد عثمان بن خالد کے ہاتھوں شہید ہوئے ابو مخنف کے کہنے کے مطابق عبداللہ اکبر کے بعد موسیٰ بن عقیل نے میدان لیا اور ۷۰ آدمیوں کو قتل کر کے شہید ہوئے۔ ان کے بعد عون بن عقیل اور علی بن عقیل درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے بعد محمد بن سعید بن عقیل اور جعفر بن محمد بن عقیل اور احمد ابن محمد بن عقیل یکے بعد دیگرے میدان میں تشریف لائے اور کارہائے نمایاں کر کے درجۂ شہادت حاصل کیا۔ ان کے بعد محمد بن عبداللہ بن جعفر میدان میں آئے اور ۱۰ دشمنوں کو قتل کر کے بدست عامر بن نہشل شہید ہوئے۔ ان کے بعد عون بن عبداللہ بن جعفر میدان میں آئے اور ۳۰ سوار ۸ پیادہ کو قتل کرنے کے بعد عبداللہ ابن بطہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ آپ کے بعد جناب حسن مثنےٰ میدان میں تشریف لائے۔ آپ نے زبردست جنگ کی اور اس درجہ زخمی ہو گئے کہ جانبر ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ بالآخر مقتولین میں ڈال دیئے گئے نتیجہ پر ان کا ایک رشتہ کا ماموں اسما ابن خارجہ مکنی بہ ابی حسان اُنھیں اُٹھا کر لے گئے۔ ان کے بعد جناب قاسم میدان میں تشریف لائے۔ اگرچہ آپ کی عمر

نے بے چینی میں زبان تو منہ میں دے دی۔ لیکن فوراً ہی کھینچ لی۔ اور کہا بابا جان "لسانك ايبس من لسانی" آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ پھر امام حسینؑ نے رسولِ کریمؐ کی ایک انگھوٹھی علی اکبر کے منہ میں دی اور فرمایا بیٹا جاؤ، خدا حافظ۔

حضرت علی اکبر دوبارہ میدان میں پہنچے، طارق ابن شیث جس سے عمر سعد نے حکومتِ رَےؔ اور موصل کا وعدہ کیا تھا۔ علی اکبر کے مقابلہ میں آگیا۔ آپ نے کمال جوانمردی سے اس پر نیزے کا وار کیا نیزہ اُس کے سینے میں لگ کر پُشت سے دو بالشت باہر نکل گیا۔ اس کے مرتے ہی اس کا بیٹا عمر طارق میدان میں آگیا۔ آپ نے اُسے بھی قتل کر دیا۔ پھر طلحہ ابن طارق سامنے آیا آپ نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے پچھاڑ دیا۔ یہ دیکھ کر عمر سعد نے مصراع ابنِ غالب کو حکم مقابلہ دیا۔ وہ علی اکبر کے سامنے آکر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے قتل ہونے سے لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ عمر سعد نے محکم ابنِ طفیل . . . اور ابن نوفل کو دو ہزار سواروں کے ساتھ علی اکبر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ علی اکبر نے نہایت دلیری سے حملہ کا جواب دیا اور اور پیاس سے بے چین ہو کر آپ امام حسینؑ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے۔ اور پانی کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا! اب تمھیں ساقیٔ کوثر ہی سیراب کریں گے۔ نورِ نظر جانِ پدر جلد جاؤ، رسولِ کریمؐ انتظار فرما رہے ہیں۔ حضرت علی اکبر میدان میں واپس آئے۔ دشمنوں نے یورش کر دی، آپ نے شیرِ گرسنہ کی طرح حملے کئے اور تھوڑی دیر میں ۸۰ دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ بالآخر منقذ بن مرہ عبدی اور ابن نمیر نے سینے میں نیزہ مارا، آپ کے ہاتھ سے عنان فرس چھوٹ گئی اور آپ گھوڑے کی گردن میں لپٹ گئے۔ گھوڑا جس طرف سے گزرتا تھا۔ آپ کے جسم پر تلواریں لگتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کا جسم پارہ پارہ ہو گیا۔ آپ نے آواز دی۔ "یا ابتاہ ادرکنی" باباجان خبر لیجیے! امام حسینؑ دوڑ کر پہنچے لیکن آپ سے قبل حضرت زینب پہنچ گئیں، علماء نے لکھا ہے کہ زینب نے وہاں پہنچ کر اپنے کو علی اکبر پر گرا دیا تھا۔ امام حسینؑ نے انھیں خیمہ میں پہنچایا اور علی اکبر کے چہرے سے خون صاف کیا اور کہا اے بیٹے تیرے بعد اس زندگانی دُنیا پر خاک ہے۔ پھر آپ نے علی اکبر کو خیمہ میں لے جانے کی سعی کی۔ لیکن ہر قسم کے ضعف نے کامیاب نہ ہونے دیا۔ بالآخر بچوں کو آواز دی۔ بچو! آؤ اور میری مدد کرو۔ چنانچہ بچوں کی امداد سے علی اکبر کا لاشہ خیمہ کے قریب لایا گیا۔ اور مخدرات عصمت میں کہرام عظیم برپا ہو گیا، روضۃ الشہداء ص۲۶۸ کشف الغمہ ص۷۵ ابصار العین ص۲۳ علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ حضرت علی اکبر کا اصلی نام علی لقب اکبر اور کنیت ابوالحسن تھی۔ آپ کی عمر شہادت کے وقت ۱۸ سال تھی۔ (نور العین ترجمہ ابصار العین ص۲۴)۔

حضرت علیؑ اصغر کی شہادت

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام بے یار و مددگار ہو گئے تو آپ خود بمقصد شہادت میدان کے لیے عازم ہوئے اور وہاں پہنچ کر آپ نے "ھل من ناصر ینصرنا" کی آواز بلند کی، جنوں

کے ایک گروہ عظیم نے سعادتِ نصرت حاصل کرنے کی خواہش کی آپ نے انھیں دُعائے خیر سے یاد فرمایا اور نصرت قبول کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ مجھے شرف شہادت حاصل کرنا ہے۔ اور میں نے آوازِ استغاثہ اتمامِ حجت کے لیے بلند کیا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ دُشمنانِ خدا و رسُول کے لیے میری مدد نہ کرنے کا کوئی بہانہ باقی نہ رہے۔ ابھی آپ جنوں سے محوِ گفتگو تھے کہ ناگاہ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام اپنی کمال علالت کے باوجود ایک عصا لئے ہوئے خیمہ سے نکل آئے امام حسین نے جنابِ اُمِ کلثوم کو آواز دی۔ بہن فوراً عابد بیمار کو روکو کہیں ایسا نہ ہو کہ سادات کا سلسلہ نسل و نسب ہی ختم ہو جائے۔

سیّد الشہدار نے آوازِ استغاثہ کا اثر جب اپنے خیموں کے باشندوں پر دیکھا، تو فوراً واپس تشریف لا کر سب کو سمجھایا اور اپنی موت کا حوالہ دے کر اسرارِ امامت امام زین العابدین علیہ السّلام کے سپرد فرمایا۔ آپ روانہ ہوا ہی چاہتے تھے کہ بروایتے جناب سکینہ گھوڑے کے سُم سے لپٹ گئیں امام حسینؑ نے انھیں سینے سے لگایا۔ رُخسار کا بوسہ دیا۔ صبر کی تلقین کی اور جنابِ زینب کو سکینہ کی نگہداشت کی ہدایت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت علی اصغر کو جنھوں نے بروایتے اپنے کو جھولے سے گرا دیا تھا۔ امام حسینؑ نے بڑھ کر اپنی آغوش میں لیا اور مقتل کی طرف روانہ ہو گئے۔

میدان میں پہنچ کر آپ ایک ٹیلہ پر بلند ہوئے اور آپ نے قوم اشقیا کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو میں اپنے شش ماہے بچّہ کو پانی پلانے کے لیے لایا ہوں۔ اس کی ماں کا دُودھ خشک ہو گیا ہے اور اس کی زبان سُوکھ گئی ہے۔ خدارا اسے پانی پلا کر اس کی جان بچالو، اور سُنو! اگر میں تمھارے زعمِ ناقص میں گناہگار ہو سکتا ہوں تو میرے اس معصوم بچے میں گناہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ تو بے خطا ہے۔ اس صدائے پُرتاثیر کا اثر یہ ہوا کہ لشکر کا مزاج بگڑنے لگا شقی القلب لشکری رو پڑے، عمر سعد نے جب یہ دیکھا، فوراً حرملہ ابن کاہل ازدی کو حکم دیا۔ اقطع کلام الحسین۔ حسین کے کلام کو نوکِ تیر سے قطع کر دے۔ حرملہ نے تیر سہ شعبہ چلہ کمان میں جوڑا، اور گلوئے علی اصغر کی طرف رہا کیا۔ تیر جو زہر میں بجھا ہوا تھا گلوئے علی اصغر پر لگا اور اس نے علی اصغر کے گلے کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ کا بازو بھی چھید دیا۔ امام حسینؑ نے بچے کو سینے سے لگا کر اس کے خُون سے چلّو بھر لیا اور چاہا کہ آسمان کی طرف پھینکیں۔ جواب آیا۔ یہ خونِ ناحق ہے اسے اس طرف نہ پھینکئے، ورنہ قیامت تک کے لیے بارش کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ آپ نے چاہا کہ اسے زمین کی طرف ہی پھینک دیں، اُدھر سے بھی جواب مل گیا۔ تو آپ نے اُسے چہرۂ مُبارک پر مل لیا۔ اور فرمایا "ھکذا الاقی جدی رسُول اللہ" میں اسی طرح اپنے جدِّ نامدار حضرت محمد مصطفٰےؐ کی خدمت میں پہنچوں گا (ابصار العین و انوار الشہادت) اس کے بعد آپ نے ایک ننھی سی قبر تلوار سے کھودی اور اس میں حضرت علی اصغر کو دفن فرما دیا۔

ننھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے
شبیر اُٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

امام حسین علیہ السلام کی رُخصتِ آخری

حضرت علی اصغر کی شہادت کے بعد نہ سرکار ہے نہ دربار نہ لشکر ہے۔ نہ علمدار، علی اصغر کو ننھی سی قبر کھود کر دفن فرماتے ہیں اور تن تنہا خیامِ حرم کی طرف آتے ہیں اور اہلبیت سے رُخصت ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں اے زینب، اے اُم کلثوم، اے رقیہ، اے رباب، اے سکینہ علیکن منی السلام سلام الوداع۔ یہ میری آخری رُخصت ہے۔ اے بہنو! اے بیبیو! اے بیٹیو! بس خدا حافظ و ناصر ہے اور وُہی حامی و مددگار ہے۔ بہن زینب دیکھنا، ہر مصیبت میں، ہر بلا میں خدا کو یاد رکھنا۔ اپنے رحیم و کریم خالق کو نہ بھولنا عنانِ صبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ راہِ الٰہی میں ہر ایک رنج و مصیبت کو راحت سمجھنا، رسّی سے ہاتھ بندھیں تو اُف نہ کرنا۔ چادر چھینے تو غم نہ کھانا۔ اماں کے صبر اور بابا کے حلم کے جوہر دکھلانا۔ نانا رسُول تمھارے مددگار، اور خدا تمھارا حامی ہے، ہاں لُٹنے کے لیے تیار ہو جاؤ قید ہونے کے لیے کمروں کو کس لو، چادروں کو اچھی طرح اوڑھ لو مقنعوں کو مضبوطی سے باندھ لو، اے بہن زینب یہ یتیم بچے، یہ اسیران اہل بیتؑ کا قافلہ بس تمھارے ساتھ ہے۔ بیمار کربلا سید سجاد زین العابدین کو غش سے جگا دو، ہوشیار کر دو، اب طوق و زنجیر پہننے اور قید و اسیر ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ بیڑیاں پہننے اور کانٹوں پر پیدل چلنے کا زمانہ قریب ہے۔ اب جنگل کے کانٹوں بھرے راستے ہیں اور صحرا نوردی ہے۔ کبھی کُوفہ و شام کے بازار ہیں اور خلقت کا ہجوم ہے۔ تماشائیوں کا مجمع ہے، ماں بہنوں کے ننگے سر ہیں۔ اونٹوں کی مہار ہے اور زین العابدین ہے، یزید اور ابن زیاد کے دربار میں شمر کے تازیانے ہیں اور ہمارا لاڈلا بیمار ہے۔ اے زین العابدین ؎

پیاسا گلا کٹے یہ عُہدہ ہے باپ کا
پہنو گلے میں طوق یہ حصّہ ہے آپ کا

بس ہمارے بعد دُنیا کے امام تُم ہو! اے جانِ پدر اِس کشتی کی ملاحی اب تیری ذات پر ہے۔ دیکھنا باپ کی محنت رائیگاں نہ جانے پائے، عنانِ صبر و تحمّل ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ کربلا سے کُوفہ اور کُوفہ سے شام تک ماں بہنوں کے قافلہ کے ساتھ بیڑیاں پہنے، طوق ڈالے۔ ننگے پاؤں جاؤ۔ صبر و رضائے الٰہی کے جوہر دکھلاؤ۔ توحید کے خطبے پڑھو۔ ہدایت کے راستے بتاؤ۔ ہاں ہاں بیٹا دیکھنا۔ بیڑی پہن کر سلسلہ صبر چھُٹ نہ جائے، بس ہم راہِ رضا سر سے قطع کرنے کو تیار ہیں اور تم اپنے پیروں سے طے کرنا۔ راہِ الٰہی میں خاردار طوق کو پھُولوں کا ہار سمجھنا اور عشقِ الٰہی میں لوہے کی تپتی بیڑیوں کو محبت خدا کی زنجیر بن جانا۔

پھٹے پُرانے کپڑے منگاتے ہیں۔ پوشاک کے نیچے پہنتے ہیں اُنھیں بھی جگہ جگہ سے چاک فرما دیتے ہیں۔ سبب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ میرے شہید ہو جانے کے بعد یہ ظالم شقی میرا لباس بھی لوٹیں گے اور کپڑے بھی اُتاریں گے۔ شائد یہ پھٹے پُرانے کپڑے نیچے دیکھ کر چھوڑ دیں اور اس طرح میری لاش برہنگی سے بچ جائے۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۰ و طبری صفحہ ۳۴۷۔

بہن کو رخصت فرما کر، بیبیوں کو الوداع کہہ کر، ماں کی کنیز فضہ پالنے والی کو بھی سلام کر کے بالی سکینہ سینہ پر سونے والی لاڈلی بیٹی کو چھاتی سے لگا کر مُنہ چومتے اور فرماتے تھے "بیٹی" خدا کے سپرد کیا۔ خیمہ کا پردہ اُٹھا، باہر تشریف لائے۔ بہن نے رکاب تھامی، ذوالجناح پر سوار ہوئے اور میدانِ کارزار کو روانہ ہو گئے۔ (ناموس اسلام)۔

حضرت امام حسینؑ میدانِ جنگ میں

جب آپ کے بہتر اصحاب و انصار اور بنی ہاشم قربان گاہ اسلام پر چڑھ چکے تو آپ خود اپنی قربانی پیش کرنے لیے میدانِ کارزار میں آپہنچے۔ لشکر یزید جو ہزاروں کی تعداد میں تھا، اصحاب باوفا اور بہادران بنی ہاشم کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہو چکا تھا۔ امام حسین جب میدان میں پہنچے تو دشمنوں کے لشکر میں سے تیس ہزار سوار و پیادے باقی تھے۔ یعنی صرف ایک پیاسے کو تیس ہزار دشمنوں سے لڑنا تھا۔ (کشف الغمہ) میدان میں پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے دشمنوں کو مخاطب کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے کہا۔

"اے ظالمو! میرے قتل سے باز آؤ۔ میرے خون سے ہاتھ نہ رنگو، تم جانتے ہو میں تمھارے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔ میرے بابا علی سابق الاسلام ہیں، میری ماں فاطمۃ الزہرا تمھارے نبیؐ کی بیٹی ہیں اور تم جانتے ہو کہ میرے نانا رسُول اللہؐ نے مجھے اور میرے بھائی حسنؑ کو سردار جوانانِ بہشت فرمایا ہے۔ افسوس تم کیسی بُری قوم اور کیسی بُری اُمت ہو کہ نہ تم کو خدا کا خوف ہے نہ رسُولؐ سے شرم ہے۔ تم اپنے نبی کی ذریت اور اپنے رسُولؐ کی آل کا خون بہاتے ہو اور میرے خونِ ناحق پر آمادہ ہوتے ہو، حالانکہ نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے نہ کسی کا مال چھینا ہے۔ کہ جس کے بدلے میں تم مجھ کو قتل کرتے ہو۔ میں تو دنیا سے بے تعلق اپنے نانا رسُول کی قبر پر مجاور بنا بیٹھا تھا تم نے مجھے ہدایت کے لیے بُلایا اور مجھے نہ نانا کی قبر پر بیٹھنے دیا۔ نہ خدا کے گھر میں رہنے دیا۔ سُنو اب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کا موقع دے دو۔ کہ میں نانا کی قبر پہ جا بیٹھوں یا خانۂ خدا میں پناہ لے لوں۔

اِس کے بعد آپ نے اتمامِ حجت کے لیے عمر سعد کو بُلایا اور اس سے فرمایا (۱) تم میرے قتل

سے باز آؤ (۲) مجھے پانی دے دو (۳) اگر یہ منظور نہ ہو تو پھر میرے مقابلہ کے لیے ایک ایک شخص کو بھیجو۔
اُس نے جواب دیا آپ کی تیسری درخواست منظور کی جاتی ہے اور آپ سے لڑنے کے لیے ایک ایک شخص مقابلہ میں آئے گا۔ (روضۃ الشہداء)۔

امام حسینؑ کی نبرد آزمائی

معاہدہ کے مطابق آپ سے لڑنے کے لیے لشکر شام سے ایک ایک شخص آنے لگا اور آپ اسے فنا کے گھاٹ اُتارنے لگے سب سے پہلے جو شخص مقابلہ کے لیے نکلا وہ تمیم ابن قحطبہ تھا۔ آپ نے اس پر برق خاطف کی طرح حملہ کیا اور اسے تباہ و برباد کر ڈالا۔ یہ سلسلہ جنگ تھوڑی دیر جاری رہا اور مدت قلیل میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور مقتولین کی تعداد حد شمار سے باہر ہو گئی۔ یہ دیکھ کر عمر سعد نے لشکر والوں کو پکار کر کہا کیا دیکھتے ہو سب مل کر یکبارگی حملہ کر دو۔ یہ علی کا شیر ہے اس سے انفرادی مقابلہ میں کامیابی قطعاً ناممکن ہے۔ عمر سعد کی اس آواز نے لشکر کے حوصلے بلند کر دیئے اور سب نے مل کر یکبارگی حملہ کا فیصلہ کیا۔ آپ نے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کو تباہ کر دیا۔ آپ کے پہلے حملہ میں ایک ہزار نو سو پچاس دشمن قتل ہوئے اور میدان خالی ہو گیا۔ ابھی آپ سکون نہ لینے پائے تھے کہ اٹھائیس ہزار دشمنوں نے پھر حملہ کر دیا۔ اس تعداد میں چار ہزار کماندار تھے۔ اب صورت یہ ہوئی کہ سوار، پیادے اور کمانداروں نے ہم آہنگ و ہم عمل ہو کر مسلسل اور متواتر حملے شروع کر دیئے۔ اس موقع پر آپ نے جو شجاعت کا جوہر دکھلایا۔ اس کے متعلق مورخین کا کہنا ہے کہ سر برسنے لگے۔ دھڑ گرنے لگے، اور آسمان تھرتھرایا۔ زمین کانپی، صفیں اُلٹیں، پرے درہم برہم ہو گئے۔

اللہ رے حسینؑ کا وہ آخری جہاد — ہر وار پر علی ولی دے رہے تھے داد

کبھی میسرہ کو اُلٹتے ہیں، کبھی میمنہ کو توڑتے ہیں، کبھی قلب لشکر میں در آتے ہیں، کبھی جناح لشکر پر حملہ فرماتے ہیں۔ شامی کٹ رہے ہیں۔ کوفی گر رہے ہیں۔ لاشوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔ حملے کرتے ہوئے فوجوں کو بھگاتے ہوئے نہر کی طرف پہنچ جاتے ہیں۔ بھائی کی لاش ترائی میں پڑی نظر آتی ہے۔ آپ پکار کر کہتے ہیں اے عباس تم نے ؎

یہ حملے نہ دیکھے یہ صف آرائی نہ دیکھی — افسوس کہ تم نے مری تنہائی نہ دیکھی

علامہ اسفرائنی کا کہنا ہے کہ امام حسینؑ دشمنوں پر حملہ کرتے تھے، تو لشکر اس طرح سے بھاگتا تھا جس طرح ٹڈیاں منتشر ہو جاتی ہیں نور العین میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ امام حسینؑ بہادر شیر کی طرح حملہ فرماتے اور صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے اور دشمنوں کو اس طرح کاٹ کر پھینک دیتے تھے جس طرح تیز دھار آرے سے کھیتی کٹتی ہے۔
علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ آنحضرت حملہ گراں افگند ہر کہ باد کوشید شربت مرگ نوشید و بہر جانب

کہ تاخت گرد ہے را بخاک انداخت کہ آپ کے عظیم الشان حملہ کی کوئی تاب نہ لا سکتا تھا جو آپ کے سامنے آتا تھا، شربتِ مرگ سے سیراب ہوتا تھا اور آپ جس جانب حملہ کرتے تھے ۔ گروہ کے گروہ کو خاک میں ملا دیتے تھے ۔ (کشف الغمہ صـ۷۸) ۔

مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کو یوم عاشورا داہنے اور بائیں دونوں جانب سے گھیر لیا گیا ۔ تو آپ نے داہنی جانب حملہ کرکے سب کو بھگا دیا۔ پھر پلٹ کر بائیں جانب حملہ کرتے ہوئے آئے تو سب کو مار کر ہٹا دیا ۔ خدا کی قسم حسین سے بڑھ کر کسی شخص کو ایسا قوی دل ثابت قدم ، بہادر نہیں دیکھا گیا جو شکستہ دل ہو ۔ صدمے اٹھائے ہوئے ، بیٹوں ، عزیزوں اور دوست ، احباب کے داغ بھی کھائے ہوئے ہو ، اور پھر حسین کی سی ثابت قدمی اور بے جگری سے جنگ کر سکے ۔ بخدا دشمنوں کی فوج کے سوار اور پیادے حسینؑ کے سامنے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح بھیڑ بکریوں کے گلے شیر کے حملہ سے بھاگتے ہیں ۔ حسینؑ جنگ کر رہے تھے ”اذا خرجت زینبا“ کہ جناب زینب خیمہ سے نکل آئیں اور فرمایا ۔ کاش آسمان زمین پر گر پڑتا ۔ اے عمر سعد تو دیکھ رہا ہے اور ابو عبد اللہ قتل کئے جا رہے ہیں ، یہ سن کر عمر سعد رو پڑا ۔ آنسو داڑھی پر بہنے لگے ، اور اس نے منہ پھیر لیا ۔ امام حسینؑ اس وقت خز کا جبّہ پہنے ہوئے تھے ۔ سر پر عمامہ بندھا ہوا تھا اور وسمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے ، حسینؑ نے گھوڑے سے گر کر بھی اسی طرح جنگ فرمائی جس طرح جنگ جو بہادر سوار جنگ کرتے ہیں ۔ تیروں کا مقابلہ کرتے تھے ۔ حملوں کو روکتے تھے اور سواروں کے پیروں پر حملے فرماتے تھے اور کہتے تھے ، اے ظالمو ! میرے قتل پر تم نے ایکا کر لیا ہے قسم خدا کی تم میرے قتل سے ایسا گناہ کر رہے ہو جس کے بعد کسی کے قتل سے بھی اتنے گنہگار نہ ہو گے ۔ تم مجھے ذلیل کر رہے ہو اور خدا مجھے عزت دے رہا ہے اور سنو وہ دن دور نہیں کہ میرا خدا تم سے اچانک میرا بدلہ لے گا ۔ تمہیں تباہ کر دے گا تمہارا خون بہائے گا تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا ۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صـ۴۰)

مسٹر جیمس کارکرن امام حسینؑ کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے واقعہ کربلا کے حوالہ سے لکھتے ہیں ۔ کہ ”دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے ۔ لیکن کئی شخص ایسے گذر گئے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں ۔ چنانچہ اول درجہ میں حسین ابن علیؑ ہیں کیونکہ میدانِ کربلا میں گرم ریت پر اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا ایسا کام کیا ہو ، اس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے ۔ کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے ۔ کس کی زبان میں طاقت ہے کہ ان بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی اور تہوّر و شجاعت اور ہزاروں خونخوار سواروں کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں ایسی مدح کرے ۔ جیسی ہونی چاہیئے ۔ کس کے بس کی بات ہے جو ان پر واقع ہونے والے حالات کا تصور کر سکے ۔ لشکر میں گھر جانے کے بعد

سے شہادت تک کے حالات عجیب و غریب قسم کی بہادری کو پیش کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ایک کی دَوا۔ دو مشہور ہے اور مبالغہ کی یہی حد ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ تم نے چار طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حسین اور بہتّر تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا۔ چار طرف سے یزیدی فوج جو آندھی کی طرح تیر برسا رہی تھی۔ پانچواں دشمن عرب کی دھوپ چھٹا دشمن ریگ گرم جو تنور کے ذرات کی مانند لو دے رہی تھی۔ اور ساتواں اور آٹھواں دشمن بھوک اور پیاس جو دغاباز ہمراہی کے مانند جان لیوا حرکتیں کر رہے تھے۔ پس جنھوں نے ایسے معرکہ میں ہزاروں کا فروں کا مقابلہ کیا ہو ان پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا، ایسے لوگوں سے بہادری میں کوئی فوقیت نہیں رکھتا۔ (تاریخ حسین دفتر دوم باب ۱۶ جلد ۲)

اِمام حُسینؑ اپنے مقتول بہادروں کو پُکارتے ہیں

بھوک اور پیاس کے عالم میں نبرد آزمائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ آخر کار جب امام حسین علیہ السلام کا جسم مبارک تیروں سے مثل جسم ساہی ہو گیا اور آپ بے حد زخمی ہو گئے تو اپنے بہادر مقتولوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے، "اے بہادر شیرو اٹھو اور حسینؑ کی مدد کرو۔ بیشک تم نے بڑی مدد کی اور تم میری حمایت میں سر سے گزر گئے ہو جان سے بے نیاز ہو گئے ہو۔ لیکن سنو اب وقت و حالت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس وقت میری مدد کرو۔ لیکن افسوس جان سے گزر جانے والے اور سر کو فدا کر دینے والے حیات ظاہری سے محروم کیونکر مدد کرتے، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی آواز پر زعفر جن نے لبیک کہی اور امداد کی درخواست کی۔ آپ نے یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا کہ میں امتحان دینے کے لیے آیا ہوں اور اتمام حجت کے لیے صدائے امداد بلند کی ہے، ورنہ مجھے مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" ایک روایت میں ہے کہ پھر فرشتوں نے مدد کرنا چاہی انھیں بھی جواب دے دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حسینؑ کی اس آخری پکار پر کٹی ہوئی گردنوں سے لبیک کی آواز آئی۔

بارگاہِ احدیت میں امام حسینؑ کے دل کی آواز

حسین یکہ و تنہا، بے یار و مددگار، جلتی ہوئی زمین پر دشمنوں کے ہجوم میں کھڑے ہیں۔ نانا رسول عربی کا عمامہ جس کے پیچ کٹے ہوئے خون میں بھرا ہوا سر پر ہے، پیراہن احمدی زیب تن ہے۔ لیکن تیروں سے چھلنی اور خون سے رنگین ہے۔ قبا کا دامن علی اکبر کے خون سے لال۔ چہرہ انور علی اصغر کے لہو سے گلنار ہے، پیشانی مبارک سے خون ٹپک رہا ہے اور عباس کے غم سے کمر ٹوٹ چکی ہے، بدن زخموں سے چور، سینے سے خون کے فوارے جاری ہیں۔ پیاس سے کلیجہ پھنک رہا ہے، انصار کی لاشیں سامنے پڑی ہیں، برابر کا بیٹا، کڑیل جوان، شبیہہ پیغمبر سینے پر برچھی کھائے، خون میں نہائے سو رہا ہے بھائی کی نشانی قاسم ابن حسن خون کی مہندی لگائے عروس موت سے ہمکنار آرام کر رہا ہے۔ بہن کے لاڈلے

داغ دے کر چلے جا چکے ہیں۔ لشکر کی زینت، بچوں کی ڈھارس، سکینہ کا سقا، علی کا شیر، قوت بازو شانے کٹائے نہر کی ترائی میں پڑا ہے۔ چھ ماہ کی جان تیر سہ شعبہ کے نذر ہو چکی ہے۔ قتل گاہ، منی کا نقشہ پیش کر رہا ہے، خیام سے بھوکے پیاسے بچوں کے رونے اور بلبلانے کی جگر سوز صدائیں آرہی ہیں۔ بیواؤں کے رونے اور فریاد کرنے کی آوازیں دل کو جلا رہی ہیں۔ لیکن اللہ رے حسینؑ کا جذبہ قربانی۔ یہ عشق خدا کا متوالا۔ اسلام کا فریفتہ، توحید کا شیفتہ، صبر و رضا کا مجسمہ یادِ خدا میں محو اور مناجات میں مشغول ہے جیسے جیسے مصائب و آلام بڑھتے جاتے ہیں چہرہ شگفتہ ہوتا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میرے پالنے والے میں اپنی زندگی سے اس موت کو پسند کرتا ہوں جو تیری راہ میں ہو، میرے مولا، مجھے اس میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ میں ستر مرتبہ تیری بارگاہ میں شہید کیا جاؤں اور اس قتل پر فخر کرتا ہوں جس میں تیرے دین کی نصرت کا راز مضمر ہو (ناموس اسلام ص۱۸۴) اس کے بعد آپ عرض کرتے ہیں ؎

ترکت الناس طرا فی هواکا　　　وایتمت العیال لکی اراکا

(۱) میرے مالک تو جانتا ہے اور بہتر جانتا ہے کہ میں نے صرف تیری محبت میں سب سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور فقط تیرے دیدار کے شوق میں اہل و عیال کو چھوڑ دیا۔ اور بچوں کو یتیم بنا دیا ہے (۲) مالک اگر تیرے دیدار عشق میں میرے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ تب بھی میرا دل تیرے سوا کسی اور کی طرف جھک نہیں سکتا۔

یہ کہہ کر آپ نے تلوار نیام میں رکھ لی۔ کیونکہ صدائے آسمانی آگئی تھی کہ "اپنا وعدہ طفلی پورا کرو"۔ آپ کے ہاتھوں کا رکنا تھا۔ کہ سارا لشکر مسلسل حملے پر آمادہ ہو گیا۔ اور چالیس افراد نے آپ کو گھیرے میں لے کر وار کرنا شروع کر دیا۔

امام حسینؑ عرش زین سے فرش زمین پر

آپ پر مسلسل وار ہو رہے تھے کہ ناگاہ ایک پتھر پیشانی اقدس پر لگا اس کے فوراً بعد ابوالحتوف جعفی ملعون نے جبین مبارک پر تیر مارا آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا اور پوچھنے کے لیے آپ اپنا دامن اٹھانا ہی چاہتے تھے کہ سینہ اقدس پر ایک تیر سہ شعبہ پیوست ہو گیا۔ جو زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اس کے بعد صالح ابن وہب لعین نے آپ کے پہلو پر اپنی پوری طاقت سے ایک نیزہ مارا۔ جس کی تاب نہ لا کر زمین گرم پر داہنے رخسار کے بل گرے، زمین پر گرنے کے بعد آپ پھر اٹھ کھڑے ہوئے درعہ ابن شریک لعین نے آپ کے دائیں شانے پر تلوار لگائی اور دوسرے ملعون نے داہنے طرف وار کیا آپ پھر زمین پر گر پڑے، اتنے میں سنان بن انس نے حضرت کے "ترقوہ" ہنسلی پر نیزہ مارا اور اس کو کھینچ کر دوسری دفعہ سینہ اقدس پر لگایا۔ پھر اسی نے ایک تیر حضرت کے گلوئے مبارک پر مارا

ان پیہم ضربات سے حضرت کمال بے چینی میں اٹھ بیٹھے اور آپ نے تیر کو اپنے ہاتھوں سے کھینچا اور خون ریش مبارک پر ملا۔ اس کے بعد مالک بن نسر کندی لعین نے سر پر تلوار لگائی اور ورعہ ابن شریک نے شانہ پر تلوار کا وار کیا۔ حصین بن نمیرؔ نے دہن اقدس پر تیر مارا۔ ابوالیوب غنوی نے حلق پر حملہ کیا۔ نصر بن حرشہ نے جسم پر تلوار لگائی صالح ابن وہب نے سینہ مبارک پر نیزہ مارا۔

یہ دیکھ کر عمر سعد نے آواز دی اب دیر کیا ہے ان کا سر فوراً کاٹ لو۔ سر کاٹنے کے لیے شبث ابن ربعی بڑھا۔ امام حسینؑ نے اس کے چہرہ پر نظر کی اُس نے حسینؑ کی آنکھوں میں رسولؐ اللہ کی تصویر دیکھی اور کانپ اُٹھا۔ پھر سنان بن انس آگے بڑھا۔ اس کے جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ وہ بھی سر مبارکؑ کاٹ سکا۔ یہ دیکھ کر شمر ملعون نے کہا۔ یہ کام صرف مجھ سے ہو سکتا ہے اور وہ خنجر لیے ہوئے امام حسینؑ کے قریب آکر سینہ مبارک پر سوار ہو گیا۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے کہا میں شمر ہوں۔ فرمایا تو مجھے نہیں پہچانتا۔ اس نے کہا، "اچھی طرح جانتا ہوں"۔ تم علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور محمدؐ کے نواسے ہو، آپ نے فرمایا پھر مجھے کیوں ذبح کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا اس لیے کہ مجھے یزید کی طرف سے مال و دولت ملے گا۔ (کشف الغمہ ص۷۹) اس کے بعد آپ نے اپنے دوستوں کو یاد فرمایا اور سلام آخری کے جملے ادا کیے۔

جب آپ اس کی شقی القلبی کی وجہ سے مایوس ہو گئے تو فرمانے لگے۔ اے شمر مجھے اجازت دے دے کہ میں اپنے خالق کی آخری نمازِ عصر ادا کر لوں۔ اس نے اجازت دی آپ سجدہ میں تشریف لے گئے۔ (روضۃ الشہداء ص۳۷۷) اور شمر نے آپ کے گلو مبارک کو خنجر کے بارہ ضربوں سے قطع کر کے سر اقدس کو نیزہ پر بلند کر دیا حضرت زینب خیمہ سے نکل پڑیں۔ زمین کانپنے لگی، عالم میں تاریکی چھا گئی، لوگوں کے بدن میں کپکپی پڑ گئی۔ آسمان خون کے آنسو رونے لگا۔ جو شفق کی صورت سے رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ (صواعق محرقہ ص۱۱۶) اس کے بعد عمر سعد نے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہاتھوں سر مبارک کربلا سے کوفہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ (الحسین از عمر بن نصر ص۱۵۴) امام حسینؑ کی سر بریدگی کے بعد آپ کا لباس لوٹا گیا۔ اخنس بن مرثد عمامہ لے گیا۔ اسحاق ابن حشوہ قمیص، پیراہن لے گیا۔ ابجر بن کعب پائجامہ لے گیا۔ اسود بن خالد نعلین لے گیا۔ عبداللہ بن اسید کلاہ لے گیا۔ بجدل بن سلیم انگشتری لے گیا۔ قیس بن اشعث پٹکا لے گیا۔ عمر بن سعد زرہ لے گیا۔ جمیع بن خلق ازدی تلوار لے گیا۔ اللہ رے ظلم ایک کمر بند کے لیے جمال ملعون نے ہاتھ قطع کر دیا۔ ایک انگوٹھی کے لیے بجدل نے انگلی کاٹ ڈالی۔

اس کے بعد دیگر شہداء کے سر کاٹے گئے اور لاشوں پر گھوڑے دوڑانے کے لیے عمر سعد نے لشکریوں کو حکم دیا دس افراد اس اہم جرم خدائی کے لیے تیار ہو گئے۔ جن کے نام یہ ہیں کہ اسحاق بن حویہ، اخنس بن مرثد، حکیم بن طفیل، عمرو بن صبیح، رجا بن منقذ، سالم بن خیثمہ صالح بن وہب واعظ

بن تاغم ، ہانی بن مثبت ، اسید بن مالک ، تواریخ میں ہے۔ "فلاسوا الحسین بحوافرخیولھم حتی رضوا ظھرہ وصدرہ" امام حسینؑ کی لاش کو اس طرح گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا کہ آپ کا سینہ اور آپ کی پُشت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی بعض مورخین کا کہنا ہے کہ جب ان لوگوں نے چاہا کہ جسم کو اس طرح پامال کر دیں کہ بالکل ناپید ہو جائے تو جنگل سے ایک شیر نکلا اور اُس نے بچا لیا۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۴۵) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے فوراً بعد وہ مٹی جو رسولِ خداؐ مدینہ میں اُمِ سلمہ کو دے گئے تھے۔ خون ہو گئی (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۵) اور رسولِ خدا، ام سلمہ کے خواب میں مدینے پہنچے۔ ان کی حالت یہ تھی وہ بال بکھرائے ہوئے خاک سر پر ڈالے ہوئے تھے۔ ام سلمہ نے پوچھا کہ آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا "شھدت قتل الحسین انفا" میں ابھی ابھی حسین کے قتل گاہ میں تھا اور اپنی آنکھوں سے اُسے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۰۶ مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۱۹، تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۵۶، ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۴۸)۔

شامِ غریباں

شہادتِ حسینؑ کے بعد اسپ وفادار نے اپنی پیشانی امام حسینؑ کے خون میں رنگین کر کے اہلِ حرم میں خبر شہادت پہنچا ہی دی تھی جس کی وجہ سے خیمہ میں کہرام عظیم برپا ہی تھا کہ دشمنوں نے خیمہ کا رُخ کیا اور پہنچتے ہی خیموں میں آگ لگا دی اور سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ اہلِ بیت رسول فریاد و فغاں کی آوازیں بلند کر رہے تھے۔ اور کوئی فریاد رس اور پُرسان حال نہ تھا۔ تمام بیبیوں کے سروں سے چادریں چھین لیں۔ فاطمہ بنت حسین کے پیروں سے چھاگلیں اُتار لیں، اور حضرت زینب و ام کلثوم کے کانوں سے گوشوارے کھینچ لیے۔ سید سجاد کے نیچے سے بستر کھینچ کر انھیں زمین پر ڈال دیا۔ غرضیکہ ایک ایسا حشر برپا کر دیا گیا جو نہ کسی کے ساتھ کبھی روا رکھا گیا تھا اور نہ اس سے قبل سُننے میں آیا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر۔ ایک عورت جو قبیلہ بکر ابن وائل سے تھی ایک تلوار کا ٹکڑا لے کر ان مخالفوں پر حملہ آور ہوئی جو آلِ رسول کو لُوٹ رہے تھے بعض روایتوں میں ہے کہ ایک بچّے کے کُرتے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور وہ باہر کی طرف بھاگ رہا تھا جیسے جیسے ہوا لگتی تھی آگ بھڑکتی جاتی تھی، یہ حال دیکھ کر ایک دشمن نے ترس کھایا، اور بڑھ کر دامن سے آگ بجھا دی۔ نونہال نے جب اُسے اپنے اوپر مہربان پایا تو پوچھنے لگا کہ اے شیخ نجف کا راستہ کدھر ہے۔ اُس نے کہا اے فرزند اس کم سنی میں نجف کا راستہ کیوں پوچھتے ہو۔ فرمایا میں اپنے نانا کے پاس جا کر ان کے سامنے فریاد کروں گا۔ کتاب توضیح میں یہ واقعہ جناب سکینہ کی طرف منسوب ہے۔

الغرض ظلم و جور کی انتہا ہو رہی تھی کسی بی بی کی پُشت پر تازیانے لگائے جا رہے تھے کسی کے

یوم چہارشنبہ شام پہنچا دیا گیا اور وہاں ایک سال قید میں رکھا گیا۔ پھر وہاں سے رہائی کے بعد آلِ رسولؐ بتاریخ ۲۰ صفر ۶۲ھ کربلا ہوتے ہوئے ۸ ربیع الاول ۶۲ھ کو وارِدِ مدینہ منورہ ہوئے۔

اِس اجمال کی مختصر الفاظ میں تفصیل یہ ہے کہ گیارھویں محرم یوم شنبہ کو شمر بن ذی الجوشن نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا کہ اب تمھیں عورتوں اور بچوں سمیت دربارِ ابنِ زیاد میں چلنا ہوگا۔ جو کوفہ میں ہے۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ میں ثانی زہرا سے عرض کرتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے پھوپھی سے عرض کی، زینب بنتِ علی کو جلال آ گیا۔ لیکن فوراً بھائی کی وصیت یاد آ گئی سر جھکا کر کہا، بیٹا ہر مصیبت برداشت کروں گی۔

پھر روانگی کا بندوبست شروع ہو گیا۔ بے محمل و عماری کے ناقوں پر سر برہنہ مخدرات عصمت و طہارت سوار کی گئیں، سروں کو بروائتے صندوقوں میں بند کیا گیا اور بروایتے نیزوں پر بلند کیا گیا، اور شہداء کے لاشوں کو زمینِ گرم پر چھوڑ کر قافلہ کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ بازارِ کوفہ میں داخلہ کے وقت حضرت زینب صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا کی فریادی آواز کو ماند کرنے کے لیے باجوں کی آواز تیز کرا دی گئی۔ بروایتے حضرت زینب نے ماتم شروع کر دیا پھر ان کے ہاتھ پس گردن سے باندھ دیے گئے۔ کوفہ میں داخلہ ہوا۔ بازارِ کوفہ میں حضرت زینب حضرت امِ کلثوم، حضرت فاطمہ بنت الحسین اور حضرت امام زین العابدینؑ نے زبردست تقریریں کیں۔ اور واقعہ پر بھرپور روشنی ڈالی۔ دارالامارہ کے دروازے پر سرِ مسلم بن عقیل علیہ الرحمۃ لٹکا ہوا دیکھا گیا۔ ابنِ زیاد نے مختار کو قید خانے سے بلایا اور سرِ حسینؑ طشتِ طلا میں رکھ کر اُن کے سامنے لایا گیا، پھر چھڑی سے دندانِ مبارک امام حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی گئی۔ ایک ہفتہ قید خانہ کوفہ میں مخدرات عصمت و طہارت کو قید رکھنے کے بعد حسینی قافلہ کو شام کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ جو بروائتے ۳۶ دن میں اور بروایتے ۱۶ ربیع الاول ۶۱ھ یوم چہارشنبہ واردِ شام ہوا۔ جب شام کے پایۂ تخت یعنی دمشق میں جہاں یزید کا دربار لگتا تھا۔ داخلہ کا موقع آیا تو تین دن تک اِس قافلہ کو "باب الساعات" پر ٹھہرایا گیا کیونکہ دربار کے سجنے میں تین دن کی ضرورت باقی تھی، پھر دربار میں داخلہ ہوا، ہزاروں کرسی نشین آلِ محمدؐ کی مخدورات کا تماشہ دیکھنے کے لیے جمع تھے۔ یزید نے حضرت زینب سے کلام کرنا چاہا۔ جناب فضہ نے مزاحمت کی، پھر یزید کی طعنہ زنی پر بنتِ علی نے دُکھ درد سے بھرے ہوئے الفاظ میں زبردست تقریر کی، دربار میں ہلچل مچی اور مخدورات عصمت و طہارت کو ایسے قید خانہ میں بھیج دیا گیا جس میں دھوپ اور شبنم سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ پھر امام زین العابدین نے مسجدِ دمشق میں یادگار خطبہ دیا جو اذان کے ذریعہ سے منقطع کرا دیا گیا۔ (بحار جلد ۱۰ ص ۲۳۳)۔

الغرض یہ حسینی قافلہ تقریباً ایک سال اِس قید خانے میں پڑا رہا۔ اِسی دوران میں حضرت سکینہ

کا انتقال بھی ہوگیا، کتب مقاتل سے قید خانے میں ہندہ زوجہ یزید کے آنے کا بھی نشان ملتا ہے۔
طویل مدت گزارنے کے بعد یہ قافلہ رہا کیا گیا، ایک خالی مکان میں مخدرات وطہارت نے ایک ہفتہ
نوحہ و ماتم کیا اور شام کی عورتوں سے تعزیت قبول کیا، پھر بشیر بن جزلم کی رہنمائی میں یہ قافلہ ۲۰ صفر
۶۲ھ کو وارد کربلا ہوا، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری جو صحابی رسول اور قبر حسین کے مجاور اول
تھے۔ انھوں نے فریاد و فغاں کی حالت میں انتہائی رنج و غم کے ساتھ اس قافلہ کا استقبال کیا،
زینب نے قبر امام حسین پر اپنے کو گرا دیا۔ بروایتے تین دن تک فریاد و فغاں اور نوحہ ماتم کے
بعد یہ قافلہ مدینہ کو روانہ ہوا، قریب مدینہ قافلہ ٹھہرا، بشیر نے خبر غم اہل مدینہ تک پہنچائی، جوق
در جوق اہل مدینہ قافلہ کے مستقر پر سر و پا برہنہ روتے پیٹتے جمع ہو گئے۔ محمد حنفیہ بھی آئے، عبداللہ
بن جعفر بھی آئے اور ام سلمہ بھی آئیں۔ ام سلمہ کے ایک ہاتھ میں فاطمہ صغریٰ کا ہاتھ تھا اور ایک ہاتھ
میں وہ شیشی تھی جو رسول خدا دے گئے تھے اور اس میں کربلا کی مٹی خون ہو گئی تھی۔ قافلہ داخل مدینہ
ہوا۔ حضرت ام کلثوم نے مرثیہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

مدینۃ جدنا لا تقبلینا فبالحسرات والاحزان جئنا

(ترجمہ) اے ہمارے نانا کے مدینے تو ہمیں قبول نہ کر (کیونکہ ہم قبول کئے جانے کے قابل نہیں ہیں)
ہم یہاں حسرتوں مصیبتوں اور اندوہ و غم کے ساتھ واپس آئے ہیں۔ مدینہ میں داخلہ کے بعد روضۂ رسولؐ
پر بے پناہ فریاد و فغاں کی گئی ۱۵ شبانہ روز بنی ہاشم کے گھروں میں چولہا نہیں جلا اور ان کے گھروں
سے دھواں نہیں اٹھا، اس واقعہ ہائلہ کے بعد حضرت امام زین العابدین چالیس سال زندہ رہے
اور شب و روز گریہ و زاری فرماتے رہے۔ یہی حال حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ
نیز دیگر تمام شرکا رگرداب مصائب کا رہا تا زندگی ان کے آنسو خشک نہیں ہوئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن جناب زینب و جناب ام کلثوم کے مختصر حالات ولادت، وفات اور مدفن

جناب زینب و ام کلثوم، حضرت رسول کریم صلعم و خدیجۃ الکبریٰ کی نواسیاں، حضرت ابوطالب و
فاطمہ بنت اسد کی پوتیاں حضرت علی و فاطمہ کی بیٹیاں حضرت امام حسن و امام حسین کی حقیقی اور حضرت
عباس و جناب محمد حنفیہ کی علاتی بہنیں تھیں۔ اس سلسلہ کے پیش نظر جس کی بالائی سطح میں حضرت حمزہ
حضرت جعفر طیار، حضرت عبدالمطلب اور حضرت ہاشم بھی ہیں ان دونوں بہنوں کی عظمت بہت
نمایاں ہو جاتی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جس طرح ان کے آباؤ اجداد، ماں باپ اور بھائی بے مثل و بے نظیر ہیں اسی طرح یہ دو بہنیں بھی بے مثل و بے نظیر ہیں خدا نے انھیں جن خاندانی صفات سے نوازا ہے اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ میں یہ کہوں کہ جس طرح علی و فاطمہ کے فرزندان لاجواب ہیں اسی طرح ان کی دختران بھی لاجواب ہیں بے شک زینبؑ و ام کلثومؑ معصوم نہ تھیں لیکن ان کے محفوظ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں جو معصوم کے مترادف ہے، ہم ذیل میں دونوں بہنوں کا مختصر الفاظ میں علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں۔

حضرت زینبؑ کی ولادت

مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت زینب بنت امیرالمومنین علیہ السلام ۵ رجمادی الاول ۶ھ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئی ہیں جیسا کہ "زینب اخت الحسین" علامہ محمد حسین الادیب نجف اشرف ص۱۴ "بطلۃ کربلا" ڈاکٹر بنت الشاطی الاندلسی ص۲ طبع بیروت سلسلۃ الذہب" ص۱۹ و کتاب بحر المصائب اور خصائص زینبیہ ابن محمد جعفر الجزائری، سے ظاہر ہے، مسٹر اعجاز الرحمٰن ایم۔ اے لاہور نے کتاب "زینب" کے ص۷ پر ۵ھ ہجری لکھا ہے جو میرے نزدیک صحیح نہیں ہے ایک روایت میں ماہ رجب ایک میں ماہ شعبان اور ایک میں ماہ رمضان کا حوالہ بھی ملتا ہے، علامہ محمد الحسین الادیب کی عبارت کا متن یہ ہے "فقد ولدت عقیلہ زینب فی العام السادس للھجرۃ علی ما انفق المورخون علیہ ذالک یوم الخامس من شہر جمادی الاول الخ حضرت زینب صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا ۵ رجمادی الاول ۶ھ ہجری میں پیدا ہوئی ہیں، اس پر مورخین کا اتفاق ہے میرے نزدیک یہی صحیح ہے یہی کچھ "الوقائع والحوادث جلد۱ ص۱۱۳ طبع قم ۱۳۴۱ھ میں بھی ہے۔

حضرت زینبؑ کی ولادت پر حضرت رسول کریم صلعم کا تاثر

وقت ولادت کے متعلق جناب آقائی سید نور الدین بن آقائی سید محمد جعفر الجزائری خصائص زینبیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا متولد ہوئیں اور اس کی خبر حضرت رسول کریم صلعم کو پہنچی تو حضور جناب فاطمہ زہرا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے میری راحت جان، بچی کو میرے پاس لاؤ، جب بچی رسول کی خدمت میں لائی گئی تو آپ نے اسے سینے سے لگایا اور اس کے رخسار پر رخسار رکھ کر بے پناہ گریہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی، جناب سیدہ نے عرض کی باباجان آپ کو خدا کبھی نہ رلائے۔ آپ کیوں رو پڑے، ارشاد ہوا کہ اے جانِ پدر، میری یہ بچی تیرے بعد متعدد تکلیفوں اور مختلف مصائب میں مبتلا ہو گی۔ جناب سیدہ یہ سن کر بے اختیار گریہ کرنے لگیں اور انھوں نے پوچھا کہ اس کے مصائب پر گریہ کرنے کا کیا ثواب ہو گا۔ فرمایا وہی ثواب ہو گا جو میرے بیٹے حسینؑ کے مصائب سے متاثر ہونے والے کا ہو گا اس کے بعد آپ نے اس بچی کا نام زینب رکھا۔ (امام مبین ص۶۴ طبع لاہور) بروایتے زینب عبرانی لفظ ہے جس کے معنی بہت زیادہ رونے والی کے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ لفظ "زین اور

"اب" سے مرکب ہے۔ یعنی باپ کی زینت پھر کثرتِ استعمال سے زینب ہوگیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ نام بحکم رب جلیل رکھا تھا جو بذریعہ جبرئیل پہنچا تھا۔

ولادت زینب پر علی بن ابی طالب کا تاثر

ڈاکٹر بنت الشاطی اندلسی اپنی کتاب "بطلہ کربلا زینب بنت الزہرا" طبع بیروت کے ص۲۹ پر قمطراز ہیں کہ حضرت زینب کی ولادت پر جب جناب سلمان فارسی نے اسد اللہ حضرت علی علیہ السّلام کو مبارکباد دی تو آپ رونے لگے۔ اور آپ نے ان حالات و مصائب کا تذکرہ فرمایا جن سے جناب زینبؑ مستقبل میں دوچار ہونے والی تھیں۔

حضرت زینب کی وفات

مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیھا جب بچپن جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کرتے اور واقعہ کربلا کے مراحل سے گذرنے کے بعد قید خانہ شام سے چھوٹ کر مدینہ پہنچیں تو آپ نے واقعاتِ کربلا سے اہلِ مدینہ کو آگاہ کیا اور رونے پیٹنے، نوحہ و ماتم کو اپنا شغلِ زندگی بنالیا۔ جس سے حکومت کو شدید خطرہ لاحق ہوگیا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ عمل میں آیا۔ بالآخر آلِ محمدؐ کو مدینہ سے نکال دیا گیا۔

عبید اللہ والی مدینہ المتوفی ۲۷۷ھ اپنی کتاب "اخبار الزینبہ" میں لکھتا ہے کہ جناب زینب مدینہ میں اکثر مجالسِ عزا برپا کرتی تھیں اور خود ہی ذاکری فرماتی تھیں، اس وقت کے حکام وقت کو یہ گوارا نہ تھا کہ واقعہ کربلا کھلم کھلا طور پر بیان کیا جائے۔ چنانچہ عروہ بن سعید اشدق (والی مدینہ) نے یزید کو لکھا کہ مدینہ میں جنابِ زینب کی موجودگی لوگوں میں ہیجان پیدا کر رہی ہے۔ انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے تجھ سے خونِ حسینؑ کے انتقام کی ٹھان لی ہے۔ یزید نے اطلاع پاکر فوراً والیِ مدینہ کو لکھا کہ زینب اور ان کے ساتھیوں کو منتشر کردے اور ان کو مختلف ممالک میں بھیج دے الخ (حیات الزہرا ص۵۹)

ڈاکٹر بنت اشاطی اندلسی اپنی کتاب "بطلہ کربلا، زینب بنت الزہرا" طبع بیروت کے ص۱۵۲ میں لکھتی ہیں کہ حضرت زینب واقعہ کربلا کے بعد مدینہ پہنچ کر یہ چاہتی تھیں کہ زندگی کے سارے بقیہ ایام یہیں گذریں لیکن وہ جو مصائب کربلا بیان کیا کرتی تھیں وہ بے انتہا موثر ثابت ہوا اور مدینہ کے باشندوں پر اس کا بے حد اثر ہوا" فکتب والیھم بالمدینۃ الی یزید ان وجودھا بین اھل المدینۃ مھیج للخواطر الخ ان حالات سے متاثر ہوکر والی مدینہ نے یزید کو لکھا کہ جنابِ زینب کا مدینہ میں رہنا ہیجان پیدا کر رہا ہے، ان کی تقریروں سے اہلِ مدینہ میں بغاوت پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے، یزید کو جب والی مدینہ کا خط ملا تو اُس نے حکم دیا کہ ان سب کو ممالک و امصار میں منتشر کردیا جائے، اس کے حکم آنے کے بعد والی مدینہ نے حضرت زینب سے کہلا بھیجا کہ آپ جہاں مناسب سمجھیں یہاں سے چلی جائیں، یہ سُننا تھا کہ حضرت زینب کو جلال آگیا اور کہا کہ" واللہ لاخرجن وان اریقت دمائنا"

خدا کی قسم ہم ہرگز یہاں سے نہ جائیں گے چاہے ہمارے خون بہا دیئے جائیں، یہ حال دیکھ کر زینب بنت عقیل بن ابی طالب نے عرض کی اے میری بہن غصہ سے کام لینے کا وقت نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم کسی اور شہر میں چلے جائیں، فخرجت زینب من مدینة جدها الرسول ثم لم ترها المدینة بعد ذالک ابداً " پھر حضرت زینب مدینہ رسول سے نکل کر چلی گئیں اس کے بعد سے پھر مدینہ کی شکل نہ دیکھی، وہ وہاں سے نکل کر مصر پہنچیں، لیکن وہاں زیادہ دن ٹھہر نہ سکیں" ھکذا منتقلة من بلد الی بلد لایطمئن بها علی الارض مکان "اسی طرح وہ غیر مطمئن حالت میں پریشان شہر بہ شہر پھرتی رہیں اور کسی ایک جگہ اور مکان میں سکونت اختیار نہ کر سکیں الخ۔ علامہ محمد الحسین الادیب النجفی لکھتے ہیں۔ وقضت العقیلة زینب ع حیاتها بعد اخیها منتقلة من بلد الی بلد تقص علی الناس هنا و هناک ظلم هذا الانسان الی رخیه الانسان الخ کہ حضرت زینب اپنے بھائی کی شہادت کے بعد سکون سے نہ رہ سکیں وہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں سرگرداں پھرتی رہیں اور ہر جگہ ظلم یزید کو بیان کرتی رہیں اور حق و باطل کی وضاحت فرماتی رہیں اور شہادت حسین پر تفصیلی روشنی ڈالتی رہیں (زینب اخت الحسین ص۴۴) یہاں تک کہ آپ شام پہنچیں اور وہاں قیام کیا کیونکہ بروایتے آپ کے شوہر عبداللہ بن جعفر طیار کی وہاں جائداد تھی، وہیں آپ کا انتقال بروایت اخبار الزینبیہ و حیات الزہرا روز شنبہ اتوار کی رات ۱۴ رجب ۶۲ ہجری کو ہوگیا یہی کچھ کتاب "بطلۂ کربلا" کے ص ۱۵۵ میں ہے۔ بروایت خصائص زینبیہ قید شام سے رہائی کے چار ماہ بعد ام کلثوم کا انتقال ہوا اور اس کے دو ماہ بیس دن بعد حضرت زینب کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال کی تھی

آپ کی وفات یا شہادت کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن آپ اس باغ میں تشریف لے گئیں جس کے ایک درخت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر معلق کیا گیا تھا، اس باغ کو دیکھ کر آپ بے چین ہوگئیں حضرت ظہور جارچوی مقیم لاہور لکھتے ہیں ؎

کاروان شام کی سرحد میں جو پہنچا سر شام | متصل شہر سے تھا باغ کیا اس میں قیام
دیکھ کر باغ کو رونے لگی ہمشیر امام | واقعہ پہلی اسیری کا جو یاد آیا تمام

حال تغیر ہوا فاطمہ کی جائی کا
شام میں لٹکا ہوا دیکھا تھا سر بھائی کا

بنت حیدر گئیں روتی ہوئی نزدیک شجر | ہاتھ اٹھا کر یہ کہا اے شجر بار آور
تیرا احسان ہے یہ بنت علی کے سر پر | تیری شاخوں سے بندھا تھا کبھی ماں جائے کا سر

اے شجر تجھ کو خبر ہے کہ وہ سر کس کا تھا
مالک باغ جناں تاج سر طوبیٰ تھا

؎ اوراق الوقائع والحوادث ج ۱ ص ۱۱۳

رو رہی تھی یہ بیاں کر کے جو وہ دکھ پائی — باغباں باغ میں تھا ایک شقیٔ ازلی
بیلچہ لے کے چلا دشمن اولادِ بنی — سر پہ اس زور سے مارا کہ زمین کانپ گئی

سر کے ٹکڑے ہوئے، روئیں نہ پکاریں زینب
خاک پر گر کے سوئے خلد سدھاریں زینب

حضرت زینبؑ کا مدفن

علامہ محمد الحسین الادیب النجفی تحریر فرماتے ہیں "قد اختلف المورخون فی محل دفنها بین المدینۃ والشام ومصر، وعلی مایغلب الظن والتحقیق علیہ انها مدفونۃ فی الشام ومرقدها مزار الالوف من المسلمین فی کل عام۔" مورخین نے ان کے مدفن یعنی محل دفن میں اختلاف کیا ہے کہ آیا مدینہ ہے یا شام یا مصر لیکن ظنِ غالب کی بنا پر تحقیق یہ ہے کہ وہ شام میں دفن ہوئی ہیں اور ان کے مرقدِ اقدس اور مزارِ مقدس کی ہزاروں مسلمان عقیدت مند ہر سال زیارت کیا کرتے ہیں۔ (زینب اخت الحسین ص۵۰ طبع نجف اشرف) یہی کچھ محمد عباس ایم اے جوائنٹ ایڈیٹر پیسہ اخبار نے، اپنی کتاب "مشاہیر نسوان" طبع لاہور ۱۹۰۲ء کے ص۶۲۱ میں، اور میاں اعجاز الرحمٰن ایم۔ اے نے اپنی کتاب "زینب رضی اللہ عنہا" کے ص۸۱ طبع لاہور ۱۹۵۸ء میں لکھا ہے شام میں جہاں جناب زینب صلواۃ اللہ وسلامہ علیہا کا مزارِ مقدس ہے اسے "زینبیہ" کہتے ہیں۔ ناچیز کو شرفِ زیارت ۱۹۶۶ء میں نصیب ہوا ہے۔

حضرت اُمِ کلثوم کی ولادت وفات اور اُن کا مدفن

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ حضرت امِ کلثوم اپنی بہن حضرت زینب کے کارناموں میں برابر کی شریک تھیں وہ تاریخ میں اپنی بہن کے بالکل دوش بدوش نظر آتی ہیں، وہ مدینہ کی زندگی، کربلا کے واقعات، دوبارہ گرفتاری اور مدینہ سے اخراج سب میں حضرت زینب کے ساتھ رہیں۔ ان کی ولادت ۹ھ میں ہوئی ان کا عقد[1] محمد بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا۔ ان کی وفات حضرت زینب سے دو ماہ بیس دن قبل ہوئی (خصائص زینبیہ) وہ شام میں دفن ہوئی ہیں۔ (معجم البلدان یاقوت حموی ج ۴ ص۲۱۶) ان کا مزار اور سکینہ بنت الحسین کا مزار شام میں ایک ہی عمارت میں واقع ہے۔ ان کی عمر ۵۱ سال کی تھی، ان کی اولاد کا تاریخ میں سراغ نہیں ملتا۔ البتہ حضرت زینب کے عبداللہ بن جعفر طیار سے چار فرزند، علی، محمد، عون، عباس اور ایک دختر اُمِ کلثوم کا ذکر ملتا ہے۔ (زینب اخت الحسین ص۵۵ وسفینۃ البحار جلد ۸ ص۵۵۸)۔

---

[1] حضرت امِ کلثوم کے ساتھ عمر بن خطاب کے عقد کا افسانہ توہین آل محمد کا ایک دلسوز باب ہے۔ اس کی رد کے لیے ملاحظہ ہو، مقدمہ ترجمہ احیاء المیت علامہ جلال الدین سیوطی مطبوعہ لاہور ۱۲ منہ۔

وابوھما خیر منھما "حسن اور حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور ان کے پدر بزرگوار ان دونوں سے بہتر ہیں (ابن ماجہ) صحابی رسول جناب حذیفہ یمانی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سرورِ کائنات صلعم کو بے انتہا مسرور دیکھ کر پوچھا حضور! افراطِ مسرت کی کیا وجہ ہے فرمایا اے حذیفہ آج ایک ایسا ملک نازل ہوا ہے جو میرے پاس اس سے قبل کبھی نہیں آیا تھا۔ اُس نے مجھے میرے بچوں کی سرداریِ جنت پر مُبارک باد دی ہے اور کہا ہے کہ "ان فاطمہ سیدۃ نساء اھل الجنۃ وان الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ" فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار اور حسنین جنت کے مردوں کے سردار ہیں۔ (کنز العمال جلد ۷ صہ ۱۰۷ تاریخ الخلفاء صہ ۱۳۲ اسد الغابہ صہ ۱۲ اصابہ جلد ۲ صہ ۱۲ ترمذی شریف، مطالب السؤل صہ ۲۴۲ صواعق محرقہ صہ ۱۱۴)۔

اس حدیث سے سیادت علویہ کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ قطع نظر اس سے کہ حضرت علی میں مثل بنی سیادت کا ذاتی شرف موجود تھا اور خود سرورِ کائنات نے بار بار آپ کی سیادت کی تصدیق سید العرب سید المتقین، سید المومنین وغیرہ جیسے الفاظ سے فرمائی ہے حضرت علی کا سردارانِ جنت امام حسن اور امام حسین سے بہتر ہونا واضح کرتا ہے کہ آپ کی سیادت مسلمہ ہی نہیں بلکہ بہت بلند درجہ رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک جملہ اولادِ علی سید ہیں یہ اور بات ہے کہ بنی فاطمہ کے برابر نہیں ہیں۔

امام حسینؑ عالمِ نماز میں پُشتِ رسولؐ پر

خُدا نے جو شرف امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو عطا فرمایا ہے وہ اولادِ رسُولؐ اور فرزندانِ علیؑ میں آلِ محمدؐ کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔ ان حضرات کا ذکر عبادت اور ان کی محبت عبادت، یہ حضرات اگر پُشتِ رسُولؐ پر عالمِ نماز میں سوار ہو جائیں، تو نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ نونہالانِ رسالت پُشتِ رسُولؐ پر عالمِ نماز میں سوار ہو جایا کرتے تھے اور جب کوئی منع کرنا چاہتا تھا تو آپ اشارہ سے روک دیا کرتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سجدہ میں اُس وقت تک مشغولِ ذکر رہا کرتے تھے جب تک بچے آپ کی پُشت سے خود نہ اُتر آئیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے خُدایا میں انھیں دوست رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔ کبھی ارشاد ہوتا تھا اے دُنیا والو! اگر مجھے دوست رکھتے ہو تو میرے بچوں سے بھی محبت کرو۔ (اصابہ صہ ۱۲ جلد ۲ و مستدرک امام حاکم و مطالب السئول صہ ۲۲۳)۔

حدیث حسینؑ منی

سرورِ کائناتؐ نے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے دُنیا والو! بس مختصر یہ سمجھ لو کہ "حسین منی و انا من الحسینؑ" حسین مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا اسے دوست رکھے جو حسینؑ کو دوست رکھے۔ (مطالب

الفصول صـ۲۴۲ صواعق محرقہ صـ۱۴۰ نور الابصار صـ۱۱۳ و صحیح ترمذی جلد ۶ صـ۳۰۷ مستدرک امام حاکم جلد ۳ صـ۱۶۷ و مسند احمد جلد ۴ صـ۹۷۲ اسد الغابۃ جلد ۲ صـ۹۱ کنز العمال جلد ۴ صـ۲۲۱)۔

مکتوبات باب جنّت

سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں کہ شب معراج جب میں سیر آسمانی کرتا ہوا جنت کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ باب جنت پر سونے کے حروف میں لکھا ہوا ہے۔

"لا الٰہ الا اللہ محمّد حبیب اللہ علیؑ ولی اللہ وفاطمہ امۃ اللہ والحسن والحسین صفوۃ اللہ ومن ابغضھم لعنۃ اللہ"

(ترجمہ) خدا کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلعم اللہ کے حبیب ہیں۔ علی اللہ کے ولی ہیں فاطمہ اللہ کی کنیز ہیں۔ حسنؑ اور حسینؑ اللہ کے برگزیدہ ہیں اور ان سے بغض رکھنے والوں پر خدا کی لعنت ہے ارجح المطالب باب ۳ صـ۳۱۳ طبع لاہور ۱۲۵۱ء۔

امام حسینؑ اور صفات حسنہ کی مرکزیّت

یہ تو معلوم ہی ہے کہ امام حسین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نواسے، حضرت علیؑ وفاطمہ کے بیٹے اور امام حسن کے بھائی تھے، اور انھیں حضرات کو پنج تن پاک کہا جاتا ہے۔ اور امام حسین پنج تن کے آخری فرد ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آخر تک رہنے والے اور ہر دور سے گزرنے والے کے لیے اکتساب صفات حسنہ کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ امام حسین ۳ شعبان ۴ ہجری کو پیدا ہو کر سرورِ کائنات کی پرورش و پرداخت اور آغوش مادر میں رہے اور کسب صفات کرتے رہے۔ ۲۸ صفر ۱۱ ہجری کو جب آنحضرت شہادت پا گئے اور ۳ جمادی الثانی کو ماں کی برکتوں سے محروم ہوگئے تو حضرت علیؑ نے تعلیمات الٰہیہ اور صفات حسنہ سے بہرہ ور کیا۔ ۲۱ رمضان ۴۰ ہجری کو آپ کی شہادت کے بعد امام حسن کے سر پر ذمہ داری عائد ہوئی۔ امام حسن ہر قسم کی استمداد و استعانت خاندانی اور فیضان باری میں برابر کے شریک رہے۔ ۲۸ صفر ۵۰ ہجری کو جب امام حسن شہید ہوگئے۔ تو امام حسینؑ صفات حسنہ کے واحد مرکز بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میں جملہ صفات حسنہ موجود تھے اور آپ کے طرز حیات میں محمدؐ و علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ کا کردار نمایاں تھا اور آپ نے جو کچھ کیا قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا۔ کتب مقاتل میں ہے کہ کربلا میں جب امام حسین رخصت آخری کے لیے خیمہ میں تشریف لائے تو جناب زینب نے فرمایا تھا کہ اے خامس آل عبا آج تمھاری جدائی کے تصور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفٰےؐ، علی مرتضیٰؑ، فاطمۃ الزہراؑ، حسن مجتبٰےؑ ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔

ابھی نابالغی کی حد سے متجاوز نہ ہوئی تھی۔ لیکن آپ نے ایسی جنگ کی کہ دشمنوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ آپ کے مقابلہ میں ارزق شامی آیا۔ آپ نے اسے پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد چاروں طرف سے حملے شروع ہوگئے۔ آپ نے ۷۰ دشمنوں کو قتل کیا آخر کار عمر بن معد بن عروہ بن نفیل ازدی کی تیغ سے شہید ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کا جسم مبارک زندگی ہی میں پامال سم اسپاں ہوگیا تھا۔ ان کے بعد عبداللہ ابن حسن میدان میں آئے اور زبردست جنگ کی۔ آپ نے ۱۴ دشمنوں کو تہ تیغ کیا۔ آپ کو ہانی ابن شبیث حضرمی نے شہید کیا۔ ان کے بعد ابوبکر ابن حسن میدان میں آئے آپ نے میمنہ اور میسرہ کو تباہ کر دیا۔ آپ ۸۰ دشمنوں کو قتل کر کے شہید ہوگئے۔ آپ کو بقول علامہ سماوی عبداللہ ابن عقبہ غنوی نے شہید کیا ہے ان کے بعد احمد بن حسن میدان میں آئے۔ اگرچہ آپ کی عمر ۱۸ سال سے کم تھی لیکن آپ نے یادگار جنگ کی اور ۶۰ سواروں کو قتل کر کے درجہ شہادت حاصل کیا۔ ان کے بعد عبداللہ اصغر میدان میں آئے۔ آپ حضرت علی کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود تمیمی تھیں۔ آپ نے زبردست جنگ کی اور درجہ شہادت حاصل کیا۔ آپ ۲۱ دشمنوں کو قتل کر کے بدست عبداللہ بن عقبہ غنوی شہید ہوئے۔ بعض اقوال کی بناء پر ان کے بعد عمر بن علی میدان میں آئے اور شہید ہوئے۔ طبری کا بیان ہے کہ یہ کربلا میں شہید نہیں ہوئے۔ اکثر مورخین کا کہنا ہے کہ عبداللہ اصغر کے بعد عبداللہ بن علی میدان میں تشریف لائے۔ یہ حضرت عباس کے حقیقی بھائی تھے۔ ان کی عمر بوقت شہادت ۲۵ سال تھی۔ آپ کو ہانی ابن ثبیت الحضرمی نے شہید کیا۔ ان کے بعد حضرت عباس کے دوسرے حقیقی بھائی عثمان بن علی میدان میں آئے۔ آپ نے رجز پڑھی اور زبردست جنگ کی۔ دوران قتال میں خولی ابن یزید اصبحی نے پیشانی مبارک پر ایک تیر مارا جس کی وجہ سے آپ زمین پر آ رہے۔ پھر ایک شخص نے جو قبیلہ ایاں بن وارم کا تھا۔ آپ کا سر کاٹ لیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۲۳ سال تھی۔ ان کے بعد حضرت عباس کے تیسرے حقیقی بھائی میدان میں تشریف لائے اور بقول ابوالفرج بدست خولی ابن یزید اور بروایت ابومخنف بضرب ہانی ابن ثبیت الحضرمی شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۲۱ سال تھی، ان کے بعد فضل بن عباس بن علی میدان میں تشریف لائے اور مشغول کارزار ہوگئے۔ آپ نے ۲۵۰ دشمنوں کو قتل کیا بالآخر چاروں طرف سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بعد حضرت عباس کے دوسرے بیٹے قاسم ابن عباس میدان میں تشریف لائے۔ آپ کی عمر بقول امام فخر رازی ۱۹ سال کی تھی۔ آپ نے ۸۰۰ دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر پانی مانگا۔ پانی نہ ملنے پر آپ پھر واپس گئے اور ۲۰ سواروں کو قتل کر کے شہید ہوگئے۔

علمدار کربلا حضرت عباسؑ کی شہادت

ان بنی ہاشم کے بہادر نونہالوں کی شہادت کے بعد حضرت عباسؑ علمدار میدان میں

حصول آب کے لیے تشریف لائے اور کارِ نمایاں کر کے شہید ہو گئے۔ آپ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ذکر العباس[1] مؤلفہ حقیر مطبوعہ لاہور۔ آپ کے مختصر حالات یہ ہیں کہ آپ ۴ر شعبان ۲۶ھ مطابق ۱۸ر مئی ۶۴۷ء یوم سہ شنبہ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ امام حسینؑ کے مستقل علمبردار تھے۔ آپ کو کربلا میں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی صرف پانی لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ آپ کمال وفاداری کی وجہ سے نہر فرات میں داخل ہو کر پیاسے برآمد ہو گئے تھے۔ آپ کا داہنا ہاتھ خیمہ میں پانی پہنچانے کی سعی میں زید ابن ورقا کی تلوار سے کٹ گیا تھا، اور بایاں ہاتھ حکیم ابن طفیل کی تلوار سے کٹا۔ پھر ایک تیر مشکیزہ پر لگا اور سارا پانی بہہ گیا۔ پھر ایک تیر آپ کے سینے میں لگا۔ اس کے بعد لوہے کا گُرز سر پر پڑا اور آپ زمین پر آ رہے۔ آپ نے امام حسینؑ کو آواز دی امام حسینؑ نے کمر تھام کر فریاد کی "الان انکسر ظہری" ہائے میری کمر ٹوٹ گئی۔ آپ کا لقب سقا اور کنیت ابوالفضل و ابوقربہ تھی۔ آپ بھی یوم عاشورا شہید ہوئے۔ آپ کی تاریخ شہادت مولینا رُوم نے مصرعہ "سر دین را برید بے دینے" سے نکالی ہے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۳۴ سال چند ماہ کی تھی۔

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت علی اکبر نے اذنِ جہاد کی سعی بلیغ کی۔ بالآخر آپ کامیاب ہو کر میدان میں تشریف لائے۔ آپ کو امام حسینؑ نے اپنے ہاتھوں سے آراستہ کیا حضرت علی کی تلوار حمائل کی زرہ پہنائی اور پیغمبر اسلام کی سواری کے گھوڑے پر سوار فرمایا جس کا نام عقاب یا مرتجز تھا۔ روانگی کے وقت امام حسینؑ نے بارگاہِ احدیت میں ہاتھوں کو بلند کر کے کہا "میرے پالنے والے اب تیری راہ میں میرا وہ فرزند قربان ہونے کو جا رہا ہے جو صورت و سیرت میں تیرے رسُولِ کریمؐ سے بہت مشابہ ہے میرے مولا جب میں نانا کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس کی صورت دیکھ لیا کرتا تھا۔ مالک اس کی تو ہی مدد فرمانا۔ علماء نے لکھا ہے کہ میدان میں پہنچنے کے بعد حضرت علی اکبر نے رجز پڑھی اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ اور ایسی زبردست جنگ ہُوئی کہ دُشمنوں کے دانتوں پسینے آ گئے صفوں کی صفیں اُلٹ گئیں۔ ایک سو بیس دُشمن فی النار و السقر ہو گئے۔ حضرت علی اکبر جو تین دن کے بھُوکے اور پیاسے تھے۔ باپ کی خدمت میں حاضر ہُوئے" اور عرض کی بابا جان! پیاس مارے ڈالتی ہے۔ پانی کی کوئی سبیل کر دیجئے امام حسینؑ کے پاس پانی کہاں تھا جو زخموں سے چُور علی اکبرؑ جیسے بیٹے کی آخری فرمائش پُوری فرماتے۔ آپ نے کہا بیٹا پانی تو تھوڑی ہی دیر میں نانا جان پلائیں گے۔ البتہ اپنی زبان میرے مُنہ میں دے دو۔ علی اکبر

---

[1] کراچی کے ایک مولوی صاحب نے اپنے ایک رسالے میں جو حضرت عباس کے حالات پر مشتمل ہے ذکر العباس پر بے سرو پا اعتراضات کئے ہیں ہم ان کے ساٹھ سال اُوپر ہو جانے کی وجہ سے ان کے اعتراضات کا جواب دینا پسند نہیں کرتے۔ ۱۲ منہ

رُخسار پر طمانچے لگ رہے تھے کسی کی پیٹھ پر نیزے کی آنی چبھوئی جا رہی تھی۔ جب سب کچھ لُوٹا جا چکا۔ خیمے جل چکے اور شام آگئی تو دہین کے جلے بھُنے غلّے کے دانوں سے اور بروایتے حُر کی بیوی دانہ پانی لائی اور فاقہ شکنی کی گئی۔

اس کے بعد حضرت زینب نے جناب اُمِ کلثوم سے فرمایا کہ بہن اب رات ہو چکی ہے، تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ تم سب عورتوں اور بچّوں کو ایک جگہ جمع کریں۔ ان کی حفاظت میں رات بھر پہرہ دُوں گی۔ حضرت کلثوم نے سب بیبیوں، بچّوں اور بچیوں کو جمع کیا، لیکن انھیں جناب سکینہ نہ ملیں، آپ نے عُلیا جنابِ زینب سے عرض واقعہ کیا۔ زینب مقتل کی طرف حضرت سکینہ کو تلاش کرنے کے لیے نکلیں۔ ایک نشیب سے سکینہ کے رونے کی آواز آئی، جا کر دیکھا کہ سکینہ باپ کے سینے سے لپٹی ہوئی گریہ کر رہی ہیں۔ جنابِ زینب انھیں خیمہ میں لے آئیں۔ جناب سکینہ کا بیان ہے کہ اس وقت بابا کی کٹی ہوئی گردن سے یہ آواز آ رہی تھی ؎

شیعتی ما ان شربتم ماء عذب فاذکرونی ۔۔۔ او سمعتم بغریب او شہید فاندبونی

وانا السبط الذی من غیر جرم قتلونی ۔۔۔ وبجرد الخیل بعد القتل سحقونی

لیتکم فی یوم عاشوراء جمیعا تنظرونی

کیف استسقی لطفلی فابوا ان یرحمونی

(ترجمہ) اے میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا تو مجھے یاد کرنا اور جب کسی غریب یا شہید کے واقعات سُننا تو مجھ پر گریہ کرنا۔ اے میرے دوستو، سُنو میں رسُولؐ کا وہ مظلوم نواسہ ہوں جسے بلا جرم و خطا دشمنوں نے قتل کر دیا اور پھر قتل کے بعد اُس کی لاش پر گھوڑے دوڑا دیے۔ اے میرے شیعو! کاش تم آج عاشورا کے دن ہوتے تو یہ رُوح فرسا منظر دیکھتے کہ میں اپنے پیاسے بچّے (علی اصغر) کے لیے کس طرح پانی مانگ رہا تھا اور یہ سنگ دل کس دلیری اور بے باکی سے انکار کر رہے تھے۔

غرضکہ حضرت زینب جناب سکینہ کو باپ کے سینے پر سے سمجھا بجھا کر اُٹھا لائیں اور انھیں جناب اُمِ کلثوم کے سپرد کر کے طلایہ پھرنا شروع کر دیا۔ (دمعہ ساکبہ)

رات کا کافی حصّہ گذرنے کے بعد جنابِ زینب نے دیکھا کہ ایک سوار گھوڑا بڑھائے چلا آ رہا ہے۔ آپ نے بڑھ کر اُس سے کہا کہ ہم آلِ رسُولؐ ہیں۔ ہمارے چھوٹے بڑے، بوڑھے، جوان سب آج ہی قتل کیے جا چکے ہیں۔ اب ہمارے چھوٹے چھوٹے بچّے ابھی روتے روتے سو گئے ہیں۔ اے سوار اگر تجھے ہم کو اور زیادہ لُوٹنا مقصود ہے تو صبح آ جانا اور جو کچھ ہمارے پاس رہ گیا ہو، اُسے بھی لُوٹ لینا لیکن دیکھ ان بچّوں کو نہ ستا، اور انھیں سونے دے، خدا کے لیے اس وقت چلا جا۔ لیکن سوار نے ایک نہ سُنی اور قدم فرس برابر بڑھتا ہی رہا، آخر زینب بھی شیرِ خدا کی بیٹی تھیں۔ اُنھیں جلال آ گیا اور

اُنھوں نے بڑھ کر لجامِ فرس پر ہاتھ ڈال دیا، اور کہا کہ میں کیا کہتی ہوں اور تو کیا کرتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر سوار گھوڑے سے اُتر پڑا اور زینب کو سینے سے لگا کر کہنے لگا۔ اے بیٹی میں تیرا باپ علی ہوں۔ بیٹی تیری حفاظت کے لیے آیا ہوں۔ اے جانِ پدر نو بچوں میں جا تیری حفاظت کروں گا۔ زینب نے فریاد و فغاں شروع کر دی اور تمام واقعات بیان کئے الغرض جب یہ حشر آفریں شب تمام ہوئی تو حکم عمر سعد سے لشکریوں نے آکر آلِ رسول کو گھیر لیا اور بلا محمل و کجاوہ کے ناقوں پر سوار ہونے کو کہا، چارو ناچار رسول زادیاں ناقوں پر سوار ہوئیں، حال یہ تھا کہ سر کھلے ہوئے تھے، بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ امام زین العابدین علالت کی وجہ سے چونکہ تاب و تواں نہ رکھتے تھے۔ اس لیے اُنھیں سوار ہونے میں تکلف تھا۔ شمر نے تازیانے سے اذیت پہنچائی اور فضہ نے دوڑ کر امام کو سوار ہونے میں امداد دی اور آپ ناقے پر سوار ہو گئے۔ لیکن طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اُس کی پشت پر سنبھلنا سخت دشوار تھا۔ اس لیے دشمنانِ اسلام نے آپ کے پیروں کو ناقہ کے پیٹ سے ملا کر باندھ دیا۔ (اسرار الشہادت ص۳۶۷)۔

پھر اس کے بعد اس قافلہ کو لے کر بارادہ کوفہ روانہ ہوئے اور غضب یہ کیا کہ ان رسول زادیوں کو مقتل کی طرف سے گزارا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جیسے ہی یہ حسینی قافلہ مقتل میں پہنچا حشر کا سماں پیش ہو گیا۔ زینب نے اپنے کو ناقہ سے گرا دیا اور فریاد و فغاں کرنے لگیں۔ آپ نے کہا۔

"اے محمد مصطفےٰ جن پر ملائکہ آسمان سے درود بھیجتے ہیں۔ دیکھئے یہ حسین خاک و خون میں آلودہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چٹیل میدان میں پڑے ہیں آپ کی بیٹیاں و نواسیاں قیدی ہیں۔ آپ کی اولاد مقتول ہے اور ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے۔"

یہ دردناک مرثیہ سن کر دوست دشمن کوئی ایسا نہ تھا جو رونے نہ لگا ہو۔ اُس وقت ان لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ کس قدر شدید گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ (الحسین ابونصر ۱۵۵)

دمعہ ساکبہ میں ہے کہ زینب کی فریاد سے جانور بھی رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ اسی طرح حضرت اُمّ کلثوم بھی نوحہ و فریاد کر رہی تھیں اور جناب سکینہ بھی محو گریہ ماتم تھیں۔ بالآخر دشمنوں کے تشدد سے یہ قافلہ آگے بڑھ گیا اور آلِ رسول کی لاشیں بے گور و کفن زمین گرم کربلا پر پڑی رہیں، چند دنوں کے بعد بنی اسد نے ان پر نمازیں پڑھیں اور انھیں سپردِ خاک کر دیا۔

صبح یازدھم

واقعہ یہ ہے کہ علی و فاطمہ کی بیٹیاں، رسول کریم کی نواسیاں بے محمل و عماری کے ناقوں پر سوار کر کے دربارِ کوفہ میں داخل کی گئیں۔ پھر ایک ہفتہ انھیں کوفہ کے قید خانہ میں رکھا گیا۔ اس کے بعد ان غریبوں کو بتاریخ ۱۶ ربیع الاول ۶۱ھ

٦

ابو محمد

حضرت

امام زین العابدین

علیہ السلام

بن کے سجادے کی زینت آئے سجادِ حزیں چومتی ہے جنکے قدموں کو عبادت کی جبیں

دوست کا کیا ذکر ہے موذی کو یہ کہنا پڑا اَنت زینُ العابدینؐ وانت زینُ العابدین

(صابر تھاریانی دکراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۶

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام

مثلِ جدِّ خود امام اَولیاؔ ۔۔۔ چوں پدر مشہور در صبر و رضا
در عبادت ایں قدر سرگرم بود ۔۔۔ اَنت زین العابدین آمد ندا

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چوتھے جانشین، ہمارے چوتھے امام اور چہاردہ معصومین کی چھٹی محترم فرد ہیں۔ آپ کے والد ماجد شہیدِ کربلا حضرت امام حسین علیہ السّلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب شاہ زنان عرف شہر بانو تھیں۔ آپ اپنے آبا و اجداد کی طرح امام منصوص معصوم۔ اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے، علما کا بیان ہے کہ آپ علم، زہد، عبادت میں حضرت امام حسین علیہ السّلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۱۹) امام زہری ابن عینیہ اور ابن مسیب کا کہنا ہے کہ ہم نے آپ سے زیادہ کسی کو افضل عبادت گزار اور فقیہ نہیں دیکھا (نور الابصار ص۱۲۶) ایک شخص نے سعید ابن مسیب سے کسی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ بڑا متقی ہے۔ ابن مسیب نے پوچھا، تم نے امام زین العابدینؑ کو دیکھا ہے اس نے کہا نہیں۔ انھوں نے جواب دیا "ما رایت احداً اورع منہ" میں نے ان سے زیادہ متقی اور پرہیزگار کسی کو بھی نہیں دیکھا (مطالب السئول ص۲۶۷) ابن ابی شیبہ کا کہنا ہے کہ "اصح الاسانید" وہ روایت ہے جو زہری امام زین العابدین سے منسوب کرے۔ (طبقات الحفاظ ذہبی ارجح المطالب ص۴۳۵) علامہ دمیری فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام حدیث بیان کرنے میں نہایت معتمد علیہ اور صادق الروایت تھے۔ آپ بہت بڑے عالم اور فقہ اہل بیت میں بے مثل و بے نظیر تھے۔ (حیواۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۲۱ تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص۳۲۰) آپ ایسے پُر جلال و جمال تھے کہ جو بھی آپ کو دیکھتا تھا تعظیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ (وسیلۃ النجات ص۲۱۹)۔

آپ کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۱۵ رجادی الثانی ۳۸ھ یوم جمعہ بقولے ۱۵ رجادی الاول ۳۸ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے۔ (اعلام الوریٰ ص۱۵۱ ومناقب جلد ۴ ص۱۳۱) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب شہربانو ایران سے مدینہ کے لیے روانہ ہو رہی تھیں تو جناب رسالت مآبؐ نے عالم خواب میں ان کا عقد حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ پڑھ دیا تھا۔ (جلاء العیون ص۲۵۶)۔ اور جب آپ وارد مدینہ ہوئیں تو حضرت علی علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کے سپرد کر کے فرمایا کہ یہ وہ عصمت پرور بی بی ہے کہ جس کے بطن سے تمہارے بعد افضل اوصیاء اور افضل کائنات ہونے والا بچہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام زین العابدین متولد ہوئے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آپ اپنی ماں کی آغوش میں پرورش پانے کا لطف اٹھا نہ سکے "ماتت فی نفاسہابہ" آپ کے پیدا ہوتے ہی "مدت نفاس" میں جناب شہربانو کی وفات ہوگئی۔ (قمقام۔ جلاء العیون۔ عیون اخبار رضا دمعہ ساکبہ جلد ۱ ص۴۲۶) کامل مبرد میں ہے کہ جناب شہربانو، معروفتہ النسب اور بہترین عورتوں میں سے تھیں شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ جناب شہربانو۔ بادشاہ ایران یزدجرد بن شہریار بن شیرویہ ابن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں عادل "کسریٰ" کی بیٹی تھیں۔ (ارشاد ص۳۹۱ وفصل الخطاب) علامہ طریحی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے شہربانو سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے تو انھوں نے کہا "شاہ جہاں"۔ حضرت نے فرمایا نہیں اب "شہربانو" ہے (مجمع البحرین ص۵۷)۔

نام، کنیت، القاب

آپ کا اسم گرامی "علی" کنیت ابو محمد۔ ابوالحسن اور ابوالقاسم تھی، آپ کے القاب بے شمار تھے جن میں زین العابدین سید الساجدین ذوالثفنات اور سجاد و عابد زیادہ مشہور ہیں (مطالب السؤل ص۲۶۱، شواہد النبوت ص۱۷۶، نورالابصار ص۱۲۶، الفرع النامی نواب صدیق حسن ص۱۵۸)۔

لقب زین العابدین کی توجیہ

علامہ شبلنجی کا بیان ہے کہ امام مالک کا کہنا ہے کہ آپ کو زین العابدین کثرت عبادت کی وجہ سے کہا جاتا ہے (نورالابصار ص۱۲۶) علماء فریقین کا ارشاد ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ایک شب نماز تہجد میں مشغول تھے کہ شیطان اژدھے کی شکل میں آپ کے قریب گیا اور اس نے آپ کے پائے مبارک کے انگوٹھے کو منہ میں لے کر کاٹنا شروع کیا، امام جو ہمہ تن مشغول عبادت تھے اور آپ کا رجحان کامل بارگاہ ایزدی کی طرف تھا۔ وہ ذرا بھی اس کے اس عمل سے متاثر نہ ہوئے اور بدستور نماز میں منہمک و مصروف و مشغول رہے بالآخر وہ عاجز آگیا اور امام نے اپنی نماز بھی تمام

کرلی اس کے بعد آپ نے اُس شیطان ملعون کو طمانچہ مار کر دُور ہٹا دیا اُس وقت ہاتف غیبی نے انت زین العابدین" کی تین بار صدا دی اور کہا بے شک تم عبادت گزاروں کی زینت ہو۔ اُسی وقت سے آپ کا یہ لقب ہوگیا۔ (مطالب السؤل صـ۲۶۲ شواہد النبوت صـ۱۷۷) علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ اس اژدہے کے دس سر تھے۔ اور اس کے دانت بہت تیز اور اُس کی آنکھیں سُرخ تھیں اور وہ مصلّی کے قریب سے زمین پھاڑ کے نکلا تھا (مناقب جلد ۴ صـ۱۰۸) ایک روایت میں اس کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ کہ قیامت میں آپ کو اسی نام سے پکارا جائے گا۔ (دمعہ ساکبہ صـ۴۲۶)۔

لقب "سجاد" کی توجیہ

ذہبی نے طبقات الحفاظ میں بحوالہ امام محمد باقر علیہ السلام لکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو سجاد اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ تقریباً ہر کارِ خیر پر سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ خدا کی کسی نعمت کا ذکر کرتے تو سجدہ کرتے جب کلام خدا کی آیت "سجدہ" پڑھتے تو سجدہ کرتے۔ جب دو شخصوں میں صلح کراتے تو سجدہ کرتے اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے مواضع سجود پر اونٹ کے گھٹوں کی طرح گھٹے پڑ جاتے تھے۔ پھر انھیں کٹوانا پڑتا تھا۔ اسی لیے آپ کا لقب "ذوالثفنات" یعنی گھٹے والے بھی تھا (ارجح المطالب صـ۴۳۴)۔

امام زین العابدین علیہ السّلام کی نسبی بلندی

نسب اور نسل باپ اور ماں کی طرف سے دیکھے جاتے ہیں، امام علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام حسینؑ اور دادا حضرت علیؑ اور دادی حضرت فاطمۃ الزہرا بنتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور آپ کی والدہ جنابِ شہر بانو بنت یزدجرد ابن شہریار۔ ابن کسریٰ ہیں یعنی آپ حضرت پیغمبر اسلام علیہ السلام کے پوتے اور نوشیرواں عادل کے نواسے ہیں، یہ وہ بادشاہ ہے جس کے عہد میں پیدا ہونے پر سرورِ کائنات نے اظہارِ مسرت فرمایا ہے۔ اس سلسلہ نسب کے متعلق ابوالاسود دوئلی نے اپنے اشعار میں اس کی وضاحت کی ہے کہ اس سے بہتر اور سلسلہ ناممکن ہے اس کا ایک شعر یہ ہے۔

وان غلامًا بین کسریٰ وھاشم لاکرم من نیطت علیہ التمائم

اِس فرزند سے بلند نسب کوئی اور نہیں ہو سکتا جو نوشیرواں عادل اور فخرِ کائنات حضرت محمد مصطفٰےؐ کے دادا ہاشم کی نسل سے ہو (اصول کافی صـ۲۵۵) شیخ سلیمان قندوزی اور دیگر علماء اہلِ اسلام لکھتے ہیں کہ نوشیرواں کے عدل کی برکت تو دیکھو کہ اسی کی نسل کو آل محمد کے نور کی حامل قرار دیا اور آئمہ طاہرین کی ایک عظیم فرد کو اس لڑکی سے پیدا کیا جو نوشیرواں کی طرف منسوب ہے، پھر تحریر کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کی تمام بیویوں میں یہ شرف صرف جناب شہر بانو کو نصیب ہوا جو حضرت امام زین العابدین کی والدہ ماجدہ ہیں (ینابیع المودۃ صـ۳۱۵ و فصل الخطاب صـ۲۶۱) علامہ عبید اللہ بحوالہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جناب

شہر بانو بادشاہان فارس کے آخری بادشاہ یزدجرد کی بیٹی تھیں اور آپ ہی سے امام زین العابدینؑ متولد ہوئے ہیں جن کو "ابن الخیرتین" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں میں سے دو گروہ عرب اور عجم کو بہترین قرار دیا ہے اور میں نے عرب سے قریش اور عجم سے فارس کو منتخب کرلیا ہے، چونکہ عرب اور عجم کا اجتماع امام زین العابدین میں ہے۔ اسی لیے آپ کو "ابن الخیرتین" سے یاد کیا جاتا ہے۔ (ارجح المطالب ص۳۳۴) علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب شہر بانو کو "سیدۃ النساء" کہا جاتا ہے۔ (مناقب جلد ۴ ص۱۳۱)۔

جنابِ شہر بانو کی تشریف آوری کی بحث

کہا جاتا ہے کہ عہد عمری میں فتح مدائن کے موقع پر جناب شہر بانو لشکر اسلام کے ہاتھ لگی تھیں اور وہاں سے اپنی دیگر بہنوں کے ساتھ مدینہ پہنچ کر حضرت امام حسینؑ کی زوجیت سے مشرف ہوئیں۔ (ربیع الابرار زمخشری) لیکن میرے نزدیک یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ فتح مدائن صفر ۱۶ یا ۱۷ ہجری میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ تاریخ ابو الفدار جلد ۱ ص۱۱۶ تاریخ کامل جلد ۲ ص۱۹۷ معجم البلدان جلد ۷ ص۴۱۳ و فتوح العجم ص۱۶۰ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص۱۰۰ میں ہے اور یزدجرد جناب شہر بانو کا باپ تھا سلہ ہجری کے شروع میں عنان حکمرانی کا مالک ہوا۔ جیسا کہ تاریخ طبری جلد ۲ ص۱۶۹ و تاریخ کامل جلد ۱ ص۱۷۸ و تاریخ ابوالفدار جلد ۱ ص۵۶ میں ہے اور تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ جیسا کہ تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۸ تاریخ کامل جلد ۲ ص۱۷۲ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص۹۱، فتوحات اسلامیہ ج ۱ ص۶۶ میں ہے اس حساب سے فتح مدائن کے وقت اس کی عمر زیادہ سے زیادہ ۲۲ سال کی ہوسکتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک عجمی جو گرم ملک کا باشندہ نہ ہو وہ عربیوں کی طرح اتنی تھوڑی عمر میں کیونکر مباشرت کے قابل بن سکتا ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ ایک اتنے کمسن شخص سے ایسی لڑکی پیدا ہوسکے جو سلہ ہجری میں فتح مدائن کے وقت شادی کے قابل ہو۔ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یزدجرد کی شادی ۱۸ - ۱۹ سال کی عمر میں ہوئی ہوگی۔ اب ایسی صورت میں کہ اس کی شادی ۱۸ - ۱۹ سال کی عمر میں تسلیم کی جائے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ جناب شہر بانو اس کی پہلی اولاد تھیں۔ تب بھی فتح مدائن کے وقت جنابِ شہر بانو کی عمر ۵ - ۶ سال سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ حضرت امام حسینؑ جو سکہ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں ان کی شادی اتنی کمسنی میں بحالت نابالغی پھر ایسی صورت میں جب کہ امام حسن کی شادی نہ ہوئی ہو جو امام حسینؑ سے بڑے تھے۔ سلہ ہجری میں فتح مدائن کے بعد حضرت علیؑ کیونکر کر سکتے تھے۔

مورخ شہیر شمس العلماء شبلی نعمانی حضرت عمر کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "اس موقع پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہوگیا ہے اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ عام طور پر مشہور ہے

کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں اُن کے بیچنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اُس سے اُن کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لگوا لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود اُن کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؓ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کیں۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں۔ ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اُس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً تو زمخشری کے سوا، طبری۔ ابن اثیر یعقوبی بلاذری ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدجرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو حاصل نہیں ہوا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد مع تمام اہل وعیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر چڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچ کر ۳۰-۳۱ھ میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ تھا مارا گیا۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں ہوا۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس وقت امام حسین علیہ السلام کی عمر ۱۲ سال تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس ۱۷ھ میں فتح ہوا اس لیے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؓ نے اُن کی نابالغی میں اُن پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علیؓ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔ (الفاروق ص ۱۷۲)۔

میں نے تواریخ سے جو استنباط کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عہد عثمانی میں اہل فارس نے بغاوت کر کے عبیداللہ بن عمرؓ "والیٔ فارس" کو مار ڈالا اور حدود فارس سے لشکر بھی نکال دیا۔ اس وقت فارس کی لشکری چھاؤنی کا مقام "اصطخر" تھا۔ ایران کا آخری بادشاہ "یزدجرد" اہل فارس کے ساتھ تھا حضرت عثمان نے عبداللہ ابن عامر کو حکم دیا کہ بصرہ اور عمان کے لشکر کو ملا کر فارس پر چڑھائی کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔۔۔ حدود اصطخر میں زبردست اور گھمسان کی جنگ ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ اصطخر فتح ہونے کے بعد ۳۱ھ میں یزدجرد رَے اور پھر وہاں سے خراسان اور خراسان سے مرو جا پہنچا۔ اُس کے ہمراہ چار ہزار جرار سپاہی بھی تھے۔ مرو میں وہ خاقان چین کی سازشی امداد کی وجہ سے مارا گیا۔

اور شاہانِ عجم کے گورستان "اصطخر" میں دفن ہوا۔ اس کے بعد عہدِ عثمانی بدل گیا اور حضرت علی شیرِ خدا کا زمانہ آگیا۔

جنگِ جمل کے بعد ایران خراسان کے مقام مرو میں سخت بغاوت ہوئی۔ اس وقت ایران میں بروایت ارشاد مفید و روضۃ الصفا، "حریث ابن جابر جعفی گورنر تھے، حضرت علیؑ نے مرو کے قضیہ نامرضیہ کو ختم کرنے کے لیے امدادی طور پر خلید ابن قرۃ یربوعی کو روانہ کیا۔ وہاں جنگ ہوئی اور لشکرِ اسلام کامیاب ہوا۔ حریث ابن جابر جعفی نے یزد جرد ابنِ شہریار ابنِ کسریٰ جو عہدِ عثمانی میں مارا جا چکا تھا کی دو بیٹیاں شہربانو اور گیہان بانو کو عام اسیروں کے ساتھ حضرت علیؑ کی خدمت میں بھیجا۔ شیرِ خدا علی علیہ السلام نے شہربانو کو امام حسینؑ اور گیہان بانو کو محمد بن ابی بکر کی زوجیت میں دے دیا۔ جیسا کہ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۹ طبع نولکشور، ارشاد مفید جلد ۲ صفحہ ۲۹۲، اعلام الوریٰ صفحہ ۱۰۱، عمدۃ الطالب صفحہ ۱۷۱، جامع التواریخ صفحہ ۱۴۹ کشف الغمہ صفحہ ۸۹ مطالب السؤل صفحہ ۲۶۱ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰، نورالابصار صفحہ ۱۲۶ تحفہ سلیمانیہ شرح ارشاد صفحہ ۲۹۱ میں موجود ہے، اُس وقت امام حسینؑ کی عمر اور جناب شہربانو کی عمر کافی ہو چکی تھی اور امام حسنؑ کی شادی ہوئے عرصہ گزر چکا تھا۔ حضرت علیؑ کی خلافت ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک رہی۔ جناب شہربانو سے ۳۸ھ میں امام زین العابدین اور گیہان بانو سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے۔

امام زین العابدینؑ کے بچپن کا ایک واقعہ

علامہ مجلسی رقمطراز ہیں کہ ایک دن امام زین العابدینؑ جب کہ آپ کا بچپن تھا۔ بیمار ہوئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا "بیٹا" اب تمہاری طبیعت کیسی ہے اور تم کوئی چیز چاہتے ہو تو بیان کرو تاکہ میں تمہاری خواہش کے مطابق اسے فراہم کرنے کی سعی کروں۔ آپ نے عرض کی بابا جان اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ میری خواہش صرف یہ ہے کہ خداوند عالم میرا شمار اُن لوگوں میں کرے۔ جو پروردگارِ عالم کے قضاو قدر کے خلاف کوئی خواہش نہیں رکھتے۔ یہ سُن کر امام حسین علیہ السلام خوش و مسرور ہو گئے اور فرمانے لگے بیٹا، تم نے بڑا مسرت افزا اور معرفت خیز جواب دیا ہے تمہارا جواب بالکل حضرت ابراہیم کے جواب سے ملتا جلتا ہے۔ حضرت ابراہیم کو جب منجنیق میں رکھ کر آگ کی طرف پھینکا گیا تھا اور آپ فضا میں ہوتے ہوئے آگ کی طرف جا رہے تھے۔ تو حضرت جبرئیلؑ نے آپ سے پوچھا تھا "ہل لک حاجۃ" آپ کی کوئی حاجت و خواہش ہے اُس وقت انھوں نے جواب دیا تھا "نعم اما الیک فلا" بے شک مجھے حاجت ہے۔ لیکن تم سے نہیں اپنے پالنے والے سے ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۲۱ طبع ایران)۔

آپ کے عہدِ حیات کے بادشاہانِ وقت

آپ کی ولادت بادشاہِ دین و ایمان حضرت علیؑ علیہ السّلام کے عہدِ عصمت مہد میں ہوئی پھر امام حسن علیہ السّلام کا زمانہ رہا۔ پھر بنی اُمیّہ کی خالص دُنیاوی حکومت ہو گئی۔ صلح امام حسنؑ کے بعد سے ۶۰ھ تک معاویہ بن ابی سفیان بادشاہ رہا۔ اُس کے بعد اُس کا فاسق و فاجر بیٹا یزید ۶۴ھ تک حکمران رہا۔ ۶۴ھ میں معاویہ بن یزید ابن معاویہ اور مروان بن حکم حاکم رہے۔ ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک عبدالملک بن مروان حاکم اور بادشاہ وقت رہا۔ پھر ۸۶ھ سے ۹۶ھ تک ولید بن عبدالملک نے حکمرانی کی اور اُسی نے ۹۵ھ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کو زہر دغا سے شہید کر دیا۔ (تاریخ آئمہ ص۳۹۲ و صواعق محرقہ ص۱۲ و نورالابصار ص۱۲۸)۔

اِمام زین العابدینؑ کا عہدِ طفولیّت اور حج بیتُ اللہ

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے جا تا ہوا قضائے حاجت کی خاطر قافلہ سے پیچھے رہ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں نے ایک نوعمر لڑکے کو اس جنگل میں سفر پیما دیکھا۔ اُسے دیکھ کر پھر ایسی حالت میں کہ وہ پیدل چل رہا تھا۔ اور اُس کے ساتھ کوئی سامان نہ تھا اور نہ اس کا کوئی ساتھی تھا، میں حیران ہو گیا اور فوراً اُس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرواز ہوا۔ "صاحبزادے" یہ لق و دق صحرا اور تم بالکل تن تنہا، یہ معاملہ کیا ہے، ذرا مجھے بتاؤ تو سہی کہ تمھارا زادِ راہ اور تمھارا راحلہ کہاں ہے اور تم کہاں جا رہے ہو؟ اُس نوخیز نے جواب دیا "زادی تقوٰی و راحلتی رجلای و قصدی مولای" میرا زادِ راہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے میری سواری میرے دونوں پاؤں ہیں۔ اور میرا مقصود میرا پالنے والا ہے اور میں حج کے لیے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ تو بالکل کمسن ہیں۔ حج تو ابھی آپ پر واجب نہیں ہے۔ اُس نوخیز نے جواب دیا۔ بے شک تمھارا کہنا درست ہے۔ لیکن اے شیخ میں دیکھا کرتا ہوں کہ مجھ سے چھوٹے چھوٹے بچے بھی مر جاتے ہیں اس لیے حج کو ضروری سمجھتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فریضہ کی ادائیگی سے پہلے مر جاؤں۔ میں نے پوچھا اے صاحبزادے تم نے کھانے کا کیا انتظام کیا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے ساتھ کھانے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے، اُس نے جواب دیا اے شیخ کیا جب تم کسی کے یہاں مہمان جاتے ہو تو کھانا اپنے ہمراہ لے جاتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اُس نے فرمایا "سنو! میں تو خدا کا مہمان ہو کر جا رہا ہوں۔ کھانے کا انتظام اُس کے ذمّہ ہے۔ میں نے کہا اتنے لمبے سفر کو پیدل کیوں کر طے کرو گے۔ اُس نے جواب دیا کہ میرا کام کوشش کرنا ہے اور خدا کا کام منزلِ مقصود

تک پہنچانا ہے۔

ہم ابھی باہمی گفتگو ہی میں مصروف تھے کہ ناگاہ ایک خوب صورت جوان سفید لباس پہنے ہوئے آپہنچا اور اس نے اس نوخیز کو گلے سے لگالیا، یہ دیکھ کر میں نے اُس جوان رعنا سے دریافت کیا کہ یہ نوعمر فرزند کون ہیں؟ اُس نوجوان نے کہا کہ یہ حضرت امام زین العابدین بن امام حسین بن علی ابی طالب ہیں۔ یہ سن کر میں اُس جوان رعنا کے پاس سے امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت خواہی کے بعد اُن سے پوچھا کہ یہ خوب صورت جوان جنھوں نے آپ کو گلے سے لگایا یہ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر نبی ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ روزانہ ہماری زیارت کے لیے آیا کریں۔ اس کے بعد میں نے پھر سوال کیا اور کہا کہ آخر آپ اس طویل اور عظیم سفر کو بلا زاد اور راحلہ کیونکر طے کریں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں زاد اور راحلہ سب کچھ رکھتا ہوں اور وہ یہ چار چیزیں ہیں (۱) دُنیا اپنی تمام موجودات سمیت خدا کی مملکت ہے (۲) ساری مخلوق اللہ کے بندے اور غلام ہیں۔ (۳) اسباب اور ارزاق خدا کے ہاتھ میں ہیں (۴) قضائے خدا ہر زمین میں نافذ ہے۔ یہ سُن کر میں نے کہا خدا کی قسم آپ ہی کا زاد و راحلہ صحیح طور پر مقدس ہستیوں کا سامان سفر ہے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۴۳۷) علماء کا بیان ہے کہ آپ نے ساری عمر میں ۲۵ حج پا پیادہ کئے ہیں۔ آپ نے سواری پر جب بھی سفر کیا ہے اپنے جانور کو ایک کوڑا بھی نہیں مارا۔

آپ کا حُلیہ مُبارک

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپ کا رنگ گندم گوں (سانولا) اور قد میانہ تھا۔ آپ نحیف اور لاغر قسم کے انسان تھے (نورالابصار ص۱۲۶ و اخبار الاول ص۱۰۹) ملا مبین تحریر فرماتے ہیں کہ آپ حسن و جمال، صورت و کمال میں نہایت ہی ممتاز تھے، آپ کے چہرہ مُبارک پر جب کسی کی نظر پڑتی تھی تو وہ آپ کا احترام کرنے اور آپ کی تعظیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ (وسیلۃ النجات ص۲۱۹) محمد بن طلحہ شافعی رقمطراز ہیں کہ آپ صاف کپڑے پہنتے تھے اور جب راستہ چلتے تھے تو نہایت خشوع کے ساتھ راہ روی میں آپ کے ہاتھ زانو سے باہر نہیں جاتے تھے۔ (مطالب السؤل ص۲۲۶ و ص۲۶۴)۔

حضرت امام زین العابدینؑ کی شانِ عبادت

جس طرح آپ کی عبادت گزاری میں پیروی ناممکن ہے۔ اسی طرح آپ کی شانِ عبادت کی رقم طرازی بھی دشوار ہے۔ ایک وہ ہستی جس کا مطمح نظر معبود کی عبادت اور خالق کی معرفت میں استغراق کامل ہو اور جو اپنی حیات کا مقصد اطاعت خداوندی ہی کو سمجھتا ہو اور علم و معرفت میں حد درجہ کمال رکھتا ہو۔ اُس کی شانِ عبادت کو سطح قرطاس پر کیونکر لایا جاسکتا ہے اور زبانِ قلم

اِس کی ترجمانی میں کس طرح کامیابی حاصل کرسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی بے انتہا کاوش و کاوش کے باوجود آپ کی شانِ عبادت کا مظاہرہ نہیں ہو سکا " قد بلغ من العبادۃ مالم یبلغہ احدٌ" آپ عبادت کی اُس منزل پر فائز تھے۔ جس پر کوئی بھی فائز نہیں ہوا۔ (دمعہ ساکبہ ص۴۳۹) اِس سلسلہ میں اربابِ علم اور صاحبانِ قلم جو کچھ کہہ اور لکھ سکے ہیں اُن میں سے بعض واقعات و حالات یہ ہیں۔

آپ کی حالت وُضو کے وقت

وُضو نماز کے لیے مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور اسی پر نماز کا دار و مدار ہوتا ہے، امام زین العابدین علیہ السلام جس وقت مقدمہ نماز یعنی وُضو کا ارادہ فرماتے تھے۔ آپ کے رگ و پے میں خوفِ خدا کے اثرات نمایاں ہو جاتے تھے۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جب آپ وضو کا قصد فرماتے تھے اور وُضو کے لیے بیٹھتے تھے تو آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ زرد ہو جایا کرتا تھا۔ یہ حالت بار بار دیکھنے کے بعد اُن کے گھر والوں نے پوچھا کہ بوقتِ وُضو آپ کے چہرہ کا رنگ زرد کیوں پڑ جایا کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرا تصور کامل اپنے خالق و معبود کی طرف ہوتا ہے۔ اِس لیے اُس کی جلالت کے رُعب سے میرا یہ حال ہو جایا کرتا ہے۔ (مطالب السؤل ص۲۶۲)۔

عالمِ نماز میں آپ کی حالت

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ کو عبادت گزاری میں امتیاز کامل حاصل تھا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے آپ کا سارا بدن زرد رہا کرتا تھا اور خوفِ خدا میں روتے روتے آپ کی آنکھیں پھول جایا کرتی تھیں اور نماز میں کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں سُوج جایا کرتے تھے۔ (اعلام الوریٰ ص۱۵۳) اور پیشانی پر گھٹے رہا کرتے تھے۔ اور آپ کی ناک کا سِرا زخمی رہا کرتا تھا۔ (دمعہ ساکبہ ص۴۳۹) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جب آپ نماز کے لیے مصلّی پر کھڑے ہوا کرتے تھے تو لرزہ براندام ہو جایا کرتے تھے۔ لوگوں نے بدن میں کپکپی اور جسم میں تھرتھری کا سبب پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ میں اُس وقت خدا کی بارگاہ میں ہوتا ہوں اور اُس کی جلالت مجھے از خود رفتہ کر دیتی اور مجھ پر ایسی حالت طاری کر دیتی ہے۔ (مطالب السؤل ص۲۲۶) ایک مرتبہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ نماز میں مشغول تھے۔ اہلِ محلّہ اور گھر والوں نے بے حد شور مچایا اور حضرت کو پکارا " حضور آگ لگی ہوئی ہے" مگر آپ نے سرِ نیاز سجدۂ بے نیاز سے نہ اُٹھایا۔ آگ بجھا دی گئی۔ اختتام نماز پر لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور آگ کا معاملہ تھا۔ ہم نے اتنا شور مچایا۔ لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی . . . آپ نے ارشاد فرمایا "ہاں"، مگر جہنم کی آگ کے ڈر سے نماز توڑ کر اُس آگ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا (شواہد النبوت ص۱۷۷) علامہ شیخ صبان مالکی لکھتے ہیں کہ جب آپ وُضو کے لیے بیٹھتے تھے تب ہی

سے کانپنے لگتے تھے اور جب تیز ہوا چلتی تھی تو آپ خوفِ خدا سے لاغر ہو جانے کی وجہ سے گر کر بیہوش ہو جایا کرتے تھے۔ (اسعاف الراغبین برحاشیہ نورالابصار ص۲۰۰)

ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نمازِ شب سفر و حضر دونوں میں پڑھا کرتے تھے اور کبھی اُسے قضا نہیں ہونے دیتے تھے۔ (مطالب السؤل ص۲۶۳) علامہ محمد باقر بحوالہ بحارالانوار تحریر فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام ایک دن نماز میں مصروف و مشغول تھے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کنوئیں میں گر پڑے۔ بچہ کے گہرے کنوئیں میں گرنے سے ان کی ماں بے چین ہو کر رونے لگیں اور کنوئیں کے گرد پیٹ پیٹ کر چکر لگانے لگیں اور کہنے لگیں، ابن رسول اللہ محمد باقر غرق ہو گئے۔ امام زین العابدین نے بچے کے کنوئیں میں گرنے کی کوئی پرواہ نہ کی اور اطمینان سے نماز تمام فرمائی اُس کے بعد آپ کنوئیں کے قریب آئے اور آ کر پانی کی طرف دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر بلا رسی کے گہرے کنوئیں سے بچے کو نکال لیا۔ بچہ ہنستا ہوا برآمد ہوا۔ قدرت خداوندی دیکھئے۔ اُس وقت نہ بچے کے کپڑے بھیگے تھے اور نہ بدن تر تھا۔ (دمعہ ساکبہ ص۴۳۰ مناقب جلد ۴ ص۱۰۹)۔

امام شبلنجی تحریر فرماتے ہیں کہ طاؤس راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک شب حجر اسود کے قریب جا کر دیکھا کہ امام زین العابدین بارگاہِ خالق میں مسلسل سجدہ ریزی کر رہے ہیں۔ میں اسی جگہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے ایک سجدہ کو بے حد طول دے دیا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے کان لگایا تو سُنا کہ آپ سجدہ میں فرماتے ہیں "عبدک بفنائک مسکینک بفنائک سائلک بفنائک فقیرک بفنائک" یہ سُن کر میں نے بھی انھیں کلمات کے ذریعہ سے دُعا مانگنی شروع کر دی، فواللہ الخ۔ خدا کی قسم میں نے جب بھی ان کلمات کے ذریعہ سے دُعا مانگی فوراً قبول ہوئی (نورالابصار ص۱۲۶ طبع مصر، ارشاد مفید ص۲۹۶)

امام زین العابدینؑ کی شبانہ روز ایک ہزار رکعتیں

علماء کا بیان ہے کہ آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۱۹ مطالب السؤل ص۲۶۷) چونکہ آپ کے سجدوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ اسی لیے آپ کے اعضائے سجود "ثفنہ بعیر" اُونٹ کے گھٹے کی طرح ہو جایا کرتے تھے اور سال میں کئی مرتبہ کاٹے جاتے تھے۔ (الفرع النامی ص۱۵۸ و دمعہ ساکبہ کشف الغمہ ص۹۰) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ آپ کے مقاماتِ سجود کے گھٹے سال میں دو بار کاٹے جاتے تھے اور ہر مرتبہ پانچ تہ نکلتی تھی۔ (بحارالانوار جلد ۲ ص۳) علامہ دمیری مورخ ابن عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ دمشق میں حضرت امام زین العابدینؑ کے نام سے موسُوم ایک مسجد ہے جسے "جامع دمشق" کہتے ہیں۔ (حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۲۱)۔

امام زین العابدین علیہ السّلام منصبِ امامت پر فائز ہونے سے پہلے

اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ امام بطنِ مادر سے امامت کی تمام صلاحیتوں سے بھرپور آتا ہے تاہم فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری اسی وقت ہوتی ہے۔ جب وہ امامِ زمانہ کی حیثیت سے کام شروع کرے یعنی ایسا وقت آجائے جب کائناتِ ارضی پر کوئی بھی اُس سے افضل و اعلم برتر و اکمل نہ ہو، امام زین العابدینؑ اگرچہ وقتِ ولادت ہی سے امام تھے۔ لیکن فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری آپ پر اُس وقت عائد ہوئی جب آپ کے والد ماجد حضرت امام حسین علیہ السّلام درجہ شہادت پر فائز ہو کر حیاتِ ظاہری سے محروم ہو گئے۔

امام زین العابدین علیہ السّلام کی ولادت ۳۸ھ میں ہوئی جبکہ حضرت علی علیہ السّلام امام زمانہ تھے۔ دو سال اُن کی ظاہری زندگی میں آپ نے حالت طفولیت میں ایام حیات گزارے۔ پھر ۵۰ ہجری تک امام حسن علیہ السّلام کا زمانہ رہا۔ پھر عاشورا ۶۱ھ تک امام حسین علیہ السّلام نے فرائض امامت کی انجام دہی فرماتے رہے عاشور کی دوپہر کے بعد سے ساری ذمہ داری آپ پر عائد ہو گئی۔ اس عظیم ذمہ داری سے قبل کے واقعات کا پتہ صراحت کے ساتھ نہیں ملتا۔ البتہ آپ کی عبادت گزاری اور آپ کے اخلاقی کارنامے بعض کتابوں میں ملتے ہیں۔ بہر صورت حضرت علی علیہ السّلام کے آخری ایام حیات کے واقعات اور امام حسن علیہ السّلام کے حالات سے متاثر ہونا ایک لازمی امر ہے پھر امام حسین علیہ السّلام کے ساتھ تو ۲۲ - ۲۳ سال گزارے تھے۔ یقیناً امام حسین علیہ السّلام کے جملہ معاملات میں آپ نے بڑے بیٹے کی حیثیت سے ساتھ دیا ہی ہوگا۔ لیکن مقصدِ حسین کے فروغ دینے میں آپ نے اپنے عہدِ امامت کے آغاز ہونے پر انتہائی کمال کر دیا۔

واقعہ کربلا کے سلسلہ میں امام زین العابدینؑ کا شاندار کردار

۲۸ رجب ۶۰ھ کو آپ حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے چار ماہ قیام کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر ۲ محرم الحرام کو واردِ کربلا ہوئے، وہاں پہنچتے ہی یا پہنچنے سے پہلے آپ علیل ہو گئے اور آپ کی علالت نے اتنی شدت اختیار کی کہ آپ امام حسین علیہ السّلام کی شہادت کے وقت تک اس قابل نہ ہو سکے کہ میدان میں جا کر درجہ شہادت حاصل کرتے۔ تاہم ہر اہم موقع پر آپ نے جذباتِ نصرت کو بروئے کار لانے کی سعی کی۔ جب کوئی آوازِ استغاثہ کان میں آئی آپ اُٹھ بیٹھے اور میدانِ کارزار میں شدتِ مرض کے باوجود جا پہنچنے کی سعی بلیغ کی، امام کے استغاثہ پر تو آپ خیمہ سے باہر بھی نکل آئے اور ایک چوبِ خیمہ لے کر میدان کا عزم

کردیا، ناگاہ امام حسینؑ کی نظر آپ پر پڑ گئی اور انھوں نے جنگاہ سے بقول ے حضرت زینبؑ کو آواز
دی "بہن سید سجاد کو روکو ورنہ نسلِ رسولؐ کا خاتمہ ہوجائے گا" حکمِ امام سے زینبؑ نے سید سجاد کو
میدان میں جانے سے روک لیا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدوں کا وجود نظر آرہا ہے۔ اگر امام زین العابدین
علیل ہو کر شہید ہونے سے نہ بچ جاتے تو نسلِ رسولؐ صرف امام محمد باقرؑ میں محدود رہ جاتی۔ امام شبلنجی
لکھتے ہیں کہ مرض اور علالت کی وجہ سے آپ درجۂ شہادت پر فائز نہ ہوسکے۔ (نور الابصار ص۱۲۶)۔

شہادت امام حسینؑ کے بعد جب خیموں میں آگ لگائی گئی تو آپ انھیں خیموں میں سے ایک خیمہ
میں بدستور پڑے ہوئے تھے۔ ہماری ہزار جانیں قربان ہوجائیں حضرت زینب پر کہ انھوں نے اہم
فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں سب سے پہلا فریضہ امام زین العابدین علیہ السّلام کے تحفظ کا ادا
فرمایا۔ اور امام کو بچالیا الغرض رات گزری اور صبح نمودار ہوئی، دشمنوں نے امام زین العابدین
کو اس طرح جھنجھوڑا کہ آپ اپنی بیماری بھول گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ ناقوں پر سب کو سوار کرو
اور ابنِ زیاد کے دربار میں چلو ـــ سب کو سوار کرنے کے بعد آلِ محمدؐ کا ساربان پھوپھیوں بہنوں
اور تمام مخدرات کو لئے ہوئے داخلِ دربار ہوا۔ حالت یہ تھی کہ عورتیں اور بچے رسیوں میں بندھے ہوئے
اور امام لوہے میں جکڑے ہوئے دربار میں پہنچ گئے۔ آپ چونکہ ناقہ کی برہنہ پشت پر سنبھل نہ سکتے
تھے اس لیے آپ کے پیروں کو ناقہ کی پشت سے باندھ دیا گیا تھا۔ دربارِ کوفہ میں داخل ہونے
کے بعد آپ اور مخدراتِ عصمت قید خانہ میں بند کر دیئے گئے۔ سات روز کے بعد آپ سب
کو لیے ہوئے شام کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۹ منزلیں طے کر کے تقریباً ۳۶ یوم میں وہاں پہنچے
کامل بھائی میں ہے کہ ۱۶ ربیع الاوّل سنہ ۶۱ھ کو بدھ کے دن آپ دمشق پہنچے ہیں۔ اللہ رے
صبر امام زین العابدین بہنوں اور پھوپھیوں کا ساتھ اور لب شکوہ پر سکوت کی مہر۔ حدودِ شام کا
ایک واقعہ یہ ہے۔ کہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی، پیروں میں بیڑی اور گلے میں خاردار طوق
آہنی پڑا ہوا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ لوگ آپ پر آگ برسا رہے تھے۔ اسی لیے آپ نے بعد
واقعۂ کربلا ایک سوال کے جواب میں "الشام الشام الشام" فرمایا تھا۔ (تحفۂ حسینیہ علامہ
بسطامی) شام پہنچنے کے کئی گھنٹوں یا دنوں کے بعد آپ آلِ محمدؐ کو لیے ہوئے سرہائے شہدا سمیت
داخلِ دربار ہوئے۔ پھر قید خانہ میں بند کر دیئے گئے۔ تقریباً ایک سال قید کی مشقتیں جھیلیں،
قید خانہ بھی ایسا تھا کہ جس میں تمازت
آفتابی کی وجہ سے ان لوگوں کے چہروں کی کھالیں متغیر ہوگئی تھیں۔ (لہوف) مدّت قید کے بعد
آپ سب کو لیے ہوئے ۲۰ صفر سنہ ۶۲ھ کو واردِ کربلا ہوئے۔ آپ کے ہمراہ سرِ حسینؑ بھی کر دیا گیا تھا۔
آپ نے اسے اپنے پدر بزرگوار کے جسم مبارک سے ملحق کیا (ناسخ تواریخ) ۸ ربیع الاوّل سنہ ۶۲ھ

کو آپ امام حسینؑ کا لُٹا ہوا قافلہ لئے ہُوئے مدینہ منورہ پہنچے، وہاں کے لوگوں نے آہ وزاری اور کمال رنج وغم سے آپ کا استقبال کیا۔ ۱۵ شبانہ روز نوحہ و ماتم ہوتا رہا۔ (تفصیلی واقعات کے لیے کتب مقاتل وسیر ملاحظہ کی جائیں۔

اس عظیم واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ زینب کے بال اس طرح سفید ہو گئے تھے کہ جاننے والے انھیں پہچان نہ سکے۔ (احسن القصص ص ۱۸۲ طبع نجف) رباب نے سایہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ امام زین العابدینؑ تا حیات گریہ فرماتے رہے۔ (جلاء العیون ص ۲۵۶) اہل مدینہ یزید کی بیعت سے علیحدہ ہو کر باغی ہو گئے بالآخر واقعہ حرّہ کی نوبت آگئی۔

واقعہ کربلا اور حضرت امام زین العابدینؑ کے خطبات

معرکہ کربلا کی غم آگیں داستان تاریخ اسلام ہی نہیں تاریخ عالم کا افسوسناک سانحہ ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اوّل سے آخر تک اس ہوش ربا اور رُوح فرسا واقعہ میں اپنے باپ کے ساتھ رہے اور باپ کی شہادت کے بعد خود اس المیہ کے ہیرو بنے اور پھر جب تک زندہ رہے اس سانحہ کا ماتم کرتے رہے۔ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کا یہ اندوہناک حادثہ جس میں ۱۸ بنی ہاشم اور بہتر اصحاب و انصار کام آئے۔ حضرت امام زین العابدین کو مدت العمر گھلاتا رہا اور مرتے دم تک اس کی یاد فراموش نہ ہوئی اور اس کا صدمہ جانکاہ دُور نہ ہوا، آپ یوں تو اس واقعہ کے بعد تقریباً چالیس سال زندہ رہے۔ مگر لطف زندگی سے محروم رہے اور کسی نے آپ کو بشاش اور فرحناک نہ دیکھا، اس جانکاہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں آپ نے جو جابجا خطبات ارشاد فرمائے ہیں اُن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

کوفہ میں آپ کا خطبہ

کتاب لہوف ص ۶۸ میں ہے کہ کوفہ پہنچنے کے بعد امام زین العابدینؑ نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، سب خاموش ہو گئے، آپ کھڑے ہوئے خدا کی حمد وثنا کی۔ حضرت نبی صلعم کا ذکر کیا۔ ان پر صلوٰۃ بھیجی۔ پھر ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے۔ جو نہیں پہچانتا اُسے میں بتاتا ہوں۔ میں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کی بے حرمتی کی گئی جس کا سامان لُوٹ لیا گیا۔ جس کے اہل و عیال قید کر دیئے گئے۔ میں اس کا فرزند ہوں جو ساحل فرات پر ذبح کر دیا گیا، اور بغیر کفن و دفن چھوڑ دیا گیا اور (شہادت حسینؑ) ہمارے فخر کے لیے کافی ہے۔ اے لوگو! میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں ذرا سوچو! تم نے ہی میرے پدر بزرگوار کو خط لکھا اور پھر تم نے ہی ان کو دھوکا دیا۔ تم نے ہی ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور ان کی بیعت کی اور پھر تم نے ہی ان کو شہید کر دیا۔ تمھارا بُرا ہو کہ تم نے اپنے لیے ہلاکت کا سامان مہیا کر لیا، تمھاری رائیں کس قدر بُری ہیں۔ تم کن آنکھوں سے رسُول اللہ صلعم کو دیکھو گے۔ جب رسُول صلعم

تم سے باز پرس کریں گے کہ تم لوگوں نے میری عترت کو قتل کیا۔ اور میرے اہل حرم کو ذلیل کیا۔" اِس لیے تم میری امت میں نہیں"۔

مسجد دمشق (شام) میں آپ کا خطبہ

مقتل ابی مخنف ص۱۳۵، بحار الانوار جلد ۱۰ ص۲۳۳)، ریاض القدس جلد ۲ ص۳۲۸ اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اہل حرم سمیت دربار یزید میں داخل کیے گئے اور ان کو منبر پر جانے کا موقع ملا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور انبیاء کی طرح شیریں زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ خطبہ ارشاد فرمایا: "اے لوگو! تم میں سے جو مجھے پہچانتا ہے۔ وہ تو پہچانتا ہی ہے، اور جو نہیں پہچانتا میں اسے بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ سنو، میں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؑ ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جس نے حج کیے ہیں اُس کا فرزند ہوں جس نے طواف کعبہ کیا ہے اور سعی کی ہے، میں پسر زمزم و صفا ہوں، میں فرزند فاطمہ زہرا ہوں، میں اس کا فرزند جو لپس گردن سے ذبح کیا گیا۔ میں اُس پیاسے کا فرزند ہوں جو پیاسا ہی دنیا سے اٹھا، میں اُس کا فرزند ہوں جس پر لوگوں نے پانی بند کر دیا۔ حالانکہ تمام مخلوقات پر پانی کو جائز قرار دیا۔ میں محمد مصطفےٰ صلعم کا فرزند ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جو کربلا میں شہید کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کے انصار زمین میں آرام کی نیند سو گئے۔ میں اس کا پسر ہوں جس کے اہل حرم قید کر دیئے گئے میں اُس کا فرزند ہوں جس کے بچے بغیر جرم و خطا ذبح کر ڈالے گئے۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جس کے خیموں میں آگ لگا دی گئی، میں اُس کا فرزند ہوں جو زمین کربلا پر شہید کر دیا گیا، میں اُس کا فرزند ہوں جس کو نہ غسل دیا گیا اور نہ کفن۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس کا سر نوک نیزہ پر بلند کیا گیا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس کے اہل حرم کی کربلا میں بے حرمتی کی گئی۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا جسم زمین کربلا پر چھوڑ دیا گیا اور سر دوسرے مقامات پر نوک نیزہ پر بلند کر کے پھرایا گیا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس کے اردگرد سوائے دشمن کے کوئی اور نہ تھا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے اہل حرم کو قید کر کے شام تک پھرایا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جو بے یار و مددگار تھا — پھر — امام علیہ السلام نے فرمایا۔ لوگو! خدا نے ہم کو پانچ چیزوں سے فضیلت بخشی ہے۔ (۱) خدا کی قسم ہمارے ہی گھر میں فرشتوں کی آمد و رفت رہی اور ہم ہی معدن نبوت و رسالت ہیں (۲) ہماری ہی شان میں قرآن کی آیتیں نازل کیں، اور ہم نے لوگوں کی ہدایت کی (۳) شجاعت ہمارے ہی گھر کی کنیز ہے، ہم کبھی کسی کی قوت و طاقت سے نہیں ڈرے اور فصاحت ہمارا ہی حصہ ہے، جب فصحاء فخر و مباہات کریں (۴) ہم ہی صراط مستقیم اور ہدایت کا مرکز ہیں اور اس کے لیے علم کا سرچشمہ ہیں جو علم حاصل کرنا چاہے اور دنیا کے مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے (۵) ہمارے ہی مرتبے آسمانوں اور زمینوں میں بلند ہیں۔ اگر ہم نہ ہوتے تو خدا

دُنیا کو پیدا ہی نہ کرتا، ہر فخر ہمارے فخر کے سامنے پست ہے۔ ہمارے دوست (روزِ قیامت) سیر و سیراب ہوں گے اور ہمارے دُشمن روزِ قیامت بدبختی میں ہوں گے۔ جب لوگوں نے امام زین العابدینؑ کا کلام سُنا تو چیخ مار کر رونے اور پیٹنے لگے اور اُن کی آوازیں بے ساختہ بلند ہو گئیں یہ حال دیکھ کر یزید گھبرا اُٹھا کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اس نے اس کے ردِ عمل میں فوراً موذن کو حکم دیا (کہ اذان شروع کرکے) امام کے خطبہ کو منقطع کر دے، موذن (گلدستہ اذان پر گیا) اور کہا "اللہ اکبر" (خدا کی ذات سب سے بزرگ و برتر ہے) امام نے فرمایا تو نے ایک بڑی ذات کی بڑائی بیان کی اور ایک عظیم الشان ذات کی عظمت کا اظہار کیا اور جو کچھ کہا "حق" کہا۔ پھر موذن نے کہا اشہد ان لَا اِلٰہ الا اللہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے) امام نے فرمایا میں بھی اِس مقصد کی ہر گواہ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں اور ہر انکار کرنے والے کے خلاف اقرار کرتا ہوں۔ پھر موذن نے کہا "اشہد ان محمداً رسول اللہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفٰے اللہ کے رسُول ہیں) فبکی علیؑ، یہ سُن کر حضرت علیؑ بن الحسین رو پڑے اور فرمایا اے یزید میں تجھ سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں "بتا" حضرت محمدؐ میرے نانا تھے یا تیرے۔ یزید نے کہا آپ کے آپ نے فرمایا، پھر کیوں تو نے اُن کے اہلبیت کو شہید کیا۔ یزید نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے محل میں یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ "لاحاجۃ لی بالصلوٰۃ" مجھے نماز سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس کے بعد منہال بن عمر کھڑے ہو گئے اور کہا فرزندِ رسُول آپ کا کیا حال ہے، فرمایا اے منہال ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جس کا باپ (نہایت بے دردی سے) شہید کر دیا گیا ہو، جس کے مددگار ختم کر دیئے گئے ہوں۔ جو اپنے چاروں طرف اپنے اہلِ حرم کو قیدی دیکھ رہا ہو۔ جن کا نہ پردہ رہ گیا نہ چادریں رہ گئیں، جن کا نہ کوئی مددگار رہے نہ حامی، تم تو دیکھ ہی رہے ہو کہ میں مقید ہوں، ذلیل و رسوا کیا گیا ہوں، نہ کوئی میرا ناصر ہے نہ مددگار، میں اور میرے اہل بیت لباس کہنہ میں ملبوس ہیں، ہم پر نئے لباس حرام کر دیئے گئے ہیں۔ اب جو تم میرا حال پوچھتے ہو تو میں تمھارے سامنے موجود ہوں۔ تم دیکھ ہی رہے ہو، ہمارے دُشمن ہمیں بُرا بھلا کہتے ہیں اور ہم صبح و شام موت کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر فرمایا عرب و عجم اس پر فخر کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفٰے ان میں سے تھے۔ اور قریش عرب پر اس لیے فخر کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم قریش میں سے تھے اور ہم ان کے اہل بیت ہیں لیکن ہم کو قتل کیا گیا۔ ہم پر ظلم کیا گیا۔ ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے اور ہم کو قید کرکے در بدر پھرایا گیا۔ گویا ہمارا حسب بہت گرا ہوا ہے اور ہمارا نسب بہت ذلیل ہے۔ گویا ہم عزت کی بلندیوں پر نہیں چڑھے اور بزرگیوں کے فرش پر جلوہ افروز نہیں ہوئے آج گویا تمام ملک یزید اور اس کے لشکر کا ہو گیا اور آلِ مصطفٰے صلعم یزید کی ادنیٰ غلام ہو گئی ہے، یہ سُننا تھا کہ ہر طرف سے رونے

پیٹنے کی صدائیں بلند ہوئیں، یزید بہت خائف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اس نے اس شخص سے کہا جس نے امام کو منبر پر تشریف لے جانے کے لیے کہا تھا "ویحك اردت بصعودہ زوال ملکی"۔ تیرا برا ہو تو ان کو منبر پر بٹھا کر میری سلطنت ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس نے جواب دیا، بخدا میں یہ نہ جانتا تھا کہ یہ لڑکا اتنی بلند گفتگو کرے گا۔ یزید نے کہا "کیا تو نہیں جانتا کہ یہ اہلبیت نبوت اور معدن رسالت کی ایک فرد ہے، یہ سن کر موذن سے نہ رہا گیا اور اس نے کہا کہ اے یزید" اذا کان کذالك فلما قتلت اباہ"۔ جب تو یہ جانتا تھا تو تو نے ان کے پدر بزرگوار کو کیوں شہید کیا۔ موذن کی گفتگو سن کر یزید برہم ہو گیا "فامر بضرب عنقہ"۔ اور موذن کی گردن مار دینے کا حکم دے دیا۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ کا خطبہ

مقتل ابی مخنف ص۱۳۵ میں ہے (ایک سال تک قید خانۂ شام کی صعوبت برداشت کرنے کے بعد جب اہلبیت رسول کی رہائی ہوئی اور یہ قافلہ کربلا ہوتا ہوا مدینہ کی طرف چلا تو قریب مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ سب کے سب خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔

حمد اس خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے، روز جزا کا مالک ہے، تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے جو اتنا دور ہے کہ بلند آسمان سے بھی بلند ہے اور اتنا قریب ہے کہ سامنے موجود ہے اور ہماری باتوں کو سنتا ہے۔ ہم خدا کی تعریف کرتے ہیں اور اس کا شکر بجا لاتے ہیں عظیم حادثوں زمانے کی ہولناک گردشوں، دردناک غموں، خطرناک آفتوں، شدید تکلیفوں اور قلب و جگر کو ہلا دینے والی مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت اے لوگو! خدا اور صرف خدا کے لیے حمد ہے، ہم بڑے بڑے مصائب میں مبتلا کیے گئے، دیوار اسلام میں بہت بڑا رخنہ (شگاف) پڑ گیا۔ حضرت ابو عبداللہ الحسین اور ان کے اہل بیت شہید کر دیئے گئے، ان کی عورتیں اور بچے قید کر دیئے گئے اور (لشکر یزید نے) ان کے سر ہائے مبارک کو بلند نیزوں پر رکھ کر شہروں میں پھرایا، یہ وہ مصیبت ہے جس کے برابر کوئی مصیبت نہیں۔ اے لوگو! تم میں سے کون مرد ہے جو شہادت حسینؑ کے بعد خوش رہے یا کونسا دل ہے جو شہادت حسینؑ سے غمگین نہ ہو یا کونسی آنکھ ہے جو آنسوؤں کو روک سکے۔ شہادت حسین پر ساتوں آسمان روئے۔ سمندر اور اس کی موجیں روئیں، آسمان اور اس کے ارکان روئے۔ زمین اور اس کے اطراف روئے۔ درخت اور اس کی شاخیں روئیں، مچھلیاں اور سمندر کے گرداب روئے۔ ملائکہ مقربین اور تمام آسمان والے روئے، اے لوگو! کون سا قلب ہے جو شہادت حسینؑ کی خبر سن کر نہ پھٹ جائے، کونسا قلب ہے جو محزون نہ ہو، کونسا کان ہے جو اس مصیبت کو سن کر جس سے دیوار اسلام میں رخنہ پڑا۔ بہرہ نہ ہو۔ اے لوگو! ہماری یہ حالت تھی کہ ہم کشاں کشاں پھرائے جاتے تھے، دربدر ٹھکرائے جاتے تھے۔ ذلیل کیے گئے شہروں سے دور تھے، گویا ہم کو

اولاد ترک و کابل سمجھ لیا گیا تھا۔ حالانکہ نہ ہم نے کوئی جرم کیا تھا نہ کسی برائی کا ارتکاب کیا تھا نہ دیوار اسلام میں کوئی رخنہ ڈالا تھا اور نہ ان چیزوں کے خلاف کیا تھا جو ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے سنا تھا، خدا کی قسم اگر حضرت نبیؐ بھی ان لوگوں (لشکر یزید) کو ہم سے جنگ کرنے کے لیے منع کرتے (تو یہ نہ مانتے) جیسا کہ حضرت نبیؐ نے ہماری وصایت کا اعلان کیا (اور ان لوگوں نے نہ مانا) بلکہ جتنا انھوں نے کیا ہے اس سے زیادہ سلوک کرتے، ہم خُدا کے لیے ہیں اور خدا کی طرف ہماری بازگشت ہے۔"

روضۂ رسُول پر امام علیہ السّلام کی فریاد

مقتل ابی مخنف ص۱۴۳ میں ہے کہ جب یہ لٹا ہوا قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت اُمّ کلثومؑ گریہ وبکا کرتی ہوئی مسجدِ نبوی میں داخل ہوئیں اور عرض کی، اے نانا آپ پر میرا اسلام ہو "انی ناعیۃ الیک ولدک الحسین"۔ میں آپ کو آپ کے فرزند حسینؑ کی خبرِ شہادت سُناتی ہوں، یہ کہنا تھا کہ قبرِ رسُولؐ سے گریہ کی صدا بلند ہوئی اور تمام لوگ رونے لگے۔ پھر حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام اپنے نانا کی قبرِ مُبارک پر تشریف لائے اور اپنے رُخسار قبرِ مطہر سے رگڑتے ہوں یوں فریاد کرنے لگے۔

انا جیک یا جداہ یا خیر مرسل　　حبیبک مقتول ونسلک ضائع
انا جیک محزونا علیک موجلا　　اسیراً ومالی حامیا ومدافع
سُبینا کما تسبی الاماء ومسنا　　من الضر ما لاتحملہ الاصابع

(ترجمہ) میں آپ سے فریاد کرتا ہوں اے نانا۔ اے تمام رسُولوں میں سب سے بہتر، آپ کا محبوب "حسینؑ" شہید کر دیا گیا اور آپ کی نسل تباہ برباد کر دی گئی، اے نانا میں رنج و غم کا مارا آپ سے فریاد کرتا ہوں مجھے قید کیا گیا۔ میرا کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔ اے نانا ہم سب کو اس طرح قید کیا گیا۔ جس طرح (لاوارث) کنیزوں کو قید کیا جاتا ہے۔ اے نانا ہم پر اتنے مصائب ڈھائے گئے جو انگلیوں پر گنے نہیں جاسکتے۔

امام زین العابدینؑ اور خاکِ شفا

مصباح المتہجد میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کے پاس ایک کپڑے میں بندھی ہوئی تھوڑی سی خاکِ شفاء رہا کرتی تھی۔ (مناقب جلد۲ ص۳۲۹ طبع ملتان) حضرت کے ہمراہ خاکِ شفاء کا ہمیشہ رہنا تین حال سے خالی نہ تھا یا اُسے تبرکاً رکھتے تھے یا اُس پر نماز میں سجدہ کرتے تھے یا اُسے بحیثیت محافظ رکھتے تھے اور لوگوں کو یہ بتانا مقصود رہتا تھا کہ جس کے پاس خاکِ شفاء ہو وہ بِلا مصائب و آلام سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اُس کا مال چوری نہیں ہوتا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے

امام زین العابدینؑ اور محمدؐ حنفیہ کے درمیان حجرِ اسود کا فیصلہ

آلِ محمدؐ کے مدینہ پہنچنے کے بعد امام زین العابدینؑ کے چچا محمد حنفیہ نے بروایت اہلِ اسلام امام سے خواہش کی کہ مجھے تبرکات امامت دے دو، کیونکہ میں بزرگ خاندان اور امامت کا اہل وحقدار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حجرِ اسود کے پاس چلو وہ فیصلہ کر دے گا۔ جب یہ حضرات اُس کے پاس پہنچے تو وہ بحکمِ خداوندی بولا۔ "امامت زین العابدین کا حق ہے" اس فیصلہ کو دونوں نے تسلیم کرلیا۔ (شواہد النبوت صـــ۱۷۶)۔

کامل مبرد میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے محمد حنفیہ امام زین العابدینؑ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک دن ابوخالد کابلی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ حجرِ اسود نے خلافت کا ان کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور یہ امامِ زمانہ ہیں یہ سُنکر وہ مذہبِ امامیہ کا قائل ہوگیا۔ (مناقب جلد ۲ صـــ۳۲۶)۔

ثبوتِ امامت میں امام زین العابدین کا کنکری پر مہر فرمانا

اصول کافی میں ہے کہ ایک عورت جس کی عمر ۱۱۳ سال کی ہوچکی تھی۔ ایک دن امام زین العابدین کے پاس آئی اس کے پاس وہ کنکری تھی جس پر حضرت علی امام حسنؑ امام حسینؑ کی مہر امامت لگی ہوئی تھی۔ اُس کے آتے ہی بلاکہے ہوئے آپ نے فرمایا کہ وہ کنکری لا جس پر میرے آباء واجداد کی مہریں لگی ہوئی ہیں اُس پر میں بھی مہر کردوں۔ چنانچہ اُس نے کنکری دے دی۔ آپ نے اُسے مہر کرکے واپس کردی، اور اس کی جوانی بھی پلٹادی، وہ خوش وخرم واپس چلی گئی (دمعہ ساکبہ جلد ۲ صـــ۴۳۶)۔

واقعہ حرّہ اور امام زین العابدین علیہ السّلام

مستند تواریخ میں ہے کہ کربلا کے بے گناہ قتل نے اسلام میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ خصوصاً ایران میں ایک قوی جوش پیدا کردیا۔ جس نے بعد میں بنی عباس کو بنی امیہ کے غارت کرنے میں بڑی مدد دی۔ چونکہ یزید تارک الصلوٰۃ اور شارب الخمر تھا اور بیٹی بہن سے نکاح کرتا اور کتوں سے کھیلتا تھا، اس کی ملحدانہ حرکتوں اور امام حسینؑ کے شہید کرنے سے مدینہ میں اس قدر جوش پھیلا کہ ۶۲ھ میں اہلِ مدینہ نے یزید کی معطلی کا اعلان کردیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سردار بناکر یزید کے گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ سے نکال دیا۔ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتا ہے کہ غسیل الملائکہ (حنظلہ) کہتے ہیں کہ ہم نے اُس وقت تک یزید کی خلافت سے انکار نہیں کیا۔ جب تک ہمیں یہ یقین نہیں ہوگیا کہ آسمان سے پتھر برس پڑیں گے غضب ہے کہ لوگ

ماں بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کریں۔ علانیہ شرابیں پیئں اور نماز چھوڑ بیٹھیں۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو جو خونریزی کی کثرت کے سبب ''مسرف'' کے نام سے مشہور ہے، فوج کثیر دے کر اہل مدینہ کی سرکوبی کو روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے باب الطیبہ کے قریب مقام ''حرہ'' پر شامیوں کا مقابلہ کیا۔ گھمسان کا رن پڑا مسلمانوں کی تعداد شامیوں سے بہت کم تھی باوجودیکہ انھوں نے داد مردانگی دی۔ مگر آخر شکست کھائی، مدینہ کے چیدہ چیدہ بہادر رسول اللہ کے بڑے بڑے صحابی انصار و مہاجر اس ہنگامہ آفت میں شہید ہوئے، شامی شہر میں گھس گئے۔ مزارات کو اُن کی زینت و آرائش کی خاطر مسمار کر دیا، ہزاروں عورتوں سے بدکاری کی ہزاروں باکرہ لڑکیوں کا ازالہ بکارت کر ڈالا۔ شہر کو لوٹ لیا۔ تین دن قتل عام کرایا، دس ہزار سے زائد باشندگان مدینہ جن میں سات سو مہاجر و انصار اور اتنے ہی حاملان و حافظان قرآن و علماء و صلحا و محدث تھے اس واقعہ میں مقتول ہوئے ہزاروں لڑکے لڑکیاں غلام بنائی گئیں اور باقی لوگوں سے بشرط قبول غلامی یزید کی بیعت لی گئی۔ مسجد نبوی اور حضرت کے حرم محترم میں گھوڑے بندھوائے گئے۔ یہاں تک کہ لید کے انبار لگ گئے۔ یہ واقعہ جو تاریخ اسلام میں واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ ۲۷ ذی الحجہ ۶۳ھ کو ہوا تھا۔ اس واقعہ پر مولوی امیر علی لکھتے ہیں کہ کفر و بت پرستی نے پھر غلبہ پایا۔ ایک فرنگی مؤرخ لکھتا ہے کہ کفر کا دوبارہ جنم لینا اسلام کے لیے سخت خوفناک اور تباہی بخش ثابت ہوا۔ بقیہ تمام مدینہ کو یزید کا غلام بنایا گیا۔ جس نے انکار کیا اُس کا سر اُتار لیا گیا، اس رسوائی سے صرف دو آدمی بچے ''علی بن الحسینؑ اور علی بن عبداللہ ابن عباس۔'' ان سے یزید کی بیعت بھی نہیں لی گئی۔ مدارس شفاخانے اور دیگر رفاہ عام کی عمارتیں جو خلفاء کے زمانہ میں بنائی گئی تھیں یا تو بند کر دی گئیں۔ یا مسمار اور عرب پھر ایک ویرانہ بن گیا۔ اس کے چند مدت بعد علی بن الحسینؑ کے پوتے جعفر صادقؑ نے اپنے جد امجد علی مرتضیٰ کا مکتب خانہ پھر مدینہ میں جاری کیا۔ مگر یہ صحرا میں صرف ایک ہی سچا نخلستان تھا۔ اس کے چاروں طرف ظلمت و ضلالت چھائی ہوئی تھی۔ مدینہ پھر کبھی نہ سنبھلا۔ بنی امیہ کے عہد میں مدینہ ایسی اُجڑی بستی ہو گیا کہ جب منصور عباسی زیارت کو مدینہ میں آیا۔ تو اُسے ایک رہنما کی ضرورت پڑی۔ جو اس کو وہ مکانات بتائے جہاں ابتدائی زمانہ کے بزرگان اسلام رہا کرتے تھے۔ (تاریخ اسلام جلد ا ص ۳۹، تاریخ ابوالفدا جلد ا ص ۱۹۱ تاریخ فخری ص ۸۶، تاریخ کامل جلد ۴ ص ۴۹ صواعق محرقہ ص ۱۳۲)

واقعہ حرّہ اور آپ کی قیام گاہ

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک چھوٹی سی جگہ ''ینبع'' نامی تھی جہاں کھیتی باڑی کا کام ہوتا تھا۔ واقعہ حرہ کے موقع پر آپ شہر مدینہ سے نکل کر اپنے گاؤں چلے گئے تھے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۴۵) یہی

جگہ ہے۔ جہاں حضرت علی خلیفہ عثمان کے عہد میں قیام پذیر تھے۔ (عقد فرید جلد ۲ ص۲۱۶)۔

خاندانی دشمن مروان کے ساتھ آپ کی کرم گستری

واقعہ حرہ کے موقع پر جب مروان نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تباہی اور بربادی کا یقین کر لیا۔ تو عبداللہ ابن عمر کے پاس جا کر کہنے لگا کہ ہماری محافظت کرو۔ حکومت کی نظر میری طرف سے بھی پھری ہوئی ہے۔ میں جان اور عورتوں کی بے حرمتی سے ڈرتا ہوں۔ انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ اُس وقت وہ امام زین العابدین کے پاس آیا اور اُس نے اپنی اور اپنے بچوں کی تباہی و بربادی کا حوالہ دے کر حفاظت کی درخواست کی حضرت نے یہ خیال کیے بغیر کہ یہ خاندانی ہمارا دشمن ہے اور اس نے واقعہ کربلا کے سلسلہ میں پوری دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ نے فرما دیا بہتر ہے کہ اپنے بچوں کو میرے پاس بمقام منبع بھیجدو، جہاں میرے بچے رہیں گے تمھارے بھی رہیں گے۔ چنانچہ وہ اپنے بال بچوں کو جن میں حضرت عثمان کی بیٹی عائشہ بھی تھیں آپ کے پاس پہنچا گیا اور آپ نے سب کی مکمل حفاظت فرمائی۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۴۵)۔

امام زین العابدین اور مسلم بن عقبہ

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ مدینہ کے ان ہنگامی حالات میں ایک دن مسلم بن عقبہ نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بلا بھیجا۔ ابھی وہ پہنچے نہ تھے کہ اُس نے اپنے پاس کے بیٹھنے والوں سے آپ کی اور آپ کے خاندان کی بُرائی شروع کی اور نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا۔ لیکن اللہ رے آپ کا رُعب وجلال کہ جونہی آپ اُس کے پاس پہنچے وہ بسروقد تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ بات چیت کے بعد جب آپ واپس تشریف لے گئے تو کسی نے مسلم سے کہا کہ تو نے اتنی شاندار تعظیم کیوں کی اُس نے جواب دیا، میں نے قصداً وارادتاً ایسا نہیں کیا بلکہ اُن کے رُعب وجلال کی وجہ سے مجبوراً ایسا کیا ہے۔ (مروج الذہب مسعودی برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ ص۱۰۵)۔

امام زین العابدینؑ سے بیعت کا سوال نہ کرنے کی وجہ

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ واقعہ حرہ میں مدینہ کا کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو یزید کی بیعت نہ کرے اور قتل ہونے سے بچ جائے، لیکن امام زین العابدینؑ علیہ السلام بیعت نہ کرنے کے باوجود محفوظ رہے، بلکہ اُسے یوں کہا جائے کہ آپ سے بیعت طلب ہی نہیں کی گئی۔ علامہ جلال الدین حسینی مصری اپنی کتاب "الحسین" میں لکھتے ہیں کہ یزید کا حکم تھا کہ سب سے بیعت لینا لیکن علی بن الحسین کو نہ چھیڑنا ورنہ وہ بھی سوال بیعت پر حسینی کردار پیش کریں گے اور ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔

دشمن ازلی حصین بن نمیر کے ساتھ آپ کی کرم نوازی

مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ ابتدائے ۶۴ھ میں مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوگیا۔ اتفاقاً راہ میں بیمار ہوکر وہ گمراہ راہیِ جہنم ہوگیا، مرتے وقت اُس نے حصین بن نمیر کو اپنا جانشین مقرر کردیا۔ اُس نے وہاں پہنچ کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی اور اُس میں آگ لگا دی، اُس کے بعد مکمل محاصرہ کر کے عبداللہ ابن زبیر کو قتل کرنا چاہا۔ اس محاصرہ کو چالیس دن گزرے تھے کہ یزید پلید واصلِ جہنم ہوگیا۔ اُس کے مرنے کی خبر سے ابن زبیر نے غلبہ حاصل کرلیا اور یہ وہاں سے بھاگ کر مدینہ جا پہنچا۔

مدینہ کے دوران قیام میں اس ملعون نے ایک دن بوقتِ شب چند سواروں کو لے کر فوج کے غذائی سامان کی فراہمی کے لیے ایک گاؤں کی راہ پکڑی۔ راستہ میں اُس کی ملاقات حضرت امام زین العابدینؑ سے ہوگئی، آپ کے ہمراہ کچھ اونٹ تھے جن پر غذائی سامان لدا ہوا تھا۔ اُس نے آپ سے وہ غلہ خریدنا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تجھے ضرورت ہے تو یُونہی لے لے ہم اسے فروخت نہیں کرسکتے (کیونکہ میں اسے فقرارِ مدینہ کے لیے لایا ہوں) اُس نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے "علی بن الحسین" کہتے ہیں۔ پھر آپ نے اُس سے نام دریافت کیا تو اس نے کہا میں حصین بن نمیر ہوں۔ اللہ رے، آپ کی کرم نوازی، آپ نے یہ جاننے کے باوجود کہ یہ میرے باپ کے قاتلوں میں سے ہے اُسے سارا غلہ مفت دے دیا (اور فقرا کے لیے دوسرا بندوبست فرمایا) اُس نے جب آپ کی یہ کرم گستری دیکھی اور اچھی طرح پہچان بھی لیا تو کہنے لگا کہ یزید کا انتقال ہوچکا ہے۔ آپ سے زیادہ مستحقِ خلافت کوئی نہیں۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ میں آپ کو تختِ خلافت پر بٹھا دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں خداوندِ عالم سے عہد کرچکا ہوں کہ ظاہری خلافت قبول نہ کروں گا۔ یہ فرما کر آپ اپنے دولت سرا کو تشریف لے گئے۔ (تاریخ طبری فارسی ص ۶۴۴)۔

امام زین العابدینؑ اور فقرائے مدینہ کی کفالت

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فقرارِ مدینہ کے سَو گھروں کی کفالت فرماتے تھے اور سارا سامان اُن کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔ اُن میں بہت زیادہ ایسے گھرانے تھے جنھیں آپ یہ بھی معلوم نہ ہونے دیتے تھے کہ یہ سامان خورد و نوش رات کو کون دے جاتا ہے۔ آپ کا اصول یہ تھا کہ بوریاں پُشت پر لاد کر گھروں میں روٹی اور آٹا وغیرہ پہنچاتے تھے اور یہ سلسلہ تا بحیات جاری رہا۔ بعض معززین کا کہنا ہے کہ ہم نے اہلِ مدینہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ امام زین العابدین کی زندگی تک ہم خفیہ غذائی رسد سے محروم نہیں ہوئے۔

(مطالب السؤل ص ۲۶۵ نور الابصار ص ۱۲۶)۔

حضرت امام زین العابدین اور زراعت

احادیث میں ہے کہ زراعت و کاشتکاری سنت ہے۔ حضرت ادریس کے علاوہ کہ وہ خیاطی کرتے تھے۔ تقریباً جملہ انبیاء زراعت کیا کرتے تھے۔ حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کا بھی یہی پیشہ رہا ہے لیکن یہ حضرات اس کاشتکاری سے خود فائدہ نہیں اٹھاتے تھے بلکہ اس سے غرباء فقراء اور طیور کے لیے روزی فراہم کیا کرتے تھے، حضرت امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں "ما ازرع الزرع لطلب الفضل فیہ وما ازرع الا لیتناولہ الفقیر وذوالحاجۃ و لیتناول منہ القبرۃ خاصۃ من الطیر" میں اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لیے زراعت نہیں کیا کرتا۔ بلکہ اس لیے زراعت کرتا ہوں کہ اس سے غریبوں، فقیروں، محتاجوں اور طائروں خصوصاً قبرہ کو روزی فراہم کروں۔ (سفینۃ البحار جلد ۱ ص ۵۴۹)۔ واضح ہو کہ قبرہ وہ طائر ہے جو اپنے محل عبادت میں کہا کرتا ہے "اللھم العن مبغضی آل محمدؐ" خدایا ان لوگوں پر لعنت کر جو آل محمدؐ سے بغض رکھتے ہیں۔ (لباب التاویل بغوی)۔

امام زین العابدین علیہ السلام اور فتنہ ابن زبیر

مورخ مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ عبداللہ ابن زبیر جو آل محمدؐ کا شدید دشمن تھا ۳ھ ہجری میں حضرت ابوبکر کی بڑی صاحبزادی اسماء کے بطن سے پیدا ہوا۔ اسے خلافت کی بڑی فکر تھی۔ اسی لیے جنگ جمل کا میدان گرم کرنے میں اس نے پوری سعی سے کام لیا تھا۔ یہ شخص انتہائی کنجوس اور بنی ہاشم کا سخت دشمن تھا اور انھیں بہت ستاتا تھا۔ بروایت مسعودی اس نے جعفر بن عباس سے کہا کہ میں چالیس برس سے تم بنی ہاشم سے دشمنی رکھتا ہوں۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ۶۱ھ میں مکہ میں اور رجب ۶۴ھ میں ملک شام کے بعض علاقوں کے علاوہ تمام ممالک اسلام میں اس کی بیعت کرلی گئی عقد الفرید اور مروج الذہب میں ہے کہ جب اس کی قوت بہت بڑھ گئی تو اس نے خطبہ میں حضرت علی کی مذمت کی اور چالیس روز تک خطبہ میں درود نہیں پڑھا۔ اور محمد حنفیہ اور ابن عباس اور دیگر بنی ہاشم کو بیعت کے لیے بلایا۔ انھوں نے انکار کیا تو بر سر منبر ان کو گالیاں دیں اور خطبہ سے رسول اللہؐ کا نام نکال ڈالا، اور جب اس کے بارے میں اس پر اعتراض کیا گیا تو جواب دیا کہ اس سے بنی ہاشم بہت پھولتے ہیں، میں دل میں کہہ لیا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے محمد حنفیہ اور ابن عباس کو جس بیجا میں مع ۱۵ بنی ہاشم کے قید کردیا اور لکڑیاں قید خانہ کے دروازے پر چن دیں اور کہا کہ اگر بیعت نہ کروگے تو میں آگ لگا دوں گا۔ جس طرح پہلے بنی ہاشم کے انکار بیعت پر لکڑیاں چنوا دی گئی تھیں۔ اتنے میں وہ فوج

وہاں پہنچ گئی۔ جسے مختار نے اُن کی مدد کے لیے عبداللہ جدلی کی سرکردگی میں بھیجی تھی اور اس نے ان محترم لوگوں کو بچالیا اور وہاں سے طائف پہنچا دیا (عقد فرید و مسعودی) انھیں حالات کی بنا پر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، اکثر فتنہ ابن زبیر کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ عالم اہل سنّت۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ ابو حمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور چاہا کہ آپ سے ملاقات کروں۔ لیکن چونکہ آپ گھر کے اندر تھے اس لیے سوء ادب سمجھتے ہوئے میں نے آواز نہ دی، تھوڑی دیر کے بعد خود باہر تشریف لائے، اور مجھے ہمراہ لے کر ایک جانب روانہ ہوگئے، راستے میں آپ نے ایک دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، اے ابو حمزہ میں ایک دن سخت رنج والم میں اس دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ابن زبیر کے فتنہ سے بنی ہاشم کو کیونکر بچایا جائے۔ اتنے میں ایک شریف اور مقدس بزرگ ستھرے لباس میں ملبوس میرے پاس آئے اور کہنے لگے آخر کیوں پریشان کھڑے ہیں میں نے کہا کہ مجھے فتنہ ابن زبیر کا غم اور اسی کی فکر ہے وہ بولے "اے علی ابن الحسین" گھبراؤ نہیں جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اُس کی مدد کرتا ہے۔ جو اُس سے طلب کرتا ہے وہ اسے دیتا ہے، یہ کہہ کر وہ مقدس میری نظروں سے غائب ہوگئے اور ہاتف غیبی نے آواز دی۔ "ھذا الخضر ناجاک" کہ یہ جو آپ سے باتیں کر رہے تھے وہ جناب خضر علیہ السلام تھے۔ (نور الابصار ص۱۲۹ مطالب السؤل ص۲۶۴ شواہد النبوت ص۱۷۸)۔ واضح ہو کہ روایت برادران اہل سنّت کی ہے۔ ہمارے نزدیک امام کائنات کی ہر چیز سے واقف ہوتا ہے

حضرت امام زین العابدینؑ کی اپنے پدرگوار کے قرضے سے سبکدوشی

علماء کا بیان ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام قید خانہ شام سے چھوٹ کر مدینہ پہنچنے کے بعد سے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کے قرضہ کی ادائیگی کی فکر میں رہا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی صورت سے ۷۰ ہزار دینار جو حضرت سید الشہداء کا قرضہ ہے میں ادا کر دوں۔ بالآخر آپ نے "چشمۂ تحنس" کو جو کہ امام حسینؑ کا بمقام ذی خشب بنوایا ہوا تھا فروخت کر کے قرضہ کی ادائیگی سے سبکدوشی حاصل فرمائی۔ چشمہ کی فروختگی میں یہ شرط تھی کہ شب شنبہ کو پانی لینے کا حق خریدنے والے کو نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی حق دار صرف امام علیہ السلام کی ہمشیرہ ہوں گی۔ (بحار الانوار وفاء الوفا جلد ۲ ص۲۴۹ و مناقب جلد ۴ ص۱۱۴)۔

معاویہ ابن یزید کی تخت نشینی اور امام زین العابدینؑ

یزید کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا ابولیلیٰ، معاویہ بن یزید خلیفہ وقت بنا دیا گیا۔ وہ اس عہدہ کو قبول کرنے پر راضی نہ تھا کیونکہ وہ فطرتاً حضرت علی کی محبت پر پیدا ہوا تھا اور ان کی اولاد کو دوست

رکھتا تھا، بروایت حبیب السیر، اُس نے لوگوں سے کہا کہ میرے لیے خلافت سزاوار اور مناسب نہیں ہے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں تمھاری رہبری کروں اور بتادوں کہ یہ منصب کس کے لیے زیبا ہے سُنو، امام زین العابدین موجود ہیں ان میں کسی طرح کا کوئی عیب نکالا نہیں جا سکتا، وہ اس کے حقدار اور مستحق ہیں، تم لوگ ان سے ملو اور انھیں راضی کرو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ اسے قبول نہ کریں گے مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ ۶۴ھ میں یزید کے مرتے ہی معاویہ بن یزید کی بیعت شام میں عبداللہ ابن زبیر کی حجاز اور یمن میں ہوگئی اور عبید اللہ ابن زیاد عراق میں خلیفہ بن گیا۔ معاویہ ابن یزید حلیم و سلیم الطبع جوان صالح تھا وہ اپنے خاندان کی خطاؤں اور برائیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا اور علی و اولادِ علی کو مستحق خلافت سمجھتا تھا (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۷) علّامہ معاصر رقم طراز ہیں کہ ۶۴ھ میں یزید مرا تو اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ بنایا گیا۔ اس نے چالیس روز اور بعض قول کے مطابق ۵ ماہ خلافت کی اس کے بعد خود خلع خلافت کر دیا اور اپنے کو خلافت سے الگ کر لیا۔ اِس طرح کہ ایک روز منبر پر چڑھ کر دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر کہا "لوگو! "مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش نہیں ہے۔ کیونکہ میں تم لوگوں کی جس بات (گمراہی اور بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں وہ معمولی درجہ کی نہیں بلکہ بہت بڑی ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھے ناپسند کرتے ہو۔ اِس لیے کہ میں تم لوگوں کی خلافت سے بڑے عذاب میں مبتلا اور گرفتار ہوں، اور تم لوگ بھی میری حکومت کے سبب سے گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو۔ "سُن لو" کہ میرے دادا معاویہ نے اس خلافت کے لیے اُس بزرگ سے جنگ و جدل کی جو اس خلافت کے لیے اُس سے کہیں زیادہ سزاوار اور مستحق تھے اور وہ حضرت اِس خلافت کے لیے صرف معاویہ ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی افضل تھے۔ اِس سبب سے کہ حضرت کو حضرت رسُولِ خدا سے قرابت قریبہ حاصل تھی۔ حضرت کے فضائل بہت تھے خدا کے یہاں حضرت کو سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ حضرت تمام صحابہ، مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ صاحبِ علم۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے سب سے اعلیٰ اور اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسُولِ خدا کی صحبت کا فخر حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ اِن فضائل و مناقب کے وہ جنابِ حضرت رسُولِ خدا کے چچازاد بھائی، حضرت کے داماد اور حضرت کے دینی بھائی تھے جن سے حضرت نے کئی بار مواخات فرمائی۔ جنابِ حسنین جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار اور اس امت میں سب سے افضل اور پروردۂ رسُول اور فاطمہ بتول کے دو لال یعنی پاک و پاکیزہ درختِ رسالت کے پھول تھے۔ ان کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ ہی تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا، اس کو تم لوگ خوب جانتے ہو، اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اس سے بھی تم لوگ بے خبر نہیں ہو۔ یہاں تک کہ میرے

دادا کو اس کے ارادہ میں کامیابی ہوئی اور اس کے دنیا کے سب کام بن گئے، مگر جب اس کی اجل محتوم پہنچ گئی اور موت کے پنجوں نے اس کو اپنے شکنجے میں کس لیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اپنی قبر میں اکیلا پڑا ہے اور جو جو ظلم کر چکا تھا ان سب کو اپنے سامنے پا رہا ہے اور جو شیطنت و فرعونیت اس نے اختیار کر رکھی تھی اُن سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر یہ خلافت میرے باپ یزید کے سپرد ہوئی تو جس گمراہی میں میرا دادا تھا۔ اسی ضلالت میں پڑ کر میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حالانکہ میرا باپ یزید بھی اپنے اسلام کش باتوں دین سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہ تھا کہ حضرت رسولِ کریمؐ کی امّت کا خلیفہ اور اُن کا سردار بن سکے۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہو گیا اور اُس نے اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھا۔ جس کے بعد اُس نے دنیا میں جو جو اندھیر کیا اُس سے زمانہ واقف ہے کہ اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے تک پر آمادہ ہو گیا اور حضرت رسولِ خداؐ سے اتنی بغاوت کی کہ حضرت کی اولاد کا خون بہانے پر کمر باندھ لی، مگر اس کی مدت کم رہی اور اُس کا ظلم ختم ہو گیا۔ وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اور اپنے گڑھے (قبر سے) لپٹا ہوا اور اپنے گناہوں کی بلاؤں میں پھنسا ہوا پڑا ہے۔ البتہ اُس کی سفاکیوں کے نتیجے جاری اور اس کی خونریزیوں کی علامتیں باقی ہیں اب وہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ جہاں کے لیے اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کیا تھا اور اب اپنے کیے پر نادم ہو رہا ہے۔ مگر کب؟ جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں اور وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اُس کی موت بھول گئے اور اُس کی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے۔ کاش معلوم ہو جاتا کہ وہاں اُس نے کیا عذر تراشا اور پھر اُس سے کیا کہا گیا۔ کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے میرا گمان تو یہی ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ اُس کے بعد گریہ اُس کے گلوگیر ہو گیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا۔ پھر بولا اب میں اپنے ظالم خاندان بنی اُمیہ کا تیسرا خلیفہ بنایا گیا ہوں حالانکہ جو لوگ مجھ پر میرے دادا اور باپ کے ظلموں کی وجہ سے غضبناک ہیں۔ اُن کی تعداد اُن لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں۔ بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کے بار اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھائے کہ میں تم لوگوں کی گمراہیوں اور برائیوں کے بار سے لدا ہوا اُس کی درگاہ میں پہنچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اختیار ہے اسے مجھ سے لے لو اور جسے پسند کرو اپنا بادشاہ بنالو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں سے اپنی بیعت اُٹھالی والسلام۔

جس منبر پر معاویہ ابن یزید خطبہ دے رہا تھا۔ اُس کے نیچے مروان بن حکم بھی بیٹھا ہوا تھا خطبہ ختم ہونے پر وہ بولا۔ کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے کہ جس طرح انھوں نے اپنے بعد خلافت

کو شوریٰ کے حوالہ کیا تھا، تم بھی اسے شوریٰ کے سپرد کرتے ہو۔ اس پر معاویہ بولا۔ آپ میرے پاس سے تشریف لے جائیں کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم میں تم لوگوں کی خلافت کا کوئی مزہ نہیں پاتا۔ البتہ اس کی تلخیاں برابر چکھ رہا ہوں۔ جیسے لوگ عمر کے زمانہ میں تھے۔ ویسے ہی لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں جس تاریخ سے انھوں نے اس خلافت کو شوریٰ کے سپرد کیا۔ اور جس بزرگ (حضرت علیؑ) کی عدالت میں کسی قسم کا شبہہ کسی کو ہو بھی نہیں سکتا اس کو اس سے ہٹا دیا۔ اُس وقت سے وہ بھی ایسا کرنے کی وجہ سے کیا ظالم نہیں سمجھے گئے۔ خدا کی قسم اگر خلافت کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اُس سے نقصان اٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا اور اگر خلافت کوئی اور وبال کی چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی حاصل ہوئی وہی کافی ہے۔

یہ کہہ کر معاویہ منبر سے اتر آیا، پھر اس کی ماں اور دوسرے رشتہ دار اُس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اُس کی ماں نے کہا کہ کاش تو حیض ہی میں ختم ہو جاتا اور اِس دن کی نوبت نہ آتی، معاویہ نے کہا خدا کی قسم میں بھی یہی تمنّا کرتا ہوں۔ پھر کہا کہ اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اُس کے بعد بنی اُمیّہ اس کے استاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معاویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اُس کو خلافت سے الگ کیا ہے اور علیؑ و اولادِ علیؑ کی محبت اِس کے دل میں راسخ کر دی ہے۔ غرض اُس نے ہم لوگوں کے جو عیوب و مظالم بیان کئے اُن سب کا باعث تو ہی ہے۔ اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اُس کی نظر میں پسندیدہ قرار دے دیا ہے جس پر اُس نے یہ خطبہ بیان کیا ہے مقصوص نے جواب دیا خدا کی قسم مجھ سے اُس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ بچپن ہی سے حضرت علیؑ کی محبت پر پیدا ہوا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اِس بیچارے کا کوئی عذر نہیں سُنا اور قبر کھدوا کر اسے زندہ دفن کر دیا۔ (تحریر الشہادتین ص۱۰۲، صواعق محرقہ ص۱۳۲، حیوات الحیوان جلد۱ ص۵۵، تاریخ خمیس جلد۲ ص۳۳۲، تاریخ آئمہ ص۳۹۱)۔

مورخ مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں، اس کے بعد بنی اُمیّہ نے معاویہ بن یزید کو بھی زہر سے شہید کر دیا اُس کی عمر ۲۱ سال ۱۸ یوم کی تھی۔ اُس کی خلافت کا زمانہ چار ماہ اور بروایتے چالیس یوم شمار کیا جاتا ہے، معاویہ ثانی کے ساتھ بنی امیہ کی سفیانی شاخ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور مروانی شاخ کی داغ بیل پڑ گئی۔ (تاریخ اسلام جلد۱ ص۳۸) مورخ ابن الوردی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ معاویہ ابن یزید کے مرنے کے بعد شام میں بنی امیہ نے متفقہ طور پر مروان بن حکم کو خلیفہ بنا لیا۔

مروان کی حکومت صرف ایک سال قائم رہی پھر اُس کے انتقال کے بعد اُس کا لڑکا عبدالملک ابن مروان خلیفہ وقت قرار دیا گیا۔

عبدالملک ابن مروان اور امام زین العابدین علیہ السلام

۶۵ھ میں مروان کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا عبدالملک مصر و شام کا بادشاہ تسلیم کیا گیا، یہ بنی اُمیہ کا اصل نمونہ تھا چونکہ مُستبد فریبی اور ایمان سے معرّیٰ تھا۔ وہ عجیب قابلیت کے ساتھ اپنی خلافت کو مستحکم کرنے میں مصروف ہوا۔ اس کی راہ میں مختار بن ابی عبیدہ ثقفی اور عبداللہ ابن زبیر روڑا تھے۔ ان کے بعد جمادی الثانیہ ۷۳ھ میں عبدالملک ابن مروان تمام ممالکِ اسلامیہ کا اکیلا بادشاہ بن گیا۔ ابنِ زبیر سے لڑنے میں چونکہ حجاج بن یوسف اموی جرنیل نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اس لیے عبدالملک بن مروان نے اُسے حجاز کا گورنر بنا دیا تھا۔ ۷۵ھ میں عبدالملک نے اسے اپنی مشرقی سلطنت۔ عراق، فارس اور سیستان، کرمان اور خراسان کا جس میں کابل اور کچھ حصہ ماوراء النہر کا بھی شامل تھا وائسرائے بنا دیا۔ حجاج نے اپنی حجاز کی گورنری کے زمانہ میں مدینہ کے لوگوں پر جن میں اصحاب رسولؐ بھی تھے بڑے بڑے ظلم کیے۔ عراق میں اپنی بیس برس کی گورنری کے دوران میں اس نے تقریباً ڈیڑھ لاکھ اور بروایت مشکوٰۃ پانچ لاکھ بندگانِ خدا کا خُون بہایا تھا۔ جن میں سے بہت سوں پر جھوٹے الزام اور بہتان لگائے گئے تھے۔ اس کی وفات کے وقت پچاس ہزار مرد و زن زندان میں پڑے ہوئے اُس کی جان کو رو رہے تھے۔ بے سقف قید خانہ اُسی کی ایجاد ہے۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ عبدالملک بڑا ظالم اور سفاک تھا اور ایسے ہی اُس کے گورنر حجاج عراق میں۔ مہلب خراسان میں۔ ہشام ابن اسمٰعیل حجاز اور مغربی عرب میں اور اُس کا بیٹا عبداللہ مصر میں۔ حسّان بن نعمان مغرب میں۔ حجاج کا بھائی محمد بن یوسف یمن میں۔ محمد بن مروان جزیرہ میں یہ سب کے سب ظالم اور سفاک تھے اور مسعودی لکھتا ہے کہ بے پروائی سے خُون بہانے میں عبدالملک کے عامل اسی کے نقشِ قدم پہ چلتے تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہ کنجوس بے رحم سفاک وعدہ خلاف دغا باز بے ایمان تھا۔ یہ مطلب براری کے لیے سب کچھ کیا کرتا تھا۔ اخطل اس کے دربار کا مشہور شاعر اور زہری مشہور محدث تھا۔ جس نے سب سے اوّل حدیث کی کتاب لکھی۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۴۲) زہری کا اصل نام امام ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ ابن شہاب زہری مدنی شامی تھا۔ یہ تابعی۔ فقیہہ اور محدث تھا۔ ۵۱ھ میں پیدا ہو کر ۱۲۴ھ میں فوت ہوا۔ مدینہ کے نامی محدثوں اور فقیہوں میں سے تھا۔ عبدالملک اور ہشام خلفاء بنی اُمیہ کی صحبت میں رہا۔ امام مالک کا اُستاد اور علمِ حدیث کا مدون تھا۔ (تاریخ اسلام جلد ۵ ص ۹۷، ص ۲۰۱۹) متعدد علمائے نے لکھا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جب مدینہ میں حجاج کے ذریعہ سے تباہی مچائی تھی۔ اسی زمانہ میں عبدالملک ابن مروان نے حکم دے دیا تھا کہ علی ابن حُسینؑ کو گرفتار کر کے شام[1] پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ آپ کو زنجیروں میں جکڑ کر مدینہ سے باہر ایک خیمہ میں ٹھہرا

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب پہلے شہر بدر کی گئی تھیں اور حضرت امام زین العابدین بعد میں مدینہ سے شام کی طرف نکالے گئے تھے۔ ۱۲، واقعہ اخراج کی تفصیل کسی کتاب میں میری نظر سے گزری۔ ۱۲ منہ

دیا گیا۔ زہری کا بیان ہے کہ میں انھیں رخصت کرنے کے لیے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میری نظر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں پر پڑی تو میری آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور میں عرض پرداز ہوا کہ کاش آپ کے بجائے یہ لوہے کے زیورات میں پہن لیتا اور آپ اس سے بری ہوتے۔ آپ نے فرمایا اے زہری تم میری ہتھکڑی اور بیڑی اور میرے طوق گرانبار کو دیکھ کر گھبرا رہے ہو، سنو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ (شواہد النبوت ص۱۷۷ و ارجح المطالب ص۴۲۲ حلیۃ الاولیاء جلد ۳ ص۱۳۵ طبع مصر) علامہ محمد بن طلحہ شافعی بحوالہ زہری لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں عبدالملک ابن مروان کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ اے امیر لیس علی بن الحسین حیث تظن انہ مشغول بربہ امام زین العابدین پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں ہے۔ وہ تیری حکومت کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے وہ خالص اللہ والے ہیں اور خدا کے سوا انھیں کسی سے کوئی مطلب نہیں (مطالب السؤل ص۲۶۴) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ زہری کے تذکرہ خصوصی کے بعد عبدالملک ابن مروان نے حجاج بن یوسف کو لکھا کہ "ان یجتنب دماء بنی عبدالمطلب" بنی ہاشم کو ستانے اور ان کے خون بہانے سے اجتناب اور پرہیز کرے۔ (صواعق محرقہ ص۱۱۹) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے حجاج کو اجتناب کی وجہ بھی لکھی تھی اور وہ یہ تھی کہ بنی امیہ کے اکثر بادشاہ انھیں ستا کر جلد تباہ ہوگئے ہیں۔ (نور الابصار ص۱۲۷) غرض عبدالملک کے زمانہ میں اس واقعہ کے بعد سے اولاد ابوطالب حجاج کے ہاتھوں سے امان میں رہی۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص۱۴۱)۔

امام زین العابدینؑ اور بنیاد کعبہ محترمہ و نصب حجر اسود

۷۱ھ میں عبدالملک بن مروان نے عراق پر لشکر کشی کر کے مصعب بن زبیر کو قتل کیا پھر ۷۲ھ میں حجاج بن یوسف کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ عبداللہ ابن زبیر کو قتل کرنے کے لیے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ (ابو الفداء) وہاں پہنچ کر حجاج نے ابن زبیر سے جنگ کی ابن زبیر نے زبردست مقابلہ کیا اور بہت سی لڑائیاں ہوئیں، آخر میں ابن زبیر محصور ہوگئے اور حجاج نے ابن زبیر کو کعبہ سے نکالنے کے لیے کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی۔ یہی نہیں بلکہ اُسے کھدوا ڈالا، ابن زبیر جمادی الآخر ۷۳ھ میں قتل ہوا (تاریخ ابن الوردی) اور حجاج جو خانہ کعبہ کی بنیاد تک خراب کر چکا تھا۔ اس کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوا۔ علامہ صدوق کتاب علل الشرائع میں لکھتے ہیں کہ حجاج کے ہدم کعبہ کے موقع پر لوگ اس کی مٹی تک اٹھا کر لے گئے اور کعبہ کو اس طرح لوٹ لیا کہ اس کی کوئی پرانی چیز باقی نہ رہی۔ پھر حجاج کو خیال پیدا ہوا کہ اس کی تعمیر کرانی چاہیئے۔ چنانچہ اس نے تعمیر کا پروگرام مرتب کر لیا اور کام شروع کرا دیا۔ کام کی ابھی بالکل ابتدائی منزل تھی کہ ایک اژدہا برآمد ہو کر ایسی جگہ بیٹھ گیا جس کے ہٹے بغیر کام آگے نہیں بڑھ

سنتا تھا۔ لوگوں نے اس واقعہ کی اطلاع حجاج کو دی، حجاج گھبرا اٹھا اور لوگوں کو جمع کر کے اُن سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ جب لوگ اس کا حل نکالنے سے قاصر رہے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ آج کل فرزند رسول حضرت امام زین العابدین علیہ السلام یہاں آئے ہوئے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ اُن سے دریافت کرایا جائے۔ یہ مسئلہ ان کے علاوہ کوئی حل نہیں کر سکتا، چنانچہ حجاج نے آپ کو زحمت تشریف آوری دی، آپ نے فرمایا کہ اے حجاج تو نے تو خانہ کعبہ کو اپنی میراث سمجھ لیا ہے۔ تو نے تو بناے ابراہیم علیہ السلام کو اکھڑوا کر راستہ میں ڈلوا دیا ہے۔ "سن! تجھے خدا اُس وقت تک کعبہ کی تعمیر میں کامیاب نہ ہونے دے گا۔ جب تک تو کعبہ کا اُٹھا ہوا سامان واپس نہ منگائے گا۔ یہ سن کر اس نے اعلان کیا کہ کعبہ سے متعلق جو شے بھی کسی کے پاس ہو وہ جلد سے جلد واپس کرے۔ چنانچہ لوگوں نے پتھر مٹی وغیرہ جمع کر دی۔ جب سب کچھ جمع ہو گیا تو آپ اُس اژدہے کے قریب گئے اور وہ ہٹ کر ایک طرف ہو گیا۔ آپ نے اُس کی بنیاد استوار کی اور حجاج سے فرمایا کہ اس کے اوپر تعمیر کراؤ۔" فلذالک صار البیت مرتفعاً" پھر اسی بنیاد پر خانہ کعبہ کی تعمیر بلند ہوئی۔ کتاب الخرائج والجرائح میں علامہ قطب راوندی لکھتے ہیں کہ جب تعمیر کعبہ اُس مقام تک پہنچی جس جگہ حجر اسود نصب کرنا تھا تو یہ دشواری پیش ہوئی کہ جب کوئی عالم زاہد، قاضی اُسے نصب کرتا تھا تو "یتزلزل ویضطرب ولا یستقر" حجر اسود متزلزل اور مضطرب رہتا اور اپنے مقام پر ٹھہرتا نہ تھا۔ بالآخر امام زین العابدینؑ بلائے گئے اور آپ نے بسم اللہ کہہ کر اُسے نصب کر دیا، یہ دیکھ کر لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۲ صـ۴۳۷)
علماء و مورخین کا بیان ہے کہ حجاج بن یوسف نے یزید بن معاویہ ہی کی طرح خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر وغیرہ پھنکوائے تھے۔

امام زین العابدین اور عبدالملک بن مروان کا حج

بادشاہِ دنیا عبدالملک بن مروان اپنے عہدِ حکومت میں اپنے پایۂ تخت سے حج کے لیے روانہ ہو کر مکۂ معظمہ پہنچا اور بادشاہِ دین حضرت امام زین العابدین بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر پہنچ گئے مناسکِ حج کے سلسلہ میں دونوں کا ساتھ ہو گیا، حضرت امام زین العابدین آگے آگے چل رہے تھے اور بادشاہ پیچھے چل رہا تھا۔ عبدالملک کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اُس نے آپ سے کہا کیا میں نے آپ کے باپ کو قتل کیا ہے جو آپ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ اُس نے اپنی دنیا و آخرت خراب کر لی ہے۔ کیا تو بھی یہی حوصلہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے کچھ مالی سلوک کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے تیرے مال دنیا کی ضرورت نہیں ہے مجھے دینے والا خدا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے اسی جگہ زمین پر ردائے

مُبارک ڈال دی اور کعبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا، میرے مالک اسے بھر دے۔ امام کی زبان سے الفاظ کا نکلنا تھا کہ ردائے مُبارک موتیوں سے بھر گئی۔ آپ نے اُسے راہِ خدا میں دے دیا۔ (دمعۂ ساکبہ جنات الخلود ص ۲۳)

بدکردار اور ریاکار حاجیوں کی شکل

امام الحدیث زہری کا بیان ہے کہ میں حج کے موقع پر امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس مقام عرفات میں کھڑا حاجیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً میرے مُنہ سے نکلا کہ مولا کتنے لاکھ حاجی ہیں اور کتنا زبردست شور مچا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ جب میں بالکل نزدیک ہوا تو آپ نے میرے چہرہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ "اب دیکھو" جب میں نے پھر نظر کی تو مجھے "لکھوکھا" آدمیوں میں دس ہزار میں ایک کے تناسب سے انسان دکھائی دیئے۔ باقی سب کے سب، بندر، کتّے، سُور، بھیڑیئے اور اسی طرح کے جانور نظر آئے، یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ سنو جو صحیح نیت اور صحیح عقیدہ کے بغیر حج کرتے ہیں۔ اُن کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اے زہری، نیک نیتی اور ہماری مودۃ و محبّت کے بغیر سارے اعمال بے کار ہیں۔ (تفسیر امام حسن عسکری، و دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۴۳۸)۔

امام زین العابدینؑ اور ایک مرد بلخی

علّامہ شیخ طریحی اور علّامہ مجلسی رقم طراز ہیں کہ بلخ کا رہنے والا ایک دوست دار آل محمد ہمیشہ حج کیا کرتا تھا اور جب حج کو آتا تھا تو مدینہ جا کر امام زین العابدینؑ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب حج سے لوٹا تو اُس کی بیوی نے کہا کہ تم ہمیشہ اپنے امام کی خدمت میں تحفہ تحائف لے جاتے ہو، مگر اُنھوں نے آج تک تم کو کچھ نہ دیا۔ اُس نے کہا توبہ کرو تمھارے لیے یہ کہنا سزاوار نہیں ہے۔ وہ امام زمانہ ہیں، وہ مالکِ دین و دنیا ہیں وہ فرزندِ رسُول ہیں وہ تمھاری باتیں سُن رہے ہیں یہ سُن کر وہ خاموش ہو گئی، اگلے سال جب وہ حج سے فراغت حاصل کر کے امام زین العابدین علیہ السّلام کی خدمت میں پہنچا اور سلام و دست بوسی کے بعد آپ کے پاس بیٹھا تو آپ نے کھانا طلب فرمایا حکمِ امام سے مجبور ہو کر اُس نے معیت میں کھانا کھایا۔ جب دونوں کھانا کھا چکے تو امام کے اس بلخی نے ہاتھ دُھلانا چاہا۔ آپ نے فرمایا تو مہمان ہے، یہ تیرا کام نہیں، اُس نے اِصرار کیا اور ہاتھ دُھلانا شروع کر دیا۔ جب طشت بھر گیا تو آپ نے پُوچھا یہ کیا ہے۔ اُس نے کہا "پانی" حضرت نے فرمایا نہیں یاقوت احمر ہے۔ جب اُس نے غور سے دیکھا تو وہ طشت یاقوت سُرخ سے پُر تھا۔ اِسی طرح زمرد سبز اور دُرِ بیض سے پُر ہو گیا۔ یعنی تین بار ایسا ہی ہوا یہ دیکھ کر وہ حیران ہو گیا اور آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دینے لگا۔ حضرت نے فرمایا اسے لیتے جاؤ اپنی بیوی کو دے دینا اور کہنا کہ ہمارے پاس اور کچھ مالِ دنیا سے نہیں ہے، وہ شخص شرمندہ ہو کر بولا۔ مولا آپ کو ہماری بیوی کی بات کس نے بتا دی۔ امام نے فرمایا ہمیں سب معلوم ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ امام علیہ السّلام سے رُخصت ہو کر بیوی کے پاس

پہنچا۔ جواہرات دے کر سارا واقعہ بیان کیا۔ بیوی نے کہا آئندہ سال میں بھی چل کر زیارت کروں گی جب دوسرے سال بیوی ہمراہ روانہ ہوئی تو راستے میں انتقال کر گئی۔ وہ شخص حضرت کی خدمت میں روتا پیٹتا حاضر ہوا۔ حضرت نے دو رکعت نماز پڑھ کر فرمایا۔ جاؤ تمھاری بیوی زندہ ہو گئی ہے۔ اُس نے قیام گاہ پر لوٹ کر زندہ پایا، جب وہ حاضر خدمت ہوئی تو کہنے لگی، خدا کی قسم انھیں نے مجھے ملک الموت سے لے کر زندہ کیا تھا اور اُس سے کہا تھا کہ یہ میری زائرہ ہے۔ میں نے اس کی عمر تیس سال بڑھوا لی ہے (المنتخب والبحار)۔

امام زین العابدین علیہ السلام اخلاق کی دنیا میں

امام زین العابدین علیہ السلام چونکہ فرزند رسول تھے۔ اس لیے آپ میں سیرت محمدیہ کا ہونا لازمی تھا۔ علامہ محمد ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کو بُرا بھلا کہا، آپ نے فرمایا۔ بھائی میں نے تو تیرا کچھ نہیں بگاڑا۔ اگر کوئی حاجت رکھتا ہے تو بتا تاکہ میں پوری کروں۔ وہ شرمندہ ہو کر آپ کے اخلاق کا کلمہ پڑھنے لگا۔ (مطالب السول ص۲۶۷) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں۔ ایک شخص نے آپ کی بُرائی آپ کے مُنہ پر کی۔ آپ نے اس سے بے توجہی برتی، اُس نے مخاطب کر کے کہا، میں تم کو کہہ رہا ہوں، آپ نے فرمایا، میں حکم خدا "واعرض عن الجاھلین" جاہلوں کی بات کی پرواہ نہ کرو پر عمل کر رہا ہوں۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا کہ فلاں شخص آپ کی بُرائی کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اُس کے پاس لے چلو، جب وہاں پہنچے، تو اُس سے فرمایا بھائی جو بات تو نے میرے لیے کہی ہے، اگر میں نے ایسا کیا ہو تو خدا مجھے بخشے اور اگر نہیں کیا تو خدا تجھے بخشے کہ تو نے بہتان لگایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ مسجد سے نکل کر چلے تو ایک شخص آپ کو سخت الفاظ میں گالیاں دینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی حاجت رکھتا ہے تو میں پوری کروں، "اچھا لے" یہ پانچ ہزار درہم وہ شرمندہ ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ پر بہتان باندھا۔ آپ نے فرمایا میرے اور جہنم کے درمیان ایک گھاٹی ہے۔ اگر میں نے اُسے طے کر لیا تو پرواہ نہیں جو جی چاہے کہو اور اگر اُسے پار نہ کر سکوں تو میں اس سے زیادہ بُرائی کا مستحق ہوں جو تم نے کی ہے (نورالابصار ص۱۲۶-۱۲۷) علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ ایک شامی حضرت علیؑ کو گالیاں دے رہا تھا، امام زین العابدین نے فرمایا۔ بھائی تم مسافر معلوم ہوتے ہو، اچھا میرے ساتھ چلو۔ میرے یہاں قیام کرو اور جو حاجت رکھتے ہو بتاؤ تاکہ میں پوری کروں۔ وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ (حیواۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۲۱) علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہ اور بدعتی کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا افسوس ہے کہ تم نے اُس کی ہمنشینی اور دوستی کا کوئی خیال نہ کیا، اور اُس کی بُرائی مجھ سے بیان کر دی۔ دیکھو، یہ

غربت ہے، اب ایسا کبھی نہ کرنا (احتجاج ص۳۰۴) جب کوئی سائل آپ کے پاس آتا تھا تو خوش و مسرور ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے خدا تیرا بھلا کرے کہ تو میرا زادِ راہ آخرت اٹھانے کے لیے آگیا ہے (مطالب السئول ص۲۶۳)۔ امام زین العابدین علیہ السلام صحیفہ کاملہ میں فرماتے ہیں۔ خداوندا میرا کوئی درجہ نہ بڑھا۔ مگر یہ کہ اتنا ہی خود میرے نزدیک مجھ کو گھٹا اور میرے لیے کوئی ظاہری عزت نہ پیدا کر مگر یہ کہ خود میرے نزدیک اتنی ہی باطنی لذت پیدا کر دے۔ الخ

امام زین العابدینؑ اور صحیفہ کاملہ

کتاب صحیفہ کاملہ آپ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ اس میں بے شمار علوم و فنون کے جوہر موجود ہیں یہ پہلی صدی کی تصنیف ہے۔ (معالم العلماء ص۱ طبع ایران) اسے علماء اسلام نے زبور آل محمد اور انجیل اہلبیت کہا ہے۔ (ینابیع المودۃ ص۴۹۹ و فہرست کتب خانہ طہران ص۳۶) اور اس کی فصاحت و بلاغت معانی کو دیکھ کر اسے کتب سماویہ اور صحف لوحیہ و عرشیہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ (ریاض السالکین ص۱)۔ اس کی چالیس شرحیں ہیں۔ جن میں میرے نزدیک ریاض السالکین کو فوقیت حاصل ہے۔

ہشام بن عبدالملک اور قصیدہ فرزدق

عبدالملک ابن مروان کا ۱۲۵ھ میں خلیفہ ہونے والا بیٹا ہشام بن عبدالملک اپنے باپ کے عہدِ حکومت میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ گیا۔ مناسکِ حج بجالانے کے سلسلہ میں طواف سے فراغت کے بعد حجر اسود کا بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھا، اور پوری سعی کے باوجود کثرت حجاج کی وجہ سے تا بہ حجر اسود نہ پہنچ سکا۔ آخر کار ایک کرسی پر بیٹھ کر مجمع کے چھٹنے کا انتظار کرنے لگا۔ ہشام کے گرد اس کے ماننے والوں کا انبوہ کثیر تھا، یہ بیٹھا ہوا انتظار ہی کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک طرف سے فرزند رسول حضرت امام زین العابدین علیہ السلام برآمد ہوئے۔ آپ نے طواف کے بعد جونہی حجر اسود کی طرف رخ کیا۔ مجمع چھٹنے لگا، حاجی ہٹنے لگے، راستہ صاف ہو گیا اور آپ قریب پہنچ کر تقبیل فرمانے لگے۔ ہشام جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا حالات کا مطالعہ کر رہا تھا جل بھن کر خاکستر ہو گیا اور اس کے حواری بحرِ حیرت میں غرق ہو گئے۔ ایک منہ چڑھے نے بڑھ کر ہشام سے پوچھا حضور یہ کون ہے؟ ہشام نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اگر تعارف کرا دیا اور انھیں بتا دیا کہ یہ خاندان رسالتؐ کے چشم و چراغ ہیں تو کہیں میرے ماننے والوں کی نگاہ میری طرف سے پھر کر اُن کی طرف نہ مڑ جائے۔ تجاہلِ عارفانہ کے طور پر کہنے لگا "ما اعرفہ" میں نہیں پہچانتا یہ سن کر شاعر دربار جناب فرزدق سے نہ رہا گیا اور انھوں نے شامیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا "انا اعرفہ" اسے میں جانتا ہوں کہ یہ کون ہے۔ "مجھ سے سنو" یہ کہہ کر انھوں نے ارتجالاً اور فی البدیہہ ایک

عظیم الشان قصیدہ[1] پڑھنا شروع کیا۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے (ترجمہ) یہ وہ شخص ہے جس کو خانہ کعبہ حل و حرم سب پہچانتے ہیں اور اُس کے قدم رکھنے کی جگہ، قدم کی چاپ کو زمینِ بطحا بھی محسوس کر لیتی ہے میں اِس ردیف میں اِس قصیدہ کا اُردو منظوم ترجمہ درج ذیل کرتا ہوں۔

یہ وہ ہے جانتا ہے کہ جس کے نقشِ قدم　　خدا کا گھر بھی ہے آگاہ اور حل و حرم
جو بہترین خلائق ہے اُس کا ہے فرزند　　ہے پاک و زاہد و پاکیزہ و بلند حشم
قریش دیکھتے ہیں جب اِسے تو کہتے ہیں　　بزرگیوں پہ ہوئی اس کی انتہائے کرم

---

[1] اِس قصیدے کے تمام ناقلین نے پہلا شعر یہ لکھا ہے۔

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته　　والبیت یعرفه والحل والحرم

لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد کہ قصیدہ کے لیے مطلع ضروری ہوتا ہے۔ اسے پہلا شعر قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ شاعر نے موقع کے لحاظ سے اپنے قصیدہ کے اس وقت پڑھنے کی ابتدا اسی شعر سے کی تھی اور مورخین نے اِسی شعر کو پہلا شعر قرار دے لیا، علامہ ابو محمد عبد اللہ ابن محمد ابنِ یوسف زوزنی المتوفی ۴۳۱ھ، شرح سبع معلقات میں لکھتے ہیں کہ اِس قصیدے کا پہلا شعر یہ ہے ؎

یا سائلی این حل الجود والکرم　　عندی بیان اذا طلابه قدم

قصیدہ فرزدق کے متعلق ایک غلط فہمی اور اُس کا ازالہ

امام اہلسنت محمد عبد القادر سعید الرافعی نے ۱۹۲۶ء میں شاعرِ عرب ابو التمام حبیب ابن اوس بن حارث طائی عاملی شامی بغدادی کے دیوان "حماسہ" کو مصر میں طبع کرایا ہے۔ اس کی جلد ۲ کے صفحہ ۲۸۴ پر اس قصیدہ کے ابتدائی چھ اشعار کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ اشعار الحزین الکنانی کے ہیں۔ اس نے انھیں عبد اللہ ابن عبد الملک بن مروان کی مدح میں کہے تھے، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھا ہے "والناس یرودن هذه الابیات للفرزدق یمدح بها علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب وهو غلط ممن رواها فیه لان هذا لیس مما یمدح به مثل علی بن الحسین وله من الفضل الباهر ما لیس لاحد فی وقته" اور لوگ جو ان ابیات کے متعلق یہ روایت کرتے ہیں کہ یہ فرزدق کے ہیں اور اُس نے انھیں مدح امام زین العابدین علیہ السلام میں کہا ہے "غلط ہے" کیونکہ یہ اشعار اُن کے شایانِ شان نہیں ہیں وہ تو اپنے وقت کے سب سے بڑے صاحبِ فضیلت تھے"۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اشعار فرزدق ہی کے ہیں، کیونکہ اسے بے شمار فحول علماء و مورخین نے انھیں کے اشعار تسلیم کیے ہیں جن میں امام المحققین علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ المتوفی ۴۱۳ھ و امام زوزنی المتوفی ۴۳۱ھ و علامہ ابن حجر مکی و حافظ ابو نعیم اور صاحب مجانی الادب شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو ارشاد مفید صفحہ ۲۹۹ طبع ایران ۱۳۰۳ھ، ان علماء کے تسلیم کرنے کے بعد کسی فردِ واحد کے انکار سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

پہنچ گیا ہے یہ عزت کی اُس بلندی پر　　جہاں پر جا سکے اسلام کے عرب نہ عجم

یہ چاہتا ہے کہ لے ہاتھوں ہاتھ رکنِ حطیم　　جو چومنے حجر الاسود آئے نذرِ حرم

چھڑی ہے ہاتھ میں جس کی مہکتی ہے خوشبو　　وہ ہاتھ جو نہیں عزت میں اور شان میں کم

نظر جھکاتے ہیں سب یہ حیا سے رُعب سے لوگ　　جو مُسکرائے تو آجائے بات کرنے کا دم

جبیں کے نورِ ہدایت سے کفر گھٹتا ہے یوں　　ضیاءِ مہر سے تاریکیاں ہوں جیسے کم

فضیلت اور نبیوں کی اس کے جد سے ہے پست　　تمام اُمتیں اُمت سے اس کی رُتبہ میں کم

یہ وہ درخت ہے جس کی ہے جڑ خدا کا رسُول　　اسی سے فطرت و عادات بھی ہیں پاک بہم

یہ فاطمہ کا ہے فرزند "تو نہیں واقف"　　اسی کے جد سے نبیوں کا بڑھ سکا نہ قدم

ازل سے لکھی ہے حق نے شرافت و عزت　　چلا اسی کے لیے لوح پر خُدا کا قلم

جو کوئی غیظ دلا دے تو شیر سے بڑھ جائے　　ستم کرے کوئی اس پر تو موت کا نہیں غم

ضرر نہ ہوگا اسے تو بنے ہزار انجان　　اسے تو جانتے ہیں سب عرب تمام عجم

برستے ابر ہیں ہاتھ اس کے جن کا فیض ہے عام　　وہ برسا کرتے ہیں یکساں کبھی نہیں ہوئے کم

وہ نرم ہے کہ ڈر جلد بازیوں کا نہیں　　ہے حسنِ خُلق اسی کی تو زینت باہم

مُصیبتوں میں قبیلوں کے بار اُٹھاتا ہے　　ہیں جتنے خُوب شمائل ہیں اتنے خوب کرم

کبھی نہ اُس نے کہا "لا" بجز تشہد کے　　اگر نہ ہوتا تشہد تو ہوتا "لا" بھی نعم

خلافِ وعدہ نہیں کرتا یہ مُبارک ذات　　ہے میزبان بھی، عقل و ارادہ بھی ہے بہم

تمام خلق پہ احسان عام ہے اس کا　　اسی سے اُٹھ گیا افلاس و رنج و فقر و الم

محبت اس کی ہے "دین" اور عداوت اسکی ہے کُفر　　ہے قرب اس کا نجات و پناہ کا عالم

شمار زاہدوں کا ہو، تو پیشوا یہ ہو　　کہ بہترین خلائق اسی کو کہتے ہیں ہم

پہنچنا اس کی سخاوت کو غیر ممکن ہے　　سخی ہوں لاکھ نہ پائیں گے اس کی گردِ قدم

جو قحط کی ہو مصیبت یہ ابرِ باراں ہے　　جو بھڑکے جنگ کی آتش یہ شیر سے نہیں کم

نہ مفلسی کا اثر ہے فراخ دستی پر　　کہ اس کو زر کی خوشی ہے نہ بے زری کا الم

اسی کی چاہ سے جاتی ہے آفت اور بدی　　اسی کی وجہ سے آتی ہے نیکی اور کرم

اسی کا ذکر مقدم ہے بعد ذکرِ خُدا　　اسی کے نام سے ہر بات ختم کرتے ہیں ہم

مذمت آنے سے اس کے قریب بھاگتی ہے　　کریم خلق سے ہوتی، نہیں سخاوت کم

خدا کے بندوں میں ہے کون ایسا جس کا سر　　اسی گھرانے کے احسان سے ہُوا نہ ہو خم

خدا کو جانتا ہے جو اسے بھی جانتا ہے　　اسی کے گھر سے ملا اُمتوں کو دین بہم

اِس قصیدہ کو سن کر ہشام غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگا، اور اس کا نام درباری شعرا کی فہرست نے نکال کر اسے بمقام عسفان قید کر دیا، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو جب اس کی قید کا حال معلوم ہوا، تو آپ نے ۱۲ ہزار درہم ان کے پاس بھیجا۔ فرزدق نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے دنیاوی اُجرت کے لیے یہ قصیدہ نہیں کہا۔ اِس سے میں کسب ثواب کا ارادہ رکھتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ ہم آلِ محمدؐ کا یہ اصول ہے کہ جو چیز دے دیتے ہیں پھر اُسے واپس نہیں لیتے۔ تم اسے لے لو خدا تمھاری نیت کا اجرِ عظیم دے گا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے تقبلها الفرزدق پھر فرزدق نے اسے قبول کر لیا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰ مطالب السؤل ص۲۲۶۔ ارجح المطالب ص۴۴۳ مجانی الادب جلد ۶ ص۲۵۴ وسیلۃ النجات ص۳۲۲ تاریخ احمدی ص۳۲۸ تاریخ آئمہ ص۳۷۹، حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم رسالہ حقائق لکھنؤ) علامہ ابن حسن جارچوی لکھتے ہیں کہ " ہشام ان کو ایک ہزار دینار سالانہ دیا کرتا تھا جب اُس نے یہ رقم بند کر دی تو یہ بہت پریشان ہوئے، معاویہ بن عبد اللہ ابن جعفر طیار نے کہا، فرزدق گھبراتے کیوں ہو؟ کتنے سال زندہ رہنے کی اُمید ہے۔ اُنھوں نے کہا یہی بیس سال، فرمایا تو یہ بیس ہزار دینار لے لو اور ہشام کا خیال چھوڑ دو۔ اُنھوں نے کہا مجھے ابو محمد علی بن الحسینؑ نے بھی رقم عنایت فرمانے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر میں نے قبول نہ کیا، میں اِس دُنیا کا نہیں آخرت کے اجر کا اُمیدوار ہوں۔ بحار الانوار میں ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ نے چالیس ہزار دینار عطا فرمائے اور ہوا بھی ایسا ہی کہ فرزدق اِس کے بعد چالیس سال اور زندہ رہے۔ (تذکرہ محمدؐ و آلِ محمدؐ جلد ۲ ص۱۹۰)۔

فرزندِ رسول امام زین العابدینؑ اور مختار آلِ محمدؐ

عبد الملک بن مروان کے عہدِ خلافت میں حضرت مختار بن ابی عبیدہ ثقفی قاتلانِ حسینؑ سے بدلہ لینے کے لیے میدان میں نکل آئے علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ اِس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے انھوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی بیعت کرنی چاہی مگر آپؑ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ (مروج الذہب جلد ۶ ص۱۵۵) علامہ نور اللہ شوستری شہید ثالث تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ حلی نے مختار کو مقبول لوگوں میں شمار کیا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ان پر نکتہ چینی کرنے سے روکا ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے لیے رحمت کی دُعا کی ہے۔ (مجالس المومنین ص۳۴۶ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین نے ان کی کارگذاری کے سلسلہ میں خدا کا شکر ادا کیا۔ (جلاء العیون)

آپ کوفہ کے رہنے والے تھے، جناب مسلم بن عقیل کو آپ ہی نے سب سے پہلے مہمان رکھا تھا۔ آپ کو ابن زیاد نے آلِ محمدؐ سے محبت کے جرم میں قید کر دیا تھا۔ وہاں سے چھوٹنے کے بعد آپ نے خونِ حسینؑ کا بدلہ لینے کا عزم بالجزم کر لیا تھا۔ چنانچہ ۶۶ھ میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ برآمد ہو کر

کوفہ کے حاکم بن بیٹھے اور آپ نے کتاب و سنّت اور انتقام خون حسینؑ پر بیعت لے کر بڑی مستعدی سے انتقام لینا شروع کر دیا، شمر کو قتل کر دیا، خولی کو قتل کر کے آگ میں جلا دیا۔ عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص کو قتل کیا (تاریخ ابوالفداء) ملا مبین لکھتے ہیں کہ شمر کو قتل کر کے اس کی لاش کو اسی طرح گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرا دیا۔ جس طرح اُس نے امام حسینؑ کی لاش کو پامال کیا تھا۔ (وسیلۃ النجات) ۶۷ھ میں ابن زیاد کو گرفتار کرنے کے لیے ابراہیم ابن مالک اشتر کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر موصل بھیجا۔ جہاں کا وہ اس وقت گورنر تھا۔ شدید جنگ کے بعد ابراہیم نے اُسے قتل کیا۔ اور اس کا سر مختار کے پاس بھیج کر باقی بدن نذرِ آتش کر دیا (ابوالفداء) پھر مختار کے حکم سے قیس ابن اشعث کی گردن ماری گئی، بجدل ابن سلیم (جس نے امام حسینؑ کی اُنگلی ایک انگوٹھی کے لیے کاٹی تھی) کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ پھر حکیم ابن طفیل پر تیر بارانی کی گئی۔ اس نے علمدارِ کربلا حضرت عباسؑ کو شہید کیا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یزید ابن سالک۔ عمران بن خالد۔ عبداللہ بجلی۔ عبداللہ ابن قیس۔ زرعہ ابن شریک۔ صبیح شامی اور سنان بن انس تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔ (حبیب السیر) عمر بن حجاج بھی گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ (روضۃ الصفا) منہال بن عمر کا کہنا ہے کہ میں اسی دوران میں حج کے لیے گیا تو حضرت امام زین العابدینؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے پوچھا حرملہ بن کاہل اسدی کا کیا حشر ہوا۔ میں نے کہا وہ تو سالم تھا۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا۔ ”خدایا اُسے آتش تیغ کا مزہ چکھا۔ جب میں کوفہ واپس آیا اور مختار سے ملا اور اُن سے واقعہ بیان کیا تو وہ امام کی بددعا کی تکمیل پر سجدۂ شکر ادا کرنے لگے۔ غرض کہ آپ نے بے شمار قاتلانِ حسینؑ کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ قاضی میبذی نے شرح دیوان مرتضوی میں لکھا ہے کہ مختار آلِ محمدؐ کے ہاتھوں سے قتل ہونے والوں کی تعداد اسّی ہزار تین سو تین (۸۰۳۰۳) تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ جناب مختار کے سامنے جس وقت ابن زیاد ملعون کا سر رکھا گیا تھا تو ایک سانپ آ کر اُس کے منہ میں گھس کر ناک سے نکلنے لگا۔ اسی طرح دیر تک آتا جاتا رہا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت مختار نے ابن زیاد کا سر حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیج دیا۔ جس وقت وہ سر پہنچا تو آپ نے شکرِ خدا ادا کیا اور مختار کو دعائیں دیں۔ مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ اُسی وقت سے اِن عورتوں نے بالوں میں کنگھی کرنی اور سر میں تیل ڈالنا اور آنکھوں میں سُرمہ لگانا شروع کیا، جو واقعہ کربلا کے بعد سے اِن چیزوں کو چھوڑے ہوئے تھیں۔ (عقد فرید جلد ۲ ص۲۵۱) نور الابصار ص۱۲۴، مجالس المومنین بحار الانوار) غرض کہ جناب مختار نے انتقام خونِ شہدا لینے کے سلسلے میں کارہائے نمایاں کیے۔ بالآخر ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو آپ کوفہ کے دار الامارہ کے باہر شہید کر دیئے گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ”مختار آلِ محمدؐ“ مؤلفہ حقیر مطبوعہ لاہور)۔

امام زین العابدینؑ عمر بن عبدالعزیز کی نگاہ میں

۸۶ھ میں عبدالملک ابن مروان کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ بنایا گیا۔ یہ حجاج بن یوسف کی طرح نہایت ظالم و جابر تھا۔ اسی کے عہد ظلمت میں عمر بن عبدالعزیز جو کہ ولید کا چچا زاد بھائی تھا۔ حجاز کا گورنر مقرر ہوا۔ یہ بڑا منصف مزاج اور فیاض تھا۔ اسی کے عہد گورنری کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ۸۸ھ میں سرور کائنات کے روضہ کی ایک دیوار گر گئی تھی۔ جب اُس کی مرمت کا سوال پیدا ہوا، اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی مقدس ہستی کے ہاتھ سے اس کی ابتدا کی جائے تو عمر بن عبدالعزیز نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہی کو سب پر ترجیح دی۔ (وفاء الوفا جلد ا صـ ۳۸۹) اسی نے فدک واپس کیا تھا اور امیرالمومنینؑ پر سے تبرا کی وہ بدعت جو معاویہ نے جاری کی تھی، بند کرائی تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت

آپ اگرچہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر فرما رہے تھے لیکن آپ کے رُوحانی اقتدار کی وجہ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے آپ کو زہر دے دیا۔ اور آپ بتاریخ ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ مطابق ۷۱۴ء کو درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ مدینہ کے جنت البقیع میں دفن کر دیئے گئے۔ علامہ شبلنجی، علامہ ابن حجر، علامہ ابن صباغ مالکی، علامہ سبط ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں کہ "وان الذی سمہ الولید بن عبدالملک" جس نے آپ کو زہر دے کر شہید کیا، وہ ولید بن عبدالملک خلیفہ وقت ہے۔ (نورالابصار صـ ۱۲۸، صواعق محرقہ صـ ۱۲۰، فصول المہمہ، تذکرہ سبط ابن جوزی، ارجح المطالب صـ ۴۴۴، مناقب جلد ۴ صـ ۱۳۱) ملا جامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا ناقہ قبر پر نالہ و فریاد کرتا ہوا تین روز میں مر گیا۔ (شواہد النبوت صـ ۱۷۹) شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔

آپ کی اولاد

علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ نے گیارہ لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں۔ (صواعق محرقہ صـ ۱۲۰ و ارجح المطالب صـ ۴۴۴) علامہ شیخ مفید فرماتے ہیں کہ اُن پندرہ ۱۵ اولاد کے نام یہ ہیں (۱) حضرت امام محمد باقرؑ آپ کی والدہ حضرت امام حسنؑ کی بیٹی ام عبداللہ جناب فاطمہ تھیں (۲) عبداللہ (۳) حسن (۴) حسین (۵) زید (۶) عمر (۷) حسین (۸) عبدالرحمٰن (۹) سلیمان۔ (۹) علی (۱۰) محمد اصغر (۱۱) حسین اصغر (۱۲) خدیجہ (۱۳) فاطمہ (۱۴) علیہ (۱۵) اُم کلثوم (ارشاد مفید فارسی صـ ۴۰۱)۔

جنابِ زید شہید

آپ کی اولاد میں حضرت امام باقر علیہ السلام کے بعد سب سے زیادہ نمایاں حیثیت جناب زید شہید کی ہے۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۱ھ میں ہشام بن عبدالملک سے تنگ آکر اپنے ہم نوا تلاش کرنے لگے اور یکم صفر ۱۲۲ھ کو چالیس ہزار[۱] کوفیوں سمیت میدان میں نکل آئے۔ عین موقع جنگ میں کوفیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ بعض معاصرین لکھتے ہیں کہ کوفیوں کے ساتھ چھوڑنے کا سبب امام ابوحنیفہ کی نکث بیعت ہے۔ کیونکہ انھوں نے پہلے جناب زید کی بیعت کی تھی۔ پھر جب ہشام نے آپ کو دربار میں بلا کر امام اعظم کا خطاب دیا تو یہ حکومت کے ساتھ ہو گئے، اور انھوں نے زید کی بیعت توڑ دی۔ اسی وجہ سے ان کے تمام ماننے والے انھیں چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا "رفضتمونی"[۱] اے کوفیو! تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا، اسی فرمانے کی وجہ سے کوفیوں کو رافضی کہا جاتا ہے۔ جہاں اس وقت چند افراد کے سوا کوئی بھی شیعہ نہ تھا۔ سب حضرت عثمان اور امیر معاویہ کے ماننے والے تھے۔ غرضیکہ دورانِ جنگ میں آپ کی پیشانی پر ایک تیر لگا جس کی وجہ سے آپ زمین پر تشریف لائے۔ یہ دیکھ کر آپ کا ایک خادم آگے بڑھا اور اس نے آپ کو اٹھا کر ایک مکان میں پہنچا دیا۔ زخم کاری تھا۔ کافی علاج کے باوجود جانبر نہ ہو سکے، پھر آپ کے خادموں نے خفیہ طور پر آپ کو دفن کر دیا اور قبر پر سے پانی گزار دیا تاکہ قبر کا پتہ نہ چل سکے۔ لیکن دشمنوں نے سراغ لگا کر لاش قبر سے نکال لی اور سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیجنے کے بعد آپ کے جسد یعنی بدن کو سولی پر لٹکا دیا۔ چار سال تک یہ جسم سولی پر لٹکا رہا۔ خدا کی قدرت تو دیکھئے اس نے مکڑی کو حکم دیا اور اس نے آپ کے عورتین پر گھنا جالا تان دیا۔ (خمیس جلد ۲ ص ۳۵۷ دحیوات الحیوان) چار سال کے بعد آپ کے جسم کو نذرِ آتش کر کے راکھ دریائے فرات میں بہا دی گئی۔ (عمدۃ الطالب ص ۲۴۵) شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ حضرت زید شہید عظیم مناقب و فضائل کے مالک تھے۔ آپ کو "حلیف القرآن" کہا جاتا تھا۔ آپ ہی کی اولاد کو زیدی کہا جاتا ہے اور چونکہ آپ کا قیام بمقام واسط تھا۔ اس لیے بعض حضرات اپنے نام کے ساتھ زیدی الواسطی لکھتے ہیں۔ تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ ۷۸ھ میں حجاج بن یوسف نے شہر واسط کی بنیاد ڈالی تھی۔ جنابِ زید کے چار بیٹے تھے۔ جن میں جنابِ یحییٰ بن زید کی شجاعت کے کارنامے تاریخ

---

[۱] انھوں نے سلطنتِ ہشام میں دعویٰ خلافت کیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے بیعت کر لی تھی۔ مدائن۔ بصرہ۔ واسطہ۔ موصل۔ خراسان۔ رے۔ جرجان کے علاوہ صرف کوفہ ہی کے ۱۵ ہزار شخص تھے، جب یوسف ثقفی ان کے مقابلہ میں آیا تو یہ سب لوگ انھیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ زید شہید نے فرمایا "رفضونا الیوم"، اس دن سے رافضی کا لفظ نکلا... ان کے چار فرزند تھے یحییٰ۔ حسین۔ عیسیٰ۔ محمد۔ سادات بارہ و بلگرام کا نسب محمد بن عیسیٰ تک منتہی ہوتا ہے۔ (کتاب رحمۃ للعالمین جلد ۲ ص ۱۴۲)۔

کے اوراق میں سونے کے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ دادھیال کی طرف سے حضرت امام حسینؑ اور ننھیال کی طرف سے جناب محمد بن الحنفیہ کی یادگار تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ریطہ تھا جو محمد بن حنفیہ کی پوتی تھیں۔ نسل رسولؐ میں ہونے کی وجہ سے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ نے جان کے تحفظ کے لیے یادگار جنگ کی بالآخر ۱۲۵ھ میں آپ شہید ہو گئے۔ پھر ولید بن یزید بن عبدالملک کے حکم سے آپ کا سر کاٹا گیا اور ہاتھ پاؤں قطع کیے گئے۔ اس کے بعد نعش مبارک سولی پر لٹکا دی گئی۔ پھر ایک عرصہ کے بعد اسے اتار کر جلایا گیا اور ہتھوڑے سے کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کیا گیا۔ پھر ایک بورے میں رکھ کر کشتی کے ذریعہ سے ایک ایک مٹھی راکھ دریائے فرات کی سطح پر چھڑک دی گئی۔ اس طرح اس فرزند رسولؐ کے ساتھ ظلم عظیم کیا گیا۔

عیسیٰ بن زید

یہ بھی جناب زید شہید کے نہایت بہادر صاحبزادے تھے۔ خلیفۂ وقت آپ کے بھی خون کا پیاسا تھا، آپ اپنا حسب نسب ظاہر نہ کر سکتے تھے خلیفہ جائرو جابر کی وجہ سے روپوشی کی زندگی گزارتے تھے، کوفہ میں آبپاشی کا کام شروع کر دیا تھا اور وہیں ایک عورت سے شادی کر لی تھی اور اس سے بھی اپنا حسب و نسب ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس عورت سے آپ کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جو بڑی ہو کر شادی کے قابل ہو گئی، اسی دوران میں آپ نے ایک مالدار بہشتی کے وہاں ملازمت کر لی جس کے ایک لڑکا تھا۔ مالدار بہشتی نے جناب عیسیٰ کی بیوی سے اپنے لڑکے کا پیغام دیا۔ جناب عیسیٰ کی بیوی بہت خوش ہوئی کہ مالدار گھرانے سے لڑکی کا رشتہ آیا ہے۔ جب جناب عیسیٰ گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی نے کہا کہ میری لڑکی کی تقدیر چمک اٹھی ہے کیونکہ مالدار گھرانے سے پیغام آیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ جناب عیسیٰ سخت متفکر ہوئے، بالآخر خدا سے دعا کی، بارالٰہا سیدانی غیر سید سے بیاہی جا رہی ہے۔ مالک میری لڑکی کو موت دے دے۔ لڑکی بیمار ہوئی اور دفعتہً اسی دن انتقال کر گئی۔ اس کے انتقال پر آپ رو رہے تھے، ان کے ایک دوست نے کہا کہ اتنے بہادر ہو کر آپ روتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کے مرنے پر نہیں رو رہا۔ میں اپنی اس بے لبسی پر گریہ کر رہا ہوں کہ حالات ایسے ہیں کہ میں اس سے یہ تک نہیں بتا سکا کہ میں سید ہوں اور تو سید زادی ہے۔ (عمدۃ الطالب ص۲۷۸[1])

علامہ ابوالفرج اصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ لکھتے ہیں کہ جناب عیسیٰ بن زید نے اپنے دوست سے کہا تھا کہ میں اس حالت میں نہیں ہوں کہ ان لوگوں کو یہ بتا سکوں "بان ذالک غیر جائز" کہ یہ شادی جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ لڑکا ہمارے کفو کا نہیں ہے۔ (مقاتل الطالبین ص۲۷۱ طبع نجف اشرف ۱۳۸۵ھ)۔

---

[1] منہاج الدموع ص۲۸۵

ابو جعفر

حضرت

امام محمدؐ باقر

علیہ السلام

باقرؑ آلِ محمدؐ اور زین العابدینؑ — کسطرح زندہ رہے گویا ہے رازِ کبریا
کربلا کی ہر بلا ہر ابتلا کو جھیل کر — زندگی اِن کی حقیقت میں ہے زندہ معجزہ

(صابر تھاریانی (کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۷

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

لقب باقر ہے جس کا اور کنیت ابُو جعفر ہوا پیدا جہاں میں آج وہ ہمنام پیغمبر
نبی کا پانچواں نائب ہمارا پانچواں رہبر امام المتقین منصوص اور معصُوم عالم میں

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پانچویں جانشین، ہمارے پانچویں امام اور سلسلۂ عصمت کی ساتویں کڑی تھے۔ آپ کے والد ماجد سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تھے۔ اور والدہ ماجدہ اُمِّ عبد اللہ فاطمہ بنت حضرت امام حسن علیہ السلام تھیں۔ علما کا اتفاق ہے کہ آپ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے علوی اور نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔ نسب کا یہ شرف کسی کو بھی نہیں ملا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰ و مطالب السوٴل ص۲۶۹) آپ اپنے آبا و اجداد کی طرح امام منصوص، معصُوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے یعنی خدا کی طرف سے آپ امام، معصوم اور اپنے عہد امامت میں سب سے بڑے عالم اور کائنات میں سب سے افضل تھے۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ عبادت علم اور زہد وغیرہ میں حضرت امام زین العابدین کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ علم زہد، تقویٰ، طہارت، صفائے قلب اور دیگر محاسن و فضائل میں اس درجہ پر فائز تھے کہ یہ صفات خود ان کی طرف انتساب سے ممتاز قرار پائے۔ (مطالب السوٴل ص۲۶۹) علامہ ابن سعد کا کہنا ہے کہ آپ تابعین کے تیسرے طبقہ میں سے تھے اور بہت بڑے عالم، عابد اور ثقہ تھے۔ ابن شہاب زہری اور امام نسائی نے آپ کو ثقہ فقیہہ لکھا ہے۔ فقہا کی بڑی جماعت نے آپ سے روایت کی ہے۔ عطا کا بیان ہے کہ علمار کو از روئے علم کسی کے سامنے اس قدر اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے ہوئے نہیں دیکھا جس طرح سے کہ وہ اپنے آپ کو امام محمد باقر علیہ السلام کے روبرو سمجھتے تھے۔ میں نے حکم جیسے عالم کو ان کے سامنے سپر انداختہ دیکھا ہے۔ (ارجح المطالب ص۴۴۶) صاحب روضۃ الصفا کا کہنا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے فضائل لکھنے کے لیے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ خواجہ محمد پارسا

لکھتے ہیں کہ "امام بارع مجمع جلالہ وکمالہ"۔ آپ عظیم الشان امام و پیشوا اور جامع صفات جلال و کمال تھے (فصل الخطاب) علامہ شیخ محمد خضری بک لکھتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے سردار تھے۔ (تاریخ فقہ ص۱۷۹ طبع کراچی)۔

آپ کی ولادت باسعادت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بتاریخ یکم رجب المرجب ۵۷ھ ہجری یوم جمعہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ (اعلام الوریٰ ص۱۵۵ وجلاء العیون ص۲۶۰ جنات الخلود ص۲۵) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ بطن مادر میں تشریف لائے تو آباء و اجداد کی طرح آپ کے گھر میں آواز غیب آنے لگی اور جب نو ماہ کے ہوئے تو فرشتوں کی بے انتہا آوازیں آنے لگیں اور شب ولادت ایک نور ساطع ہوا۔ ولادت کے بعد قبلہ رُو ہو کر آسمان کی طرف رُخ فرمایا۔ اور (آدم کی مانند) تین بار چھینکنے کے بعد حمد خدا بجالائے، ایک شبانہ روز دست مبارک سے نور ساطع رہا۔ آپ ختنہ کردہ، ناف بریدہ، تمام آلائشوں سے پاک اور صاف متولد ہوئے تھے۔ (جلاء العیون ص۲۵۹)۔

اسم گرامی، کنیت اور القاب

آپ کا اسم گرامی "لوح محفوظ" کے مطابق اور سرور کائنات کی تعیین کے موافق "محمدؐ" تھا۔ آپ کی کنیت "ابوجعفر" تھی، اور آپ کے القاب کثیر تھے۔ جن میں باقر، شاکر، ہادی زیادہ مشہور ہیں۔ (مطالب السؤل ص۲۶۹ شواہد النبوت ص۱۸۱)۔

باقر کی وجہ تسمیہ

باقر بقرہ سے مشتق اور اسی کا اسم فاعل ہے اس کے معنی شق کرنے اور وسعت دینے کے ہیں۔ (المنجد ص۴۱) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اس لقب سے اس لیے ملقب کیا گیا تھا کہ آپ نے علوم و معارف کو نمایاں فرمایا اور حقائق احکام و حکمت و لطائف کے وہ سربستہ خزانے ظاہر فرما دیئے جو لوگوں پر ظاہر و ہویدا نہ تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰ مطالب السؤل ص۲۶۹ شواہد النبوت ص۱۸۱) جوہری نے اپنی صحاح میں لکھا ہے کہ "توسع فی العلم" کو بقرہ کہتے ہیں۔ اسی لیے امام محمد بن علی کو باقر سے ملقب کیا جاتا ہے۔ علامہ سبط ابن جوزی کا کہنا ہے کہ کثرت سجود کی وجہ سے چونکہ آپ کی پیشانی وسیع تھی اس لیے آپ کو باقر کہا جاتا ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جامعیت علمیہ کی وجہ سے آپ کو یہ لقب دیا گیا ہے۔ شہید ثالث علامہ نور اللہ شوشتری کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام محمد باقر علوم و معارف کو اس طرح شگافتہ کریں گے۔ جس طرح زراعت کے لیے زمین شگافتہ کی جاتی ہے۔ (مجالس المومنین ص۱۱۷)

بادشاہان وقت

آپ ۵۷ھ ہجری میں معاویہ ابن ابی سفیان کے عہد میں پیدا ہوئے ۶۰ھ میں یزید بن معاویہ بادشاہ وقت رہا۔ ۶۴ھ میں معاویہ بن یزید اور

مروان بن حکم بادشاہ رہے ۔ ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت رہا پھر ۸۶ھ سے ۹۶ھ تک ولید بن عبدالملک نے حکمرانی کی ، اسی نے ۹۵ھ میں آپ کے والد ماجد کو درجۂ شہادت پر فائز کر دیا ۔ اسی ۹۵ھ سے آپ کی امامت کا آغاز ہوا ، اور ۱۱۴ھ تک آپ فرائض امامت ادا فرماتے رہے ۔ اسی دوران میں ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک ، عمر بن عبدالعزیز ، یزید ابن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک بادشاہِ وقت رہے ۔ (اعلام الوریٰ ص۱۵۶) ۔

واقعۂ کربلا میں امام محمد باقر علیہ السّلام کا حصّہ

آپ کی عمر ابھی اڑھائی سال کی تھی ، کہ آپ کو حضرت امام حسین علیہ السّلام کے ہمراہ وطنِ عزیز مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا ، پھر مدینہ سے مکّہ اور وہاں سے کربلا تک کی صعوبتِ سفر برداشت کرنا پڑی ۔ اس کے بعد واقعۂ کربلا کے مصائب دیکھے ، کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں کا حال دیکھا ۔ ایک سال شام میں قید رہے ۔ پھر وہاں سے چھوٹ کر ۸ ربیع الاوّل ۶۲ھ ہجری کو مدینۂ منوّرہ واپس ہوئے ۔ جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی ، تو آپ ایک دن کنوئیں میں گر گئے ۔ لیکن خدا نے آپ کو ڈوبنے سے بچا لیا ۔ (اور جب آپ پانی سے برآمد ہوئے تو آپ کے کپڑے اور آپ کا بدن تک بھیگا ہوا نہ تھا ۔ (مناقب جلد ۴ ص۱۰۹) ۔

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام اور جابر بن عبداللہ انصاری کی باہمی ملاقات

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی ظاہری زندگی کے اختتام پر امام محمد باقر کی ولادت سے تقریباً ۴۶ سال قبل جابر بن عبداللہ انصاری کے ذریعہ سے امام محمد باقر علیہ السّلام کو سلام کہلایا تھا ۔ امام علیہ السّلام کا یہ شرف اس درجہ ممتاز ہے ۔ کہ آلِ محمدؐ میں سے کوئی بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکتا ۔ (مطالب السئول ص۲۷۲) ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ سرورِ کائناتؐ ایک دن اپنی آغوشِ مبارک میں حضرت امام حسین علیہ السّلام کو لئے ہوئے پیار کر رہے تھے ناگاہ آپ کے صحابی خاص جابر بن عبداللہ حاضر ہوئے حضرت نے جابر کو دیکھ کر فرمایا ۔ اے جابر ، میرے اس فرزند کی نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا ۔ جو علم و حکمت سے بھرپور ہوگا ۔ اے جابر ! تم اُس کا زمانہ پاؤ گے ، اور اس وقت تک زندہ رہو گے جب تک وہ سطحِ ارض پر آنہ جائے ۔ اے جابر ! دیکھو ، جب تم اس سے ملنا تو اسے میرا سلام کہہ دینا ۔ جابر نے اس خبر اور اس پیشین گوئی کو کمال مسرّت کے ساتھ سنا ۔ اور اسی وقت سے اس بہجت آفریں ساعت کا انتظار کرنا شروع کر دیا ۔ یہاں تک کہ چشمِ انتظار پتھرا گئیں اور آنکھوں کا نور جاتا رہا ۔ جب تک آپ بینا تھے ہر مجلس و محفل میں تلاش کرتے رہے اور جب نورِ نظر جاتا رہا تو زبان سے پکارنا

شروع کردیا۔ آپ کی زبان پر جب ہر وقت امام محمد باقرؑ کا نام رہنے لگا۔ تو لوگ یہ کہنے لگے کہ جابر کا دماغ ضعف پیری کی وجہ سے از کار رفتہ ہوگیا ہے۔ لیکن بہر حال وہ وقت آہی گیا کہ آپ پیغام احمدی اور سلام محمدی پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم جناب جابر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے، آپ کے ہمراہ آپ کے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام بھی تھے۔ امام علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند سے فرمایا کہ چچا جابر بن عبداللہ انصاری کے سر کا بوسہ دو۔ اُنھوں نے فوراً تعمیل ارشاد کیا، جابر نے ان کو اپنے سینے سے لگالیا اور کہا کہ ابن رسول اللہ آپ کو آپ کے جد نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام فرمایا ہے۔ حضرت نے کہا اے جابر ان پر اور تم پر میری طرف سے بھی سلام ہو۔ اس کے بعد جابر بن عبداللہ انصاری نے آپ سے شفاعت کے لیے ضمانت کی درخواست کی۔ آپ نے اسے منظور فرمایا اور کہا کہ میں تمھارے جنت میں جانے کا ضامن ہوں۔ (صواعق محرقہ صـ۱۲۰ وسیلۃ النجات صـ۳۳۸ مطالب السؤل صـ۲۷۳ شواہد النبوت صـ۱۸۱ نورالابصار صـ۱۴۳ رجال کشی صـ۲۷ تاریخ طبری جلد ۳ صـ۹۶ مجالس المومنین صـ۱۱۷ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "ان بقاءک بعد رویتہ یسیر" کہ اے جابر میرا پیغام پہنچانے کے بعد بہت تھوڑا زندہ رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مطالب السؤل صـ۲۷۳)۔

سات سال کی عمر میں امام محمدؑ باقر کا حج خانہ کعبہ

علامہ جامی تحریر فرماتے ہیں کہ راوی بیان کرتا ہے کہ میں حج کے لیے جارہا تھا، راستہ پُرخطر اور انتہائی تاریک تھا جب میں لق و دق صحرا میں پہنچا تو ایک طرف سے کچھ روشنی کی کرن نظر آئی میں اُس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگاہ ایک سات سال کا لڑکا میرے قریب آ پہنچا میں نے سلام کا جواب دینے کے بعد اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے، اور آپ کے پاس زادِ راہ کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا، سُنو، میں خدا کی طرف سے آرہا ہوں اور خدا کی طرف جارہا ہوں، میرا زادِ راہ "تقویٰ" ہے۔ میں عربی النسل، قریشی خاندان کا علوی نژاد ہوں۔ میرا نام محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ یہ کہہ کر وہ نظروں سے غائب ہوگئے اور مجھے پتہ نہ چل سکا کہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے یا زمین میں سما گئے۔ (شواہد النبوت صـ۱۸۳)

حضرت امام محمدؑ باقر اور اسلام میں سکّے کی ابتداء

مورخ شہیر ذاکر حسین تاریخ اسلام جلد ۱ صـ۴۲ میں لکھتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے ۷۵ھ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی صلاح سے اسلامی سکہ جاری کیا اس سے پہلے روم و ایران کا سکہ اسلامی

ممالک میں بھی جاری تھا۔

اس واقعہ کی تفصیل علامہ دمیری کے حوالہ سے یہ ہے کہ ایک دن علامہ کسائی سے خلیفہ ہارون رشید عباسی نے پوچھا کہ اسلام میں درہم و دینار کے سکّے، کب اور کیونکر رائج ہوئے انھوں نے کہا کہ سکوں کا اجرا خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کیا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل سے ناواقف ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ ان کے اجرا اور ایجاد کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ ہارون الرشید نے کہا کہ بات یہ ہے کہ زمانہ سابق میں جو کاغذ وغیرہ ممالک اسلامیہ میں مستعمل ہوتے تھے۔ وہ مصر میں تیار ہوا کرتے تھے۔ جہاں اس وقت نصرانیوں کی حکومت تھی، اور وہ تمام کے تمام بادشاہ روم کے مذہب پر تھے۔ وہاں کے کاغذ پر جو ضرب یعنی (ٹریڈ مارک) ہوتا تھا۔ اس میں بزبان روم (اب۔ ابن۔ روح القدس لکھا ہوتا تھا۔ فلم یزل ذالک کذالک فی صدر الاسلام کلہ بمعنی علی ما کان علیہ الخ) اور یہی چیز اسلام میں جتنے دور گذرے تھے سب میں رائج تھی یہاں تک کہ جب عبدالملک بن مروان کا زمانہ آیا، تو چونکہ وہ بڑا ذہین اور ہوشیار تھا۔ لہٰذا اس نے ترجمہ کرا کے گورنر مصر کو لکھا کہ تم رومی ٹریڈ مارک کو موقوف و متروک کر دو۔ یعنی کاغذ کپڑے وغیرہ جو اب تیار ہوں ان میں یہ نشانات نہ لگنے دو۔ بلکہ ان پر یہ لکھواؤ۔ "شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو"۔ چنانچہ اس حکم پر عمل درآمد کیا گیا۔ جب اس نئے مارک کے کاغذوں کا جن پر کلمہ توحید ثبت تھا۔ رواج پایا تو قیصر روم کو بے انتہا ناگوار گذرا۔ اس نے تحفے تحائف بھیج کر عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت کو لکھا کہ کاغذ وغیرہ پر جو "مارک" پہلے تھا وہی بدستور جاری کر دو۔ عبدالملک نے ہدایا لینے سے انکار کر دیا اور سفیر کو تحائف و ہدایا سمیت واپس بھیج دیا اور اس کے خط کا جواب تک نہ دیا قیصر روم نے تحائف کو دوگنا کر کے پھر بھیجا اور لکھا کہ تم نے میرے تحائف کو کم سمجھ کر واپس کر دیا۔ اس لیے اب اضافہ کر کے بھیج رہا ہوں۔ اسے قبول کر لو اور کاغذ سے نیا "مارک" ہٹا دو۔ عبدالملک نے پھر ہدایا واپس کر دیا اور مثل سابق کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد قیصر روم نے تیسری مرتبہ خط لکھا اور تحائف و ہدایا بھیجے اور خط میں لکھا کہ تم نے میرے خطوط کے جوابات نہیں دیئے، اور نہ میری بات قبول کی۔ اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے اب بھی رومی ٹریڈ مارک کو از سر نو رواج نہ دیا اور توحید کے جملے کاغذ سے نہ ہٹائے تو میں تمہارے رسول کو گالیاں سکہ درہم و دینار پر نقش کرا کے تمام ممالک اسلامیہ میں رائج کر دوں گا اور تم کچھ نہ کر سکو گے۔ دیکھو اب جو میں نے تم کو لکھا ہے اسے پڑھ کر "فارفض جبینک عرقاً"۔ اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالو۔ اور جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو رشتہ محبت قائم ہے بدستور باقی رہے۔

عبدالملک ابن مروان نے جس وقت اس خط کو پڑھا اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ہاتھ

کے طوطے اُڑ گئے اور نظروں میں دُنیا تاریک ہو گئی۔ اُس نے کمال اضطراب میں علماء، فضلاء، اہل الرائے اور سیاست دانوں کو فوراً جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ کوئی ایسی بات سوچو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یا سراسر اسلام کامیاب ہو جائے۔ سب نے سر جوڑ کر بہت دیر تک غور کیا۔ لیکن کوئی ایسی رائے نہ دے سکے جس پر عمل کیا جا سکتا" فلم یجد عند احد منھم رایا یعمل بہ"۔ جب بادشاہ اُن کی کسی رائے سے مطمئن نہ ہو سکا تو اور زیادہ پریشان ہوا۔ اور دل میں کہنے لگا میرے پالنے والے اب کیا کروں۔ ابھی وہ اسی تردد میں بیٹھا تھا کہ اس کا وزیر اعظم "ابن زنباع" بول اُٹھا۔ بادشاہ تو یقیناً جانتا ہے کہ اس اہم موقع پر اسلام کی مشکل کشائی کون کر سکتا ہے لیکن عمداً اس کی طرف رُخ نہیں کرتا۔ بادشاہ نے کہا "ویحک من" خدا تجھے سمجھے، بتا تو سہی وہ کون ہے؟ وزیر اعظم نے عرض کی "علیك بالباقر من اهل بیت النبی" میں فرزند رسول امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، اور وہی اس آڑے وقت میں تیرے کام آ سکتے ہیں۔ عبدالملک ابن مروان نے جونہی آپ کا نام سُنا۔ قال صدقت کہنے لگا۔ خدا کی قسم تم نے سچ کہا اور صحیح رہبری کی ہے۔

اس کے بعد اسی وقت فوراً اپنے عامل مدینہ کو لکھا کہ اس وقت اسلام پر ایک سخت مصیبت آ گئی ہے اور اس کا دفع ہونا امام محمد باقر کے بغیر ناممکن ہے، لہٰذا جس طرح ہو سکے اُنھیں راضی کر کے میرے پاس بھیج دو، دیکھو اس سلسلہ میں جو مصارف ہوں گے، وہ بذمہ حکومت ہوں گے۔

عبدالملک نے درخواست طلبی، مدینہ ارسال کرنے کے بعد شاہِ روم کے سفیر کو نظر بند کر دیا۔ اور حکم دیا کہ جب تک میں اس مسئلہ کو حل نہ کر سکوں اسے پایۂ تخت سے جانے نہ دیا جائے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عبدالملک بن مروان کا پیغام پہنچا اور آپ فوراً عازم سفر ہو گئے اور اہل مدینہ سے فرمایا کہ چونکہ اسلام کا کام ہے لہٰذا میں اپنے تمام کاموں پر اس سفر کو ترجیح دیتا ہوں۔ الغرض آپ وہاں سے روانہ ہو کر عبدالملک کے پاس جا پہنچے، بادشاہ چونکہ سخت پریشان تھا، اس لیے اُس نے آپ کے استقبال کے فوراً بعد عرض مدعا کر دیا۔ امام علیہ السلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "لایعظم ھذا علیك فانہ لیس بشیٔ" اے بادشاہ گھبرا نہیں یہ تو بہت ہی معمولی بات ہے۔ میں اسے ابھی چٹکی بجاتے حل کیے دیتا ہوں۔ بادشاہ سُن، مجھے بعلم امامت معلوم ہے کہ خدائے قادر و توانا قیصرِ روم کو اس فعل قبیح پر قدرت ہی نہ دے گا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ اُس نے تیرے ہاتھوں میں اس سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت دے رکھی ہے۔ بادشاہ نے عرض کی یا ابن رسول اللہ وہ کونسی طاقت ہے جو مجھے نصیب ہے اور جس کے ذریعہ سے میں کامیابی حاصل کر سکتا ہوں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اسی وقت حکاک اور کاریگروں کو بلاؤ اور ان سے درہم و

دینار کے سکے ڈھلواؤ اور ممالکِ اسلامیہ میں رائج کرو۔ اُس نے پوچھا کہ ان کی کیا شکل وصورت ہوگی اور وہ کس طرح ڈھلیں گے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ سکہ کے ایک طرف کلمہ توحید، دوسری طرف پیغمبر اسلام کا نام نامی اور ضرب سکہ کا سن لکھا جائے۔ اس کے بعد اُس کے اوزان بتلائے آپ نے کہا کہ درہم کے تین سکے اس وقت جاری ہیں۔ ایک بغلی جو دس مثقال کے دس ہوتے ہیں دوسرے سمری خفاف جو چھ مثقال کے دس ہوتے ہیں تیسرے پانچ مثقال کے دس یہ کل ۲۱ مثقال ہوئے اس کو تین پر تقسیم کرنے پر حاصل تقسیم ۷ مثقال ہوئے۔ اسی سات مثقال کے دس درہم بنوا۔ اور اسی سات مثقال کی قیمت سونے کے دینار تیار کر جس کا خوردہ دس درہم ہو۔ سکہ درہم کا نقش چونکہ فارسی میں ہے۔ اس لیے اسی فارسی میں رہنے دیا جائے، اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں ہے۔ لہٰذا سے رومی ہی حرفوں میں کندہ کرایا جائے اور ڈھلنے کی مشین (سانچہ) شیشے کا بنوایا جائے تاکہ سب ہم وزن تیار ہو سکیں۔

عبدالملک نے آپ کے حکم کے مطابق تمام سکے ڈھلوا لیے اور سب کام درست کر لیا۔ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ اب کیا کروں؟ "امرہٗ محمد بن علی" آپ نے حکم دیا کہ ان سکوں کو تمام ممالکِ اسلامیہ میں رائج کر دے۔ اور ساتھ ہی ایک سخت حکم نافذ کر دے جس میں یہ ہو کہ اسی سکہ کو استعمال کیا جائے اور رومی سکے خلافِ قانون قرار دیئے گئے۔ اب جو خلاف ورزی کرے گا اُسے سخت سزا دی جائے گی، اور بوقت ضرورت اسے قتل بھی کیا جا سکے گا۔

عبدالملک بن مروان نے تعمیل ارشاد کے بعد سفیر روم کو رہا کر کے کہا کہ اپنے بادشاہ سے کہنا کہ ہم نے اپنے سکے ڈھلوا کر رائج کر دیئے اور تمہارے سکہ کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ اب تم سے جو ہو سکے کر لو۔

سفیر روم یہاں سے رہا ہو کر جب اپنے قیصر کے پاس پہنچا اور اُس سے ساری داستان بتائی تو وہ حیران رہ گیا۔ اور سر ڈال کر دیر تک خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ لوگوں نے کہا، بادشاہ تو نے جو یہ کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے پیغمبر کو سکوں پر گالیاں کندا کرا دوں گا۔ اب اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا کہ اب گالیاں کندا کر کے کیا کروں گا۔ اب تو ان کے ممالک میں میرا سکہ ہی نہیں چل رہا۔ اور لین دین ہی نہیں ہو رہا۔ (حیواۃ الحیوان دمیری المتوفی ۸۰۸ھ جلد ۱ ص ۶۳ طبع مصر ۱۳۵۶ھ)۔

ولید بن عبدالملک کی آلِ محمدؐ پر ظلم آفرینی

تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ ۸۶ھ میں ولید بن عبدالملک ابن مروان خلیفہ مقرر ہوا تاریخ کامل میں ہے کہ ۹۱ھ میں اس نے حج کعبہ ادا کیا۔ مؤرخین اسلام کا بیان ہے کہ جب ولید بن عبدالملک

حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آیا تو ایک دن منبرِ رسُول پر خطبہ دیتے ہُوئے اُس کی نظر امام حسنؑ کے بیٹے حسن مثنیٰ پر پڑی جو خانہ جناب سیدہ میں بیٹھے ہُوئے آئینہ دیکھ رہے تھے۔ خطبہ سے فراغت کے بعد اُس نے عمر بن عبدالعزیز کو طلب کر کے کہا کہ تم نے حسن بن حسن وغیرہ کو کیوں اب تک اس مکان میں رہنے دیا، اور کیوں نہ ان کو یہاں سے نکال باہر کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ آئندہ پھر ان لوگوں کو یہاں دیکھوں۔ ضرورت ہے کہ یہ مکان ان سے خالی کرا لیا جائے اور اسے خرید کر مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ حسن مثنیٰ اور فاطمہ بنت امام حسین علیہ السّلام اور ان کی اولاد نے گھر چھوڑنے سے انکار کیا۔ ولید نے حکم دیا کہ مکان کو ان لوگوں پر گرا دو۔ پھر لوگوں نے زبردستی اسباب نکال کر پھینکنا اور اسے اُجاڑنا شروع کر دیا۔ مجبوراً یہ حضرات مخدرات عالیات سمیت روزِ روشن میں گھر سے نکل کر بیرون مدینہ سکونت پذیر ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد اسی قسم کا واقعہ جناب حفصہ کے مکان کا بھی پیش آیا جو اولاد حضرت عمر کے قبضہ میں تھا۔ چنانچہ جب اُن سے کہا گیا کہ گھر سے باہر نکلو تو اُنھوں نے منظور نہ کیا اور اس کی قیمت بھی قبول نہ کی۔ حجاج بن یوسف اُس وقت مدینہ میں موجود تھا۔ اُس نے چاہا کہ مکان کو گرا دے۔ مگر جب اس بات کی اطلاع ولید بن عبدالملک کو ہُوئی تو اُس نے عمر بن عبدالعزیز عامل مدینہ کو لکھا کہ اولاد عمر بن خطاب کی رضا جوئی میں کمی نہ کرو۔ اور ان کا احترام ملحوظ خاطر رکھو۔ اگر وہ مکان فروخت کرنے پر راضی نہ ہوں تو اُن کے رہنے کے لیے مکان کا ایک حصّہ چھوڑ دو۔ اور ان کی آمد و رفت کے لیے مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی رہنے دو۔ (کتاب جذب القلوب ص۱۷۳ و وفاء الوفاء جلد ۱ ص۳۶۳)۔

آپ کے والدِ ماجد کی وفات حسرت آیات

جب آپ کی عمر تقریباً ۳۸ سال کی ہُوئی تو ولید بن عبدالملک نے آپ کے والد ماجد حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کو ۹۵ھ میں زہرِ دغا سے شہید کر دیا۔ آپ نے فرائض تجہیز و تکفین سرانجام دیئے۔ آپ ہی نے نماز پڑھائی۔ مُلّا جامیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنے بعد آپ کو اپنا وصی مقرر فرمایا۔ کیونکہ آپ ہی تمام اولاد میں افضل و ارفع تھے۔ علماء کا بیان ہے کہ اپنے والد ماجد کی ظاہری وفات کے بعد آپ امام زمانہ قرار پائے اور آپ پر امامت کے فرائض کی ادائیگی کی ذمّہ داری عاید ہو گئی۔

حضرتِ امام محمّد باقر علیہ السّلام کی علمی حیثیّت

کسی معصُوم کی علمی حیثیت پر روشنی ڈالنی بہت دُشوار ہے، کیونکہ معصوم اور امام زمانہ کو علمِ لدُنی ہوتا ہے، وُہ خدا کی بارگاہ سے علمی صلاحیتوں سے بھرپُور متولد ہوتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام

چونکہ امام زمانہ اور معصوم ازلی تھے۔ اس لیے آپ کے علمی کمالات، علمی کارنامے اور آپ کی علمی حیثیت کی وضاحت ناممکن ہے۔ تاہم میں ان واقعات میں سے مشتے از خروارے، لکھتا ہوں جن پر علماء عبور حاصل کر سکے ہیں۔

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ حضرت کا خود ارشاد ہے کہ علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیئ۔ ہمیں طائروں تک کی زبان سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز کا علم عطا کیا گیا ہے۔ (مناقب شہر آشوب جلد ۵ ص۱۱)۔

روضۃ الصفا میں ہے، بخدا سوگند کہ ما خازنان خدائیم در آسمان و زمین الخ خدا کی قسم ہم زمین اور آسمان میں خداوند عالم کے خازن علم ہیں اور ہم ہی شجرۂ نبوت اور معدن حکمت ہیں۔ وحی ہمارے یہاں آتی رہی اور فرشتے ہمارے یہاں آتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ظاہری ارباب اقتدار ہم سے جلتے اور حسد کرتے ہیں۔ لسان الواعظین میں ہے کہ ابو مریم عبد الغفار کا کہنا ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ (۱) مولا کون سا اسلام بہتر ہے فرمایا جس سے اپنے برادر مومن کو تکلیف نہ پہنچے۔ (۲) کونسا خلق بہتر ہے فرمایا صبر اور معاف کر دینا (۳) کون سا مومن کامل ہے۔ فرمایا جس کے اخلاق بہتر ہوں (۴) کون سا جہاد بہتر ہے، فرمایا جس میں اپنا خون بہہ جائے۔ (۵) کون سی نماز بہتر ہے، فرمایا جس کا قنوت طویل ہو۔ (۶) کون سا صدقہ بہتر ہے، فرمایا جس سے نافرمانی سے نجات ملے۔ (۷) بادشاہان دنیا کے پاس جانے میں آپ کی کیا رائے ہے، فرمایا میں اچھا نہیں سمجھتا۔ (۸) پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ بادشاہوں کے پاس کی آمد و رفت سے تین باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) محبت دنیا (۲) فراموشی مرگ (۳) قلت رضائے خدا (۴) پوچھا پھر میں نہ جاؤں، فرمایا میں طلب دنیا سے منع نہیں کرتا۔ البتہ طلب معاصی سے روکتا ہوں۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے اور اس کی شہرت عامہ ہے کہ آپ علم و زہد اور شرف میں ساری دنیا سے فوقیت لے گئے ہیں۔ آپ سے علم القرآن، علم الآثار، علم السنن اور ہر قسم کے علوم، حکم، آداب وغیرہ میں کوئی بھی فوق نہیں گیا۔ حتیٰ کہ آل رسولؐ میں بھی ابو الائمہ کے علاوہ آپ کے برابر ان علوم کے مظاہرہ میں کوئی نہیں ہوا۔ بڑے بڑے صحابہ اور نمایاں تابعین، اور عظیم القدر فقہاء آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے رہے۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابر بن عبد اللہ انصاری کے ذریعہ سے سلام کہلایا تھا اور اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ یہ میرا فرزند "باقر العلوم" ہوگا۔ علم کی گتھیوں کو اس طرح سلجھائے گا کہ دنیا حیران رہ جائے گی۔ اعلام الوریٰ ص۱۵۷، علامہ شیخ مفید، علامہ شبلنجی تحریر فرماتے ہیں کہ علم دین، علم احادیث، علم سنن اور تفسیر قرآن وعلم السیرت وعلوم وفنون۔ ادب وغیرہ کے ذخیرے جس قدر امام محمد باقر علیہ السلام سے ظاہر ہوئے اتنے امام حسینؑ اور امام حسنؑ کی اولاد میں سے کسی سے

ظاہر نہیں ہوتے۔ ملاحظہ ہو کتاب الارشاد ص۲۸۶ نورالابصار ص۱۳۱ ارجح المطالب ص۴۴۷ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے علمی فیوض و برکات اور کمالات و احسانات سے اس شخص کے علاوہ جس کی بصیرت زائل ہوگئی ہو، جس کا دماغ خراب ہوگیا ہو۔ اور جس کی طینت و طبیعت فاسد ہوگئی ہو، کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ "باقر العلوم" علم کے پھیلانے والے اور جامع العلوم ہیں۔ آپ ہی علوم و معارف میں شہرت عامہ حاصل کرنے اور اس کے مدارج بلند کرنے والے ہیں۔ آپ کا دل صاف، علم و عمل روشن و تابندہ نفس پاک اور خلقت شریف تھی۔ آپ کے کل اوقات اطاعت خداوندی میں بسر ہوتے تھے۔ عارفوں کے قلوب میں آپ کے آثار راسخ اور گہرے نشانات نمایاں ہوگئے تھے، جن کے بیان کرنے سے وصف کرنے والوں کی زبانیں گونگی اور عاجز و ماندہ ہیں۔ آپ کے زہد و تقویٰ آپ کے علوم و معارف آپ کے عبادات و ریاضات اور آپ کے ہدایات و کلمات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احصار اس کتاب میں ناممکن ہے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰) علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ علامہ زمان اور سردار کبیر الشان تھے۔ آپ علوم میں بڑے تبحر اور وسیع الاطلاع تھے۔ (وفیات الاعیان جلد۱ ص۴۵۰) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ بنی ہاشم کے سردار اور متبحر علمی کی وجہ سے باقر مشہور تھے۔ آپ علم کی تہ تک پہنچ گئے تھے، اور آپ نے اس کے دقائق کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا (تذکرۃ الحفاظ جلد۱ ص۱۱۱) علامہ شبراوی لکھتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ کے علمی تذکرے دنیا میں مشہور ہوئے۔ اور آپ کی مدح و ثنا میں بکثرت شعر لکھے گئے، مالک جہنی نے یہ تین شعر لکھے ہیں۔

ترجمہ:۔ جب لوگ قرآن مجید کا علم حاصل کرنا چاہیں تو پورا قبیلہ قریش اس کے بتانے سے عاجز رہے گا، کیونکہ وہ خود محتاج ہے اور اگر فرزند رسول امام محمد باقر کے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو بے حد و حساب مسائل و تحقیقات کے ذخیرے مہیا کردیں گے۔ یہ حضرات وہ ستارے ہیں جو ہر قسم کی تاریکیوں میں چلنے والوں کے لیے چمکتے ہیں اور ان کے انوار سے لوگ راستے پاتے ہیں۔ (الاتحاف ص۵۲ و تاریخ الائمہ ص۴۱۳) علامہ ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ صرف ایک راوی محمد بن مسلم نے آپ سے تیس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ (مناقب جلد۵ ص۱۱)

آپ کے بعض علمی ہدایات وارشادات

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جابر جعفی کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ملا تو آپ نے فرمایا اے جابر میں دنیا سے بالکل بے فکر ہوں۔ کیونکہ جس کے دل میں دین خالص ہو وہ دنیا کو کچھ نہیں سمجھتا، اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا چھوڑی ہوئی سواری اُتارا ہوا کپڑا اور استعمال کی ہوئی عورت ہے۔ مومن دنیا کی بقا سے مطمئن نہیں ہوتا اور اس کی دیکھی ہوئی

چیزوں کی وجہ سے نورِ خدا اُس سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ مومن کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے کہ وہ ہر وقت اسے متنبہ اور بیدار رکھتا ہے۔ سُنو دنیا ایک سرائے فانی ہے نزلت بہ وارتحلت منہٗ۔ اس میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ آج آئے اور کل گئے۔ اور دُنیا ایک خواب ہے جو کمال کے مانند دیکھی جاتی ہے اور جب جاگ اُٹھے تو کچھ نہیں . . . آپ نے فرمایا تکبر بہت بُری چیز ہے، یہ جس قدر انسان میں پیدا ہوگا۔ اُسی قدر اس کی عقل گھٹے گی۔ کمینے شخص کا حربہ گالیاں بکنا ہے — ایک عالم کی موت کو ابلیس نوے عابدوں کے مرنے سے بہتر سمجھتا ہے۔ ایک ہزار عابد سے وہ ایک عالم بہتر ہے جو اپنے علم سے فائدہ پہنچا رہا ہو — میرے ماننے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت کریں۔ آنسوؤں کی بڑی قیمت ہے رونے والا بخشا جاتا ہے اور جس رُخسار پر آنسو جاری ہوں وہ ذلیل نہیں ہوتا۔ سُستی اور زیادہ تیزی بُرائیوں کی کنجی ہے — خُدا کے نزدیک بہترین عبادت پاک دامنی ہے انسان کو چاہیئے کہ اپنے پیٹ اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں — دُعا سے قضا بھی ٹل جاتی ہے — نیکی بہترین خیرات ہے — بدترین عیب یہ ہے کہ انسان کو اپنی آنکھ کی شہتیر دکھائی نہ دے، اور دُوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آئے۔ یعنی اپنے بڑے گناہ کی پرواہ نہ ہو، اور دُوسروں کے چھوٹے عیوب اُسے بڑے نظر آئیں اور خود عمل نہ کرے، صرف دُوسروں کو تعلیم دے — جو خوشحالی میں ساتھ دے اور تنگ دستی میں دُور رہے، وہ تمہارا بھائی اور دوست نہیں ہے۔ (مطالب السئول ص۲۷۲)۔

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی نعمت ملے تو کہو الحمد للہ اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو کہو "لاحول ولا قوۃ الا باللہ"۔ اور جب روزی تنگ ہو تو کہو استغفر اللہ — دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، جتنی محبت تمہارے دل میں ہوگی۔ اتنی ہی تمہارے بھائی اور دوست کے دل میں بھی ہوگی — تین چیزیں خدا نے تین چیزوں میں پوشیدہ رکھی ہیں۔ (۱) اپنی رضا اپنی اطاعت میں، کسی فرمانبرداری کو حقیر نہ سمجھو۔ شاید اسی میں خدا کی رضا ہو (۲) اپنی ناراضی اپنی معصیت میں۔ کسی گناہ کو معمولی نہ جانو شاید خدا اسی سے ناراض ہو جائے (۳) اپنی دوستی یا اپنے وَلی، مخلوقات میں کسی شخص کو حقیر نہ سمجھو، شاید وہی ولی اللہ ہو — (نور الابصار ص۱۳۱ و اتحاف ص۹۳)

احادیث آئمہ میں ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ انسان کو جتنی عقل دی گئی ہے۔ اسی کے مطابق اس سے قیامت میں حساب وکتاب ہوگا — ایک نفع پہنچانے والا عالم ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے — عالم کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے خدا اُن عُلما پر رحم وکرم فرمائے جو احیاءِ علم کرتے اور تقویٰ کو فروغ دیتے ہیں — علم کی زکوٰۃ یہ ہے

کہ مخلوقِ خدا کو تعلیم دی جائے ـــــ قرآنِ مجید کے بارے میں تم جتنا جانتے ہو اتنا ہی بیان کرو ـــــ بندوں پر خدا کا حق یہ ہے کہ جو جانتا ہو اُسے بتائے اور جو نہ جانتا ہو اس کے جواب میں خاموش ہو جائے ـــــ علم حاصل کرنے کے بعد اسے پھیلاؤ۔ اس لیے کہ علم کو بند رکھنے سے شیطان کا غلبہ ہوتا ہے ـــــ معلم اور متعلم کا ثواب برابر ہے ـــــ جس کی تعلیم کی غرض یہ ہو کہ وہ . . . علماء سے بحث کرے۔ جہلا پر رعب جمائے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے وہ جہنمی ہے۔ دینی راستہ دکھلانے والا اور راستہ پانے والا دونوں ثواب کی میزان کے لحاظ سے برابر ہیں ـــــ جو دینیات میں غلط کہتا ہو اسے صحیح بنا دو ـــــ ذاتِ الٰہی وہ ہے۔ جو عقلِ انسانی میں سما نہ سکے اور حدود میں محدود نہ ہو سکے ـــــ اس کی ذات فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا ـــــ خدا کی ذات کے بارے میں بحث نہ کرو، ورنہ حیران ہو جاؤ گے ـــــ اجل کی دو قسمیں ہیں ایک اجل محتوم، دوسرے اجل موقوف، دوسری سے خدا کے سوا کوئی واقف نہیں ـــــ زمین حجت خدا کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی ـــــ اُمت بے امام کی مثال بھیڑ کے اس گلے کی ہے، جس کا کوئی بھی نگران نہ ہو ـــــ،

امام محمد باقر علیہ السلام سے رُوح کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ رُوح ہوا کی مانند متحرک ہے اور یہ ریح سے مشتق ہے ہم جنس ہونے کی وجہ سے اسے رُوح کہا جاتا ہے۔ یہ رُوح جو جانداروں کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، وہ تمام ریحوں سے پاکیزہ تر ہے۔ . . . رُوح مخلوق اور مصنوع ہے اور حادث اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والی ہے . . . وہ ایسی لطیف شے ہے جس میں نہ کسی قسم کی گرانی اور سنگینی ہے نہ سبکی، وہ ایک باریک اور رقیق شے ہے۔ جو قالبِ کثیف میں پوشیدہ ہے۔ اس کی مثال اس مشک جیسی ہے جس میں ہوا بھر دو۔ ہوا بھرنے سے وہ پھول جائے گی۔ لیکن اُس کے وزن میں اضافہ نہ ہوگا ـــــ رُوح باقی ہے اور بدن سے نکلنے کے بعد فنا نہیں ہوتی ـــــ یہ نفخ صور کے وقت ہی فنا ہوگی۔

آپ سے خداوند عالم کے صفات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، کہ وہ سمیع و بصیر ہے اور آلہ سمع و بصر کے بغیر سنتا اور دیکھتا ہے ـــــ رئیس معتزلہ عمر بن عبید نے آپ سے دریافت کیا کہ "من یحلل علیہ غضبی" سے کون سا غضب مراد ہے۔ فرمایا، عقاب اور عذاب کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے ـــــ ابو خالد کابلی نے آپ سے پوچھا کہ قولِ خدا " فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا " میں، نور سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا " واللہ النور الائمۃ من آل محمد " خدا کی قسم نور سے ہم آلِ محمدؐ مراد ہیں ـــــ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یوم ندعوا کل اُناس بامامھم سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ رسول اللہؐ ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد سے۔

آئمہ ہوں گے ۔ انھیں کی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے جو انھیں دوست رکھے گا ۔ اور ان کی تصدیق کرے گا ۔ وُہی نجات پائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا جہنم میں جائے گا ـــــ ایک مرتبہ طاؤس یمانی نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سوال کیا کہ وہ کونسی چیز ہے جس کا تھوڑا استعمال حلال تھا اور زیادہ استعمال حرام ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نہر طالوت کا پانی تھا ۔ جس کا صرف ایک چلو پینا حلال تھا اور اس سے زیادہ حرام پوچھا وہ کون سا روزہ تھا جس میں کھانا پینا جائز تھا ۔ فرمایا وہ جناب مریمؑ کا روزہ صمت تھا جس میں صرف نہ بولنے کا روزہ تھا ، کھانا پینا حلال تھا ۔ پوچھا وہ کون سی شے ہے جو صرف کرنے سے کم ہوتی ہے ۔ بڑھتی نہیں ، فرمایا کہ وہ عمر ہے ۔ پوچھا وہ کون سی شے ہے جو بڑھتی ہے گھٹتی نہیں ، فرمایا وہ سمندر کا پانی ہے ۔ پوچھا وہ کونسی چیز ہے جو صرف ایک بار اڑی اور پھر نہ اڑی فرمایا ، وہ کوہ طور ہے جو ایک بار حکم خدا سے اُڑ کر بنی اسرائیل کے سروں پر آگیا تھا ۔ پوچھا وہ کون لوگ ہیں جن کی سچی گواہی خدا نے جھوٹی قرار دی ۔ فرمایا ، وہ منافقوں کی تصدیق رسالت ہے جو دل سے نہ تھی ۔ پوچھا ، بنی آدم کا ⅓ حصہ کب ہلاک ہوا ۔ فرمایا ایسا کبھی نہیں ہوا ، تم یہ پوچھو کہ انسان کا ⅓ حصہ کب ہلاک ہوا تو میں تمھیں بتاؤں کہ یہ اس وقت ہوا ۔ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا ۔ کیونکہ اس وقت چار آدمی تھے ۔ آدم ، حوا ، ہابیل ، قابیل پوچھا ۔ پھر نسل انسانی کس طرح بڑھی ۔ فرمایا جناب شیث سے جو قتل ہابیل کے بعد بطن حوا سے پیدا ہوئے ۔

امام محمد باقر علیہ السلام اور جناب ابُوحنیفہ کا امتحان

علامہ شبلی نعمانی اور علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ایک مدت تک حضرت کی خدمت میں حاضر رہے اور انھیں سے فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں ۔ شیعہ سُنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ہی کا فیض صحبت تھا ۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا ۔ جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے ۔ (سیرۃ النعمان و اعلام المؤقنین جلد ۱ ص ۹۳)
علامہ شبراوی شافعی لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے امام ابُوحنیفہ سے فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم قیاس کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہو کیا یہ سچ ہے ؟ اُنھوں نے کہا میں بے شک قیاس کرتا ہوں اور اس کی وجہ حدیث و اخبار ہیں ۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا میں چند سوالات کرتا ہوں تم قیاس کر کے جواب دو ۔ انھوں نے کہا فرمایئے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا قتل بڑا گناہ ہے کہ زنا ؟ عرض کی قتل ۔ فرمایا پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں صرف دو گواہ کافی ہیں اور زنا کی شہادت میں چار گواہ طلب

لہ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو " تاریخ اسلام جلد ۲ " مؤلفہ حقیر مطبوعہ امامیہ کُتب خانہ مغل حویلی لاہور ۔

ہوتے ہیں۔ انھوں نے سکوت اختیار کیا اور اصرار پر بولے مجھے علم نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا، نماز کی عظمت زیادہ ہے یا روزہ کی۔ کہا نماز کی، کہا پھر کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت کو نماز کی قضا ضروری نہیں اور روزہ کی قضا لازمی ہے۔ انھوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا بتاؤ۔ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی۔ انھوں نے کہا کہ پیشاب زیادہ نجس ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ پیشاب کے بعد وضو کیا جاتا ہے اور منی کے بعد غسل واجب ہے۔ کہا مجھے علم نہیں ــــــ امام ابوحنیفہؒ کا بیان ہے کہ ان سوالات کے بعد آپ دوسرے کاموں میں لگ گئے تو میں نے عرض کی اے فرزندِ رسولؐ ان سب مسائل کے بارے میں میری تشفی و تسلی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس شرط سے بتاؤں گا کہ تم آئندہ قیاس کرنے سے باز رہنے کا وعدہ کرو۔ چنانچہ میں نے وعدہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا، سنو!

(۱) قتل کرنے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے، اس لیے صرف دو گواہ کافی ہوتے ہیں۔ اور زنا میں دو شخص ہوتے ہیں اس لیے چار گواہ کی ضرورت ہوتی ہے (۲) حائضہ کو سال میں ایک ہی مرتبہ روزہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی قضا آسان ہے اور نماز سے ہر ماہ سابقہ پڑتا ہے۔ اس کی قضا مشکل ہے۔ اس لیے خدا نے یہ سہولت دی ہے کہ روزہ کی قضا کرے اور نماز کی قضا نہ کرے (۳) پیشاب صرف مثانہ سے نکلتا ہے، اور دن میں کئی مرتبہ نکلتا ہے۔ اس میں غسل دشوار ہوتا، اور منی سارے جسم سے نکلتی ہے۔ "تحت کل شعرۃ جنابۃ" بلکہ یوں سمجھو کہ ہر بُن مُو سے نکلتی ہے اور کبھی کبھی نکلتی ہے اس لیے غسل کرنا آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے محلِ اخراج کا لحاظ کرتے ہوئے غسل ضروری قرار دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا بیان ہے کہ اس جواب سے مجھے پوری تسلی ہو گئی اور میں حضرت کو سلام کرکے گھر واپس آیا۔ (اتحاف ص۸۸ طبع مصر) علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیواۃ الحیوان کی جلد ۲ ص۸۶ تحت لغت ظبی طبع مصر میں اس واقعہ کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعلق لکھا ہے۔

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن عمر بن عبید نے حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا "ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقناھما" کا کیا مطلب ہے، آپ نے ارشاد فرمایا آسمان و زمین دونوں (اپنی فیض رسانی سے) بند تھے پھر خدا نے انھیں کھول دیا، یعنی آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے دانا اُگنے لگا (نور الابصار ص۱۳۱ و اتحاف ص۵۳ و کشف الغمہ ص۵۴) علامہ جامی لکھتے ہیں کہ انسانوں کی طرح آپ سے جن بھی علمی فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن بارہ اجنبی اشخاص کو آپ کے پاس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، امام محمد باقرؑ نے فرمایا یہ جن ہیں میرے پاس مسائل شرعیہ پوچھنے آتے ہیں۔ (شواہد النبوت ص۱۸۲)۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے بعض کرامات

آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا صاحب کرامات ہونا مسلمات سے ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے کرامات حد احصا سے باہر ہیں۔ اس مقام پر چند لکھے جاتے ہیں۔ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ (۱) ایک روز آپ خچر پر سفر فرما رہے تھے اور آپ کے ہمراہ ایک اور شخص گدھے پر سوار تھا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان پہاڑ سے ایک بھیڑیا برآمد ہوا۔ آپ نے اُسے دیکھ کر اپنی سواری روک لی۔ وہ قریب پہنچ کر گویا ہوا۔ مولا! اس پہاڑی میں میری مادہ ہے اور اُسے سخت دردِ زہ عارض ہے آپ دُعا فرما دیجیے کہ اس مصیبت سے نجات ہو جائے۔ آپ نے دُعا فرما دی۔ پھر اُس نے کہا کہ یہ بھی دُعا کیجیے کہ "از نسل من بر شیعۂ تو مسلط نہ گرداند"۔ میری نسل میں سے کسی کو بھی آپ کے شیعوں پر غلبہ و تسلط نہ حاصل ہونے دے، آپ نے فرمایا میں نے دُعا کر دی، وہ چلا گیا (۲) ایک شب ایک شخص شدید بارش کے دوران میں آپ کے دولت کدہ پر جا کر خاموش کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اس نامناسب وقت میں "دق الباب" کروں یا واپس چلا جاؤں۔ ناگاہ آپ نے اپنی لونڈی سے فرمایا کہ فلاں شخص مکہ سے آ کر میرے دروازے پر کھڑا ہے اسے بلا لو۔ اُس نے دروازہ کھول کر بُلا لیا۔ (۳) راوی کا بیان ہے کہ میں ایک دن آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہو کر اذنِ حضوری کا طالب ہوا۔ آپ نے کسی وجہ سے اجازت نہ دی۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ اتنے میں دیکھا کہ بہت سے آدمی آئے اور گئے۔ یہ حال دیکھ کر میں بہت رنجیدہ ہوا اور دیر تک سوچنے لگا کہ کسی اور مذہب میں چلا جاؤں اسی خیال میں گھر چلا گیا۔ جب رات ہوئی تو آپ میرے مکان پر تشریف لائے اور کہنے لگے کسی مذہب میں مت جاؤ، کوئی مذہب درست نہیں ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو یہ کہہ کر اپنے ہمراہ لے گئے (۴) ایک شخص نے آپ سے کہا کہ خدا پر مومن کا کیا حق ہے۔ آپ نے اس کے جواب سے اعراض کیا جب وہ نہ مانا تو فرمایا کہ اس درخت کو اگر کہہ دیا جائے کہ چلا آ، تو وہ چلا آئے گا۔ یہ کہنا تھا کہ وہ اپنے مقام سے روانہ ہو گیا، پھر آپ نے حکم دیا وہ واپس چلا گیا۔ (۵) ایک شخص نے آپ کے مکان کے سامنے کوئی حرکت کی، آپ نے فرمایا مجھے علم ہے، دیوار ہماری نظروں کے درمیان حائل نہیں ہوتی، آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے (۶) ایک شخص نے آپ سے اپنے بالوں کے سفید ہونے کی شکایت کی آپ نے اُسے اپنے ہاتھوں سے مَس کر دیا، وہ سیاہ ہو گئے (۷) جس زمانہ میں امام زین العابدین علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا۔ آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اتنے میں منصور دوانقی اور داؤد بن سلیمان مسجد میں آئے۔ منصور آپ سے دُور بیٹھا اور داؤد قریب آ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ منصور میرے پاس کیوں نہیں آتا۔ اُس نے کوئی عذر بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا اس سے

کہہ دو کہ تو عنقریب بادشاہِ وقت ہوگا اور شرق و غرب کا مالک ہوگا۔ یہ سن کر دوالقی آپ کے قریب آگیا اور کہنے لگا آپ کا رعب و جلال میرے قریب آنے سے مانع تھا، پھر آپ نے اُس کی حکومت کی تفصیل بیان فرمائی، چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ (۸) ابوبصیر کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، اُنھوں نے ایک دن کہا کہ آپ تو وارثِ انبیاء ہیں ۔ میری روشنی پلٹا دیجئے۔ آپ نے اسی وقت آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر انھیں بینا بنا دیا (۹) ایک کوفی نے آپ سے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ کے تابع فرشتے ہیں جو آپ کو شیعہ اور غیر شیعہ بتا دیا کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا تو کیا کام کرتا ہے، اس نے کہا گندم فروشی۔ آپ نے فرمایا غلط ہے۔ پھر اس نے کہا کبھی کبھی جو بھی بیچتا ہوں۔ فرمایا یہ بھی غلط ہے، تو صرف خرمے بیچتا ہے۔ اُس نے کہا کہ آپ سے یہ کس نے بتایا ہے۔ امام نے فرمایا اسی فرشتے نے جو میرے پاس آتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تو فلاں بیماری میں تین دن کے اندر وفات کر جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (۱۰) راوی کہتا ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا، کہ آپ بزبان سریانی مناجات پڑھ رہے ہیں۔ میرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ فلاں نبی کی مناجات ہے (۱۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام ایک دن مدینہ میں بہت سے لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ آپ نے سر ڈال لیا۔ اس کے بعد فرمایا، اے اہلِ مدینہ آئندہ سال یہاں نافع بن ارزق چار ہزار جرار سپاہی لے کر آئے گا اور تین شبانہ روز شدید مقابلہ و مقاتلہ کرے گا، اور تم اپنا تحفظ نہ کر سکو گے۔ سنو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں ھو کائن لابد منہ وہ ہو کے رہے گا۔ چنانچہ آئندہ سال کان الامر علی ما قال۔ وہی ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔ (۱۲) زید بن عازم کا بیان ہے کہ ایک دن زید شہید آپ کے سامنے سے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ضرور کوفہ میں خروج کریں گے اور قتل ہوں گے اور ان کا سر دیار بدیار پھرایا جائے گا۔ فکان کما قال چنانچہ وہی کچھ ہوا۔ (شواہد النبوت ص۱۸۵ نور الابصار ص۱۳۰)۔

آپ کی عبادت گذاری اور آپ کے عام حالات

آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح بے پناہ عبادت کرتے تھے۔ ساری رات نماز پڑھنی اور سارا دن روزہ سے گزارنا آپ کی عادت تھی۔ آپ کی زندگی زاہدانہ تھی۔ بوریے پر بیٹھتے تھے۔ ہدایا جو آتے تھے اُسے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے۔ غریبوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ تواضع اور فروتنی، صبر و شکر غلام نوازی صلہ رحم وغیرہ میں آپ بے نظیر تھے۔ آپ کی تمام آمدنی فقراء پر صرف ہوتی تھی۔ آپ فقیروں کی بڑی عزت کرتے تھے اور انھیں اچھے نام سے یاد کرتے تھے۔ (کشف الغمہ ص۹۵) آپ کے ایک غلام افلح کا بیان ہے کہ ایک دن

آپ کعبہ کے قریب تشریف لے گئے، آپ کی جیسے ہی کعبہ پر نظر پڑی آپ چیخ مار کر رونے لگے میں نے کہا کہ حضور سب لوگ دیکھ رہے ہیں آپ آہستہ سے گریہ فرمائیں۔ ارشاد کیا، اے افلح شاید خدا بھی انھیں لوگوں کی طرح میری طرف دیکھ لے اور میری بخشش کا سہارا ہو جائے۔ اس کے بعد آپ سجدہ میں تشریف لے گئے اور جب سر اٹھایا تو ساری زمین آنسوؤں سے تر تھی (مطالب السئول ص۲۷۱)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور ہشام بن عبدالملک

تواریخ میں ہے ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک فوت ہوا (ابوالفدا) اور اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (ابن الوردی) ۹۹ھ میں عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوا۔ (ابن الوردی) اس نے خلیفہ ہوتے ہی اس بدعت کو جو ۴۱ھ سے بنی امیہ نے حضرت علی پر سب و شتم کی صورت میں جاری کر رکھی تھی حکماً روک دیا (ابوالفدا) اور رقوم خمس بنی ہاشم کو دینا شروع کیا۔ (کتاب الخراج ابو یوسف) یہ وہ زمانہ تھا جس میں علی کے نام پر اگر کسی بچے کا نام ہوتا تھا تو وہ قتل کر دیا جاتا تھا اور کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا۔ (تدریب الراوی سیوطی) اس کے بعد ۱۰۱ ہجری میں یزید ابن عبدالملک خلیفہ بنایا گیا۔ (ابن الوردی) ۱۰۵ھ میں ہشام ابن عبدالملک بن مروان بادشاہ وقت مقرر ہوا۔ (ابن الوردی)۔

ہشام بن عبدالملک، چست، چالاک، کنجوس، متعصب، چال باز، سخت مزاج، کجرو، خود سر، حریص، کانوں کا کچا اور حد درجہ کا شکی تھا، کبھی کسی کا اعتبار نہ کرتا تھا۔ اکثر صرف شبہ پر سلطنت کے لائق لائق ملازموں کو قتل کرا دیتا تھا۔ یہ عہدوں پر انھیں کو فائز کرتا تھا جو خوشامدی ہوں۔ اس نے خالد بن عبداللہ قسری کو ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک عراق کا گورنر رکھا۔ قسری کا حال یہ تھا کہ ہشام کو رسول اللہ سے افضل بتاتا اور اسی کا پروپیگنڈہ کیا کرتا تھا۔ (تاریخ کامل جلد ۵ ص۱۰۳) ہشام آل محمد کا دشمن تھا۔ اسی نے زید شہید کو نہایت بری طرح قتل کیا تھا۔ تاریخ اسلام جلد ۱ ص۴۹، اسی نے اپنے زمانہ ولیعہدی میں فرزدق شاعر کو امام زین العابدین کی مدح کے جرم میں بمقام عسقلان قید کیا تھا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰)۔

ہشام کا سوال اور اس کا جواب

تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد ہشام بن عبدالملک حج کے لیے گیا۔ وہاں اس نے امام محمد باقر علیہ السلام کو دیکھا کہ مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پند و نصائح سے بہرہ ور کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہشام کی دشمنی نے کروٹ کی اور اس نے دل میں سوچا کہ انھیں ذلیل کرنا چاہیئے اور اسی ارادہ سے اس نے ایک شخص سے کہا کہ جا کر ان سے کہو کہ خلیفہ پوچھ رہے ہیں کہ حشر کے دن آخری فیصلہ سے قبل لوگ کیا

کھائیں اور پئیں گے۔ اُس نے جا کر امام علیہ السلام کے سامنے خلیفہ کا سوال پیش کیا۔ آپ نے فرمایا جہاں حشر و نشر ہوگا وہاں میوے دار درخت ہوں گے، وہ لوگ انھیں چیزوں کو استعمال کریں گے۔ بادشاہ نے جواب سُن کر کہا یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حشر میں لوگ مصیبتوں اور اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہوں گے ان کو کھانے پینے کا ہوش کہاں ہوگا؟ قاصد نے بادشاہ کا گفتہ نقل کر دیا۔ حضرت نے قاصد سے فرمایا کہ جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ تم نے قرآن بھی پڑھا ہے یا نہیں، قرآن میں یہ نہیں ہے کہ "جہنم کے لوگ جنّت والوں سے کہیں گے کہ ہمیں پانی اور کچھ نعمتیں دے دو کہ پی اور کھالیں۔ اس وقت وہ جواب دیں گے کہ کافروں پر جنّت کی نعمتیں حرام ہیں۔ (پ، رکوع ۱۳) تو جب جہنم میں بھی لوگ کھانا پینا نہیں بھولیں گے تو حشر و نشر میں کیسے بھول جائیں گے جس میں جہنم سے کم سختیاں ہوں گی۔ اور وہ اُمید و بیم اور جنّت و دوزخ کے درمیان ہوں گے۔ یہ سُن کر ہشام شرمندہ ہوگیا۔ (ارشاد مفید ۴۰۸ و تاریخ آئمہ ص۴۱۲)۔

امام محمد باقرؑ اور ہشام کی مشکل کشائی

یہ اور بات ہے کہ آلِ محمدؐ کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کر دیا جائے، لیکن کٹھن مواقع پر اہم مراحل کے لیے ان کی مشکل کشائی کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں "ہشام بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں شام و عراق کے آنے والے حجاج کو مکّہ کے راستے میں ایک منزل پر پانی نہ ملنے کی وجہ سے سخت مصیبت کا سامنا ہوا کرتا تھا۔ غریب حجاج اس منزل کی بے آبی اور اپنی اضطراب و بے تابی کا خیال کر کے منزل دو منزل پہلے سے اپنا سامان جمع کر لیا کرتے تھے تاکہ اس منزل تک کفایت کر سکے، مگر بعض اوقات یہ انتظامات بھی ناکافی ثابت ہو جاتے تھے، اور بہت سے غریب حجاج پانی نہ ملنے کی وجہ سے اِس منزل پر جاں بحق تسلیم ہو جاتے تھے۔ اس مصیبت کی شکایت اہل اسلام میں ہمیشہ بنی رہتی تھی۔ وہاں کی زمین بھی حجاز کی تمام زمینوں سے زیادہ سنگاخ تھی، وہاں زمین سے پانی نکالنا گویا آسمان سے پانی لانا تھا۔ آخر کار حجاز کی اس ناقابل برداشت مُصیبت پر سلطنت نے توجہ کی اور وہاں ایک بہت بڑا کنواں کھودنے کا بندوبست کیا گیا ہشام نے اِس کنویں کی تعمیر کا اہتمام خود اپنے ذمّہ لیا اور اپنے میر عمارت کو مزدوروں اور کام کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اُس مقام پر بھیجا۔ غرضکہ محکمہ تعمیرات کا سُلطانی اسٹاف اُس مقام پر پہنچ کر اپنے کام میں مصروف ہوا۔ وہ عرب کی زمین اور پھر عرب میں بھی کس حصّہ کی، حجاز کی، دن دن بھر کی جانکاہ محنتوں میں ہاتھ دو ہاتھ۔ زمین کا کھد جانا بھی غریب کام کرنے والوں کے لیے بہت غنیمت تھا۔ خُدا خُدا کر کے کام کرنے والے سطح آب کے قریب پہنچے تو یکایک اُس کی جانب سے ایک سُوراخ پیدا اور ہویدا ہو گیا۔ اس سے ایک نہایت گرم اور جھلسا دینے والی ہوا نکلی جس

نے ان سب کو ہلاک کر دیا جو اُس وقت اس کنویں کے اندر تھے۔ کنویں کے اُوپر جو دیگر کام کرنے والے تھے۔ اُنھوں نے جب ان کی زندگی کے آثار مفقود پائے تو تفحص حال کے لیے چند اور آدمیوں کو کنویں میں اُتارا وہ بھی جاکر واپس نہ آئے۔

جب تمام اسٹاف کے دو تہائی کارکن ضائع ہو چکے اور اُن کی ہلاکت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی تو میر عمارت نے مجبور ہو کر کام بند کر دیا اور ہشام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا، اور سارا واقعہ اس سے بیان کیا۔ اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی تمام دربار میں سناٹا چھا گیا اور ہر ایک اپنی اپنی استعداد اور حیثیت کے مطابق اس کے اسباب اور بواعث ڈھونڈھنے لگا۔ آخر کار ہشام نے ایک تحقیقاتی جماعت کو مرتب کر کے موقع پر بھیجا مگر وہ بھی ناکام رہی اور یہ معلوم نہ کر سکی کہ اس میں جانے والے مر کیوں جاتے ہیں؟

ہشام اسی اضطراب اور پریشانی میں تھا کہ حج کا زمانہ آگیا، یہ دمشق سے چل کر مکہ معظمہ پہنچا اور وہاں پہنچ کر اُس نے ہر مکتبِ خیال کے رہنماؤں کو جمع کیا اور ان کے سامنے کنویں والا واقعہ بیان کیا اور اُن سے مشکل کشائی کی خواہش کی۔

بادشاہ کی عرضداشت سُن کر سب خاموش ہو گئے اور کافی سوچنے کے باوجود کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ ناگاہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام جو بادشاہ کی طرف سے مدعو تھے آپہنچے، اور آپ نے حالات سُن کر فرمایا میں موقع دیکھوں گا۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور واپس آکر آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ قوم عاد میں سے جو اہل احقاف تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، یہ جگہ انھیں کے معذب ہونے کی ہے اور یہ ریح عقیم جو زمین کے ساتویں طبقے سے نکل رہی ہے یہ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑے گی۔ لہٰذا اس جگہ کو فوراً بند کرا دے اور فلاں مقام پر کنواں کھدوا۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے ارشاد سے لوگوں کی جانیں بھی بچ گئیں اور کنواں بھی تیار ہو گیا۔ (حیواۃ القلوب جلد ۲ و مجمع البحرین صـ۵۰۵ و ماثر باقریہ صـ۲۲) رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ ان مقامات سے جلد دُور بھاگو جو معذوب ہو چکے ہیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی متاثر ہو جاؤ (مقدمہ ابن خلدون صـ۱۲۵ طبع مصر)۔

علامہ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی بن شہر آشوب نے امام محمد باقر علیہ السلام ہی جیسا واقعہ عہد مہدی عباسی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے۔ (مناقب جلد ۵ صـ۶۹)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی دمشق میں طلبی

علامہ مجلسی اور سید ابن طاؤس رقمطراز ہیں کہ ہشام بن عبد الملک اپنے عہد حکومت کے آخری ایام میں حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ میں پہنچا۔ وہاں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام بھی موجود تھے۔ ایک دن حضرت امام جعفر صادق

علیہ السلام نے مجمع عام میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ ہمیں رُوئے زمین پر خدا کے خلیفہ اور اس کی حجت ہیں۔ ہمارا دُشمن جہنم میں جائے گا، اور ہمارا دوست نعماتِ جنت سے متنعم ہوگا۔

اس خطبہ کی اطلاع ہشام کو دی گئی، وُہ وہاں تو خاموش رہا لیکن دمشق پہنچنے کے بعد والیٔ مدینہ کو فرمان بھیجا کہ محمد بن علی اور جعفر بن محمد کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ آپ حضرات دمشق پہنچے وہاں ہشام نے آپ کو تین روز تک اذنِ حضوری نہیں دیا۔ چوتھے روز جب اچھی طرح دربار کو سجالیا۔ تو آپ کو بلوا بھیجا۔ آپ حضرات جب داخلِ دربار ہوئے تو آپ کو ذلیل کرنے کے لیے آپ سے کہا کہ ہمارے تیر اندازوں کی طرح آپ بھی تیر اندازی کریں۔ حضرت امام محمد باقر نے فرمایا کہ میں ضعیف ہوگیا ہوں مجھے اس سے مُعاف رکھ، اُس نے قسم کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ پھر ایک تیر کمان آپ کو دلوا دی آپ نے ٹھیک نشانے پر تیر لگائے، یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اس کے بعد امام نے فرمایا، بادشاہ ہم معدنِ رسالت ہیں۔ ہمارا مقابلہ کسی امر میں کوئی نہیں کرسکتا۔ یہ سُن کر ہشام کو غصہ آگیا۔ وہ بولا کہ آپ لوگ بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ آپ کے دادا علی بن ابی طالب نے غیب کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا بادشاہ قرآن مجید میں سب کچھ موجود ہے اور حضرت علی امام مبین تھے۔ انھیں کیا نہیں معلوم تھا۔ (حیاۃ الحیوان) ثقۃ الاسلام علامہ کلینی تحریر فرماتے ہیں کہ ہشام نے اہلِ دربار کو حکم دیا تھا کہ میں محمد بن علی (امام محمد باقر علیہ السلام) کو سرِ دربار ذلیل کروں گا۔ تم لوگ یہ کرنا کہ جب میں خاموش ہوجاؤں تو انھیں کلمات ناسزا کہنا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آخر میں حضرت نے فرمایا۔ بادشاہ یاد رکھ ہم ذلیل کرنے سے ذلیل نہیں ہوسکتے، خداوندِ عالم نے ہمیں جو عزت دی ہے، اُس میں ہم منفرد ہیں۔ یاد رکھ عاقبت کی شاہی متقین کے لیے ہے۔ یہ سُن کر ہشام نے فامر بہ الی الحبس آپ کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ قید کر دیے گئے

قید خانہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے قیدیوں کے سامنے ایک معجزنما تقریر کی جس کے نتیجہ میں قید خانہ کے اندر کہرامِ عظیم برپا ہوگیا۔ بالآخر قید خانہ کے داروغہ نے ہشام سے کہا کہ اگر محمد بن علی زیادہ دنوں قید رہے تو تیری مملکت کا نظام منقلب ہوجائے گا۔ ان کی تقریر قید خانہ سے باہر بھی اثر ڈالتی ہے اور عوام میں ان کے قید ہونے سے بڑا جوش ہے۔ یہ سُن کر ہشام ڈر گیا اور اُس نے آپ کی رہائی کا حکم دیا اور ساتھ یہ بھی اعلان کرا دیا کہ نہ آپ کو کوئی مدینہ پہنچانے جائے اور نہ راستے میں آپ کو کوئی کھانا پانی دے، چنانچہ آپ تین روز کے بھوکے پیاسے داخلِ مدینہ ہوئے۔

وہاں پہنچ کر آپ نے کھانے پینے کی سعی کی لیکن کسی نے کچھ نہ دیا۔ بازار ہشام کے حکم سے بند تھے یہ حال دیکھ کر آپ ایک پہاڑی پر گئے اور آپ نے اُس پر کھڑے ہوکر عذابِ الٰہی کا حوالہ دیا۔ یہ سُن کر

کرایک پیرمرد بازار میں کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ بھائیو! سنو، یہی وہ جگہ ہے جس جگہ حضرت شعیب نبی نے کھڑے ہو کر عذابِ الٰہی کی خبر دی تھی اور عظیم ترین عذاب نازل ہوا تھا۔ میری بات مانو اور اپنے کو عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ یہ سُن کر سب لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے لیے ہوٹلوں کے دروازے کھول دیئے۔ (اصول کافی) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام نے والیٔ مدینہ ابراہیم بن عبدالملک کو لکھا کہ امام محمد باقر کو زہر سے شہید کر دے۔ (جلا العیون ص۲۶۲)۔

کتاب الخرائج والجرائح میں علامہ راوندی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام بن عبدالملک نے زید بن حسن کے ساتھ باہمی سازش کے ذریعہ امام علیہ السلام کو دوبارہ دمشق میں طلب کرنا چاہا۔ لیکن والیٔ مدینہ کی ہمنوائی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ارادہ سے باز آیا۔ اُس نے تبرکاتِ رسالتؐ جبراً طلب کیے اور امام علیہ السلام نے بروایتے ارسال فرما دیئے۔"

دمشق سے روانگی اور ایک راہب کا مسلمان ہونا

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قید خانہ دمشق سے رہا ہو کر مدینہ کو تشریف لیے جا رہے تھے کہ ناگاہ راستے میں ایک مقام پر مجمع کثیر نظر آیا۔ آپ نے تفحص حال کیا تو معلوم ہوا کہ نصاریٰ کا ایک راہب ہے جو سال میں صرف ایک بار اپنے معبد سے نکلتا ہے۔ آج اس کے نکلنے کا دن ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس مجمع میں عوام کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے، راہب جو انتہائی ضعیف تھا، مقررہ وقت پر برآمد ہوا۔ اور اُس نے چاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد امام علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر بولا (۱) کیا آپ ہم میں سے ہیں فرمایا میں اُمتِ محمدیہؐ سے ہوں (۲) آپ علماء سے ہیں یا جہلا سے۔ فرمایا میں جاہل نہیں ہوں۔ (۳) آپ مجھ سے کچھ دریافت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ فرمایا نہیں (۴) جب کہ آپ عالموں میں سے ہیں کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، فرمایا ضرور پوچھیے۔

یہ سُن کر راہب نے سوال کیا (۱) شب و روز میں وہ کونسا وقت ہے جس کا شمار نہ دن میں ہو نہ رات میں، فرمایا وہ سورج کے طلوع سے پہلے کا وقت ہے۔ جس کا شمار دن اور رات دونوں میں نہیں۔ وہ وقت جنت کے اوقات میں سے ہے اور ایسا متبرک ہے کہ اس میں بیماروں کو ہوش آ جاتا ہے۔ درد کو سکون ہوتا ہے۔ جو رات بھر نہ سو سکے اُسے نیند آتی ہے۔ یہ وقت آخرت کی طرف رغبت رکھنے والوں کے لیے خاص الخاص ہے (۲) آپ کا عقیدہ ہے کہ جنت میں پیشاب و پاخانہ کی ضرورت نہ ہوگی کیا دنیا میں اس کی کوئی مثال ہے۔ فرمایا بطن مادر میں جو بچے پرورش پاتے ہیں۔ ان کا فضلہ خارج نہیں ہوتا (۳) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کھانے سے بہشت کا میوہ کم نہ ہوگا اس کی یہاں کوئی مثال ہے، فرمایا "ہاں"۔ ایک چراغ سے لاکھوں چراغ جلائے جائیں تب بھی پہلے

چراغ کی روشنی میں کمی نہ ہوگی (۴) وہ کون سے دو بھائی ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے اور ایک ساتھ مرے لیکن ایک کی عمر پچاس سال کی ہوئی اور دوسرے کی ڈیڑھ سو سال کی، فرمایا "عزیز اور عزیر پیغمبر ہیں یہ دونوں دنیا میں ایک ہی روز پیدا ہوئے اور ایک ہی روز مرے۔ پیدائش کے بعد تیس برس تک ساتھ رہے۔ پھر خدا نے عزیر نبی کو مار ڈالا (جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) اور سو برس کے بعد پھر زندہ فرمایا۔ اس کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ اور زندہ رہے اور پھر ایک ہی روز دونوں نے انتقال کیا۔

یہ سن کر راہب اپنے ماننے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ جب تک یہ شخص شام کے حدود میں موجود ہے میں کسی کے سوال کا جواب نہ دوں گا۔ سب کو چاہیئے کہ اسی عالم زمانہ سے سوال کرے اس کے بعد وہ مسلمان ہوگیا۔ (جلاء العیون ص۲۶۱ طبع ایران ۱۳۰۱ھ)۔

امام محمد باقر علیہ السّلام کی شہادت

آپ اگرچہ اپنے علمی فیوض و برکات کی وجہ سے اسلام کو برابر فروغ دے رہے تھے لیکن اس کے باوجود ہشام بن عبد الملک نے آپ کو زہر کے ذریعے سے شہید کرا دیا اور آپ بتاریخ ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (کشف الغمہ ص۹۳ جلاء العیون ص۲۶۴ جنات الخلود ص۲۶ دمعہ ساکبہ ص۴۴۹، انوار الحسینیہ ص۴۸ شواہد النبوت ص۱۸۱ روضۃ الشہداء ص۴۳۴)۔

علامہ شبلنجی اور علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں "مَاتَ مَسْمُوْمًا کَابِیْہِ" آپ اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام ہی کی طرح زہر سے شہید کر دیئے گئے۔ (نور الابصار ص۱۳۱ وصواعق محرقہ ص۱۲۰ آپ کی شہادت ہشام کے حکم سے ابراہیم بن ولید والیٔ مدینہ کی زہر خورانی کے ذریعہ واقع ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفہ وقت ہشام بن عبد الملک کی مرسلہ زہر آلود زین کے ذریعہ سے واقع ہوئی تھی۔ (جنات الخلود ص۲۶ دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص۴۷۸)۔

شہادت سے قبل آپ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے بہت سی چیزوں کے متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ بیٹا میرے کانوں میں میرے والد ماجد کی آوازیں آ رہی ہیں۔ وہ مجھے جلد بلا رہے ہیں (نور الابصار ص۱۳۱) آپ نے غسل و کفن کے متعلق خاص طور سے ہدایت کی کیونکہ امام راجز امام نشوید امام کو امام ہی غسل دے سکتا ہے۔ (شواہد النبوت ص۱۸۱ علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی وصیتوں میں یہ بھی کہا کہ ۸۰۰ درہم میری عزاداری اور میرے ماتم پر صرف کرنا اور ایسا انتظام کرنا کہ دس سال تک منیٰ میں بزمانہ حج میری مظلومیت کا ماتم کیا جائے۔ (جلاء العیون ص۲۶۴) علماء کا

بیان ہے کہ وصیتوں میں یہ بھی تھا کہ میرے بندھائے کفن قبر میں کھول دینا اور میری قبر چار انگل سے زیادہ اونچی نہ کرنا۔ (جنات الخلود ص۲۷)۔

ازواج و اولاد

آپ کی چار بیویاں تھیں اور انھیں سے اولاد ہوئیں۔ اُم فروہ۔ اُم حکیم۔ یلیٰ اور ایک اور بیوی اُم فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر جن سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبداللہ افطح پیدا ہوئے۔ اور اُم حکیم بنت اسد بن مغیرہ ثقفی سے ابراہیم و عبداللہ اور یلیٰ سے علی اور زینب پیدا ہوئے۔ اور چوتھی بیوی سے اُم سلمیٰ متولد ہوئی (ارشاد مفید ص۲۹۴ مناقب جلد ۵ ص۱۹ و نورالابصار ص۱۳۱)۔

علامہ محمد باقر بہبھانی، علامہ محمد رضا آل کاشف الغطاء اور علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی نسل صرف امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑھی ہے اُن کے علاوہ کسی کی اولاد زندہ اور باقی نہیں رہی۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص۴۷۹ انوار الحسینیہ جلد ۲ ص۴۸ روضۃ الشہداء ص۴۳۴ طبع لکھنؤ ۱۲۸۵ھ)۔

علیہ السلام نے مجمع عام میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ ہمیں رُوئے زمین پر خدا کے خلیفہ اور اس کی حجت ہیں۔ ہمارا دُشمن جہنم میں جائے گا، اور ہمارا دوست نعماتِ جنت سے متنعم ہوگا۔

اس خطبہ کی اطلاع ہشام کو دی گئی، وہ وہاں تو خاموش رہا لیکن دمشق پہنچنے کے بعد والیٔ مدینہ کو فرمان بھیجا کہ محمد بن علی اور جعفر بن محمد کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ آپ حضرات دمشق پہنچے وہاں ہشام نے آپ کو تین روز تک اذنِ حضوری نہیں دیا۔ چوتھے روز جب اچھی طرح دربار کو سجالیا۔ تو آپ کو بُلوا بھیجا۔ آپ حضرات جب داخلِ دربار ہوئے تو آپ کو ذلیل کرنے کے لیے آپ سے کہا کہ ہمارے تیر اندازوں کی طرح آپ بھی تیر اندازی کریں۔ حضرت امام محمد باقر نے فرمایا کہ میں ضعیف ہوگیا ہوں مجھے اس سے مُعاف رکھ، اُس نے قسم کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ پھر ایک تیر کمان آپ کو دلوا دی آپ نے ٹھیک نشانے پر تیر لگائے، یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اس کے بعد امام نے فرمایا، بادشاہ ہم معدنِ رسالت ہیں۔ ہمارا مقابلہ کسی امر میں کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ سُن کر ہشام کو غصہ آگیا۔ وہ بولا کہ آپ لوگ بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ آپ کے دادا علی بن ابی طالب نے غیب کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا بادشاہ قرآن مجید میں سب کچھ موجود ہے اور حضرت علی امام مبین تھے۔ انھیں کیا نہیں معلوم تھا۔ (جلاء العیون) ثقۃ الاسلام علامہ کلینی تحریر فرماتے ہیں کہ ہشام نے اہلِ دربار کو حکم دیا تھا کہ میں محمد بن علی (امام محمد باقر علیہ السلام) کو سرِ دربار ذلیل کروں گا۔ تم لوگ یہ کرنا کہ جب میں خاموش ہو جاؤں تو انھیں کلمات ناسزا کہنا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آخر میں حضرت نے فرمایا۔ بادشاہ یاد رکھ ہم ذلیل کرنے سے ذلیل نہیں ہو سکتے، خداوندِ عالم نے ہمیں جو عزت دی ہے، اُس میں ہم منفرد ہیں۔ یاد رکھ عاقبت کی شاہی متقین کے لیے ہے۔ یہ سُن کر ہشام نے فامر بہ الی الحبس آپ کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ قید کر دیئے گئے

قید خانہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے قیدیوں کے سامنے ایک معجزنما تقریر کی جس کے نتیجے میں قید خانہ کے اندر کہرامِ عظیم برپا ہوگیا۔ بالآخر قید خانہ کے داروغہ نے ہشام سے کہا کہ اگر محمد بن علی زیادہ دنوں قید رہے تو تیری مملکت کا نظام منقلب ہو جائے گا۔ ان کی تقریر قید خانہ سے باہر بھی اثر ڈال رہی ہے اور عوام میں ان کے قید ہونے سے بڑا جوش ہے۔ یہ سُن کر ہشام ڈر گیا اور اُس نے آپ کی رہائی کا حکم دیا اور ساتھ یہ بھی اعلان کرا دیا کہ نہ آپ کو کوئی مدینہ پہنچانے جائے اور نہ راستے میں آپ کو کوئی کھانا پانی دے، چنانچہ آپ تین روز کے بھوکے پیاسے داخلِ مدینہ ہوئے۔

وہاں پہنچ کر آپ نے کھانے پینے کی سعی کی، لیکن کسی نے کچھ نہ دیا۔ بازار ہشام کے حکم سے بند تھے یہ حال دیکھ کر آپ ایک پہاڑی پر گئے اور آپ نے اُس پر کھڑے ہو کر عذابِ الٰہی کا حوالہ دیا۔ یہ سُن کر

نے ان سب کو ہلاک کر دیا جو اُس وقت اس کنویں کے اندر تھے۔ کنویں کے اُوپر جو دیگر کام کرنے والے تھے۔ اُنھوں نے جب ان کی زندگی کے آثار مفقود پائے تو تفحص حال کے لیے چند اور آدمیوں کو کنویں میں اُتارا وہ بھی جاکر واپس نہ آئے۔

جب تمام اسٹاف کے دو تہائی کارکن ضائع ہوچکے اور اُن کی ہلاکت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی تو میر عمارت نے مجبور ہوکر کام بند کر دیا اور ہشام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض پرواز ہوا، اور سارا واقعہ اس سے بیان کیا۔ اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی تمام دربار میں سناٹا چھا گیا اور ہر ایک اپنی اپنی استعداد اور حیثیت کے مطابق اس کے اسباب اور بواعث ڈھونڈھنے لگا۔ آخرکار ہشام نے ایک تحقیقاتی جماعت کو مرتب کرکے موقع پر بھیجا مگر وہ بھی ناکام رہی اور یہ معلوم نہ کرسکی کہ اس میں جانے والے مر کیوں جاتے ہیں؟

ہشام اسی اضطراب اور پریشانی میں تھا کہ حج کا زمانہ آگیا، یہ دمشق سے چل کر مکہ معظمہ پہنچا اور وہاں پہنچ کر اُس نے ہر مکتب خیال کے رہنماؤں کو جمع کیا اور ان کے سامنے کنویں والا واقعہ بیان کیا اور اُن سے مشکل کشائی کی خواہش کی۔

بادشاہ کی عرضداشت سُن کر سب خاموش ہوگئے اور کافی سوچنے کے باوجود کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ ناگاہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام جو بادشاہ کی طرف سے مدعو تھے آپہنچے، اور آپ نے حالات سُن کر فرمایا میں موقع دیکھوں گا۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور واپس آکر آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ قوم عاد میں سے جو اہل احقاف تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، یہ جگہ انھیں کے معذب ہونے کی ہے اور یہ ریح عقیم جو زمین کے ساتویں طبقے سے نکل رہی ہے یہ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑے گی۔ لہٰذا اس جگہ کو فوراً بند کرا دے اور فلاں مقام پر کنواں کھود وا۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے ارشاد سے لوگوں کی جانیں بھی بچ گئیں اور کنواں بھی تیار ہوگیا۔ (حیوۃ القلوب جلد ۲ ومجمع البحرین ص۵۷۲ وماثر باقریہ ص۲۲) رسُولِ کریمؐ فرماتے ہیں کہ ان مقامات سے جلد دُور بھاگو جو معذوب ہوچکے ہیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی متاثر ہوجاؤ (مقدمہ ابن خلدون ص۱۲۵ طبع مصر)۔

علامہ رشید الدین ابوعبداللہ محمد بن علی بن شہر آشوب نے امام محمد باقر علیہ السّلام ہی جیسا واقعہ عہد مہدی عباسی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے متعلق لکھا ہے۔ (مناقب جلد ۵ ص۶۹)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کی دمشق میں طلبی

علامہ مجلسی اور سید ابن طاؤس رقمطراز ہیں کہ ہشام بن عبدالملک اپنے عہد حکومت کے آخری ایام میں حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ میں پہنچا۔ وہاں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السّلام بھی موجود تھے۔ ایک دن حضرت امام جعفر صادق

کہ ایک پیرِمرد بازار میں کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ بھائیو! سنو، یہی وہ جگہ ہے جس جگہ حضرت شعیب نبی نے کھڑے ہو کر عذابِ الٰہی کی خبر دی تھی اور عظیم ترین عذاب نازل ہوا تھا۔ میری بات مانو اور اپنے کو عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ یہ سن کر سب لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے لیے ہوٹلوں کے دروازے کھول دیئے۔ (اصول کافی) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام نے والیِ مدینہ ابراہیم بن عبدالملک کو لکھا کہ امام محمد باقر کو زہر سے شہید کر دے۔ (جلاء العیون صفحہ ۲۶۲)۔

کتاب الخرائج والجرائح میں علامہ راوندی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام بن عبدالملک نے زید بن حسن کے ساتھ باہمی سازش کے ذریعہ امام علیہ السلام کو دوبارہ دمشق میں طلب کرنا چاہا۔ لیکن والیِ مدینہ کی ہمنوائی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ارادہ سے باز آیا۔ اُس نے تبرکاتِ رسالتؐ جبراً طلب کیے اور امام علیہ السلام نے بروایتے ارسال فرما دیئے۔"

دمشق سے روانگی اور ایک راہب کا مسلمان ہونا

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قیدخانۂ دمشق سے رہا ہو کر مدینہ کو تشریف لیے جا رہے تھے کہ ناگاہ راستے میں ایک مقام پر مجمع کثیر نظر آیا۔ آپ نے تفحص حال کیا تو معلوم ہوا کہ نصاریٰ کا ایک راہب ہے جو سال میں صرف ایک بار اپنے معبد سے نکلتا ہے۔ آج اس کے نکلنے کا دن ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس مجمع میں عوام کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے، راہب جو انتہائی ضعیف تھا، مقررہ وقت پر برآمد ہوا۔ اور اُس نے چاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد امام علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر بولا (۱) کیا آپ ہم میں سے ہیں فرمایا میں اُمتِ محمدیہؐ سے ہوں (۲) آپ علماء سے ہیں یا جہلا سے۔ فرمایا میں جاہل نہیں ہوں۔ (۳) آپ مجھ سے کچھ دریافت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ فرمایا نہیں (۴) جب کہ آپ عالموں میں سے ہیں کیا؟ میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، فرمایا ضرور پوچھیے۔

یہ سن کر راہب نے سوال کیا (۱) شب و روز میں وہ کونسا وقت ہے، جس کا شمار نہ دن میں ہو نہ رات میں، فرمایا وہ سورج کے طلوع سے پہلے کا وقت ہے۔ جس کا شمار دن اور رات دونوں میں نہیں۔ وہ وقت جنت کے اوقات میں سے ہے اور ایسا متبرک ہے کہ اس میں بیماروں کو ہوش آ جاتا ہے۔ درد کو سکون ہوتا ہے۔ جو رات بھر نہ سو سکے اُسے نیند آتی ہے۔ یہ وقت آخرت کی طرف رغبت رکھنے والوں کے لیے خاص الخاص ہے (۲) آپ کا عقیدہ ہے کہ جنت میں پیشاب و پاخانہ کی ضرورت نہ ہو گی کیا؟ دنیا میں اس کی کوئی مثال ہے۔ فرمایا بطنِ مادر میں جو بچے پرورش پاتے ہیں۔ ان کا فضلہ خارج نہیں ہوتا (۳) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کھانے سے بہشت کا میوہ کم نہ ہو گا اس کی یہاں کوئی مثال ہے، فرمایا "ہاں"۔ ایک چراغ سے لاکھوں چراغ جلائے جائیں تب بھی پہلے

چراغ کی روشنی میں کمی نہ ہوگی (۴) وہ کون سے دو بھائی ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے اور ایک ساتھ مرے لیکن ایک کی عمر پچاس سال کی ہوئی اور دوسرے کی ڈیڑھ سو سال کی، فرمایا "عزیز اور عزیر پیغمبر ہیں یہ دونوں دنیا میں ایک ہی روز پیدا ہوئے اور ایک ہی روز مرے۔ پیدائش کے بعد تیس برس تک ساتھ رہے۔ پھر خدا نے عزیر نبی کو مار ڈالا (جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) اور سو برس کے بعد پھر زندہ فرمایا۔ اس کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ اور زندہ رہے اور پھر ایک ہی روز دونوں نے انتقال کیا۔

یہ سن کر راہب اپنے ماننے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ جب تک یہ شخص شام کے حدود میں موجود ہے میں کسی کے سوال کا جواب نہ دوں گا۔ سب کو چاہیئے کہ اسی عالم زمانہ سے سوال کرے اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ (جلاء العیون ص۲۶۱ طبع ایران ۱۳۰۱ھجری)۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت

آپ اگرچہ اپنے علمی فیوض و برکات کی وجہ سے اسلام کو برابر فروغ دے رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ہشام بن عبدالملک نے آپ کو زہر کے ذریعہ سے شہید کرا دیا اور آپ بتاریخ ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھجری یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (کشف الغمہ ص۹۳ جلاء العیون ص۲۶۴ جنات الخلود ص۲۶ دمعہ ساکبہ ص۴۴۹، انوار الحسینیہ ص۴۸ شواہد النبوت ص۱۸۱ روضۃ الشہداء ص۴۳۴)۔

علامہ شبلنجی اور علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں "مات مسموما کابیہ" آپ اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام ہی کی طرح زہر سے شہید کر دیئے گئے۔ (نور الابصار ص۱۳۱ وصواعق محرقہ ص۱۲۰) آپ کی شہادت ہشام کے حکم سے ابراہیم بن ولید والئ مدینہ کی زہر خورانی کے ذریعہ واقع ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک کی مرسلہ زہر آلود زین کے ذریعہ سے واقع ہوئی تھی۔ (جنات الخلود ص۲۶ دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص۴۷۸)۔

شہادت سے قبل آپ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہت سی چیزوں کے متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ بیٹا میرے کانوں میں میرے والد ماجد کی آوازیں آ رہی ہیں۔ وہ مجھے جلد بلا رہے ہیں (نور الابصار ص۱۳۱) آپ نے غسل و کفن کے متعلق خاص طور سے ہدایت کی کیونکہ امام را جز امام معصوم امام کو امام ہی غسل دے سکتا ہے۔ (شواہد النبوت ص۱۸۱ علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی وصیتوں میں یہ بھی کہا کہ ۸۰۰ درہم میری عزاداری اور میرے ماتم پر صرف کرنا اور ایسا انتظام کرنا کہ دس سال تک منیٰ میں بزمانہ حج میری مظلومیت کا ماتم کیا جائے۔ (جلاء العیون ص۲۶۴) علماء کا

۸

ابو عبداللہ

حضرت

امام جعفر صادق

علیہ السلام

اسی جمال کی ہیں شرح گویا جعفر صادقؑ — لقب جسکا کتاب اللہ میں ختم نبوت ہے
بنائے سب سے پہلے فقہ کے آئین مولا نے — انہیں کے دم سے قائم آج اسلامی شریعت ہے

(صابر تھانیانی (کراچی))

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۸

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام

صادق آلِ محمدؐ وہ امام سادس — زیب سر جس کے امامت کا ہے موروثی تاج
ہے یہ مولود جگر بند محمدؐ باقرؑ — خانہ ہستی بدعت کو کرے گا تاراج

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھٹے جانشین اور سلسلہ عصمت کی آٹھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام تھے۔ اور والدہ ماجدہ جناب ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ آپ اپنے آبا و اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ، اور افضل کائنات تھے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام افضل و اکمل تھے۔ اسی بنا پر آپ اپنے باپ کے خلیفہ اور وصی قرار پائے (صواعق محرقہ صنہ ۱۲۰) علامہ ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سادات اہلبیت سے تھے وفضلہ "اشہران یذکر" ان کی افضلیت اور ان کا فضل وکرم محتاج بیان نہیں (وفیات الاعیان جلد ا صنہ ۱۰۵) امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر جلد ۵ صنہ ۴۲۹ و جلد ۶ صنہ ۷۸۳ طبع مصر بحوالہ آیہ تطہیر اور عارف صمدانی علی ہمدانی کی مودۃ القربیٰ صنہ ۳۴ طبع بمبئی ۱۳۱۰ھ اور شاہ عبد العزیز کی تحفہ اثنا عشریہ طعن ۱۳ صنہ ۴۳۹ طبع لکھنؤ ۱۳۰۹ھ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح معصوم اور محفوظ تھے۔ (دراسات اللبیب صنہ ۲۰ میں ہے کہ آپ نے ابتداء عمر سے آخر عمر تک کوئی گناہ نہیں کیا اور اسی کو معصوم اور محفوظ کہتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام خود ارشاد فرماتے ہیں نحن قوم معصومون، ہم ہیں وحی خدا کے ترجمان، ہم ہیں علم خدا کے خزینہ دار اور ہم ہی لوگ معصوم ہیں۔ خدا نے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے اور ہماری معصیت سے دنیا والوں کو روکا ہے۔ (اعلام الوریٰ صنہ ۱۶۹) علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ اہلبیت اور سادات کی عظیم ترین فرد تھے اور آپ مختلف قسم کے علوم سے بھرپور تھے۔ آپ ہی سے قرآن مجید کے معانی کے چشمے پھوٹتے رہے ہیں آپ کے بحر علم سے علوم کے موتی رولے جاتے تھے۔ آپ ہی سے علمی عجائب و کمالات کا ظہور د

انکشاف ہوا ہے۔ (مطالب السئول ص۲۷۳) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ علماء نے آپ سے اس درجہ نقل علوم کیا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ آپ کا آوازہ علم تمام امصار و دیار میں پھیلا ہوا تھا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۱) ملا جامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے علوم کا احاطہ فہم و ادراک سے بلند ہے۔ (شواہد النبوت ص۱۸۱)۔ علامہ مصر شیخ محمد خضری بک لکھتے ہیں کہ ان سے امام مالک بن انس، امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء مدینہ نے روایت کی ہے۔ مگر امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ (تاریخ فقہ ص۲۷۳ طبع کراچی)۔ شاید اسی وجہ سے صحیح بخاری، صحاح ستہ میں سب سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ دیگر صحاح میں آل محمد علیہم السلام سے بھی روایات لی گئی ہیں۔ ضرورت تھی کہ ان صحاح کو بخاری سے بلند درجہ دیا جاتا، مگر ایسا نہیں ہے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

آپ کی ولادتِ باسعادت

آپ بتاریخ ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ ہجری مطابق ۷۰۲ء یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (ارشاد مفید فارسی ص۴۱۳ اعلام الوریٰ ص۱۵۹ جامع عباسی ص۶۰ وغیرہ) آپ کی ولادت کی تاریخ کو خداوند عالم نے بڑی عزت دے رکھی ہے۔ احادیث میں ہے کہ اس تاریخ کو روزہ رکھنا ایک سال کے روزہ کے برابر ہے۔ ولادت کے بعد ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا یہ فرزند ان چند مخصوص افراد میں سے ہے جن کے وجود سے خدا نے بندوں پر احسان فرمایا ہے اور یہی میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔ (جنات الخلود ص۲۷) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب آپ بطن مادر میں تھے تب کلام فرمایا کرتے تھے ولادت کے بعد آپ نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا آپ بھی ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے ہیں۔ (جلاء العیون ص۲۶۵)۔ آپ تمام نبوتوں کے خلاصہ تھے [1]

اسم گرامی کنیت۔ القاب

آپ کا اسم گرامی جعفر، آپ کی کنیت ابو عبداللہ ابو اسمٰعیل اور آپ کے القاب، صادق، صابر، فاضل طاہر وغیرہ ہیں۔ علامہ مجلسی رقمطراز ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی ظاہری زندگی میں حضرت جعفر بن محمد کو لقب صادق سے موسوم و ملقب فرمایا تھا اور اس کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ اہل آسمان کے نزدیک آپ کا لقب پہلے ہی سے "صادق" تھا۔ (جلاء العیون ص۲۶۴) علامہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ صدق مقال کی وجہ سے آپ کے نامِ نامی کا جزو "صادق" قرار پایا ہے۔ (وفیات الاعیان جلد ۱ ص۱۰۵)۔

"جعفر" کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ جنت میں جعفر نامی ایک شیریں نہر ہے اسی کی مناسبت سے آپ کا یہ لقب رکھا گیا ہے۔ چونکہ آپ کا فیض عام نہر جاری کی طرح تھا۔ اسی لیے

[1] ...یب الاسماء جلد ۱ ص۱۵۵ [2] نجوم زاہرہ جلد ۲ [3] کلام بغدادی ص۱۳

اس لقب سے ملقب ہوئے۔ (ارجح المطالب ص۴۶۱ بحوالہ تذکرۃ الخواص الامۃ)۔

امام اہلِ سنت علامہ وحید الزمان حیدر آبادی تحریر فرماتے ہیں، جعفر، چھوٹی نہر یا بڑی واسع (کشادہ) امام جعفر صادق مشہور امام ہیں۔ بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہہ اور حافظ تھے امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے شیخ (حدیث) ہیں اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے۔ جو کہتے ہیں۔ "فی منہ شئی و مجالد احب الی منہ" میرے دل میں امام جعفر صادق کی طرف سے خلش ہے۔ میں ان سے بہتر مجالد کو سمجھتا ہوں۔ حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے؟ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے اہل سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو آئمہ اہل بیت سے کچھ محبت اور اعتقاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے کہ مروان اور عمران بن خطان اور کئی خوارج سے تو انھوں نے روایت کی اور امام جعفر صادق سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔ (انوار اللغۃ پارہ ۵ ص۴۷ طبع حیدر آباد دکن)۔

علامہ ابن حجر مکی اور علامہ شبلنجی رقمطراز ہیں کہ اعیان آئمہ میں سے ایک جماعت مثل یحییٰ بن سعید ابن جریح، امام مالک، امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام ابوحنیفہؒ ایوب سجستانی نے آپ سے حدیث اخذ کی ہے، ابو حاتم کا قول ہے کہ امام جعفر صادق ایسے ثقہ میں لایسئل عنہ مثلہ کہ آپ ایسے شخصوں کی نسبت کچھ تحقیق اور استفسار و تفحص کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ ریاست کی طلب سے بے نیاز تھے اور ہمیشہ عبادت گزاری میں بسر کرتے رہے، عمر ابن مقدام کا کہنا ہے کہ جب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھتا ہوں تو مجھے معاً خیال ہوتا ہے کہ یہ جوہر رسالت کی اصل و بنیاد ہیں۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰ نور الابصار ص۱۳۱ حلیۃ الابرار تاریخ آئمہ ص۴۳۳)۔

بادشاہان وقت

آپ کی ولادت ۸۳ ھجری میں ہوئی ہے اس وقت عبد الملک بن مروان بادشاہ وقت تھا پھر ولید، سلیمان، عمر بن عبد العزیز، یزید بن عبد الملک، ہشام بن عبد الملک، ولید ابن یزید بن عبد الملک، یزید الناقص، ابراہیم ابن ولید، اور مروان الحمار۔ علی الترتیب خلیفہ مقرر ہوئے۔ مروان الحمار کے بعد سلطنت بنی امیہ کا چراغ گل ہو گیا اور بنی عباس نے حکومت پر قبضہ کر لیا، بنی عباس کا پہلا بادشاہ ابو العباس، سفاح اور دوسرا منصور دوانقی ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو (اعلام الوری) تاریخ ابن الوردی و تاریخ آئمہ ص۴۳۶) اسی منصور نے اپنی حکومت کے دو سال گزرنے کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کو زہر سے شہید کر دیا۔ (انوار الحسینیہ جلد ص۵۰)۔

عبدالملک بن مروان کے عہد میں آپ کا ایک مناظرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بے شمار علمی مناظرے فرمائے ہیں، آپ نے دہریوں، قدریوں کافروں اور یہود و نصاریٰ کو ہمیشہ شکست فاش دی ہے۔ کسی ایک مناظرہ میں بھی آپ پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر سکا۔ عہد عبدالملک ابن مروان کا ذکر ہے کہ ایک قدریہ مذہب کا مناظر اس کے دربار میں آکر علماء سے مناظرہ کا خواہشمند ہوا۔ بادشاہ نے حسب عادت اپنے علماء کو طلب کیا اور اُن سے کہا کہ اس قدریہ مناظر سے مناظرہ کرو۔ علماء نے اُس سے کافی زور آزمائی کی۔ مگر وہ میدان مناظرہ کا کھلاڑی ان سے نہ ہار سکا۔ اور تمام علماء عاجز آگئے۔ اِسلام کی شکست ہوتے ہوئے دیکھ کر عبدالملک ابن مروان نے فوراً ایک خط حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا اور اس میں تاکید کی کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں جب اس کا خط پہنچا تو آپ نے اپنے فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا کہ بیٹا میں ضعیف ہو چکا ہوں تم مناظرہ کے لیے شام چلے جاؤ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار کے حسب الحکم مدینہ سے روانہ ہو کر شام پہنچ گئے۔

عبدالملک ابن مروان نے جب امام محمد باقر علیہ السلام کے بجائے امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا تو کہنے لگا کہ آپ ابھی کم سن ہیں اور وہ بڑا پرانا مناظر ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اور علماء کی طرح شکست کھا جائیں۔ اس لیے مناسب نہیں کہ مجلس مناظرہ پھر منعقد کی جائے۔ حضرت نے فرمایا، بادشاہ تو گھبرا نہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو میں صرف چند منٹ میں مناظرہ ختم کر دوں گا۔ آپ کے ارشاد کی تائید درباریوں نے بھی کی اور موقعہ مناظرہ پر فریقین آگئے۔

چونکہ قدریوں کا اعتقاد ہے کہ بندہ ہی سب کچھ ہے، خدا کو بندوں کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں۔ اور نہ خدا کچھ کر سکتا ہے یعنی خدا کے حکم اور قضا و قدر و ارادہ کو بندوں کے کسی امر میں دخل نہیں۔ لہذا حضرت نے اس کی پہل کرنے کی خواہش پر فرمایا کہ میں تم سے صرف ایک بات کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم "سورۂ حمد" پڑھو، اس نے پڑھنا شروع کیا۔ جب وہ "ایاك نعبد وایاك نستعین" پر پہنچا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ میں صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور بس تجھی سے مدد چاہتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا، ٹھہر جاؤ اور مجھے اس کا جواب دو کہ جب خدا کو تمہارے اعتقاد کے مطابق تمہارے کسی معاملہ میں دخل دینے کا حق نہیں تو پھر تم اس سے مدد کیوں مانگتے ہو، یہ سُن کر وہ خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ بالآخر مجلس مناظرہ برخاست ہو گئی اور بادشاہ بے حد خوش ہوا (تفسیر بُرہان جلد ۱ صـ۲۳)۔

ابوشاکر دیصانی کا جواب

ابوشاکر دیصانی جولا مذہب تھا حضرت سے کہنے لگا کیا آپ خدا کا تعارف کرا سکتے ہیں اور اس کی طرف میری رہبری فرما سکتے ہیں۔ آپ نے ایک طاؤس کا انڈا ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ دیکھو اس کی بالائی ساخت پر غور کرو، اور اندر کی بہتی ہوئی زردی اور سفیدی کو بنظر غائر دیکھو اور اس پر توجہ دو کہ اس میں رنگ برنگ کے طائر کیوں کر پیدا ہو جاتے ہیں کیا تمہاری عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ اس انڈے کا اچھوتے انداز میں بنانے والا اور اس سے پیدا کرنے والا کوئی ہے، یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور دہریت سے باز آیا۔

اسی دیصانی کا ذکر ہے کہ اس نے ایک دفعہ آپ کے صحابی ہشام بن حکم کے ذریعہ سے سوال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے؟ کہ خدا ساری دنیا کو ایک انڈے میں سمو دے اور نہ انڈا بڑھے نہ دنیا گھٹے، آپ نے فرمایا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے کہا کوئی مثال؟ فرمایا مثال کے لیے مردمک چشم آنکھ کی چھوٹی پتلی کافی ہے۔ اس میں ساری دنیا سما جاتی ہے، نہ پتلی بڑھتی ہے نہ دنیا گھٹتی ہے۔ اصول کافی ص۴۳ جامع الاخبار)۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام اور حکیم ابن عیاش کلبی

ہشام بن عبدالملک بن مروان کے عہد حیات کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حکیم بن عیاش کلبی آپ لوگوں کی ہجو کیا کرتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اگر تجھ کو اس کا کچھ کلام یاد ہو تو بیان کر۔ اس نے دو شعر سنائے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے زید کو شاخ درخت خرمہ پر سولی دے دی۔ حالانکہ ہم نے نہیں دیکھا کوئی مہدی دار پر چڑھایا گیا ہو اور تم نے اپنی بیوقوفی سے علی کو عثمان کے ساتھ قیاس کر لیا حالانکہ علی سے عثمان بہتر اور پاکیزہ تھے۔ یہ سن کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے دعا کی بار الٰہا اگر یہ حکیم کلبی جھوٹا ہے تو اس پر اپنی مخلوق میں سے کسی درندے کو مسلط فرما۔ چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور حکیم کلبی کو راہ میں شیر نے ہلاک کر دیا۔ (اصابہ ابن حجر عسقلانی جلد ۲ ص۸۰)۔ ملا جامی تحریر کرتے ہیں کہ جب حکیم کلبی کے ہلاک ہونے کی خبر امام جعفر صادق علیہ السلام کو پہنچی تو انھوں نے سجدہ میں جا کر کہا کہ اس خدائے بزرگ کا شکر ہے جس نے ہم سے جو وعدہ فرمایا اسے پورا کیا۔ (شواہد النبوت، صواعق محرقہ ص۱۲۱ و نور الابصار ص۱۴۷)۔

۱۱۳ھ میں امام جعفر صادق کا حج

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ نے ۱۱۳ھ میں حج کیا اور وہاں خدا سے دعا کی، خدا نے بلا فصل انگور اور دو بہترین ردائیں بھجوائیں۔ آپ نے انگور خود بھی کھایا اور لوگوں کو بھی کھلایا اور ردائیں ایک سائل کو دے دیں۔

اِس واقعہ کی مختصر الفاظ میں تفصیل یہ ہے کہ بعث بن سعد سنہ مذکورہ میں حج کے لیے گئے وہ نمازِ عصر پڑھ کر ایک دن کوہ ابوقبیس پر گئے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ایک نہایت مقدس شخص مشغول نماز ہے، پھر نماز کے بعد وہ سجدہ میں گیا اور یارب یارب کہہ کر خاموش ہوگیا۔ پھر یاحیُّ یاحیُّ کہا اور چپ ہوگیا۔ پھر یارحیم یارحیم کہا اور خاموش ہوگیا۔ پھر یاارحم الراحمین کہہ کر چپ ہوگیا۔ پھر بولا خدایا مجھے انگور چاہیئے اور میری ردا بوسیدہ ہوگئی ہے۔ دو ردائیں درکار ہیں۔ راوی حدیث بلعث کہتا ہے کہ یہ الفاظ ابھی تمام نہ ہوئے تھے کہ ایک تازہ انگوروں سے بھری ہوئی زنبیل آموجود ہوئی در اس پر دو بہترین چادریں رکھی ہوئی تھیں۔ اس عابد نے جب انگور کھانا چاہا تو میں نے عرض کی حضور میں آمین کہہ رہا تھا۔ مجھے بھی کھلایئے۔ اُنھوں نے حکم دیا میں نے کھانا شروع کیا۔ خدا کی قسم ایسے انگور ساری عمر خواب میں بھی نظر نہ آئے تھے۔ پھر آپ نے ایک چادر مجھے دی۔ میں نے کہا مجھے ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک چادر پہن لی اور ایک اوڑھ لی پھر پہاڑ سے اُتر کر مقام سعی کی طرف گئے۔ میں اُن کے ہمراہ تھا۔ راستے میں ایک سائل نے کہا۔ مولا مجھے چادر دیجئے۔ خدا آپ کو جنت کے لباس سے آراستہ کرے گا۔ آپ نے فوراً دونوں چادریں اس کے حوالہ کردیں میں نے اس سائل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اُس نے کہا امام زمانہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ سُن کر میں ان کے پیچھے دوڑا کہ ان سے مل کر کچھ استفادہ کروں۔ لیکن پھر وہ مجھے نہ مل سکے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۱ وکشف الغمہ ص۹۶ مطالب السؤل ص۲۷۷)۔

ولید بن یزید اور آلِ محمدؐ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو ۱۱۴ھ میں شہید کرنے کے بعد ہشام بن عبدالملک بن مروان ۱۲۵ھ میں واصل جہنم ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت بنایا گیا، یہ خلیفہ، اوباش، اخلاقی اوصاف سے معرا بے شرم منہیات کا مرتکب، نہایت فاسق و فاجر اور عیاش تھا مے نوشی اور لواطت میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ نہایت جبار اور کینہ ور، جس ہانڈی میں کھاتا اُسی میں سوراخ کرتا یہ اپنے باپ کی کنیزوں کو بھی استعمال کیا کرتا تھا۔ ایک دن اُس کی جمیلہ لڑکی ایک خادمہ کے پاس بیٹھی تھی اس نے اُسے پکڑلیا اور اُس کی بکارت زائل کردی خادمہ نے کہا کہ یہ تو مجوس کا کام ہے اُس نے جواب دیا کہ ملامت کا خیال کرنے والے مغموم مرجاتے ہیں۔ ایک دن حج کے زمانہ میں یہ خانہ کعبہ کی چھت پر مے نوشی کے لیے بھی گیا تھا۔ تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن اُس نے قرآن مجید سے فال کھولی۔ اس میں آیہ "خاب کل جبار عنید" نکلا یہ دیکھ کر اس نے غصہ میں

قرآن مجید کو پھینک دیا۔ پھر اُسے معلق کر کے تیروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور کہا اے قرآن جب خدا کے پاس جانا تو کہہ دینا "مزقنی الولید" مجھے ولید نے پارہ پارہ کیا ہے۔ ایک دن ولید اپنی ایک کنیز کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اتنے میں اذان کی آواز کان میں آئی۔ یہ فوراً مباشرت میں مشغول ہوا جب لوگوں نے نماز پڑھانے کے لیے کہا تو اس کنیز کو اپنا لباس پہنا کر شراب کے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں بھیج دیا اور اس نے نماز پڑھا دی۔ (تاریخ خمیس حبیب السیر حجج الکرامہ صدیق حسن) یہ ظاہر ہے کہ جو دین و ایمان، نماز و مسجد اور قرآن مجید کا احترام نہ کرتا ہو وہ آلِ محمدؐ کا کیا احترام کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے مختصر عہد میں اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی، تاریخ میں ہے کہ حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے جناب یحییٰ کو اس کے عہد میں بری طرح شہید کیا گیا، اور اُن کا سر ولید کے دربار میں لایا گیا اور جسم خراسان میں سولی پر لٹکایا گیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۵۴)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
اور
جناب ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی

فرزند رسول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جو عالم علم لدنی تھے، آپ کے فیض صحبت سے اربابِ عقل نے علوم حاصل کیے۔ آپ ہی کی ایک کنیز حسینیہ کا ذکر زبان زد خواص و عوام ہے کہ اس نے بادشاہ وقت کے دربار میں چالیس علماء اسلام کو چپ کر کے دم بخود کر دیا تھا۔ آپ ہی کے فیضِ صحبت سے جناب نعمان بن ثابت نے علمی مدارج حاصل کیے تھے "اور یہ آپ نے بیعت عظیمہ ہے"۔ (حدائق الحنفیہ ص ۲)

جناب نعمان بن ثابت ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو حنیفہ تھی۔ آپ عجمی النسل تھے۔ آپ کو ہارون الرشید عباسی کے عہد میں کافی عروج حاصل ہوا۔ (تاریخ صغیر بخاری ص ۱۷۴ و سیرۃ النعمان شبلی ص ۱۷) آپ کو ہشام بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں "امام اعظم" کا خطاب ملا۔ جب کہ انھوں نے ۱۲۲ھ میں جناب زید شہید کی بیعت کی اور . . . حکومت کی مخالفت کرکے موافقت کی تھی۔ کتاب مصفیٰ شرح موطا میں ہے کہ اکابر محدثین مثل احمد بخاری، امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ نے آپ کی روایت پر بھروسہ نہیں کیا۔ آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ (تاریخ صغیر ص ۱۷۴) اسی تاریخ صغیر میں بروایت نعیم بن حماد مروی ہے کہ میں سفیان ثوری کی خدمت میں حاضر تھا کہ ناگہاں ابو حنیفہ صاحب کی خبر وفات سنی گئی، تو سفیان نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ یہ شخص اسلام کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور کرتا تھا۔ ما ولد فی الاسلام اشأم

مثلہ۔ اسلام میں اس سے زیادہ شوم کوئی پیدا نہیں ہوا۔

امام ابوحنیفہ کی شاگردی کا مسئلہ

یہ تاریخی مسلمات سے ہے کہ جناب امام ابوحنیفہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ لیکن علامہ تقی الدین ابن تیمیہ نے ہمعصر ہونے کی وجہ سے اس میں منکرانہ شبہہ ظاہر کیا ہے۔ ان کے شبہہ کو شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے رد کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے "ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے امام محمد باقر کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا، جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے، ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معاصر اور ہمعصر تھے اس لیے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت۔ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں۔ "وصاحب البیت ادری بما فیہا"۔ گھر والے ہی گھر کی تمام چیزوں سے واقف ہوتے ہیں۔ (سیرۃ النعمان ص۴۵ طبع آگرہ)

جناب ابوحنیفہ کا امتحان

تواریخ میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اکثر حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت حاضر ہوا کرتے تھے اور یہ ہوتا رہتا تھا کہ آپ ان کا امتحان لے کر انھیں فائدہ پہنچا دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب ابوحنیفہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ اے ابوحنیفہ میں نے سنا ہے کہ تم مسائل دینیہ میں "قیاس" سے کام لیا کرتے ہو، عرض کی جی ہاں ہے تو ایسا ہی آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ کیونکہ "اول من قیاس ابلیس"۔ دین میں قیاس کرنا ابلیس کا کام ہے اور اسی نے قیاس کی بہل کی ہے۔ ایک دفعہ آپ نے پوچھا کہ اے ابوحنیفہ یہ بتاؤ کہ خداوند عالم نے، آنکھوں میں نمکینی، کانوں میں تلخی، ناک کے نتھنوں میں رطوبت اور لبوں میں شیرینی کیوں پیدا کی؟ انھوں نے بہت غور و خوض کے بعد کہا، یا حضرت، اس کا مجھے علم نہیں، آپ نے فرمایا۔ اچھا مجھ سے سنو، آنکھیں چربی کا ڈھیلا ہیں۔ اگر ان میں شوریت اور نمکینی نہ ہوتی تو پگھل جاتیں کانوں میں تلخی اس لیے ہے کہ کیڑے مکوڑے نہ گھس جائیں۔ ناک میں رطوبت اس لیے ہے کہ سانس کی آمد و رفت میں سہولت ہو اور خوشبو اور بدبو محسوس ہو۔ لبوں میں شیرینی اس لیے ہے کہ کھانے پینے میں لذت آئے۔

لہ یہ واقعہ ہے کہ ابوحنیفہ کو خود اعتراف تھا کہ ان سے بڑا کوئی عالم نہیں (مناقب ابوحنیفہ ج ۱ ص۱۷۳)

پھر آپ نے پُوچھا وہ کونسا کلمہ ہے جس کا پہلا حصّہ کفر اور دوسرا ایمان ہے۔ انھوں نے عرض کی مجھے علم نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ وہ وُہی کلمہ ہے۔ جو تُم رات دن پڑھا کرتے ہو یعنی لا الٰہ کُفر اور الا اللہ ایمان ہے۔

پھر آپ نے پوچھا کہ عورت کمزور ہے یا مرد، نیز یہ کہ حالتِ حمل میں عورت کو خونِ حیض کیوں نہیں آتا۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو معلوم ہے کہ عورت کمزور ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ اسے عالمِ حمل میں حیض کیوں نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر عورت کمزور ہے تو کیا وجہ ہے کہ میراث میں اس کو ایک حصّہ اور مرد کو دو حصّہ دیا جاتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عورت کا نفقہ مرد پر ہے اور حصولِ آذوقہ اسی کے ذمہ ہے اس لیے اُسے دوہرا دیا گیا، اور عورت کو عالمِ حمل میں خونِ حیض اس لیے نہیں آتا کہ وہ بچے کے پیٹ میں داخل ہو کر غذا بن جاتا ہے۔

ابنِ خلکان لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت کی خدمت میں جناب ابوحنیفہ صاحب تشریف لائے تو آپ نے پوچھا۔ اے ابوحنیفہ تم اُس محرم کے باب میں کیا فتویٰ دیتے ہو جس نے حج کے لیے احرام باندھنے کے بعد ہرن کے وہ دانت توڑ ڈالے ہوں جن کو رُباعی کہتے ہیں" فقال یا ابن رسول ما اعلم ما فیہ"۔ عرض کی فرزندِ رسُول مجھے اس کا حکم معلوم نہیں" فقال انت تداھر ولا تعلم"۔ آپ نے فرمایا کہ اسی علمیت پر فخر کرتے اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہو، تمھیں یہ تک معلوم نہیں کہ ہرن کے رباعیہ ہوتے ہی نہیں۔ (المصائد ص۲۰۲)۔

پھر آپ نے پُوچھا کہ یہ بتاؤ کہ عقلمند کون ہے؟ انھوں نے عرض کی جو اچھے بُرے کی پہچان کرے اور دوست و دُشمن میں تمیز کر سکے"۔ آپ نے فرمایا کہ یہ صفت اور تمیز تو جانوروں میں بھی ہوتی ہے۔ وہ بھی پیار کرتے اور مارتے ہیں۔ یعنی اچھے بُرے کو جانتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا پھر آپ ہی فرمائیں۔ آپ نے ارشاد کیا کہ عقلمند وہ ہے جو دو نیکیوں اور دو بُرائیوں میں یہ امتیاز کر سکے کہ کون سی نیکی ترجیح دینے کے قابل اور دو بُرائیوں میں کون سی بُرائی کم اور کون زیادہ ہے۔ (حیواۃ الحیوان دمیری جلد ۲ ص۸۵-۸۶ تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص۱۰۵ مناقب ابنِ شہر آشوب ص۲۱ نور الابصار ص۱۳۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعض نصائح و ارشادات

علامہ شبلنجی تحریر فرماتے ہیں (۱) سعید وہ ہے جو تنہائی میں اپنے کو لوگوں سے بے نیاز اور خدا کی طرف جھکا ہوا پائے (۲) جو شخص کسی برادرِ مومن کا دل خوش کرتا ہے، خداوندِ عالم اس کے لیے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کی طرف سے عبادت کرتا ہے اور قبر میں مونسِ تنہائی، قیامت میں ثابت قدمی کا باعث۔ منزلِ شفاعت میں شفیع اور جنّت میں پہنچانے میں رہبر ہوگا (۳) نیکی کا

تکملہ یعنی کمال یہ ہے کہ اس میں جلدی کرو، اور اُسے کم سمجھو، اور چھپا کے کرو (۴) عمل خیر نیک نیتی سے کرنے کو سعادت کہتے ہیں (۵) توبہ میں تاخیر نفس کا دھوکا ہے (۶) چار چیزیں ایسی ہیں جن کی قلت کو کثرت سمجھنا چاہیئے ۱ آگ ۲ دُشمنی ۳ فقیری ۴ مرض (۷) کسی کے ساتھ بیس۲۰ دن رہنا عزیزداری کے مترادف ہے (۸) شیطان کے غلبہ سے بچنے کے لیے لوگوں پر احسان کرو (۹) جب اپنے کسی بھائی کے وہاں جاؤ تو صدر مجلس میں بیٹھنے کے علاوہ اس کی ہر نیک خواہش کو مان لو (۱۰) لڑکی (رحمت) نیکی ہے اور لڑکا نعمت ہے۔ خدا ہر نیکی پر ثواب دیتا ہے اور ہر نعمت پر سوال کرے گا (۱۱) جو تمھیں عزت کی نگاہ سے دیکھے تم بھی اُس کی عزت کرو، اور جو ذلیل سمجھے اُس سے خودداری برتو (۱۲) بخشش سے روکنا خدا سے بدظنی ہے۔ (۱۳) دُنیا میں لوگ باپ دادا کے ذریعہ سے متعارف ہوتے ہیں اور آخرت میں اعمال کے ذریعہ سے پہچانے جائیں گے۔ (۱۴) انسان کے بال بچے اُس کے اسیر اور قیدی ہیں نعمت کی وُسعت پر انھیں وُسعت دینی چاہیے ورنہ زوال نعمت کا اندیشہ ہے (۱۵) جن چیزوں سے عزت بڑھتی ہے ان میں تین یہ ہیں ۱ ظالم سے بدلہ نہ لے ۲ اس پر کرم گُستری جو مخالف ہو ۳ جو اس کا ہمدرد نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہمدردی کرے (۱۶) مومن وہ ہے جو غصہ میں جادۂ حق سے نہ ہٹے اور خوشی سے باطل کی پیروی نہ کرے (۱۷) جو خُدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت کرے گا مستغنی رہے گا (۱۸) جو دوسروں کی دولت مندی پر للچائی نظریں ڈالے گا، وہ ہمیشہ فقیر رہے گا (۱۹) جو راضی برضائے خدا نہیں وہ خدا پر اتہام تقدیر لگا رہا ہے (۲۰) جو اپنی لغزش کو نظر انداز کرے گا وہ دوسروں کی لغزش کو بھی نظر میں نہ لائے گا (۲۱) جو کسی کو بے پردہ کرنے کی سعی کرے گا خود برہنہ ہو جائے گا (۲۲) جو کسی پر ناحق تلوار کھینچے گا تو نتیجہ میں خود مقتول ہوگا (۲۳) جو کسی کے لیے کنواں کھودے گا خود اس میں گرے گا "چاہ کن را چاہ درپیش" (۲۴) جو شخص بے وقوفوں سے راہ و رسم رکھے گا، ذلیل ہوگا۔ جو علماء کی صحبت حاصل کرے گا عزت پائے گا، جو بُری جگہ دیکھا جائے گا، بدنام ہوگا (۲۵) حق گوئی کرنی چاہیے خواہ وہ اپنے لیے مفید ہو یا مُضر (۲۶) چغل خوری سے بچو کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں دُشمنی اور عداوت کا بیج بوتی ہے (۲۷) اچھوں سے ملو، بُروں کے قریب نہ جاؤ۔ کیونکہ وہ ایسے پتھر ہیں جن میں جونک نہیں لگتی، یعنی اُن سے فائدہ نہیں ہو سکتا (نورالابصار ص۱۳۴) (۲۸) جب کوئی نعمت ملے تو بہت زیادہ شکر کرو تاکہ اضافہ ہو (۲۹) جب روزی تنگ ہو تو استغفار زیادہ کیا کرو کہ ابواب رزق کھل جاتے ہیں (۳۰) جب حکومت یا غیر حکومت کی طرف سے کوئی رنج پہنچے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم زیادہ کہو تاکہ رنج دُور ہو۔ غم کافور ہو، اور خوشی کا وفور ہو ——

(مطالب السؤل ص۲۷۴ تا ص۲۷۵)۔

آپ کے بعض کرامات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کرامات اور خوارق عادات اور علمی معلوماتی واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ ابوبصیر ایک دن حمام جانے کے لیے اپنے گھر سے برآمد ہوئے۔ راستہ میں چند ایسے حضرات ملے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ ابوبصیر صحابی یہ سوچ کر ساتھ ہو گئے کہ اگر میں حمام سے واپسی میں جاؤں گا تو سعادت زیارت میں پیچھے رہ جاؤں گا۔ جب وہاں پہنچے تو آپ نے اشارۃً فرمایا کہ نبی اور امام کے گھر میں حالت جنابت میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ ابوبصیر نے معذرت کی اور حمام چلے گئے۔ (کشف الغمہ ص۹۷) یونس بن ظبیان کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دوران گفتگو میں فرمایا کہ زمین کے خزانے ہمارے اختیار میں ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے پیر سے زمین پر ایک خط کھینچا اور ایک بالشت کا ڈھیر اٹھا کر ہمیں دکھلایا۔ اس میں بہترین سونے کی اینٹیں تھیں، میں نے عرض کی مولا، آپ کے قبضہ میں سب کچھ ہے مگر آپ کے ماننے والے تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اُن کے لیے جنت ہے (تذکرۃ المعصومین ص۱۸۱)

آپ کے اخلاق اور عادات و اوصاف

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بازار بھیجا۔ جب اُس کی واپسی میں بہت دیر ہوئی تو آپ اُس کو تلاش کرنے کے لیے نکل پڑے، دیکھا ایک جگہ لیٹا ہوا سو رہا ہے۔ آپ اُسے جگانے کے بجائے اُس کے سرہانے بیٹھ گئے اور پنکھا جھلنے لگے۔ جب وہ بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ رات سونے کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (مناقب جلد ۵ ص۵۲) علامہ معاصر مولانا علی نقی مجتہد العصر رقمطراز ہیں، آپ اسی سلسلۂ عصمت کی ایک کڑی تھے جسے خداوند عالم نے نوعِ انسانی کے لیے نمونہ کامل بنا کر پیدا کیا۔ ان کے اخلاق و اوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت رکھتے تھے۔ خاص خاص اوصاف جن کے متعلق مؤرخین نے مخصوص طور پر واقعات نقل کیے ہیں۔ مہمان نوازی، خیر و خیرات، مخفی طریقہ پر غرباء کی خبر گیری، عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک، عفو، جرائم، صبر و تحمل وغیرہ ہیں۔

ایک مرتبہ ایک حاجی مدینہ میں وارد ہوا اور مسجد رسول میں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو اُسے شبہ ہوا کہ اُس کی ایک ہزار کی تھیلی موجود نہیں ہے، اُس نے ادھر اُدھر دیکھا، کسی کو نہ پایا۔ ایک گوشۂ مسجد میں امام جعفر صادق علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے وہ آپ کو بالکل نہ پہچانتا تھا۔ آپ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میری تھیلی تم نے لی ہے۔ حضرت نے پوچھا اس میں کیا تھا اس نے کہا ایک ہزار دینار۔ حضرت نے فرمایا، میرے ساتھ میرے مکان تک آؤ، وہ آپ کے ساتھ ہو گیا۔

۱۵ پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو دو کتابیں لکھوا دی تھیں۔ ایک جفر دوسری جامعہ ایک کتاب تو بکری کی کھال پر تھی، دوسری بھیڑ کی کھال پر اور اس میں قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی تھیں وہ سب مجملاً لکھوا دی تھیں۔ سید شریف نے شرح مواقف میں نقل کیا ہے کہ جفر اور جامعہ دو کتابیں ہیں جو حضرت علی کے پاس تھیں ان میں از روئے قواعد علم حروف وتکسیر بڑے بڑے حوادث کا بیان تھا، جو قیامت تک ہونے والے تھے اور آپ کی اولاد میں جو امام گزرے وہ انھیں کتابوں کو دیکھ کر اکثر امور کی خبر دیتے تھے الخ کتاب بحر محیط میں ہے کہ علم جفر اور علم تکسیر ایک ہی ہے، یعنی سائل کے سوال کے حروف میں تصرف اور تغیر کر کے سوال کا جواب نکالنا الخ۔ علامہ شبلنجی اپنی کتاب نورالابصار کے ص۱۳۲ پر بحوالہ حیوٰۃ الحیوان دمیری لکھتے ہیں کہ ابن قتیبہ نے کتاب ادب الکاتب میں لکھا ہے کہ کتاب الجفر حضرت امام جعفر صادق کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں ہیں جو قیامت تک دنیا میں رونما ہوں گی۔ علامہ ابن طلحہ شافعی اپنی کتاب مطالب السئول کے ص۲۱۴ میں کتاب الجفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ھومن کلامہ" یہ کتاب آپ ہی کی تصنیف ہے، یہی عبارت بعینہ شواہد النبوت ملا جامی کے ص۱۸۷ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء میں بھی موجود ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جفر و جامعہ کے علاوہ جفر احمر و جفر ابیض اور مصحف فاطمہ کے بھی مالک تھے۔ اور آپ کو خدا نے علم غابر و مزبور نکت و نقر سے بہرہ ور فرمایا تھا علامہ جامی شواہد النبوت ص۱۸۲ میں اور علامہ اربلی کشف الغمہ ص۹۴ میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ہمیں آئندہ اور گذشتہ کا علم اور الہام کی صلاحیت اور ملائکہ کی باتیں سننے کی طاقت دی گئی ہے۔ میرے خیال میں یہی عالم علم لدنی ہونے کی دلیل ہے، جو جانشین پیغمبر ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ صاحب مجمع البحرین اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جفر و جامعہ میں قیامت تک ہونے والے سارے واقعات مندرج ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں خراش لگ جانے کی بھی سزا کا ذکر ہے اور ایک تازیانہ (بلکہ) نصف تازیانہ کا بھی حکم موجود ہے۔

کتاب اہلیلجیہ

علامہ مجلسی نے کتاب بحارالانوار کی جلد ۲ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کتاب اہلیلجیہ کو مکمل طور پر نقل فرمایا ہے۔ اس کتاب کے تصنیف کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ ایک ہندوستانی فلسفی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے الہیات اور مابعد الطبیعیات پر حضرت سے تبادلہ خیالات کرنا چاہا۔ حضرت نے اس سے نہایت مکمل گفتگو کی اور علم کلام کے اصول پر دہریت اور مادیت کو فنا کر چھوڑا، اُسے آخر میں کہنا پڑا کہ آپ نے اپنے دعوے کو اس طرح ثابت فرما دیا ہے کہ ارباب عقل کو مانے بغیر چارہ نہیں۔ تواریخ

آپ کے بعض کرامات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کرامات اور خوارق عادات اور علمی معلوماتی واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ ابوبصیر ایک دن حمام جانے کے لیے اپنے گھر سے برآمد ہوئے۔ راستہ میں چند ایسے حضرات ملے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ ابوبصیر صحابی یہ سوچ کر ساتھ ہو گئے کہ اگر میں حمام سے واپسی میں جاؤں گا تو سعادت زیارت میں پیچھے رہ جاؤں گا۔ جب وہاں پہنچے تو آپ نے اشارۃً فرمایا کہ نبی اور امام کے گھر میں حالت جنابت میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ ابوبصیر نے معذرت کی اور حمام چلے گئے۔ (کشف الغمہ ص۹۷) یونس بن ظبیان کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دوران گفتگو میں فرمایا کہ زمین کے خزانے ہمارے اختیار میں ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے پیر سے زمین پر ایک خط کھینچا اور ایک بالشت کا ڈلا اٹھا کر ہمیں دکھلایا۔ اس میں بہترین سونے کی اینٹیں تھیں، میں نے عرض کی مولا، آپ کے قبضہ میں سب کچھ ہے مگر آپ کے ماننے والے تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اُن کے لیے جنت ہے (تذکرۃ المعصومین)

آپ کے اخلاق اور عادات و اوصاف

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بازار بھیجا۔ جب اُس کی واپسی میں بہت دیر ہوئی تو آپ اُس کو تلاش کرنے کے لیے نکل پڑے، دیکھا ایک جگہ لیٹا ہوا سو رہا ہے۔ آپ اُسے جگانے کے بجائے اُس کے سرہانے بیٹھ گئے اور پنکھا جھلنے لگے۔ جب وہ بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ رات سونے کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (مناقب جلد ۵ ص۵۲) علامہ معاصر مولانا علی نقی مجتہد العصر رقمطراز ہیں، آپ اسی سلسلہ عصمت کی ایک کڑی تھے جسے خداوند عالم نے نوع انسانی کے لیے نمونہ کامل بنا کر پیدا کیا۔ ان کے اخلاق و اوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت رکھتے تھے۔ خاص خاص اوصاف جن کے متعلق مورخین نے مخصوص طور پر واقعات نقل کیے ہیں۔ مہمان نوازی، خیر و خیرات، مخفی طریقہ پر غربا کی خبر گیری، عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک، عفو جرائم، صبر و تحمل وغیرہ ہیں۔

ایک مرتبہ ایک حاجی مدینہ میں وارد ہوا اور مسجد رسول میں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو اُسے شبہ ہوا کہ اُس کی ایک ہزار کی تھیلی موجود نہیں ہے، اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا، کسی کو نہ پایا۔ ایک گوشہ مسجد میں امام جعفر صادق علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے وہ آپ کو بالکل نہ پہچانتا تھا۔ آپ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میری تھیلی تم نے لی ہے۔ حضرت نے پوچھا اس میں کیا تھا اس نے کہا ایک ہزار دینار۔ حضرت نے فرمایا، میرے ساتھ میرے مکان تک آؤ۔ وہ آپ کے ساتھ ہو گیا۔

بیتُ الشرف میں تشریف لاکر ایک ہزار دینار اُس کے حوالے کر دیئے، وُہ مسجد میں واپس آگیا اور اپنا اسباب اُٹھانے لگا، تو خود اُس کی دیناروں کی تھیلی اسباب میں نظر آئی، یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور دوڑتا ہوا پھر امام کی خدمت میں آیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے وہ ہزار دینار واپس کرنا چاہا۔ حضرت نے فرمایا ہم جو کچھ دے دیتے ہیں وہ پھر واپس نہیں لیتے۔

موجودہ زمانہ میں یہ حالات سب ہی کی آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہیں کہ جب یہ اندیشہ معلوم ہوتا ہے کہ اناج مشکل سے ملے گا تو جس کو جتنا ممکن ہو وہ اناج خرید کر رکھ لیتا ہے۔ مگر امام جعفر صادق علیہ السلام کے کردار کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے آپ کے وکیل معتب نے کہا کہ ہمیں اِس گرانی اور قحط کی تکلیف کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس غلّہ کا اتنا ذخیرہ ہے جو بہت عرصہ تک کے لیے کافی ہوگا۔ حضرت نے فرمایا یہ تمام غلّہ فروخت کر ڈالو اس کے بعد جو حال سب کا ہوگا، وُہی ہمارا بھی ہوگا۔ جب غلّہ فروخت کر دیا گیا تو فرمایا اب خالص گیہوں کی روٹی نہ پکا کرے، بلکہ آدھے گیہوں اور آدھے جَو کی پکائی جائے۔ جہاں تک ممکن ہو ہمیں غریبوں کا ساتھ دینا چاہیئے۔

آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کرتے تھے۔ مزدوروں کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ خود بھی تجارت فرماتے تھے اور اکثر اپنے باغوں میں بہ نفسِ نفیس محنت بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بیلچہ ہاتھ میں لیے باغ میں کام کر رہے تھے اور پسینہ سے تمام جسم تر ہوگیا تھا۔ کسی نے کہا، یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمائیے کہ میں یہ خدمت انجام دُوں۔ حضرت نے فرمایا، طلبِ معاش میں دُھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں۔ غلاموں اور کنیزوں پر وُہی مہربانی رہتی تھی۔ جو اس گھرانے کی امتیازی صفت تھی۔ اس کا ایک حیرت انگیز نمونہ یہ ہے کہ جسے سفیان ثوری نے بیان کیا ہے، کہ میں ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ چہرہ مُبارک کا رنگ متغیر ہے، میں نے سبب دریافت کیا، تو فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ کوئی مکان کے کوٹھے پر نہ چڑھے، اس وقت جو میں گھر آیا تو دیکھا کہ ایک کنیز جو ایک بچہ کی پرورش پر متعین تھی اُسے گود میں لیے زینہ سے اوپر جا رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو ایسا خوف طاری ہوا کہ بدحواسی میں بچہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، اور اس صدمہ سے جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ مجھے بچہ کے مرنے کا اتنا صدمہ نہیں جتنا اِس کا رنج ہے کہ اِس کنیز پر اتنا رُعب و ہراس کیوں طاری ہوا۔ پھر حضرت نے اِس کنیز کو پکار کر فرمایا، ڈرو نہیں۔ میں نے تم کو راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت بچہ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ (صادق آلِ محمدؑ ص۱۲ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص۵۴)۔

کتاب مجانی الادب جلد ۱ ص۷۶ میں ہے کہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے تھے حضرت نے

کھانے کے موقع پر اپنی کنیز کو کھانا لانے کا حکم دیا، وہ سالن کا بڑا پیالہ لے کر جب دسترخوان کے قریب پہنچی تو اتفاقاً پیالہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے گرنے سے امام علیہ السلام اور دیگر مہمانوں کے کپڑے خراب ہو گئے۔ کنیز کانپنے لگی اور آپ نے غصہ کے بجائے اسے راہِ خدا میں یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ تو جو میرے خوف سے کانپتی ہے شاید یہی آزاد کرنا کفارہ ہو جائے۔ پھر اُسی کتاب کے صہ۶۹ میں ہے کہ ایک غلام آپ کا ہاتھ دُھلا رہا تھا کہ دفعتہً لوٹا چھوٹ کر طشت میں گرا اور پانی اُڑ کر حضرت کے مُنھ پر پڑا۔ غلام گھبرا اُٹھا حضرت نے فرمایا۔ ڈر نہیں، جا میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔

کتاب تحفۃ الزائر علامہ مجلسی میں ہے کہ آپ کے عادات میں امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لیے جانا داخل تھا۔ آپ عہد سفاح اور زمانہ منصور میں بھی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ کربلا کی آبادی سے تقریباً چار سو قدم شمال کی جانب، نہر علقمہ کے کنارے باغوں میں "شریعۂ صادق آلِ محمدؐ" اسی زمانہ سے بنا ہوا ہے۔ (تصویر عزا صہ۶۰ طبع دہلی ۱۹۱۹ء)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی علمی بلندی

یہ ظاہر ہے کہ علم ہی انسان کا وہ جوہر غیر فانی ہے جس کے بغیر حقیقی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے علم کے ذریعہ سے ملائکہ پر فضیلت حاصل کی اور آپ کے اس طرزِ عمل سے ناگزیر طور پر یہ واضح ہو گیا کہ منصوص من اللہ کو عالم جید ہونا لازمی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام چونکہ صحیح طور پر منصوص تھے۔ لہٰذا آپ کا عالم زمانہ ہونا لازمی تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ علم کے اُن مدارج پر فائز تھے جن کے عرشۂ بلند کے پایہ کو پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔

صادق آلِ محمدؐ کی تصانیف

آپ کی تصانیف کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بے شمار کتابیں و رسالے اور مقالات سے دُنیا والوں کو فیضیاب فرمایا ہے۔ آپ چونکہ علوم میں غیر محدود تھے۔ اس لیے آپ کی کتابیں ہر علم میں ملتی ہیں۔ آپ نے علمِ دین، علم کیمیا۔ علم رمز۔ علمِ فال۔ علم فلسفہ۔ علم طبیعیات علمِ ہیئت۔ علمِ منطق۔ علمِ طب۔ علمِ سمیات۔ علمِ تشریح الاجسام و افعال الاعضا علم الٰہیات وما بعد الطبیعیات وغیرہ وغیرہ پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ اور لیکچرز دیئے ہیں۔ ہم اس مقام پر صرف دو کتابوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں (۱) کتاب جفر و جامعہ (۲) کتاب اھلیلجیہ۔

کتاب جفر و جامعہ

کتاب جفر و جامعہ کے متعلق علماء کے بیانات مختلف ہیں۔ مولوی وحید الزمان صاحب حیدرآبادی اپنی کتاب انوار اللغۃ کے پارہ ۵

صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو دو کتابیں لکھوا دی تھیں۔ ایک جفر دوسری جامعہ ایک کتاب تو بکری کی کھال پر تھی، دوسری بھیڑ کی کھال پر اور اس میں قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی تھیں وہ سب مجملاً لکھوا دی تھیں۔ سید شریف نے شرح مواقف میں نقل کیا ہے کہ جفر اور جامعہ دو کتابیں ہیں جو حضرت علی کے پاس تھیں ان میں از روئے قواعد علم حروف و تکسیر بڑے بڑے حوادث کا بیان تھا، جو قیامت تک ہونے والے تھے اور آپ کی اولاد میں جو امام گزرے وہ انھیں کتابوں کو دیکھ کر اکثر امور کی خبر دیتے تھے الخ کتاب بحر محیط میں ہے کہ علم جفر اور علم تکسیر ایک ہی ہے، یعنی سائل کے سوال کے حروف میں تصرف اور تغیر کر کے سوال کا جواب نکالنا الخ۔ علامہ شبلنجی اپنی کتاب نورالابصار کے صفحہ ۱۳۲ پر بحوالہ حیوٰۃ الحیوان دمیری لکھتے ہیں کہ ابن قتیبہ نے کتاب ادب الکاتب میں لکھا ہے کہ کتاب الجفر حضرت امام جعفر صادق کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں ہیں جو قیامت تک دنیا میں رونما ہوں گی۔ علامہ ابن طلحہ شافعی اپنی کتاب مطالب السؤل کے صفحہ ۲۱۴ میں کتاب الجفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ھومن کلامہ" یہ کتاب آپ ہی کی تصنیف ہے، یہی عبارت بعینہ شواہد النبوت ملا جامی کے صفحہ ۱۸۷ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء میں بھی موجود ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جفر و جامعہ کے علاوہ جفر احمر و جفر ابیض اور مصحف فاطمہ کے بھی مالک تھے۔ اور آپ کو خدا نے علم غابر و مزبور نکت و نقر سے بہرور فرمایا تھا علامہ جامی شواہد النبوت صفحہ ۱۸۱ میں اور علامہ اربلی کشف الغمہ صفحہ ۹۴ میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ہمیں آئندہ اور گذشتہ کا علم اور الہام کی صلاحیت اور ملائکہ کی باتیں سننے کی طاقت دی گئی ہے۔ میرے خیال میں یہی عالم علم لدنی ہونے کی دلیل ہے، جو جانشین پیغمبر ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ صاحب مجمع البحرین اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جفر و جامعہ میں قیامت تک ہونے والے سارے واقعات مندرج ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں خراش لگ جانے کی بھی سزا کا ذکر ہے اور ایک تازیانہ (بلکہ) نصف تازیانہ کا بھی حکم موجود ہے۔

کتاب اہلیلجیہ

علامہ مجلسی نے کتاب بحارالانوار کی جلد ۲ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کتاب اہلیلجیہ کو مکمل طور پر نقل فرمایا ہے۔ اس کتاب کے تصنیف کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ ایک ہندوستانی فلسفی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے الہیات اور مابعد الطبیعیات پر حضرت سے تبادلۂ خیالات کرنا چاہا۔ حضرت نے اس سے نہایت مکمل گفتگو کی اور علم کلام کے اصول پر دہریت اور مادیت کو فنا کر چھوڑا، اسے آخر میں کہنا پڑا کہ آپ نے اپنے دعوے کو اس طرح ثابت فرما دیا ہے کہ ارباب عقل کو مانے بغیر چارہ نہیں۔ تواریخ

ت معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہندی فلسفی سے جو گفتگو کی تھی اُسے کتاب کی شکل میں مُدوّن کر کے باب اہلبیت کے مشہور متکلم جناب مفضل بن عمر الجعفی کے پاس بھیج دیا تھا۔ اور یہ لکھا تھا کہ

اے مفضل میں نے تمھارے لیے ایک کتاب لکھی ہے جس میں منکرین خدا کی رَد کی ہے، اور اس کے لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے پاس ہندوستان سے ایک طبیب (فلسفی) آیا تھا اور اُس نے مجھ سے مباحثہ کیا تھا۔ میں نے جو جواب اُسے دیا تھا، اسی کو قلم بند کر کے تمھارے پاس بھیج رہا ہوں۔

حضرت صادق آلِ محمدؐ کے فلک وقار شاگرد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں کا شمار مشکل ہے بہت ممکن ہے کہ آئندہ سلسلۂ تحریر میں آپ کے بعض شاگردوں کا ذکر آجائے۔ عام مورخین نے بعض ناموں کو خصوصی طور پر پیش کر کے آپ کی شاگردی کی سلک میں پرو کر انھیں معزّز بنایا ہے۔ مطالب السؤل صواعق محرقہ نور الابصار وغیرہ میں امام ابوحنیفہ یحیٰ بن سعید انصاری، ابن جریح، امام مالک ابن انس امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ایوب سجستانی وغیرہ کا آپ کے شاگردوں میں خاص طور پر ذکر ہے۔ تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ اور خیرالدین زرکلی کی الاعلام صفحہ ۱۸۳ طبع مصر محمد فرید وجدی کی ادارۂ معارف القرآن کی جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ طبع مصر میں ہے۔ وکان تلمیذہ ابوموسیٰ جابر بن حیّان الصوفی الطرسوسی، آپ کے شاگردوں میں جابر بن حیان صُوفی طرسوسی بھی ہیں۔

آپ کے بعض شاگردوں کی جلالت قدر اور ان کی تصانیف اور علمی خدمات پر روشنی ڈالنی تو بے انتہا دشوار ہے۔ اس لیے اس مقام پر صرف جابر بن حیان طرسوسی جو کہ انتہائی باکمال ہونے کے باوجود شاگرد امام کی حیثیت سے عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

امامُ الکیمیا جنابِ جابر ابن حیان طرسوسی

آپ کا پورا نام ابُوموسیٰ جابر بن حیان بن عبدالصمد الصوفی الطرسوسی الکوفی ہے آپ ۷۴۲ء میں پیدا ہوئے اور ۸۰۳ء میں انتقال فرما گئے۔ بعض محققین نے آپ کی وفات ۸۱۳ء بتائی ہے۔ لیکن ابن ندیم نے ۷۷۶ء لکھا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلامک ہسٹری میں ہے کہ اُستادِ اعظم جابر بن حیان بن عبداللہ، عبدالصمد کوفہ میں پیدا ہوا وہ طوسی النسل تھا اور آزاد نامی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ خیالات میں صوفی تھا اور یمن کا رہنے والا تھا۔ اوائل عمر میں علم طبیعیات کی تعلیم اچھی طرح حاصل کر لی اور امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر کی فیض صحبت سے امام الفن ہوگیا۔

تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر بن حیان نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ساری کائنات میں کوئی ایسا نہیں جو امام کی طرح سارے علوم پر بول سکے۔ الخ

تاریخ آئمہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کتاب کیمیا جفر رمل پر لکھی تھی۔ حضرت کے شاگرد و مشہور و معروف کیمیاگر جابر بن حیان جو یورپ میں جبر کے نام سے مشہور ہیں۔ جابر صوفی کا لقب دیا گیا تھا۔ اور ذوالنون مصری کی طرح وہ بھی علم باطن سے ذوق رکھتے تھے، ان جابر بن حیان نے ہزاروں ورق کی ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ علامہ ابن خلکان کتاب وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۱۳۰ طبع مصر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقالات علم کیمیا اور علم جفر و فال میں موجود ہیں اور آپ کے شاگرد تھے۔ جابر بن حیان صوفی طرسوسی جنھوں نے ہزار ورق کی ایک کتاب تالیف کی تھی، جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ علامہ خیر الدین زرکلی نے بھی الاعلام جلد ا صفحہ ۱۸۲ طبع مصر میں یہی کچھ لکھا ہے۔ اس کے بعد تحریر کیا ہے کہ ان کی بے شمار تصانیف ہیں۔ جن کا ذکر ابن ندیم نے اپنی فہرست میں کیا ہے۔ علامہ محمد فرید وجدی نے دائرۃ معارف القرآن الرابع عشر کی ج ۳ صفحہ ۱۰۹ طبع مصر میں بھی لکھا ہے کہ جابر بن حیان نے امام جعفر صادق کے پانچ سو رسائل کو جمع کر کے ایک کتاب ہزار صفحے کی تالیف کی تھی۔ علامہ ابن خلدون نے بھی مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۵ میں علم کیمیا کا ذکر کرتے ہوئے جابر بن حیان کا ذکر کیا ہے اور فاضل ہنسوی نے اپنی ضخیم تصنیف کتاب اور کتاب خانہ غیر مطبوعہ میں بحوالہ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۷۹ طبع مصر لکھا ہے کہ جابر بن حیان علم کیمیا کے مدون کرنے والوں کا امام ہے۔ بلکہ اس علم کے ماہرین نے اس کو جابر سے اس حد تک مخصوص کر دیا ہے کہ اس علم کا نام ہی "علم جابر" رکھ دیا ہے۔ (الجواد شمارہ ۱۱ جلد ا صفحہ ۹)۔

مورخ ابن القفطی لکھتے ہیں کہ جابر بن حیان کو علم طبیعیات اور کیمیا میں تقدم حاصل ہے ان علوم میں اس نے شہرۂ آفاق کتابیں تالیف کی ہیں۔ ان کے علاوہ علوم فلسفہ وغیرہ میں شرف کمال پر فائز تھے اور یہ تمام کمالات سے بھرپور ہونا علم باطن کی پیروی کا نتیجہ تھا۔ ملاحظہ ہو (طبقات الامم صفحہ ۹۵ و اخبار الحکما صفحہ ۱۱۱ طبع مصر) پیام اسلام جلد ۷ صفحہ ۱۵ میں ہے کہ یہ وہ خوش قسمت مسلمان ہے جسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ اس کے

متعلق جنوری ۱۹۲۵ء میں سائنس پروگریس نوشتہ جے ہولم یارڈ ایم اے۔ ایف۔ آئی۔ سی آفیسر اعلیٰ شعبہ سائنس کفٹن کالج برسٹل نے لکھا ہے کہ علم کیمیا کے متعلق زمانہ وسطیٰ کی اکثر تصانیف ملتی ہیں جن میں گیبر کا ذکر آتا ہے اور عام طور پر گیبر ابن حین اور بعض دفعہ گیبر کی بجائے جیبر بھی دیکھا گیا ہے۔ اور گیبر یا جیبر دراصل جابر" ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی لاطینی کتب میں گیبر کا ذکر آتا ہے۔ وہاں مراد عربی ماہر کیمیا جابر بن حیان ہی ہے۔ جیسے (ا) کے بجائے (ہ) کا آنا جانا آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ لاطینی میں جے کے مترادف کوئی آواز اور بعض علاقوں مثلاً مصر وغیرہ میں (جے) کو اب بھی بطور (جی) یعنی دگ) استعمال کیا جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں سائنس کیمسٹری وغیرہ کا چرچا بہت ہو چکا ہے اور اس علم کے جاننے والے دُنیا کے گوشہ گوشہ سے کھینچ کر دربار خلافت سے منسلک ہو رہے تھے۔ جابر بن حیان کا زمانہ بھی کم و بیش اِس ہی دَور میں تھا پچھلے بیس پچیس سال میں انگلستان اور جرمنی میں جابر کے متعلق بہت سی تحقیقات ہوئی ہیں لاطینی زبان میں علم کیمیا کے متعلق چند کتب سینکڑوں سال سے اس مفکر کے نام سے منسوب ہیں۔ جس میں مخصوص (۱) سما (۲) برفیکشن (۳) ڈی الوکیسٹی گیشن پرفیکشن (۴) ڈی الوکیسٹی گیشن ورٹیلیس (۵) ٹیٹا بھن لیکن ان کتابوں کے متعلق اب تک ایک طولانی بحث ہے اور اِس وقت تک مفکرین یورپ انھیں اپنے یہاں کی پیدا وار بتاتے ہیں اِس لیے انھیں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جابر کو حرف (جی) دگ) گیبر سے پکاریں اور بجائے عربی الاصل کے اِسے یورپین ثابت کریں۔

حالانکہ سما کے کئی طبع شدہ اڈیشنوں میں گیبر کو عرب ہی کہا گیا ہے۔ رسل کے انگریزی ترجمہ میں اسے ایک مشہور عربی شاہزادہ اور منطقی کہا گیا ہے ۱۵۴۱ء میں کی نورن برگ کے ایڈیشن میں وہ صرف عرب ہے۔ اِسی طرح اور بہت سے قلمی نسخے ایسے مل جاتے ہیں۔ جن میں کہیں اسے ایرانیوں کے بادشاہ سے یاد کیا گیا ہے۔ کسی جگہ اُسے شاہ ہند کہا گیا ہے۔ ان اختلافات سے سمجھ میں آتا ہے کہ جابر براعظم ایشیا سے نہ تھا۔ بلکہ اسلامی عرب کا ایک درخشندہ ستارہ تھا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک کیمسٹری کے مُطابق جعفر برمکی کے ذریعہ سے جابر بن حیان کا خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں آنا جانا شروع ہوگیا۔ چنانچہ انھوں نے خلیفہ کے نام سے علم کیمیا میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "شگوفہ" رکھا۔ اس کتاب میں اس نے علم کیمیا کے جلی و خفی پہلوؤں کے متعلق نہایت مختصر طریقے نہایت ستھرا طریق عمل اور عجیب و غریب تجربات بیان کئے۔ جابر کی وجہ ہی سے قسطنطنیہ سے دوسری دفعہ یونانی کتب بڑی تعداد میں لائی گئیں۔ منطق میں علامہ دہر مشہور ہوگیا اور نوّے سال سے کچھ زائد عمر میں اُس نے تین ہزار کتابیں لکھیں اور

ان کتابوں میں سے وہ بعض پر ناز کرتا تھا۔ اپنی کسی تصنیف کے بارے میں اُس نے لکھا ہے کہ "روئے زمین پر ہماری اس کتاب کے مثل ایک کتاب بھی نہیں ہے نہ آج تک ایسی کتاب لکھی گئی ہے اور نہ قیامت تک لکھی جائے گی۔ (سرفراز ۲ دسمبر ۱۹۵۲ء)۔

فاضل ہنسوی اپنی کتاب "کتاب و کتاب خانہ" میں لکھتے ہیں کہ جابر کے انتقال کے دو برس بعد عز الدولہ ابن معز الدولہ کے عہد میں کوفہ کے شارع باب الشام کے قریب جابر کی تجربہ گاہ کا انکشاف ہو چکا ہے جس کو کھودنے کے بعد بعض کیمیا دی چیزیں اور آلات بھی دستیاب ہوتے ہیں (فہرست ابن الندیم ص۴۹۹) جابر کے بعض قدیمی مخطوطات برٹش میوزیم میں اب تک موجود ہیں۔ جن میں سے کتاب الخواص قابل ذکر ہے۔ اسی طرح قرون وسطی میں بعض کتابوں کا ترجمہ لاطینی میں کیا گیا منجملہ "ان تراجم کے کتاب" سبعین بھی ہے جو ناقص و ناتمام ہے۔ اسی طرح "البحث عن الکمال" کا ترجمہ بھی لاطینی میں کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب لاطینی زبان میں کیمیا پر یورپ کی زبان میں سب سے پہلی کتاب ہے۔ اسی طرح اور دوسری کتابیں بھی مترجم ہوئیں۔ جابر نے کیمیا کے علاوہ طبیعیات، ہیئت، علم رویا، منطق، طب اور دوسرے علوم پر بھی کتابیں لکھیں۔ اس کی ایک کتاب سمیات پر بھی ہے۔ یوسف الیاس سرکس صاحب معجم المطبوعات بتلاتے ہیں کہ جابر بن حیان کی ایک نفیس کتاب سمیات پر بھی ہے۔ جو کتب خانہ تیموریہ قاہرہ مصر میں بضمن مخطوطات ہے۔ ان میں چند ایسے مقالات کو جو بہت مفید تھے بعد کرہ حروف نے رسالہ مقتطف جلد ۵۰ - ۵۹ میں شائع کئے ہیں ملاحظہ ہو (معجم المطبوعات العربیہ المعربہ جلد ۳ حرف جیم ص۶۶۵) جابر بحیثیت ایک طبیب کے کام کرتا تھا۔ لیکن اس کی طبی تصانیف ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ حالانکہ اس مقالے کا لکھنے والا یعنی ڈاکٹر ماکس می یرہاف نے جابر کی کتاب کو جو سموم پر ہے حال ہی میں معلوم کر لیا ہے۔

جابر کی ایک کتاب جس کو مع متن عربی اور ترجمہ فرانسیسی پول کراؤ مستشرق نے ۱۹۳۵ء میں شائع کیا ہے ایسی بھی ہے جس میں اُس نے تاریخ انتشار آرا و عقائد و افکار ہندی یونانی اور ان تغیرات کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں نے کئے ہیں۔ اس کتاب کا نام "اخراج ما فی القوۃ الی الفعل ہے۔ (الجواوج ۹/۱ ص۱۰ طبع بنارس)۔

پروفیسر رسکار کی رد

میرے بیان سے یہ یقیناً واضح ہو گیا کہ مورخین اس پر متفق ہیں کہ جابر بن حیان اسلام کا معزز کیمیا گر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ لیکن مسٹر پروفیسر رسکار نے علم کیمیا کے متعلق جو رسالہ شائع کیا ہے۔ اس میں جابر ابن حیان کے ان دعاوی کو غلط اور جعلی بتایا ہے، جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی کی طرف

منسوب ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کو علم کیمیا اور سائنس سے کیا واسطہ نیز امام جعفر صادق کی حیثیت کا امام پارے، گندھک، کٹھالی اور پھکنی کے استعمال میں مصروف ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں موصوف کے جواب میں کہتا ہوں کہ موصوف نے کوئی معقول وجہ انکار کی بیان نہیں فرمائی۔ تاریخوں کا ثبوت پیش کرنا اثبات کے لیے کافی ہے اور ان کے انکار سے عدم شاگردی کی دلیل نہیں قائم کی جاسکتی یہ کب ضروری ہے کہ جابر بن حیان جیسے ذکی و ذہین شاگرد کو بچوں کی طرح بیٹھ کر عمل کر کے دکھایا ہو۔ ذہین طالب علموں کو زبانی تعلیم دی جاتی ہے اور اگر اسی طرح تعلیم دی ہو جس طرح معترض کا خیال ہے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام جیسا استاد علوم کو پھیلانے کے لیے پارہ اور گندھک کٹھالی اور پھکنی میں کچھ دیر مصروف رہ سکتا ہے اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہوسکتی ممکن ہے کہ حضرت نے جملہ علوم کے اصول تعلیم فرما دیے ہوں اور جابر نے انھیں وسعت دے دی ہو، مثال کیلئے ملاحظہ ہو کتاب مناقب میں ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ علمنی رسول اللہ الف باب الخ آنحضرت نے مجھے علوم کے ایک ہزار باب تعلیم فرمائے اور میں نے ہر باب سے ہزار ہزار باب خود پیدا کیے۔ (کتاب مطالب السؤل ص۴۵ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے علم نحو کے اصول ابوالاسود دوئلی کو تعلیم فرمائے پھر اُس نے تمام تفصیلات مکمل کیے، ہوسکتا ہے کہ اسی اصول پر جابر کو تعلیم دی گئی ہو۔

جابر بن حیان کی وفات

انسائیکلوپیڈیا آف اسلامک کیمسٹری سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر بن حیان کی عمر ۹۰ سال سے کچھ زائد تھی مسٹر جعفر بارہوی نے ان کی ولادت اور وفات کے متعلق سرفراز ۱۷ نومبر ۱۹۵۲ء میں جو کچھ تحریر کیا ہے اسی کو نقل کرتے ہوئے مسٹر قمر رضا نے پیام اسلام جلد ۲ ص۶-۱۵ ۲۶ جولائی ۱۹۵۳ء میں لکھا ہے کہ جابر بن حیان ۷۲۲ء میں پیدا ہوئے اور انھوں نے ۸۰۳ء میں انتقال کیا اور بعض کا کہنا ہے کہ ۸۱۳ء تک زندہ رہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ابن ندیم نے ان کی وفات ۷۷۷ء میں بتائی ہے اور میرے نزدیک یہی قرین قیاس ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ موصوف نے ابن ندیم کے فیصلہ کو کیونکر تسلیم کر لیا اس لیے کہ اگر ولادت کا سن درست ہے تو پھر ابن ندیم کا بیان قرین قیاس نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ اگر وہ ۷۲۲ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۷۷۷ء میں وفات پاگئے تو گویا ان کی عمر صرف ۵۵ سال کی ہوئی جو اتنے صاحب کمال کے لیے قرین قیاس نہیں ہے میرے نزدیک انسائیکلوپیڈیا والے کی تحقیق صحیح ہے وہ نوے سال سے کچھ زیادہ ان کی عمر بتاتا ہے جو از روئے حساب درست ہے کیونکہ ولادت ۷۲۲ء اور وفات ۸۱۳ء میں تسلیم کرنے کے بعد ان کی عمر ۹۱ سال ہوتی ہے اور یہ عمر ایسے باکمال کے لیے ہوئی مناسب ہے۔

صادق آلِ محمدؐ کے علمی فیوض و برکات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جنھیں راسخین فی العلم میں ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو علم اوّلین و آخرین سے آگاہ اور دنیا کی تمام زبانوں سے واقف ہیں جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے میں ان کے تمام علمی فیوض و برکات پر تھوڑے سے اوراق میں کیا روشنی ڈال سکتا ہوں۔ میں نے آپ کے حالات کی چھان بین کی ہے اور یقین رکھتا ہوں کہ اگر مجھے فرصت ملے، تو تقریباً چھ ماہ میں آپ کے علوم اور فضائل و کمالات کا کافی ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے آپ کے متعلق امام مالک بن انس لکھتے ہیں "میری آنکھوں نے علم و فضل و ورع و تقویٰ میں امام جعفر صادق سے بہتر دیکھا ہی نہیں جیسا کہ اوپر گذرا وہ بہت بڑے لوگوں میں سے تھے اور بہت بڑے زاہد تھے خدا سے بے پناہ ڈرتے تھے، بے انتہا حدیث بیان کرتے تھے، بڑی پاک مجلس والے اور کثیر الفوائد تھے۔ آپ سے مل کر بے انتہا فائدہ اُٹھایا جاتا تھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۵۲ طبع بمبئی)۔

علمی فیوض رسانی کا موقع

یوں تو ہمارے تمام آئمہ اہلبیت علمی فیوض و برکات سے بھرپور تھے اور علمِ اوّلین و آخرین کے مالک، لیکن دُنیا والوں نے ان سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے انھیں قید و بند میں رکھ کر علوم و فنون کے خزانے پر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے ناگ بٹھا دیئے تھے۔ اس لیے ان حضرات کے علمی کمالات کما حقہ، منظرِ عام پر نہ آسکے۔ ورنہ آج دنیا کسی علم میں خاندان رسالت مآبؐ کے علاوہ کسی کی محتاج نہ ہوتی۔ فاضل معاصر مولانا سبط الحسن صاحب ہنسوی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی ۱۴۸ھ کا عہد معارف پروری کے لحاظ سے ایک زریں عہد تھا۔ وہ رُکاوٹیں جو آپ سے قبل آئمہ اہل بیت کے لیے پیش آیا کرتی تھیں ان میں کسی حد تک کمی تھی۔ اموی حکومت کی تباہی اور عباسی سلطنت کا استحکام آپ کے لیے سکون دامن کا سبب بنا، اس لیے حضرت کو مذہب اہل بیت کی اشاعت اور علوم و فنون کی ترویج کا ایک بہترین موقع ملا۔ لوگوں کو بھی ان عالمانِ ربانی کی طرف رجوع کرنے میں اب کوئی خاص زحمت نہ تھی جس کی وجہ سے آپ کی خدمت میں علاوہ حجاز کے دُور دراز مقامات مثل عراق، شام، خراسان، کابل، سندھ ہند اور بلادِ روم، فرنگ کے طلباء و شائقین علم حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے۔ حضرت کے حلقہ درس میں چار ہزار اصحاب تھے۔ علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کتاب الارشاد میں فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) لوگوں نے آپ کے علوم کو نقل کیا جنھیں تیز سوار منازل بعیدہ کی طرف لے گئے، اور

آوازہ آپ کے کمال کا تمام شہروں میں پھیل گیا اور علماء نے اہل بیت میں کسی سے بھی اتنے علوم وفنون کو نہیں نقل کیا ہے جو آپ سے روایت کرتے ہیں اور جن کی تعداد چار ہزار ہے۔ غیر عرب طالبانِ علم سے ایک رومی نسل بزرگ زرارہ بن اعین متوفی ۱۵۰ھ قابلِ ذکر ہیں جن کے دادا سنسن بلادِ روم کے ایک مقدس راہب (MONK) تھے۔[1] زرارہ اپنی خدماتِ علمیہ کے اعتبار سے اسلامی دنیا میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ اور صاحبِ تصانیف تھے۔ کتاب الاستطاعت والجبر ان کی مشہور تصنیف ہے۔ (منہج المقال ص۱۴۲)۔ ومولفوا الشیعہ فی صدر الاسلام ص۵۱)۔

کتب اصول اربعمائۃ

حضرت کے اصحاب میں چار سو ایسے مصنفین تھے جنھوں نے علاوہ دیگر علوم وفنون کے کلام معصوم کو ضبط کر کے چار سو کتب اصول مدون کیں۔ اصل سے مراد مجموعہ احادیث اہلبیت کی وہ کتابیں ہیں جن میں جامع نے خود براہِ راست معصوم سے روایت کر کے احادیث کو ضبط تحریر کیا ہے یا ایسے راوی سے سنا ہے جو خود معصوم سے روایت کرتا ہے۔ اس قسم کی کتاب میں جامع کی دوسری کتاب یا روایت سے معنعناً (عن فلاں عن فلاں) کے ساتھ نہیں نقل کرتا جس کی سند میں اور وسائط کی ضرورت ہو۔ اس لیے کتب اصول میں خطا وغلط سہو ونسیان کا احتمال بہ نسبت اور دوسری کتابوں کے بہت کم ہے۔ کتب اصول کے زمانہ تالیف کا انحصار عہدِ امیر المومنین سے لے کر امام حسن عسکری کے زمانہ تک ہے۔ جس میں اصحاب معصومین نے بالمشافہ معصوم سے روایت کر کے احادیث کو جمع کیا ہے۔ یا کسی ایسے ثقہ راوی سے حدیث معصوم کو اخذ کیا ہے جو براہِ راست معصوم سے روایت کرتا ہے۔ شیخ ابو القاسم جعفر بن سعید المعروف بالمحقق الحلی اپنی کتاب المعتبر میں فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے جوابات مسائل کو چار سو مصنفین اصحاب امام نے تحریر کر کے چار سو تصانیف مکمل کی ہیں۔

صادق آلِ محمدؐ کے اصحاب کی تعداد اور اُن کی تصانیف

آگے چل کر فاضل معاصر الجواد میں بحوالہ کتاب وکتب خانہ لکھتے ہیں کتب رجال میں جن اصحاب آئمہ کے حالات وتراجم مذکور ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد چار ہزار پانچ سو اصحاب ہیں جن میں سے صرف چار ہزار اصحاب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہیں سب کا تذکرہ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ $\frac{۲۴۹}{۳۳۳}$ نے اپنی کتاب رجال میں کیا ہے۔ اور شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی نے بھی ان سب کا احصا اپنی کتاب رجال میں کیا ہے۔

(۱؎ خلاصۃ الاقوال علامہ حلی ص۳۸)

معصومین علیہم السلام کے تمام اصحاب میں سے مصنفین کی جملہ تعداد ایک ہزار تین سو سے زائد نہیں ہے جنھوں نے سینکڑوں کی تعداد میں کتب اصول اور ہزاروں کی تعداد میں دوسری کتابیں تالیف اور تصنیف کی ہیں جن میں سے بعض مصنفین اصحاب آئمہ تو ایسے تھے جنھوں نے تنہا سینکڑوں کتابیں لکھیں فضل بن شاذان نے ایک سو اسی کتابیں تالیف کیں۔ ابن دول نے سو کتابیں لکھیں اسی طرح برقی نے بھی تقریباً سو کتابیں لکھیں۔ ابن ابی عمیر نے نوے کتابیں لکھیں اور اکثر اصحاب آئمہ ایسے تھے۔ جنھوں نے تیس ۳۰ یا چالیس ۴۰ سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں۔ غرضیکہ ایک ہزار تین سو مصنفین اصحاب آئمہ نے تقریباً پانچ ہزار تصانیف کیں۔ مجمع البحرین میں لفظ جبر کے ماتحت ہے کہ صرف ایک جابر الجعفی[1] امام جعفر صادق علیہ السلام کے ستر ہزار احادیث کے حافظ تھے۔ "تاریخ اسلام جلد ۵ صـ۳۰ـ میں ہے کہ ابانؒ بن تغلب بن رباح (ابو سعید) کوفی صرف امام جعفر صادق علیہ السلام کی تیس ہزار احادیث کے حافظ تھے ان کی تصانیف میں تفسیر غریب القرآن کتاب المفرد، کتاب الفضائل، کتاب الصفین قابل ذکر ہیں۔ یہ قاری فقیہہ لغوی محدث تھے۔ انھیں حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام محمد باقرؑ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ۱۴۱ھ میں انتقال کیا۔

حضرت صادق آلِ محمدؐ اور علم جفر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو چونکہ نشر علوم کا موقعہ مل گیا تھا۔ لہٰذا آپ نے علمی افادات کے دریا بہا دیئے۔ آپ کو جہاں دیگر علوم میں کمال تھا اور آپ نے مختلف علوم کے نشر میں سعی کی ہے۔ علم جفر میں بھی آپ یکتائے زمانہ تھے اور اس علم میں بھی آپ کے تصانیف ہیں

علم جفر کسے کہتے ہیں اس کے متعلق الاب لولیس معلوف الیسوعی کتاب المنجد کے صـ۹۱ـ طبع بیروت میں لکھتے ہیں کہ علم جفر کو علم الحروف بھی کہتے ہیں یہ ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعہ سے حوادث عالم کو معلوم کر لیا جاتا ہے مولوی وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغۃ صـ۱۵ـ میں بحوالہ بحر محیط لکھتے ہیں کہ علم جفر جو علم تکسیر کا دوسرا نام ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سائل کے سوال کے حروف میں تغیر و تبدل کر کے حالات معلوم کئے جائیں۔ مجمع البحرین میں لفظ جفر کے ماتحت لکھا ہے کہ علم الحروف کے اصول پر حوادث عالم کے معلوم کرنے کا نام علم جفر ہے۔ تاریخ آئمہ بحوالہ تاریخ ابن خلکان جلد ا صـ۸۵ـ میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کتاب کیمیا اور جفر اور رمل پر لکھی تھی۔

---

[1] علامہ سید عبد الحسین شرف الدین اپنی کتاب "مولفوا الشیعہ فی صدر الاسلام" طبع بغداد کے صـ۳۲ـ میں لکھتے ہیں کہ جناب جابر جعفی کا اصلی نام اور سلسلہ نسب یہ تھا جابر بن یزید بن حرث بن عبد الغوث بن کعب بن الحرث بن معاویہ بن وائل الجعفی الکوفی تھا۔ ان کی تصانیف میں کتاب التفسیر۔ کتاب النوادر۔ کتاب الفضائل۔ کتاب الجمل۔ کتاب الصفین۔ کتاب النہروان۔ کتاب جنت امیر المومنین۔ کتاب مقتل الحسین، زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۲ منہ

حضرت صادق آلِ محمدؐ اور علمِ طِب

علامہ ابن بابویہ القمی کتاب الخصائل جلد ۲ - باب ۱۹ ص۹۷-۹۹ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک مشہور طبیب منصور دوانقی کے دربار میں طلب کیا گیا - بادشاہ نے حضرت سے اس کی ملاقات کرائی - امام جعفر صادقؑ نے علم تشریح الاجسام اور افعال الاعضا کے متعلق اُس سے انیس سوالات کئے وہ اگرچہ اپنے فن میں پورا کمال رکھتا تھا لیکن جواب نہ دے سکا بالآخر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا - علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ اس طبیب سے حضرت نے بیس سوالات کئے تھے اور اس انداز سے پُراز معلومات تقریر فرمائی کہ وہ بول اُٹھا "من این لك هذا العلم" اے حضرت یہ بے پناہ علم آپ نے کہاں سے حاصل فرمایا؟ آپ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ دادا سے - انھوں نے محمد مصطفیٰ صلعم سے، انھوں نے جبرئیل سے، انھوں نے خداوندِ عالم سے اسے حاصل کیا ہے جس نے اجسام وارواح کو پیدا کیا ہے۔" فقال الهندی صدقت" اس نے کہا بے شک آپ نے سچ فرمایا - اس کے بعد اُس نے پھر کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا اور کہا "انک اعلم اهل زمانه" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ عہدِ حاضر کے سب سے بڑے عالم ہیں - (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۱ ص۲۴۵ طبع بمبئی) -

حضرت صادق آلِ محمدؐ کا علمُ القرآن

مختصر یہ کہ آپ کے علمی فیوض وبرکات پر مفصل روشنی ڈالنی تو دشوار ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے - البتہ صرف یہ عرض کردینا چاہتا ہوں کہ علم القرآن کے بارے میں دمعۂ ساکبہ ص۴۸۷ پر آپ کا قول موجود ہے - وہ فرماتے ہیں خدا کی قسم میں قرآن مجید کو اوّل سے آخر تک اس طرح جانتا ہوں - گویا میرے ہاتھ میں آسمان وزمین کی خبریں ہیں، اور وہ خبریں بھی ہیں جو ہو چکی ہیں - اور ہو رہی ہیں اور جو ہونے والی ہیں، اور کیوں نہ ہو جبکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس پر ہر چیز عیاں ہے - ایک مقام پر آپ نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاء اور رسل کے علوم کے وارث ہیں (دمعہ ساکبہ ص۴۸۸)

علمُ النجوم

علم النجوم کے بارے میں اگر آپ کے کمالات دیکھنا ہوں تو کتب طوال کا مطالعہ کرنا چاہیئے آپ نے نہایت جلیل علماء علم النجوم سے مباحثہ اور مناظرہ کرکے انھیں انگشت بدنداں کردیا ہے - بحار الانوار مناقب شہر آشوب ودمعہ ساکبہ وغیرہ میں آپ کے مناظرے موجود ہیں علماء کا فیصلہ ہے کہ علم نجوم حق ہے

لیکن اس کا صحیح علم آئمہ اہلبیت کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ حلقہ بگوشان مودت نور ہدایت سے کسب ضیا کر لیں۔

علم منطق الطیر

صادق آل محمدؑ دیگر آئمہ کی طرح منطق الطیر سے بھی باقاعدہ واقف تھے، جو پرندہ یا کوئی جانور آپس میں بات چیت کرتا تھا اُسے آپ سمجھ لیا کرتے تھے اور بوقت ضرورت اس کی زبان میں تکلم فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب تفسیر لباب التاویل جلد ۵ ص۱۱۳ و معالم التنزیل ص۱۱۳ عجائب القصص ص۱۰۵ نور الانوار ص۳۱۱ طبع ایران میں ہے کہ صادق آل محمدؑ نے قبرہ نامی پرندہ جس کو (چکور) یا چنڈول کہتے ہیں کہ بولتے ہوئے اصحاب سے فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے اصحاب نے صراحت کی خواہش کی تو فرمایا یہ کہتا ہے "اللھم العن مبغضی محمد و آل محمد" خدایا محمدؐ و آل محمدؑ سے بغض کرنے والوں پر لعنت کر، فاختہ کی آواز پر آپ نے کہا کہ اسے گھر میں نہ رہنے دو۔ یہ کہتی ہے کہ "فقدتم فقدتم" خدا تمھیں نیست و نابود کرے، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور علم الاجسام

مناقب بن شہر آشوب اور بحار الانوار جلد ۱۴ میں ہے کہ ایک عیسائی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم طب کے متعلق سوالات کرتے ہوئے جسم انسان کی تفصیل پوچھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے انسان کے جسم میں ۱۲ وصل دوسو اڑتالیس ہڈیاں اور تین سو ساٹھ رگیں خلق فرمائی ہیں۔ رگیں تمام جسم کو سیراب کرتی ہیں۔ ہڈیاں جسم کو، گوشت ہڈیوں کو اور اعصاب گوشت کو روکے رہتے ہیں۔

صادق آل محمدؑ نے جنت میں گھر بنوا دیا

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بہشت پر اہلبیت رسولؐ کا پورا پورا حق و اقتدار ہے۔ ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو روانہ حج ہوتے ہوئے کچھ درہم دیئے اور عرض کی کہ میں حج کو جاتا ہوں۔ مہربانی فرما کر میری واپسی تک ایک مکان میری رہائش کا بنوا دیجئے گا۔ یا خرید فرما دیجئے گا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرے لیے جنت میں ایک گھر خرید لیا ہے۔ جس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ حدود اربعہ بتانے کے بعد آپ نے ایک نوشتہ دیا اور وہ گھر چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر بیمار ہوا، اور مرنے لگا۔ وصیت کی کہ نوشتہ صادق میرے کفن میں

رکھا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے رکھ دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو قبر پر وہی پرچہ ملا" دبر پشت دے نوشتہ" کہ جعفر بن محمد وفا نمود بان چہ وعدہ کردہ بود۔

اس پرچہ کی پشت پر لکھا ہوا تھا کہ صادق آل محمدؐ نے جو وعدہ کیا تھا درست نکلا اور مجھے مکان مل گیا۔ (شواہد النبوت ص۱۹۲)۔

دستِ صادقؑ میں اعجازِ ابراھیمی

پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مشہور حدیث ہے کہ میرے اہلبیت میرے علاوہ تمام انبیاء سے بہتر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو معجزات انبیاء کرام دکھایا کرتے تھے وہ آپ کے اہلبیت بھی دکھا سکتے تھے یہ دوسری بات ہے کہ انھیں تحدی کے طور پر اثبات نبوت کے لیے دنیا والوں کو دکھانا ضروری تھا۔ لیکن اہلبیت کو ایسے معجزات دکھلانا ضروری نہ ہو۔ لیکن اگر کسی وقت کوئی اس قسم کا معجزہ طلب کرے تو وہ شانِ اسلام دکھلانے کے لیے معجزہ دکھا دیا کرتے تھے۔ ملّا جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے صادق آل محمدؐ سے پوچھا کہ مولا حضرت ابراہیمؑ نے جو چار جانوروں کو زندہ کیا تھا تو وہ جانور (پرندے) ہم جنس تھے یا مختلف اجناس کے تھے۔ حضرت نے اس تعجبانہ سوال کو سن کر فرمایا۔ دیکھو حضرت ابراہیم نے اس طرح زندہ کیا تھا۔ یہ فرما کر آپ نے آواز دی طاؤس یہاں آ، غراب یہاں آ، بازیہاں آ، کبوتر یہاں آ۔ یہ تمام پرندے حضرت کے پاس آگئے۔ آپ نے حکم دیا۔ انھیں ذبح کر کے ان کے گوشت کو خوب پیس ڈالو اس کے بعد آپ نے سر ہاتھ میں لے کر ایک ایک کو آواز دی آواز کے ساتھ گوشت اڑا اور اپنے اپنے سر سے جا لگا اور پرندہ پھر مکمل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سائل حیران رہ گیا۔ (شواہد النبوت ص۱۹۱ طبع لکھنو ۱۹۰۵ء)۔

خط وکتابت اور درخواست کے بارے میں آپ کی ھدایت

بسم اللہ کے لکھنے کا طریقہ حضرت امام جعفر صادق علیہ اسلام نے چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں کے متعلق ہدایت فرمائی ہے۔ اصول کافی ص۶۹۰ طبع ایران میں ہے کہ جب کچھ بھی لکھو تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع کرو، اور دیکھو بسم اللہ کو دندانے والے "س" سے لکھنا، یعنی (ب) کے بعد سین اس طرح لکھنا (س)۔

درخواست لکھنے کا طریقہ

آپ فرماتے ہیں کہ داہنی طرف دوات رکھ کر درخواست لکھو امام شبلنجی نورالابصار طبع مصر کے

ص۱۳۳ اور علامہ مجلسی حلیۃ المتقین میں لکھتے ہیں کہ صادق آل محمدؐ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی درخواست دو، اور چاہو کہ وہ ضرور منظور ہو جائے تو اس کے سرنامہ پر لکھو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِؕ

وعد اللہ الصابرین المخرج مما یکرھون والرزق من حیث لا یحتسبون جعلنا اللہ وایاکم من الذین لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون ۔ علامہ اربلی کتاب کشف الغمہ کے ص۹۰ پر اسی طریقۂ تحریر کو لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ " برسر رقعہ بقلم بے مداد بنویس یعنی یہ عبارت بلا روشنائی کے برسر درخواست لکھنی چاہیئے ۔ (تہذیب الاسلام ترجمہ حلیۃ المتقین ص۱۸۵ طبع کراچی) ۔

خط اور جواب خط

اصول کافی ص۶۹ میں ہے کہ قال الصادقؑ ردُّ جواب الکاتب واجبٌ کوجوبِ ردِّ السلام ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ خط کا جواب دینا اسی طرح واجب ہے جس طرح سلام کا جواب دینا واجب ہے ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی انجام بینی اور دُور اندیشی

مورخین لکھتے ہیں کہ جب بنی عباس اس بات پر امادہ ہو گئے کہ بنی اُمیہ کو ختم کر دیں تو اُنھوں نے یہ خیال کیا کہ آل رسولؐ کی دعوت کا حوالہ دیئے بغیر کام چلنا مشکل ہے ۔ لہٰذا وہ امداد و انتقام آل محمدؐ کی طرف دعوت دینے لگے اور یہی تحریک کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے جس سے عام طور پر آل محمدؐ یعنی بنی فاطمہ کی اعانت سمجھی جاتی تھی ۔ اسی وجہ سے شیعیان بنی فاطمہ کو بھی ان سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی اور وہ اُن کے معاون ہو گئے تھے اور اسی سلسلہ میں ابوسلمہ جعفر بن سلیمان کوفی آل محمدؐ کی طرف سے وزیر تجویز کئے گئے تھے ۔ یعنی یہ گماشتہ کے طور پر تبلیغ کرتے تھے ۔ انھیں امام وقت کی طرف سے کوئی اجازت حاصل نہ تھی، یہ بنی اُمیہ کے مقابلہ میں بڑی کامیابی سے کام کر رہے تھے ۔ جب حالات زیادہ سازگار نظر آئے تو انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام اور ابو محمد عبداللہ ابن حسن کو الگ الگ ایک ایک خط لکھا کہ آپ یہاں آجائیں تاکہ آپ کی بیعت کی جائے ۔

قاصد اپنے اپنے خطوط لے کر منزل تک پہنچے ، مدینہ میں جس وقت قاصد پہنچا وہ رات کا وقت تھا ۔ قاصد نے عرض کی مولا میں ابوسلمہ کا خط لایا ہوں حضورؐ اسے ملاحظہ فرما کر جواب عنایت فرمائیں ۔

یہ سُن کر حضرت نے چراغ طلب کیا اور خط لے کر اُسی وقت پڑھے بغیر نذر آتش کر دیا اور قاصد

سے فرمایا کہ ابوسلمہ سے کہنا کہ تمہارے خط کا یہی جواب تھا۔

ابھی وہ قاصد مدینہ پہنچا بھی نہ تھا کہ ۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو جمعہ کے دن حکومت کا فیصلہ ہو گیا اور سفاح عباسی خلیفہ بنایا جا چکا تھا (مروج الذہب مسعودی برحاشیہ کامل جلد ۶ ص ۳ تاریخ الخلفاء ص ۲۷۲، حیواۃ الحیوان جلد ۱ ص ۷۴، تاریخ آئمہ ص ۴۳۳)۔

خلیفہ منصور دوانیقی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

مورخ ابوالفدا لکھتا ہے کہ ابوالعباس سفاح بن عبداللہ عباسی نے چار سال چھ ماہ حکومت کر کے ذی الحجہ ۱۳۶ھ مطابق ۷۵۴ء میں انتقال کیا اور وقت وفات اپنے بھائی منصور کو اپنا ولیعہد قرار دیا جس وقت سفاح نے انتقال کیا منصور حج کو گیا ہوا تھا۔ ۱۳۷ھ میں اس نے واپس آکر عنان حکومت سنبھال لی۔

جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ منصور بنی عباس کا وہ بادشاہ ہے جس کی عاقبت اندیشی اور دور بینی سے اس خاندان کو اتنا قیام اور اس قدر اقتدار حاصل ہوا کہ دنیاوی سلطنت جانے کے بعد بھی عرصہ تک خاندانی وقار باقی رہا۔ مورخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ منصور مدبر منتظم مگر دغاباز بے رحم شکی وسواسی اور سفاک تھا، جس پر اسے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ ذات یا خاندان کے لیے مضر ثابت ہوگا، اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔ حضرت علیؑ کی اولاد کے ساتھ جو جو ظلم اس نے کیے ہیں۔ انھوں نے عباسی تاریخ کے صفحوں کو سب سے زیادہ سیاہ کیا ہے۔ اسی نے علویوں اور عباسیوں میں عداوت کا بیج بویا۔ بڑا کنجوس تھا۔ ایک ایک دانگ پر جان دیتا تھا۔ اسی لیے اسے دوانیقی کہتے ہیں حضرت امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کی اولاد اگرچہ جملہ دنیاوی امور سے کنارہ کش تھی۔ لیکن ان کا روحانی اقتدار منصور کے لیے نہایت ہی تکلیف دہ تھا اور خواہ مخواہ ان کی طرف سے اسے کھٹکا لگا رہتا تھا۔ یہ سادات سے پوری دشمنی کرتا تھا۔ اس نے بنی حسینؑ کی جائدادیں ضبط کیں اور بہت سے سادات قتل کیے، بہتوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ امام مالک کو اسی لیے تازیانے لگوائے کہ انھوں نے ایک موقع پر سادات کی حمایت میں بیعت کی تھی۔ امام ابوحنیفہ کو اسی لیے قید کیا کہ انھوں نے ابتدا میں زید شہید کی بیعت کر لی تھی۔ پھر ۱۵۰ھ میں انھیں زہر دلوا دیا۔ غرضکہ اس کے زمانہ میں بے شمار سادات قتل ہوئے۔ اور بہت سے قید خانوں میں سڑ گئے اور زندان کے زہریلے بخارات کی وجہ سے مر گئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ بھی اس کا رویہ اسی انداز کا تھا۔ حالانکہ آپ نے اور آپ سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اسے بعلم امامت حاکم ہونے کی خوش خبری دی تھی، اور اس وقت اس نے ان کی مدح سرائی کی تھی (صواعق محرقہ

ملا جامی اور امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ منصور عباسی کا ایک مقرب بارگاہ ناقل ہے کہ میں نے ایک دن منصور کو متفکر دیکھ کر سبب تفکر دریافت کیا، منصور نے کہا کہ میں نے علویوں کی جماعت کثیر کو فنا کر دیا، لیکن ان کے پیشوا کو اب تک باقی رکھا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون؟ منصور نے کہا۔ "جعفرؑ بن محمدؑ"، میں نے عرض کی کہ جعفر بن محمد تو ایسے شخص ہیں جو ہمیشہ عبادت اور یادِ خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیا سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ منصور نے کہا میں جانتا ہوں کہ تو دل میں ان کی امامت کا خیال رکھتا ہے، مگر میں نے قسم کھائی ہے کہ رات ہونے سے پہلے ہی ان کی طرف سے مطمئن ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر جلاد کو حکم دیا کہ جب جعفر بن محمد کو لوگ حاضر کریں اور میں اپنے سر پر ہاتھ رکھوں، تو فوراً ان کو قتل کر دینا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت امام جعفر صادقؑ تشریف لائے وہ اس وقت کچھ پڑھ رہے تھے۔ جب منصور کی نظر ان پر پڑی تو کانپنے لگا اور استقبال کر کے ان کو اپنی مسند پر بٹھایا بعد ازاں پوچھا کہ یا ابن رسول اللہ، آپ نے تکلیف کرنے کی کیا وجہ ہوئی۔ انھوں نے فرمایا طلب کئے جانے پر آیا ہوں۔ منصور نے کہا کہ اگر کوئی حاجت ہو تو بیان کیجیے حضرت نے فرمایا، یہی حاجت ہے کہ آئندہ میری طلبی نہ ہو، جب میں چاہوں آؤں، یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔ (شواہد النبوت ص ۱۸۸ وسیلۃ النجات ص ۳۶۱ نورالابصار ص ۱۴۶ مجانی الادب جلد ۲ ص ۱۸۴ ارشاد مفید ص ۴۱۵)۔

منصور عباسی کی سادات کشی

جب بنی امیہ کی سلطنت کا زمانہ ختم ہوا، تو بنی عباس کی حکومت کا دور چلا۔ یہ لوگ بنی امیہ سے بھی زیادہ سادات کے دشمن ثابت ہوئے۔ ان کے زمانہ میں تو سادات پر وہ تباہی آئی کہ اس کے بیان سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ عباسی کا دوسرا بادشاہ منصور عباسی ہوا ہے خدا کی پناہ اس کے مظالم کا کیا ٹھکانا ہے۔ ہزارہا سیدوں کو اس ظالم نے قتل کرایا۔ ان کے خون کے گاروں سے دیواریں تعمیر کرائیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے بے گناہوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ بیخوں اور بنیادوں میں دلوا دیا۔ قید خانوں میں سڑا سڑا کر مار دیا۔ اس کے زمانہ میں شیعہ یا سید کا شبہہ ہو جانا قتل کے لیے کافی تھا۔ سب سے زیادہ تباہی اس ظالم کے دور سلطنت میں حسنی سادات پر آئی۔ خیال کرو کہ ایسے نازک دور میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کس احتیاط سے اپنی زندگی بسر کی ہوگی۔ ظلم کے برداشت کرنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے بسالہا سال سے غریب سادات ایک عجیب بے کسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ آخر ان کے سینوں میں بھی دل تھا اور ایک بہادر خاندان کا خون رگوں میں دوڑا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کو بھی جوش آگیا۔ امام حسنؑ کی اولاد میں ان کے پوتے جناب عبداللہ محض ایک بڑے نیک دل اور

جو شیلے سید تھے۔ انھوں نے چاہا کہ سادات کو عباسیوں کے مظالم سے کسی طرح چھڑائیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کو اس ارادہ سے روکنا چاہا۔ مگر اُن کا جوش کم نہ ہوا . . . اور لوگوں کو منصور کے خلاف اُبھارنے لگے۔ اُن کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام محمد نفس زکیہ اور دوسرے کا ابرہیم تھا۔ ان دونوں نے اس کوشش میں پُورا حصّہ لیا۔ منصور کو جب ان کے ارادوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے سادات حسنی کی گرفتاری کے لیے ایک فوج بھیجی۔ تقریباً ستّر پچہتّر آدمی جن میں کمسن بچے نوجوان اور بُوڑھے سب شامل تھے گرفتار کر لیے گئے۔ لکھا ہے کہ جب یہ ستم رسیدہ قافلہ مدینہ سے چلا تو اُن کی بے کسی و مجبوری، بے گناہی و بے قصوری کا خیال کر کے ہر ایک اپنے مقام پر روتا اور بے چین نظر آتا تھا۔ آہ! وہ صاحبانِ فضل و کمال جو صورت و سیرت میں بے مثل و بے نظیر تھے جن کا ایک ایک جوان ہمت و دلیری میں تمام عرب میں مشہور تھا۔ گلے میں طوق پہنے اور ہاتھوں میں دوہری زنجیریں ڈالے، شرم و حجاب سے گردنیں نیچی کیے لاغر اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بیٹھے ہوئے مدینہ رسُولؐ سے نکل رہے تھے۔ تاریخ کامل میں ہے کہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کو کنبہ کی گرفتاری کا حال معلوم ہوا تو بے چین ہو گئے۔ مسجدِ رسُول کے دروازے پر کھڑے تھے کہ مظلوم سادات کا قافلہ ادھر سے گزرا۔ امام علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا کہ کسی کے پیر میں زنجیر ہے کسی کے گلے میں طوق، کسی کی مشکیں کسی ہیں، کسی کے پیر اُونٹ کے پیٹ سے بندھے ہوتے ہیں تو آپ زار زار رونے لگے اور فرمایا خدا کی قسم آج کے بعد سے حرمت حرمِ خدا اور رسُول محفوظ نہ رہے گی۔ خدا کی قسم قوم انصار سے جو معاہدہ حضرت رسُولِ خدا نے لیا تھا۔ (یعنی ان کی اور ان کی اولاد کی حفاظت کا وہ بھُول گئے۔ خداوندا تو انصار سے سخت مواخذہ کرنا۔ حضرت کی پریشانی کا اس وقت یہ عالم تھا کہ ردائے مُبارک دوشِ اقدس سے گر گئی تھی۔ اس واقعہ کا آپ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ آپ اُسی روز سے بیمار پڑ گئے اور تقریباً بیس روز تک تپ کی وہ شدید تکلیف اٹھائی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ حضرت نے چاہا کہ اپنے چچا حضرت عبداللہ محض تک جائیں اور تسلّی و دلاسہ دیں مگر ایک سنگدل نے وہاں تک جانے نہ دیا۔

محمد نفس ذکیہ و ابراہیم پسران حضرت عبداللہ محض اس زمانہ میں روپوش ہو گئے تھے اور صحرائی عربوں کا بھیس بدل کر رہنے لگے تھے۔ چنانچہ اسی بھیس میں وہ چھپ کر ایک منزل پر جناب عبداللہ محض سے ملے۔ انھوں نے بیٹوں سے کہا کہ اِس ذلت کی زندگی سے عزّت کی موت بہتر ہے منصور اس زمانہ میں کوفہ میں تھا۔ قیدی اس کے سامنے پیش ہوئے۔ اس نے سب کو قید سخت کا حکم دیا جہاں نہ روشنی کا گذر تھا نہ تازہ ہوا کا۔ چند روز بعد ہی یہ لوگ مرنے لگے۔ قیامت یہ آئی کہ ان کے مُردوں کو بھی قید خانہ سے باہر نہ نکالا گیا، وہیں مرتے اور سڑتے رہے۔ اس سے وہاں کی ہوا اور

زیادہ گندی ہوگئی اور ایک ایسی وبا پھیلی کہ ہر روز دو چار مرنے لگے حقیقت یہ ہے کہ سادات کشی میں بنی عباس کے مظالم بنی اُمیہ سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئے تھے، بنی اُمیہ نے اگر ایسا کیا تو غیر ہو کر قدیمی دُشمن بن کر، یہ تو اپنے کہلاتے تھے۔ مالِ دُنیا کی طمع اور حکومت کی حرص نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ نیک و بد کی تمیز باقی نہ رہی اور دُنیا کے پیچھے آخرت کو بالکل بھول گئے۔ بہرحال غریب سادات نے اس قید خانہ میں بڑی عبرتناک حالت میں زندگی بسر کی۔ لیکن اس حالت میں بھی خدا کی یاد سے غافل نہ رہے۔ شب و روز تلاوتِ کلامِ پاک سے کام رہتا تھا۔ قید خانہ کی تاریکی میں دن کے اوقات کا چونکہ پتہ نہ چلتا تھا، اس لیے اپنی تلاوت کو پانچ حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا اور انھیں سے اوقاتِ نماز کا پتہ لگاتے تھے۔ ان کو اس قید خانے میں کئی کئی وقت فاقہ سے گزر جاتے تھے اور کوئی پُرسانِ حال نہ تھا۔ بلکہ کھانے کا کیا ذکر پانی بھی بقدرِ ضرورت نہ ملتا تھا۔

اب اِدھر کا حال سُنو، محمد نفس زکیہ نے بہت جلد ایک فوج فراہم کر کے منصور پر چڑھائی کی اور مدینہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر چند ہی روز بعد منصور کی فوجوں نے پھر آگھیرا۔ محمد ان کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے۔ آخر شہید ہو گئے۔ ان کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس ظالم نے اس سر کو ایک خوان میں رکھ کر قید خانہ میں ان کے بوڑھے باپ عبداللہ محض کے پاس بھجوا دیا۔ جناب عبداللہ اُس وقت نماز پڑھ رہے تھے کہ سر مصلّے کے پاس رکھا گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر جو دیکھا تو جوان بیٹے کا سر رکھا ہوا ہے۔ بے ساختہ ایک آہ سینے سے نکلی، سر کو چھاتی سے لگا لیا اور کہنے لگے، بیٹا! شاباش تم بے شک اُن ہی وعدہ وفا کرنے والوں میں سے ہو، جن کی تعریف خدا نے قرآن میں کی ہے بیٹا تم ایسے جوان تھے کہ تمھاری تلوار نے تم کو ذلت سے بچا لیا، اور تمھاری پرہیزگاری نے تم کو گناہوں سے محفوظ رکھا۔ پھر سر لانے والے سے کہا کہ منصور سے کہہ دینا کہ ہم تو مقتول ہو ہی چکے اب تمھاری باری ہے۔ اب ہمارا اور تمھارا انصاف خدا کے وہاں ہوگا۔ یہ کہہ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور دم نکل گیا۔

اب دوسرے بھائی یعنی ابراہیم کا حال سُنو، یہ بھی مدتوں اِدھر اُدھر گھومتے پھرے آخر انھوں نے بھی ایک فوج جمع کر کے مصر کی حکومت حاصل کر لی۔ جس زمانہ میں نفس زکیہ منصور سے لڑ رہے تھے انھوں نے بھائی کی مدد کو آنا چاہا۔ مگر منصور نے راستے بند کر رکھے تھے، ممکن نہ ہوا۔ محمد پر فتح پانے کے بعد منصور نے ابراہیم کا بھی خاتمہ کر دیا۔ صورت یہ ہوئی کہ ابراہیم اپنے لشکر کو ساتھ لیے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام ''الحمرا'' میں خیمہ زن تھے کہ منصور کا لشکر بھی وہاں پہنچ گیا۔ دونوں لشکروں میں سخت مقابلہ ہوا۔ سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ ابراہیم کی فتح کے آثار نمایاں ہو چکے تھے کہ یکایک معاملہ دگرگوں ہو گیا اور ابراہیم کی فوج نے بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کیا۔ مگر نیک دل ابراہیم کو ان کی

تباہ حالت پر رحم آگیا۔ اپنے سپاہیوں کو تعاقب سے روک دیا۔ منصور کے سردار "عیسیٰ" نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اور اپنی پراگندہ قوت کو جمع کرکے پھر یکایک حملہ کردیا۔ ابراہیم کی فوج کو اس بلائے ناگہانی کی کیا خبر تھی۔ وہ اپنی فتح دیکھ کر کمریں کھول چکے تھے کہ شکست خوردہ دشمن پھر لوٹا۔ اب ابراہیم کا مقابلہ کرنا دشوار ہوگیا۔ فوج تتر بتر ہوگئی۔ مجبوراً تلوار لے کر خود مقابلہ کو نکل پڑے دیر تک ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ آخر کہاں تک؟ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر کر ہلاک کردیا۔ یہ واقعہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۵ھ کا ہے۔ ابراہیم وہ شخص تھے کہ پورے پانچ برس روپوش رہے تھے۔ اور منصور باوجود اتنی قدرت و طاقت کے کسی طرح ان کو گرفتار نہ کرسکا تھا۔

ابراہیم اور نفس زکیہ کے قتل ہونے کے بعد بھی منصور کے مظالم سادات پر کم نہ ہوئے جہاں جس کو پایا بے قتل کئے نہ چھوڑا، اس زمانہ میں سادات کی وہ تباہی ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ منصور کے زمانہ میں بے شمار اولادِ علی شہید کئے گئے اور بہتوں کو دیواروں میں چنوا دیا گیا منصور اس زمانہ میں بغداد میں محل بنوا رہا تھا۔ اس میں جہاں اوروں کو اس نے زندہ چنوا دیا تھا۔ ایک حسنی نوجوان کو بھی چنوایا، وہ چونکہ بہت ہی حسین و خوبصورت تھا اس کے چہرہ پر جب معمار کی نظر پڑی تو بیساختہ اُس کا دل رونے لگا حکم سے مجبور تھا۔ دیوار میں چنتے چنتے اُسے موقع مل گیا۔ بولا کہ اے فرزند رسول آپ گھبرائیے نہیں، میں سانس کے لیے سوراخ چھوڑے دیتا ہوں اور رات کو آکر آپ کو رہا کر دوں گا۔ چنانچہ وہ رات کی تاریکی میں دیوار کے قریب آیا اور اینٹیں ہٹا کر اس نونہال باغِ رسالت کو دیوار سے نکال دیا اور کہا کہ آپ صرف اتنا کیجئے کہ اس طرح زندہ بچ کر کسی طرف چلے جایئے کہ آپ کا پتہ نشان نہ مل سکے اور اے فرزند رسول آپ اپنے نانا محمد مصطفٰے سے میری بخشش کی سفارش فرمایئے گا۔ انھوں نے شکریہ ادا کیا اور کہا اے شیخ اگر تجھ سے ہو سکے تو میری زلفوں کو تراش لے اور کسی رات کو میری دکھیا ماں کے پاس فلاں محلہ میں جا کر انھیں میری زلفیں دے کر کہہ دے کہ میں زندہ ہوں اور عنقریب ملوں گا۔ اس معمار کا بیان ہے کہ میں ان کی خواہش کے مطابق ان کے مکان پر پہنچا تو ان کی ماں بیٹھی رو رہی تھیں۔ میں نے انھیں ثبوتِ حیات کے لیے زلفیں دے کر نویدِ زندگی سنائی اور واپس چلا آیا۔ (جلاء العیون ص۲۶۹ طبع ایران و سوانح عمری چہاردہ معصومین حصہ ۲ ص۔)

تواریخ میں ہے کہ جناب نفس زکیہ کے شہید ہونے کے بعد سے جہاں مظالم کا پورا زور پیدا ہوگیا تھا۔ وہاں امام جعفر صادق علیہ السلام بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ان کو قتل کرانے کے بعد منصور نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو طلب کیا اور ان کی سخت تہدید کی اور قتل کی کھلے الفاظ میں دھمکی دی۔ (نور الابصار ص۱۳۳)

منصور کا حج اور امام جعفر صادق پر بہتان طرازی

حالات کی روشنی میں ہر با فہم اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کس دَور سے گزر رہی تھی اور منصور کس تاک میں تھا اور کس طرح بہانہ تلاش کر رہا تھا۔

تاریخ حبیب السیر میں ہے کہ ۱۴۷ھ میں منصور عباسی حج کے لیے گیا منصور نے حج سے فراغت کی تو ایک شخص نے اس سے کہا کہ امام جعفر صادق تمہارے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے اور اُکساتے ہیں۔ اُس نے امام علیہ السلام کو بُلا کر ان سے کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا ہے کہ آپ میری حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور لوگوں کو اُکساتے اور بھڑکاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے بادشاہ یہ بالکل غلط ہے اور اگر تجھے میرے کہنے پر یقین نہ آئے تو اُس شخص کو میرے سامنے طلب کر منصور نے اُسے بُلا لیا۔ آپ نے فرمایا کہ تُو نے مجھ پر کیوں بہتان باندھا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے سچ کہا ہے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو قسم کھا کر کہہ سکتا ہے اُس نے کہا ہاں، پھر اس نے خدا کی قسم کھائی آپ نے کہا اس طرح نہیں جس طرح میں کہوں، اس طرح قسم کھا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان سے یہ کہہ کر قسم کھا کہ "برئت من حول الله" میں خدا کی قوت و طاقت سے دُور ہٹ کر اپنے بھروسہ پر قسم کھاتا ہوں۔ اس نے پہلے تو ہلکا سا انکار کیا پھر وہ قسم کھا گیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ اُسی جگہ گر کر ہلاک ہو گیا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰ طبع مصر)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا دربارِ منصور میں

ایک طبیب ہندی سے تبادلہ خیالات

علامہ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی ابن شہر آشوب مازندرانی المتوفی ۵۸۸ھ نے دربارِ منصور کا ایک اہم واقعہ نقل فرمایا ہے۔ جس میں مفصل طور پر یہ واضح کیا ہے کہ ایک طبیب جس کو اپنی قابلیت پر بڑا بھروسہ اور غرور تھا۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے کس طرح سپر انداختہ ہو کر آپ کے کمالات کا معترف ہو گیا ہم موصوف کی عربی عبارت کا ترجمہ اپنے فاضل معاصر کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

ایک بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منصور دوانقی کے دربار میں تشریف فرما تھے۔ وہاں ایک طبیب ہندی طب کی باتیں بیان کر رہا تھا اور حضرت خاموش بیٹھے سُن رہے تھے۔ جب وہ کہہ چکا تو حضرت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اگر کچھ پُوچھنا چاہیں تو شوق سے پُوچھیں،

آپ نے فرمایا، میں کیا پوچھوں، مجھے تجھ سے زیادہ معلوم ہے۔ (طبیب اگر یہ بات ہے تو میں بھی کچھ سنوں (امام) جب کسی مرض کا غلبہ ہو تو اس کا علاج ضد سے کرنا چاہیئے یعنی حار "گرم" کا علاج بارد "سرد" سے تر کا خشک سے، خشک کا تر سے اور ہر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھے، یاد رکھ معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سو دواؤں کی ایک دوا ہے۔ جس چیز کا انسان عادی ہو جاتا ہے، اس کے مزاج کے موافق اور اس کی صحت کا سبب بن جاتی ہے۔ (طبیب) بے شک آپ نے جو بیان فرمایا ہے۔ اصل طب یہی ہے (امام)۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ میں نے جو بیان کیا ہے۔ یہ طب کی کتابیں پڑھ کر حاصل کیا ہے۔ بلکہ یہ علوم مجھ کو خدا کی طرف سے ملے ہیں۔ اب بتا تو زیادہ علم رکھتا ہے یا میں (طبیب) میں (امام) اچھا میں چند سوال کرتا ہوں ان کا جواب دے آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ سر میں کیوں ہے؟ سر پر بال کیوں ہیں۔ پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے۔ پیشانی پر خط اور شکن کیوں ہیں۔ دونوں پلکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں۔ ناک دونوں آنکھوں کے درمیان کیوں ہے۔ آنکھیں بادامی شکل کی کیوں ہیں۔ ناک کا سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہے، منہ پر دو ہونٹ کیوں بنائے گئے ہیں۔ سامنے کے دانت تیز اور ڈاڑھ چوڑی کیوں ہے اور ان دونوں کے بیچ میں لمبے دانت کیوں ہیں۔ دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہوں۔ مردوں کی داڑھی کیوں ہوتی ہے۔ ناخن اور بال میں جان کیوں نہیں۔ دل صنوبری شکل کا کیوں ہے۔ پھیپھڑے کے دو ٹکڑے کیوں ہوئے اور وہ اپنی جگہ حرکت کیوں کرتا ہے۔ جگر کی شکل محدب کیوں ہے۔ گردے کی شکل لوبئے کے دانے کی طرح کیوں ہوتی ہے۔ گھٹنے آگے کو جھکتے ہیں پیچھے کو کیوں نہیں جھکتے۔ دونوں پاؤں کے تلوے بیچ سے خالی کیوں ہیں؟ (طبیب) میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ (امام) بفضل خدا میں ان سب باتوں کا جواب جانتا ہوں (طبیب) بیان فرمائیے۔

(امام علیہ السلام) ۱۔ سر اگر آنسوؤں اور رطوبتوں کا مرکز نہ ہوتا تو خشکی کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا (۲) بال اس لیے سر پر ہیں کہ ان کی جڑوں سے تیل وغیرہ دماغ تک پہنچتا رہے اور بہت سے دماغی انجرے نکلتے رہیں۔ دماغ گرمی اور زیادہ سردی سے محفوظ رہے (۳) پیشانی بالوں سے اس لیے خالی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں میں نور پہنچتا ہے (۴) پیشانی میں خطوط اور شکن اس لیے ہیں کہ سر سے جو پسینہ گرے وہ آنکھوں میں نہ پڑ جائے۔ جب شکنوں میں پسینہ جمع ہو تو انسان اُسے پونچھ کر پھینک دے جس طرح زمین پر پانی جاری ہوتا ہے تو گڑھوں میں جمع ہو جاتا ہے (۵) پلکیں اس لیے آنکھوں پر قرار دی گئی ہیں کہ آفتاب کی روشنی اسی قدر ان پر پڑے جتنی کہ ضرورت ہے اور بوقت ضرورت بند ہو کر مردمک چشم کی حفاظت کر سکیں نیز سونے میں مدد دے سکیں، تم نے دیکھا ہو گا کہ جب انسان زیادہ روشنی میں بلندی کی طرف کسی چیز کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہاتھ کو آنکھوں کے

اوپر رکھ کر سایہ کر لیتا ہے (۶) ناک کو دونوں آنکھوں کے بیچ میں اس لیے قرار دیا ہے کہ مجمع نور سے روشنی تقسیم ہو کر برابر دونوں آنکھوں کو پہنچے (۷) آنکھوں کو بادامی شکل کا اس لیے بنایا ہے کہ بوقت ضرورت سلائی کے ذریعے سے دوا (سرمہ وغیرہ) اس میں آسانی سے پہنچ جائے، اگر آنکھ چوکور یا گول ہوتی تو سلائی کا اس میں پھرنا مشکل ہوتا دوا اس میں بخوبی نہ پہنچ سکتی اور بیماری دفع نہ ہوتی (۸) ناک کا سوراخ نیچے کو اس لیے بنایا کہ دماغی رطوبتیں آسانی سے نکل سکیں۔ اگر اوپر کو ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی اور دماغ تک کسی چیز کی بو بھی جلدی نہ پہنچ سکتی (۹) ہونٹ اس لیے منہ پر لگائے گئے کہ جو رطوبتیں دماغ سے منہ میں آئیں وہ رکی رہیں اور کھانا بھی انسان کے اختیار میں رہے جب چاہے پھینک اور تھوک دے (۱۰) داڑھی مردوں کو اس لیے دی کہ مرد عورت میں تمیز ہو جائے (۱۱) اگلے دانت اس لیے تیز ہیں کہ کسی چیز کا کاٹنا یا کھٹکٹا سہل ہو۔ اور ڈاڑھ کو چوڑا اس لیے بنایا کہ غذا پیسنا اور چبانا آسان ہو۔ ان دونوں کے درمیان لمبے دانت اس لیے بنائے کہ دونوں کے استحکام کے باعث ہوں۔ جس طرح مکان کی مضبوطی کے باعث ستون (کھمبے) ہوتے ہیں (۱۲) ہتھیلیوں پر بال اس لیے نہیں کہ کسی چیز کو چھونے سے اس کی نرمی، سختی، گرمی اور سردی وغیرہ آسانی سے معلوم ہو جائے۔ بالوں کی صورت میں یہ بات حاصل نہ ہوتی (۱۳) بال اور ناخن میں جان اس لیے نہیں کہ ان چیزوں کا بڑھنا بُرا معلوم ہوتا ہے اور نقصان رساں ہے۔ اگر ان میں جان ہوتی تو کاٹنے میں تکلیف ہوتی (۱۴) دل صنوبری شکل یعنی سر پتلا اور دم چوڑی (نچلا حصہ) اس لیے ہے کہ بآسانی پھیپھڑے میں داخل ہو سکے اور اس کی ہوا سے ٹھنڈک پاتا رہے تاکہ اس کے بخارات دماغ کی طرف چڑھ کر بیماریاں پیدا نہ کریں (۱۵) پھیپھڑے کے دو ٹکڑے اس لیے ہوتے کہ دل ان کے درمیان رہے اور وہ اس کو ہوا دیں (۱۶) جگر محدب اس لیے ہوا کہ اچھی طرح معدے کے اوپر جگہ پکڑے اور اپنی گرانی و گرمی سے غذا کو ہضم کرے (۱۷) گردہ لوبیے کے دانہ کی شکل کا اس لیے ہوا کہ منی) یعنی نطفہ انسانی پشت کی جانب سے اس میں آتا ہے اور اس کے پھیلنے اور سکڑنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ نکلتا ہے جو سبب لذت ہے۔ (۱۸) گھٹنے پیچھے کی طرف اس لیے نہیں جھکتے کہ چلنے میں آسانی ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو آدمی چلتے وقت گر گر پڑتا۔ آگے چلنا آسان نہ ہوتا (۱۹) دونوں پیروں کے تلوے بیچ میں سے اس لیے خالی ہیں کہ دونوں کناروں پر بوجھ پڑنے سے بآسانی پیر اٹھ سکیں اگر ایسا نہ ہوتا اور پورے بدن کا بوجھ پیروں پر پڑتا تو سارے بدن کا بوجھ اٹھانا دشوار ہو جاتا۔

یہ جوابات سن کر ہندوستانی طبیب حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ آپ نے یہ علم کس سے سیکھا ہے فرمایا اپنے دادا سے انھوں نے رسول خدا سے حاصل کیا تھا اور انھوں نے خدا سے سیکھا ہے۔ اس

24

نے کہا ۔"اِنا اشہد ان لاَ الٰہ اِلّا اللہ وان محمداً رسول اللہ وعبدہٗ" میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے رسول اور عبد خاص ہیں وانک اعلم اھل زمانہ اور آپ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ (مناقب جلد ۵ صـ۴۶ طبع بمبئی وسوانح چہاردہ معصومین حصہ ۲ صـ۲۵)

امام جعفر صادق علیہ السّلام کو بال بچوں سمیت جلا دینے کا منصوبہ

طبیب ہندی سے گفتگو کے بعد امام علیہ السّلام کا عام شہرہ ہوگیا اور لوگوں کے قلوب پہلے سے زیادہ آپ کی طرف مائل ہوگئے۔ دوست اور دشمن آپ کے علمی کمالات کا ذکر کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر منصور کے دل میں آگ لگ گئی، اور وہ اپنی شرارت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر منصوبہ بنانے لگا کہ اب جلد سے جلد انھیں ہلاک کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے ظاہری قدر و منزلت کے ساتھ آپ کو مدینہ روانہ کر کے حاکم مدینہ حسین بن زید کو حکم دیا۔ "ان احرق جعفر بن محمد فی دارہ" امام جعفر صادق علیہ السلام کو بال بچوں سمیت گھر کے اندر جلا دیا جائے۔ یہ حکم پا کر والیٔ مدینہ نے چند غنڈوں کے ذریعہ سے رات کے وقت جبکہ سب محوخواب تھے آپ کے مکان میں آگ لگوا دی، اور گھر جلنے لگا۔ آپ کے اصحاب اگرچہ اسے بجھانے کی پوری سعی کر رہے تھے، لیکن بجھنے کو نہ آتی تھی۔ بالآخر آپ انھیں شعلوں میں کہتے ہوئے کر "انا ابن اعراق الثریٰ انا ابن ابراھیم الخلیل" اے آگ میں وہ ہوں جس کے آبا و اجداد زمین و آسمان کی بنیادوں کے سبب ہیں اور میں خلیل خدا ابراہیم نبی کا فرزند ہوں، نکل پڑے اور اپنی عبا کے دامن سے آگ بجھا دی۔ (تذکرۃ المعصومین صـ۱۸۱ بحوالہ اصول کافی آقائے کلینی علیہ الرحمۃ)

سنہ ۱۴۷ ہجری میں منصور کا حج اور امام جعفر صادق کے قتل کا عزم بالجزم

علامہ شبلنجی اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی رقمطراز ہیں کہ سنہ ۱۴۷ ہجری میں منصور حج کو گیا، اسے چونکہ امام کے دشمنوں کی طرف سے برابر یہ خبر دی جا چکی تھی کہ امام جعفر صادق تیری مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اور تیری حکومت کا تختہ پلٹنے کی سعی میں ہیں۔ لہٰذا اس نے حج سے فراغت کے بعد مدینہ کا قصد کیا اور وہاں پہنچ کر اپنے مصاحب خاص، ربیع سے کہا کہ جعفر بن محمد کو بلوا دو، ربیع نے وعدہ کے باوجود ٹال مٹول کی۔ اس نے پھر دوسرے دن سختی کے ساتھ کہا کہ انھیں بلواؤ۔ میں کہتا ہوں کہ خدا مجھے قتل کرے اگر میں انھیں قتل نہ کر سکوں۔ ربیع نے امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، مولا آپ کو منصور بلا رہا ہے، اور اُس کے تیور بہت خراب ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس ملاقات میں آپ کو قتل کر دے گا۔ حضرت نے فرمایا "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم" یہ اس دفعہ ناممکن ہے۔ غرضکہ ربیع آنحضرت کو لے کر حاضر دربار ہوا۔ منصور کی نظر جیسے ہی آپ پر پڑی تو

آگ بگولہ ہو کر بولا " یا عدو اللہ " اے دشمن خدا تم کو اہل عراق امام مانتے ہیں اور تمھیں زکوٰۃ اموال وغیرہ دیتے ہیں اور میری طرف ان کا کوئی دھیان نہیں، یاد رکھو، میں آج تمھیں قتل کر کے چھوڑوں گا اور اس کے لیے میں نے قسم کھالی ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا۔ اے امیر جناب سلیمانؑ کو عظیم سلطنت دی گئی تو انھوں نے شکر کیا۔ جناب ایوبؑ کو بلا میں مبتلا کیا گیا تو انھوں نے صبر کیا۔ جناب یوسفؑ پر ظلم کیا گیا تو انھوں نے ظالموں کو معاف کر دیا، اے بادشاہ یہ سب انبیا تھے اور انھیں کی طرف تیرا نسب بھی پہنچتا ہے۔ تجھے تو ان کی پیروی لازم ہے، یہ سن کر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ (نور الابصار صـ ۱۳۲، مطالب السؤل صـ ۲۷۶)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی دربارِ منصور میں ساتویں طلبی

۱۴۷ھ میں حج سے فراغت کے بعد جب منصور اپنے دارالخلافہ میں پہنچا تو مشیروں نے موقع سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر چھیڑا۔ منصور جو اسی دوران میں ان سے مل کر آیا تھا۔ اس نے فوراً حکم دے دیا کہ امام جعفر صادق کی طلبی کی جائے اور انھیں بلا کر میرے سامنے دربار میں پیش کیا جائے۔ دعوت نامہ چلا گیا اور امام علیہ السلام مدینہ سے چل کر دربار میں اس وقت پہنچے جب اُسے ایک مکھی ستا رہی تھی اور وہ اُسے بار بار ہنکار رہا تھا وہ منہ پر بیٹھی تھی اور منصور اسے دفع کرتا تھا، لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔ منصور امام علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر بولا، کہ ذرا یہ تو بتایئے کہ خدا نے مکھی کو کیوں پیدا کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا "لیذل بہ الجبابرۃ" کہ خدا نے مکھی اس لیے پیدا کی ہے کہ اس کے ذریعہ سے جابروں کو ذلیل کرے، اور سرکشوں کا سر جھکائے (نور الابصار صـ ۱۴۴، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ صـ ۴۰)۔

امام جعفر صادقؑ اور شیر دربار

ایک دن کا ذکر ہے کہ منصور نے بابل سے ستر جادوگروں کو بلا کر دربار میں بٹھایا ہوا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ میں عنقریب اپنے ایک دشمن کو بلانے والا ہوں وہ جب یہاں پر آئے تو تم اس کے ساتھ کوئی ایسا کرتب کرنا جس سے وہ ذلیل ہو جائے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ ستر مصنوعی شیر دربار میں بیٹھے ہیں۔ آپ کو غصہ آگیا اور آپ نے ان شیروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اپنے بنانے والوں کو نگل لو۔ وہ شیر کی تصویریں مجسم ہوئیں اور انھوں نے سب کاہنوں کو نگل لیا، یہ دیکھ کر منصور کانپنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا، ابن رسول اللہ ان شیروں کو حکم دیجیے کہ ان جادوگروں کو اگل دیں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر عصائے موسیٰ نے سانپوں کو اگل دیا ہوتا تو یقین ہے کہ یہ بھی اگل دیتے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۲ صـ ۱۳، بحوالہ شرح شافیہ ابی فراس)۔

امام علیہ السّلام کے دربار میں قتل کئے جانے کا بندوبست

علّامہ دھرشتی بحوالہ کتاب مشارق الانوار علامہ طبرسی رقمطراز ہیں کہ منصور عباسی جب آپ کی روحانیت سے عاجز آ گیا اور کسی مرتبہ قتل کرنے میں کامیابی نہ حاصل کر سکا تو اس نے سو ایسے افراد تلاش کئے جو کچھ جانتے اور پہچانتے ہی نہ تھے۔ بالکل اُجڈ اور کندہ ناتراش تھے۔ اس نے مال و دولت دے کر اس امر پر راضی کیا کہ جب امام جعفر صادق کی طرف اشارہ کیا جائے تو وہ انھیں قتل کر دیں۔ یہ پروگرام مرتب ہونے کے بعد رات کے وقت حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کو بُلایا گیا۔ آپ تشریف لائے حکم تھا کہ بالکل تنہا تشریف لائیں۔ آپ اکیلے آئے۔ جب آپ دربار میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کی نظریں آپ پر پڑیں جو تلواریں سونتے ہوئے کھڑے تھے تو وہ سب کے سب تلواریں پھینک کر آپ کے قدموں پر گر پڑے۔ یہ حال دیکھ کر منصور نے کہا، ابن رسول اللہ آپ رات کے وقت کیوں تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھے گرفتار کرا کے منگوایا ہے۔ اب کہتا ہے کیوں آئے ہو؟ اُس نے کہا معاذاللہ کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ تشریف لے جائیں اور قیام گاہ میں آرام فرمائیں۔ آپ واپس چلے گئے وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے۔ امام علیہ السّلام کے چلے جانے کے بعد ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تم نے خلاف ورزی کیوں کی اور انھیں قتل کیوں نہیں کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو وہ امام زمانہ ہے جو ہماری شب و روز خبرگیری کرتا ہے اور ہمیشہ ہماری اپنے بچوں کی طرح پرورش کرتا ہے۔ یہ سُن کر منصور ڈر گیا اور اُسے خیال ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھ سے اس کا بدلہ نہ لینے لگیں۔ اسی لیے اُنھیں رات ہی میں روانہ کر دیا "ثم قتل باالسم" پھر آپ کو زہر سے شہید کرا دیا۔ (دمعہ ساکبہ ص۴۸۱ جلد ۲ طبع نجف علامہ اربلی کا کہنا ہے کہ آپ کو قید خانہ میں زہر دیا گیا تھا۔ (کشف الغمہ ص۱۰۰) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا۔ (جنات الخلود ص۲۸) بالآخر آپ اس آخری زہر سے شہید ہو گئے جو انگور کے ذریعے سے دیا گیا تھا۔ (جلاء العیون ص۲۶۸)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی شہادت

علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ بتاریخ ۱۵ شوال ۱۴۸ھ بعمر ۶۵ سال آپ نے اس دارِ فانی سے بطرفِ ملکِ جاودانی رحلت فرمائی ہے۔ ارشاد مفید ص۴۱۳ اعلام الوریٰ ص۱۵۹ نور الابصار ص۱۳۲ مطالب السول ص۲۷۷ یوم وفات دوشنبہ تھا اور مقام دفن جنت البقیع ہے۔

علّامہ ابن حجر علامہ سبط ابن جوزی علامہ شبلنجی علامہ ابن طلحہ شافعی تحریر طراز ہیں کہ مات مسموماً ایام المنصور، منصور کے زمانہ میں آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں صواعق محرقہ ص۱۲۱

(غایۃ الاختصار ص۶۳ صحاح الاخبار ص۴۴)

تذکرہ خواص الامۃ نور الابصار صفحہ ۱۳۳ ارجح المطالب صفحہ ۴۵۰)۔
علمار اہلِ تشیع کا اتفاق ہے کہ آپ کو منصور دوانقی نے زہر سے شہید کرایا تھا، اور نماز حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے پڑھائی تھی۔ علامہ کلینی اور علامہ مجلسی کا ارشاد ہے کہ آپ کو نہایت قیمتی کفن دیا گیا اور آپ کے مقام وفات پر ہر شب چراغ جلایا جاتا رہا۔ کتاب کافی وجلاء العیون مجلسی ۲۹۶

آپ کی اولاد

آپ کے مختلف بیویوں سے دس اولاد تھیں۔ جن میں سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں (۱) جناب اسمٰعیل (۲) حضرت امام موسیٰ کاظم (۳) عبداللہ (۴) اسحاق (۵) محمد (۶) عباس (۷) علی اور لڑکیوں کے اسمار یہ ہیں (۱) ام فروہ (۲) اسمار (۳) فاطمہ (ارشاد وجنات الخلود) علامہ شبلنجی نے سات اولاد تحریر کیا ہے۔ جن میں صرف ایک لڑکی کا حوالہ دیا ہے جس کا نام "ام فروہ" تھا۔ (نور الابصار صفحہ ۱۳۳)۔
آپ ہی کی اولاد سے خلفار فاطمیہ گزرے ہیں جن کی سلطنت ۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک دو سو ستر سال قائم رہی، ان کی تعداد چودہ تھی۔

فاطمی خلفاء

مورخ احسان اللہ عباسی اپنی تاریخ اسلام کے صفحہ ۴۲۲ میں لکھتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری کے اخیر میں ایک بڑی زبردست سلطنت علویوں کی مغرب میں قائم ہوئی۔ بنو امیہ اور عباسیوں کے بعد حدود ارضی کے اعتبار سے نیز اس اعتبار سے کہ عرصہ تک بادشاہت قائم رہی۔ علوی سلطنت تیسرے درجے میں شمار ہوتی ہے۔ بغداد سے پچھم اندلس تک علویوں کی بادشاہت تھی۔ کچھ دنوں تک شام، مکہ اور مدینہ میں بھی علویوں کا زور تھا۔ سال بھر تک خطبہ بغداد میں "مستنصر علوی" کا نام لیا گیا۔ اندلس ایسی مستقل اور زبردست اسلامی سلطنت عرصہ تک علویوں کا ایک صوبہ رہی۔ سلاطین علویہ باعتبار خلفار عباسیہ زیادہ پابند احکام شرعیہ تھے، لہو ولعب سے ان کو پرہیز تھا اسی لیے عیسائی مورخوں نے براہ تعصب علویوں کو متعصب لکھا ہے۔ ڈھائی سو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک یہ خاندان قائم رہا۔ چودھویں بادشاہ عاضد پر ۵۶۷ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔
علامہ علی حیدر لکھتے ہیں کہ یہی سلاطین علویہ، خلفار فاطمین کے نام سے مشہور ہیں، یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے جنابِ اسماعیل اپنے والد ماجد کی زندگی میں انتقال فرما گئے تھے۔ مگر آپ کی شادی ہو چکی تھی جن سے آپ کے صاحبزادے "محمد" پیدا ہوئے تھے، ان کے فرزند عبداللہ الرضی اور ان کے فرزند احمد الوفی اور ان کے بیٹے حسین التقی، اور ان کے بیٹے، عبیداللہ المھدی ہوئے جو خلفار فاطمین کے بزرگ

تھے۔ اسی وجہ سے اس خاندان کو "اسماعیلیہ" کہتے ہیں، اثنا عشری فرقے کے لوگ ان لوگوں کو "شش امامی" بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ۱۲، اماموں میں سے صرف چھ اماموں کو مانتے ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو (حکم خدا و رسولؐ کے خلاف) امام نہیں مانتے بلکہ جناب اسماعیل کے بیٹے "محمد" کو امام مانتے ہیں اور اس امر کے قائل ہیں کہ امامت جناب اسماعیل ہی کی اولاد میں قیامت تک رہے گی۔ ہندوستان و (پاکستان) کے شیعہ بوھروں اور آغا خانی خوجوں کا یہی مذہب ہے۔ مورخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول ۲۹۷ھ (۹۰۹ء) کو یہ سلطنت قائم ہوئی۔ انتہائے عروج کے زمانے میں ان کی سلطنت بحر ظلمات سے صحرائے شام تک اور بحیرہ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ مراکش بلاد الجزائر۔ تونس۔ طرابلس۔ برقہ۔ مصر۔ شام۔ حجاز۔ یمن۔ جزیرہ صقلیہ اور بحیرۂ روم کے بعض اور جزیرے اس میں شامل تھے۔ بلکہ بغداد و موصل تک میں ایک سال تک ان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ان بادشاہوں کو علوم و فنون کا بھی کمال شوق تھا۔ خود بھی بڑے عالم و فاضل تھے۔ انھوں نے مصر میں ہر قسم کی ایسی ترقی۔ رونق اور روشنی پھیلائی جو انھیں کے زمانے سے مخصوص تھی۔ نہ ان سے پہلے مصر کو یہ دن نصیب ہوا تھا نہ ان کے بعد ہوا۔ اسٹینلی لین پول لکھتا ہے کہ "خاندانِ فاطمیہ کی دولت و حشمت، شان و شوکت اور تجارت۔ بحیرۂ روم کی خوش حالی کا باعث ثابت ہوئی۔"

ذیل میں اس خاندان کے چودہ بادشاہوں کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

(۱) جناب ابو محمد عبید اللہ المھدی باللہ

آپ ۲۶۰ھ ہجری مطابق ۸۷۳ء عیسوی میں بمقام سلمیہ یا کوفہ پیدا ہوئے۔ اور آپ نے سلطنت فاطمیین کی بنیاد قائم کی، ۳۰۳ھ سے ۳۰۶ھ تک انھوں نے بنی فاطمہ کو خارجیوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے "قیروان" کے قریب ایک مضبوط شہر اور مستحکم قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام "مہدیہ" رکھ کر دار الحکومت قرار دیا۔ قیروان اور طرابلس کو فتح کر کے مصر کی طرف آئے۔ یہاں خلیفہ مقتدر عباسی کی طرف سے "مونس خادم" مقابلہ کو آیا لیکن کامیابی جناب عبید اللہ ہی کو ہوئی۔ آپ نے تمام مغرب اقصیٰ (مراکو) کو مسخر کر کے فاطمی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مغرب اقصیٰ کی فتح کے بعد آپ اندلس فتح کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے کہ اجل آگئی۔ آپ نے اپنی سلطنت اپنی حیات ہی میں سرحد مصر سے بحر ظلمات اور جزائر خالدات (کزیز) تک اور بحیرۂ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیلائی تھی۔ آپ کی خلافت زبردست اور مستعدانہ تھی۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ آپ نے دادگستری اور فیاضی کے

ساتھ سلطنت کی، لوگ آپ کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ آپ کا عہدِ جلوس ربیع الاوّل ۲۹۷ھ تھا آپ کی تاریخِ وفات ۱۵ ربیع الاوّل ۳۲۲ھ مدّت سلطنت ۲۴ سال، مدت عمر ۶۲ سال تھی آپ شہر مہدیہ میں دفن کیے گئے

(۲) جناب القاسم محمد نزار قائم بامر اللہ بن مہدی

آپ کی تاریخِ ولادت محرم ۲۸۰ھ مطابق ۸۹۳ء۔ تاریخِ جلوس ۱۵ ربیع الاوّل ۳۲۲ھ مدّت سلطنت ۱۲ سال، ۷ ماہ اور مدت عمر ۵۴ سال ۹ ماہ تھی۔ بڑے جنگ آزمودہ تھے، اکثر جنگوں میں خود فوج لے کر جایا کرتے تھے۔ مسٹر امیر علی نے لکھا ہے کہ یہ پہلے فاطمی خلیفہ ہیں جنھوں نے بحیرۂ روم پر حکومت و اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیار کیا۔ ۳۲۲ھ میں مغرب اقصیٰ کی بغاوت فرو کی اور "ریف" کے بنو ادریس کو مطیع کیا۔ اٹلی کے ڈاکو فاطمی خلیفہ کے بندرگاہوں پر لوٹ مار کر جایا کرتے تھے۔ اس کے ردِعمل میں آپ کا سپہ سالار جنوبی اٹلی کو گیتا تک تاراج کرتا ہوا شہر "جنوا" تک جا پہنچا۔ اس نے شہر کو فتح کر کے بہت سے باشندوں کو گرفتار کر لیا۔ شہر "جنوا" مدّت دراز تک خلفاء فاطمین کے قبضے میں رہا۔ انکبروہ (لومبرڈی) کا ایک حصہ بھی قبضے میں آگیا۔ یقین ہے کہ اگر آپ کی اپنی سلطنت میں بغاوت نہ شروع ہو جاتی تو آپ پورے ملک "اٹلی" کو فتح کر لیتے۔ آپ کے اس بیڑے نے واپسی کے موقع پر "سارڈینا" پر حملہ کر کے فرنگیوں کو بہت سی شکستیں دیں۔ پھر قرقیسیا کا رُخ کیا جو شام کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں اس نے عباسیوں کے جہاز کو جلا دیا اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر "مہدیہ" کی طرف مراجعت کی۔ ۳۳۳ھ میں آپ کے خادم "زیدان" نے اسکندریہ فتح کر لیا۔ پھر اہلِ سسلی نے بغاوت کی اور شاہِ قسطنطنیہ کے بیڑے کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا۔ مگر صقلیہ کے فاطمی گورنر نے قلعہ "الوثور" اور قلعہ "بلوط" فتح کر کے "حرجنت" کا محاصرہ کر لیا اور آپ کے بیڑے نے رُومی بیڑے کو تباہ کر ڈالا۔ آپ کے زمانے میں "ابو یزید خارجی" نے بغاوت کی جو مدّت دراز تک جاری رہی۔ اسی دوران میں "قائم بامر اللہ" نے بیمار ہو کر انتقال کیا۔

(۳) جناب ابوطاہر اسمٰعیل منصور باللہ بن القائم

آپ ۳۰۲ھ میں بمقام قیروان پیدا ہوئے اور ۱۳ شوال ۳۳۴ھ میں سلطنت سنبھالی اور شوال ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔ مدّت سلطنت سات سال ۱۶ یوم تھی، آپ کی عمر ۳۹ سال کی تھی۔

آپ بڑے بہادر، عقلمند، مستعد، مستقل مزاج، خوش خلق، ادیب لبیب، شاعر، مقرر

بلیغ اور نہایت منتظم تھے ۔ آپ پہلے سے سوچے بغیر خطبہ شروع کرتے تھے اور دریا کی روانی کی طرح بیان کرتے چلے جاتے تھے ۔ آپ کا ایسی حالت میں بادشاہ ہونا کہ ابویزید کی بغاوت سے تمام ملک میں غدر مچا ہوا تھا، ساحلِ بحر کے چند قلعہ بند شہروں اور مہدیہ (پایۂ تخت) کے سوا کچھ بھی قبضہ میں نہ رہ گیا تھا ۔ اندلس کے اموی خلیفہ ناصر نے مغرب اقصیٰ پر قبضہ کر لیا تھا سلطنت کا سنبھالنا اور اپنے تمام آبائی ملکوں پر دوبارہ قبضہ کر لینا انھیں کا کام تھا ۔ آپ نے بادشاہ ہوتے ہی ابویزید سے ایسی جنگ کی کہ وہ بدحواس ہو کر بھاگا ۔ ربیع الاول ۳۳۵ھ میں انھوں نے ابویزید کا تعاقب کیا اور اُسے دباتے چلے گئے ۔ جنگل بیابان، پہاڑ، وادی اور دلدلوں کی کچھ پرواہ نہ کی، یہاں تک کہ اُس کے پیچھے "بلاسودان" کے ایسے ویرانے میں پہنچے جہاں پانی کی ایک مشک ایک اشرفی کو ملتی تھی، غرض سخت لڑائی کے بعد ابویزید مارا گیا ۔ صاحب اخبار الحقائق لکھتے ہیں کہ ابویزید ملحد تھا ۔ خدا نے اُس کے شر سے اہلِ مغرب کو نجات دلادی ۔ وہ بہت بڑا ظالم تھا ۔ اسی بادشاہ منصور نے بمقام "فتح" منصوریہ کی تعمیر کی اور اس کے گورنر "حسن" نے شہر "ریو" کے وسط میں مسجد بنوائی ۔

(۴) جناب ابوتمیم معز لدین اللہ بن المنصور

آپ ۱۱ رمضان المبارک ۳۱۹ھ میں بمقام "مہدیہ" پیدا ہوئے ۔ شوال ۳۴۱ھ میں سلطنت سنبھالی ۔ ۱۵ ربیع الآخر ۳۶۵ھ کو قاہرہ میں وفات پائی ۔ ۲۳ سال ۶ ماہ حکومت کی ۔ ۴۵ سال ۷ ماہ آپ کی عمر تھی ۔

آپ نہایت زیرک اور باہوش بادشاہ تھے، مخالفوں نے بھی آپ کو "بادشاہ دانا" مستعد بہادر، سخی، منصف، عادل، کریم الاخلاق، سائنس و فلسفہ میں ماہر، علوم و فنون کا بڑا مربی، صائب الرائے امورِ مملکت سے آگاہ ۔ علمِ نجوم و ہئیت کا شائق و ماہر لکھا ہے ۔

علوم و فنون کی قدر دانی کے لحاظ سے بعض مورخوں نے انھیں مغرب کا "مامون" لکھا ہے معز کے عہدِ حکومت میں شمالی افریقہ نے اعلیٰ درجہ کی تہذیب اور خوش حالی حاصل کی ۔ لوگ فارغ البالی اور خوش حالی میں بسر کرتے تھے ۔ بادشاہ نے ملک کے اندرونی فساد اور ہنگامے سختی سے فرو کئے انتظام اصلی اصول کی بنیاد پر قائم کیا ۔ تمام کاموں کے واسطے قواعد و ضوابط مرتب کئے ۔ امن قائم رکھنے کے لیے فوج کے ساتھ ملیشیا بھی قرار دیا ۔ فوج اور بیڑے کو از سرِ نو ترتیب دیا اور تجارت و صنعت و حرفت کو بھرپور فروغ دیا ۔ مورخ ابنِ خلدون نے لکھا ہے کہ "چونکہ معز الدین اللہ نرم مزاج اور رحم دل تھے اور خدا نے ایک عجیب و غریب شعور و لیاقت ان کو عطا کی تھی، وہ سردار بھی جو اُن کے آباؤ اجداد کے خون کے پیاسے تھے وہ چاہے دل سے نہ ہوں ۔ لیکن بظاہر اُس پر جان دیتے

تھے، معزان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا تھا۔ (تاریخ اسلام مسٹر ذاکر حسین ص۱۱۶) مورخ عباسی لکھتے ہیں۔ سلطنت نے اس کے زمانے میں عروج پکڑا۔ مصر، اسکندریہ، مکہ اور مدینہ تمام مقامات عباسیوں سے تصرف سے نکل کر اس کی سلطنت میں شامل ہوئے۔ شام پر بھی اس کا دخل ہوگیا۔ قاہرہ اس کا آباد کیا ہوا شہر اب تک مصر کا دارالخلافہ ہے۔ اس بادشاہ نے مصر کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا اور پھر برابر سلاطین اسمٰعیلیہ کا بھی دارالخلافہ رہا (تاریخ اسلام ص۴۲۴)۔ اندلس کے اموی خلیفہ "ناصر الدین اللہ" نے ایک ایسا بڑا تجارتی جہاز بنوایا تھا کہ اس وقت تک دنیا کی کسی سلطنت نے اتنا بڑا جہاز تیار نہیں کیا تھا۔ اس جہاز نے "معزالدین اللہ" کے جہاز کو لوٹ لیا تو آپ نے ایک زبردست بیڑا تیار کرا کے اُندلس پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ کر دیا۔ اُس بیڑے نے "مریہ" کی لنگر گاہ میں گھُس کر تمام جہازوں کو پھونک دیا۔ پہلے جہاز کو گرفتار کر لیا اور خشکی میں اُتر کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور بہت کچھ مالِ غنیمت لے کر واپس پلٹا۔ اس کے بعد بھی یہ اموی اور فاطمی بادشاہ آپس میں لڑ کر اپنی قوت ضائع کرتے رہے، ورنہ ایسے زبردست تھے کہ اگر ان میں اتحاد ہوتا تو اس وقت تمام یورپ کو فتح کر لینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ۳۴۸ھ کے ختم ہوتے ہوتے حدود مصر سے ساحل بحر اوقیانوس تک پھر تمام ممالک پر فاطمی خلیفہ کا قبضہ ہوگیا۔ ۳۵۲ھ میں رومیوں سے سخت لڑائی ہوئی مسلمانوں نے فتح پائی اور بہت سے رُومی گرفتار کر لئے گئے۔ ۳۵۱ھ سے ۳۵۴ھ تک جزیرہ صقلیہ سے رُومیوں کی سلطنت بالکل نیست و نابود کر دی۔ ۳۵۹ھ میں یورپ کی فوجوں نے جنوبی اٹلی کے مُسلمانوں پر چڑھائی کی۔ مگر سب کوششیں بے سُود ثابت ہوئیں۔ ۳۵۸ھ میں اہل مصر کی درخواست پر ان کی فریاد رسی کرنے کے لیے "ابوالحسن جوہر" کو ایک لاکھ سے زیادہ سوار اور بارہ سو سے زیادہ مال کے صندوق دے کر مصر کی طرف روانہ کر دیا۔ جوہر کو پوری کامیابی نصیب ہوئی۔ "شہر قاہرہ معزیہ" کو آباد کر کے دارالحکومت بنایا، مصر سے عباسیوں کا سکہ اور خطبہ موقوف کر کے معزالدین اللہ کے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔ اذان میں "حیّ علی خیر العمل"۔ پھر سے جاری کیا گیا۔ نماز میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" باآواز بلند پڑھا جانے لگا۔ اور خطبہ کے بعد اللّٰھم صلِ علیٰ محمد المصطفیٰ وعلی علی المرتضیٰ وعلی فاطمۃ البتول وعلی الحسن والحسین سبطی الرسول الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا وصل علی الائمۃ الطاھرین ابناء امیرالمومنین الخ پڑھا جانے لگا۔ اور اہلبیت کے فضائل بیان ہونے لگے۔ اس کے بعد جوہر نے بادشاہ کے حکم سے "جامعہ ازھر" تعمیر کی جو اس وقت اہل اسلام کی سب سے بڑی "یونیورسٹی" ہے ۳۶۴ھ میں "عید غدیر" مصر میں پہلی بار کمال شان و شوکت سے منائی گئی۔

جوہر نے مصر فتح کرنے کے بعد شام فتح کر لیا اور عباسیوں کا خطبہ موقوف کر کے فاطمی بادشاہ کا خطبہ

جاری کر دیا۔ ۳۶۳ھ میں مکّہ اور مدینہ میں بھی معز کے نام کا خطبہ مستقل طور پر جاری ہوگیا۔ مورخ حبیب السیر نے لکھا ہے کہ معز نے ایسی عدالت اور سخاوت کے ساتھ سلطنت کی کہ اس سے زیادہ خیال میں نہیں آسکتی پندرہ ہزار اونٹ اور دس ہزار خچر زر سے لدے ہوئے افریقہ سے قاہرہ لے کر آئے۔ انھوں نے خزانچی کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر روز چند صندوق پُر زر دربار میں لاکر رکھے۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتا رہا۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر محتاج ایک مٹھی زر اس میں سے لے لے مقریزی نے لکھا ہے کہ معز کا خطبہ تمام ممالک مغرب۔ مصر۔ شام۔ حجاز اور بعض عراق کے علاقوں میں پڑھا جاتا تھا۔

(۵) جناب ابُومنصُور نزار عزیز باللہ بن معز

آپ ۱۴ محرّم الحرام ۳۴۴ھ کو مہدیہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ ربیع الثانی ۳۶۵ھ میں تخت نشین ہوئے اور ۲۸ ماہ رمضان ۳۸۶ھ میں انتقال کر گئے آپ کی سلطنت کی مدت ۲۱ سال ½۵ ماہ اور آپ کی عمر ۴۲ سال ½۸ ماہ تھی۔

آپ جواد۔ کریم۔ شجاع۔ عقیل۔ حلیم۔ صابر۔ خوش اخلاق اور کثیر العفو تھے۔ دشمن پر رحم کرتے تھے اور اُسے مال و زر دیتے تھے۔ آپ عالم و فاضل اور زبردست ادیب و شاعر تھے۔ آپ کے ایک فرزند کا عید کے دن انتقال ہوگیا۔ تو آپ نے چند اشعار کہے۔ جن میں واضح کیا کہ آلِ محمدؐ ہمیشہ مصائب میں مُبتلا رہے ہیں۔ لوگوں کی عیدیں خوشی میں گزرتی ہیں اور ہماری عید ماتم میں (یتیمۃ الدہر ثعالبی) آپ کو عمارتوں کی تعمیر کا بڑا شوق تھا مصر میں بہت سی عمارتیں آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کے عہد میں حمص۔ حمات۔ شیزر اور حلب فتح ہو کر فاطمی سلطنت میں شامل ہوئے۔ موصل۔ مدائن۔ کوفہ۔ انبار وغیرہ میں آپ کے نام کا خطبہ اور سکّہ جاری ہوا۔ یمن میں بھی آپ کے نام کا خُطبہ پڑھا گیا۔ آپ کے عہد میں فاطمی سلطنت دریائے فرات کے کنارے بحرِ ظلمات تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور عرب کا تمام مغربی حصّہ منتہائے یمن تک اُس میں شامل تھا۔ اُندلس سے بنی اُمیہ نے جو بعض علاقے مغرب اقصیٰ کے دبالئے تھے آپ نے ان سب کو واپس لے لیا اور ۳۷۰ھ میں اس سے سب لوگوں کو برطرف کر دیا عضد الدولہ بویہی سے آپ کے دوستانہ مراسلت جاری تھی۔ آپ نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی جس سے فاطمی خلفاء کی عظمت و شوکت کو بڑا نقصان پہنچا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں لوگوں کے دن عید اور رات شبِ برات کی طرح گزرتے تھے۔

(۶) ابُوعلی منصُور حاکم بامر اللہ بن عزیز

آپ ۲۳ ربیع الاوّل ۳۷۵ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۸ رمضان ۳۸۶ھ کو تخت نشین ہوئے۔ ۲۷ شوال ۴۱۱ھ کو انتقال فرمایا۔ ۲۵ سال ۲۹ دن سلطنت کی اور ۳۶ سال ۷ ماہ کی عمر پائی، آپ ۱۱ سال کی عمر میں بادشاہ ہوئے۔ مورخ عباسی نے لکھا ہے کہ یہ بڑا متشرع

بادشاہ تھا، اُس نے عورتوں کے لیے پردے میں سختی کی، مُسکرات کی خرید و فروخت بند کی۔ اُس کے وقت میں انتظامِ شہر بھی اچھا تھا۔ قاہرہ میں مسجدِ ازہر اسی نے بنوائی ("تاریخ اسلام ص۴۲۴") ابنِ زولاق نے لکھا ہے کہ خلیفہ حاکم، سخی، شجاع، منصف، عالم، عابد اور صاحبِ کرامت تھا۔ صاحبِ حبیب السیر نے لکھا ہے کہ بادشاہ عادل اور خدا ترس تھا۔ اُس نے مدرسے بنائے۔ اُن کے لیے جاگیریں وقف کیں اور اُن میں عالم و فقیہہ مقرر کیے۔ حکم تھا کہ خلیفہ کے واسطے زمین بوسی نہ کی جائے۔ نہ سلام کے وقت ہاتھ چُوما جائے۔ عام اجازت تھی کہ جس کا دل چاہے بادشاہ سے مل کر براہ راست شکایات پیش کرے۔ یہ خلیفہ اعلیٰ درجہ کا ہیئت دان تھا اس کی کتاب چار جلدوں میں تھی۔ ۲۷ر شوال ۴۱۱ھ کو ایک پہاڑ پر کسی دُشمن نے تنہا پاکر ہلاک کر دیا۔ مسٹر امیر علی نے لکھا ہے کہ حاکم بڑی فیاضی اور تندھی سے علم اور سائنس کی ترقی میں کوشش کرتے تھے۔ شام اور مصر میں انھوں نے بہت سی مسجدیں، کالج اور رسد خانے تعمیر کرائے۔

(۷) جنابِ ابُوالحسن علی ظاہر لاعزاز دین اللہ بن حاکم

آپ ۱۰ر رمضان ۳۹۵ھ بمقام قاہرہ پیدا ہوئے ۴ر ذی قعدہ ۴۱۱ھ کو تخت نشینی ہوئی۔ ۱۵ر شعبان ۴۲۷ھ کو فوت ہوئے۔ ۱۵ سال ۱۰ ماہ سلطنت کی اور ۳۲ سال کی عمر پائی۔ مورخ عباسی لکھتے ہیں کہ یہ بادشاہ بڑا نیک نام تھا۔ اِس کی نیک نامی سُن کر عمائدِ خراسانی حج کرکے پھرے۔ تو مصر ہوتے ہوئے آئے اور وہاں سے خلعت لائے۔ محمود سبکتگین کو اس کی خبر لگ گئی، اُس نے فوراً خلیفہ کو بغداد مطلع کیا۔ حجاج مصر سے آکر ابھی بغداد میں پہنچے ہی تھے کہ خلیفہ نے اُن سے بازپُرس کی اور اُن کے خلعت جلا دیے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود کو بھی فاطمی خلفاء سے خوف تھا اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیالمہ، ملوک غزنی، سلجوقی وغیرہ سب خلفاء بغداد کی خاطر اس لیے بھی کرتے تھے کہ فاطمی خلفا سے دو بدو مقابلہ کرنے کو مصلحت کے خلاف جانتے تھے، سلاطینِ علویہ کو زورِ بازو کے علاوہ جو عزت خاص، عام نظروں میں حاصل تھی وہ اِن غیر قرشی النسل سلاطین کے لیے بہت زیادہ پریشان کُن تھی۔ ("تاریخ اسلام ص۴۲۵")۔

آپ نے اسمٰعیلی مذہب کو کمال رونق کے ساتھ رواج دیا۔ ۴۱۸ھ میں قیصرِ روم سے صلح ہوئی اور اُس نے اپنے ملک میں جناب ظاہر کا خطبہ پڑھنے کی (مسلمانوں کو) اجازت دے دی۔ قسطنطنیہ میں مسجد بنائی گئی اور اس میں مؤذن مقرر کیا گیا۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح منصف اور نیک سیرت تھے، صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ جناب ظاہر کی فرطِ سیاست اور کمال کیاست کی وجہ سے تمام فتنے فرو ہوگئے اور دین و دُنیا کے امور مستقیم ہوگئے لیکن آپ ہی کے عہد سے فاطمی سلطنت کا انحطاط شروع ہوگیا۔

(۸) جنابِ ابوتمیم معد مستنصر بامر اللہ بن ظاہر

آپ جمادی الثانی ۴۲۰ھ میں بمقام قاہرہ پیدا ہوئے۔ ۱۵ شعبان ۴۲۷ھ کو تخت نشینی عمل میں آئی۔ ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ ۶۰ سال ۴ ماہ حکومت کرکے ۶۷ سال کی عمر میں دُنیا سے رحلت کی۔ مورخ عباسی لکھتے ہیں کہ "قائم باللہ عباسی نے والیٔ ذنقیہ سے سازش کرکے اُن کو نقصان پہنچانا چاہا۔ لیکن اس کی حکمت کارگر نہ ہوئی۔ اور اس کے بدلے میں مستنصر کے اشارے سے "بساسیری" نے قائم کو بغداد میں قید کرکے سال بھر تک مستنصر کا نام بغداد کے خطبے میں قائم رکھا۔ مستنصر کے عہد میں عباسیوں کا خاتمہ ہوجاتا لیکن طغرل بیگ نے آکر "بساسیری" کو مغلوب کردیا۔ اور قائم باللہ کو بڑے اعزاز کے ساتھ پھر تخت پر بٹھا دیا اور اسی صلہ میں اپنے لیے (رُکن الدین) کا خطاب حاصل کیا۔ (تاریخ اسلام صفحہ ۴۲۶) ۴۷۹ھ میں "حسن بن صباح" جو بعد میں نزاریہ اسمٰعیلیوں کے پیشوا ہوئے، تاجروں کے لباس میں مستنصر کے پاس آئے۔ سات سال تک مصر میں رہے۔ پھر مستنصر کی طرف سے خراسان و بلادِ عجم میں داعی مقرر ہوئے۔ حسن نے پہلے مخفی طور پر پھر علانیہ بلادِ عجم میں اسماعیلی دعوت پھیلانا شروع کردی، اور قلعوں پر قبضہ کرکے حکومت قائم کرلی۔ رخصت ہوتے وقت اُنھوں نے مستنصر سے پوچھا تھا کہ آپ کے بعد میرا امام کون ہے؟ مستنصر نے اپنے صاحبزادے نزار کو بتایا تھا۔ جنابِ مستنصر کے تین بیٹے تھے (۱) نزار۔ (۲) احمد مستعلی (۳) محمد۔

(۹) جنابِ ابوالقاسم احمد مستعلی باللہ بن مستنصر

آپ ۲۰ شعبان ۴۶۷ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ کو بادشاہ قرار پائے۔ ۱۷ صفر ۴۹۵ھ کو ۲۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدتِ سلطنت ۷ سال تین ماہ تھی۔

اگرچہ جنابِ مستنصر بامر اللہ نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے جناب نزار کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ مگر وزیر اعظم "افضل" میں اور ان میں باہمی دشمنی تھی۔ اس لیے افضل نے نزار کو خلع کرکے جنابِ احمد کو مستعلی کے لقب سے خلیفہ بنا دیا۔ جنابِ نزار اور افضل میں جنگ چھڑ گئی۔ بالآخر نزار گرفتار ہوکر مستعلی کے حوالے کردیئے گئے۔ نزاری اسمٰعیلی کہتے ہیں۔ کہ جنابِ نزار کے فرزند ہادی قید سے نکل کر بلادِ عجم میں چلے گئے تھے اور یہاں جنابِ ہادی سے "الموت" کے اسمٰعیلی امام پیدا ہوئے۔ اس وقت سے اسمٰعیلیوں کے دو فرقے ہوگئے۔ ایک نزاریہ جو جنابِ نزار اور اُن کی اولاد کو امامِ برحق مانتا ہے۔ وہ حسن بن صباح کے مقلد اور ہند و پاک کے آغاخانی خوجے ہیں۔ دوسرے وہ جو مستعلی اور ان کی اولاد کو امام برحق جانتے ہیں اور مستعلویہ کہلاتے ہیں وہ شیعہ بوہرے ہیں۔

(۱۰) ابُو علی منصور امر باحکام اللہ بن مستعلی

آپ ۱۲ر محرم الحرام ۴۹۰ھ مطابق ۱۰۹۶ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۷ر صفر ۴۹۵ھ کو تخت نشین ہوئے اور ۲۹ سال ۸ ماہ حکومت کر کے ۳۴ سال کی عمر میں ۳ر ذی قعدہ ۵۲۴ھ کو وفات پاگئے۔ مورخ عباسی لکھتے ہیں کہ اس کے عہد میں شمالی عیسائی سے بڑی لڑائی ہوئی اور مسلمان غالب آئے ان شمالی عیسائیوں کو مورخ اہلِ فرنگ لکھتے ہیں کہ اس کے دقت میں شام میں ایک خاندان نزاریہ نام صاحبِ حکومت ہوا، اور چند ملک علویوں کا اس خاندان کے قبضہ میں آگیا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے اپنے چچا "حافظ" کو اس نے ولیعہد مقرر کیا۔ (تاریخ اسلام صـ۴۲۶) آپ نے جوان ہوکر وزیر اعظم "افضل" کو قتل کرا دیا۔ آپ کریم اور جواد تھے۔ آپ کے زمانے میں آپ کی اور آپ کے متعلقین کی کثرت جود و عطا سے لوگ کمال عیش و اطمینان میں بسر کرتے تھے مصر میں کوئی شخص زمانہ یا افلاس کا شاکی نہیں ملتا تھا۔ آپ حافظِ قرآن بھی تھے۔ نزاریہ فرقہ کے لوگ مستعلیوں اور اُن کے اماموں سے سخت دشمنی رکھتے اور مدت سے جناب آمر کی تاک میں تھے۔ ایک دن ۵۲۴ھ میں آپ کو ہلاک کر دیا۔ مستعلویوں (بوہروں) کا اعتقاد ہے کہ جناب آمر نے دوسال چند ماہ کے ایک صاحبزادے "ابُوالقاسم طیب" کو چھوڑ کر انتقال کیا اور اپنے چچازاد بھائی "عبدالمجید میمون بن ابی القاسم مستنصر" کو "حافظ لدین اللہ" کے لقب سے اُن کا نگران مقرر کیا تھا کہ خلافت ظاہریہ کا انتظام کریں اور جب طیب لائق ہوجائیں تو خلافت اُن کے سپرد کر دیں۔ مگر دو سال کے بعد حافظ خود خلیفہ بن گئے اور جنابِ طیب نے روپوشی اختیار کرلی۔ اس امر کی خبر پہلے سے امام آمر نے اپنے اکابر "وعاة" کو دے دی تھی اور حکم دیا تھا کہ شمس امامت کے ستر میں جانے کا دقت آگیا ہے جب حافظ کی نیت میں فرق دیکھو، اُسی وقت میرے فرزند کو لے کر روپوشی اختیار کرنا اور ایسا ہی ہوا۔ اب بوہرے حضرات ان امام طیب کی نسل در نسل امام کا ہر زمانہ میں موجود ہونا واجب جانتے ہیں اور یہی ان کا اعتقاد ہے۔ (تاریخ اسلام مسٹر ذاکر حسین جلد ۱ صـ۱۲۶)۔

(۱۱) جنابِ عبدالمجید میمون حافظ لدین اللہ

آپ محرم ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے ۳ر ذی قعدہ ۵۲۴ھ کو تخت نشین ہوئے اور ۱۹ سال ۷ ماہ حکومت کر کے ۷۷ سال کی عمر میں ۵ر جمادی الاخری ۵۴۴ھ کو انتقال کرگئے آپ نظر بندی میں بسر کرتے تھے۔ آپ کا وزیر "احمد" کل امور سلطنت پر حاوی تھا۔ یہ عظیم اثنا عشری تھا اور بروایت قرمانی، حافظ نے بھی مذہب اثنا عشری کا اظہار کر دیا تھا۔ "وزیر احمد" نے بارھویں امام حضرت محمد مہدی علیہ السلام کے نام کا سکہ اور خطبہ بھی جاری کر دیا تھا۔ ۱۵ر محرم ۵۲۶ھ کو وزیر احمد قتل کر دیا گیا اور ۵۴۴ھ میں جنابِ حافظ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی تمام عمر وزیروں کی محکومیت میں گزری

جو وہ چاہتے کرا لیتے۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ حافظ مدبر سیاستدان۔ کثیر المدارات۔ عارف اور علم النجوم کے شائق تھے۔ آپ پر حلم غالب تھا۔ آپ کو درد قولنج کی شکایت رہتی تھی۔ آپ کے طبیب نے ایک طبل بنوایا تھا جس کی آواز سے انھیں فائدہ پہنچتا تھا۔ حافظ کے بعد آپ کی حسب وصیت آپ کے بیٹے "ابو منصور اسماعیل" بادشاہ ہوئے۔

(۱۲) جناب ابو منصور اسماعیل ظافر بامر اللہ بن حافظ

آپ ۵ ربیع الثانی ۵۲۷ھ کو پیدا ہوئے، اور ۵ جمادی الثانیہ ۵۴۴ھ کو تخت نشین ہوئے اور ۴ سال ۷ ماہ حکومت کر کے ۲۱ سال ۹ ماہ کی عمر میں ۱۵ محرم الحرام ۵۴۹ھ کو انتقال کر گئے۔ آپ زمانہ حکومت میں بے بس تھے، وزیر بادشاہی کرتے تھے۔ بغاوتیں، رقابتیں، سازشیں اور فرقہ بندیاں پھیل گئی تھیں۔ محرم ۵۴۹ھ میں آپ قتل کر دیئے گئے۔

(۱۳) جناب ابو القاسم عیسیٰ فائز بنصر اللہ بن ظافر

آپ ۱۲ محرم ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ محرم ۵۴۹ھ کو تخت نشین ہوئے اور ۶ سال ۶ ماہ برائے نام حکومت کر کے ۱۱ سال ۶ ماہ کی عمر میں ۱۸ رجب ۵۵۵ھ کو انتقال کر گئے۔ مورخ عباسی لکھتے ہیں۔ اہل فرنگ سے اس کے وقت میں بھی لڑائی رہی۔ بلاد عربی پر اہل فرنگ کا جو قبضہ ہو چکا تھا وہ مستحکم ہوا، اور کچھ حصہ ملک اس نے ان سے واپس بھی لے لیا۔ (تاریخ اسلام ص۴۲۷) آپ تمام عمر مرض صرع میں مبتلا رہے۔

صالح بن زریک ان کا وزیر تھا جو اس عہد میں دراصل بادشاہی کر رہا تھا۔ وہ بڑا فاضل سخی تھا اور اہل علم سے بڑی محبت کرتا تھا۔ کاتب۔ ادیب اور اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ از روئے فضل و عقل و سیاست و تدبیر اپنے زمانے کا سب سے بڑا شخص تھا۔ شکل میں رعب دار اور سطوت میں عظیم تھا۔ نیز بڑا پکا اثنا عشری تھا۔ خلافت جناب امیر میں زبردست کتاب لکھی[1]۔ لوگوں سے مناظرے کیے۔ وزیر ہوتے ہی شیعہ مذہب کا اظہار کیا۔ نہایت خوبی سے حکومت کی۔ آخر عمر تک فرنگیوں سے لڑتا رہا۔ تمام ممالک کے اہل علم اس کے پاس آتے اور در مقصود سے دامن بھر کر واپس جاتے تھے۔

علامہ مقریزی نے کتاب الخطط جلد ۴ کے ص۸۱ میں لکھا ہے کہ صالح بن زریک ارمنی قوم کے اثنا عشری مذہب کا ایک فقیر تھا۔ ایک دن زیارت روضہ امیرالمومنین کے لیے نجف اشرف گیا۔ حضرت نے اسی شب روضہ کے خادم "سید ابن معصوم" سے خواب میں فرمایا کہ طلائع بن زریک ہمارے محبوں میں سے ہے اس سے کہہ دو کہ وہ مصر چلا جائے، میں نے اسے مصر کا والی بنا دیا ہے۔ سید نے طلائع کو بلا کر خواب بیان کیا وہ فوراً مصر پہنچ کر سلطنت کا ملازم ہو گیا۔ پھر چند دنوں

[1] جس کا نام تھا "الاعتماد فی الرد علی اہل العناد"

میں مصر کا بادشاہ بن گیا۔ اس کا اصل نام طلائع بن زریک تھا مصر میں کارِ نمایاں کرنے کی وجہ سے اس کا خطاب "ملک صالح" ہوگیا تھا۔

(مؤلف) میں کہتا ہوں کہ مقریزی کے اس بیان سے سید اسماعیل شہید دہلوی کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے جس میں اُنھوں نے کہا ہے کہ "دنیا کے تمام بادشاہوں کا تقرر اور تنزل علی بن ابی طالب کرتے ہیں، ملاحظہ ہو موصوف کی کتاب "صراطِ مستقیم"۔

(۱۴) ابو محمد عبداللہ عاضد لدین اللہ بن یوسف بن حافظ

آپ ۲۰ محرم الحرام ۵۴۶ھ مطابق ۱۱۵۱ء کو پیدا ہوئے ۱۷ رجب ۵۵۵ھ کو تخت نشین ہوئے اور ۱۱ سال ۶ ماہ برائے نام حکومت کرکے ۲۱ سال کی عمر میں ۱۰ محرم ۵۶۷ھ کو انتقال کر گئے۔

مورخ عباسی لکھتے ہیں کہ اُس کے عہد میں اہلِ فرنگ ساحل شرقی و غربی سے آتے آتے مصر تک پہنچ گئے، اور مصر پر قابض ہوگئے۔ غیر مسلموں کا مصر پر قابض ہونا "نورالدین محمود" والیٔ شام کو بہت گراں گزرا، اُس نے مصریوں کی مدد کے لیے فوج بھیجی جو اہلِ فرنگ پر غالب آئی شامیوں نے اہلِ فرنگ کو مصر سے نکال باہر کر دیا۔ لیکن خطبہ میں عاضد کے بجائے "مستضیٔ باللہ" عباسی کا نام داخل کر دیا۔ اسی زمانے میں "عاضد" بھی مر گیا اور اس کے ساتھ ہی سلاطین علویہ اسماعیلیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اور بنو مہدی کا نام مٹ گیا۔ (تاریخ اسلام ص۴۲۷)۔

آپ نو سال کی عمر میں خلیفہ ہوتے۔ صالح نے اپنی بیٹی اُن سے بیاہ دی اور صالح تمام امورِ سلطنت پر حاوی رہا۔ مگر ۱۹ ماہ رمضان ۵۵۶ھ کو بیچارہ قتل کر دیا گیا۔ خلیفہ عاضد نے اُس کی وفات کے بعد اہلِ سنت سے ایک شخص "صلاح الدین یوسف" کو وزیر بنا لیا۔ اُس نے بیوفائی کی اور تمام امورِ سلطنت پر حاوی ہو کر خلیفہ کو بے دخل کر دیا اور شیعہ قاضیوں کو معزول کر کے تمام ملک میں شافعی قاضی مقرر کیے۔ اس وقت سے ملک مصر سے مذہب شیعہ ختم ہونے لگا اور مذہب مالکی اور شافعی زور پکڑنے لگا۔

محرم ۵۶۷ھ میں صلاح الدین نے، خلیفہ عاضد کا خطبہ بھی مصر سے بند کر کے مستضیٔ عباسی کا خطبہ جاری کر دیا۔

خلیفہ عاضد لدین اللہ نے عاشور محرم ۵۶۷ھ کو انتقال کیا، آپ کی وفات سے سلطنت فاطمیین کا ستارا جو ممالک افریقہ و مصر پر ۲۷۰ سال سے چمک رہا تھا بالکل غروب ہوگیا۔

فاطمی خلفاء کے عہد میں جو برکتیں مصر کو نصیب ہوئیں وہ کسی بادشاہ کے عہد نہیں ہوئیں علوم و فنون، تجارت و حرفت سب کو کمال ترقی ہوئی۔ شفاخانے۔ مدرسے۔ مسجدیں اور رفاہ عام کی دوسری بے شمار عمارتیں اور اوقاف مدتوں یادگار رہیں۔ "شیعہ یونیورسٹی" "جامعہ ازہر" اسی عہد کی رہتی دنیا

تک کے لیے یادگار ہے . . . ایک لاکھ تیس ہزار قسم کی ۱۶ لاکھ کتابوں کا کتب خانہ اسی عہد میں مرتب ہوا تھا . . . جامع مسجدیں بنوائی گئی تھیں (۱) جامع ازہر (۲) جامع معزیہ (۳) جامع نور (۴) جامع حاکم، جو اپنی شان و شوکت کے لحاظ سے بڑی پُرعظمت تھیں . . . انھیں کے عہد میں قاہرہ کی خاص عمارت حسینیہ (امام باڑہ) تھی جس میں ایّامِ عزا میں مجالس منعقد کی جاتی تھیں جن میں بادشاہ اور رعایا سب شریک ہوتے تھے۔ (تاریخ مسٹر ذاکر حسین جلد ۱ ص۱۳۳)۔

ؔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ خلافتِ فاطمیہ کے ختم ہوتے ہی جامعہ ازہر میں شیعوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا تھا جس کا سلسلہ اب تک باقی رہا۔ لیکن عہد جمال عبدالناصر، میں ڈاکٹر شلتوت نے اس ممانعت کو ختم کر کے شیعہ فقہ کی کتابیں "شرح لمعہ و تبصرۃ المتعلمین" کو داخلِ نصاب کر دیا ہے۔ ۱۲ منہ

الایضاح امام شرقادی لکھتے ہیں کہ خلفاء بنی امیہ ۱۴ خلفاء بنی عباس ۳۷ اور خلفاء بنی فاطمہ ۱۵ تھے اور وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ فاطمی خلفاء میں ۵۶۷ھ تک خلافت رہی، کان یظن بقاءھا فیھم الی ان یسلموھا للمھدی فی اٰخرالزمان الخ۔ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ یہ حکومت انھیں میں اس وقت تک رہے گی جب تک ظہور قائم آلِ محمدؑ نہ ہوگا۔ ان کے ظہور کے بعد اسے ان کے سپرد کر دیں گے۔ (تحفۃ الناظرین برحاشیہ "فتوح الشام" واقدی جلد ۱ ص۱۱۸ طبع مصر ۱۳۰۶ھ) میرے نزدیک امام شرقادی کا خلفاء بنی فاطمہ کی تعداد ۱۵ بتانا درست نہیں ہے۔ تمام کتب معتبرہ میں ۱۴ ہی کی تعداد ہے۔ ملاحظہ ہو تزینۃ اثنا عشریہ علامہ مرزا محمد جلد ۱ ص۲۱۳۔ تاریخ مذاہب ص۲۶۲ طبع کوئٹہ و تواریخ اسلام و ترجمہ سلاطین اسلام لین پول ص۸۹ طبع لاہور)۔

٩
ابوالحسن
حضرت
امام موسیٰ کاظم
علیہ السلام
کاظم آل محمدؐ کے تحمل پہ نہ جا — حاکم ظالم یہ جانِ حیدرؑ و زہراؑ میں دیکھ
دولت و حشمت کے نشے میں نہ اتنا سر اٹھا — اے بنی عباس کے فرعون یہ موسیٰؑ میں دیکھ
(صابر تھابانی کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ۹

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام

مخزنِ جملہ فنون آپ کا قلب روشن — معدنِ جملہ علوم آئینۂ طبع سلیم
آستانِ درِ حضرت کا اگر دیکھ لے اوج — صورتِ چرخ پئے بوسہ جھکے عرشِ عظیم

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام، پیغمبرِ اسلام رسُولِ اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتویں جانشین، ہمارے ساتویں امام اور سلسلۂ عصمت کی نویں کڑی ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ جناب حمیدہ خاتون تھیں جو بربریا اندلس کی رہنے والی تھیں۔ آپ کے متعلق حضرت امام باقر علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ دُنیا میں حمیدہ اور آخرت میں محمودہ ہیں (شواہد النبوت ص۱۸۶) علّامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ آپ صاحبِ جمال و کمال اور نہایت دیانت دار تھیں (جنات الخلود ص۲۹) علّامہ مجلسی کا کہنا ہے کہ وہ ہر نسوانی آلائش سے پاک تھیں (جلاء العیون ص۲۷۰) علّامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب حمیدہ کے والد ماجد صاعد بربری تھے حمیدہ خاتون کی کنیت لولوۂ (موتی) تھی (مناقب جلد ۵ ص۷۶)۔

حضرت امام علیہ السّلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص معصُوم اَعلم زمانہ اور افضلِ کائنات تھے۔ آپ جملہ صفاتِ حسنہ سے بھرپُور تھے، آپ دُنیا کی تمام زبانیں جانتے اور علمِ غیب سے آگاہ تھے۔ آپ کے متعلق علّامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے علم، معرفت، کمال اور افضلیت میں وارث و جانشین تھے۔ آپ دنیا کے عابدوں میں سب سے بڑے عبادت گذار سب سے بڑے عالم، اور سب سے بڑے سخی تھے۔ صواعق محرقہ ص۱۲۱ اور ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ بہت بڑی عزت و قدر کے مالک امام اور انتہائی شان و شوکت کے مجتہد تھے آپ کا اجتہاد میں نظیر نہ تھا۔ آپ عبادات و طاعات میں مشہور زمانہ اور کرامات میں مشہور کائنات تھے۔ ان چیزوں میں آپ کی کوئی مثال نہ تھی۔ آپ ساری رات رکوع و سجود اور قیام و قعود میں گزارتے اور سارا دن صدقہ اور روزے میں بسر کرتے تھے۔ (مطالب السؤل ص۳۰۸) علّامہ شبلی لکھتے ہیں کہ آپ بہت

بڑی قدر و منزلت کے دنیا میں منفرد امام اور زبردست حجت خدا تھے، نمازوں کی وجہ سے ہمیشہ ساری رات جاگتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے (انوار الاخبار ص۱۳۵) علامہ ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عابد اور سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ سخی دست اور بزرگ نفس تھے۔ (فصول مہمہ و ارجح المطالب ص۴۵۱) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ آپ عابد ترین اہل زمانہ اور کریم ترین اہل عالم تھے۔ آپ کے فضائل و کرامات بے شمار ہیں (روضۃ الشہداء ص۴۳۲)۔ کتاب روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ بروئے قدر و منزلت بزرگ ترین اہل عالم تھے اور اپنے پدر بزرگوار کی نص کے مطابق ان کے بعد ولی امر امامت ہوئے۔ الخ

آپ کی ولادت باسعادت

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بتاریخ ۷ صفر المظفر ۱۲۸ھ مطابق ۷۴۵ء یوم شنبہ بمقام ابواء جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے پیدا ہوئے۔ (انوار نعمانیہ ص۱۲۶ و اعلام الوریٰ ص۱۷۱ و جلاء العیون ص۲۶۹ و شواہد النبوت ص۱۹۲۔ روضۃ الشہداء ص۴۳۶) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر آسمان کی طرف رُخ کیا اور کلمۂ شہادتین زبان پر جاری فرمایا۔ آپ نے یہ عمل بالکل اسی طرح کیا۔ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے ولادت کے بعد کیا تھا۔ آپ کے داہنے بازو پر کلمہ "تمت کلمۃ ربک صدقا و عدلا" لکھا ہوا تھا۔ آپ علم اولین و آخرین سے بہرہ ور متولد ہوئے تھے۔ آپ کی ولادت سے حضرت امام جعفر صادق کو بیحد مسرت ہوئی تھی اور آپ نے مدینہ جا کر اہل مدینہ کو دعوت طعام دی تھی (جلاء العیون ص۲۷۰)۔ آپ دیگر آئمہ کی طرح مختون اور ناف بریدہ متولد ہوئے تھے۔

اسم گرامی، کنیت، القاب

آپ کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے خداوند عالم کے معین کردہ نام "موسیٰ" سے موسوم کیا علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ موسیٰ قبطی لفظ ہے، اور "مو" اور "سی" سے مرکب ہے۔ مو کے معنی پانی اور سی کے معنی درخت کے ہیں۔ اس نام سے سب سے پہلے حضرت کلیم اللہ موسوم کئے گئے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خوف فرعون سے مادر موسیٰ نے آپ کو اس صندوق میں رکھ کر دریا میں بہایا تھا جو "حبیب نجار" کا بنایا ہوا تھا اور بعد میں "تابوت سکینہ" قرار پایا، تو وہ صندوق بہہ کر فرعون اور جناب آسیہ تک پانی کے ذریعہ سے ان درختوں سے ٹکراتا ہوا جو خاص باغ میں تھے پہنچا تھا لہٰذا پانی اور درخت کے سبب سے ان کا نام موسیٰ قرار پایا تھا۔ (جنات الخلود ص۲۹)۔

آپ کی کنیت ابوالحسن، ابوابراہیم، ابوعلی، ابوعبداللہ تھی اور آپ کے القاب کاظم، عبد صالح

نفس زکیہ، صابر، امین، باب الحوائج وغیرہ تھے "شہرت عامہ" کاظم کو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بدسلوک کے ساتھ احسان کرتے اور ستانے والے کو معاف فرماتے اور غصہ کو پی جاتے تھے۔ بڑے حلیم، بُردبار اور اپنے پر ظلم کرنے والے کو معاف کر دیا کرتے تھے (مطالب السئول ص ۲۷۹۔ شواہد النبوت ص ۱۹۲ روضۃ الشہداء ص ۴۳۲ تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲)۔

لقب باب الحوائج کی وجہ

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ کثرت عبادت کی وجہ سے عبد صالح اور خدا سے حاجت طلب کرنے کے ذریعہ ہونے کی وجہ سے آپ کو باب الحوائج کہا جاتا ہے، کوئی بھی حاجت ہو جب آپ کے واسطہ سے طلب کی جاتی تھی تو ضرور پوری ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو۔ (مطالب السئول ص ۲۷۸ صواعق محرقہ ص ۱۳۱) فاضل معاصر علامہ علی حیدر رقمطراز ہیں کہ حضرت کا لقب باب قضاء الحوائج یعنی حاجتیں پوری ہونے کا دروازہ بھی تھا۔ حضرت کی زندگی میں تو حاجتیں آپ کے توسل سے پوری ہوتی ہی تھیں۔ شہادت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور اب بھی ہے۔" اخبار پانیر آگرہ آباد مورخہ ۱۰ راگست ۱۹۲۸ء میں زیر عنوان "امام موسیٰ کاظم کے روضہ پر ایک اندھے کو بینائی مل گئی"۔ ایک خبر شائع ہوئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حال ہی میں روضہ کاظمین شریف پر جو شہر بغداد سے باہر ہے ایک معجزہ ظاہر ہوا ہے کہ ایک اندھا اور بوڑھا "سید" نہایت مفلسی کی حالت میں روضہ شریف کے اندر داخل ہوا اور جیسے ہی اس نے امام موسیٰ کاظم کے روضہ کے ضریح اقدس کو اپنے ہاتھ سے مس کیا وہ فوراً چلاتا ہوا باہر کی طرف دوڑا "مجھے بینائی مل گئی"۔ "میں دیکھنے لگا ہوں"۔ اس پر لوگوں کا بڑا ہجوم جمع ہوگیا اور اکثر لوگ اس کے کپڑے تبرک کے طور پر چھین جھپٹ کرلے گئے۔ اس کو تین دفعہ کپڑے پہنائے گئے اور ہر دفعہ وہ کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تقسیم ہوگئے۔ آخر روضہ شریف کے خدام نے اس خیال سے کہ کہیں اس بوڑھے سید کے جسم کو نقصان نہ پہنچے۔ اس کو اس کے گھر پہنچا دیا۔ اس کا بیان ہے کہ میں بغداد کے ہسپتال میں اپنی آنکھ کا علاج کرا رہا تھا۔ بالآخر سب ڈاکٹروں نے یہ کہہ کر مجھے ہسپتال سے نکال دیا کہ تیرا مرض لاعلاج ہوگیا ہے۔ اب اس کا علاج ناممکن ہے۔ تب میں مایوس ہو کر روضہ اقدس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر آیا اور یہاں آپ کے وسیلہ سے خدا سے دعا کی "بارالٰہا مجھے اسی امام مدفون کا واسطہ مجھے ازسرنو بینائی عطا کر دے۔" یہ کہہ کر جیسے ہی میں نے روضہ کی ضریح کو مس کیا۔ میری آنکھوں کے سامنے روشنی نمودار ہوئی اور آواز آئی۔ "جا تجھے پھر سے روشنی دے دی گئی"۔ اس آواز کے ساتھ ہی میں ہر چیز کو دیکھنے لگا۔ تمام لوگ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ ضعیف العمر سید اندھا تھا، اور اب دیکھنے لگا ہے۔ (اخبار انقلاب لاہور، اخبار اہلحدیث امرتسر مورخہ ۲۴ راگست ۱۹۲۸ء)

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب مجھے کوئی

مشکل درپیش ہوتی ہے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضے پر چلا جاتا ہوں اور ان کی قبر پر دعا کرتا ہوں۔ میری مشکل حل ہو جاتی ہے۔ (مناقب جلد ۳ ص ۱۲۵ طبع ملتان)۔

بادشاہانِ وقت

آپ ۱۲۸ھ میں مروان الحمار اموی کے عہد میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ۱۳۲ھ میں سفاح عباسی خلیفہ ہوا (ابوالفدار) ۱۳۶ھ میں منصور دوانقی عباسی خلیفہ بنا۔ (ابوالفدار) ۱۵۸ھ میں مہدی بن منصور مالک سلطنت ہوا۔ (حبیب السیر) ۱۶۹ھ میں ہادی عباسی کی بیعت کی گئی۔ (ابن الوردی) ۱۷۰ھ میں ہارون الرشید عباسی ابن مہدی خلیفہ وقت ہوا (ابوالفدار) ۱۸۳ھ میں ہارون کے زہر دینے سے امام علیہ السلام بحالت مظلومی قید خانہ میں شہید ہوئے۔ (صواعق محرقہ اخبار الخلفا ابن راعی)۔

نشوونما اور تربیت

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ آپ کی عمر کے بیس برس اپنے والد بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سایۂ تربیت میں گزرے ایک طرف خدا کے دیئے ہوئے فطری کمال کے جوہر اور دوسری طرف اس باپ کی تربیت جس نے پیغمبر کے بتائے ہوئے مکارم اخلاق کی یاد کو بھولی ہوئی دنیا میں ایسا تازہ کر دیا کہ انھیں ایک طرح سے اپنا بنا لیا اور جس کی بنا پر "ملتِ جعفری" نام ہوگیا، امام موسیٰ کاظم نے بچپنا اور جوانی کا کافی حصّہ اسی مقدس آغوش میں گزارا۔ یہاں تک کہ تمام دنیا کے سامنے آپ کے ذاتی کمالات و فضائل روشن ہوگئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا جانشین مقرر فرما دیا۔ باوجودیکہ آپ کے بڑے بھائی بھی موجود تھے۔ مگر خدا کی طرف کا منصب میراث کا ترکہ نہیں ہے بلکہ ذاتی کمال کو ڈھونڈتا ہے۔ سلسلۂ معصومین میں، امام حسن کے بعد بجائے ان کی اولاد کے امام حسین کا امام ہونا اور اولادِ امام جعفر صادق علیہ السلام میں بجائے فرزند اکبر کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف امامت کا منتقل ہونا اس کا ثبوت ہے کہ معیارِ امامت میں نسبی وراثت کو مدِ نظر نہیں رکھا گیا ہے۔ (سوانح موسیٰ کاظم ص ۴)۔

آپ کے بچپن کے بعض واقعات

یہ مسلمات سے ہے کہ نبی اور امام تمام صلاحیتوں سے بھرپور متولد ہوتے ہیں جب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عمر تین سال کی تھی۔ ایک شخص جس کا نام صفوان جمال تھا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفسر ہوا کہ مولا، آپ کے بعد امامت کے فرائض کون ادا کرے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے صفوان! تم اسی جگہ بیٹھو اور دیکھتے جاؤ جو ایسا بچہ میرے گھر سے نکلے جس کی ہر بات معرفتِ خداوندی سے پُر ہو، اور عام بچوں کی طرح لہو ولعب نہ کرتا ہو،

سمجھ لینا کہ عنانِ امامت اسی کے لیے سزاوار ہے۔ سامنے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بکری کا ایک بچہ لیے ہوئے برآمد ہوئے اور باہر آ کر اس سے کہنے لگے۔ "اسجدی ربک" اپنے خدا کا سجدہ کر، یہ دیکھ کر امام جعفر صادقؑ نے اُسے سینہ سے لگا لیا (تذکرۃ المعصومین ص۱۹۲) صفوان کہتا ہے یہ دیکھ کر میں نے امام موسیٰ سے کہا۔ صاحبزادے! اس بچہ کو کہیے کہ مر جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: کہ واہ تم پر، کیا موت و حیات میرے ہی اختیار میں ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ ص۲۶۶)۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مسائل دینیہ دریافت کرنے کے لیے حسبِ دستور حاضر ہوئے۔ اتفاقاً آپ آرام فرما رہے تھے۔ موصوف اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ آپ بیدار ہوں تو عرض مدعا کروں۔ اتنے میں امام موسیٰ کاظم جن کی عمر اُس وقت پانچ سال کی تھی برآمد ہوئے۔ امام ابوحنیفہ نے انھیں سلام کر کے کہا: اے صاحبزادے یہ بتاؤ کہ انسان فاعل مختار ہے یا ان کے فعل کا خدا فاعل ہے۔ یہ سن کر آپ زمین پر دو زانو بیٹھ گئے اور فرمانے لگے۔ سنو! بندوں کے افعال تین حالتوں سے خالی نہیں، یا ان کے افعال کا فاعل صرف خدا ہے یا صرف بندہ ہے یا دونوں کی شرکت سے افعال واقع ہوتے ہیں اگر پہلی صورت ہے تو خدا کو بندہ پر عذاب کا حق نہیں، اگر تیسری صورت ہے تو بھی یہ انصاف کے خلاف ہے کہ بندہ کو سزا دے اور اپنے کو بچا لے کیونکہ ارتکاب دونوں کی شرکت سے ہوا ہے۔ اب لامحالہ دوسری صورت ہوگی۔ وہ یہ کہ بندہ خود فاعل ہو اور ارتکابِ قبیح پر خدا اُسے سزا دے۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ ص۱۸۵)۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے اس صاحبزادہ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر اُن کے سامنے سے لوگ برابر گزر رہے تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ کے صاحبزادے موسیٰ کاظم نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ان کے سامنے سے گزر رہے تھے، حضرت نے امام موسیٰ کاظم کو آواز دی وہ حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا۔ بیٹا! ابوحنیفہ کیا کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ تم نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ تمھارے سامنے سے گزر رہے تھے۔ امام کاظم نے عرض کی بابا جان لوگوں کے گزرنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے، وہ ہمارے اور خدا کے درمیان حائل تو نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ تو "اقرب من حبل الورید" رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے، یہ سن کر آپ نے انھیں گلے سے لگا لیا اور فرمایا اس بچہ کو اسرارِ شریعت عطا ہو چکے ہیں (مناقب جلد ۵ ص۶۹) ایک دن عبداللہ ابن مسلم اور ابوحنیفہ دونوں واردِ مدینہ ہوئے، عبداللہ نے کہا چلو امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کریں اور اُن سے کچھ استفادہ کریں، یہ دونوں حضرت کے درِ دولت پر حاضر ہوئے یہاں پہنچ کر دیکھا کہ حضرت کے ماننے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ اتنے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے بجائے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام برآمد ہوئے۔ لوگوں نے سروقد تعظیم کی، اگرچہ آپ اُس وقت بہت ہی کمسن تھے

لیکن آپ نے علوم کے دریا بہانا شروع کیے۔ عبداللہ وغیرہ نے جو قدرے آپ سے دُور تھے۔ آپ کے قریب جاتے ہوئے آپ کی عزت و منزلت کا آپس میں تذکرہ کیا، آخر میں امام ابُوحنیفہ نے کہا کہ چلو میں انھیں ان کے شیعوں کے سامنے رُسوا اور ذلیل کرتا ہوں، میں ان سے ایسے سوالات کروں گا کہ یہ جواب نہ دے سکیں گے۔ عبداللہ نے کہا۔ یہ تمھارا خیال خام ہے، وہ فرزند رسُول ہیں، الغرض دونوں حاضر خدمت ہوئے، امام ابوحنیفہ نے امام موسیٰ کاظم سے پوچھا۔ صاحبزادے یہ تو بتاؤ کہ اگر تمھارے شہر میں کوئی مُسافر آجائے اور اُسے قضاحاجت کرنی ہو تو کیا کرے اور اس کے لیے کونسی جگہ مناسب ہوگی۔ حضرت نے برجستہ فرمایا۔

"مُسافر کو چاہیئے کہ مکانوں کی دیواروں کے پیچھے چھُپے، ہمسایوں کی نگاہوں سے بچے نہروں کے کناروں سے پرہیز کرے۔ جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہوں۔ اُن سے حذر کرے۔

مکانوں کے صحن سے علیحدہ، شاہراہوں اور راستوں سے الگ مسجدوں کو چھوڑ کر، نہ قبلہ کی جانب مُنہ کرے نہ پیٹھ۔ پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں چاہے رفع حاجت کرے۔ یہ سُن کر امام ابوحنیفہ حیران رہ گئے، اور عبداللہ کہنے لگے کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ فرزند رسُول ہیں انھیں بچپن ہی میں ہر قسم کا علم ہوا کرتا ہے۔ (بحار مناقب و احتجاج) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام مکان میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں آپ کے نورِ نظر امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کہیں باہر سے واپس آئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹے! ذرا اس مصرعہ پر مصرعہ لگاؤ "تنح عن القبیح ولا مزودہ" آپ نے فوراً مصرعہ لگایا "ومن اولیتہ حسنا فزدہ" بُری باتوں سے دُور رہو، اور اُن کا ارادہ بھی نہ کرو (۲) جس کے ساتھ بھلائی کرو، بھرپور کرو" پھر فرمایا! اس پر مصرعہ لگاؤ "ستلقی من عدوک کل کید" آپ نے مصرعہ لگایا "اذا کاد العدو فلا تکدہ"۔ (ترجمہ) (۱) تمھارا دشمن ہر قسم کا مکروفریب کرے گا (۲) جب دُشمن مکروفریب کرے۔ تب بھی اُسے بُرائی کے قریب نہیں جانا چاہیئے۔ (بحارالانوار جلد ۱۱ صـ۳۶۶)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی امامت

۱۴۸ھ میں امام جعفر صادق علیہ السّلام کی وفات ہوئی، اس وقت سے حضرت امام مُوسیٰ کاظم علیہ السّلام بذاتِ خود فرائضِ امامت کے ذمّہ دار ہوئے۔ اس وقت سلطنتِ عباسیہ کے تخت پر منصور دوانقی بادشاہ تھا۔ یہ وہی ظالم بادشاہ تھا جس کے ہاتھوں لاتعداد سادات مظالم کا نشانہ بن چکے تھے۔ تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔ دیواروں میں چُنوائے گئے یا قید رکھے گئے تھے، خود

امام جعفر صادق علیہ السّلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کی جاچکی تھیں اور مختلف صورت سے تکلیفیں پہنچائی گئی تھیں، یہاں تک کہ منصور ہی کا بھیجا ہوا زہر تھا جس سے آپ دُنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ ان حالات میں آپ کو اپنے جانشین کے متعلق یہ قطعی اندیشہ تھا کہ حکومتِ وقت اُسے زندہ نہ رہنے دے گی۔ اس لیے آپ نے آخری وقت ایک اخلاقی بوجھ حکومت کے کاندھوں پر رکھ دینے کے لیے یہ صورت اختیار فرمائی، کہ اپنی جائداد اور گھر بار کے انتظامات کے لیے پانچ شخصوں کی ایک جماعت مقرر فرمائی۔ جس میں پہلا شخص خود خلیفۂ وقت منصور عباسی تھا۔ اس کے علاوہ محمد بن سلیمان حاکم مدینہ اور عبداللہ افطح جو امام موسیٰ کاظم کے سن میں بڑے بھائی تھے، اور حضرت امام موسیٰ کاظم اور ان کی والدہ معظمہ حمیدہ خاتون۔

امام کا اندیشہ بالکل صحیح تھا، اور آپ کا تحفظ بھی کامیاب ثابت ہوا۔ چنانچہ جب حضرت کی وفات کی اطلاع منصور کو پہنچی تو اس نے پہلے تو سیاسی مصلحت سے اظہارِ رنج کیا۔ تین مرتبہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون، کہا اور کہا کہ اب بھلا جعفر کا مثل کون ہے؟ اس کے بعد حاکم مدینہ کو لکھا کہ اگر جعفر صادق نے کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کیا ہو تو اس کا سر فوراً قلم کردو، حاکم مدینہ نے جواب میں لکھا کہ انھوں نے تو پانچ وصی مقرر کیے ہیں جن میں سے پہلے آپ خود ہیں، یہ جواب سُن کر منصور دیر تک خاموش رہا اور سوچنے کے بعد کہنے لگا کہ اس صورت میں تو یہ لوگ قتل نہیں کیے جا سکتے۔ اس کے بعد دس برس منصور زندہ رہا۔ لیکن امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اور آپ مذہبی فرائضِ امامت کی انجام دہی میں امن وسکون کے ساتھ مصروف رہے۔ یہ بھی تھا کہ اس زمانہ میں منصور شہر بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا۔ جس سے ۱۵۷ھ یعنی اپنی موت سے صرف ایک سال پہلے اُسے فراغت ہوئی۔ اس لیے وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے متعلق کسی ایذارسانی کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ لیکن اس عہد سے قبل وہ سادات کشی میں کمال دکھا چکا تھا۔ علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ منصور کے زمانے میں بے انتہا سادات شہید کیے گئے ہیں اور جو بچے ہیں وہ وطن چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ انھیں تارکینِ وطن میں ہاشم بن ابراہیم بن اسماعیل الدیباج بن ابراہیم عمر بن الحسن المثنیٰ ابن امام حسنؑ بھی تھے جنھوں نے ملتان کے علاقوں میں سے مقام "خان" میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ (النزاع والتخاصم صہ ۴۷ طبع مصر)۔

۱۵۸ھ کے آخر میں منصور دوانقی دُنیا سے رخصت ہوا، اور اس کا بیٹا مہدی تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ شروع میں تو اُس نے بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے عزت و احترام کے خلاف کوئی برتاؤ نہیں کیا۔ مگر چند سال بعد پھر وہی بنی فاطمہ کی مخالفت کا جذبہ اُبھرا اور ۱۶۴ھ میں جب وہ حج کے نام سے حجاز کی طرف گیا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کو اپنے ساتھ مکّہ سے بغداد لے گیا اور قید کر دیا ایک

سال تک حضرت اُس کی قید میں رہے۔ پھر اُس کو اپنی غلطی کا احساس ہُوا۔ اور حضرت کو مدینہ کی طرف واپسی کا موقع دیا گیا۔ مہدی کے بعد اُس کا بھائی ہادی ۱۶۹ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف ایک سال ایک ماہ تک اس نے سلطنت کی۔ اس کے بعد ہارون الرشید کا زمانہ آیا۔ جس میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو آزادی کی سانس لینا نصیب نہیں ہُوئی (سوانح موسیٰ کاظم صہ ۵)۔ علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ درجۂ امامت پر فائز ہوئے اُس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ (اعلام الوریٰ صہ ۱۷۱)۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے بعض کرامات

واقعۂ شقیق بلخی

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ کے کرامات ایسے ہیں کہ "تحار منہا العقول" ان کو دیکھ کر عقلیں چکرا جاتی ہیں، مثال کے لیے ملاحظہ ہو ؟ ۱۴۹ھ میں شقیق بلخی حج کے لیے گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جب مقام قادسیہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوب صورت جوان جن کا رنگ سانولہ (گندم گوں) تھا وہ ایک عظیم مجمع میں تشریف فرما ہیں۔ جسم ان کا ضعیف ہے وُہ اپنے کپڑوں کے اوپر ایک کمبل ڈالے ہُوئے ہیں اور پیروں میں جوتیاں پہنے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ مجمع سے ہٹ کر ایک علیحدہ مقام پر جا کر بیٹھ گئے، میں نے دل میں سوچا کہ یہ صوفی ہے اور لوگوں پر زادِ راہ کے لیے بار بننا چاہتا ہے، میں ابھی اُس کی ایسی تنبیہہ کروں گا کہ یہ بھی یاد کرے گا، غرضیکہ میں ان کے قریب گیا۔ جیسے ہی میں اُن کے قریب پہنچا ہوں، وہ بولے۔ "اے شقیق بدگمانی مت کیا کرو یہ اچھا شیوہ نہیں ہے، اس کے بعد وہ فوراً اُٹھ کر روانہ ہو گئے، میں نے خیال کیا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ انھوں نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا اور میرے دل کی بات جان لی، اس واقعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہو نہ ہو یہ کوئی عبد صالح ہوں۔ بس یہی سوچ کر میں اُن کی تلاش میں نکلا اور ان کا پیچھا کیا، خیال تھا کہ وہ مل جائیں تو میں ان سے کچھ سوالات کروں لیکن نہ مل سکے۔ ان کے چلے جانے کے بعد ہم لوگ بھی روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے جب ہم "وادیٔ فضہ" میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ وہی جوان صالح یہاں نماز میں مشغول ہیں اور اُن کے اعضاء و جوارح بید کی مانند کانپ رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں یہ سوچ کر اُن کے قریب گیا کہ اب اُن سے معافی طلب کروں گا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو بولے اے شقیق! خدا کا قول ہے کہ جو توبہ کرتا ہے میں اُسے بخش دیتا ہوں اس کے بعد پھر روانہ ہو گئے۔ اب میرے دل میں یہ آیا کہ یقیناً یہ بندہ عابد، کوئی ابدال ہے، کیوں کہ

دو بار یہ میرے ارادہ سے اپنی واقفیت ظاہر کر چکا ہے۔ میں نے ہر چند پھر اُن سے ملنے کی سعی کی۔ لیکن وہ نہ مل سکے۔ جب میں منزلِ زبالہ پر پہنچا تو دیکھا کہ وہی جوان ایک کنوئیں کی جگت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُس کے بعد انھوں نے ایک کوزہ نکال کر کنوئیں سے پانی لینا چاہا، ناگاہ ان کے ہاتھ سے کوزہ چھوٹ کر کنوئیں میں گر گیا، میں نے دیکھا کہ کوزہ گرنے کے بعد انھوں نے آسمان کی طرف مُنہ کر کے بارگاہِ احدیت میں کہا: میرے پالنے والے جب میں پیاسا ہوتا ہوں تو ہی سیراب کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہوں، تو ہی کھانا دیتا ہے۔ خدایا! اِس کوزہ کے علاوہ میرے پاس اور کوئی برتن نہیں ہے۔ میرے مالک! میرا کوزہ پُر آب برآمد کر دے۔ اُس جوان صالح کا یہ کہنا تھا کہ کنوئیں کا پانی بلند ہوا اور اوپر تک آ گیا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر اپنا کوزہ پانی سے بھرا ہوا لے لیا اور وضو فرما کر چار رکعت نماز پڑھی۔ اُس کے بعد آپ نے ریت کی ایک مُٹھی اُٹھائی اور پانی میں ڈال کر کھانا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر میں عرض پرداز ہوا۔ جنابِ والا! مجھے بھی کچھ عنایت ہو میں بھوکا ہوں۔ آپ نے وُہی کوزہ میرے حوالہ کر دیا۔ جس میں ریت بھری تھی۔ خدا کی قسم جب میں نے اُس میں سے کھایا تو اُسے ایسا لذیذ ستو پایا جیسا میں نے کھایا ہی نہ تھا۔ پھر اُس ستو میں ایک خاص بات یہ تھی کہ میں جب تک سفر میں رہا، بھوکا نہیں ہوا۔ اس کے بعد آپ نظروں سے غائب ہو گئے۔ جب میں مکہ معظمہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک بالو (ریت) کے ٹیلے کے کنارے مشغولِ نماز ہیں اور حالت آپ کی یہ ہے۔ کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور بدن پر خشوع و خضوع کے آثار نمایاں ہیں۔ آپ نماز ہی میں مشغول تھے کہ صبح ہو گئی، آپ نے نمازِ صبح ادا فرمائی اور اس سے اُٹھ کر طواف کا ارادہ کیا، پھر سات بار طواف کرنے کے بعد ایک مقام پر ٹھہرے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے گرد بیشمار حضرات ہیں اور سب بے انتہا تعظیم و تکریم کر رہے ہیں۔ میں چونکہ ایک ہی سفر میں کرامات دیکھ چکا تھا اس لیے مجھے بہت زیادہ فکر تھی کہ یہ معلوم کروں کہ یہ بزرگ ہیں کون؟ چنانچہ میں اُن کے گرد جو لوگ جمع تھے اُن کے قریب گیا اور میں نے پوچھا کہ یہ صاحبِ کرامات کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ فرزندِ رسول حضرت امام موسیٰ کاظم ہیں، میں نے کہا بے شک ایسے کرامات جو میں نے دیکھے وہ اسی گھرانے کے لیے سزاوار ہیں۔ (مطالب السؤل صفحہ ۲۷۹، نور الابصار صفحہ ۱۳۵ و شواہد النبوت صفحہ ۱۹۳، صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱، ارجح المطالب صفحہ ۴۵۲۔ مورخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ شقیق ابن ابراہیم بلخی کا انتقال ۱۹۰ھ میں ہوا تھا۔ (تاریخ اسلام، جلد ۱ صفحہ ۵۹) - امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ عیسیٰ مدائنی حج کے لیے گئے اور ایک سال مکہ میں رہنے کے بعد وہ مدینہ چلے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں بھی ایک سال گزاریں گے، مدینہ پہنچ کر انھوں نے جنابِ ابوذر کے مکان کے قریب ایک مکان میں قیام کیا۔ مدینے میں ٹھہرنے کے بعد انھوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے وہاں آنا جانا شروع کیا۔ مدائنی کا بیان ہے کہ ایک شب کو بارش

ہو رہی تھی اور میں اُس وقت امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ تم فوراً اپنے مکان چلے جاؤ کیونکہ " انھدام البیت علی متاعک"۔ تمھارا مکان تمھارے اثاثہ پر گر گیا ہے اور لوگ سامان نکال رہے ہیں۔ یہ سُن کر میں فوراً مکان کی طرف گیا، دیکھا کہ گھر گر چکا ہے اور لوگ سامان نکال رہے ہیں۔ دُوسرے دن جب حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے پوچھا کہ کوئی چیز چوری تو نہیں گئی، میں نے عرض کی صرف ایک طشت نہیں ملتا جس میں وضو کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ چوری نہیں گیا۔ بلکہ انہدام مکان سے قبل تم اسے بیت الخلاء میں رکھ کر بھُول گئے ہو، تم جاؤ اور مالک کی لڑکی سے کہو، وہ لا دے گی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور طشت مل گیا۔ (نورالابصار ص۱۳۵)۔

علامہ جامی، تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک صحابی کے ہمراہ سَو دینار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں بطور نذر ارسال کیا وہ اسے لے کر مدینہ پہنچا، یہاں پہنچ کر اُس نے سوچا کہ امام کے ہاتھوں میں اِسے جانا ہے لہذا پاک کر لینا چاہیئے وہ کہتا ہے کہ میں نے ان دیناروں کو جو امانت تھے شمار کیا تو وہ ننانوے تھے۔ میں نے اُن میں اپنی طرف سے ایک دینار شامل کر کے سَو پُورا کر دیا۔ جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا سب دینار زمین پر ڈال دو۔ میں نے تھیلی کھول کر سب زمین پر نکال دیا۔ آپ نے میرے بتائے بغیر اس میں سے میرا وہی دینار جو میں نے ملایا تھا نکال کر مجھے دے دیا اور فرمایا بھیجنے والے نے عدد کا لحاظ نہیں کیا بلکہ وزن کا لحاظ کیا ہے جو ۹۹ میں پُورا ہوتا ہے۔

ایک شخص کا کہنا ہے کہ مجھے علی بن یقطین[1] نے ایک خط دے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ میں نے حضرت کی خدمت میں پہنچ کر اُن کا خط دیا، انھوں نے اُسے پڑھے بغیر آستین سے ایک خط نکال کر مجھے دیا اور کہا کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا یہ جواب ہے (شواہد النبوت ص۱۹۵) ابوبصیر کا بیان ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام دل کی باتیں جانتے تھے۔ اور ہر سوال کا جواب رکھتے تھے۔ ہر جاندار کی زبان سے واقف تھے۔ (روائح المصطفیٰ ص۱۶۲)، ابوحمزہ بطائنی کا کہنا ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ حج کو جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک شیر برآمد ہوا، اُس نے آپ کے کان میں کچھ کہا۔ آپ نے اُس کو اُسی زبان میں جواب دیا اور وہ چلا گیا۔ ہمارے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اُس نے اپنی شیرنی کی ایک تکلیف کے لیے دُعا کی خواہش کی، میں نے دُعا کر دی اور وہ واپس چلا گیا۔ (تذکرۃ المعصومین ص۱۹۳)۔

---

[1] علی بن یقطین امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ ۱۲۱ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں بمقام بغداد بعمر، ۵ سال فوت ہوئے انھوں نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ (رجال طوسی ص۳۵۵ طبع نجف اشرف)۔

خلیفہ مہدی عباسی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

منصور دوانقی کے بعد ۱۵۸ھ میں مہدی عباسی خلیفۂ وقت قرار پایا۔ اُس نے اپنی زندگی میں کچھ اچھے کام بھی کیے ہیں۔ اُس نے بہت سے ملحدوں کو خاک میں ملایا ہے۔ مانی جو فلسفی تھا اور مزدک متوفی چوتھی صدی عیسوی کے عقائد سے مخلوط گمراہ کن عقیدہ کی نشو و نما کرتا تھا) کو اس نے قتل کرا دیا تھا۔ اس کے علاوہ آلِ محمد کے ساتھ بھی اس کی روش معتدل تھی۔ لیکن یہ اعتدال بہت دنوں باقی نہیں رہا اور یہ اپنے آباؤ اجداد کے جادہ پر بہت تھوڑے ہی عرصہ میں چل نکلا اور اس امر کی کوشش کرنے لگا کہ آلِ محمدؐ کا کوئی معزز فرد زندہ نہ رہنے پائے، بلکہ کوئی ایسا شخص بھی محفوظ نہ رہے جو آلِ محمدؐ کو دوست رکھتا ہو۔ تواریخ میں ہے کہ اُس نے یعقوب ابنِ داؤد کو جو زیدی مذہب کے تھے، اپنا وزیر اعظم بنا کر رفاہِ عام کے تمام کام ان سے لیے اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ دوستدار آلِ محمد ہیں انھیں قید کر دیا۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ یعقوب ہمیشہ سے دوستدارانِ اہلِ بیت میں سے تھا۔ یحییٰ بن زید اور ابراہیم برادر نفس زکیہ کے رفیقوں میں سے تھا۔ شہادت ابراہیم کے بعد منصور نے اُسے قید کر دیا تھا۔ مہدی نے لائق دیکھ کر اُسے وزیر بنا لیا تھا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ صـ۵۶) جب لوگوں نے مہدی کو یہ باور کرا دیا کہ یہ آلِ محمد کا خاص دلدادہ ہے تو اُس نے اُن سے کہا کہ میں تمھیں ایک باغ ایک لونڈی اور ایک لاکھ درہم دیتا ہوں، تم قید خانہ میں جا کر فلاں علوی کو قتل کر دو، انھوں نے سب کچھ لینے کے بعد اس علوی کو اُس کے دو رفیقوں سمیت قید خانہ سے رہا کر دیا اور اُسے کافی مال دے کر اس سے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ کسی طرف چلے گئے۔ چند دنوں کے بعد اس کنیز نے جو انھیں ملی تھی۔ مہدی سے بتا دیا کہ انھوں نے علوی کو قتل کرنے کے بجائے اُسے رہا کر دیا اور یہی نہیں۔ بلکہ تیرے دیئے ہوئے مال سے اُسے کافی نوازا بھی ہے۔ مہدی نے آپ کی تلاشی لی اور واقعات کا پتہ لگایا۔ واقعہ چونکہ صحیح تھا اس وجہ سے وہ برہم ہو گیا اور اُس نے اُن کو قید کا حکم دے دیا۔ یعقوب قید کر دیئے گئے اور مدت العمر قید میں رہے۔ علامہ یافعی لکھتے ہیں کہ یعقوب کو مہدی کے حکم سے ایسے کنوئیں میں قید کیا گیا جس میں روشنی نہ جا سکتی تھی۔ جس کے نتیجے میں وہ بالکل اندھے ہو گئے، یعقوب اُسی قید خانہ میں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ ہارون رشید کا زمانہ آیا اور اُس نے انھیں رہا کر کے مکہ معظمہ بھیج دیا، جہاں یہ ۱۸۷ھ میں انتقال فرما گئے۔ "اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون"۔ (مراۃ الجنان جلد ۱ صـ۴۱۹ طبع حیدر آباد دکن)۔

امام موسیٰ کاظم کی بغداد میں قتل کیلئے طلبی

جیسا کہ میں نے اُوپر تحریر کیا ہے کہ مہدی چند دنوں سے زیادہ آلِ محمدؐ کا طرف دار نہیں

رہا۔ آخر وہ وقت آگیا کہ اُس نے امام علیہ السّلام کو مدینہ سے بغداد طلب کرلیا، اور اس طلبی کا مقصد یہ تھا کہ وہاں بلا کر انھیں قتل کرا دے۔ بہرصورت اسی مقصد کے پیش نظر حکم پہنچا کہ آپ بغداد حاضر ہوں، امام علیہ السّلام حسب الحکم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ علامہ شبلنجی اور علامہ جامی لکھتے ہیں کہ آپ جب منزل "زبالہ" پر پہنچے تو آپ سے ابوخالد نے ملاقات کی۔ ابوخالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کو دیکھا کہ آپ اُن لوگوں کی حراست میں تشریف لا رہے ہیں جو بغداد سے آپ کو لانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ میں حضرت کے قریب گیا اور میں نے سلام کیا، مجھے دیکھ کر امام علیہ السلام خوش ہوگئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ فلاں فلاں چیزیں خرید کر اپنے پاس رکھ لینا جب میں واپس آؤں گا تو لے لوں گا، میں نے عرض کی بہت بہتر۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا۔ ابوخالد رنجیدہ کیوں ہو۔ میں نے عرض کی، مولا! آپ دشمنوں کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ڈرتا ہوں کہ نہ جانے وہ کیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ میں انشاء اللہ واپس آؤں گا۔ اور ابوخالد سنو تم فلاں تاریخ بوقت شام میرا انتظار کرنا، یہ فرما کر آپ روانہ ہوگئے اور بغداد جا پہنچے۔ علامہ ابن طلحہ و علامہ جامی لکھتے ہیں کہ بغداد پہنچتے ہی آپ قید کر دیئے گئے۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ تھوڑے دن قید رکھنے کے بعد مہدی نے آپ کو قتل کرا دینا چاہا اور اسی لیے اس نے حمید ابن قحطبہ کو آدھی رات کے وقت بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ میرے اور تمھارے باپ اور بھائی کے درمیان کتنے اچھے تعلقات تھے، اور سنو اس وقت مجھے تم سے ایک ضروری کام لینا ہے کیا تم اُسے کرسکو گے، اس نے کہا کہ ہاں ضرور کروں گا، اور اے بادشاہ اگر تعمیل ارشاد میں میرا مال، میری جان میری اولاد حتیٰ کہ میرا ایمان بھی کام آجائے تو پرواہ نہیں۔ خلیفہ مہدی نے کہا "للہ درک"۔ خدا تمھارا بھلا کرے۔ مجھے تم سے اسی کی توقع تھی، دیکھو کام یہ ہے کہ تم امام موسیٰ کاظم کو صبح ہونے سے پہلے قتل کردو، اُس نے کہا بہتر ہے، بات طے ہوگئی، حمید چلا گیا۔ مہدی محو استراحت ہوا، ابھی تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ امیرالمومنین علیہ السّلام خواب میں تشریف لائے اور اُس سے کہنے لگے کہ کیا تمھیں حکومت اسی لیے دی گئی ہے کہ تم اہل قرابت کو تباہ کردو، ہوش میں آؤ اور اپنے ارادۂ نجس سے باز آؤ، یہ دیکھ کر مہدی بیدار ہوگیا اور اُس نے فوراً حمید کو کہلا بھیجا کہ میں نے جو حکم دیا ہے، اُس پر آج عمل نہ کرنا۔ اِسی خواب کی وجہ سے مہدی نے انھیں رہا کر کے مدینہ بھیج دیا علامہ جامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ امام واپس آرہے تھے اور ابوخالد زبالوی کا حال یہ تھا کہ جس دن سے امام زبالہ سے روانہ ہوئے تھے۔ یہ بڑی مشکلوں سے دن رات کاٹ رہے تھے۔ جب وہ دن آیا جس دن امام نے پہنچنے کا وعدہ فرمایا تھا، یہ گھر سے نکل کر بغداد کے راستے پر کھڑے ہوگئے سورج ڈوبتے ہی ان کا دل ڈوبنے لگا اور انھیں یہ شبہہ پیدا ہونے لگا کہ شاید امام علیہ السّلام پر

کوئی مصیبت آگئی ہے، ناگاہ دیکھا کہ عراق کی طرف سے غبار نمودار ہوا، اور اس کے آگے آگے امام علیہ السلام خچر پر سوار چلے آرہے ہیں، یہ دیکھ کر مسرور ہو گئے اور استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔ امام نے فرمایا اے ابو خالد میں اپنے کہنے کے مطابق واپس آگیا ہوں۔ لیکن ایک موقع (الیساہم) آنے والا ہے کہ بغداد جاکر واپس نہ آسکوں گا۔ (نورالابصار ص ۱۳۱ دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۶ بحوالہ مناقب و بحار جلد ۹ ص ۶۴، شواہد النبوت ص ۱۹۳، مطالب السؤل ص ۲۷۸) پھر وہاں سے روانہ ہو کر آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ اور بدستور فرائض امامت کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہادی عباسی کی قید میں

تواریخ میں ہے کہ مہدی کے بعد اس کا بیٹا ہادی عباسی ۲۲ محرم ۱۶۹ھ مطابق ۷۸۵ء میں تخت خلافت پر متمکن ہوا مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ ہادی بڑا مغرور سر، خود رائے، ضدی، ظالم، خونخوار اور بے رحم تھا۔ . . . شراب پیتا اور لہو ولعب میں مصروف رہتا تھا۔

ہادی کو آلِ محمدؐ سے وہی بغض و عناد تھا جو اُس کے آباؤ واجداد کو تھا، اُسی کی سلطنت میں اور اُسی کے عہد حکومت میں مدینہ کے گورنر نے امام حسن کی اولاد میں سے بعض افراد پر بادہ خواری کا جھوٹا الزام لگا کر پٹوایا اور اُن کے گلے میں رسیاں بندھوا کر مدینہ کے کوچہ و بازار میں تشہیر کرایا اور کئی سو بنی حسن کو قتل کرایا اور اُن کی نمایاں فرد جناب حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ کا سر کٹوا کر بغداد بھجوا دیا اور پوری طاقت سے سادات کا استیصال کرتا رہا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۵)

ہادی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ وہی کچھ کیا جو امام کے آباؤ واجداد کے ساتھ کرتے آئے تھے۔ علامہ ابن حجر المکی لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہادی بن مہدی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید کر دیا۔ آپ قید کی صعوبت برداشت کر رہے تھے کہ ایک شب حضرت علیؑ نے اُس کے سامنے خواب میں ایک آیت پڑھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: کہ کیا اسی لیے تم حاکم بنے ہو کہ فساد برپا کرو، اور قطع رحم کرو۔" اس خواب سے وہ بیدار ہوا، اور اس نے فوراً آپ کی رہائی کا حکم دے دیا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۲ و ارجح المطالب ص ۴۵۳)۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اخلاق و عادات اور شمائل و اوصاف

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس مقدس سلسلہ کی ایک فرد تھے جس کو خالق نے نوعِ انسان کے لیے معیار کمال قرار دیا تھا۔ اسی لیے ان میں سے ہر ایک اپنے وقت

میں بہترین اخلاق و اوصاف کا مُرقع تھا۔ بے شک یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض افراد میں بعض صفات اتنے ممتاز نظر آتے ہیں کہ سب سے پہلے ان پر نظر پڑتی ہے۔ چنانچہ ساتویں امام میں تحمل و برداشت اور غصہ ضبط کرنے کی صفت اتنی نمایاں تھی کہ آپ کا لقب "کاظم" قرار پاگیا۔ جس کے معنی ہی ہیں "غصے کو پینے والا"۔ آپ کو کبھی کسی نے ترش روئی اور سختی کے ساتھ بات کرتے نہیں دیکھا اور انتہائی ناگوار حالات میں بھی مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ مدینہ کے ایک حاکم سے آپ کو سخت تکلیفیں پہنچیں۔ یہاں تک کہ وہ جناب امیر علیہ السّلام کی شان میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کیا کرتا تھا۔ مگر حضرت نے اپنے اصحاب کو ہمیشہ اس کے جواب دینے سے روکا۔

جب اصحاب نے اس کی گستاخیوں کی بہت شکایت کی اور کہا کہ اب ہمیں ضبط کی تاب نہیں ہمیں ان سے انتقام لینے کی اجازت دی جائے، تو حضرت نے فرمایا کہ میں خود اس کا تدارک کروں گا اس طرح اُن کے جذبات میں سکون پیدا کرنے کے بعد حضرت خود اُس شخص کے پاس اس کی زراعت پر تشریف لے گئے اور کچھ ایسا احسان اور حسنِ سلوک فرمایا کہ وہ اپنی گستاخیوں پہ نادم ہوا، اور اپنے طرزِ عمل کو بدل دیا۔ حضرت نے اپنے اصحاب سے صورتِ حال بیان فرماکر پوچھا کہ جو میں نے اُس کے ساتھ کیا وہ اچھا تھا یا جس طرح تم لوگ اس کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ سب نے کہا یقیناً حضور نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہی بہتر تھا، اسی طرح آپ نے اپنے جدِ بزرگوار حضرت امیر علیہ السّلام کے اس ارشاد کو عمل میں لاکر دکھلایا جو آج تک "نہج البلاغۃ" میں موجود ہے کہ اپنے دشمن پر احسان کے ساتھ فتح حاصل کرو۔ کیونکہ یہ دو قسم کی فتح میں زیادہ پرلطف کامیابی ہے۔ بے شک اس لیے فریق مخالف کے ظرف کا صحیح اندازہ ضروری ہے اور اسی لیے حضرت علیؑ نے ان الفاظ کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ "خبردار! یہ عدمِ تشدد کا طریقہ نااہل کے ساتھ اختیار نہ کرنا ورنہ اس کے تشدد میں اضافہ ہوجائے گا۔

یقیناً ایسے عدمِ تشدد کے موقع کو پہچاننے کے لیے ایسی ہی بالغ نگاہ کی ضرورت ہے جیسی امام کو حاصل تھی، مگر یہ اس وقت میں ہے جب مخالف کی طرف سے کوئی ایسا عمل ہوچکا ہو جو اس کے ساتھ انتقامی تشدد کا جواز پیدا کرسکے۔ لیکن اگر اس کی طرف سے کوئی اقدام ابھی ایسا نہ ہوا ہو تو یہ حضرات بہرحال اس کے ساتھ احسان کرنا پسند کرتے تھے تاکہ اس کے خلاف حجت قائم ہو اور اُسے ایسے جارحانہ اقدام کے لیے تلاش سے بھی کوئی عذر نہ مل سکے بالکل اسی طرح جیسے ابن ملجم کے ساتھ جو جناب امیر علیہ السلام کو شہید کرنے والا تھا۔ آخر وقت تک جناب امیر علیہ السّلام احسان فرماتے رہے۔ اسی طرح محمد بن اسماعیل کے ساتھ جو امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی جان لینے کا باعث ہوا، آپ احسان فرماتے رہے یہاں تک کہ اس سفر کے لیے جو اُس نے مدینہ سے بغداد کی جانب خلیفہ عباسی کے پاس امام موسیٰ

کاظم علیہ السلام کی شکایتیں کرنے کے لیے کیا تھا۔ ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم کی رقم خود حضرت ہی نے عطا فرمائی تھی جس کو وہ لے کر روانہ ہوا تھا۔

آپ کو زمانہ بہت ناسازگار ملا تھا۔ نہ اُس وقت وہ علمی دربار قائم رہ سکتا تھا جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں قائم رہ چکا تھا نہ دُوسرے ذرائع سے تبلیغ و اشاعت ممکن تھی۔ بس آپ کی خاموش سیرت ہی تھی جو دُنیا کو آلِ محمدؐ کی تعلیمات سے روشناس بنا سکتی تھی۔ آپ اپنے مجمعوں میں بھی اکثر بالکل خاموش رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب تک آپ سے کسی امر کے متعلق کوئی سوال نہ کیا جائے۔ آپ گفتگو میں ابتدا بھی نہ فرماتے تھے۔ اس کے باوجود آپ کی علمی جلالت کا سکہ دوست اور دُشمن سب کے دل پر قائم تھا۔ اور آپ کی سیرت کی بلندی کو بھی سب مانتے تھے۔ اس لیے عام پر آپ کو اکثر عبادت اور شب زندہ داری کی وجہ سے عبدِ صالح کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ کی سخاوت اور فیاضی کا بھی شہرہ تھا اور فقرا۔ مدینہ کی اکثر پوشیدہ طور پر خبرگیری فرماتے تھے۔ ہر نمازِ صبح کی تعقیبات کے بعد، آفتاب کے بلند ہونے کے بعد سے پیشانی سجدہ میں رکھ دیتے تھے اور زوال کے وقت سر اُٹھاتے تھے۔ قرآن مجید کی نہایت دلکش انداز میں تلاوت فرماتے تھے خود بھی روتے جاتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی آپ کی آواز سے متاثر ہوکر روتے تھے (سوانح موسیٰ کاظم ص۸ و اعلام الوریٰ ص۱۷۸)۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا یہ طریقہ اور وطیرہ تھا کہ آپ فقیروں کو ڈھونڈا کرتے تھے اور جو فقیر آپ کو مل جاتا تھا، اس کے گھر میں روپیہ پیسہ اشرفی اور کھانا، پانی پہنچایا کرتے تھے۔ اور یہ عمل آپ کا رات کے وقت ہوتا تھا۔ اس طرح آپ فقرا۔ مدینہ کے بے شمار گھروں کا آزوقہ چلا رہے تھے، اور لُطف یہ ہے کہ اُن لوگوں تک کو یہ پتہ نہ تھا کہ ہم تک سامان پہنچانے والا ہے کون؟ یہ راز اُس وقت کھلا جب آپ دُنیا سے رحلت فرما گئے۔ (نور الابصار ص۱۳۶ طبع مصر) اسی کتاب کے ص۱۳۴ میں ہے کہ آپ ہمیشہ دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ بے انتہا عبادت و ریاضت فرمایا کرتے تھے اور طاعتِ خدا میں اس درجہ شدت برداشت کیا کرتے تھے جس کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک دفعہ مسجدِ نبوی میں آپ کو دیکھا گیا کہ آپ سجدہ میں مناجات فرما رہے ہیں اور اس درجہ سجدہ کو طول دیا کہ صبح ہوگئی۔ وفیات الاعیان جلد ۲ ص۱۳۱) ایک شخص آپ کی برابر بلا وجہ بُرائیاں کیا کرتا تھا۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ایک ہزار دینار (اشرفی) اس کے گھر پر بطورِ انعام بھجوا دیا۔ (روائح المصطفےٰ ص۲۶۴) جس کے نتیجہ میں وہ اپنی حرکت سے باز آگیا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی تصنیفات

آپ کو اگرچہ تصنیفات کا موقع ہی نہیں نصیب ہوا لیکن پھر بھی آپ اس کی طرف متوجہ رہے ہیں۔

آپ کی ایک تصنیف جس کا ذکر علامہ حلبی نے بحوالہ حافظ ابونعیم اصفہانی کیا ہے وہ مسند امام موسیٰ کاظم ہے۔ (کشف الظنون ص۴۲۳ و ارجح المطالب ص۴۵۴)۔

آپ کی مرویات

آپ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن میں کی دو یہ ہیں "(۱) نظر الولد الی والدیہ عبادۃ"۔ یعنی آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ لڑکے کا اپنے والدین کے چہروں پر نظر کرنا عبادت ہے (۲) کل خلۃ یطوی المومن علیہا لیس الکذب والخیانۃ (ترجمہ) جھوٹ اور خیانت کے علاوہ مومن ہر عادت اختیار کر سکتا ہے (نورالابصار ص۱۳۴) احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ آپ کا سلسلہ روایات اتنا اہم ہے کہ "لو قری علی المجنون لافاقہ"۔ یعنی اگر مجنون پر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو اس کا جنون جاتا رہے (مناقب جلد ۵ ص۷۳)۔

خلیفہ ہارون الرشید عباسی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

۱۵ ربیع الاول ۱۷۰ھ کو مہدی کا بیٹا ابوجعفر ہارون رشید عباسی خلیفہ وقت بنایا گیا۔ اُس نے اپنا وزیر اعظم یحییٰ بن خالد برمکی کو بنایا اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ابویوسف کو قاضی قضاۃ کا درجہ دیا۔ بروایت ذہبی اُس نے اگرچہ بعض اچھے کام بھی کئے ہیں لیکن لہو و لعب اور حصول لذات ممنوعہ میں منفرد تھا۔ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ یہ اپنے دادا منصور دوانقی کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ وہ بخیل تھا اور یہ سخی۔ یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے راگ راگنی اور موسیقی کو شریف پیشہ قرار دیا تھا۔ اُس کی پیشانی پر سادات کشی کا بھی نمایاں داغ ہے۔ علم موسیقی کا ماہر ابواسحاق ابراہیم موصلی اس کا درباری تھا۔ حبیب السیر میں ہے کہ یہ پہلا اسلامی بادشاہ ہے جس نے میدان میں گیند بازی کی اور شطرنج کے کھیل کا شوق کیا۔ احادیث میں ہے کہ شطرنج کھیلنا بہت بڑا گناہ ہے۔ جامع الاخبار میں ہے کہ جب امام حسینؑ کا سر دربار یزید میں پہنچا تھا تو وہ شطرنج کھیل رہا تھا۔ تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے کہ ہارون رشید اپنے باپ کی مدخولہ لونڈی پر عاشق ہو گیا۔ اُس نے کہا میں تمھارے باپ کے پاس رہ چکی ہوں، تمھارے لیے حلال نہیں ہوں۔ ہارون نے قاضی ابویوسف سے فتویٰ طلب کیا۔ انھوں نے کہا آپ اس کی بات کیوں مانتے ہیں، یہ جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔ اِس فتویٰ کے سہارے سے اُس نے اُس کے ساتھ بدفعلی کی۔ علامہ سیوطی یہ بھی لکھتے ہیں کہ بادشاہ ہارون نے ایک لونڈی خرید کر اُس کے ساتھ اُسی رات بلا استبراء جماع کرنا چاہا۔ قاضی ابویوسف نے کہا کہ اسے اپنے کسی لڑکے کو ہبہ کر کے استعمال کر لیجئے۔ علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ اس فتویٰ کی اُجرت امام ابویوسف نے ایک لاکھ

درہم لی تھی۔ علامہ ابنِ خلکان کا کہنا ہے کہ ابوحنیفہ کے شاگردوں میں ابویوسف کی نظیر نہ تھی۔ اگر یہ نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ کا ذکر بھی نہ ہوتا۔

تاریخ اسلام مسٹر ذاکر حسین میں بحوالہ صحاح الاخبار مرقوم ہے کہ ہارون رشید کا درجہ سادات کشی میں منصور سے کم نہ تھا۔ اُس نے ۱۷۶ھ میں حضرت نفس زکیہ علیہ الرحمۃ کے بھائی یحییٰ کو دیوار میں زندہ چنوا دیا تھا۔ اُسی نے امام موسیٰ کاظم کو اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ ولی اللہ میرے خلاف علمِ بغاوت بلند نہ کریں اپنے ساتھ حجاز سے عراق میں لاکر قید کر دیا۔ اور ۱۸۳ھ میں زہر سے ہلاک کر دیا۔ علامہ مجلسی تحفۃ الزائر میں لکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے دوسری صدی ہجری میں امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کی زمین جتوائی تھی اور قبر پر جو بیری کا درخت بطور نشان موجود تھا اُسے کٹوا دیا تھا۔ جلاء العیون اور قمقام میں بحوالہ امالی شیخ طوسی مرقوم ہے کہ جب اِس واقعہ کی اطلاع جریر ابن عبدالحمید کو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ رسولِ خدا صلعم کی حدیث "لعن اللہ قاطع السدرۃ" بیری کے درخت کاٹنے والے پر خدا کی لعنت، کا مطلب اب واضح ہوا۔ (تصویر کربلا ص۶۱ طبع دہلی ۱۳۳۵ھ)۔

ہارون رشید کا پہلا حج اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی پہلی گرفتاری

مورخ ابوالفداء لکھتا ہے کہ عنانِ حکومت لینے کے بعد ہارون رشید نے ۱۷۳ھ میں پہلے پہل حج کیا۔ علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ "جب ہارون رشید حج کو آیا تو لوگوں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں چغلی کھائی کہ اُن کے پاس ہر طرف سے مال چلا آتا ہے، اِتفاق سے ایک روز ہارون رشید خانہ کعبہ کے نزدیک حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملاقی ہوا اور کہنے لگا تم ہی ہو جن سے لوگ چھُپ چھُپ کر بیعت کرتے ہیں۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم دلوں کے امام ہیں اور آپ جسموں کے۔ پھر ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ تم کس دلیل سے کہتے ہو کہ ہم رسول اللہ کی ذریت ہیں۔ حالانکہ تم علی کی اولاد ہو اور ہر شخص اپنے دادا سے منتسب ہوتا ہے۔ نانا سے منتسب نہیں ہوتا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ خدائے کریم قرآن مجید میں ارشاد کرتا ہے۔ "و من ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ" اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے تو جس طرح محض اپنی والدہ کی نسبت سے ذریت انبیاء میں ملحق ہوئے۔ اُسی طرح ہم بھی اپنی مادر گرامی جناب فاطمہ کی نسبت سے جناب رسولِ خدا کی ذریت میں ٹھہرے، پھر فرمایا کہ جب آیۃ مباہلہ نازل ہوئی تو مباہلے کے وقت پیغمبر خدا نے سوا علی اور فاطمہ اور حسن و حسین کے کسی کو نہیں بلایا اور بفحوائے "ابناءنا" حضرت حسن و

حضرت حسینؑ ہی رسول اللہؐ کے بیٹے قرار پائے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۲ نورالابصار ص۱۳۴ ارجح المطالب ص۴۵۲)

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ہارون رشید حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور زیارت کے لیے روضۂ مقدسۂ نبویؐ پر حاضر ہوا۔ اُس وقت اس کے گرد قریش اور دیگر قبائل عرب جمع تھے، نیز حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی ساتھ تھے۔ ہارون رشید نے حاضرین پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لیے قبر مبارک کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ سلام ہو آپ پر اے رسول اللہ! اے ابن عم (میرے چچازاد بھائی) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ سلام ہو، آپ پر اے میرے پدر بزرگوار! یہ سن کر ہارون کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا، اور اُس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لے جا کر قید کر دیا۔ (وفیات الاعیان جلد ۲ ص۱۳۱ و تاریخ احمدی ص۳۴۹)۔

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ ہارون رشید کے قید خانہ میں تھے۔ ہارون نے آپ کا امتحان کرنے کے لیے ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی، آپ کی خدمت کرنے کے لیے قید خانہ میں بھیج دی۔ حضرت نے جب اُسے دیکھا تو لانے والے سے فرمایا کہ ہارون سے جا کر کہہ دینا کہ انھوں نے یہ ہدیہ واپس کیا ہے اور کہا ہے کہ "بل انتم بھدیتکم تفرحون" وہ عطائے توبہ لقا رتو اس سے تم ہی خوشی حاصل کرو۔ اُس نے ہارون سے واقعہ بیان کیا، ہارون نے کہا کہ اِسے لے جا کر وہیں چھوڑ آؤ۔ اور ابن جعفر سے کہو کہ نہ میں نے تمھاری مرضی سے تمھیں قید کیا ہے اور نہ تمھاری مرضی سے تمھارے پاس یہ لونڈی بھیجی ہے، میں جو حکم دوں تمھیں وہ کرنا ہوگا۔ الغرض وہ لونڈی حضرت کے پاس چھوڑ دی گئی۔

چند دنوں کے بعد ہارون نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جا کر پتہ لگائے کہ اس لونڈی کا کیا رہا، اُس نے جو قید خانے میں جا کر دیکھا تو وہ حیران رہ گیا، اور بھاگا ہوا ہارون کے پاس آ کر کہنے لگا کہ وہ لونڈی تو زمین پر سجدہ میں پڑی ہوئی "سبوح قدوس" کہہ رہی ہے، اور اس کا عجیب حال ہے۔ ہارون نے حکم دیا کہ اُسے اس کے سامنے پیش کیا جائے، جب وہ آئی تو بالکل مبہوت تھی، ہارون نے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ جب میں حضرت کے پاس گئی اور میں نے اُن سے کہا کہ میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوئی ہوں، تو آپ نے ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ لوگ جبکہ میرے پاس موجود ہیں مجھے تیری کیا ضرورت ہے؟ میں نے جب اُس سمت کو نظر کی تو دیکھا کہ جنت آراستہ ہے، اور حور و غلماں موجود ہیں۔ اُن کا حسن و جمال دیکھ کر میں سجدہ میں گر پڑی اور عبادت کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اے بادشاہ! میں نے وہ چیزیں کبھی نہیں دیکھیں جو قید خانہ میں میری نظر سے گزریں، بادشاہ نے کہا کہیں تو نے سوتے کی حالت میں خواب نہ دیکھا ہو، اُس نے کہا اے بادشاہ ایسا نہیں ہے۔ میں نے عالم بیداری میں بچشم خود سب کچھ دیکھا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اُس عورت کو

کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ اور اس کے لیے حکم دیا گیا کہ اس کی نگرانی کی جائے تاکہ کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کرنے پائے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ "تاحیات مشغولِ عبادت رہی، اور جب کوئی اس کی نماز وغیرہ کے بارے میں کچھ کہتا تھا تو یہ جواب میں کہتی تھی کہ میں نے عبدِ صالح امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

یہ پاکباز عورت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی وفات سے چند دنوں پہلے فوت ہوگئی۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صـ ۶۳)۔

قیدخانہ سے آپ کی رہائی

آپ قیدخانہ میں تکالیف سے دوچار تھے، اور ہر قسم کی سختیاں آپ پر کی جا رہی تھیں کہ ناگاہ بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جس سے مجبور ہو کر اس نے آپ کو رہا کر دیا۔ علامہ ابن حجر مکیؒ بحوالہ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ ایک شب کو ہارون رشید نے حضرت علی علیہ السّلام کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ وہ ایک تیشہ لیے ہوئے تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے فرزند کو رہا کر دے ورنہ میں ابھی تجھے کیفر کردار تک پہنچا دوں گا۔ اس خواب کو دیکھتے ہی اس نے رہائی کا حکم دیا، اور کہا کہ اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو رہیے اور مدینہ جانا چاہتے ہیں تو تشریف لے جائیے آپ کو اختیار ہے۔ علامہ مسعودی کا کہنا ہے کہ اسی شب کو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو خواب میں دیکھا تھا۔ (صواعق محرقہ صـ ۱۲۲ طبع مصر، علامہ جامی لکھتے ہیں کہ مدینہ روانہ کرتے وقت ہارون نے آپ سے خروج کا شبہہ ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ خروج و بغاوت میرے شایانِ شان نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ (شواہد النبوت صـ ۱۹۲)۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام اور علی بن یقطین بغدادی

قیدخانۂ رشید سے چھوٹنے کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام مدینہ منورہ پہنچے اور بدستور اپنے فرائض امامت کی ادائیگی میں مشغول ہوگئے، آپ چونکہ امام زمانہ تھے، اس لیے آپ کو زمانہ کے تمام حوادث کی اطلاع تھی۔ ایک مرتبہ ہارون رشید نے علی بن یقطین بن موسیٰ کوفی بغدادی کو جو کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے خاص ماننے والے تھے اور اپنی کارکردگی کی وجہ سے ہارون رشید کے مقربین میں سے تھے، بہت سی چیزیں دیں جن میں خلعتِ فاخرہ اور ایک بہت عمدہ قسم کا سیاہ زربفت کا بنا ہوا جُبّہ تھا جس پر سونے کے تاروں سے پھول کڑھے ہوئے تھے اور جسے صرف خلفاء اور بادشاہ پہنا کرتے تھے۔ علی بن یقطین نے ازراہِ تقرب و عقیدت اس سامان میں اور بہت سی چیزوں کا اضافہ کر کے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ

نے اُن کا ہدیہ قبول کر لیا۔ لیکن اُس میں سے اس لباس مخصوص کو واپس کر دیا جو زربفت کا بنا ہوا تھا اور فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھو، یہ تمھارے اُس وقت کام آئے گا جب "جان جوکھم" میں پڑی ہو گی۔ انھوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ امام نے نہ جانے کس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہو اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابن یقطین اپنے ایک غلام سے ناراض ہو گئے اور اُسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ اس نے جا کر رشید خلیفہ سے ان کی چغلی کھائی اور کہا کہ آپ نے جس قدر خلعت وغیرہ انھیں دی ہے۔ انھوں نے سب کا سب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو دے دیا ہے، اور چونکہ وہ شیعہ ہیں، اس لیے امام کو بہت مانتے ہیں، بادشاہ نے جونہی یہ بات سُنی۔ وہ آگ بگولہ ہو گیا، اور اُس نے فوراً سپاہیوں کو حکم دیا کہ علی بن یقطین کو اسی حالت میں گرفتار کر لائیں جس حال میں وہ ہوں۔ الغرض ابن یقطین لائے گئے، بادشاہ نے پوچھا میرا دیا ہوا چغہ کہاں ہے؟ انھوں نے کہا بادشاہ میرے پاس ہے۔ اس نے کہا میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور سُنو! اگر تم اِس وقت اُسے نہ دکھا سکے تو میں تمھاری گردن مار دُوں گا، انھوں نے کہا بادشاہ میں ابھی پیش کرتا ہُوں، یہ کہہ کر انھوں نے ایک شخص سے کہا کہ میرے مکان میں جا کر میرے فلاں کمرہ سے میرا صندوق اٹھا لا، جب وہ بتایا ہوا صندوق لے آیا تو آپ نے اُس کی مُہر توڑی اور چغا نکال کر اُس کے سامنے رکھ دیا۔ جب بادشاہ نے اپنی آنکھوں سے چغہ دیکھ لیا، تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا، اور خوش ہو کر کہنے لگا، کہ اب میں تمھارے بارے میں کسی کی کوئی بات نہ مانوں گا۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۴) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ پھر اُس کے بعد رشید نے اور بہت سا عطیہ دے کر انھیں عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا اور حکم دیا کہ چغلی کرنے والے کو ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ جلادوں نے مارنا شروع کیا اور وہ پانچ سو کوڑے کھا کر مر گیا۔ (نور الابصار ص ۱۳۰)

علی بن یقطین کو اُلٹا وضو کرنے کا حکم

علامہ طبرسی اور علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ علی بن یقطین نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ "ہمارے درمیان" اس امر میں بحث ہو رہی ہے کہ آیا مسح کعب سے اصابع (اُنگلیوں) تک ہونا چاہیے۔ یا انگلیوں سے "کعب" تک، حضور اس کی وضاحت فرمائیں، حضرت نے اس خط کا ایک عجیب و غریب جواب تحریر فرمایا۔ آپ نے لکھا کہ میرا خط پاتے ہی تم اس طرح وضو شروع کرو کہ تین مرتبہ کلی کرو، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ مُنہ دھوؤ۔ اپنی ڈاڑھی کو اچھی طرح بھگوؤ، سارے سر کا مسح کرو، اندر باہر کانوں کا مسح کرو، تین مرتبہ پاؤں دھوؤ اور دیکھو میرے اس حکم کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

علی بن یقطین نے جب اس خط کو پڑھا، تو وہ حیران رہ گئے۔ لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ "مولائے

اعلم بما قال"۔ آپ نے جو کچھ حکم دیا ہے۔ اُس کی گہرائی اور اُس کی وجہ کا اچھی طرح آپ کو علم ہوگا اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ علی بن یقطین کی مخالفت برابر دربار میں ہوا کرتی تھی اور لوگ بادشاہ سے کہا کرتے تھے کہ شیعہ ہے اور تمھارے مخالف ہے۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے بعض مشیروں سے کہا کہ علی بن یقطین کی شکایات بہت ہو چکی ہیں، اب میں خود چھپ کر دیکھوں گا اور یہ معلوم کروں گا کہ وضو کیونکر کرتے اور نماز کیسے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اُس نے چھپ کر آپ کے حجرہ میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ اہلِ سنّت کے اصول اور طریقے پر وضو کر رہے ہیں یہ دیکھ کر وہ اُن سے مطمئن ہوگیا اور اس کے بعد سے پھر کسی کے کہنے کو باور نہیں کیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا خط علی بن یقطین کے پاس پہنچا جس میں مرقوم تھا کہ خدشہ دُور ہوگیا " توضاء کما امرک اللہ اب تم اسی طرح وضو کرو، جس طرح خدا نے حکم دیا ہے یعنی اب اُلٹا وضو نہ کرنا، بلکہ سیدھا اور صحیح وضو کرنا اور تمھارے سوال کا جواب یہ ہے کہ انگلیوں کے سرے سے کعبین تک پاؤں کا مسح ہونا چاہیے۔ (اعلام الوریٰ ص۱۷۰، مناقب جلد ۵ ص۵۸)۔

وزیرِ اعظم علی بن یقطین کو امام موسیٰ کاظم کی فہمائش

علامہ حسین بن عبدالوہاب تحریر فرماتے ہیں کہ "محمد بن علی صوفی کا بیان ہے کہ ابراہیم جمال (جو امام موسیٰ کاظم کے صحابی تھے) نے ایک دن ابوالحسن علی بن یقطین سے ملاقات کے لیے وقت چاہا۔ انھوں نے وقت نہ دیا، اسی سال وہ حج کے لیے گئے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی تشریف لے گئے۔ ابنِ یقطین حضرت سے ملنے کے لیے گئے۔ انھوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ ابن یقطین کو بڑا تعجب ہوا۔ راستے میں ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے ابراہیم سے ملاقات کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس لیے میں بھی تم سے نہیں ملا اور اس وقت تک نہ ملوں گا جب تک تم اُن سے معافی نہ مانگو گے اور انھیں راضی نہ کرو گے، ابن یقطین نے عرض کی مولا میں مدینہ میں ہوں اور وہ کوفہ میں ہیں، فوری ملاقات کیسے ہوسکتی ہے، فرمایا، تم تنہا بقیع میں جاؤ، ایک اونٹ تیار ملے گا اس پر سوار ہو کر کوفہ کے لیے روانہ ہو چشمِ زدن میں وہاں پہنچ جاؤ گے۔ چنانچہ وہ گئے اور اُونٹ پر سوار ہو کر کوفہ پہنچے، ابراہیم کے دروازے پر دق الباب کیا، آواز آئی، کون ہے؟ کہا میں ابن یقطین ہوں، انھوں نے کہا، تمھارا میرے دروازے پر کیا کام ہے؟ ابن یقطین نے جواب دیا سخت مصیبت میں مبتلا ہوں، خدا کے لیے ملنے کا وقت دو، چنانچہ انھوں نے اجازت دی، ابن یقطین نے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگی اور سارا واقعہ کہہ سنایا ابراہیم جمال نے معافی دی۔ پھر اسی اُونٹ پر سوار ہو کر چشمِ زدن میں مدینہ پہنچے اور امام علیہ السلام

کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام نے بھی معاف کر دیا اور ملاقات کا وقت دے کر گفتگو فرمائی۔
(عیون المعجزات ص ۱۲۲ طبع ملتان)۔

امام موسیٰ کاظمؑ کے حکم سے بادل کا ایک مردِ مومن کو چین سے طالقان پہنچانے کا واقعہ

ہارون رشید کا ایک سوال اور اس کا جواب

مسلم ہے کہ حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ معجزات، کرامات اور امور خرقِ عادات میں یکتائے کائنات تھے، رجعتِ شمس، شق القمر اور حضرت علی کا ایک گروہ سمیت چادر پر بیٹھ کر غارِ اصحابِ کہف تک سفر کرنا اُس کے شواہد ہیں۔

علامہ محمد بن علی شہر آشوب، تحریر فرماتے ہیں کہ "خالد بن سماں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہارون رشید نے ایک شخص کو طلب کیا جس کا نام تھا علی بن صالح طالقانی۔ پوچھا تم ہی وہ ہو جس کو "بادل" چین سے اُٹھا کر طالقان لائے تھے؟ کہا، ہاں۔ اس نے کہا بتاؤ کیا واقعہ ہے؟ یہ کیونکر ہوا۔ طالقانی نے کہا کہ میں کشتی میں سوار تھا۔ ناگاہ جب میری کشتی سمندر کے اس مقام پر پہنچی جو سب سے زیادہ گہرا تھا تو میری کشتی ٹوٹ گئی۔ تین روز میں تختوں پر پڑا رہا اور موجیں مجھے تھپیڑے لگاتی رہیں پھر سمندر کی موجوں نے مجھے خشکی پر پھینک دیا۔ وہاں نہریں اور باغات موجود تھے۔ میں ایک درخت کے سائے میں سو گیا۔ اسی اثنا میں مَیں نے ایک خوفناک آواز سُنی ڈر کے مارے بیدار ہو گیا۔ پھر دو گھوڑوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا۔ ایسے خوب صورت گھوڑے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ انھوں نے جب مجھے دیکھا، سمندر میں چلے گئے۔ میں نے اسی اثنا میں ایک عظیم الخلقت پرندے کو دیکھا جو آکر بیٹھ گیا۔ پہاڑ کے غار کے قریب میں درخت میں چھپتے ہوئے اس کے قریب گیا تاکہ اس کو اچھی طرح دیکھ سکوں۔ پرندے نے جب مجھے دیکھا تو اُڑ گیا۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ غار کے قریب میں نے تسبیح و تحلیل، تکبیر اور تلاوتِ قرآن مجید کی آواز سُنی۔ میں غار کے قریب گیا۔ آواز دینے والے نے آواز دی۔ "اے علی بن صالح طالقانی۔ خدا تم پر رحم کرے۔ غار کے اندر آجاؤ۔ میں غار کے اندر چلا گیا۔ وہاں ایک کھدر پوش عظیم شخص کو دیکھا، میں نے سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا کہ اے علی بن صالح طالقانی تم "معدن الکنوز" ہو۔ بھوک، پیاس اور خوف کے امتحان میں کامیاب ہوتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر رحم کیا ہے۔ تمھیں نجات دی ہے۔ تمھیں پاکیزہ پانی پلایا ہے۔ میں اُس وقت کو جانتا ہوں جب تم کشتی پر سوار ہوئے اور سمندر میں رہے۔ تمھاری کشتی ٹوٹ گئی۔ کتنی دُور تک موجوں کے تھپیڑے

کھاتی رہی۔ تم نے اپنے آپ کو سمندر میں گرانے کا ارادہ کیا۔ اگر ایسا کرتے تو خود موت کو دعوت دیتے۔ بڑی مصیبت اُٹھائی۔ میں اُس وقت کو بھی جانتا ہوں جب تم نے نجات پائی اور دو خوب صورت چیزیں دیکھیں تم نے پرندے کا پیچھا کیا، جب اُس نے تمھیں دیکھا تو آسمان کی طرف اُڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ آؤ یہاں بیٹھ جاؤ، جب میں نے اُس شخص کی بات سُنی تو اس سے کہا، میں تمھیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں یہ بتاؤ کہ میرے حالات تم کو کس نے بتائے، فرمایا اس ذات نے جو ظاہر و باطن کی جاننے والی ہے۔ پھر فرمایا کہ تم بھوکے ہو، میں نے عرض کی بے شک بھوکا ہوں۔ یہ سُن کر آپ نے اپنے لبوں کو حرکت دی اور ایک دسترخوان رُومال سے ڈھکا ہوا حاضر ہو گیا۔ انھوں نے دسترخوان سے رومال کو اٹھایا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو رزق دیا ہے آؤ اُسے کھاؤ۔ میں نے کھانا کھایا، ایسا پاکیزہ کھانا کبھی نہ کھایا تھا۔ پھر مجھے پانی پلایا، میں نے ایسا لذیذ اور میٹھا پانی کبھی نہیں پیا تھا۔ پھر انھوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور مجھ سے فرمایا کہ "اے علی گھر جانا چاہتے ہو"۔ میں نے عرض کی کہ میں وطن سے بہت دُور (چین کے علاقہ میں) پڑا ہوں، میری مدد کون کر سکتا ہے اور میں کیونکر یہاں سے وطن جا سکتا ہوں؟ انھوں نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ہم اپنے دوستوں کی مدد کیا کرتے ہیں ہم تمھاری مدد کریں گے۔ پھر انھوں نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھایا، ناگاہ بادل کے ٹکڑے آنے لگے اور غار کے دروازے کو گھیر لیا۔ جب بادل ان کے سامنے آیا تو اس نے بحکم خدا سلام کیا۔ "اے اللہ کے ولی اور اس کی حجت آپ پر سلام ہو"، انھوں نے جواب سلام دیا۔ پھر بادل کے ایک ٹکڑے سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ اور کس زمین کے لیے تم بھیجے گئے ہو، اس نے زمین کا نام لیا اور وہ چلا گیا، پھر ابر کا ایک ٹکڑا سامنے آیا اور آ کر سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا، پوچھا کہاں جانے کے لیے آیا ہے۔ کہا، طالقان جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا اے خدائے وحدہ لاشریک کا اطاعت گزار ابر، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ چیزیں اُٹھا کر لیے جا رہا ہے۔ اسی طرح اس بندۂ مومن کو بھی لے جا، جواب ملا۔ بسر و چشم۔ پھر انھوں نے ابر کو حکم دیا کہ زمین پر برابر ہو جا وہ زمین آ گیا، پھر میرے بازو کو پکڑ کر اس پر بٹھا دیا، بادل ابھی اڑنے نہ پایا تھا کہ میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ "میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم اور محمد مصطفےٰ صلعم اور آئمہ طاہرینؑ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ یہ فرمائیے کہ "آپ ہیں کون؟ اور آپ کا اسم گرامی کیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ اے علی بن صالح طالقانی میں زمین پر اللہ کی حجت ہوں اور میرا نام "موسیٰ بن جعفر" (موسیٰ کاظمؑ) ہے۔ پھر میں نے ان کے آباؤ اجداد کی امامت کا ذکر کیا اور انھوں نے بادل کو حکم دیا اور وہ بلند ہو کر ہوا کے دوش پر چل پڑا۔ خدا کی قسم نہ مجھے کوئی تکلیف پہنچی اور نہ خوف لاحق ہوا۔ میں تھوڑی دیر میں اپنے وطن "طالقان" جا پہنچا اور ٹھیک اُس سڑک پر اُترا جس پر میرا مکان واقع تھا۔

یہ سن کر ہارون رشید نے جلادوں کو حکم دے کر اُسے اس لیے قتل کرا دیا کہ وہ کہیں اس واقعہ کو لوگوں میں بیان نہ کر دے اور عظمت آلِ محمدؐ اور واضح ہو جائے۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ ص ۱۲۱ طبع ملتان)۔

امام موسیٰ کاظم اور فدک کے حدود اربعہ

علامہ یوسف بغدادی سبط ابن جوزی حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا کہ آپ فدک لینا چاہیں تو میں دے دوں، آپ نے فرمایا کہ میں جب اس کے حدود بتاؤں گا تو تو اسے دینے پر راضی نہ ہوگا اور میں اسی وقت لے سکتا ہوں۔ جب اس کے پورے حدود دیئے جائیں، اس نے پوچھا کہ اس کے حدود کیا ہیں فرمایا پہلی حد، عدن ہے۔ دوسری حد سمرقند ہے۔ تیسری حد افریقہ ہے۔ چوتھی حد، سیف البحر ہے جو خزر اور آرمینیہ کے قریب ہے۔ یہ سن کر ہارون رشید آگ بگولہ ہوگیا۔ اور کہنے لگا کہ پھر ہمارے لیے کیا رہا؟ حضرت نے فرمایا کہ اسی لیے تو میں نے لینے سے انکار کیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ہی سے ہارون رشید حضرت کے درپئے قتل ہوگیا۔ (خواص الامۃ علامہ سبط ابن جوزی ص ۴۱۶ طبع لاہور)۔

ہارون رشید عباسی کی سادات کشی اور حمید بن قحطبہ کا واقعہ

تواریخ میں ہے کہ ہارون رشید تعمیر بغداد اور دیگر ملکی مصروفیات کی وجہ سے تھوڑے عرصہ تک سادات کشی کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ لیکن جب اسے اک ذرا سکون ہوا تو اس نے اپنے آبائی جذبات کو بروئے کار لانے کا تہیہ کر لیا اور اس کی سعی شروع کر دی کہ زمین پر آلِ محمدؐ کا کوئی بیج بھی باقی نہ رہنے پائے، چنانچہ اُس نے پورا حوصلہ نکالا اور ہر ممکن صورت سے انہیں تباہ و برباد کیا۔ علماء کا کہنا ہے کہ اُس نے غنڈوں کے گروہ قتل سادات کے لیے مقرر کر دیئے تھے اور خود اپنی حکومت کے اعلیٰ حکام کو خصوصی حکم بھیج دیا تھا کہ سلطنت و حکومت کی پوری طاقت سے سادات کی تلاش کی جائے اور ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔ علامہ مجلسیؒ عبد اللہ بزاز نیشاپوری کے حوالہ سے "حاکم ایران حمید ابن قحطبہ طوسی" کا ایک واقعہ لکھتے ہیں، ابن قحطبہ کہتا ہے کہ میں اس لیے روزہ، نماز وغیرہ نہیں کرتا، کہ مجھے علم ہے کہ میں بخشا نہیں

جا سکتا اور بہر صورت جہنم میں جاؤں گا ۔ اے عبداللہ! تم سے کیا بتاؤں، ابھی تھوڑے عرصے کی بات ہے کہ ہارون رشید نے مجھے رات کے وقت جبکہ وہ طوس آیا ہوا تھا اور میں بھی اتفاقاً آگیا تھا، بلایا اور مجھے حکم دیا کہ تم اس غلام کے ساتھ جاؤ اور یہ میری تلوار ہمراہ لیتے جاؤ، یہ جو کہے وہ کرو میں اس کے حکم سے غلام کے ساتھ ہو لیا ۔ غلام مجھے ایک ایسے مکان میں لے گیا ۔ جس میں فاطمہ بنت رسول اور علی زوج بتول کی اولاد قید تھی، غلام نے ایک کمرہ کا دروازہ کھولا اور مجھ سے کہا کہ ان سب کو قتل کرکے اس کنویں میں ڈال دو، میں نے انھیں قتل کیا اور کنویں میں ڈال دیا ۔ پھر دوسرا کمرہ کھولا اور مجھ سے کہا کہ ان سب کو قتل کرکے کنویں میں ڈالو، میں نے انھیں بھی قتل کیا ۔ پھر تیسرا کمرہ کھولا اور مجھ سے کہا انھیں بھی قتل کرو ۔ میں نے انھیں بھی قتل کیا ۔ اے عبداللہ ان سب مقتولوں کی تعداد ساٹھ تھی، ان میں چھوٹے، بڑے بوڑھے، جوان سب ہی قسم کے سادات تھے اے عبداللہ جب میں آخری کمرہ کے قیدی سادات کو قتل کرنے لگا تو آخر میں ایک نہایت نورانی بزرگ برآمد ہوئے، اور مجھ سے کہنے لگے : اے ظالم! کیا رسول اللہ کو منہ نہیں دکھانا ہے اور کیا خدا کی بارگاہ میں تجھے نہیں جانا ہے، یہ تو کیا کر رہا ہے، ان کا کلام سن کر میرا دل کانپ گیا، اور ان پر میرا ہاتھ نہ اٹھا ۔ اتنے میں غلام نے مجھے ڈانٹ کر کہا حکم امیر میں کیوں دیر کرتا ہے ۔ اُس کے یہ کہنے پر میں نے انھیں بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا ۔ اب میری نماز اور میرا روزہ مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے ۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی دوبارہ گرفتاری

علامہ ابن شہر آشوب، علامہ طبرسی، علامہ اربلی، علامہ شبلنجی تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۶۹ھ میں ہادی کے بعد ہارون تخت خلافت پر بیٹھا، سلطنت عباسیہ کے قدیم روایات جو سادات بنی فاطمہ کی مخالفت میں تھے ۔ اس کے پیش نظر تھے، خود اس کے باپ منصور کا رویہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے خلاف تھا، اُسے معلوم تھا، اُس کا یہ ارادہ کہ جعفر صادق کے جانشین کو قتل کر ڈالا جائے، یقیناً اُس کے بیٹے ہارون کو معلوم ہو چکا ہوگا، وہ تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی حکیمانہ وصیت کا اخلاقی دباؤ تھا جس نے منصور کے ہاتھ باندھ دیئے تھے اور پھر شہر بغداد کی تعمیر کی مصروفیت تھی جس نے اُسے اُس جانب متوجہ نہ ہونے دیا تھا، اب ہارون کے لیے اُن میں سے کوئی بات مانع نہ تھی ۔ تخت سلطنت پر بیٹھ کر اپنے اقتدار کو مضبوط رکھنے کے لیے سب سے پہلے یہ ہی تصور پیدا ہو سکتا تھا کہ اس روحانیت کے مرکز کو جو مدینہ کے محلہ بنی ہاشم میں قائم ہے توڑنے کی کوشش کی جائے، مگر ایک طرف امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا محتاط

اور خاموش طرزِ عمل اور دوسری طرف سلطنت کی اندرونی مشکلات ان کی وجہ سے نو برس تک ہارون رشید کو بھی کسی کھلے ہوئے تشدد کا امام کے خلاف موقع نہ ملا۔

اسی دوران میں عبداللہ ابن حسن کے فرزند یحییٰ کا واقعہ درپیش ہوا اور وہ امان دیے جانے کے بعد تمام عہد و پیمان کو توڑ کر دردناک طریقے پر قید رکھے گئے اور پھر قتل کیے گئے، باوجودیکہ یحییٰ کے معاملات سے امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کو کسی طرح کا سروکار نہ تھا، بلکہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ان کو حکومتِ وقت کی مخالفت سے منع فرماتے تھے۔ مگر عداوت بنی فاطمہ کا جذبہ جو یحییٰ بن عبداللہ کی مخالفت کے بہانے سے اُبھر گیا تھا، اس کی زد سے امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام بھی محفوظ نہ رہ سکے، ادھر یحییٰ بن خالد برمکی نے جو وزیر اعظم تھا امین (فرزند ہارون رشید) کے اتالیق جعفر بن محمد اشعث کی رقابت میں اس کے خلاف یہ الزام قائم کیا کہ یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے شیعوں میں سے ہے اور ان کے اقتدار کا خواہاں ہے

براہ راست اس کا مقصد ہارون کو جعفر سے برگشتہ کرنا تھا، لیکن بالواسطہ اس کا تعلق حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے ساتھ بھی تھا۔ اس لیے ہارون کو حضرت کی ضرررسانی کی فکر پیدا ہو گئی۔ اسی دوران میں یہ واقعہ ہوا کہ ہارون رشید حج کے ارادہ سے مکۂ معظمہ میں آیا۔ اتفاق سے اسی سال حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام بھی حج کو تشریف لائے ہوئے تھے۔ ہارون نے اپنی آنکھ سے اس عظمت و مرجعیت کا مشاہدہ کیا جو مسلمانوں میں امام موسیٰ کاظمؑ کے متعلق پائی جاتی تھی۔ اس سے اس کے حسد کی آگ بھڑک اُٹھی اس کے بعد اس میں محمد بن اسماعیل کی مخالفت نے اور اضافہ کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسماعیل امام جعفر صادق علیہ السّلام کے بڑے فرزند تھے اور اس لیے ان کی زندگی میں عام طور پر لوگوں کا خیال یہ تھا، کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السّلام کے قائم مقام ہوں گے مگر ان کا انتقال امام جعفر صادق علیہ السّلام کے زمانہ ہی میں ہو گیا اور لوگوں کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ پھر بھی بعض سادہ لوح اصحاب اس خیال پر قائم رہے کہ جانشینی کا حق اسمٰعیل اور اولاد اسماعیل میں منحصر ہے۔ انھوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی امامت کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ اسمٰعیلیہ فرقہ بن گیا مختصر تعداد میں سہی اب بھی دُنیا میں موجود ہے۔ محمد ان ہی اسماعیل کے فرزند تھے اور اس لیے امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے ایک طرح کی مخالفت پہلے سے رکھتے تھے مگر چونکہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ افراد کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتے تھے اس لیے ظاہری طور پر امام موسیٰ کاظمؑ کے یہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور ظاہری طور پر قرابت داری کے تعلقات قائم کیے ہوئے تھے۔

ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی مخالفت کی صورتوں پر غور کرتے ہوئے یحییٰ برمکی سے مشورہ لیا، کہ میں چاہتا ہوں کہ اولادِ ابوطالب میں سے کسی کو بلاکر اس سے موسیٰ بن جعفر کے پورے پورے حالات دریافت کروں۔ یحییٰ جو خود بھی عداوت بنی فاطمہ میں ہارون سے کم نہ تھا۔ اس نے محمد بن اسمٰعیل کا پتہ دیا، کہ آپ ان کو بلاکر دریافت کریں، تو صحیح حالات معلوم ہوسکیں گے۔ چنانچہ اُسی وقت محمد بن اسمٰعیل کے نام خط لکھا گیا۔

شہنشاہ وقت کا خط جو محمد بن اسماعیل کو پہنچا تو اُس نے اپنی دنیاوی کامیابی کا بہترین ذریعہ سمجھ کر فوراً بغداد جانے کا ارادہ کرلیا۔ مگر ان دنوں ہاتھ بالکل خالی تھا، اتنا روپیہ پاس موجود نہ تھا کہ سامانِ سفر کرتے، مجبوراً اسی ڈیوڑھی پہ آنا پڑا جہاں کرم و عطا میں دوست اور دشمن کی تفریق نہ تھی۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے پاس آکر بغداد جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت خوب سمجھتے تھے کہ اس بغداد کے سفر کا پس منظر اور اس کی بنیاد کیا ہے۔ حجت تمام کرنے کی غرض سے آپ نے سفر کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے اپنی پریشان حالی بیان کرتے ہوئے کہا قرض دار بہت ہوگیا ہوں۔ خیال کرتا ہوں کہ شاید وہاں جاکر کوئی صورت بسر اوقات کی نکلے اور اور میرا قرضہ ادا ہوجائے۔ حضرت نے فرمایا۔ وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا تمام قرضہ ادا کردوں گا اور جہاں تک ہوگا تمہارے ضروریات زندگی بھی پورے کرتا رہوں گا۔

افسوس ہے کہ محمد نے اس کے بعد بھی بغداد جانے کا ارادہ نہیں بدلا۔ چلتے وقت حضرت سے رخصت ہوتے لگے تو عرض کیا کہ مجھے وہاں کے متعلق کچھ ہدایت فرمائی جائے، حضرت نے اُس کا کچھ جواب نہ دیا۔ جب اُنھوں نے کئی مرتبہ اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ "بس اتنا خیال رکھنا کہ میرے خون میں شریک نہ ہونا، اور میرے بچّوں کی یتیمی کے باعث نہ بننا"۔ محمد نے اس کے بعد بہت کہا کہ یہ بھلا کونسی بات ہے جو مجھ سے کہی جاتی ہے۔ کچھ اور ہدایت فرمائیے۔ حضرت نے اس کے علاوہ کچھ کہنے سے انکار کیا، جب وہ چلنے لگے تو حضرت نے ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم انھیں مصارف سفر کے لیے عطا فرمائے۔ نتیجہ وُہی ہوا، جو حضرت کے پیش نظر تھا۔ محمد بن اسمٰعیل بغداد پہنچے اور وزیرِ اعظم برمکی کے مہمان ہوئے۔ اس کے بعد یحییٰ کے ساتھ ہارون کے دربار میں پہنچے مصلحتِ وقت کی بنا پر بہت تعظیم و تکریم کی گئی، اثنائے گفتگو میں ہارون نے مدینہ کے حالات دریافت کئے محمد نے انتہائی غلط بیانیوں کے ساتھ وہاں کے حالات کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ "میں نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ سُنا کہ ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں"۔ اس نے کہا: کہ اس کا کیا مطلب؟ محمد نے کہا کہ بالکل اسی طرح جیسے آپ بغداد میں سلطنت کر رہے ہیں، موسیٰ کاظم مدینہ میں اپنی سلطنت قائم کئے ہوئے ہیں، اطراف ملک سے اُن کے پاس

خراج پہنچتا ہے اور وہ آپ کے مقابلہ کے دعوے دار ہیں - انھوں نے تیس ہزار اشرفی کی ایک زمین خرید لی ہے جس کا نام "سیریہ" ہے (شبلنجی) یہی وہ باتیں تھیں جن کے کہنے کے لیے یحییٰ برمکی نے محمد کو منتخب کیا تھا - ہارون کا غیظ و غضب انتہائی اشتعال کے درجہ تک پہنچ گیا - اس نے محمد کو دس ہزار دینار عطا کر کے رخصت کیا - خدا کا کرنا یہ کہ محمد کو اس رقم سے فائدہ اٹھانے کا ایک دن بھی موقع نہیں ملا - اسی شب کو اُن کے حلق میں درد پیدا ہوا، غالباً "خناق" ہو گیا اور صبح ہوتے ہوتے وہ دنیا سے رخصت ہو گئے - ہارون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے اشرفیوں کے توڑے واپس منگوا لیے، مگر محمد کی باتوں کا اثر اُس کے دل پر ایسا جم گیا تھا کہ اُس نے یہ طے کر لیا کہ امام موسیٰ کاظم کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے -

چنانچہ ۱۷۹ھ میں پھر ہارون رشید نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ گیا، دو ایک روز قیام کے بعد کچھ لوگ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ کئے جب یہ لوگ امام کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت روضہ رسول اللہ پر ہیں - ان لوگوں نے روضہ پیغمبر کی عزت کا بھی خیال نہ کیا - حضرت اُس وقت قبر رسول کے نزدیک نماز میں مشغول تھے - بے رحم دشمنوں نے آپ کو نماز کی حالت ہی میں قید کر لیا اور ہارون کے پاس لے گئے - مدینہ رسول کے رہنے والوں میں بے حسی اس کے پہلے بھی بہت دفعہ دیکھی جا چکی تھی - یہ بھی اس کی ایک مثال تھی کہ رسول کا فرزند روضہ رسول سے اس طرح گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا - مگر نام نہاد مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو کسی طرح کی آواز احتجاج بلند کرتا - یہ ۲۰ شوال ۱۷۹ھ کا واقعہ ہے -

ہارون نے اِس اندیشہ سے کہ کوئی جماعت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کو رہا کرانے کی کوشش نہ کرے، دو محملیں تیار کرائیں - ایک میں امام موسیٰ کاظم کو سوار کرایا اور اُس کو ایک بہت بڑی فوجی جمعیت کے حلقہ میں بصرہ روانہ کیا اور دوسری محمل جو خالی تھی اُسے بھی اتنی ہی جمعیت کی حفاظت میں بغداد روانہ کیا مقصد یہ تھا کہ آپ کے محل قیام اور قید کی جگہ کو بھی مشکوک بنا دیا جائے - یہ نہایت حسرتناک واقعہ تھا کہ امام کے اہل حرم اور بچے وقت رخصت آپ کو دیکھ بھی نہ سکے اور اچانک محل سرا میں صرف یہ اطلاع پہنچ سکی کہ حضرت سلطنت وقت کی طرف سے قید کر لیے گئے اس سے بیویوں اور بچوں میں کہرام برپا ہو گیا اور یقیناً امام کے دل پر بھی جو اس کا صدمہ ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے مگر آپ کے ضبط و صبر کی طاقت کے سامنے ہر مشکل آسان تھی -

معلوم نہیں کتنے ہیر پھیر سے یہ راستہ طے کیا گیا تھا کہ پورے ایک مہینہ سترہ روز کے بعد ۷ ذی الحجہ کو آپ بصرہ پہنچائے گئے - ایک سال تک آپ بصرہ میں قید رہے - یہاں کا حاکم ہارون کا چچا زاد

بھائی عیسیٰ بن جعفر تھا، شروع میں تو اُسے صرف بادشاہ کے حکم کی تعمیل مدِنظر تھی، بعد میں اُس نے غور کرنا شروع کیا کہ آخر اُن کے قید کئے جانے کا سبب کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اس کو امام علیہ السلام کے حالات اور سیرت زندگی اور اخلاق و اوصاف کی جستجو کا موقع بھی ملا، اور جتنا اُس نے امام کی سیرت کا مطالعہ کیا اتنا اُس کے دل پر آپ کی بلندیٔ اخلاق اور حسنِ کردار کا اثر قائم ہوتا گیا۔ اپنے ان اثرات سے اس نے ہارون کو مطلع بھی کردیا، ہارون پر اس کا اُلٹا اثر ہوا کہ عیسیٰ کے متعلق بدگمانی پیدا ہوگئی۔ اِس لیے اُس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بغداد میں بُلا بھیجا اور فضل بن ربیع کی حراست میں دے دیا۔ اور پھر فضل کا رجحان شیعیت کی طرف محسوس کرکے یحییٰ برمکی کو اس کے لیے مقرر کیا معلوم ہوتا ہے کہ امام کے اخلاق و اوصاف کی کشش ہر ایک پر اپنا اثر ڈالتی تھی۔ اس لیے ظالم بادشاہ کو نگرانوں کی تبدیلی کی ضرورت پڑتی تھی، سب سے آخر میں امام علیہ السلام "سندی بن شاہک" کے قید خانہ میں رکھے گئے۔ یہ بہت ہی بے رحم اور سخت دل تھا۔ ملاحظہ ہو (مناقب جلد ۵ ص۶۸ و اعلام الوریٰ ص۱۸۰، کشف الغمہ ص۱۱۰، نور الابصار ص۱۳۶، سوانح موسیٰ کاظم ص۱۵)۔

امام علیہ السّلام کا قید خانہ میں امتحان اور علم غیب کا مظاہرہ

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ ہارون رشید کے قید خانہ کی سختیاں برداشت فرما رہے تھے۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید ابو یوسف اور محمد بن حسن ایک شب قید خانہ میں اس لیے گئے کہ آپ کے بحرِ علم کی تھاہ معلوم کریں اور دیکھیں کہ آپ علم کے کتنے پانی میں ہیں۔ وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے سلام کیا، امام علیہ السلام نے جواب سلام عنایت فرمایا۔ ابھی یہ حضرات کچھ پوچھنے نہ پائے تھے کہ ایک ملازم ڈیوٹی ختم کرکے گھر جاتے ہوئے آپ کی خدمت میں عرض پرداز ہوا کہ میں کل واپس آؤں گا۔ اگر کچھ منگانا ہو تو مجھ سے فرما دیجئے میں لیتا آؤں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، جب وہ چلا گیا تو آپ نے ابو یوسف وغیرہ سے کہا کہ یہ بیچارہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں اُس سے اپنی حاجت بیان کروں تاکہ یہ کل اس کی تکمیل و تعمیل کردے۔ لیکن اُسے خبر نہیں، کہ یہ آج رات کو وفات پا جائے گا۔ ان حضرات نے جو یہ سُنا تو سوال جواب کے بغیر ہی واپس چلے آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم ان سے حلال و حرام، واجب و سُنّت کے متعلق سوالات کرنا چاہتے تھے "فَاخذ يتكلم معنا علم الغيب"۔ مگر یہ تو ہم سے علم غیب کی باتیں کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات نے اُس ملازم کے حالات کا پتہ لگایا، تو معلوم ہوا کہ وہ ناگہانی طور پر رات ہی میں وفات کر گیا۔ یہ معلوم کرکے یہ حضرات سخت متعجب ہوئے۔ (نور الابصار ص۱۳۶)۔

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد یہ حضرات پھر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ ہمیں معلوم تھا کہ آپ کو صرف علم حلال و حرام ہی میں مہارت تامہ حاصل ہے لیکن قید خانہ کے ملازم کے واقعہ نے واضح کر دیا، کہ آپ علم المنایا اور علم غیب بھی جانتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ علم ہمارے لیے مخصوص ہے۔ اس کی تعلیم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو دی تھی، اور اُن سے یہ علم ہم تک پہنچا ہے۔

حضرت امام مُوسیٰ کاظم علیہ السّلام کی شہادت

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ جب ہارون رشید نے بصرہ میں ایک سال قید رکھنے کے بعد عیسیٰ بن جعفر والیٔ بصرہ کو لکھا کہ موسیٰ بن جعفر (امام موسیٰ کاظم) کو قتل کر کے بادشاہ کو اُن کے وجود سے سکون دے دے۔ تو اُس نے اپنے ہمدردوں سے مشورہ کے بعد ہارون رشید کو لکھا کہ اے بادشاہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام میں میں نے اس ایک سال کے اندر کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔ یہ شب و روز نماز روزہ میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ عوام اور حکومت کے لیے دعائے خیر کیا کرتے ہیں اور ملک کی فلاح و بہبود کے خواہشمند ہیں۔ بھلا مجھ سے کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں انھیں قتل کر کے اپنی عاقبت بگاڑوں

"اے بادشاہ! میں ان کے قتل کرنے میں اپنے انجام اور اپنی عاقبت کی تباہی دیکھ رہا ہوں اور سخت حرج محسوس کرتا ہوں، لہٰذا تو مجھے اس گناہ عظیم کے ارتکاب سے معاف کر بلکہ مجھے حکم دے دے کہ میں انھیں قید مشقت سے رہا کر دوں۔ اس خط کے پانے کے بعد ہارون رشید نے آخر میں یہ کام سندی بن شاہک کے حوالہ کیا اور اسی سے آپ کو زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔ زہر کھانے کے بعد آپ تین روز تک تڑپتے رہے، یہاں تک کہ وفات پا گئے۔ (نورالابصار ص۱۳۷)۔

علامہ جامی لکھتے ہیں کہ زہر کھاتے ہی آپ نے فرمایا کہ آج مجھے زہر دیا گیا ہے۔ کل میرا بدن زرد ہو جائے گا اور تیسرے روز سیاہ ہوگا اور اُسی دن میں اس دُنیا سے رُخصت ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (شواہد النبوت ص۱۹۳) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے آپ کو بغداد میں قید کر دیا۔ "فلم یخرج من حبسہ الا میتا مقیداً" اور تا حیات قید رکھا۔ آپ کی وفات کے بعد ہتھکڑی اور بیڑی کٹوائی گئی۔ آپ کی وفات ہارون رشید کے زہر سے ہوئی جو اس نے سندی ابن شاہک کے ذریعہ سے دلوایا تھا۔ جب آپ کو کھانے یا خرمہ میں زہر دیا گیا تو آپ تین روز تک تڑپتے رہے۔ یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔ (صواعق محرقہ ص۱۳۲، ارجح المطالب ص۴۵۴) علامہ ابن الساعی علی بن انجب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ کو زہر سے انتہائی مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا گیا (اخبار الخلفاء) علامہ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ

قید خانہ رشید میں آپ نے وفات پائی (الوالفدا جلد ۲ ص ۱۵۱) ۔ علامہ دیار بکری لکھتے ہیں کہ آپ کو ہارون رشید کے حکم سے یحییٰ بن خالد برمکی وزیر اعظم نے خرمہ میں زہر دے کر شہید کر دیا ۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۰) ۔

علامہ جامی لکھتے ہیں کہ آپ کو ہارون رشید نے بغداد میں لاکر تا عمر قید رکھا آخر میں اپنے وزیر اعظم یحییٰ بن خالد برمکی کے ذریعہ سے قید خانہ میں زہر دلوا دیا اور آپ وفات پا گئے ۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۳) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا ۔ لیکن آپ ہر بار محفوظ رہے ۔ ایک مرتبہ آپ نے وُہ خرمہ اُٹھا کر جس میں زہر تھا ، زمین پر پھینک دیا ۔ جسے ہارون کے کتّے نے کھا لیا اور وہ مر گیا ۔ کُتّے کے مرنے کی خبر سے ہارون رشید کو شدید رنج ہوا اور اُس نے خادم سے سخت باز پُرس کی ۔ (جلاء العیون ص ۲۷۶) ۔

آپ کی تاریخ وفات

آپ کی وفات حسرت آیات بتاریخ ۲۵ رجب المرجب ۱۸۳ھ ہجری یوم جمعہ واقع ہوئی ، آپ کی عمر اس وقت ۵۵ سال کی تھی (مطالب السؤل ص ۲۸۲ ، اعلام الوریٰ ص ۱۷۱ و شواہد النبوت ص ۱۹۲ نور الابصار ص ۱۳۷ وغیرہ) آپ نے ۱۴ سال ہارون رشید کے قید خانہ میں گزارے ، مرزا دبیر کہتے ہیں ؎

مولا ! یہ انتہائے اسیری گزُر گئی
زندان میں جوانی و پیری گزُر گئی

وفات کے بعد آپ کی نعش مُبارک قید خانہ سے ہتھکڑی اور بیڑی سمیت نکال کر بغداد کے پُل پر ڈال دی گئی اور نہایت توہین آمیز الفاظ میں آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو یاد کیا گیا لوگ اگرچہ بادشاہ کے خوف سے نمایاں طور پر مزاحمت کی جرأت نہ کرتے تھے ۔ تاہم ایک گروہ نے جس کے سردار سلیمان بن جعفر ابن ابی جعفر تھے ۔ ہمت کی اور نعش مبارک دُشمنوں سے چھین کر غسل و کفن کا بندوبست کیا ۔ ڈھائی ہزار کا قیمتی ایسا کفن دیا ، جس پر پورا قرآن مجید لکھا ہوا تھا ، نہایت تزک و احتشام سے جنازہ لے کر چلے ۔ ان لوگوں کے گریبان غم امام مظلوم میں چاک تھے بہ انتہائی غم والم کے ساتھ جنازہ کو لے کر مقبرہ قریش میں پہنچے ۔ حضرت امام رضا علیہ السّلام نماز و دفن کے لیے مدینہ سے باعجاز پہنچ چکے تھے ۔ آپ نے نماز پڑھائی اور اپنے والد ماجد کو سپردِ خاک فرمایا ۔ (اعلام الوریٰ ص ۱۷۱ انوار نعمانیہ ص ۱۲۷ ، جنات الخلود ص ۳۱ جلاء العیون ص ۲۷۵) ۔

تدفین کے بعد حضرت امام رضا علیہ السّلام واپس مدینہ تشریف لے گئے ۔ مدینہ والوں کو جب آپ کی شہادت کی اطلاع ملی تو کہرام برپا ہوگیا ۔ ماتم اور ادائے تعزیت کا سلسلہ مدتوں جاری رہا ۔ (جلاء العیون ص ۲۷۶) ۔

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ کی تدفین کے ایک عرصہ بعد اعیان ملک سے ایک شخص نے وفات کی، لوگوں کی خواہش پر اُسے آپ ہی کے مقبرہ میں دفن کر دیا گیا۔ ایک شب کو آپ نے خادم کو خواب میں آگاہ کیا۔ اُس نے دیکھا کہ مقبرہ میں آگ لگی ہوئی ہے اور اُس سے دُھواں پھیل رہا ہے اور بدبُو پھیل رہی ہے، صبح کو اُس نے بادشاہِ وقت کو باخبر کیا، بادشاہ نے قبر کھُدوائی تو آگ کے آثار موجود تھے اور قبر میں میت کا وجود نہ تھا وہ جل کر خاکستر ہوگئی تھی (مطالب السؤل ص۲۸۱)۔

تعداد اولاد

صواعق محرقہ ص۱۲۲ میں ہے کہ آپ کے ۳۷ اولاد تھی۔ علامہ طبرسی، علامہ اربلی اور حضرت شیخ مفید لکھتے ہیں کہ آپ کے ۱۱ لڑکے اور ۱۸ لڑکیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں:-

حضرت امام علی رضا علیہ السلام (۲) ابراہیم (۳) عباس (۴) قاسم (۵) اسماعیل (۶) جعفر (۷) ہارون (۸) حسن (۹) احمد (۱۰) محمد (۱۱) حمزہ (۱۲) عبداللہ (۱۳) اسحاق۔ (۱۴) عبیداللہ (۱۵) زید (۱۶) حسن (۱۷) فضل (۱۸) حسین (۱۹) سلیمان (۲۰) فاطمہ کبریٰ (۲۱) فاطمہ صغریٰ (۲۲) رقیہ (۲۳) علیمہ (۲۴) رقیہ صغریٰ (۲۵) کلثوم (۲۶) اُم جعفر (۲۷) لبابہ (۲۸) زینب (۲۹) خدیجہ (۳۰) علیہ (۳۱) آمنہ (۳۲) حسنہ (۳۳) بریہہ (۳۴) ام سلمیٰ (۳۵) میمونہ (۳۶) اُم کلثوم (۳۷) ام ابیہا وبقولے ام عبداللہ۔ وبقولے ام اسماء (اعلام الوریٰ ص۱۸۱ کشف الغمہ ص۱۰۹، ارشاد ص۳۳۰، نورالابصار ص۱۳۷ آپ کی یہ اولاد مختلف بیویوں سے تھی۔

۱۰

ابوالحسن حضرت امام علی رضا علیہ السلام

بطورِ زادِ سفر اُسوۂ حسینؑ لیئے — چلا ہے سوئے خراسان کاروانِ رضاؑ
مماثلت ہے بہت کربلا و مشہد میں — وہ آزمائشِ صبر اور یہ امتحانِ رضاؑ

(صابر تھاریانی (کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ۱۰

حضرت امام علی رضا علیہ السلام

عرب سے آپ کیا آئے کہ ایمان کی بہار آئی　　عجم نے پائی عزّت مرکز اہل ولا ہو کر
بہت مشتاق تھے اہلِ عجم نورِ رسالتؐ کے　　زمینِ طوس کا چمکا ستارہ نقش پا ہو کر

حضرت امام علی رضا علیہ السلام رسُولِ کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آٹھویں جانشین، مسلمانوں کے آٹھویں امام اور سلسلہ عصمت کی دسویں کڑی تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام مُوسیٰ کاظم علیہ السلام تھے، اور والدہ ماجدہ جناب اُم البنین عرف نجمہ تھیں۔ جناب نجمہ کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ آپ کا شمار اشرافِ عجم میں تھا اور آپ عقل و دیانت کے لحاظ سے افضل النساء تھیں۔ حمیدہ خاتون یعنی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ کا کہنا ہے کہ میں نے اُم البنین سے بہتر کسی عورت کو نہیں پایا۔ علی بن میثم کہتے ہیں کہ حمیدہ خاتون کو حضرت رسُولِ خدا صلعم نے خواب میں حکم دیا تھا کہ اُم البنین کی شادی امام موسیٰ کاظمؑ سے کر دو۔ کیونکہ "سیلد منہا خیرا اھل الارض" ان سے عنقریب ایک ایسا فرزند پیدا ہونے والا ہے جو مادرِ گیتی کی آغوش میں بسنے والوں میں سب سے بہتر ہوگا۔ (اعلام الوریٰ ص۱۸۲) علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ جناب ام البنین، حسن و جمال زہد و تقویٰ میں اپنی آپ نظیر تھیں۔ (جنات الخلود ص۳۱)۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص "معصوم" "اعلم زمانہ اور افضلِ کائنات تھے، علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں میں جلیل القدر اور عظیم المرتبت تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۲) علامہ عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں کہ آپ کی باتیں پُر از حکمت اور آپ کا عمل دُرست اور آپ کا کردار محفوظ عن الخطاء تھا۔ آپ علم و حکمت سے بھرپُور تھے۔ روئے زمین پر آپ کی مثال و نظیر نہ تھی۔ (شواہد النبوت ص۱۹۶ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء) علامہ عبید اللہ لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن عباس کا کہنا ہے کہ میں نے ان سے بڑا عالم دیکھا ہی نہیں (ارجح المطالب ص۴۵۵) علامہ شہیر لکھتے ہیں کہ آپ اشرفِ مخلوق زمانہ تھے (حبیب السیر) آپ کو علم ماکان و مایکون آباؤ اجداد سے وراثتاً

پہنچا تھا۔ (وسیلۃ النجات ص۳۷۷) آپ ہر زبان اور ہر لغت میں فصیح اور دانا ترین مردم تھے اور جو شخص جس زبان میں باتیں کرتا تھا۔ اس کو اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔ (روضۃ الاحباب) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ بارہ اماموں میں کے تیسرے "علی" ہیں۔ آپ کا ایمان حد سے بڑھا ہوا تھا۔ آپ کی شان انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، آپ کا قصر فضیلت نہایت بلند تھا اور آپ کے امکانات کرم نہایت وسیع تھے۔ آپ کے مددگار بے شمار اور آپ کے براہین شرف و امامت نہایت روشن تھے۔ اسی وجہ سے خلیفۂ وقت مامون رشید نے آپ کو اپنے دل میں جگہ دی، اپنی حکومت میں شریک قرار دیا، خلیفہ حکومت بنایا اور اپنی لڑکی کی شادی آپ کے ساتھ کر دی، آپ کے مناقب وصفات نہایت بلند، آپ کے مکارم اور آپ کے اخلاق نہایت عظیم تھے، بس مختصر یہ کہ صفات حسنہ کی جو منزلیں تھیں۔ ان سے آپ کا درجہ بلند تھا (مطالب السؤل ص۲۸۲) پادری لینن ایڈورڈ سیل ڈی ڈی لکھتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم نے علی بن موسیٰ کو اپنا وارث اس لیے قرار دیا کہ وہ ان کو سب سے زیادہ منصب امامت کا اہل سمجھتے تھے۔ (اثنا عشریہ ص۴۶ طبع لاہور ۱۹۲۵ء) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرا یہ فرزند ینظر معی فی الجفر لا ینظر فیہ الا نبی او وصی میرے ساتھ جفر جامعہ کو دیکھتا اور اسے سمجھتا ہے جسے نبی اور وصی کے علاوہ کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ (جنات الخلود ص۳۱) رجال کشی و دمعۂ ساکبہ ص۳۵ ومسند امام رضا علیہ السلام کے ص۲ میں ہے کہ آپ اعلم اہل زمانہ اور کثیر الصوم والعبادۃ تھے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت

علماء و مورخین کا بیان ہے کہ آپ بتاریخ ۱۱ ذی قعدہ ۱۵۳ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے ہیں (اعلام الوریٰ ص۱۸۲ جلاء العیون ص۲۸۰۔ روضۃ الصفا جلد ۳ ص۱۳ انوار نعمانیہ ص۱۲۷) آپ کی ولادت کے متعلق علامہ مجلسی اور علامہ محمد پارسا تحریر فرماتے ہیں کہ جناب ام البنین کا کہنا ہے کہ جب تک امام علی رضا میرے بطن میں رہے۔ مجھے حمل کی گرانباری مطلقاً محسوس نہیں ہوئی) میں اکثر خواب میں تسبیح و تہلیل اور تمجید و تحمید کی آوازیں سنا کرتی تھی۔ جب امام رضا علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو آپ نے زمین پر تشریف لاتے ہی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور اپنا فرق مبارک آسمان کی طرف بلند کر دیا۔ آپ کے لبہائے مبارک جنبش کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ خدا سے کچھ باتیں کر رہے ہیں، اسی اثنا میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تمھیں خداوند عالم کی یہ عنایت و کرامت مبارک ہو۔ پھر میں نے مولود مسعود کو آپ کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے اس کے داہنے کان میں

اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی ۔ اس کے بعد آپ . . . نے ارشاد کیا کہ "بگیر این را کہ بقیہ خدا است در زمین و حجت خداست بعد از من"۔ اسے لے لو یہ زمین پر خدا کی نشانی ہے اور میرے بعد حجت اللہ کے فرائض کا ذمہ دار ہے ۔ ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ آپ دیگر آئمہ علیہم السلام کی طرح مختون اور ناف بریدہ متولد ہوئے تھے ۔ (فصل الخطاب و جلاء العیون ص۲۷۹) ۔

نام، کنیت، القاب

آپ کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے لوح محفوظ کے مطابق اور تعیین رسول صلعم کے موافق آپ کو "اسم علی" سے موسوم فرمایا، آپ آل محمدؐ میں کے تیسرے "علی" ہیں ۔ (اعلام الوریٰ ص۲۲۵ و مطالب السؤل ص۲۸۲) آپ کی کنیت "ابوالحسن" تھی اور آپ کے القاب صابر، زکی۔ ولی۔ رضی۔ وصی تھے ۔ واشھرھا الرضاء اور مشہور ترین لقب رضا تھا (نور الابصار ص۱۲۸ و تذکرہ خواص الامۃ ص۱۹۸

لقب رضا کی توجیہ

علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو رضا اس لیے کہتے تھے کہ آسمان و زمین میں خداوند عالم، رسول اکرم اور آئمہ طاہرین، نیز تمام مخالفین و موافقین آپ سے راضی تھے ۔ (اعلام الوریٰ ص۱۸۲) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ بزنطی نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے لوگوں کی افواہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے والد ماجد کو لقب رضا سے" مامون رشید نے ملقب کیا تھا ۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یہ لقب خدا و رسول کی خوشنودی کا جلوہ بردار ہے ۔ اور خاص بات یہ ہے کہ آپ سے موافق و مخالف دونوں راضی اور خوشنود تھے ۔ (جلاء العیون ص۲۷۹ و روضۃ الصفا جلد۳ ص۱۲) ۔

آپ کی تربیت

آپ کی نشو و نما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی اور اسی مقدس ماحول میں بچپنا اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئیں اور ۳۰ برس کی عمر پوری ہوئی ۔ اگرچہ آخری چند سال اس مدت کے وہ تھے ۔ جب امام موسیٰ کاظمؑ اعراق میں قید ظلم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے مگر اس سے پہلے ۲۴ یا ۲۵ برس آپ کو برابر اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا ۔

بادشاہان وقت

آپ نے اپنی زندگی کی پہلی منزل سے تا بہ عہد وفات بہت سے بادشاہوں کے دور دیکھے ۔ آپ ۱۵۳ھ میں بہ عہد منصور دوانقی متولد ہوئے ۔ (تاریخ خمیس) ۱۵۸ھ میں مہدی عباسی ۱۶۹ھ میں ہادی عباسی ۱۷۰ھ میں ہارون رشید عباسی ۱۹۴ھ میں، امین عباسی ۱۹۸ھ میں مامون رشید عباسی علی الترتیب خلیفہ وقت ہوتے رہے (ابن الوردی حبیب السیر ابوالفداء) آپ نے ہر ایک کا دور بچشم خود دیکھا اور آپ پدر بزرگوار نیز دیگر اولاد علی و فاطمہ کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا، اسے آپ ملاحظہ فرماتے رہے ۔ یہاں تک

کر ۲۰۳ھ میں آپ دنیا سے رخصت ہوگئے اور آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

جانشینی

آپ کے پدرِ بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حکومتِ وقت جس کی باگ ڈور اس وقت ہارون رشید عباسی کے ہاتھوں میں تھی۔ آپ کو آزادی کی سانس نہ لینے دے گی اور ایسے حالات پیش آجائیں گے کہ آپ کی عمر کے آخری حصے میں اور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر دوستانِ اہلبیت کا آپ سے ملنا یا بعد کے لیے راہنما کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جائے گا۔ اس لیے آپ نے انھیں آزادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جب کہ آپ مدینہ میں تھے پیروانِ اہلبیت کو اپنے بعد ہونے والے امام سے روشناس کرانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ اولادِ علی و فاطمہ میں سے سترہ آدمی جو ممتاز حیثیت رکھتے تھے انھیں جمع فرما کر اپنے فرزند حضرت علی رضا علیہ السلام کی وصایت اور جانشینی کا اعلان فرما دیا اور ایک وصیت نامہ تحریراً بھی مکمل فرمایا۔ جس پر مدینہ کے معززین میں سے ساٹھ آدمیوں کی گواہی لکھی گئی۔ یہ اہتمام دوسرے آئمہ کے یہاں نظر نہیں آیا۔ صرف ان خصوصی حالات کی بنا پر جن سے دوسرے آئمہ اپنی وفات کے موقعہ پر دوچار نہیں ہونے والے تھے۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی وفات اور امام رضا کے دورِ امامت کا آغاز

۱۸۳ھ میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے قید خانہ ہارون رشید میں اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گذار کر درجۂ شہادت حاصل فرمایا، آپ کی وفات کے وقت امام رضا علیہ السلام کی عمر میری تحقیق کے مطابق تیس سال کی تھی۔ والدِ بزرگوار کی شہادت کے بعد امامت کی ذمہ داریاں آپ کی طرف منتقل ہوگئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ بغداد میں ہارون رشید تختِ خلافت پر متمکن تھا۔ اور بنی فاطمہ کے لیے حالات بہت ہی ناسازگار تھے۔

ہارونی فوج اور خانۂ امام رضا علیہ السلام

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد دس برس ہارون رشید کا دور رہا۔ یقیناً وہ امام رضا علیہ السلام کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا جس طرح اس کے پہلے آپ کے والدِ بزرگوار کا رہنا اُس نے گوارا نہیں کیا۔ مگر یا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ جو طویل مدت تک تشدد اور ظلم ہوتا رہا اور جس کے نتیجہ میں قید خانہ ہی کے اندر آپ دنیا سے رخصت ہوگئے اِس سے حکومتِ وقت کی عام بدنامی ہوگئی تھی اور یا واقعی ظالم کو بدسلوکیوں کا احساس اور ضمیر کی طرف سے ملامت کی کیفیت تھی جس کی وجہ سے کھلم کھلا امام رضا کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ لیکن وقت سے پہلے اس نے امام رضا علیہ السلام کو ستانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت

نہیں کیا۔ حضرت کے عہدۂ امامت کو سنبھالتے ہی ہارون رشید نے آپ کا گھر لٹوا دیا، اور عورتوں کے زیورات اور کپڑے تک اتروا لیے تھے۔

تاریخ اسلام میں ہے کہ ہارون رشید نے اس حوالہ اور بہانے سے کہ محمد بن جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی حکومت وخلافت سے انکار کر دیا ہے۔ ایک عظیم فوج عیسیٰ جلودی کی ماتحتی میں مدینہ منورہ بھیج کر حکم دیا کہ علی و فاطمہ کی تمام اولاد کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا جائے۔ ان کے گھروں میں آگ لگا دی جائے۔ ان کے سامان لوٹ لیے جائیں اور انھیں اس درجہ مفلوج اور مفلوک کر دیا جائے کہ پھر ان میں کسی قسم کے حوصلہ کے ابھرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکے اور محمد بن جعفر کو گرفتار کرکے قتل کر دیا جائے۔ عیسیٰ جلودی نے مدینہ پہنچ کر تعمیل حکم کی سعی بلیغ کی اور ہر ممکن طریقہ سے بنی فاطمہ کو تباہ و برباد کیا۔ حضرت محمد بن جعفر علیہ السّلام نے بھرپور مقابلہ کیا۔ لیکن آخر میں گرفتار ہو کر ہارون رشید کے پاس پہنچا دیئے گئے۔ عیسیٰ جلودی سادات کرام کو لوٹ کر حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کے دولت کدہ پر پہنچا اور اس نے خواہش کی کہ وہ حسب حکم ہارون رشید، خانۂ امام میں داخل ہو کر اپنے ہاتھوں سے عورتوں کے زیورات اور کپڑے اتارے۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا، میں خود تمھیں سارا سامان لا کر دیئے دیتا ہوں۔ پہلے تو وہ اس پر راضی نہ ہوا لیکن بعد میں کہنے لگا کہ اچھا آپ ہی اتار لایئے۔ آپ محل سرا میں تشریف لے گئے اور آپ نے تمام زیورات اور سارے کپڑے ایک ستر پوش چادر کے علاوہ لا کر دے دیا۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ اثاث البیت نقد و جنس یہاں تک کہ بچوں کے کان کے بندے سب کچھ اس کے حوالہ کر دیا۔ وہ ملعون تمام سامان لے کر بغداد روانہ ہو گیا۔ یہ واقعہ آپ کے آغاز امامت کا ہے۔ علّامہ مجلسی بحارالانوار میں لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر صادق کے واقعہ سے امام علی رضا علیہ السّلام کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اکثر اپنے چچا محمد کو خاموشی کی ہدایت اور صبر کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ابوالفرج اصفہانی مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر نہایت متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔ کسی ناصبی نے دستی کتبہ لکھ کر مدینہ کی دیواروں پر چسپاں کر دیا تھا جس میں حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے متعلق ناسزا الفاظ تھے۔ یہی آپ کے خروج کا سبب بنا۔ آپ کی بیعت لفظ امیرالمومنین سے کی گئی۔ آپ جب نماز کو نکلتے تھے تو آپ کے ساتھ ذوالنفس صلحا و اتقیا ہوا کرتے تھے۔ علّامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی وفات کے بعد صفوان بن یحییٰ نے حضرت امام علی رضا علیہ السّلام سے کہا کہ مولا ہم آپ کے بارے میں ہارون رشید سے بہت خائف ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ کہیں آپ کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو آپ کے والد کے ساتھ کر چکا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو اپنی سعی کرے گا۔ لیکن مجھ پر کامیاب نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حالات نے اُسے کچھ اس درجہ آخر میں مجبور کر دیا تھا کہ وہ کچھ بھی

نہ کرسکا یہاں تک کہ جب خالد بن یحییٰ برمکی نے اس سے کہا کہ امام رضا اپنے باپ کی طرح امرِ امامت کا اعلان کرتے اور اپنے کو امامِ زمانہ کہتے ہیں تو اُس نے جواب دیا کہ ہم جو ان کے ساتھ کر چکے ہیں وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اب تو چاہتا ہے کہ "ان لقتلہم جمیعاً" ہم سب کے سب کو قتل کر ڈالیں، اب میں ایسا نہیں کروں گا۔ (نور الابصار صفحہ ۱۴۴ طبع مصر)۔

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ پھر بھی ہارون رشید کا اہلبیت رسول سے شدید اختلاف اور سادات کے ساتھ جو برتاؤ اب تک رہا تھا۔ اس کی بنا پر عام طور سے عمالِ حکومت یا عام افراد بھی جنھیں حکومت کو راضی رکھنے کی خواہش تھی۔ اہلبیت کے ساتھ کوئی اچھا رویہ رکھنے پر تیار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ امام کے پاس آزادی کے ساتھ لوگ استفادہ کے لیے آسکتے تھے۔ نہ حضرت کو سچے اسلامی احکام کی اشاعت کے مواقع حاصل تھے۔

ہارون کا آخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں، امین اور مامون کی باہمی رقابتوں سے بہت بے لطفی میں گزرا، امین پہلی بیوی سے تھا جو خاندانِ شاہی سے منصور دوانقی کی پوتی تھی اور اس لیے عرب سردار سب اس کے طرف دار تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کے پیٹ سے تھا اس لیے دربار کا عجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا، دونوں کی آپس کی رسہ کشی ہارون کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی تھی، اس نے اپنے خیال میں اس کا تصفیہ مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوں کر دیا کہ دارالسلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصے جیسے شام۔ مصر۔ حجاز۔ یمن وغیرہ محمد امین کے نام کیے اور مشرقی ممالک جیسے ایران۔ خراسان۔ ترکستان وغیرہ مامون کے لیے مقرر کیے مگر یہ تصفیہ تو اس وقت کارگر ہو سکتا تھا جب دونوں فریق "جیو اور جینے دو" کے اصول پر عمل کرتے ہوتے۔ لیکن جہاں اقتدار کی ہوس کار فرما ہو۔ وہاں بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو بھائی اگر ایک دوسرے کے مدِمقابل ہوں تو کیوں نہ ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے پر تیار نظر آتے اور کیوں نہ ان طاقتوں میں باہمی تصادم ہو۔ جب کہ ان میں سے کوئی اس ہمدردی اور ایثار اور خلقِ خدا کی خیر خواہی کا بھی حامل نہیں ہے۔ جسے بنی فاطمہ اپنے پیش نظر رکھ کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کر لیا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ادھر ہارون کی آنکھ بند ہوئی اور اُدھر بھائیوں میں خانہ جنگیوں کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ آخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد مامون کو کامیابی ہوئی اور اس کا بھائی امین محرم ۱۹۸ھ میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اور مامون کی خلافت تمام بنی عباس کے حدودِ سلطنت پر قائم ہو گئی۔

یہ سچ ہے کہ ہارون رشید کے ایامِ سلطنت میں آپ کی امامت کے دس سال گزرے اس زمانہ میں عیسیٰ جلودی کی تاخت کے بعد پھر اُس نے آپ کے معاملات کی طرف بالکل سکوت اور خاموشی

اختیار کرلی اس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اس دس سالہ زندگی کے ابتدائی ایام میں وہ آل برامکہ کے استیصال۔ رافع بن لیث ابن تیار کے غدر اور فساد کے انسداد میں جو سمرقند کے علاقہ سے نمودار ہوکر ماوراء النہر اور حدود عرب تک پھیل چکا تھا۔ ایسا ہمہ وقت اور ہمہ دم اُلجھا رہا کہ پھر اس کو ان امور کی طرف توجہ کرنے کی ذرا بھی فرصت نہ ملی۔ دوسرے یہ کہ اپنی دس سالہ مدت کے آخری ایام میں یہ اپنے بیٹوں میں ملک تقسیم کر دینے کے بعد خود ایسا کمزور اور مجبور ہوگیا تھا کہ کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کرسکتا تھا۔ نام کا بادشاہ بنا بیٹھا ہوا اپنی زندگی کے دن نہایت عسرت اور تنگی کی حالتوں میں کاٹ رہا تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے واقعہ ذیل ملاحظہ فرمائیں۔ صباح طبری کا بیان ہے کہ ہارون جب خراسان جانے لگا۔ تو میں نہروان تک اس کی مشایعت کو گیا۔ راستہ میں اُس نے بیان کیا کہ اے صباح تم اب کے بعد پھر مجھے زندہ نہ پاؤ گے۔ میں نے کہا امیرالمومنین ایسا خیال نہ کریں۔ آپ انشاء اللہ صحیح و سالم اس سفر سے واپس آئیں گے۔ یہ سُن کر اس نے کہا کہ شاید تجھ کو میرا حال معلوم نہیں ہے۔ آ، میں دکھا دوں، پھر مجھے راستہ کاٹ کر ایک سمت درخت کے نیچے لے گیا اور وہاں سے اپنے خواصوں کو ہٹا کر اپنے بدن کا کپڑا اُٹھا کر مجھے دکھایا، تو ایک پارچہ ریشم شکم پر لپیٹا ہوا تھا، اور اُس سے سارا بدن کسا ہُوا تھا۔ یہ دکھا کر مجھ سے کہا کہ میں مُدت سے بیمار رہوں تمام بدن میں درد اُٹھتا ہے۔ مگر کسی سے اپنا حال کہہ نہیں سکتا۔ تمہارے پاس بھی یہ راز امانت رہے میرے بیٹوں میں سے ہر ایک کا گماشتہ میرے اُوپر مقرّر ہے۔ ماموں کی طرف سے مسرور، امین کی جانب سے بختیشوع۔ یہ لوگ میری سانس تک گنتے رہتے ہیں، اور نہیں چاہتے کہ میں ایک روز بھی زندہ رہوں، اگر تم کو یقین نہ ہو تو دیکھو میں تمہارے سامنے گھوڑا سوار ہونے کو مانگتا ہوں، ایسا لاغر ٹٹو میرے لیے لائیں گے جس پر سوار ہوکر میں اور زیادہ بیمار ہوجاؤں، یہ کہہ کر گھوڑا طلب کیا۔ واقعی ایسا ہی لاغر اڑیل ٹٹو حاضر کیا۔ اُس پر ہارون بے چُون و چرا سوار ہوگیا اور مجھ کو وہاں سے رخصت کرکے جرجان کا راستہ پکڑ لیا۔ (لمعتہ الضیاء ص ۹۲)۔

بہرحال ہارون رشید کی یہی مجبُوریاں تھیں جنھوں نے اس کو حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کے مخالفانہ امُور کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ ورنہ اگر اُسے فرصت ہوتی اور وہ اپنی قدیم ذی اختیار کی کی حالتوں پر قائم رہتا تو اس سلسلہ کی غارت گری و بربادی کو کبھی بھولنے والا نہیں تھا، مگر اُس وقت کیا کرسکتا تھا۔ اپنے ہی دست و پا اپنے اختیار میں نہیں تھے۔ بہرحال ہارون رشید اسی عمیق الفکس مجبُوری ناداری اور بے اختیاری کی غیر متحمل مصیبتوں میں خراسان پہنچ کر شروع ۱۹۳ھ میں مرگیا۔

اِن دونوں بھائیوں امین اور مامون کے متعلق مؤرخین کا کہنا ہے کہ مامون تو پھر بھی سُوجھ بُوجھ اور اچھے کیریکٹر کا آدمی تھا۔ لیکن امین عیاش، لاابالی اور کمزور طبیعت کا تھا سلطنت کے تمام حصوں سے

بازی گر، مسخرے اور نجومی جوتشی بلوائے۔ نہایت خوب صورت طوائف اور نہایت کامل گانے والیوں اور خواجہ سراؤں کو بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے اور ناٹک کی ایک محفل مثل اندر سبھا کے ترتیب دی۔ یہ تھیٹر اپنے زرق برق سامانوں سے پریوں کا اکھاڑا معلوم ہوتا تھا۔ سیوطی نے ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ امین اپنی بیویوں اور کنیزوں کو چھوڑ کر خصیوں سے لواطت کرتا تھا (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۶)۔

امام علی رضا کا حج اور ہارون رشید عباسی

زمانہ ہارون رشید میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اسی سال ہارون رشید بھی حج کے لیے آیا ہوا تھا۔ خانہ کعبہ میں داخلہ کے بعد امام علی رضا علیہ السلام ایک دروازے سے اور ہارون رشید دوسرے دروازے سے نکلے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دوسرے دروازے سے نکلنے والا جو ہم سے دور جا رہا ہے، عنقریب طوس میں دونوں ایک جگہ ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ یحییٰ ابن خالد برمکی کو امام علیہ السلام نے مکہ میں دیکھا کہ وہ رومال سے گرد کی وجہ سے منہ بند کیے ہوئے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے پتہ بھی نہیں کہ اس کے ساتھ امسال کیا ہونے والا ہے۔ یہ عنقریب تباہی کی منزل میں پہنچا دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ راوی مسافر کا بیان ہے کہ حج کے موقع پر امام علیہ السلام نے ہارون رشید کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملاتے ہوئے فرمایا کہ میں اور یہ اسی طرح ایک ہو جائیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس ارشاد کا مطلب اس وقت سمجھا جب آپ کی شہادت واقع ہوئی اور دونوں ایک مقبرہ میں دفن ہوئے۔ موسیٰ بن عمران کا کہنا ہے کہ اسی سال ہارون رشید مدینہ منورہ پہنچا اور امام علیہ السلام نے اسے خطبہ دیتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ عنقریب میں اور ہارون ایک ہی مقبرہ میں دفن کیے جائیں گے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۴۴)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا مجدد مذہب امامیہ ہونا

احادیث میں ہر سو سال کے بعد ایک مجدد اسلام کے نمود و شہود کا نشان ملتا ہے۔ بہ ظاہر ہے کہ جو اسلام کا مجدد ہوگا اس کے تمام ماننے والے اسی کے مسلک پر گامزن اور اسی کے اصول و فروع کے سراہنے والے ہوں گے اور مجدد کا جو بنیادی مذہب ہوگا۔ اس کے ماننے والوں کا بھی وہی مذہب ہوگا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام جو قطعی طور پر فرزند رسول اسلام تھے۔ وہ اسی مسلک پر گامزن تھے۔ جس مسلک کی بنیاد پیغمبر اسلام اور علی خیر الانام کا وجود ذی جود تھا۔ یہ مسلمات سے ہے کہ آل محمد علیہم السلام پیغمبر علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے تھے اور انھیں کے خدائی منشا۔ اور بنیادی مقصد کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ یعنی آل محمد کا مسلک وہی تھا جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم کا مسلک تھا۔ علامہ ابن اثیر جزری اپنی کتاب جامع الاصول میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام تیسری صدی ہجری میں اور ثقۃ الاسلام علامہ کلینی چوتھی صدی ہجری میں مذہب امامیہ کے مجدد تھے۔ علامہ قونوی اور ملا مبین نے اسی کو دوسری صدی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے (وسیلۃ النجات ص۲۷۶ و شرح جامع صغیر) محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز ابن اثیر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن اثیر جذری صاحب جامع الاصول کہ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ مجدد مذہب امامیہ در قرن ثالث گفتہ است۔ ابن اثیر جذری صاحب جامع الاصول نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو تیسری صدی میں مذہب امامیہ کا مجدد ہونا ظاہر و واضح فرمایا ہے (تحفۂ اثنا عشریہ کید ۸۵ ص۸۳) بعض علمائے اہل سنت نے آپ کو دوسری صدی کا اور بعض نے تیسری صدی کا مجدد بتلایا ہے۔ میرے نزدیک دونوں درست ہے۔ کیوں کہ دوسری صدی میں امام رضا علیہ السلام کی ولادت اور تیسری صدی کے آغاز میں آپ کی شہادت ہوئی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے اخلاق و عادات اور شمائل و خصائل

آپ کے اخلاق و عادات اور شمائل و خصائل کا لکھنا اس لیے دشوار ہے کہ وہ بے شمار ہیں یہ مشتے نمونہ از خروارے" یہ ہیں بحوالہ علامہ شبلنجی ابراہیم بن عباس تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے کبھی کسی شخص کے ساتھ گفتگو کرنے میں سختی نہیں کی، اور کبھی کسی بات کو قطع نہیں فرمایا۔ آپ کے مکارم عادات سے تھا، کہ جب بات کرنے والا اپنی بات ختم کر لیتا تب اپنی طرف سے آغاز کلام فرماتے۔ کسی کی حاجت روائی اور کام نکالنے میں حتی المقدور دریغ نہ فرماتے۔ کبھی اپنے ہمنشیں کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے اور نہ اہل محفل کے رو برو تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔ کبھی اپنے غلاموں کو گالی نہ دی۔ اور چیزوں کا کیا ذکر میں نے کبھی آپ کو تھوکتے اور ناک صاف کرتے نہیں دیکھا۔ آپ قہقہہ لگا کر ہرگز نہیں ہنستے تھے۔ خندہ زنی کے موقع پر آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ محاسن اخلاق اور تواضع و انکساری کی یہ حالت تھی کہ دسترخوان پر سائیس اور دربان تک کو اپنے ساتھ بٹھالیتے۔ راتوں کو بہت کم سوتے اور اکثر راتوں کو شام سے صبح تک شب بیداری کرتے تھے۔ اکثر اوقات روزے سے ہوتے تھے مگر ہر مہینے کے تین روزے تو آپ سے کبھی قضا نہیں ہوئے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ ہر ماہ میں کم از کم تین روزے رکھ لینا ایسا ہے۔ جیسے کوئی ہمیشہ روزے سے رہے۔ آپ کثرت سے خیرات کیا کرتے تھے۔ اور اکثر رات کے تاریک پردہ میں اس استحباب کو ادا فرمایا کرتے تھے۔ موسم گرما میں آپ کا فرش جس پر آپ بیٹھ کر فتویٰ دیتے یا مسائل بیان کیا کرتے بوریا ہوتا تھا اور سرما میں کمبل

آپ کا یہی طرز اُس وقت بھی رہا جب آپ ولی عہد حکومت تھے۔ آپ کا لباس گھر میں موٹا اور خشن ہوتا تھا اور رفع طعن کے لیے باہر آپ اچھا لباس پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ حضور اتنا عمدہ لباس کیوں استعمال فرماتے ہیں آپ نے اندر کا پیراہن دکھلا کر فرمایا۔ اچھا لباس دُنیا والوں کے لیے اور کمبل کا پیراہن خدا کے لیے ہے۔ علامہ موصُوف تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ حمام میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص جندی نامی آگیا اور اُس نے بھی نہانا شروع کیا۔ دورانِ غسل میں اُس نے امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ میرے جسم پر پانی ڈالیے۔ آپ نے پانی ڈالنا شروع کیا اتنے میں ایک شخص نے کہا۔ اے جندی فرزندِ رسُول سے خدمت لے رہا ہے۔ ارے یہ امام رضا ہیں، یہ سُننا تھا کہ وہ پیروں پر گر پڑا اور معافی مانگنے لگا۔ (نورالابصار ص۳۸ و ص۳۹)۔

ایک مردِ بلخی ناقل ہے کہ میں حضرت کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ایک مقام پر دسترخوان بچھا تو آپ نے تمام غلاموں کو جن میں حبشی بھی شامل تھے۔ بُلا کر بٹھلا لیا۔ میں نے عرض کیا مولا انھیں علیحدہ بٹھلائیں تو کیا حرج ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سب کا رب ایک ہے اور ماں باپ آدم و حوا بھی ایک ہیں اور جزا و سزا اعمال پر موقوف ہے تو پھر تفرقہ کیا۔ آپ کے ایک خادم یاسر کا کہنا ہے کہ آپ کا یہ تاکیدی حکم تھا کہ میرے آنے پر کوئی خادم کھانا کھانے کی حالت میں میری تعظیم کو نہ اُٹھے۔ معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ جب بھی دسترخوان بچھتا آپ ہر کھانے میں سے ایک ایک لقمہ نکال لیتے تھے، اور اُسے مسکینوں اور یتیموں کو بھیج دیا کرتے تھے۔ شیخ صدوق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بزرگی تقویٰ سے ہے جو مجھ سے زیادہ متقی ہے وہ مجھ سے بہتر ہے۔ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ آپ مجھے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ مال دُنیا سے دیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ مشکل ہے۔ پھر اُس نے عرض کی اچھا میری حیثیت کے مطابق عنایت کیجئے، فرمایا یہ ممکن ہے۔ چنانچہ آپ نے اُسے دو سو اشرفی عنایت فرما دی۔ ایک مرتبہ نویں ذی الحجہ یوم عرفہ آپ نے راہِ خدا میں سارا گھر لٹا دیا۔ یہ دیکھ کر فضل بن سہیل وزیر مامون نے کہا حضرت یہ تو غرامت یعنی اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ غرامت نہیں غنیمت ہے میں اس کے عوض میں خُدا سے نیکی اور حسنہ لوں گا۔ آپ کے خادم یاسر کا بیان ہے کہ ہم ایک دن میوہ کھا رہے تھے اور کھانے میں ایسا کرتے تھے کہ ایک پھل سے کچھ کھاتے اور کچھ پھینک دیتے تھے۔ ہمارے اس عمل کو آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا نعمت خدا کو ضائع نہ کرو۔ ٹھیک سے کھاؤ اور جو بچ جائے اُسے کسی محتاج کو دے دو۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مزدور کی مزدوری پہلے طے کرنا چاہیئے۔ کیونکہ چکائی ہوئی اُجرت سے زیادہ جو کچھ دیا جائے گا۔ پانے والا اُس کو انعام سمجھے گا۔ صولی کا بیان ہے کہ آپ اکثر عودِ ہندی کا بخور کرتے اور مشک و گلاب کا پانی استعمال کرتے تھے۔ عطریات کا آپ کو بڑا شوق تھا

نمازِ صبح اوّل وقت پڑھتے اس کے بعد سجدہ میں چلے جاتے تھے، اور نہایت ہی طول دیتے تھے۔
پھر لوگوں کو پند و نصائح فرماتے۔ سلیمان بن جعفر کا کہنا ہے کہ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح خرمے کو
بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ جب بھی آپ
بستر پر لیٹتے تھے تا بہ خواب قرآن مجید کے سورے پڑھا کرتے تھے۔ موسیٰ بن سیار کا بیان ہے کہ
آپ اکثر اپنے شیعوں کی میت میں شرکت فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہر روز شام کے وقت
امام وقت کے سامنے شیعوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شیعہ گناہ گار ہوتا ہے تو امام
اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ کے سامنے جب بھی کوئی آتا تھا۔
آپ پہچان لیتے تھے کہ مؤمن ہے یا منافق (اعلام الوریٰ تحفہ رضویہ کشف الغمہ ص ۱۱۲) علامہ محمد رضا
لکھتے ہیں کہ آپ ہر سوال کا جواب قرآن مجید سے دیتے تھے اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے۔
(جنات الخلود ص ۳۱)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے بعض کرامات

آپ کے قول و فعل سے بے انتہا کرامات کا ظہور ہوا ہے جن میں سے چند اس جگہ لکھے جاتے
ہیں علامہ مومن شبلنجی رقمطراز ہیں۔

(۱) ایک دن حضرت امام رضا علیہ السلام نے امین اور مامون پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب
امین کو مامون قتل کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور امین عباسی ۲۴ محرم ۱۹۸ھ ہجری
کو چار سال آٹھ ماہ سلطنت کرنے کے بعد مامون رشید کے ہاتھوں قتل ہوا (تاریخ اسلام
جلد ا ص ۲۰ و نور الابصار)۔

(۲) حسین بن موسیٰ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک مقام پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے
میں جعفر بن عمر العلوی کا گزر ہوا۔ ہم اس کی شکل و شباہت اور ہیئت و حالات دیکھ کر
آپس میں باتیں کرنے لگے حضرت امام رضا نے فرمایا یہ عنقریب دولت مند اور رئیس ہو جائے
گا اور اس کی حالت یکسر تبدیل ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور وہ ایک ماہ کے اندر
مدینہ کا گورنر ہو گیا۔

(۳) جعفر بن صالح سے آپ نے فرمایا کہ تیری بیوی کے دو جوڑواں بچے ہوں گے۔ ایک کا نام
علی اور دوسرے کا نام اُمِ عمر رکھنا۔ جب اس کے یہاں ولادت ہوئی ہے تو ایسا ہی ہوا۔
جعفر بن صالح نے اپنی ماں سے کہا۔ امام علی رضا نے یہ ام عمر کیا نام تجویز فرمایا ہے۔ اس نے
کہا تیری دادی کا نام ام عمر تھا۔ حضرت نے اسی کے نام پر اسے موسوم فرمایا۔

(۴) آپ نے ایک شخص کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ جب وہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو وصیت کرلے اور امر حتمی کے لیے تیار ہو جا۔" فمات الرجل بعد ثلاثۃ ایام" اس فرمانے کے تین دن بعد اُس شخص کا انتقال ہو گیا۔ (نور الابصار ص ۱۳۹)۔

(۵) علامہ عبد الرحمٰن رقمطراز ہیں کہ ایک شخص خراسان کے ارادہ سے نکلا۔ اُسے اُس کی لڑکی نے ایک حلہ دیا کہ اسے فروخت کر کے فیروزہ لیتے آنا۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں مقام مرو پہنچا تو امام رضا کے ایک خادم نے مجھ سے کہا کہ ایک دوست دار اہلبیت کا انتقال ہو گیا ہے اس کے کفن کی ضرورت ہے تو اپنا حلہ میرے ہاتھ فروخت کر دے تاکہ میں اسے اس کے کفن کے لیے استعمال کروں۔ اس مرد کوفی نے کہا کہ میرے پاس کوئی حلہ برائے فروخت نہیں ہے۔ خادم نے امام رضا علیہ السلام سے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے جا کر میرا سلام کہہ دے اور اُسے میرا یہ پیغام پہنچا کہ تیری لڑکی نے جو حلہ برائے خرید فیروزہ دیا ہے۔ وہ فروخت کر دے اُس نے بڑا تعجب کیا اور حلہ نکال کر اس کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ اس کوفی کا بیان ہے کہ میں نے یہ سوچ کر کہ وہ بڑے باکمال ہیں ان سے چند سوالات کرنا چاہا اور اسی ارادے سے ان کے مکان پر گیا لیکن اتنا اژدحام تھا کہ درِ دولت تک نہ پہنچ سکا۔ دور کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ ایک غلام نے ایک پرچہ لا کر دیا اور کہا کہ امام رضا علیہ السلام نے یہ پرچہ عنایت فرماتے ہوئے کہا ہے کہ تیرے سوالات کے جوابات اس میں مرقوم ہیں "چوں نگاہ کردم جواب مسئلہ ہائے من بود" جب میں نے اُسے دیکھا تو واقعاً میرے سوالات کے جوابات تھے۔

(۶) ریان بن صلت کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے دل میں یہ تھا کہ میں حضرت سے اپنے لیے جامے اور ان سے وہ درہم مانگوں گا جس پر آپ کا اسم گرامی کندہ ہوگا۔ میرے حاضر ہوتے ہی آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ یہ جامے اور سکے چاہتے ہیں۔ انھیں دو جامے اور میرے نام کے تیس سکے دے دو۔

(۷) ایک تاجر کو کرمان کے راستے میں ڈاکوؤں نے پکڑ کر اُس کے مُنہ میں اس درجہ برف بھر دی، کہ اس کی زبان اور اس کا جبڑا از کار رفتہ ہو گیا۔ اس نے بہت علاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن اُس نے سوچا کہ مجھے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علاج کی درخواست کرنی چاہیے، یہ سوچ کر وہ رات میں سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ کمونی سعتر اور نمک کو پانی میں بھگو کر تین چار بار غرغرہ کرو۔ انشاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ جب میں خواب سے بیدار ہو کر حاضر خدمت ہوا تو حضرت نے فرمایا تمھارا وہی علاج ہے، جو میں نے تم کو خواب میں بتلایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنا خواب

اُن سے بیان نہیں کیا تھا۔ اِس کے باوجود آپ نے یہی جواب دیا۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ حضرت نے جو دوا بتائی تھی اُس کے اجزا یہ ہیں زیرہ کرمانی، سعتر نمک (کشف الغمہ ص۱۱۲)

(۸) ابواسماعیل سندھی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضا علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا۔ کہ مولا مجھے عربی زبان نہیں آتی۔ آپ نے اُس کے لبوں پر دستِ مبارک پھیر کر اُسے عربی میں گویا بنا دیا۔

(۹) ایک حاجی نے آپ سے بہت سے سوالات کئے، آپ نے سب کا جواب دے کر فرمایا کہ وہ سوال تم نے نہیں کیا جو احرام کے لباس سے متعلق تھا۔ جس میں تمھیں شک ہے۔ اس نے کہا ہاں مولا اسے بھُول گیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس مخصوص لباس میں احرام درست ہے۔

(۱۰) آپ نے خاک زمین سونگھ کر اپنی قبر کی جگہ بتا دی۔

(۱۱) ایک شخص معتمد کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضا علیہ السّلام کے پاس کھڑا تھا کہ چڑیوں کا ایک جھنڈ امام کے پاس آکر چیخنے لگا۔ امام نے مجھ سے کہا جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے میں نے کہا کہ خدا اور رسُول اور فرزند رسُول ہی اسے جان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس جھنڈ کا کہنا ہے کہ ایک سانپ آیا ہوا ہے اور وہ میرے بچوں کو کھانا چاہتا ہے تم جاؤ اور اُسے تلاش کر کے مار ڈالو۔ چنانچہ میں اُس مقام پر گیا اور سانپ کو مار ڈالا۔ شواہد النبوت ص۱۹۹ تا ص۲۰۱۔

(۱۲) علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قحط پڑا آپ نے دُعا کی۔ لکۂ ابر نمودار ہوا۔ لوگ خوش ہوگئے لیکن آپ نے فرمایا کہ یہ ٹکڑا ابر کا فلاں مقام کے لیے ہے۔ اسی طرح کئی بار ہوا۔ آخر میں آپ نے ایک لکۂ ابر کے نمودار ہونے پر فرمایا کہ یہ یہاں برسے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (جنات الخلود ص۳۱۔ عیون اخبار رضا ص۲۱۴)۔

(۱۳) علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنی زمینداری پر تشریف لے گئے۔ جاتے وقت فرمایا کہ میرے ہمراہی کو چاہیئے کہ بارش کا سامان لے لے۔ حسن بن موسیٰ نے کہا کہ حضور سخت گرمی ہے۔ بارش کے تو آثار نہیں ہیں۔ فرمایا بارش ضرور ہوگی۔ چنانچہ وہاں پہنچنے کے بعد ہی بارش کا نزول شروع ہوگیا۔ اور خوب پانی برسا۔ (اعلام الوری ص۱۸۹)۔

حضرت رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اور جناب علی رضا علیہ السّلام

واقعہ تمر صیحانی

(۱۴) علامہ ابن حجر مکی۔ علامہ شبلنجی۔ علامہ عبداللہ رقمطراز ہیں کہ محمد ابن عیسیٰ بن حبیب کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں حضرت رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو اپنے شہر کی اُس مسجد میں دیکھا

جس میں حاجی اُترتے اور نماز وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے حضرت کو سلام کیا اور حضرت کے پاس طبق دیکھا جس میں نہایت عمدہ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں۔ میرے سلام پر حضرت نے مجھے اٹھارہ دانے اس کھجور کے مرحمت فرمائے۔ میں اس خواب سے بیدار ہوا تو سمجھا کہ اب صرف اٹھارہ سال زندہ رہوں گا۔ اس خواب کے بیس دن بعد حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے تشریف لائے، اور اسی مسجد میں اُترے جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ حضرت کے سامنے ایک طبق میں ویسی ہی کھجوریں رکھی تھیں۔ لوگ حضرت کے سلام کو دوڑے میں بھی گیا تو دیکھا کہ حضرت اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ جہاں میں نے خواب میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف فرما دیکھا تھا۔ میں نے سلام کیا تو حضرت نے جواب دیا اور اپنے قریب بلا کر ایک مٹھی اسی طبق کی کھجوریں مرحمت فرمائیں۔ میں نے گنی تو وہ بھی اٹھارہ تھیں۔ اسی قدر جتنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خواب میں دی تھیں۔ میں نے عرض کی کہ حضور اور کچھ مرحمت ہو تو فرمایا۔ لو زادک رسول اللہ لزدناک کہ اگر رسول خدا صلعم تم کو خواب میں اس سے زیادہ دیتے ہوتے تو میں بھی زیادہ دیتا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۲، نورالابصار ص۱۴۴ ارجح المطالب ص۴۵۶)

حضرت امام رضا علیہ السلام کا علمی کمال

مورخین کا بیان ہے کہ آل محمدؑ کے اس سلسلہ میں ہر فرد حضرت احدیت کی طرف سے بلند ترین علم کے درجے پر قرار دیا گیا تھا جسے دوست اور دشمن سب کو ماننا پڑتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زمانے نے کم موقعہ دیا، اور کسی کو زیادہ۔ چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اگر کسی کو سب سے زیادہ موقع حاصل ہوا ہے تو وہ حضرت امام رضا علیہ السلام ہیں۔ جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے۔ اُس وقت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی علی رضا عالم آل محمدؐ ہیں۔ اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کر لیا کرو، اور جو کچھ کہیں اُسے یاد رکھو اور پھر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضۂ رسول پر تشریف فرما رہے تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محمد بن عیسیٰ یقطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان تحریری مسائل کو جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھے گئے تھے اور آپ نے ان کا جواب تحریر فرمایا تھا۔ اکٹھا کیا تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔ صاحب لمعۃ الرضا تحریر کرتے ہیں کہ حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے خصوصیات میں یہ امر تمام تاریخی

مشاہد اور نیز حدیث و سیر کے اسانید معتبر سے ثابت ہے۔ باوجودیکہ اہلِ دُنیا کو آپ حضرات کی تقلید اور متابعت فی الاحکام کا بہت کم شرف حاصل تھا۔ مگر بایں ہمہ تمام زمانہ و ہر خویش و بیگانہ آپ حضرات کو تمام علوم الٰہی اور اسرارِ الٰہی کا گنجینہ سمجھتا تھا اور محدثین و مفسرین اور تمام علما و فضلا جو آپ کے مقابلہ کا دعویٰ رکھتے تھے۔ وہ بھی علمی مباحث و مجالس میں آپ حضرات کے آگے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔ اور علمی مسائل کو حل کرنے کی ضرورتوں کے وقت حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے لے کر امام زین العابدین علیہ السلام تک استفادے کئے۔ وہ سب کتابوں میں موجود ہے۔ جابر بن عبداللہ انصاری اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں سمع حدیث کے واقعات تمام حدیث کی کتاب میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح ابوالطفیل عامری اور سعید بن جبیر آخری صحابہ کی تفصیلی حالات جو ان بزرگوں کے حال میں پائے جاتے ہیں، وہ سیر و تواریخ میں مذکور و مشہور ہیں۔ صحابہ کے بعد تابعین اور متبع تابعین اور اُن لوگوں کی فیض یابی کی بھی یہی حالت ہے۔ شعبی، زہری، ابن قتیبہ سفیان ثوری۔ ابن شیبہ۔ عبدالرحمٰن۔ عکرمہ۔ حسن بصری وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب جو اس وقت اسلامی دنیا میں دینیات کے پیشوا اور مقدس سمجھے جاتے تھے۔ ان ہی بزرگوں کے چشمۂ فیض کے جرعہ نوش اور انہی حضرات کے مطیع و حلقہ بگوش تھے۔ جناب امام رضا علیہ السلام کو اتفاقِ حسنہ سے اپنے علم و فضل کے اظہار کے زیادہ مواقع پیش آئے کیوں کہ مامون عباسی کے پاس جب تک دارالحکومت مرو تشریف فرما رہے۔ بڑے بڑے علماء و فضلا علوم مختلفہ میں آپ کی استعداد اور فضیلت کا اندازہ کرایا گیا اور کچھ اسلامی علما و فضلا پر موقوف نہیں تھا۔ بلکہ علماء یہود و نصاریٰ سے بھی آپ کا مقابلہ کرایا گیا۔ مگر ان تمام مناظروں و مباحثوں میں ان تمام لوگوں پر آپ کی فضیلت و فوقیت ظاہر ہوئی۔ خود مامون بھی خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ اعلم و افقہ تھا باوجود اس کے تبحر فی العلوم کا لوہا مانتا تھا اور چار و ناچار اس کا اعتراف پر اعتراف اور اقرار پر اقرار کرتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ آپ جلالتِ قدر عزت و شرافت میں معروف و مذکور ہیں۔ اسی وجہ سے مامون آپ کو بمنزلہ اپنی رُوح و جان جانتا تھا۔ اُس نے اپنی دُختر کا نکاح آنحضرت علیہ السلام سے کیا۔ اور ملک و ولایت میں اپنا شریک گردانا۔ مامون برابر علماء ادیان و فقہائے شریعت کو جناب امام رضا علیہ السلام کے مقابلہ میں بُلاتا اور مناظرہ کراتا۔ مگر آپ ہمیشہ ان لوگوں پر غالب آتے تھے اور خود ارشاد فرماتے تھے کہ میں مدینہ میں روضہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بیٹھتا۔ وہاں کے علمائے کثیر جب کسی علمی مسئلہ میں عاجز آجاتے تو بالاتفاق میری طرف رجوع کرتے۔ جواب ہائے شافی دے کر ان کی تسلّی و تسکین کر دیتا۔ ابوالصلت ابن صالح کہتے ہیں کہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے زیادہ کوئی عالم میری نظر سے

نہیں گزرا ۔ اور مجھ پر موقوف نہیں جو کوئی آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ وہ میری طرح آپ کی اعلمیت کی شہادت دے گا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام اور حروف تہجی

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حروف تہجی یعنی (ا ب ج د) وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن جب اس کی حقیقت ارباب عصمت سے دریافت کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف جن سے قرآن مجید جیسی اعجازی کتاب مرتب کی گئی ہے اور جس پر کائنات کے افہام وتفہیم کا دارومدار ہے۔ یہ اپنے دامن میں بے شمار صفات رکھتے ہیں اور خداوند عالم نے انھیں حروف کو اپنی معرفت کا ذریعہ بنایا ہے اور ہر حرف میں خاص چیز پنہاں رکھی ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے ان حروف تہجی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے بحوالہ باب مدینۃ العلم حضرت، علی علیہ السلام ارشاد فرمایا کہ "ا" سے آلآء اللہ، خدا کی نعمتیں "ب" سے بہاء اللہ خدا کی خوبیاں بہجۃ اللہ خدا مومنین سے خوش ہونا "ت" سے تمام الامر بقائم آل محمدؐ دنیا کا خاتمہ امام مہدی کے عہد میں ہوگا "ث" سے ثواب المومنین علی اعمالہم الصالحۃ۔ مومنین کو اچھے اعمال کا بھرپور ثواب ملے گا۔ ج "سے جمال اللہ، اللہ کا جمال وجلال اللہ، اللہ کا جلال"۔ ح" سے حلم اللہ عن المذنبین۔ گناہ گار سے اللہ کا حلم۔ "خ سے خمول ذکر اہل المعاصی عند اللہ" خدا کا گناہ گاروں کے گناہوں سے بُھلا دینا۔ "د سے دین اللہ۔ اللہ کا دین اسلام "ذ" ذوالجلال اللہ کا صاحب جلال ہونا۔ "ر" سے الرؤف الرحیم۔ اللہ کا رؤف رحیم ہونا "ز" سے زلازل القیامۃ قیامت کے دن کے عظیم زلزلے۔ س سے سناء اللہ۔ اللہ کی اچھائیاں اور بیان "ش" سے شاء اللہ "ماشاء اللہ۔ جو خدا چاہے وہی ہوگا۔ "ص" سے صادق الوعد" اللہ کا وعدہ سچا اور لوگوں کو سچ بولنا چاہیئے۔ "ض" سے ضل من خالف محمدؐ وآل محمدؐ۔ وہ شخص گمراہ ہے جو محمدؐ وآل محمد کا مخالف ہے "ط" سے طوبیٰ للمومنین۔ مومنین کے لیے جنت کی مبارکباد۔ "ظ" سے ظن المومنین باللہ خیرا۔ مومنین کو خدا کے ساتھ اچھا ظن رکھنا چاہیئے۔ "ع" سے علم یعنی خدا عالم مطلق ہے۔ اور علم انسان کے لیے بہترین زیور ہے "غ" سے الغنی۔ خدا سب سے مستغنی ہے اور غنی کو غریبوں پر خرچ کرنا چاہیئے۔ "ف" سے فوج من افواج النار۔ لوگ اگر گناہ کریں گے تو فوج در فوج جہنم میں جائیں گے۔ "ق" سے قرآن یہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے جو ہدایت سے پُر ہے۔ ک سے الکافی خدا بندوں کے لیے کافی ہے۔ ل سے لغوا الکافرین فی افترائہم علی اللہ الکذب۔ خدا پر جھوٹ کا الزام دینا یہ کافروں کا کام نہایت لغو ہے۔ "م سے" ملک اللہ یوم لا مالک غیرہ ایک دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی اور کوئی بھی زندہ نہ ہوگا اور نہ اس کے سوا کوئی مالک ہوگا، اس دن خدا فرماتے گا۔ لمن الملک

الیوم۔ آج کے دن کس کی حکومت ہے تو ارواحِ آئمہ جواب دیں گے "للہ الواحد القہار" آج صرف خدائے واحد قہار کی حکومت ہے۔ "ن" سے نوال اللہ للمومنین ونکالہ بالکافرین۔ مومنین پر خدا کا کرم اور کافروں پر اُس کا عذاب محیط ہوگا۔ "و" سے ویل لمن عصی اللہ ویل اور تباہی ہے اس کے لیے جو خدا کی نافرمانی کرے۔ "ھ" سے ہان علی اللہ من عصاہ جو خدا کا گناہ کرتا ہے وہ اُس کی توہین کرتا ہے "لا" سے لاالہ الا اللہ، یہ وہ کلمۂ اخلاص ہے کہ جو اسے خلوص و اعتقاد اور شرائط کے ساتھ زبان پر جاری کرے۔ وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ "ی" سے یداللہ کا ہاتھ جو مخلوقات کو روزی پہنچاتا ہے مراد ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ انھیں حروف پر مشتمل قرآن مجید نازل ہوا ہے اور نزول چونکہ خدا کی طرف سے تھا، اس لیے دعویٰ کر دیا گیا کہ جو کتاب ہم نے حروف والفاظ میں بھیجی ہے۔ اس کا جواب جن و انس سب مل کر بھی نہیں دے سکتے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صہ ۹۱)۔

امام رضا علیہ السلام اور وقتِ نکاح

ثقۃ الاسلام حضرت کلینی کتاب اصول کافی میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ تزویج و نکاح کس وقت ہونا چاہیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نکاح رات کو کرنا سُنت ہے۔ اس لیے کہ رات لذت و لُطف اور سکون کے لیے بنائی گئی ہے اور عورتیں مردوں کے لیے لُطف و لذت اور سکون کا مرکز ہیں۔ (مناقب جلد ا صہ ۹۱ بحوالہ کافی)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے بعض مرویات و ارشادات

حضرت امام رضا علیہ السلام سے بے شمار احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) بچوں کے لیے ماں کے دُودھ سے بہتر کوئی دُودھ نہیں (۲) سرکہ بہترین سالن ہے جس کے گھر میں سرکہ ہوگا وہ محتاج نہ ہوگا۔ (۳) ہر انار میں ایک دانہ جنت کا ہوتا ہے (۴) منقیٰ صفرا کو درست کرتا ہے۔ بلغم کو دُور کرتا ہے۔ پٹھوں کو مضبوط کرتا۔ نفس کو پاکیزہ بناتا اور رنج و غم کو دُور کرتا ہے۔ (۵) شہد میں شفا ہے، اگر کوئی شہد ہدیہ کرے تو واپس نہ کرو (۶) گلاب جنت کے پھُولوں کا سردار ہے (۷) بنفشہ کا تیل سر میں لگانا چاہیئے۔ اس کی تاثیر گرمیوں میں سرد اور سردیوں میں گرم ہوتی ہے (۸) جو زیتون کا تیل سر میں لگائے یا کھائے اس کے پاس چالیس دن تک شیطان نہ آئے گا۔ (۹) صلہ رحم اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے مال میں زیادتی ہوتی ہے (۱۰) اپنے بچوں کا ساتویں دن ختنہ کر دیا کرو۔ اس سے صحت ٹھیک ہوتی ہے اور جسم پر گوشت چڑھتا ہے (۱۱) جمعہ کے دن روزہ رکھنا دس روزوں کے برابر ہے۔ (۱۲) جو کسی عورت کا مہر نہ دے یا مزدور کی اُجرت روک لے یا کسی کو فروخت

کر دے وہ بخشا نہ جاوے گا۔ (۱۳) قرآن پڑھنے، شہد کھانے اور دُودھ پینے سے حافظہ بڑھتا ہے (۱۴) گوشت کھانے سے شفا ہوتی ہے اور مرض دُور ہوتا ہے (۱۵) کھانے کی ابتدا، نمک سے کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس سے ستّر بیماریوں سے حفاظت ہوتی ہے۔ جن میں جذام بھی ہے (۱۶) جو دنیا میں زیادہ کھائے گا۔ قیامت میں بھُوکا رہے گا (۱۷) مسور ستّر انبیاء کی پسندیدہ خوراک ہے اس سے دل نرم ہوتا ہے اور آنسُو بہتے ہیں (۱۸) جو چالیس دن گوشت نہ کھائے گا بداخلاق ہو جائے گا۔ (۱۹) کھانا ٹھنڈا کر کے کھانا چاہیئے (۲۰) کھانا پیالے کے کنارے سے کھانا چاہیئے (۲۱) طول عمر کے لیے اچھا کھانا، اچھی جُوتی پہننا اور قرض سے بچنا، کثرت جماع سے پرہیز کرنا مفید ہے۔ (۲۲) اچھے اخلاق والا پیغمبر اسلام کے ساتھ قیامت میں ہوگا (۲۳) جنّت میں متّقی اور حسنِ خلق والوں کی اور جہنّم میں پیٹو اور زنا کاروں کی کثرت ہوگی (۲۴) امام حسینؑ کے قاتل بخشے نہ جائیں گے۔ ان کا بدلہ خود خدا لے گا (۲۵) حسن و حسین علیہم السّلام جوانانِ جنّت کے سردار ہیں اور ان کے پدرِ بزرگوار دونوں سے بہتر ہیں (۲۶) اہل بیت کی مثال سفینہ نوُحؑ جیسی ہے، نجات وُہی پائے گا جو اس پر سوار ہوگا (۲۷) حضرت فاطمہ ساق عرش پکڑ کر قیامت کے دن واقعہ کربلا کا فیصلہ چاہیں گی۔ اُس دن ان کے ہاتھ میں امام حسین علیہ السّلام کا خوُن بھرا پیراہن ہوگا (۲۸) خدا سے روزی صدقہ دے کر مانگو (۲۹) سب سے پہلے جنّت میں وہ شہداء اور عیال دار جائیں گے جو پرہیزگار ہوں گے اور سب سے پہلے جہنّم میں حاکم غیر عادل اور مالدار جائیں گے۔ (مسند امام رضا طبع مصر ۱۳۴۱ھ) (۳۰) ہر مومن کا کوئی نہ کوئی پڑوسی اذیت کا باعث ضرور ہوگا (۳۱) بالوں کی سفیدی کا سر کے اگلے حصے سے شروع ہونا سلامتی اور اقبال مندی کی دلیل ہے اور رخساروں داڑھی کے اطراف سے شروع ہونا سخاوت کی علامت ہے اور گیسوؤں سے شروع ہونا شجاعت کا نشان ہے اور گدّی سے شروع ہونا نحوست ہے (۳۲) قضا و قدر کے بارے میں آپ نے فضیل بن سہیل کے جواب میں فرمایا کہ انسان نہ بالکل مجبور ہے اور نہ بالکل آزاد ہے۔ (نورالابصار صفحہ ۱۴۲)

حضرت امام رضا علیہ السّلام اور مجلس شہداء کربلا

علّامہ مجلسی بحارالانوار میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاعر آلِ محمدؐ، دعبل خزاعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عاشورا کے دن میں حضرت امام رضا علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ آپ اصحاب کے حلقہ میں انتہائی غمگین و حزیں بیٹھے ہوئے ہیں مجھے حاضر ہوتے دیکھ کر فرمایا۔ آؤ آؤ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ میں قریب پہنچا تو آپ نے اپنے پہلو میں مجھے جگہ دے کر فرمایا کہ اے دعبل چونکہ آج یوم عاشورا ہے اور یہ دن ہمارے لیے انتہائی رنج و غم کا دن ہے۔ لہٰذا تم میرے جدِّ مظلوم حضرت امام حسین علیہ السّلام کے مرثیہ سے متعلق کچھ شعر پڑھو۔

اے دعبل جو شخص ہماری مصیبت پر روئے یا رلائے اس کا اجر خدا پر واجب ہے۔ اے دعبل جس شخص کی آنکھ ہمارے غم میں تر ہو۔ وہ قیامت میں ہمارے ساتھ محشور ہوگا۔ اے دعبل جو شخص ہمارے جدِ نامدار حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں روئے گا۔ خدا اس کے گناہ بخش دے گا۔

یہ فرما کر امام علیہ السلام نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر پردہ کھینچا اور مخدرات عصمت کو بُلا کر اس میں بٹھا دیا۔ پھر آپ میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ ہاں دعبل! اب میرے جدامجد کا مرثیہ شروع کرو۔ دعبل کہتے ہیں کہ میرا دل بھر آیا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آلِ محمد میں رونے کا کہرام عظیم برپا تھا۔ صاحب در المصائب تحریر فرماتے ہیں کہ دعبل کا مرثیہ سُن کر معصومہ قم جناب فاطمہ ہمشیرہ حضرت امام رضا علیہ السلام اس قدر روئیں کہ آپ کو غش آگیا۔

اِس اجتماعی طریقہ سے ذکرِ حسینی کو مجلس کہتے ہیں۔ اس کا سلسلہ عہد امام رضا میں مدینہ سے شروع ہو کر مرو تک جاری رہا۔ علاّمہ علی نقی لکھتے ہیں۔ کہ اب امام رضا کو تبلیغ حق کے لیے نام حسین کی اشاعت کے کام کو ترقّی دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہو گیا تھا۔ جس کی بنیاد اس کے پہلے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادقؑ قائم کر چکے تھے۔ مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ جب امام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے۔ جو بحیثیت امام یا بحیثیت عالمِ دین آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ اور اب امام رضا علیہ السلام تو امام روحانی بھی ہیں اور ولی عہدِ سلطنت بھی۔ اس لیے آپ کے دربار میں حاضر ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہے۔ مرو کا وہ مقام ہے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے ہر طرف کے لوگ یہاں آتے ہیں اور یہاں یہ عالم کہ ادھر محرم کا چاند نکلا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص کی جانے لگی کہ آلِ محمدؐ کے مصائب کو یاد کرو اور اثراتِ غم کو ظاہر کرو۔ یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری باتیں زندہ کی جاتی ہیں اس کا دل مُردہ نہ ہوگا۔ اس دن کہ جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔ تذکرہ امام حسینؑ کے لیے جو مجمع ہو، اُس کا نام اصطلاحی طور پر "مجالس" اسی امام رضا علیہ السلام کی حدیث سے ہی ماخوذ ہے۔ آپ نے عملی طور پر بھی خود مجلسیں کرنا شروع کردیں جن میں کبھی خود ذاکر ہوئے اور دوسرے سامعین جیسے ریان ابن شبیب کی حاضری کے موقع پر آپ نے مصائب امام حسین علیہ السلام بیان فرمائے اور کبھی عبداللہ بن ثابت یا دعبل خزاعی ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکر امام حسینؑ میں اشعار پڑھو وہ ذاکر ہوا، اور حضرت سامعین میں داخل ہوئے۔ الخ

---

[1] کتاب الاغانی جلد ۷ صفحہ میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک دن سید حمیری کو حکم دیا کہ مرثیہ پڑھو۔ انھوں نے مرثیہ پڑھا۔ امام خود بھی بے حد روئے اور پس پردہ مخدرات نے بھی بے پناہ گریہ کیا۔

خلیفہ ماموں رشید عباسی اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام

حضرت امام رضا علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ۱۸۳ھ میں ہارون رشید عباسی زہر سے شہید کرانے کے بعد ۱۹۳ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کے مرنے کے بعد جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں اس کا بیٹا امین خلیفہ ہوا۔ ہارون چونکہ اپنے بیٹوں میں سلطنت تقسیم کر چکا تھا اور اس کے اصول معین کر چکا تھا۔ اس لیے ایک کے بجائے دو حکمران رشیدی حدود سلطنت پر حکمرانی کرنے لگے۔ امین چونکہ نہایت ہی لغو آدمی تھا، اس لیے اُس نے اپنے وسعتِ اختیار کی وجہ سے ماموں پر جبر و تعدی شروع کر دی بالآخر دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی اور امین چار سال آٹھ ماہ سلطنت کرنے کے بعد ۲۳ محرم الحرام ۱۹۸ھ میں قتل کر دیا گیا۔

امین کے قتل کے بعد بھی ماموں چار سال تک مرو میں رہا۔ سلطنت کا کاروبار تو فضل بن سہیل کے سپرد کر رکھا تھا اور خود عالموں فاضلوں سے جو اس کے دربار میں بھرے رہتے تھے فلسفی مباحثوں میں مصروف رہتا تھا۔ عراق میں فضل کا بھائی حسن بن سہیل گورنر بنایا گیا تھا۔ الجزیرہ میں نصر بن شبث عقیلی نے بغاوت کی اور وہ پانچ سال تک شاہی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ عراق میں بدوؤں، لچوں بدمعاشوں کو بُلا کر حسن بن سہیل کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؑ اور حضرت جعفر طیار کے بعض بلند نظر نونہالوں نے شاید یہ خیال کیا کہ ان کے حقوق واپس ملنے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ جمادی الثانی ۱۹۹ھ مطابق ۸۱۴ء میں ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم المعروف بہ طباطبا بن حسن بن علی بن ابی طالب علوی نے جو مذہب زیدیہ رکھتے تھے، کوفہ میں خروج کیا اور لوگوں کو آلِ رسُول کی بیعت اور متابعت کی دعوت دی۔ ان کی مدد پر بنی شیبان کا معزز سردار، ابوالسرایا سری بن منصور شیبانی جو ہرثمہ کے فوجی سرداروں میں سے تھا، اُٹھ کھڑا ہوا۔ انھوں نے اپنی متفقہ افواج سے حسن کی فوج کو کوفہ کے باہر شکست دے کر تمام جنوبی عراق پہ قبضہ کر لیا۔ فتح کے دوسرے دن محمد بن ابراہیم مرگِ مفاجات سے فوت ہوگئے، ابوالسرایا نے ان کی جگہ محمد بن زید شہید کو امیر بنالیا۔ حسن نے پھر فوج بھیجی۔ ابوالسرایا نے اسے بھی مار کر بھگا دیا۔ اسی دوران میں علوی ہر چہار جانب سے ابوالسرایا کی مدد کو جمع ہوگئے اور جابجا شہروں میں پھیل گئے۔ اور ابوالسرایا نے کوفہ میں امام رضا علیہ السلام کے نام کے درہم و دینار "مسکوک" کرائے اور بصرہ واسط، مدائن کی طرف فوج روانہ کی اور عراق کے بہت سے شہر و قریے فتح کر لیے۔ علویوں کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی۔ انھوں نے عباسیوں کے گھر جو کوفے میں تھے پھونک دیے اور جو عباسی ملا اُسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد موسم حج آیا تو ابوالسرایا نے حسین بن حسن ابن امام زین العابدینؑ کو

جنھیں افطس کہتے ہیں۔ مکّہ کا گورنر مقرر کیا اور ابراہیم بن موسیٰ کاظم کو یمن کا عامل بنایا اور فارس پر اسماعیل بن موسیٰ کاظم کو گورنر کیا۔ اور مدائن کی طرف محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ جانب شرقی سے بغداد پر حملہ کرے۔ اس طرح ابوالسرایا کی سلطنت بہت وسیع ہوگئی۔

فضل بن سہل نے ہرثمہ کو ابوالسرایا کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اور ابوالسرایا نہروان کے قریب شکست کھا کر مارا گیا اور محمد بن محمد بن زید مامون کے پاس مرو بھیج دیئے گئے۔ ابوسرایا کا دور دورہ کُل دس ماہ رہا۔ ابوالسرایا کے قتل ہوجانے کے بعد حجاز میں لوگوں نے محمد بن جعفر صادق کو امیرالمومنین بنایا۔ افطس نے بھی ان کی بیعت کرلی اور یمن میں ابراہیم بن موسیٰ کاظم نے سر اٹھایا۔ اسی طرح ایران کی سرحد سے یمن تک تمام ملک میں خانہ جنگی پھیل گئی۔ ابوالسرایا کے قتل کے بعد ہرثمہ مغرب کے حالات بیان کرنے بادشاہ کی خدمت میں مرو حاضر ہوا، کیوں کہ وزیر ان تمام حالات کو بادشاہ سے مخفی رکھتا تھا۔ حالات بیان کر کے وہ بادشاہ کے پاس سے واپس آرہا تھا کہ وزیر نے راستے میں اسے قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ ۲۰۰ھ ہجری کا ہے۔ ہرثمہ کے قتل کی خبر سُن کر بغداد کے سپاہیوں نے جو اُسے دوست رکھتے تھے۔ بغداد میں بغاوت کر کے حسن بن سہل کو نکال دیا اور منصور بن مہدی کو اپنا گورنر بنالیا۔

مامون کو جب باغیوں کی کثرت اور علویوں کے طلب خلافت میں اُٹھنے کی خبر پہنچی تو گھبرا گیا اور اُس نے یہی مصلحت دیکھی کہ امام علی رضا کو اپنا ولیعہد بنالے چنانچہ اُن کو مدینہ سے بُلا کر ۲ رمضان ۲۰۱ھ ہجری مُطابق ۸۱۶ء کو باوجود ان کے سخت انکار کے اپنا ولی عہد بنالیا۔ اُن سے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی کر دی اور اُن کا نام درہم و دینار میں مسکوک کرایا۔ شاہی وردی سے عباسیوں کا سیاہ رنگ دُور کر کے بنی فاطمہ کا سبز رنگ اختیار کیا۔ (تاریخ اسلام جلد ا صـ ۱۶۱)

اس واقعہ کی تفصیل کثیر کتابوں میں موجود ہے۔ ہم مختصر الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔

مامون رشید کی مجلس مشاورت

حالات سے متاثر ہو کر مامون رشید نے ایک مجلس مشاورت طلب کی جس میں علماء، فضلاء، زعماء اور اُمراء سب ہی کو مدعو کیا۔ جب سب جمع ہوگئے تو اصل راز دل میں رکھتے ہوئے اُن سے یہ کہا کہ چونکہ شہر خراسان میں ہماری طرف سے کوئی حاکم نہیں ہے اور امام رضا سے زیادہ لائق کوئی نہیں ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ امام رضا کو بلا کر یہاں کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دیں، مامون کا مقصد تو یہ تھا کہ ان کو خلیفہ بنا کر علویوں کی بغاوت اور اُن کی چابکدستی کو روک دے۔ لیکن یہ بات اُس نے مجلس مشاورت میں ظاہر نہیں کی۔ بلکہ ملکی ضرورت کا حوالہ دے کر انھیں خراسان کا حاکم بنانا ظاہر کیا، اور لوگوں نے تو اس پر جو بھی رائے دی ہو لیکن حسن بن سہل اور وزیر اعظم فضل بن سہل اس پر راضی نہ ہوئے

اور یہ کہا کہ اس طرح خلافت بنی عباس سے آلِ محمدؐ کی طرف منتقل ہوجائے گی۔ مامون نے کہا کہ میں نے جو کچھ سوچا ہے وہ یہی ہے اور اس پر عمل کروں گا۔ یہ سُن کر وہ لوگ خاموش ہوگئے۔ اتنے میں حضرت علی بن ابی طالب کے ایک معزز صحابی۔ سلیمان بن ابراہیم بن محمد بن داؤد بن قاسم بن حبیب بن عبداللہ بن حبیب بن شبخان بن ارقم، کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے اے مامون رشید "راست می گوئی اما می ترسم کہ تو با حضرت امام رضا۔ ہمان کنی کہ کوفیان با حضرت امام حسین کردند"۔ تو سچ کہتا ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تو کہیں ان کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو کوفیوں نے امام حسینؑ کے ساتھ کیا ہے"۔ مامون رشید نے کہا کہ اے سلیمان تم یہ کیا سوچ رہے ہو، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں ان کی عظمت سے واقف ہوں جو انھیں ستائے گا قیامت میں حضرت رسولِ کریمؐ اور حضرت علیؑ حکیم کو کیونکر منہ دکھائے گا تم مطمئن رہو۔ انشاء اللہ ان کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر بروایت ابومخنف مامون رشید نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھا اور قسم کھا کر کہا کہ میں ہرگز اولادِ پیغمبر پر کوئی ظلم نہ کروں گا۔ اس کے بعد سلیمان نے تمام لوگوں کو قسم دے کر بیعت لے لی۔ پھر انھوں نے ایک بیعت نامہ تیار کیا اور اس پر اہلِ خراسان کے دستخط لیے۔ دستخط کرنے والوں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ بیعت نامہ تیار ہونے کے بعد مامون رشید نے سلیمان کو بیعت نامہ سمیت مدینہ بھیج دیا۔ سلیمان قطع مراحل و طے منازل کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے ملاقات کی، ان کی خدمت میں مامون کا پیغام پہنچایا اور مجلسِ مشاورت کے سارے واقعات بیان کیے۔ اور بیعت نامہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے جونہی اس کو کھولا اور اس کا سرنامہ دیکھا، سرِ مبارک ہلا کر فرمایا کہ یہ میرے لیے کسی طرح مفید نہیں ہے۔ اُس وقت آپ آبدیدہ تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے جدِّ نامدار نے خواب میں نتائج و عواقب سے آگاہ کر دیا ہے، سلیمان نے کہا کہ مولا یہ تو خوشی کا موقع ہے۔ آپ اس درجہ پریشان کیوں ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں اس دعوت میں اپنی موت دیکھ رہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ مولا میں نے سب سے بیعت لے لی ہے کہا درست ہے۔ لیکن جدِ نامدار نے جو فرمایا ہے وہ غلط نہیں ہوسکتا۔ میں مامون کے ہاتھوں شہید کیا جاؤں گا۔

بالآخر آپ پر کچھ دباؤ پڑا کہ آپ مرو خراسان کے لیے عازم ہوگئے۔ جب آپ کے عزیزوں اور وطن والوں کو آپ کی روانگی کا حال معلوم ہوا بے پناہ روئے۔

غرضکہ آپ روانہ ہوگئے، راستے میں ایک چشمۂ آب کے کنارے چند آہوؤں کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں جب اُن کی نظر حضرت پر پڑی سب دوڑ پڑے اور باچشم تر کہنے لگے کہ حضور خراسان نہ جائیں کہ دشمن بہ لباس دوستی آپ کی تاک میں ہے اور ملک الموت استقبال کے لیے تیار ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر موت آنی ہے تو وہ ہر حال میں آئے گی۔ (کنز الانساب ابومخنف ص۸۷ طبع بمبئی ۱۳۰۲ھ)۔

ایک روایت میں ہے کہ مامون رشید نے اپنی غرض کے لیے جب حضرت کو خلیفہ وقت بنانے کے لیے لکھا تو آپ نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے تحریر کیا کہ آپ میری ولی عہدی قبول کیجیے۔ آپ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ جب وہ آپ کی طرف سے مایوس ہو گیا تو اس نے تین سو افراد پر مشتمل فوج بھیج دی اور حکم دے دیا کہ وہ جس حالت میں ہوں اور جہاں کہیں ان کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ اور انھیں اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ کسی سے مل سکیں۔ چنانچہ فوج غالباً فضل بن سہل وزیر اعظم کی قیادت میں مدینہ پہنچی اور امام علیہ السّلام کو مسجد سے گرفتار کر کے مرو خراسان کے لیے روانہ ہو گئی، اتنا موقع نہ دیا کہ امام علیہ السّلام اپنے اہل و عیال سے رخصت ہو لیتے۔

مامون کی طلبی سے قبل امام علیہ السّلام کی روضۂ رسولؐ پر فریاد

ابو مخنف ابن لوط بن یحییٰ خزاعی کا بیان ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد ۱۵ محرم الحرام شب یک شنبہ کو حضرت امام رضا علیہ السّلام نے روضۂ رسولِ خدا پر حاضری دی۔ وہاں مشغولِ عبادت تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولِ کریم بالباس سیاہ تشریف لائے ہیں اور سخت پریشان ہیں۔ امام علیہ السّلام نے سلام کیا۔ حضورؐ نے جواب سلام دے کر فرمایا۔ اے فرزند، میں اور علی فاطمہ حسن حسین سب تمھارے غم میں نالاں و گریاں ہیں اور ہم ہی نہیں فرزندم زین العابدین، محمد باقر، جعفر صادق اور تمھارے پدر موسیٰ کاظم سب غمگین اور رنجیدہ ہیں۔ اے فرزند عنقریب مامون رشید تم کو زہر سے شہید کر دے گا۔ یہ دیکھ کر آپ کی آنکھ کھل گئی، اور آپ زار زار رونے لگے۔ پھر روضۂ مبارک سے باہر آئے۔ ایک جماعت نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کو پریشان دیکھ کر پوچھا کہ مولا اضطراب کی وجہ کیا ہے۔ فرمایا ابھی ابھی جدِ نامدار نے میری شہادت کی خبر دی ہے۔ اے ابوالصلت دشمن مجھے شہید کرنا چاہتے ہیں اور میں خدا پر بھرپور بھروسہ کرتا ہوں جو مرضی معبود ہو وہی میری مرضی ہے اس خواب کے تھوڑے عرصہ کے بعد مامون رشید کا لشکر مدینہ پہنچ گیا اور وہ امام علیہ السّلام کو اپنی سیاسی غرض پوری کرنے کے لیے وہاں سے دارالخلافت "مرو" میں لے آیا۔ (کنز الانساب ص ۹۶)۔

امام رضا علیہ السّلام کی مدینہ سے مرو میں طلبی

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حالات کی روشنی میں مامون نے اپنے مقام پر یہ قطعی فیصلہ اور عزم بالجزم کر لینے کے بعد کہ امام رضا علیہ السّلام کو ولیعہد خلافت بنائے گا۔ اپنے وزیر اعظم فضل بن سہل کو بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ ہماری رائے ہے کہ ہم امام رضا کو ولی عہدی سپرد کر دیں تم خود بھی اس پر سوچ و بچار کرو، اور اپنے بھائی حسن بن سہل سے مشورہ کرو۔ ان دونوں نے آپس میں تبادلہ خیالات کرنے کے بعد مامون کی بارگاہ میں حاضری دی۔ ان کا مقصد تھا کہ مامون

ایسا نہ کرے ورنہ خلافت آلِ عباس سے آلِ محمدؐ میں چلی جائے گی۔ ان لوگوں نے اگرچہ کھل کر مخالفت نہیں کی، لیکن دبے لفظوں میں ناراضگی کا اظہار کیا۔ مامون نے کہا میرا فیصلہ اٹل ہے اور میں تم دونوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم مدینہ جاکر امام رضا کو اپنے ہمراہ لاؤ۔ (حکم حاکم مرگ مفاجات) آخر کار یہ دونو امام رضا کی خدمت میں مقام مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور انھوں نے بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت امام علی رضا نے اس عرضداشت کو مسترد کردیا اور فرمایا کہ میں اس امر کے لیے اپنے کو پیش کرنے سے معذور ہوں۔ لیکن چونکہ بادشاہ کا حکم تھا کہ انھیں ضرور لاؤ اس لیے ان دونوں نے بے انتہا اصرار کیا اور آپ کے ساتھ اس وقت تک لگے رہے جب تک آپ نے مشروط طور پر وعدہ نہیں کرلیا۔ (نورالابصار ص۱۴۱)۔

امام رضا علیہ السّلام کی مدینہ سے روانگی

تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ جب امین قتل ہوا تو مامون سلطنت عباسیہ کا مستقل بادشاہ بن گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت مامون کے پائے نام ہوگئی۔ مگر یہ پہلے کہا جاچکا ہے۔ کہ امین ننہیال کی طرف سے عربی النسل تھا، اور مامون عجمی النسل تھا۔ امین کے قتل ہونے سے عراق کی عرب قوم اور ارکانِ سلطنت کے دل مامون کی طرف سے صاف نہیں ہوسکتے تھے۔ بلکہ وہ ایک غم و غصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے۔ دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرف دار تھی۔ اس سے بھی مامون کو ہر طرح خطرہ لگا ہوا تھا۔ اولاد فاطمہ میں سے بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میں کھڑے ہوتے رہتے تھے وہ خواہ قتل کر دیئے گئے ہوں یا جلاوطن کئے گئے ہوں۔ یا قید رکھے گئے ہوں۔ ان کے موافق ایک جماعت تھی جو اگرچہ حکومت کا کچھ بگاڑ نہ سکتی تھی۔ مگر دل ہی دل میں حکومت بنی عباس سے بیزار ضرور تھی۔ ایران میں ابومسلم خراسانی نے بنی امیہ کے خلاف جو اشتعال پیدا کیا۔ وہ ان مظالم ہی کو یاد دلا کر جو بنی امیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسین علیہ السّلام اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ کئے تھے۔ اس سے ایران میں اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا فطری تھا۔ درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا۔ مگر اتنی مدت میں کچھ نہ کچھ تو ایرانیوں کی آنکھیں بھی کھل گئی ہوں گی کہ ہم سے کہا گیا تھا کیا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کرلیا۔ ممکن ہے ایرانی قوم کے ان رجحانات کا چرچا مامون کے کانوں تک بھی پہنچا ہو۔ اب جس وقت کہ امین کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیں کرسکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقہ سے بغاوت کا اندیشہ تھا، تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کو اپنا بنایا جائے، اور چونکہ طرزِ عمل میں خلوص سمجھا نہیں جاسکتا اور وہ عام طبائع

پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ اگر یہ نمایاں ہو جائے کہ وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ مامون مذہبی حیثیت سے اپنی شیعت نوازی اور ولائے اہل بیت کے چرچے عوام کے حلقوں میں پھیلائے اور یہ دکھلائے کہ وہ انتہائی نیک نیتی پر قائم ہے۔ اب "حق بہ حق دار رسید" کے مقولہ کو سچا بنانا چاہتا ہے۔

اسی سلسلہ میں جناب شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس نے اپنی نذر کی حکایت بھی شائع کی کہ جب امین کا اور میرا مقابلہ تھا، اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہو گئی تھی اور خراسان میں بھی بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا۔ اور اس سخت اور دشوار ماحول میں میں نے خدا سے التجا کی اور منت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں اور میں بام خلافت تک پہنچوں تو اس کو اس کے اصلی حق دار یعنی اولاد فاطمہ میں سے جو اس کا اہل ہے۔ اس تک پہنچا دوں گا۔ اسی نذر کے بعد سے میرے سب کام بننے لگے، اور آخر تمام دشمنوں پر مجھے فتح حاصل ہوئی۔

یقیناً یہ واقعہ مامون کی طرف سے اس لیے بیان کیا گیا کہ اس کا طرز عمل خلوص نیت اور حسن نیت پر مبنی سمجھا جائے، یوں تو اہل بیت کے جو کھلے ہوئے دشمن سخت سے سخت تھے وہ بھی ان کی حقیقت اور فضیلت سے واقف تھے اور ان کی عظمت کو جانتے تھے۔ مگر شیعیت کے معنی صرف یہ جاننا تو نہیں ہیں۔ بلکہ محبت رکھنا اور اطاعت کرنا ہیں اور مامون کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس دعوائے شیعیت اور محبت اہل بیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود خود امام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا، بلکہ امام کو اپنے منشا کے مطابق چلانے کی کوشش تھی۔ ولی عہد بننے کے بارے میں آپ کے اختیارات کو بالکل سلب کر دیا گیا اور آپ کو مجبور بنا دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ولی عہدی کی تفویض بھی ایک حاکمانہ تشدد تھا جو اس وقت شیعیت کے بھیس میں امام کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

امام رضا علیہ السلام کا ولی عہدی کو قبول کرنا بالکل ویسا ہی تھا جیسا ہارون کے حکم سے امام موسیٰ کاظم کا جیل خانہ میں چلا جانا۔ اسی لیے جب امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ کے رنج و صدمہ اور اضطراب کی کوئی حد نہ تھی۔ روضۂ رسول سے رخصت کے وقت آپ کا وہی عالم تھا جو حضرت امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے روانگی کے وقت تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ بے تابانہ روضہ کے اندر جاتے ہیں اور نالہ و آہ کے ساتھ امت کی شکایت کرتے ہیں۔ پھر باہر نکل کر گھر جانے کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر دل نہیں مانتا۔ پھر روضے سے جا کر لپٹ جاتے ہیں۔ یہی صورت کئی مرتبہ ہوئی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت کے قریب گیا تو فرمایا۔ اے

محول! میں اپنے جدِ امجد کے روضہ سے بہ جبر جُدا کیا جا رہا ہوں۔ اب مجھ کو یہاں آنا نصیب نہ ہوگا (سوانح امام رضا جلد ۳ ص۵)۔

محول شیبانی کا بیان ہے کہ جب وہ ناگوار وقت پہنچ گیا کہ حضرت امام علی الرضا علیہ السلام اپنے جدِ بزرگوار کے روضہ اقدس سے ہمیشہ کے لیے وداع ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ بے تابانہ اندر جاتے اور با نالہ و آہ باہر آتے ہیں اور ظلمِ اُمت کی شکایت کرتے ہیں یا باہر آکر گریہ و بکا فرماتے ہیں اور پھر اندر واپس چلے جاتے ہیں۔ آپ نے چند بار ایسا ہی کیا اور مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے حاضر ہوکر عرض کی مولا اضطراب کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اے محول! میں اپنے نانا کے روضہ سے جبراً جُدا کیا جا رہا ہوں۔ مجھے اس کے بعد اب یہاں آنا نصیب نہ ہوگا۔ میں اسی مسافرت اور غریب الوطنی میں شہید کر دیا جاؤں گا، اور ہارون رشید کے مقبرہ میں مدفون ہوں گا۔ اس کے بعد آپ دولت سرا میں تشریف لائے اور سب کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہوں۔ یہ سُن کر گھر میں ایک عظیم کہرام بپا ہو گیا۔ اور سب چھوٹے بڑے رونے لگے، آپ نے سب کو تسلّی دی، اور کچھ دینار اعزا میں تقسیم کر کے راہ سفر اختیار فرمالیا۔ ایک روایت کی بنا پر آپ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں طواف کر کے خانہ کعبہ کو رخصت فرمایا۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام کا نیشاپور میں ورودِ مسعود

رجب ۲۰۰ھ ہجری میں حضرت مدینہ منورہ سے مرو خراسان کی جانب روانہ ہوئے۔ اہل و عیال اور متعلقین سب کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑا۔ اس وقت امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر پانچ برس کی تھی۔ آپ مدینہ ہی میں رہے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت کوفہ اور قم کی سیدھی راہ چھوڑ کر بصرہ اور اہواز کا غیر متعارف راستہ اس خطرہ کے پیشِ نظر اختیار کیا گیا کہ کہیں عقیدت مندانِ امام مزاحمت نہ کریں۔ غرضکہ قطع مراحل اور طے منازل کرتے ہوئے یہ لوگ نیشاپور کے قریب جا پہنچے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب آپ کی مقدس سواری شہر نیشاپور کے قریب پہنچی تو جملہ علماء و فضلا شہر نے بیرونِ شہر حاضر ہوکر آپ کی رسمِ استقبال ادا کی۔ داخلِ شہر ہوئے تو تمام خورد و بزرگ شوقِ زیارت میں اُمنڈ آئے۔ مرکب عالی جب مربعہ شہر (چوک) میں پہنچا، تو ہجوم خلائق سے زمین پر تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ اس وقت حضرت امام علی رضا قاطر اصہبی پر سوار تھے۔ جس کا تمام ساز و سامان نقرئی تھا۔ خچر پر عماری تھی اور اس پر دونوں طرف پردے پڑے ہوئے تھے اور بروایتے چھتری لگی ہوئی تھی۔ اُس وقت امام المحدثین حافظ ابوزرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی آگے آگے اور اُن کے پیچھے اہلِ علم و حدیث کی ایک عظیم جماعت حاضر خدمت ہوئی اور بایں کلمات امام علیہ السّلام کو مخاطب کیا۔ "اے جمیع سادات کے سردار، اے تمام اماموں کے امام، اور

قریہ سناباد میں حضرت کا نزولِ کرم

شہر طوس سے روانہ ہو کر آپ قریہ سناباد پہنچے۔ اور آپ نے محلّہ نوخاں میں قیام فرمایا اور لباس اُتار کر دُھلنے کے لیے دے دیا۔ حمید بن قحطبہ کا بیان ہے کہ آپ کی جیب میں ایک دُعا کنیز نے پائی۔ اُس نے مجھے دیا میں نے اُسے حضرت تک پہنچاتے ہوئے دریافت کیا کہ اس دُعا کا فائدہ کیا ہے۔ فرمایا یہ شریروں کے شر سے حفاظت کا حرز ہے۔ پھر آپ قبہ ہارون میں تشریف لے گئے اور آپ نے قبلہ کی طرف خط کھینچ کر فرمایا کہ میں اس جگہ دفن کیا جاؤں گا اور یہ جگہ میری زیارت گاہ ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے نماز ادا فرمائی اور وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا۔

امام رضا کا دارالخلافہ مرو میں نزول

امام علیہ السّلام طے مراحل اور قطع منازل کرنے کے بعد جب مرو پہنچے جسے سکندر ذوالقرنین نے بروایت معجم البلدان آباد کیا تھا اور جو اُس وقت دارالسلطنت تھا۔ تو مامون نے چند روز ضیافت و تکریم کے مراسم ادا کرنے کے بعد قبول خلافت کا سوال پیش کیا۔ حضرت نے اس سے اسی طرح انکار کیا جس طرح امیر المومنین۔ چوتھے موقعہ پر خلافت پیش کیے جانے کے وقت انکار فرما رہے تھے۔ مامون کو خلافت سے دستبردار ہونا، درحقیقت منظور نہ تھا ورنہ وہ امام کو اسی پر مجبور کرتا۔ چنانچہ جب حضرت نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار فرمایا، تو اس نے ولیعہدی کا سوال پیش کیا۔ حضرت اس کے بھی انجام سے ناواقف نہ تھے۔ نیز بخوشی جابر حکومت کی طرف سے کوئی منصب قبول کرنا آپ کے خاندانی اصُول کے خلاف تھا۔ حضرت نے اس سے بھی انکار فرمایا۔ مگر اس پر مامون کا اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ "لابد من قبولک" اگر آپ اس کو منظور نہیں کر سکتے تو اس وقت آپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جان کا خطرہ قبول کیا جا سکتا ہے جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو۔ ورنہ حفاظتِ جان شریعتِ اسلام کا بُنیادی حکم ہے۔ امام نے فرمایا، یہ ہے تو میں مجبوراً قبول کرتا ہوں۔ مگر کاروبار سلطنت میں بالکل دخل نہ دُوں گا۔ ہاں اگر کسی بات میں مجھ سے مشورہ لیا جائے گا تو نیک مشورہ ضرور دُوں گا۔ اس کے بعد یہ ولی عہدی صرف برائے نام سلطنتِ وقت کے ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی۔ جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک سیاسی مقصد میں کامیابی حاصل کرلی گئی ہو۔ مگر امام کی حیثیت اپنے فرائض کے انجام دینے میں بالکل وہ تھی جو اُن کے پیش رو حضرت علی مرتضیٰؑ اپنے زمانے کے بااقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کر چکے تھے۔ جس طرح اُن کا کبھی کبھی مشورہ دے دینا ان حکومتوں کو صحیح و جائز نہیں بنا سکتا۔ ویسے ہی امام رضا علیہ السلام کا اس نوعیت سے ولیعہدی کا قبول فرمانا اس سلطنت کے جواز کا باعث نہیں ہو سکتا تھا صرف

مامون کی ایک راج ہٹ تھی جو سیاسی غرض کے پیش نظر اس طرح پوری ہوگئی۔ مگر امام نے اپنے دامن کو سلطنتِ ظلم کے اقدامات اور نظم ونسق سے بالکل الگ رکھا۔

تواریخ میں ہے کہ ماموں نے حضرت امام رضا علیہ السّلام سے کہا کہ شرطیں قبول کرلیں اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور بارگاہِ احدیت میں عرض کی پروردگارا تو جانتا ہے کہ اس امر کو میں نے بہ مجبوری و ناچاری اور خوف قتل کی وجہ سے قبول کرلیا ہے۔ خداوندا تو میرے اس فعل پر مجھ سے اسی طرح مواخذہ نہ کرنا جس طرح جناب یُوسُف اور جناب دانیال سے بازپُرس نہیں فرمائی۔ اس کے بعد کہا میرے پالنے والے تیرے عہد کے سوا کوئی عہد نہیں۔ اور تیری عطا کی ہوئی حیثیت کے سوا کوئی عزّت نہیں۔ خدایا تو مجھے اپنے دین پر قائم رہنے کی توفیق عنایت فرما۔ خواجہ محمد پارسا کا کہنا ہے کہ ولیعہدی کے وقت آپ رو رہے تھے۔ ملا حسین لکھتے ہیں کہ ماموں کی طرف سے اصرار اور حضرت کی طرف سے انکار کا سلسلہ دو ماہ جاری رہا۔ اس کے بعد ولی عہدی قبُول کی گئی۔

جلسہ ولیعہدی کا انعقاد

یکم رمضان ۲۰۱ھ ہجری بروز پنجشنبہ جلسہ ولیعہدی منعقد ہوا۔ بڑی شان وشوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ یہ تقریب عمل میں لائی گئی۔ سب سے پہلے ماموں نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے بیعت کی، پھر اور لوگ بیعت سے شرفیاب ہُوئے۔ سونے اور چاندی کے سکے سرِ مُبارک پر نثار کئے گئے اور تمام ارکانِ سلطنت اور ملازمین کو انعامات تقسیم ہُوئے۔ ماموں نے حکم دیا کہ حضرت کے نام کا سکہ تیار کیا جائے۔ چنانچہ درہم و دینار پر حضرت کے نام کا نقش ہوا، اور تمام قلمرو میں وہ سکہ چلایا گیا۔ جمعہ کے خطبہ میں حضرت کا نام نامی داخل کیا گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت کے نامِ مبارک کا سکہ عقیدت مندوں کے لیے تبرک اور ضمانت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس سکہ کو سفر وحضر میں حرزِ جان کے لیے ساتھ رکھنا یقینی امر تھا صاحب جنات الخلود نے بحر و بر کے سفر میں تحفظ کے لیے آپ کے توسل کا ذکر کیا ہے۔ اسی کی یادگار میں بطور ضمانت بعقیدہ تحفظ ہم اب بھی سفر میں بازو پر امام ضامن ثامن کا پیسہ باندھتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ۳۳ ہزار عباسی مرد و زن وغیرہ کی موجودگی میں آپ کو ولیعہد خلافت بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت امام علی رضا کے لیے بیعت لی اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا گیا۔ جو سادات کا امتیازی لباس تھا۔ فوج کی وردی بھی بدل دی گئی۔ تمام ملک میں احکامِ شاہی نافذ ہُوئے کہ ماموں کے بعد علی رضا تخت وتاج کے مالک ہیں اور اُن کا لقب ہے "الرضا من آلِ محمّد" حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا۔ کہ

اُن کے لیے بیعت عام لی جائے اور عموماً اہلِ فوج و عمائدین بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے اور سبز
کلاہ و قبا میں استعمال کریں۔

علامہ شریف جرجانی نے لکھا ہے کہ قبول ولیعہدی کے متعلق جو تحریر یہ حضرت امام علی رضا
علیہ السلام نے مامون کو لکھی۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ "چونکہ مامون نے ہمارے ان حقوق کو تسلیم کر
لیا ہے جن کو اُن کے آباؤ اجداد نے نہیں پہچانا تھا۔ لہٰذا میں نے اس کی درخواست ولی عہدی
قبول کرلی۔ اگرچہ جفر و جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام کو نہ پہنچے گا۔"

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ قبول ولیعہدی کے سلسلہ میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا تھا۔ اس پر گواہ
کی حیثیت سے فضل بن سہل سہل بن فضل یحییٰ بن اکثم۔ عبداللہ ابن طاہر۔ ثمامہ بن اشرس۔
بشر بن معتمر۔ حماد بن نعمان وغیرہم کے دستخط تھے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السلام
نے اس جلسہ ولیعہدی میں اپنے مخصوص عقیدت مندوں کو قریب بلا کر کان میں فرمایا تھا کہ
اس تقریب پر دل میں خوشی کو جگہ نہ دو۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص ۱۲۲۔ مطالب السؤل ص ۲۸۲۔
نورالابصار ص ۱۴۲۔ اعلام الوریٰ ص ۱۹۳۔ کشف الغمہ ص ۱۱۲۔ جنات الخلود ص ۳۱۔ المامون ص ۸۲
وسیلۃ النجات ص ۳۷۹۔ ارجح المطالب ص ۴۵۴۔ مسند امام رضا ص ۷۔ تاریخ طبری۔ شرح مواقف۔
تاریخ آئمہ ص ۴۷۲۔ تاریخ احمدی ص ۳۵۴۔ شواہد النبوت، ینابیع المودۃ، فصل الخطاب، حلیۃ الاولیا
روضۃ الصفا۔ عیون اخبار رضا۔ دمعہ ساکبہ، سوانح امام رضا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا دشمنوں پر اثر

تاریخ اسلام میں ہے کہ امام رضا کی ولی عہدی کی خبر سن کر بغداد کے عباسی یہ خیال کر کے کہ
خلافت ہمارے خاندان سے نکل چکی کمالِ دل سوختہ ہوئے۔ اور انھوں نے ابراہیم بن مہدی کو بغداد
کے تخت پر بٹھا دیا اور محرم ۲۰۲ھ میں مامون کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ بغداد اور اس کے نواح
میں بالکل بدنظمی پھیل گئی۔ لُچے غنڈے دن دہاڑے لوٹ مار کرنے لگے۔ جنوبی عراق اور حجاز
میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی۔ فضل وزیر اعظم سب خبروں کو بادشاہ سے
پوشیدہ رکھتا تھا۔ مگر امام رضا علیہ السلام نے اسے خبردار کر دیا۔ بادشاہ وزیر کی طرف سے بدظن ہو گیا
مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرخس میں پہنچ کر اس نے
فضل بن سہل وزیر سلطنت کو حمام میں قتل کرا دیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۹۱) شمس العلماء شبلی نعمانی
حضرت امام رضا کی بیعت ولیعہدی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس انوکھے حکم نے بغداد میں
ایک قیامت انگیز ہلچل مچا دی اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ بعضوں نے (سبز رنگ

وغیرہ کے اختیار کرنے کے حکم کی بہ جبر تعمیل کی۔ مگر عام صدا یہی تھی کہ خلافت خاندان عباس کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتی (المامون ص۸۲)۔

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام جب ولی عہد خلافت مقرر کیے جانے لگے۔ مامون کے حاشیہ نشین سخت بدظن اور دل تنگ ہو گئے اور اُن پر یہ خوف چھا گیا کہ اب خلافت بنی عباس سے نکل کر بنی فاطمہ کی طرف چلی جائے گی۔ اور اسی تصور نے انھیں حضرت امام رضا علیہ السلام سے سخت متنفر کر دیا۔ (نورالابصار ص۱۴۳)۔

واقعہ حجاب

مورخین لکھتے ہیں کہ اس واقعہ ولیعہدی سے لوگوں میں اس درجہ بغض و حسد اور کینہ پیدا ہو گیا کہ وہ لوگ معمولی معمولی باتوں پر اس کا مظاہرہ کر دیتے تھے۔ علامہ شبلنجی اور علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا ولیعہدی کے بعد یہ اصول تھا کہ آپ مامون سے اکثر ملنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ہوتا یہ تھا کہ جب آپ دہلیز کے قریب پہنچتے تھے تو تمام دربان اور خدام آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور سلام کر کے پردہ در اُٹھایا کرتے تھے۔ ایک دن سب نے مل کر طے کر لیا کہ کوئی پردہ نہ اُٹھائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب امام علیہ السلام تشریف لائے تو حجاب نے پردہ نہ اُٹھایا۔ مطلب یہ تھا کہ اس سے امام کی توہین ہو گی، لیکن اللہ کے ولی کو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ جب ایسا موقعہ آیا تو ایک تُند ہوا نے پردہ اُٹھایا اور امام داخلِ دربار ہو گئے۔ پھر جب آپ واپس تشریف لائے تو ہوا نے بدستور پردہ اُٹھانے میں سبقت کی۔ اسی طرح کئی دن تک ہوتا رہا۔ بالآخر وہ سب کے سب شرمندہ ہو گئے۔ اور امام علیہ السلام کی خدمت مثل سابق کرنے لگے۔ (نورالابصار ص۱۴۳ مطالب السؤل ص۲۸۲ شواہد النبوت ص۱۹۷)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام اور نمازِ عید

ولی عہدی کو ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ عید کا موقع آ گیا۔ مامون نے حضرت سے کہلا بھیجا کہ آپ سواری پر جا کر لوگوں کو نمازِ عید پڑھائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی تم سے شرط کر لی ہے کہ بادشاہت اور حکومت کے کسی کام میں حصہ نہیں لوں گا اور نہ اس کے قریب جاؤں گا اس وجہ سے تم مجھ کو اس نمازِ عید سے بھی معاف رکھو۔ مگر مامون نے بہت اصرار و الحاح کیا حضرت نے فرمایا، اگر تم معاف کر دو تو بہتر ہے۔ ورنہ میں نمازِ عید کے لیے اسی طرح جاؤں گا جس طرح میرے جدِ امجد حضرت محمد رسول اللہ صلعم تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مامون نے کہا آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں جائیں۔ اس کے بعد اس نے سواروں اور پیادوں کو حکم دیا کہ حضرت کے دروازے

پہ حاضر ہوں۔

جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو لوگ عید کے روز سڑکوں اور چھتوں پر حضرت کی سواری کی شان دیکھنے کو جمع ہو گئے، ایک بھیڑ لگ گئی۔ عورتوں اور لڑکوں سب کو آرزو تھی کہ حضرت کی زیارت کریں۔ اور آفتاب نکلنے کے بعد حضرت نے غسل کیا اور کپڑے بدلے، سفید عمامہ سر پر باندھا، عطر لگایا اور عصا ہاتھ میں لے کر عید گاہ جانے پر آمادہ ہوئے اس کے بعد نوکروں اور غلاموں کو حکم دیا کہ تم بھی غسل کر کے کپڑے بدل لو۔ اور اسی طرح پیدل چلو۔ اس انتظام کے بعد حضرت گھر سے باہر نکلے۔ پائجامہ آدھی پنڈلی تک اٹھالیا۔ کپڑوں کو سمیٹ لیا، ننگے پاؤں ہو گئے اور پھر دو تین قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ حضرت کے ساتھ نوکروں، غلاموں اور فوج کے سپاہیوں نے بھی تکبیر کہی۔ راوی کا بیان ہے کہ جب امام رضا علیہ السلام تکبیر کہتے تھے تو ہم لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار اور زمین و آسمان سے حضرت کی تکبیر کا جواب سنائی دیتا ہے۔ اس ہیبت کو دیکھ کر یہ حالت ہوئی کہ سب لوگ اور خود لشکر والے زمین پر گر پڑے۔ سب کی حالت بدل گئی۔ لوگوں نے چھریوں سے اپنی جوتیوں کے کل تسمے کاٹ دیئے، اور جلدی جلدی جوتیاں پھینک کر ننگے پاؤں ہو گئے۔ شہر بھر کے لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ ایک کہرام بپا ہو گیا، اس کی خبر مامون کو بھی ہو گئی۔ اس کے وزیر فضل بن سہل نے اس سے کہا کہ اگر امام رضا اسی حالت سے عید گاہ تک پہنچ جائیں گے تو معلوم نہیں کیا فتنہ اور ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ سب لوگ ان کی طرف ہو جائیں گے اور ہم نہیں جانتے کہ ہم لوگ کیسے بچیں گے۔ وزیر کی اس تقریر پر متنبہ ہو کر مامون نے اپنے پاس سے ایک شخص کو حضرت کی خدمت میں بھیج کر کہلا بھیجا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ جو آپ سے عید گاہ جانے کے لیے کہا۔ اس سے آپ کو زحمت ہو رہی ہے اور میں آپ کی مشقت کو پسند نہیں کرتا۔ بہتر ہے کہ آپ واپس چلے آئیں۔ اور عید گاہ جانے کی زحمت نہ فرمائیں۔ پہلے جو شخص نماز پڑھاتا تھا وہ پڑھائے گا۔ یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام واپس تشریف لائے اور نماز عید نہ پڑھا سکے (وسیلۃ النجات ص۳۸۲ مطالب السؤل ص۲۸۲ و اصول کافی) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں، فرجع علی الرضا الی بیتہ ورکب المامون فصلی بالناس کہ امام رضا علیہ السلام دولت سرا کو واپس تشریف لائے اور مامون نے جا کر نماز پڑھائی۔ (نور الابصار ص۱۴۳)۔

حضرت امام رضا کی مدح سرائی اور دعبل خزاعی اور ابو نواس

عرب کے مشہور شاعر جناب دعبل خزاعی کا نام ابو علی دعبل ابن علی بن زرین ہے۔ آپ

۱۴۸ھ میں پیدا ہوکر ۲۴۵ھ میں بمقام شوش وفات پاگئے (رجال کشی طبع بمبئی ۲۴)۔ اور ابونواس کا پورا نام ابوعلی حسن بن ہانی ابن عبدالاول اہوازی بصری بغدادی ہے۔ یہ ۱۳۶ھ میں پیدا ہوکر ۱۹۶ھ میں فوت ہوئے دعبل آلِ محمدؐ کے مداحِ خاص تھے۔ اور ابونواس ہارون رشید امین و مامون کا ندیم تھا۔

دعبل خزاعی کے بے شمار اشعار مدح آلِ محمد میں موجود ہیں۔ علامہ شبلنجی تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت امام رضا علیہ السّلام ولی عہدِ سلطنت تھے۔ دعبل خزاعی ایک دن دارالسلطنت مرو میں آپ سے ملے اور انھوں نے کہا کہ حضور میں نے آپ کی مدح میں ۱۲۰ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میں اسے سب سے پہلے حضور ہی کو سناؤں۔ حضرت نے فرمایا بہتر ہے، پڑھو۔

دعبل خزاعی نے اشعار پڑھنا شروع کیا۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

ذکرت محل الربع من عرفات

فاجریت دمع العین بالعبرات

جب دعبل قصیدہ پڑھ چکے تو امام علیہ السّلام نے ایک سو اشرفی کی تھیلی انھیں عطا فرمائی۔ دعبل نے شکریہ ادا کرنے کے بعد اسے واپس کرتے ہوئے کہا کہ مولا میں نے یہ قصیدہ قربۃ الی اللہ کہا ہے میں کوئی عطیہ نہیں چاہتا۔ خدا نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔ البتہ حضور اگر مجھے جسم سے اترے ہوئے کپڑے سے کچھ عنایت فرمادیں، تو وہ میری عین خواہش کے مطابق ہوگا۔ آپ نے ایک جُبّہ عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ اس رقم کو بھی لے لو۔ یہ تمھارے کام آئے گی۔ دعبل نے اسے لے لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد دعبل مرو سے عراق جانے والے قافلے کے ساتھ ہوکر روانہ ہوئے۔ راستہ میں چوروں نے اور ڈاکوؤں نے حملہ کرکے سب کا سب کچھ لوٹ لیا اور چند آدمیوں کو گرفتار بھی کرلیا۔ جن میں دعبل بھی تھے۔ ڈاکوؤں نے مال تقسیم کرتے وقت دعبل کا ایک شعر پڑھا۔ دعبل نے پوچھا یہ کس کا شعر ہے۔ انھوں نے کہا کسی کا ہوگا۔ دعبل نے کہا یہ میرا شعر ہے۔ اس کے بعد انھوں نے سارا قصیدہ سنا دیا۔ ان لوگوں نے دعبل کے صدقہ میں سب کو چھوڑ دیا اور سب کا مال واپس کردیا۔ یہاں تک کہ یہ نوبت آئی کہ ان لوگوں نے واقعہ سن کر امام رضا کا دیا ہوا جُبّہ خریدنا چاہا، اور اس کی قیمت ایک ہزار دینار لگا دی۔ دعبل نے جواب دیا کہ یہ میں نے بطور تبرک اپنے پاس رکھا ہے۔ اسے فروخت نہ کروں گا۔ بالآخر بار بار گرفتار ہونے کے بعد انھوں نے اسے ایک ہزار اشرفی پر فروخت کردیا۔ علامہ شبلنجی بحوالہ ابوالصلت ہروی لکھتے ہیں کہ دعبل نے جب امام رضا کے سامنے یہ قصیدہ پڑھا تھا تو آپ رو رہے تھے اور آپ نے دو بیتوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ اشعار الہامی ہیں۔ (نورالابصار ص ۱۳۸) علامہ عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا

علیہ السّلام نے قصیدہ سُنتے ہوئے نفس زکیہ کے تذکرہ پر فرمایا کہ اے دعبل اس جگہ ایک شعر کا اور اضافہ کرو، تاکہ تمہارا قصیدہ مکمل ہو جائے۔ انھوں نے عرض کی مولا فرمائیے۔ ارشاد ہوا۔

وقبر بطوس نالها من مصيبة
الحت على الا حشاء بالزفرات

دعبل نے گھبرا کے پُوچھا مولا، یہ کس کی قبر ہو گی، جس کا حضوُر نے حوالہ دیا ہے۔ فرمایا اے دعبل یہ قبر میری ہو گی۔ اور میں عنقریب اس عالمِ غربت میں جب کہ میرے اعزا و اقربا بال بچے مدینہ میں ہیں شہید کر دیا جاؤں گا۔ اور میری قبر یہیں بنے گی۔ اے دعبل جو میری زیارت کو آئے گا۔ جنّت میں میرے ہمراہ ہوگا۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۹) دعبل کا یہ مشہور قصیدہ مجالس المومنین ص ۴۶۹ میں مکمل منقول ہے۔ البتہ اس کا مطلع بدلا ہوا ہے۔ علامہ شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ دعبل نے ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کا نام تھا "طبقات الشعراء" (سفینۃ البحار جلد ا ص ۲۴۱)

ابونواس کے متعلق علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ ایک دن اس کے دوستوں نے اس سے کہا کہ تم اکثر اشعار کہتے ہو اور پھر مدح بھی کیا کرتے ہو۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ تم نے حضرت امام رضا علیہ السّلام کی مدح میں اب تک کوئی شعر نہیں کہا۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت کی جلالتِ قدر ہی نے مجھے مدح سرائی سے روکا ہے۔ میری ہمت نہیں پڑتی کہ آپ کی مدح کروں۔ یہ کہہ کر اُس نے چند اشعار پڑھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمدہ کلام کے ہر رنگ اور مذاق کے اشعار سب لوگوں سے اچھے تم ہی کہتے ہو، بلکہ اچھے اشعار میں تمہارے مدحیہ قصیدے ایسے ہوتے ہیں جن سے سُننے والوں کے سامنے موتی جھڑتے ہیں۔ پھر تم نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے بیٹے حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کی مدح اور حضرت کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ کیوں نہیں لکھا؟ تو میں نے سب کے جواب میں کہہ دیا کہ بھائیو جن جلیل الشان امام کے آبائے کرام کے خادم جبرئیل ایسے فرشتے ہوں۔ ان کی مدح کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہے۔

"اس کے بعد اُس نے چند اشعار آپ کی مدح میں لکھے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

یہ حضرات آئمہ طاہرین خدا کے پاک و پاکیزہ کئے ہوئے ہیں اور ان کا لباس بھی طیب و طاہر ہے۔ جہاں بھی اُن کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں اُن پر دُرود کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے۔ جب حسب و نسب بیان ہوتے وقت کوئی شخص علوی خاندان کا نہ نکلے، تو اُس کو ابتدائے زمانہ سے کوئی فخر کی بات نہیں ملے گی۔ جب خدا نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پھر اس کو ہر طرح استوار کیا اور سنوارا تو اُسی خدا کے برگزیدہ حضرات آپ لوگوں کو خدا نے سب سے زیادہ شریف بھی قرار دیا اور سب پر فضیلت بھی

دی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ آپ حضرات ہی ملأ اعلیٰ ہیں اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید کا علم اور سورتوں کے مطالب و مفاہیم ہیں" (وفیات الاعیان جلد ۱ ص۳۲۲ و نورالابصار ص۱۳۸ طبع مصر)۔

مذاہب عالم کے علما سے حضرت امام رضا کے علمی مناظرے

مامون رشید کو خود بھی علمی ذوق تھا۔ اس نے ولی عہدی کے مرحلہ کو طے کرنے کے بعد حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کافی استفادہ کیا پھر اپنے ذوق کے تقاضے پر اس نے مذاہب عالم کے علماء کو دعوت مناظرہ دی اور ہر طرف سے علماء کو طلب کر کے حضرت امام رضا علیہ السلام سے مقابلہ کرایا عہد مامون میں امام علیہ السلام سے جس قدر مناظرے ہوئے ہیں ان کی تفصیل اکثر کتب میں موجود ہے اس سلسلہ میں احتجاج طبرسی، بحار، دمعہ ساکبہ وغیرہ جیسی کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں، میں اختصار کے پیش نظر صرف دو چار مناظرے لکھتا ہوں۔

عالم نصاریٰ سے مناظرہ

مامون رشید کے عہد میں نصاریٰ کا ایک بہت بڑا عالم و مناظر شہرت عامہ رکھتا تھا جس کا نام "جاثلیق" تھا۔ اس کی عادت تھی کہ متکلمین اسلام سے کہا کرتا تھا کہ ہم تم دونوں نبوت عیسیٰ اور ان کی کتاب پر متفق ہیں اور اس بات پر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اختلاف ہے تو صرف نبوت محمد مصطفےٰ صلعم میں ہے۔ تم ان کی نبوت کا اعتقاد رکھتے ہو۔ اور ہمیں انکار ہے۔ پھر ہم تم ان کی وفات پر متفق ہو گئے ہیں۔ اب ایسی صورت میں کونسی دلیل تمہارے پاس باقی ہے جو ہمارے لیے حجت قرار پائے۔ یہ کلام سن کر اکثر مناظر خاموش ہو جایا کرتے تھے۔ مامون رشید کے اشارے پر ایک دن وہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے بھی ہم کلام ہوا۔ موقع مناظرہ میں اس نے مذکورہ سوال دھراتے ہوئے کہا کہ پہلے آپ یہ فرمائیں کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت اور ان کی کتاب دونوں پر آپ کا ایمان و اعتقاد ہے یا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، میں اس عیسیٰ کی نبوت کا یقیناً اعتقاد رکھتا ہوں جس نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی نبوت کی اپنے حواریین کو بشارت دی ہے۔ اور اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جس میں یہ بشارت درج ہے جو عیسائی اس کے معترف نہیں اور جو کتاب اس کی شارح اور مصدق نہیں اس پر میرا ایمان نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر جاثلیق خاموش ہو گیا۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے جاثلیق ہم اس عیسیٰ کو جس نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی، نبی برحق جانتے ہیں۔ مگر تم ان کی تنقیص کرتے ہو، اور کہتے ہو کہ وہ نماز روزہ کے پابند نہ تھے۔ جاثلیق نے کہا کہ ہم تو یہ نہیں کہتے وہ تو ہمیشہ قائم اللیل اور صائم النہار رہا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا عیسیٰ تو بنا بر اعتقاد نصاریٰ خود معاذ اللہ خدا تھے۔

تو یہ روزہ اور نماز کس کے لیے کرتے تھے۔ یہ سُن کر جاثلیق مبہوت ہوگیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ البتہ یہ کہنے لگا کہ جو مُردوں کو زندہ کرے۔ جذامی کو شفا دے۔ نابینا کو بینا بنائے اور پانی پر چلے کیا وہ اس کا سزاوار نہیں کہ اُس کی پرستش کی جائے اور اُسے معبود سمجھا جائے۔ آپ نے فرمایا الیسع بھی پانی پر چلتے تھے۔ اندھے کوڑھی کو شفا دیتے تھے۔ اسی طرح حزقیل پیغمبر نے ۳۵ ہزار انسانوں کو ساٹھ برس کے بعد زندہ کیا تھا۔ قوم اسرائیل کے بہت سے لوگ طاعون کے خوف سے اپنے گھر چھوڑ کر باہر چلے گئے تھے۔ حق تعالیٰ نے ایک ساعت میں سب کو مار دیا۔ بہت دنوں کے بعد ایک نبی استخوان ہائے بوسیدہ پر گزرے تو خداوند تعالیٰ نے اُن پر وحی نازل کی کہ انھیں آواز دو۔ اُنھوں نے کہا اے عظام بالیہ (استخوان مُردہ) اُٹھ کھڑے ہو۔ وہ سب بحکم خدا اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے پرندوں کو زندہ کرنے اور حضرت موسیٰؑ کے کوہ طور پر لے جانے اور رسُولِ خُدا کے احیائے اموات فرمانے کا حوالہ دے کر فرمایا کہ ان چیزوں پر تورات و انجیل اور قرآن مجید کی شہادت موجود ہے۔ اگر مُردوں کو زندہ کرنے سے انسان خدا ہوسکتا ہے، تو یہ سب انبیاء بھی خدا ہونے کے مستحق ہیں۔ یہ سُن کر وہ چُپ ہوگیا اور اُس نے اسلام قبول کرنے کے سوا اور چارہ نہ دیکھا۔

عالمِ یہود سے مناظرہ

علمائے یہود میں سے ایک عالم جس کا نام "راس الجالوت" تھا کو اپنے علم پر بڑا غرور اور تکبر و ناز تھا، وہ کسی کو بھی اپنی نظر میں نہ لاتا تھا۔ ایک دن اس کا مناظرہ اور مباحثہ فرزند رسول حضرت امام رضا علیہ السّلام سے ہوگیا آپ سے گفتگو کے بعد اس نے اپنے علم کی حقیقت جانی اور سمجھا کہ میں خود فریبی میں مبتلا ہوں۔

امام علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اس نے اپنے خیال کے مُطابق بہت سخت سوالات کیے۔ جن کے تسلی بخش اور اطمینان آفرین جوابات سے بہرہ ور ہوا۔ جب وہ سوالات کر چکا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے راس الجالوت! تم تورات کی اس عبارت کا کیا مطلب سمجھتے ہو کہ "آیا نور سینا سے اور روشن ہوا جبل ساعیر سے اور ظاہر ہوا کوہ فاران سے"۔ اس نے کہا کہ اسے ہم نے پڑھا ضرور ہے۔ لیکن اس کی تشریح سے واقف نہیں ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ نوُر سے وحی مُراد ہے۔ طورسینا سے وہ پہاڑ مراد ہے جس پر حضرت مُوسیٰ خدا سے کلام کرتے تھے۔ جبل ساعیر سے محل و مقام عیسیٰ علیہ السّلام مراد ہے۔ کوہ فاران سے جبل مکہ مراد ہے جو شہر سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پھر فرمایا تم نے حضرت موسیٰ کی یہ وصیت دیکھی ہے کہ تمھارے پاس بنی اخوان سے ایک نبی آئے گا۔ اس کی بات ماننا اور اس کے قول کی تصدیق کرنا۔ اس نے کہا ہاں دیکھی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ بنی اخوان سے کون مراد ہے۔ اُس نے کہا

معلوم نہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ اولادِ اسمٰعیل ہیں، کیوں کہ وہ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے مورثِ اعلیٰ حضرت اسحاق بن ابراہیمؑ کے بھائی ہیں اور انھیں سے حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

اس کے بعد جبل فاران والی بشارت کی تشریح فرماکر کہا کہ شعیا نبی کا قول توریت میں مذکور ہے کہ میں نے دو سوار دیکھے کہ جن کے پرتو سے دُنیا روشن ہوگئی، ان میں ایک گدھے پر سواری کئے تھا اور ایک اُونٹ پر۔ اے راس الجالوت تم بتلا سکتے ہو کہ اس سے کون مراد ہے؟ اس نے انکار کیا، آپ نے فرمایا کہ راکب الحمار سے حضرت عیسیٰ اور راکب الجمل سے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم مراد ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ تم حضرت حبقوق نبی کے اُس قول سے واقف ہو کہ خدا اپنا بیان جبل فاران سے لایا اور تمام آسمان حمدِ الٰہی کی آوازوں سے بھر گئے اس کی اُمّت اور اسکے لشکر کے سوار خشکی اور تری میں جنگ کرینگے ان پر ایک کتاب آئے گی اور سب کچھ بیت المقدس کی خرابی کے بعد ہوگا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ تمھارے پاس حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نبوت کی کیا دلیل ہے۔ اس نے کہا کہ اُن سے وہ اُمور ظاہر ہوئے، جو ان سے پہلے کے انبیاء پر نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً دریائے نیل کا شگافتہ ہونا، عصا کا سانپ بن جانا، ایک پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہونا۔ اور یدِ بیضا وغیرہ آپ نے فرمایا کہ جو بھی اس قسم کے معجزات کو ظاہر کرے اور نبوت کا مدعی ہو، اس کی تصدیق کرنی چاہیئے۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ کہا اس لیے کہ موسیٰ کو جو قربت یا منزلت حق تعالیٰ کے نزدیک تھی وہ کسی کو نہیں ہوئی۔ لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ جب تک کوئی شخص بعینہٖ وہی معجزات و کرامات نہ دکھلائے ہم اس کی نبوت کا اقرار نہ کریں۔ ارشاد فرمایا کہ تم موسیٰؑ سے پہلے انبیاء مرسلین کی نبوت کا کس طرح اقرار کرتے ہو۔ حالانکہ انھوں نے نہ کوئی دریا شگافتہ کیا، نہ کسی پتھر سے چشمے نکالے۔ نہ اُن کا ہاتھ روشن ہُوا۔ اور نہ اُن کا عصا اژدہا بنا۔ راس الجالوت نے کہا کہ جب ایسے امور و علامات خاص طور سے ان سے ظاہر ہوں۔ جن کے اظہار سے عموماً تمام خلائق عاجز ہو، تو وہ اگرچہ بعینہٖ ایسے معجزات ہوں یا نہ ہوں۔ ان کی تصدیق ہم پر واجب ہوجائے گی۔ حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بھی مُردوں کو زندہ کرتے۔ کور مادر زاد کو بینا بناتے۔ مبروص کو شفا دیتے۔ مٹی کی چڑیا بنا کر ہوا میں اُڑاتے تھے۔ وہ یہ امور ہیں جن سے عام لوگ عاجز ہیں۔ پھر تم ان کو پیغمبر کیوں نہیں مانتے؟

راس الجالوت نے کہا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں، مگر ہم نے ان کو ایسا کرتے دیکھا نہیں ہے فرمایا تو کیا آیات و معجزات موسیٰ کو تم نے بچشمِ خود دیکھا ہے۔ آخر وہ بھی تو معتبر لوگوں کی زبانی سُنا ہی ہوگا

ویسا ہی اگر عیسیٰ کے معجزات ثقہ اور معتبر لوگوں سے سُنو، تو تم کو اُن کی نبوت پر ایمان لانا چاہیے اور بالکل اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت و رسالت کا اقرار آیات و معجزات کی روشنی میں کرنا چاہیے۔ سُنو اُن کا ایک عظیم معجزہ قرآن مجید ہے جس کی فصاحت و بلاغت کا جواب قیامت تک نہیں دیا جا سکے گا۔ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گیا۔

عالم مجوس سے مناظرہ

مجوسی یعنی آتش پرست کا ایک مشہور عالم ہربذ اکبر حضرت امام رضا علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی گفتگو کرنے لگا۔ آپ نے اس کے سوالات کے مکمل جوابات عنایت فرمائے۔ اس کے بعد اس سے سوال کیا کہ تمھارے پاس زرتشت کی نبوت کی کیا دلیل ہے۔ اس نے کہا کہ انھوں نے ہماری ایسی چیزوں کی طرف رہبری فرمائی ہے۔ جس کے طرف پہلے کسی نے رہنمائی نہیں کی تھی۔ ہمارے اسلاف کہا کرتے تھے کہ زرتشت نے ہمارے لیے وہ امور مباح کیے ہیں کہ اُن سے پہلے کسی نے نہیں کیے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اس امر میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی نبی اور رسُول کے فضائل و کمالات تم پر روشن کرے اور تم اس کے ماننے میں پس و پیش کرو۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم نے معتبر لوگوں سے سُن کر زرتشت کی نبوت مان لی۔ اسی طرح معتبر لوگوں سے سُن کر انبیاء اور رسل کی نبوت کے ماننے میں تمھیں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گیا۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام اور عصمت انبیاء علیہم السّلام

انبیاء کرام، دوازدہ امام اور جناب مریم و حضرت فاطمہؑ کی عصمت کا اعتقاد مسلمات سے ہے لیکن بدقسمتی سے بعض مسلمان جوان کی حیثیت کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے۔ وہ اس میں کلام کرتے ہیں۔ اس لیے یہ بحث خاص اہمیت کا مالک بن گیا ہے اور علماء نے اس پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب تنزیہہ الانبیاء۔ احتجاج طبرسی۔ بحار الانوار شرح تجرید وغیرہا دیکھنے کے قابل ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السّلام جو خود اپنے آباؤ اجداد اور ابناء و احفاد کی طرح معصوم تھے۔ ان سے جب اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب نہایت خوب صورت طریقے پر دے کر مخاطب کو مطمئن فرما دیا۔ علی بن جہم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مامون رشید نے حضرت امام رضا علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ جب خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السّلام کے لیے واضح طور پر فرما دیا "فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ" کہ آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور وہ بہک گئے، تو پھر وہ معصوم کہاں رہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کا حکم تھا۔ کہ اے آدم تم دونوں بہشت میں رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو۔ ولاتقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا

من الظالمین "۔ لیکن اس درخت کے نزدیک نہ جانا، ورنہ اپنا خود بگاڑو گے۔ یعنی اُن سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس شجر اور اس کے جنس دیگر سے بھی نہ کھانا اور اُنھوں نے اس درخت ممنوعہ سے کھایا بھی نہیں، مگر شیطان کے وسوسے سے ایک اور ویسے ہی درخت سے کھا لیا۔ کیونکہ شیطان نے ان سے کہا کہ خداوند تعالیٰ نے تم کو خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے۔ اس قسم کے اور درختوں سے ممانعت نہیں فرمائی اور اس کے پاس جانے سے بھی ممانعت نہیں فرمائی کھانے کا ذکر ارشاد خداوندی میں موجود نہیں۔ پھر شیطان نے ان سے قسم کھائی۔ کہ میں تمھارا ناصح مشفق ہوں حضرت آدم و حوّا نے اس سے پہلے کسی کو جھوٹی قسم کھاتے نہیں سُنا تھا۔ اُن کو دھوکا ہو گیا اور اس کی قسم پر اعتبار کر کے اس کے مُرتکب ہو گئے اور یہ اضطراب بھی ان حضرت سے قبل نبوت ہوا، اور گناہ کبیرہ نہ تھا۔ جس سے مستحق دخول جہنّم ہوتے۔ یہ صرف صغائر موہوبہ سے تھا۔ جو انبیاء علیہم السلام سے قبل از وحی جائز ہے۔ جب خداوند عالم نے ان کو برگزیدہ کیا اور نبی گردانا تو وہ معصوم تھے۔ گناہ کبیرہ وصغیرہ ان حضرات سے صادر نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ پھر خدا نے ان کو برگزیدہ کیا، اور ان کی توبہ قبول کر لی۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں۔ صغائر موہوبہ سے ترکِ اولیٰ مراد ہے جو انبیاء کے لیے قبل از نزول وحی جائز ہے۔ مؤلف کا کہنا ہے کہ نہی کی دو قسمیں ہیں۔ نہی تحریمی اور نہی تنزیہی۔ لاتقربا میں نہی تنزیہی تھی یعنی اس کے قریب نہ جانا تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ فتکونا من الظالمین اور اگر چلے گئے تو تم اپنا خود نقصان کرو گے۔ جیسا کہ کتاب "تنزیہ الانبیاء" سے مستفاد ہوتا ہے۔

اِسی طرح آپ نے حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت یوسفؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عصمت پر روشنی ڈالی اور بتلایا کہ ان حضرات سے گناہوں کا صادر ہونا امکان و قدرت کے باوجود محال تھا۔ ان سے کبھی کوئی گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ صادر نہیں ہوا۔ (عیون اخبار رضا صلے طبع ایران)۔

آپ کی تصانیف

علماء نے آپ کی تصانیف میں صحیفۃ الرضا صحیفۃ الرضویہ۔ طب الرضا اور مسند امام رضا کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ آپ کی تصانیف ہیں صحیفۃ الرضا کا ذکر علامہ مجلسی۔ علامہ طبرسی اور علامہ زمخشری نے کیا ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ حکیم اکرام الرضا لکھنوی نے طبع کرایا تھا اب جو تقریباً ناپید ہے۔ صحیفۃ الرضویہ کا ترجمہ مولوی شریف حسین صاحب بریلوی نے کیا ہے۔ طب الرضا کا ذکر علامہ مجلسی شیخ منتخب الدین نے کیا ہے۔ اس کی شرح فضل اللہ ابن علی الراوندی نے لکھی ہے اسی کو رسالہ

ذھبیہ بھی کہتے ہیں اور اس کا ترجمہ مولانا حکیم مقبول احمد صاحب قبلہ مرحوم نے بھی کیا ہے۔ اس کا تذکرہ شمس العلما علامہ شبلی نعمانی نے المامون ص۹۲ میں کیا ہے۔ مسند امام رضا کا ذکر علامہ چلپی نے کتاب کشف الظنون میں کیا ہے۔ جس کو علامہ عبد اللہ امرت سری نے کتاب ارجح المطالب کے ص۴۵۴ پر نقل کیا ہے۔ ناچیز مؤلف کے پاس یہ کتاب مصر کی مطبوعہ موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۳۲۱ ہجری میں چھپی ہے اور اس کے مرتب علامہ شیخ عبد الواسع مصری اور محشی علامہ محمد ابن احمد ہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے مارالحم بنانے اور موسمیات کے متعلق جو افادہ فرمایا ہے اُس کا ذکر کتابوں میں موجود ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (دمعہ ساکبہ وغیرہ)۔

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام اور شیر قالین

علامہ محمد تقی ابن محمد باقر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے زمانہ میں ایک دفعہ شدید ترین قحط پڑا۔ مامون نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی مولا کوئی تدبیر کیجئے اور کسی صورت سے دُعا فرمائیے کہ خداوند عالم نزول باراں کر دے۔ اب ملک کی بُری حالت ہوگئی ہے۔ بھوک اور پیاس سے لوگوں کے جان بحق ہونے کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے بادشاہ گھبرا نہیں۔ میں دوشنبہ کے دن طلب باراں کے لیے نکلوں گا۔ مجھے اپنے پروردگار سے بڑی توقع ہے۔ انشاء اللہ نزول باراں ہوگا۔ اور خلق خدا کی پریشانی دُور ہوگی۔ غرضیکہ وقت مقررہ آیا اور امام علیہ السّلام صحرا کی طرف برآمد ہوئے۔ آپ نے مصلیٰ بچھایا اور دستِ دُعا بارگاہ احدیت میں بلند کر کے دُعا فرمائی۔ ابھی دُعا کے جملے تمام نہ ہونے پائے تھے کہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ بادل چھا گیا بوندیں پڑنے لگیں اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ہوگیا۔ بادشاہ بھی خوش ہوا پبلک بھی مطمئن اور آسودہ ہوئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اس کرامت خاص اور استجابت دُعا کی وجہ سے بہت سے حاسد جل بھن کر خاکستر ہوگئے۔ ایک دن جب دربار آراستہ تھا۔ انھیں حاسدوں میں سے ایک نے کہا۔ لوگ آپ کے بارے میں بہت سے خرافات نشر کرتے ہیں اور آپ کو بڑھانے کی سعی میں منہمک ہیں۔ سب چاہتے ہیں کہ آپ کا پایہ بادشاہ سلامت کے پایہ سے بلند کر دیں اور سُنیئے سب سے بڑی کرامت جو آپ کی اس وقت مشہور کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بارش کرا دی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جبکہ بارش عرصہ سے نہیں ہوئی تھی۔ وہ آپ دُعا کرتے یا نہ کرتے اُسے تو ہونا ہی تھا۔ لہٰذا میری نظر میں آپ کی یہ کرامت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہاں کرامت اور معجزہ تو یہ ہے کہ پیش نظر قالین اور مسند پر جو شیر کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

اسے مجسم کر دیجیے اور حکم دیجیے کہ مجھے پھاڑ کھائے۔

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھ میں نے کسی سے نہیں کہا کہ میری کرامت بیان کرے اور نہ یہ کہا ہے کہ مجھے بڑھانے کی کوشش کرے۔ اب رہ گیا آب بارانی کا واقعہ، تو وہ خدا کی مہربانی اور عنایت سے عمل میں آیا ہے اور اسے دنیا نے دیکھا ہے۔ میں اس میں بھی اپنی کوئی تعریف نہیں چاہتا۔ یہ سب خدا کی عنایت ہے، البتہ جو تجھے یہ حوصلہ ہے کہ شیر قالین و مسند مجسم ہو جائے اور تجھے پھاڑ کھائے تو لے یہ کئے دیتا ہوں۔

یہ فرما کر آپ شیر کی تصویروں کی طرف متوجہ ہوئے، اور آپ نے فرمایا۔ "کہ این فاجر کہ نزد شما است او را بدرید و اثر او را باقی نگذارید"۔ اس فاسق و فاجر کو چیر پھاڑ کر اس طرح کھا جاؤ کہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے۔

امام علیہ السلام کا یہ فرمانا تھا کہ دونوں شیر کی تصویریں مجسم ہو گئیں اور انھوں نے ہمہمہ بھر کر کافر ازلی پر حملہ کر دیا جس کا نام حمید بن مہران تھا اور اسے پارا پارا کر کے کھا ڈالا۔ اس ہنگامہ کو دیکھ کر مامون بے ہوش ہو گیا۔ حضرت نے اسے ہوش میں لا کر شیروں کو حکم دیا کہ اپنی اصلی حالت و صورت میں ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ پھر قالین و مسند کی تصویریں بن گئے۔ (کاشف النقاب شرح عیون اخبار رضا ص۲۱۶)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کیساتھ ام حبیب بنت مامون کی شادی

اور

مامون کا سفر عراق

واقعہ ولی عہدی کے قبل بعد سے لے کر ۲۰۲ ہجری کے شروع تک حضرت امام رضا علیہ السلام سے مناظرے، مباحثے اور علمی مظاہرے مامون رشید کراتا رہا۔ اب اس کی وجہ یا یہ ہو کہ شہرت عام ہو جائے اور علوی سرنگوں رہیں اور علم خروج بلند نہ کریں یا یہ ہو کہ عباسیوں پر حجت قائم ہو جائے اور حضرت کی اہلیت و قابلیت سے مرعوب ہو کر وہ لوگ مخالفت اور تمرد و سرکشی کا قصد نہ کریں اور ٹھیک سے مامون کو حکومت کرنے دیں۔ یا یہ ہو کہ امام رضا اور ان کے ماننے والوں کے دل صاف ہو جائیں۔ اور کسی کو بعد کے آنے والے واقعات میں یہ شبہ نہ ہو کہ ان کی ذمہ داری مامون پر ہے۔ بہر حال سبب جو بھی ہو، لیکن یہ مسلّم ہے کہ مناظرے اور مباحثے کے بعد مامون نے اپنے خفیہ مقصد کی تکمیل کے لیے عراق کا سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس سے قبل اس نے یہ ضروری سمجھا

کہ شبہ کی گنجائش کو ختم کر دینے کے لیے اپنی لڑکی کی شادی امام رضا علیہ السلام سے کر دے چنانچہ اُس نے علی رؤس الاشہاد بر سر دربار مجلس عقد منعقد کر کے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کر دی۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ "زوجہ المامون ابنتہ ام حبیب فی اوّل سنۃ اثنین و مائتین والمامون متوجہ الی العراق"۔ مامون نے اوّل ۲۰۲ ھجری میں اپنی لڑکی ام حبیب کا عقد حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کر دیا، یہ اُس وقت کیا جب کہ وہ سفر عراق کا تہیہ کر چکا تھا۔ (نور الابصار ص۱۴۳ طبع مصر)۔
علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ ام حبیب کو آپ کے تصرف میں نہیں دیا گیا۔ (جنات الخلود ص۳۲)
یہ ۲۰۲ ہجری ہی ہے جس میں عباسیوں نے بغداد کی حکومت سے مامون کو بیدخل کر کے اس کی جگہ پر ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس وقت بغداد کی حالت یہ تھی کہ وہ انتشار اور بدنظمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ مورخ ذاکر حسین واقعہ ولی عہدی کے بعد کے حالات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ بغداد اور اس کے گرد و نواح میں بالکل بدنظمی پھیل گئی۔ لچے غنڈے دن دہاڑے لوٹ مار کرنے لگے۔ جنوبی عراق اور حجاز میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی۔ فضل سب خبروں کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ مگر امام رضا علیہ السلام نے انھیں باخبر کر دیا بادشاہ وزیر سے بدظن ہو گیا۔ مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرخس میں پہنچ کر اُس نے اپنے وزیر فضل کو حمام میں قتل کرا دیا۔ پھر جب طوس میں پہنچا تو امام رضا کو جن کو ولی عہد کرنے کے سبب بغداد میں بغاوت ہوئی تھی۔ انگوروں میں زہر دے کر شہید کر دیا۔ مامون نے ظاہر میں ماتم کیا۔ وہیں دفن کر کے مقبرہ تعمیر کرایا۔ مامون نے امام کی وفات کا حال بغداد لکھ بھیجا۔ جس سے وہاں امن و امان قائم ہو گیا۔ مامون آگے بڑھا یہاں تک کہ مدائن پہنچ کر آٹھ دن قیام کیا۔ جہاں بغداد کے جنگی سرداروں۔ رئیسوں سے ملا۔ بنی عباس نے اس کا استقبال کیا اور اُس نے بعض عمائد کی درخواست پر پھر وہی عباسی سیاہ رنگ اختیار کر لیا۔ مامون کے آنے کی خبر سن کر ابراہیم بن مہدی اور اُس کے طرف دار بھاگ گئے۔ مگر پھر ابراہیم پکڑا ہوا آیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص۶۱ والفخری والمامون)۔

مامون رشید عباسی اور حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غیر معصوم ارباب اقتدار ہوس حکمرانی میں کسی قسم کا صرفہ نہیں کرتے اگر حصول حکومت یا تحفظ حکمرانی میں باپ بیٹے، ماں بیٹی یا مقدس سے مقدس ترین ہستیوں کو بھینٹ چڑھا دے، تو وہ اس کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ اسی بنا پر عرب میں مثل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ الملک

عقیمؒ۔ علامہ وحید الزمان۔ حیدر آبادی لکھتے ہیں کہ الملک عقیم بادشاہت بانجھ ہے۔ یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لیے باپ بیٹے کی پرواہ نہیں کرتا۔ بیٹا باپ کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ بیٹا باپ کو مار کر خود بادشاہ بن جاتا ہے۔ (انوار اللغۃ پارہ ۸ ص۱۷۳)۔ اب اس ہوس حکمرانی میں کسی مذہب اور عقیدہ کا سوال نہیں۔ ہر وہ شخص جو اقتدار کا بھوکا ہوگا۔ وہ اس قسم کی حرکتیں کرے گا۔

مثال کے لیے اسلامی تواریخ کی روشنی میں حضور رسول کریمؐ کی وفات کے فوراً بعد کے واقعات کو دیکھئے۔ جناب سیدہ کے مصائب و آلام اور وجہ شہادت پر غور کیجئے۔ امام حسنؑ کے ساتھ برتاؤ پر غور فرمایئے۔ واقعہ کربلا اور اس کے پس منظر۔ نیز دیگر آئمہ طاہرین کے ساتھ بادشاہان وقت کے سلوک اور اُن کی قید و بند اور شہادت کے واقعات کو ملاحظہ کیجئے۔ ان امور سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حکمرانی کے لیے کیا کیا مظالم کئے جاسکتے ہیں اور کیسی کیسی ہستیوں کی جانیں لی جاسکتی ہیں۔ اور کیا کچھ کیا جاسکتا ہے تواریخ میں موجود ہے۔ کہ مامون رشید عباسی کی دادی نے اپنے بیٹے خلیفہ ہادی کو ۲۶ سال کی عمر میں زہر دلوا کر مار دیا۔ مامون رشید کے باپ ہارون رشید نے اپنے وزیروں کے خاندان برامکہ کو تباہ و برباد کر دیا (المامون ص۲۰) مروان کی بیوی نے اپنے خاوند کو بستر خواب پر دو تکیوں سے گلا گھونٹ کر مروا دیا۔ ولید بن عبدالملک نے فرزند رسولؐ، امام زین العابدینؑ کو زہر سے شہید کیا۔ ہشام بن عبدالملک نے امام محمد باقر کو زہر دیا۔ امام جعفر صادقؑ کو منصور دوانقی نے زہر سے شہید کیا۔ امام موسیٰ کاظم کو ہارون رشید عباسی نے زہر سے شہید کیا۔ امام علی رضا علیہ السلام کو مامون عباسی نے زہر دے کر شہید کیا۔ امام محمد تقی کو معتصم باللہ نے اُم الفضل بنت مامون کے ذریعہ سے زہر دلوایا۔ امام علی نقی کو معتمد عباسی نے زہر سے شہید کیا۔ اسی طرح امام حسن عسکری کو بھی زہر سے شہید کیا گیا۔ غرضیکہ حکومت کے سلسلے میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ اورنگ زیب کو دیکھئے، اُس نے اپنے بھائی کو قتل کرایا۔ اور اپنے باپ کو سلطنت سے محروم کر کے قید کر دیا تھا۔ اُسی نے شہید ثالث حضرت نوراللہ شوشتری (آگرہ) کی زبان گُدّی سے کھنچوائی تھی۔ بہر حال جس طرح سب کے ساتھ ہوتا رہا حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا۔

تاریخ شہادت

حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت ۲۳ ذی قعدہ ۲۰۳ہجری مطابق ۸۱۸ء یوم جمعہ کو بمقام طوس واقع ہوئی ہے۔ (جلاء العیون ص۲۸۰۔ انوار نعمانیہ ص۱۲۷۔ جنات الخلود ص۳۱) آپ کے پاس اس وقت عزیز و اقربا اولاد وغیرہ میں سے کوئی نہ تھا۔ ایک تو آپ خود مدینہ سے غریب الوطن ہو کر آئے۔ دوسرے یہ کہ

دارالسلطنت مرو میں بھی آپ نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ آپ سفر کی حالت میں بعالم غربت فوت ہوئے۔ اسی لیے آپ کو غریب الغربا کہتے ہیں۔

واقعۂ شہادت کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا تھا "فمایقتلنی واللہ غیرہ"۔ خدا کی قسم مجھے مامون کے سوا کوئی اور قتل نہیں کرے گا اور میں صبر کرنے پر مجبور ہوں۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۷۱) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ ہرثمہ بن اعین سے آپ نے اپنی وفات کی تفصیل بتلائی تھی۔ اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ انگور اور انار میں مجھے زہر دیا جائے گا۔ (نور الابصار ص۱۴۴) علامہ معاصر لکھتے ہیں کہ ایک روز مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنے گلے سے لگایا اور پاس بٹھا کر ان کی خدمت میں بہترین انگوروں کا ایک طبق رکھا اور اس میں سے ایک خوشا اٹھا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا۔ ابن رسول اللہ یہ انگور نہایت ہی عمدہ ہیں۔ تناول فرمایئے۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے انکار فرمایا کہ جنت کے انگور اس سے بہتر ہیں۔ اس نے شدید اصرار کیا اور آپ نے اس میں سے تین دانے کھا لیے۔ یہ انگور کے دانے زہر آلود تھے۔ انگور کھانے کے بعد آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جہاں تو نے بھیجا ہے۔ وہاں جا رہا ہوں۔ قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد آپ تین دن تک تڑپتے رہے۔ بالآخر انتقال فرما گئے (تاریخ آئمہ ص۴۷۶) انتقال کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام باعجاز تشریف لائے۔ اور نماز جنازہ پڑھائی اور آپ واپس چلے گئے۔ بادشاہ نے بڑی کوشش کی کہ آپ سے ملے مگر نہ مل سکا۔ (مطالب السول ص۲۸۸) اس کے بعد آپ کو بمقام طوس محلہ سناباد میں دفن کر دیا گیا۔ جو آج کل مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہے اور اطراف عالم کے عقیدت مندوں کے حوائج کا مرکز ہے۔

شہادت امام رضاؑ کے متعلق ابوالصلت هروی کا بیان

علامہ عبدالرحمٰن جامی تحریر فرماتے ہیں کہ ابوالصلت ہروی کا بیان ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ ہارون رشید کے پائینتی کے گرد کی مٹی لاؤ۔ جب میں مٹی لایا تو آپ نے اُسے سونگھ کر پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ عنقریب میری قبر کے لیے اسی مقام کی زمین کھودیں گے۔ اور ایسا پتھر نکل آئے گا کہ اُسے نہ کوئی کاٹ سکے گا اور نہ اکھاڑ سکے گا۔ پھر فرمایا کہ ہارون رشید کے سرہانے کی مٹی لاؤ میں مٹی لے آیا تو آپ نے اُسے سونگھ کر فرمایا کہ اسی مقام پر میری قبر ہوگی۔ پھر فرمایا اے ابوالصلت کل مجھے مامون طلب کرے گا۔ سنو جب میں جانے لگوں تو تم یہ دیکھ لینا کہ میرے

سر پہ کوئی چادر وغیرہ ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو مجھ سے کلام نہ کرنا اور اگر نہ ہو تو مجھ سے باتیں کرنا ابوالصلت کہتے ہیں کہ صبح کے وقت امام علیہ السلام فراغت کے بعد مامون کے پیام کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ مامون رشید کا قاصد آگیا اور امام علیہ السلام اس کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ جس وقت آپ جا رہے تھے آپ کے سر مبارک پر از قسم تولیہ کوئی کپڑا تھا۔ میں نے حسب الحکم اُن سے کوئی کلام نہیں کیا اور وہ تشریف لے گئے۔ اس وقت مامون کے سامنے بہترین انگوروں کا ایک طبق رکھا ہوا تھا۔ اس نے مراسم تعظیم ادا کرنے کے بعد کہا۔ ابن رسولؐ آپ نے اس سے بہتر انگور کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ بہشت کے انگور اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ پھر مامون نے ایک خوشہ انگور اٹھاتے ہوئے کہا۔ لیجئے تناول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اے بادشاہ اسے کھانے کو اس وقت میرا جی نہیں چاہتا، لہٰذا مجھے معاف کر۔ میں اس وقت نہیں کھاؤں گا۔ مامون نے شدید اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "مارا متہم می داری"۔ آپ کیوں نہیں تناول کرتے۔ کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ اور کیا آپ مجھ پر اتہام لگاتے اور مجھ سے بدگمانی کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے مامون نے ایک خوشہ اٹھایا اور اُسے کھانا شروع کیا۔ پھر ایک اور خوشہ اٹھایا اور اُسے امام علیہ السلام کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا لیجئے تناول کیجئے۔ امام علیہ السلام نے اس کے شدید اصرار پر اُسے لے لیا اور اس میں سے تین دانے تناول فرمائے۔ ان انگوروں کے کھاتے ہی جوہر وجود میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ بقیہ انگوروں کو پھینکتے ہوئے آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون نے کہا کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "بآنجا کہ فرستادی" جہاں تُو نے بھیجا ہے وہاں جا رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ سرِ مبارک پر چادر ڈال کر روانہ ہو گئے۔

ابوالصلت ہروی کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام دربار سے روانہ ہو کر داخل خانہ ہوئے اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ دروازہ بند کر دو۔ میں نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر آپ بستر پر لیٹ گئے۔ آپ کا بستر پر لیٹنا تھا کہ مجھے رنج و الم نے آگھیرا۔ طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے اور میں سخت حیران و پریشان ہو گیا۔ امام علیہ السلام بستر علالت پر تھے اور میں ڈیوڑھی میں رنج و غم کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ناگاہ میں نے گھر کے اندر ایک خوب صورت نوجوان کو دیکھ کر اُس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اور جب کہ دروازہ بند ہے۔ آپ کو اندر کس نے پہنچا دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں حجت خدا محمد تقی ہوں۔ مجھے بند مکان میں وہی لایا ہے، جس نے چشم زدن میں مدینہ سے یہاں پہنچایا ہے۔ میں اپنے پدر بزرگوار کی خدمت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے جیسے ہی آپ کو دیکھا فوراً اپنے سینے سے لگا لیا۔ پیشانی کا بوسہ دیا اور چپکے چپکے آپ سے کچھ باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے دیکھا کہ رُوح مبارک

مفارقت کرگئی اور امام علیہ السلام وفات پاگئے۔ آپ کے وفات فرمانے کے بعد حضرت محمد بن علی علیہ السلام نے غسل وکفن اور حنوط کا انتظام فرمایا۔ پھر قدرتی تابوت منگوا کر نماز پڑھنے کے بعد اُس میں رکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تابوت آسمان کی طرف چلا گیا۔ ابوالصلت کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں نے عرض کی مولا ابھی مامون وغیرہ آتے ہوں گے۔ میں انھیں کیا جواب دوں گا۔ آپ نے فرمایا یہ تابوت ابھی ابھی واپس آجائے گا۔ چنانچہ مثل سابق چھت شگافتہ ہوئی اور تابوت آگیا آپ نے امام علیہ السلام کو بدستور بستر پر لٹا دیا اور مجھے حکم دیا کہ اب دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھول دیا تو مامون وغیرہ داخل خانہ ہوئے۔ اور سب آہ و بکا کرنے لگے۔ پھر تجہیز و تکفین کا از سر نو انتظام ہوا۔ اور آپ ہارون رشید کے سرہانے دفن کر دیئے گئے۔ (شواہد النبوت ص ۲۱۲ روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۶ و اعلام الوریٰ ص ۱۹۸) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ مامون نے ہر چند چاہا کہ امام محمد تقی سے ملے مگر آپ کے فوری چلے جانے کی وجہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ (مطالب السؤل ص ۲۸۸) علامہ نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد جو خبر سب سے پہلے اُڑی، وُہ یہ تھی کہ امام رضا کو مامون نے دھوکہ سے شہید کر دیا (تذکرۃ المعصومین) علامہ نعمت اللہ الجزائری تحریر فرماتے ہیں کہ مامون رشید نے آپ کو انار اور انگور کے ذریعہ سے زہر دیا تھا۔ (انوار نعمانیہ ص ۱۲۷) علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ انار کے عرق میں زہر ملا کر اس میں دھاگہ تر کیا تھا اور اس دھاگہ کو سوزن کے ذریعہ انگوروں میں گذار کر انھیں مسموم کر دیا تھا۔ (اعلام الوریٰ ص ۱۹۹)۔

شہادت امام رضاؑ کے موقع پر امام محمد تقی کا خراسان پہنچنا

ابومخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت امام رضا علیہ السلام کو خراسان میں زہر دے دیا اور آپ بستر علالت پر کروٹیں لینے لگے، تو خداوند عالم نے امام محمد تقی کو وہاں بھیجنے کا بندوبست کیا۔ چنانچہ امام محمد تقی جب کہ مسجد مدینہ میں مشغول عبادت تھے ایک ہاتف غیبی نے آواز دی کہ "اگر می خواہی پدر خود را زندہ دریابی قدم در راہ نہ" اگر آپ اپنے والد بزرگوار سے اُن کی زندگی میں ملنا چاہتے ہیں تو فوراً خراسان کے لیے روانہ ہو جائیں۔ یہ آواز سُننا تھا کہ آپ مسجد سے برآمد ہو کر داخل خانہ ہوئے اور آپ نے اپنے اعزا و اقربا کو شہادت پدر بزرگوار سے آگاہ کیا، گھر میں کہرام برپا ہو گیا۔ اُس کے بعد آپ وہاں وہاں سے روانہ ہو کر ایک ساعت میں خراسان پہنچے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ دربان نے دروازہ بند کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ میں اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں آپ کی آواز سُنتے ہی امام علیہ السلام خود اپنے بستر سے اُٹھے اور دروازہ کھول کر امام محمد تقی کو اپنے گلے سے لگایا اور بے پناہ گریہ فرمایا۔ امام محمد تقی پدر بزرگوار کی بے بسی، بے کسی اور غربت پر

آنسو بہانے لگے ۔پھر امام علیہ السلام تبرکات امامت فرزند کے سپرد کر کے راہی ملک بقا ہو گئے" اناللہ وانا الیہ راجعون"۔ (کنز الانساب ص۹۵) علامہ شیخ عباس قمی بحوالہ اعلام الوریٰ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو جونہی خبر شہادت ملی، خراسان تشریف لے گئے اور اپنے والد بزرگوار کو دفن کر کے ایک ساعت میں واپس آئے اور یہاں پہنچ کر لوگوں کو حکم دیا کہ امام علیہ السلام کا ماتم کریں۔ (منتہی آلا مال جلد ۲ ص۳۱۲)۔

بحث ونظر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح خلیفہ مامون نے حالات کی روشنی میں اپنے بھائی امین کی ماتحتی قبول کر لی۔ پھر اُسے قتل کر دیا، اور جس طرح فضل بن سہل (ذوالریاستین مالک لسان وقلم "الفخری") کو وزیر جنگ بنایا۔ پھر اُسے بمقام سرخس حمام میں قتل کرا دیا اور جس طرح طاہر کو وزیر اعظم بنایا اور اسی کی وجہ سے استقرار خلافت حاصل کیا۔ پھر اُسے قتل کر دیا۔ بالکل اسی طرح اپنی ضرورت کے وقت حضرت امام رضا علیہ السلام کو خلافت کا ولی عہد بنایا۔ ان کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کی اور کام نکلنے کے بعد انہیں اپنے ہاتھوں سے زہر دے کر شہید کر دیا۔ یعنی جب علویوں کا زور ہوا، تو ان کی بغاوت کو روکنے کے لیے شدید انکار کے باوجود امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنایا اور جب عباسیوں کا زور بڑھا تو انھیں راضی کرنے کے لیے امام رضا علیہ السلام کو شہید کر دیا۔ اسے کہتے ہیں سیاست جس میں ہر قسم کا حربہ استعمال کرنا جائز ہے۔

امام رضا علیہ السلام کو کس نے زہر دیا۔ اس کے متعلق علامہ شبلی نعمانی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مورخین وعلمائے اہل تشیع بلا استثناء اس پر متفق ہیں کہ امام رضا علیہ السلام کو خود مامون نے زہر دیا ہے لیکن مورخین اہل تسنن میں سے ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کے لگانے کی جرأت نہیں کی۔ (کتاب المامون ص۹۲)۔

میں سمجھتا ہوں کہ علامہ شبلی اس معاملہ میں یا تو بالکل مامون کے ساتھ حسن ظن سے کام لے رہے ہیں یا انھیں علم ہی نہ تھا۔ انھوں نے تو صاف صاف لکھا ہے کہ کتب اہل تشیع ہمارے پاس نہیں ہیں۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ ہم نے تمام کتب اہل سنت کو دیکھ لیا ہے۔

میرے خیال میں وہ اپنی کتابوں سے بھی ناواقف تھے اور اُن کی تنگ نظری نے اُن سے مذکورہ جملے لکھوا دیے۔ میں کہتا ہوں کہ بہت سے علماء ومورخین اہل سنت نے اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ بعض نے تو بڑی تفصیل کے ساتھ واقعۂ شہادت اور حادثہ زہر خوانی کو تحریر کیا ہے اور بہتوں نے اشارۃً وکنایۃً اس پر روشنی ڈالی ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو۔

(۱) تاریخ روضۃ الصفا جلد ۳ ص۱۹ (۲) تاریخ شواہد النبوت ص۲۰۲ (۳) تاریخ کامل

جلد ۲ ص ۱۱۹ (۴) تاریخ مروج الذہب مسعودی جلد ۹ ص ۳۳ (۵) تاریخ نور الابصار ص ۱۴۴ (۶) تاریخ الفخری ص ۱۶۳ (۷) مطالب السؤل ص ۲۹۸ (۸) تاریخ حبیب السیر جلد ۲ جزو اوّل ص ۵۱ (۹) تاریخ آلِ محمد ص ۶۴ (۱۰) روائح المصطفٰے ص ۱۷۴ (۱۱) کتاب انساب سمعانی (۱۲) خلاصہ تہذیب الکمال (۱۳) مختصر اخبار الخلفا (۱۴) تاریخ طبری فارسی جلد ۴ ص ۷۹۲ (۱۵) تاریخ ابن طولون ص ۹۸ (۱۶) انساب سمعانی (۱۷) اخبار الخلفاء۔ (۱۸) [illegible]

میرے نزدیک مذکورہ بالا حوالجات کی موجودگی میں علامہ شبلی کا یہ کہنا ہے کہ ایک سُنّی مورخ نے بھی مامون پر اس الزام لگانے کی جرأت نہیں کی۔ (المامون ص ۹۲) اور ابنِ خلدون اور جسٹس امیر علی کا یہ فرمانا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال . . . کہ مامون نے خود امام رضا کو زہر دے کر ہلاک کیا بالکل لغو اور فضول ہے۔ (تاریخِ اسلام امیر علی ص ۱۸۶) حد درجہ مہمل لغو، فضول اور ناقابلِ اعتنا ہے۔

میں ان منکرین حقائق سے پُوچھتا ہوں کہ اگر مامون نے خود زہر نہیں دیا، تو کیا کسی ایک تاریخ میں بھی یہ موجود ہے کہ اُس نے واقعہ قتل کی تحقیقات کرائی؟ ہرگز نہیں۔ نیز یہ کہ اُس نے آپ کی وفات کو ۲۴ گھنٹے چھپایا کیوں؟ (مقاتل الطالبین ص ۲۷۸ طبع نجف اشرف)۔

میں سچ کہتا ہوں کہ فرزندِ رسُول کی جیسی شخصیت کے قتل کی تحقیقات نہ کرانی اور صرف رو پیٹ کر "مگرمچھ" کے آنسوؤں کی طرح آنسو بہانا اربابِ نظر کی نگاہوں میں اُسے الزام قتل سے بری نہیں کر سکتا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مامون کو امام رضا کی ولیعہدی اور فضل بن سہل کی وزارتِ جنگ پر تقرری کے بعد سے اس وقت تک سکون نصیب نہیں ہوا، جب تک وہ ان دونوں کو نیست و نابود نہیں کر سکا۔ بغدادیوں کی بغاوت روکنے کے لیے چونکہ ان دونوں کو ختم کرنا ضروری تھا۔ اس لیے اس نے ایک ہی سفر میں دونوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد اہلِ بغداد کو لکھا کہ اب کیا چیز باقی ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو۔ شبلی لکھتے ہیں کہ ان دونوں کے قتل ہونے سے اہلِ بغداد کی شکایتوں کا فیصلہ ہوگیا۔ (المامون ص ۹۲) یعنی ان دونوں کے قتل سے مامون کی غرض پُوری ہوگئی۔ اہلِ بغداد کی بغاوت کا خاتمہ ہوگیا۔ عباسی قبضے میں آگئے اور حکومت از سرِ نو جم گئی۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام کی تعداد اولاد

امام علیہ السّلام کی تعداد اولاد میں شدید اختلاف ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۱۲

ص۲۶ میں کئی اقوال نقل کرنے کے بعد بحوالہ قرب الاسناد تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے دو فرزند تھے۔ ایک امام محمد تقی علیہ السّلام دوسرے موسیٰ۔ انوار نعمانیہ ص۱۲۷ میں ہے کہ آپ کے تین اولاد تھی۔ انوار الحسینیہ جلد ۳ ص۵۲ میں ہے کہ آپ کے تین اولاد تھی۔ مگر نسل صرف امام محمد تقی علیہ السّلام سے جاری ہوئی۔ صواعق محرقہ ص۱۲۳ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ نورالابصار ص۱۴۵ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ جن کے نام یہ ہیں۔ امام محمد تقی۔ حسن جعفر۔ ابراہیم حسین۔ عائشہ۔ روضۃ الشہدار ص۴۳۸ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ امام محمد تقی۔ حسن جعفر۔ ابراہیم۔ حسین۔ عقب اوانہ بزرگوارش محمد تقی است۔ مگر آپ کی نسل صرف امام محمد تقی سے بڑھی ہے۔ یہی کچھ رحمۃٌ للعالمین جلد ۲ ص۱۴۵ میں ہے۔ جنات الخلود ص۳۲ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ روضۃ الاحباب جمال الدین میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے تھے۔ کشف الغمہ ص۱۱۰ میں ہے کہ آپ کے چھ اولاد تھی ۵ لڑکے ایک لڑکی یہی مطالب السئول میں ہے۔ کنز الانساب ص۹۶ میں ہے کہ آپ کے آٹھ لڑکے تھے جن کے نام یہ ہیں امام محمد تقی، ہادی "علی نقی" حسین، یعقوب، ابراہیم، فضل، جعفر۔

لیکن امام المحدثین تاج المحققین حضرت علّامہ محمد بن محمد نعمان بغدادی المتوفی ۴۱۳ھ ہجری الملقب بہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ۔ کتاب ارشاد ص۲۷۱-۲۴۵ میں اور تاج المفسرین، امین الدین حضرت ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی المشہدی صاحب مجمع البیان المتوفی ۵۴۸ھ کتاب اعلام الوریٰ ص۱۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کان للرضا من الولد ابنہ ابو جعفر محمد بن علی الجواد لاغیر۔ حضرت امام محمد تقی کے علاوہ حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کے کوئی اور اولاد نہ تھی یہی کچھ کتاب عمدۃ الطالب ص۱۸۶ میں ہے۔

علّامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کے متعلق علّامہ سیّد نور اللہ شوشتری شہید ثالث۔ کتاب مجالس المومنین کے ص۲۰۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مجتہد قدسی ضمیر اور متکلم بے نظیر تھے۔ پھر ص۲۰۶ میں بحوالہ خلاصۃ الاقوال تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ موصوف اوثق اھل زمانہ واعلمھم اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ ثقہ اور سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ کی وفات پر امامِ زمانہ حضرت صاحب العصر علیہ السّلام نے مرثیہ کہہ کر بھیجا تھا اور اس مرثیہ کے چند شعر شیخ علیہ الرحمۃ کی قبر پر کندہ ہیں۔ اسی طرح علامہ طبرسی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار بہت بڑے علماء میں تھا۔ آپ تفسیر مجمع البیان کے مصنف و مفسر ہیں، اور اس کی جامعیت آپ کی بلندی مقام کی شاہد ہے۔ (مجالس المومنین ص۲۱۲)۔

مجلسی ثانی علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ "کان للرضا من الولد ابنہ ابو جعفر محمد لاغیر" امام رضا علیہ السّلام کے امام محمد تقی علیہ السّلام کے علاوہ کوئی فرزند نہ تھا۔ (سفینۃ البحار جلد ۱ ص۲۳۹)

یہی کچھ علامہ موصوف نے اپنی کتاب منتہی الآمال کی جلد ۲ کے صفحہ ۳۱۲ میں بھی لکھا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں "علماء برائے امام رضا علیہ السلام فرزندے غیر از امام محمد تقی علیہ السلام ذکر نہ کردہ اند بلکہ بعضے گفتہ اند کہ اولادش منحصر بآنحضرت بودہ" علماء نے امام رضاؑ کی اولاد کے بارے میں امام محمد تقیؑ کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ بعض نے تو امام محمد تقی علیہ السلام میں حصر کر دیا ہے۔ یہی کچھ علامہ محمد بن شہر آشوب نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آپ کے فرزند صرف امام محمد تقی علیہ السلام ہیں (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ طبع ملتان)۔

خلاصہ یہ کہ فحول علماء شیعہ جیسے علامہ شیخ مفید علامہ طبرسی علامہ ابن شہر آشوب، علامہ شیخ عباس قمی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے فرزند (نرینہ) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے علاوہ کوئی نہ تھا اور جن علماء نے ایک سے زیادہ اولاد تسلیم کی ہے۔ ان میں سے بھی علامہ محمد رضا علامہ واعظ کاشفی نے لکھا ہے کہ ان کی نسل صرف امام محمد تقیؑ سے بڑھی ہے۔ بعض علماء ایک لڑکی کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں جیسے علامہ شیخ صدوق و علامہ مجلسی لڑکی کا نام "فاطمہ" تھا۔ انھوں نے اپنے پدر بزرگوار سے روایت بھی کی ہے، ان کے شوہر کا نام محمد بن جعفر بن قاسم ابن اسحاق بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب تھا، وہ والدہ تھیں حسن بن محمد بن جعفر ابن قاسم کی، ان کے متعلق نور الابصار شبلنجی میں کرامت بھی مذکورہ مرقوم ہے۔ (منتہی الآمال فی تاریخ النبی والآل جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ طبع طہران ۱۳۷۹ھ) میرے نزدیک اسی کو ترجیح ہے۔ واضح ہو کہ تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہے۔ اس پر مزید غور کیا جا سکتا ہے۔

قم کی مختصر تاریخ اور جناب فاطمہؑ "معصومہ قم" کے مختصر حالات

قم نام ہے ایران کے اس قدیم اور عظیم شہر کا جس کی بنیاد بروایت مجلہ "الہادی" دار التبلیغ الاسلامی قم ایران ۲۰۳ھ میں پڑی تھی جس کا ذکر "شاہ نامہ فردوسی" میں ہے۔ ایک روایت کی بنا پر ۸۳ھ میں قائم ہوئی تھی۔

قم کی وجہ تسمیہ

قم کی وجہ تسمیہ کے متعلق بہت سے اقوال ہیں (۱) اصل میں اس جگہ کا نام "کومیدان" تھا۔ پھر "کم" اور بعد میں قم ہو گیا۔ (۲) اس شہر سے ۲۰ کیلو میٹر پر غربی جانب ایک پہاڑ ہے جس کا نام "کم" ہے۔ اسی مناسبت سے یہ نام پڑا جو بعد میں "قم" ہو گیا (۳) اس کی آبادی سے قبل کچھ لوگ اس مقام پر آ کر ٹھہرے تھے اور انھوں نے جنگل کو کاٹ کر اور اس کے گڑھوں کو پاٹ کر اپنے خیمے نصب کئے تھے اور مکانات بنائے تھے اور اس جگہ کا نام "کوتہ" رکھا تھا۔ جس سے "کم" ہو گیا پھر بعد میں "قم" بن گیا، (الہادی قم ایرانی

ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ ص ۹۹) (۴) جب کشتیٔ نوح چکر لگاتی ہوئی اس سرزمین پر پہنچی تھی تو ٹھہر گئی تھی لہٰذا اس کے قیام کی وجہ سے اس جگہ کا نام "قم" قرار پایا (۵) اس علاقہ کے باشندے، قائم آلِ محمد کے ظہور کرتے ہی ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ قائم رہیں گے اور ان کی مدد کریں گے۔ اسی لیے ان کا نام "قم" رکھا گیا ہے۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۴۴۶) (۶) یہ مقام بہت سے قریوں میں گھرا ہوا تھا، انھیں قریوں میں سے ایک کا نام "کمندان" تھا۔ اسی کے نام پر اس علاقہ کا نام جو اب "قم" مشہور ہے، کمندان رکھ دیا گیا جو مرورِ ایام اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے "قم" ہو گیا۔ (مجالس المومنین شہیدِ ثالث ص ۳۶)۔

قم اور اہل قم کے فضائل

تاریخ قم سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جس نے "یومِ الست" سب زمینوں سے پہلے ولایت امیرالمومنین کو قبول کیا تھا۔ اسی لیے خدا نے جنت کا ایک دروازہ اس کی طرف کھول دیا ہے۔

علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں (۱) کوفہ کو تمام شہروں پر فضیلت ہے۔ لیکن قم اور اہلِ قم کو تمام دنیا پر فضیلت ہے اور اس کے باشندوں کو مشرق و مغرب اور جن و انس پر فضیلت ہے (۲) خدا نے یہاں کے لوگوں کو دین اور ایمان میں ہمیشہ عظیم توفیق دی ہے (۳) ان البلایا مدفوعة عن قم و اھلہ" تمام بلائیں قم اور اہلِ قم سے دور رکھی گئی ہیں۔ یہاں ملائکہ دفع بلا کے لیے حاضر رہتے ہیں (۴) کسی دشمن نے کبھی قم پر غلبہ حاصل نہیں کیا (۵) قم اللہ کی طرف سے علم و فضل کا مرکز بنایا گیا ہے۔ (۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ساری دنیا میں فتنہ پھیل جائے تو قم میں پناہ لینا چاہیے۔ (۷) معصوم فرماتے ہیں کہ اہلِ قم ہمارے خاص مددگاروں میں سے ہیں (۸) حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ قم آلِ محمد کا مرکزِ سکون اور شیعوں کا ملجا و ماویٰ ہے (۹) حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ قم میں ہے، قم کے باشندے قابلِ مبارکباد ہیں (۱۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قم ہمارے شیعوں اور دوستوں کا گڑھ ہے (۱۱) قم موضع قدم جبرئیل ہے، یہاں ایک ایسا چشمہ ہے کہ جو اس سے پانی پی لے شفایاب ہو جائے۔ یہی وہ چشمہ ہے جس سے حضرت عیسیٰ نے اس مٹی کو گوندھا تھا جس سے بحکمِ خدا طائر بنایا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ (۱۲) صادق آلِ محمد فرماتے ہیں کہ اہلِ قم کا حساب و کتاب سب قبر ہی میں ہوگا اور وہیں سے وہ جنت میں چلے جائیں گے ایک روایت میں ہے کہ ان کا حساب و کتاب نہ ہوگا وہ یونہی جنت میں چلے جائیں گے (کنزالانساب ص ۶۹) (۱۳) معصوم فرماتے ہیں "لولا القمیون لضاع الدین" اگر اہلِ قم نہ ہوتے تو دین ضائع ہو جاتا (۱۴) ایک حدیث میں ہے کہ اہلِ قم بخشے ہوئے ہیں (۱۵) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قم

کی مٹی مقدس ہے "واھلھا منا ونحن منھم" اس کے باشندے ہم سے ہیں اور ہم ان سے ہیں، جو دشمن قم کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا واصلِ جہنم ہوگا۔ قم ہمارا اور ہمارے شیعوں کا شہر ہے مطھرۃ مقدسۃ، پاک اور پاکیزہ اور مقدس ہے۔ یہ ہمارے قائم کی مدد کرنے والے ہیں اور ہمارے حق کے پہچاننے والے ہیں (۱۶) یہ وہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے خمس ادا کیا اور سب سے پہلے ہمارے نام پر جائدادیں وقف کیں (۱۷) حضرت صادق آلِ محمدؐ فرماتے ہیں کہ "سیاتی زمان تکون بلدۃ قم واھلھا حجۃ علی الخلائق وذالک فی زمان غیبۃ قائمنا الی ظھورہ والا ذالک لساخۃ الارض باھلھا الخ" عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے کہ قم اور اس کے باشندے کائنات پر خدا کی حجت ہوں گے اور یہ زمانہ غیبت امام آخر الزمان میں آئے گا اور ظہور تک ممتد ہوگا اور اگر ایسا نہ ہوگا تو زمین پانی میں ڈوب جائے گی۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۴۴۶)۔

دار التبلیغ الاسلامی قم ایران

مذکورہ حدیث میں جس عہد کی طرف اشارہ ہے۔ ہوسکتا ہے اُس سے مراد اسی ادارے کا عہد ہو جس کا امتداد قیامت تک ممکن ہے اور اہل قم کے حجت ہونے سے مراد آیۃ اللہ العظمیٰ، مرجع التقلید سرکار شریعت مدار حضرت آقا السید محمد کاظم مجتہد اعظم زعیم حوزۂ علیہ قم وقیم ادارہ مذکورہ کا وجود ذی جود ہو کہ وہی عہدِ حاضر میں نائب امام ہونے کی وجہ سے حجت ہیں۔

حضرت معصومہ قم کے متعلق حضرت امام جعفر صادق کی پیشین گوئی

صادق آل محمدؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کی وجہ سے مکہ حرم۔ رسولؐ کی وجہ سے مدینہ حرم۔ امیر المومنینؑ کی وجہ سے کوفہ (نجف) حرم ہے "وان لنا حرماً وھو بلدۃ قم وستدفن فیھا امراۃ من اولادی تسمی فاطمۃ الخ" اور ہم دیگر اہلبیت کی وجہ سے شہر قم حرم ہے اور عنقریب اس شہر میں ہماری اولاد سے ایک محترمہ دفن ہوں گی جن کا نام ہوگا "فاطمہ بنت امام موسیٰ کاظمؑ" (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۲۲۶)۔

قم میں حضرت معصومہ قم کی آمد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق بروایت علامہ مجلسیؒ حضرت فاطمہ بنت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہمشیرۂ حضرت امام رضا علیہ السلام اس زمانہ میں یہاں تشریف لائیں جبکہ ۲۰۰ھ ہجری میں، مامون رشید نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو جبراً مرو بلا لیا تھا، علامہ شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ جب مامون رشید نے امام رضا علیہ السلام کو بجبر و اکراہ ولی عہد بنانے کے لیے دار الخلافہ مرو میں بلا لیا تھا تو اس کے ایک سال بعد حضرت فاطمہ بھائی کی محبت سے

صلا (احسن التقاسیم امام مقدسی)

۱۱
ابو جعفرؑ
حضرت
امام محمد تقیؑ
علیہ السلام
دئے جواب تقیؑ نے وہ بر سرِ دربار
کہ دنگ تھے عُلما طفل کی بصیرت سے
دکھائے علم کے جوہر وہ ابن اکثم کو
کہ واقفیہؔ بھی واقف ہوئے امامت سے
(صابر تھاریانی، کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۱۱

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

ترکِ دُنیا میں نہیں، مشقِ ریاضت میں نہیں — کثرتِ علم میں توفیق بصیرت میں نہیں
دِل کی اِک کیفیتِ خاص ہے تقویٰ بانو — طرزِ پوشش میں نہیں شکل و شباہت میں نہیں

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نویں جانشین ہمارے نویں امام اور سلسلۂ عصمت کی گیارھویں کڑی تھے۔ آپ کے والدِ ماجد ولی عہد سلطنت عباسیہ غریب الغربا شہیدِ جفا حضرت امام رضا علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ جنابِ خیزران عرف سکینہ تھیں۔ علماء کا بیان ہے کہ آپ اُم المومنین جناب ماریہ قبطیہ یعنی والدۂ جناب ابراہیم بن رسولِ کریمؐ کی نسل سے تھیں۔ (شواہد النبوت ص۲۰۴ و روضۃ الصفا جلد ۳ ص۱۶)۔

امام محمد تقی علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح، امام منصوص، معصومؑ اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے، آپ جملہ صفاتِ حسنہ میں یگانۂ روزگار اور ممتاز تھے۔ علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں۔ "و اِن کان صغیر السن فھو کبیر القدر، رفیع الذکر"۔ امام علیہ السلام اگرچہ تمام معصومین میں سب سے کمسن اور چھوٹے تھے۔ لیکن آپ کی قدر و منزلت آپ کے آباؤ اجداد کی طرح نہایت ہی عظیم تھی، اور آپ کا بلند تذکرہ برسرِ نوک زبان تھا (مطالب السؤل ص۱۹۵)۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں "مقام وے بسیار بلند است" آپ کی منزلت اور آپ کی ہستی نہایت ہی بلند تھی۔ (روضۃ الشہدار ص۴۳۸) علامہ خاوند شاہ لکھتے ہیں۔ "درکمال فضل و علم ادب و حکمت امام جواد بمرتبہ بودہ کہ ہیچ کس را از اعاظم سادات آں مرتبہ نبودہ"۔ علم و فضل، ادب و حکمت میں امام محمد تقی علیہ السلام کو وہ کمال حاصل تھا جو کسی کو بھی نصیب نہ تھا۔ (روضۃ الصفا جلد ۳ ص۱۶) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام کمسنی کے باوجود فضائل سے بھرپور تھے "و مناقبہ کثیرۃ" اور آپ کے مناقب و مدائح بے شمار ہیں۔ (نور الابصار ص۱۴۵) علامہ طبرسی لکھتے ہیں۔ کان قد بلغ فی کمال العقل والفضل والعلم والحکم والاداب ورفعۃ منزلتہ لم یساوہ

فیہا احد من ذوی السن من السادات وغیرھم۔ آپ کمالِ عقل، اور فضل اور علم و حکم اور آداب و بلندیٔ منزلت میں ان مدارج پر فائز تھے جن پر آپ کے سن اور عمر کے سادات اور غیر سادات میں سے کوئی بھی فائز نہ تھا (اعلام الوریٰ ص۲۰۲) علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ آپ کی بلندیٔ منزلت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ مشائخ اہلِ زمان با او مساوی در فضل نہ بُودند" کہ اس عہد میں دُنیا کے بڑے بڑے لوگ فضائل و کمالات میں آپ کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ (ارشاد ص۴۷۴)۔

امام علیہ السّلام کی ولادت باسعادت

علماء کا بیان ہے کہ امام المتقین حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام بتاریخ ۱۰ رجب المرجب ۱۹۵ھ بمطابق ۸۱۱ء یوم جمعہ بمقام مدینہ منوّرہ متولد ہوئے تھے۔ (روضۃ الصفا جلد ۳ ص۱۶ و شواہد النبوت ص۲۰۴ وانوار نعمانیہ ص۱۲۷) علامہ یگانہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ چونکہ حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کے کوئی اولاد آپ کی ولادت سے قبل نہ تھی۔ اس لیے لوگ طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ شیعوں کے امام منقطع النسل ہیں۔ یہ سُن کر حضرت امام رضا علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ اولاد کا ہونا خدا کی عنایت سے متعلق ہے۔ اُس نے مجھے صاحبِ اولاد کیا ہے اور عنقریب میرے یہاں مسندِ امامت کا وارث پیدا ہوگا۔ چنانچہ آپ کی ولادت با سعادت ہوئی (ارشاد ص۴۷۳) علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے یہاں جو بچہ عنقریب پیدا ہوگا۔ وہ عظیم برکتوں کا حامل ہوگا۔ (اعلام الوریٰ ص۲۰۰) واقعہ ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السّلام کی بہن جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے بھائی نے مجھے بُلا کر کہا کہ آج تم میرے گھر میں قیام کرو، کیونکہ خیزران کے بطن سے آج رات کو خدا مجھے ایک فرزند عطا فرمائے گا۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ جب رات آئی تو ہمسایہ کی اور چند عورتیں بھی بُلائی گئیں، نصف شب سے زیادہ گزرنے پر یکایک وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر میں خیزران کو حجرہ میں لے گئی، اور میں نے چراغ روشن کر دیا۔ تھوڑی دیر میں امام محمد تقی علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ مختون اور ناف بریدہ ہیں۔ ولادت کے بعد میں نے انھیں نہلانے کے لیے طشت میں بٹھایا، اس وقت جو چراغ روشن تھا گل ہوگیا۔ مگر پھر بھی اُس حجرہ میں روشنی بدستور رہی۔ اور اتنی روشنی رہی کہ میں نے آسانی سے بچہ کو نہلا دیا۔ تھوڑی دیر میں میرے بھائی امام رضا علیہ السّلام بھی وہاں تشریف لے آئے۔ میں نے نہایت عجلت کے ساتھ صاحبزادے کو کپڑے میں لپیٹ کر حضرت کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے سر اور آنکھوں پر بوسہ دے کر پھر مجھے واپس کر دیا۔ دو دن تک امام محمد تقی علیہ السّلام کی آنکھیں بند رہیں۔ تیسرے دن جب

آنکھیں کھلیں تو آپ نے سب سے پہلے آسمان کی طرف نظر کی۔ پھر داہنے بائیں دیکھ کر کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ میں یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئی اور میں نے سارا ماجرا اپنے بھائی سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تعجب نہ کرو، یہ میرا فرزند حجّتِ خدا اور وصی رسُول ہدیٰ ہے۔ اِس سے جو عجائبات ظہور پذیر ہوں، اُن میں تعجب کیا؟ محمد بن علی ناقل ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کے دونوں کندھوں کے درمیان اسی طرح مہرِ امامت تھی جس طرح دیگر آئمہ علیہم السّلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر ہوا کرتی تھیں۔ (مناقب)۔

نام، کنیت اور القاب

آپ کا اسم گرامی، لوحِ محفوظ کے مطابق اُن کے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السّلام نے "محمد" رکھا۔ آپ کی کنیت "ابوجعفر" اور آپ کے القاب جواد، قانع، مُرتضیٰ تھے اور مشہور ترین لقب تقی تھا۔ (روضۃ الصفا جلد ۳ صہ ۱۶، شواہد النبوت صہ ۲۰۲، اعلام الوریٰ صہ ۱۹۹)۔

بادشاہانِ وقت

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی ولادت ۱۹۵ھ ہجر میں ہوئی۔ اُس وقت بادشاہِ وقت، امین ابن ہارون رشید عباسی تھا، (وفیات الاعیان) ۱۹۸ھ ہجر میں مامون رشید بادشاہ وقت ہوا۔ (تاریخ خمیس و ابوالفداء)۔ ۲۱۸ھ ہجری میں معتصم عباسی خلیفۂ وقت قرار پایا۔ (ابوالفداء) اسی معتصم نے ۲۲۰ھ ہجر میں آپ کو زہر سے شہید کرا دیا۔ (وسیلۃ النجات)۔

امام محمد تقیؑ کی نشوونما اور تربیت

یہ ایک حسرتناک واقعہ ہے کہ امام محمد تقی علیہ السّلام کو نہایت کمسنی ہی کے زمانہ میں مصائب اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوجانا پڑا۔ انھیں بہت ہی کم اطمینان اور سکون کے لمحات میں باپ کی محبت اور شفقت و تربیت کے سایہ میں زندگی گزارنے کا موقع مل سکا۔ آپ کو صرف پانچواں برس تھا، جب حضرت امام رضا علیہ السّلام مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے۔ امام محمد تقی علیہ السّلام اُس وقت سے جو اپنے باپ سے جُدا ہوئے تو پھر زندگی میں مُلاقات کا موقع نہ ملا۔ امام محمد تقی علیہ السّلام سے جُدا ہونے کے تیسرے سال امام رضا علیہ السّلام کی وفات ہوگئی۔ دُنیا سمجھتی ہوگی کہ امام محمد تقی کے لیے علمی اور عملی بلندیوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ اس لیے اب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے مگر خلق خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کمسن بچّے کو تھوڑے دن بعد مامون کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علماء سے فقہ و حدیث، تفسیر اور کلام پر مناظرے کرتے اور اُن سب کو قائل ہوجاتے دیکھا۔ اُن کی حیرت اُس وقت تک دُور ہونا ممکن نہ تھی جب تک وہ مادی اسباب کے آگے ایک

مخصوص خداوندی مدرسہ تعلیم و تربیت کے قائل نہ ہوتے جس کے بغیر یہ معمہ نہ حل ہوا، اور نہ کبھی حل ہوسکتا ہے۔ (سوانح امام محمد تقی ص ۴) مقصد یہ ہے کہ امام کو علم لدنی ہوتا ہے۔ یہ انبیاء کی طرح پڑھے لکھے اور تمام صلاحیتوں سے بھرپور پیدا ہوتے ہیں۔ انھوں نے سرور کائنات کی طرح کبھی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ نہیں تہ کیا اور نہ کر سکتے تھے، یہ اس کے بھی محتاج نہیں ہوتے تھے کہ آباؤ و اجداد انھیں تعلیم دیں، یہ اور بات ہے کہ ازدیاد علم و شرف کے لیے ایسا کر دیا جائے، یا علوم مخصوصہ کی تعلیم دے دی جائے۔

والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے محرومی

یوں تو عمومی طور پر کسی کے باپ کے مرنے سے سایۂ عاطفت سے محرومی ہوا کرتی ہے۔ لیکن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنے والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے اُن کی زندگی ہی میں محروم ہو گئے تھے، ابھی آپ کی عمر ۶ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کی شفقت و عطوفت سے محروم کر دیئے گئے اور مامون رشید عباسی نے آپ کے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنی سیاسی غرض کے ماتحت مدینہ سے خراسان طلب کر لیا۔ اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی کہ آپ کے بال بچے مدینہ ہی میں رہیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ سب کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر خراسان تشریف لے گئے اور وہیں عالم غربت میں سب سے جدا مامون رشید کے ہاتھوں ہی شہید ہو کر دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔

آپ کے مدینہ سے تشریف لے جانے کا اثر خاندان پر یہ پڑا کہ سب کے دل کا سکون جاتا رہا اور سب کے سب اپنے کو زندہ درگور سمجھتے رہے۔ بالآخر وہ نوبت پہنچی، کہ آپ کی ہمشیرہ جناب فاطمہ جو بعد میں "معصومہ قم" کے نام سے ملقب ہوئیں۔ انتہائی بے چینی کی حالت میں گھر سے نکل کر خراسان کی طرف روانہ ہو گئیں، ان کے دل میں جذبات یہ تھے کہ کسی طرح اپنے بھائی علی رضا علیہ السلام سے ملیں، لیکن ایک روایت کی بنا پر آپ مدینہ سے روانہ ہو کر جب مقام ساوہ میں پہنچیں تو علیل ہو گئیں، آپ نے پوچھا کہ یہاں سے قم کتنی دُور ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہاں سے قم کی مسافت دس فرسخ ہے، آپ نے خواہش کی کہ کسی صورت سے وہاں پہنچا دی جائیں۔ چنانچہ آپ آلِ سعد کے رئیس موسیٰ بن خزرج کی کوششوں سے وہاں پہنچیں اور اسی کے مکان میں ۱۷ یوم بیمار رہ کر اپنے بھائی کو روتی پیٹتی دُنیا سے رُخصت ہو گئیں اور مقام "بابلان" قم میں دفن ہوئیں۔ یہ واقعہ ۲۰۱ھ کا ہے۔ (انوار الحسینیہ جلد ۴ ص ۵۳) اور ایک روایت کی بنا پر آپ اُس وقت خراسان پہنچیں۔ جب بھائی شہید ہو چکا تھا۔ اور لوگ دفن کے لیے کالے کالے علموں کے سایہ میں لیے جا رہے تھے۔ پھر آپ قم آکر وفات پا گئیں۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لیے حضرت امام رضا علیہ السلام کی جدائی ہی کیا کم تھی کہ اس پر مستزاد اپنی پھوپھی کے سایہ سے بھی محروم ہو گئے۔ ہمارے امام کے لیے کمسنی میں یہ دونوں صدمے انتہائی تکلیف دہ اور رنج رساں تھے۔ لیکن مشیت ایزدی میں چارہ نہیں، آخر آپ کو تمام مراحل کا مقابلہ کرنا پڑا اور آپ صبر و ضبط کے ساتھ ہر مصیبت کو جھیلتے رہے۔

مامون رشید عباسی اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا پہلا سفرِ عراق

عباسی خلیفہ مامون رشید حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت سے فراغت کے بعد یا اس لیے کہ اس پر امام رضا کے قتل کا الزام ثابت نہ ہو سکے یا اس لیے کہ وہ امام رضا کی ولی عہدی کے موقع پر اپنی لڑکی ام حبیب کی شادی کا اعلان بھی کر چکا تھا کہ ولی عہد کے فرزند امام محمد تقی کے ساتھ کرے گا۔ اُسے نباہنے کے لیے یا اس لیے کہ ابھی اُس کی سیاسی ضرورت اُسے امام محمد تقی کی طرف توجہ کی دعوت دے رہی تھی، بہر حال جو بات بھی ہو، اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد بُلایا جائے۔ جو امام رضا کی شہادت کے بعد پایہ تخت بنایا جا چکا تھا چنانچہ اُس نے دعوت نامہ ارسال کیا اور انھیں اسی طرح مجبور کر کے بُلایا جس طرح امام رضا علیہ السلام کو بُلوایا تھا۔ "حکم حاکم مرگِ مفاجات" بالآخر امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد آنا پڑا۔

باز اور مچھلی کا واقعہ

امام محمد تقی علیہ السلام جن کی عمر اس وقت تقریباً ۹ سال کی تھی، ایک دن بغداد کے کسی گزرگاہ میں کھڑے ہوئے تھے اور چند لڑکے وہاں کھیل رہے تھے کہ ناگہاں خلیفہ مامون کی سواری دکھائی دی، سب لڑکے ڈر کر بھاگ گئے۔ مگر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ جب مامون کی سواری وہاں پہنچی تو اس نے حضرت امام محمد تقیؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ صاحبزادے جب سب لڑکے بھاگ گئے تو تم کیوں نہیں بھاگے انھوں نے بے ساختہ بلا تامل جواب دیا کہ میرے کھڑے رہنے سے راستہ تنگ نہ تھا، جو ہٹ جانے سے وسیع ہو جاتا اور میں نے کوئی جرم نہیں کیا کہ ڈرتا نیز میرا حسن ظن ہے کہ تم بے گناہ کو ضرر نہیں پہنچاتے۔ مامون کو حضرت امام محمد تقی کا انداز بیان بہت پسند آیا۔ اس کے بعد مامون وہاں سے آگے بڑھا، اُس کے ساتھ شکاری باز بھی تھے۔ جب آبادی سے باہر نکل گیا تو اُس نے ایک باز کو ایک چکور پر چھوڑا۔ باز نظروں سے اوجھل ہو گیا اور جب واپس آیا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی سی زندہ مچھلی تھی جس کو دیکھ کر مامون بہت متعجب ہوا۔ تھوڑی دیر میں جب وہ اسی طرف لوٹا تو اُس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ وہیں دیکھا جہاں وہ پہلے تھے۔ لڑکے مامون کی سواری دیکھ کر پھر بھاگے۔ لیکن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بدستور سابق وہیں

کھڑے رہے، جب مامون اُن کے قریب آیا، تو مٹھی بند کر کے کہنے لگا کہ صاحبزادے بتاؤ، میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین اپنے باز سے اُن مچھلیوں کا شکار کر کے اہلبیت رسالت کے علم کا امتحان لیتے ہیں۔ یہ سُن کر مامون بولا! بے شک تم علی بن موسیٰ رضا کے فرزند ہو، پھر اُن کو اپنے ساتھ لیتا گیا (صواعق محرقہ ص۱۲۳، مطالب السؤل ص۲۹۰، شواہد النبوت ص۲۰۴، نورالابصار ص۱۴۵ ارجح المطالب ص۴۵۹) یہ واقعہ ہماری بھی بعض کتابوں میں ہے، اس واقعہ کے سلسلہ میں میں نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے اُن میں "ان اللہ خلق فی بحر قدرتہ سمکاً صغاراً" مندرج ہے البتہ بعض کتب میں "بین السماء والھواء" لکھا ہے۔ اوّل الذکر کے متعلق تو تاویل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر دریا خدا ہی کی قدرت سے جاری ہے اور مذکورہ واقعہ میں امکان قوی ہے کہ باز اسی زمین پر جو دریا ہیں انھیں کے کسی ایک سے شکار کر کے لایا ہوگا۔ البتہ آخر الذکر کے متعلق کہا جا سکتا ہے (۱) جہاں تک مجھے علم ہے ہر گہرے سے گہرے دریا کی انتہا کسی سطح ارضی پر ہے (۲) بقول علامہ مجلسی بعض دریا ایسے ہیں جن سے ابر چھوٹی مچھلیوں کو اُڑا کر اوپر لے جاتے ہیں (۳) ۱۹۳۲ء کے اخبار میں یہ شائع ہو چکا ہے کہ امریکہ کی تہریا نامر میں جو سڈ ولول بندرگاہ کے قریب ہے۔ مچھلیوں کی بارش ہوئی ہے (۴) آسمان اور ہوا کے درمیان بحرِ متلاطم سے مراد فضا کی وہ کیفیات ہوں جو دریا کی طرح پیدا ہوتے ہیں (۵) کہا جاتا ہے کہ علم حیوان میں یہ ثابت ہے کہ مچھلی دریا سے ایک سو پچاس گز تک بعض حالات میں بلند ہو جاتی ہے۔ بہرحال انھیں گہرائیوں کی روشنی میں فرزندِ رسول نے مامون سے فرمایا کہ بادشاہ بحرِ قدرت خداوندی سے شکار کر کے لایا ہے اور آلِ محمد کا امتحان لیتا ہے۔

حضرت امام محمد تقیؑ علیہ السلام سے علماء اسلام کا مناظرہ اور عباسی حاسدوں کی شکستِ فاش

علماء اسلام کا بیان ہے کہ بنی عباس کو مامون کی طرف سے امام رضا کو ولی عہد بنایا جانا ہی ناقابلِ برداشت تھا۔ امام رضا کی وفات سے ایک حد تک انھیں اطمینان حاصل ہوا تھا، اور انھوں نے مامون سے اپنے حسبِ دلخواہ اس کے بھائی مؤتمن کی ولی عہدی کا اعلان بھی کرا دیا۔ جو بعد میں معتصم باللہ کے نام سے خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے علاوہ امام رضا کی ولی عہدی کے زمانہ

میں عباسیوں کا مخصوص شعار یعنی کالا لباس ترک ہوکر جو سبز لباس کا رواج ہو رہا تھا۔ اُسے منسوخ کر کے پھر سیاہ لباس کی پابندی عائد کر دی گئی تاکہ بنی عباس کے روایات قدیمہ محفوظ رہیں یہ سب باتیں عباسیوں کو یقین دلا رہی تھیں کہ وہ مامون پر پورا قابو پا چکے ہیں، مگر اب مامون کا یہ ارادہ کہ وہ امام محمد تقی کو اپنا داماد بنائے۔ اُن لوگوں کے لیے پھر تشویش کا باعث بنا اور اس حد تک بنا کہ وہ اپنے دلی رجحان کو دل میں نہ رکھ سکے اور ایک وفد کی شکل میں مامون کے پاس آکر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔ انھوں نے صاف صاف کہا کہ امام رضا کے ساتھ جو آپ نے طریقہ اختیار کیا، وہی ہم کو ناپسند تھا۔ مگر خیر وہ کم از کم اپنے اوراوصاف وکمالات کے لحاظ سے قابلِ عزت سمجھے بھی جا سکتے تھے، مگر یہ اُن کے بیٹے "محمد" تو ابھی بالکل کمسن ہیں۔ ایک بچے کو بڑے بڑے علماء اور معززین پر ترجیح دینا اور اس قدر اس کی عزت کرنا ہرگز خلیفہ کے لیے زیبا نہیں ہے پھر ام حبیبہ کا نکاح جو امام رضا کے ساتھ کیا گیا تھا، اُس سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا جواب ام الفضل کا نکاح محمد بن علی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

مامون نے تمام تقریر کا یہ جواب دیا۔ کہ "محمد" کمسن ضرور ہیں، مگر میں نے خوب اندازہ کر لیا ہے، کہ اوصاف وکمالات میں وہ اپنے باپ کے پورے جانشین ہیں اور عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء جن کا تم حوالہ دے رہے ہو، وہ علم میں اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اگر تم چاہو تو امتحان لے کر دیکھ لو۔ پھر تمھیں بھی میرے فیصلہ سے متفق ہونا پڑے گا۔

یہ صرف منصفانہ جواب ہی نہیں، بلکہ ایک طرح کا چیلنج تھا جس پر مجبوراً اُن لوگوں کو مناظرہ کی دعوت منظور کرنا پڑی۔ حالانکہ خود مامون تمام سلاطین بنی عباس میں یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ مورخین اس کے لیے یہ الفاظ لکھ دیتے ہیں "کان یعد من کبار الفقہاء" یعنی اس کا شمار بڑے بڑے فقیہوں میں ہے۔ اس لیے اس کا فیصلہ خود کچھ کم وقعت نہ رکھتا تھا، مگر ان لوگوں نے اس پر اکتفا نہیں کی بلکہ بغداد کے سب سے بڑے عالم یحیٰی بن اکثم کو امام محمد تقی علیہ السّلام سے بحث کے لیے منتخب کیا۔

مامون نے ایک عظیم الشان جلسہ اس مناظرہ کے لیے منعقد کیا اور عام اعلان کرا دیا۔ ہر شخص اس عجیب اور بظاہر غیر متوازن مقابلہ کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا، جس میں ایک طرف ایک نو برس کا بچہ تھا اور دوسری طرف ایک آزمودہ کار اور سہرہ آفاق قاضی القضاۃ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے خلائق کا ہجوم ہو گیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ ارکانِ دولت اور معززین کے علاوہ اس جلسہ میں نو سو ۹۰۰ کرسیاں فقط علماء وفضلاء کے لیے مخصوص تھیں اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں۔ اس لیے کہ یہ زمانہ عباسی سلطنت کے شباب اور بالخصوص علمی ترقی کے اعتبار سے زریں دور کا تھا اور بغداد دارالسلطنت تھا انہوں

تمام اطراف سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کھینچ کر جمع ہو گئے تھے، اس اعتبار سے یہ تعداد کسی مُبالغہ پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔

مامون نے حضرت امام محمد تقیؑ کے لیے اپنے پہلو میں مسند بچھوائی تھی اور حضرت کے سامنے یحییٰ بن اکثم کے لیے بیٹھنے کی جگہ تھی، ہر طرف کامل سناٹا تھا۔ مجمع ہمہ تن چشم و گوش بنا ہوا گفتگو شروع ہونے کے وقت کا منتظر ہی تھا کہ اس خاموشی کو یحییٰ کے اس سوال نے توڑ دیا۔ جو اُس نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر کیا تھا۔ حضور کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ابوجعفر سے کوئی مسئلہ دریافت کروں۔

مامون نے کہا تم کو خود ان ہی سے اجازت طلب کرنا چاہیے۔ یہ سُن کر یحییٰ امام علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ دریافت کروں۔

حضرت نے فرمایا۔ اے یحییٰ تم جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو۔

یحییٰ نے کہا۔ یہ فرمایئے کہ حالتِ احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟"

اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یحییٰ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی بلندی سے بالکل واقف نہ تھا۔ وہ اپنے غرورِ علم اور جہالت سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ کمسن صاحبزادے تو ہیں ہی، روزمرہ کے روزے، نماز کے مسائل سے واقف ہوں تو ہوں، مگر حج وغیرہ کے احکام اور حالتِ احرام میں جن چیزوں کی ممانعت ہے اُن کے کفاروں سے بھلا کہاں واقف ہوں گے؟

امام نے اس کے جواب میں اس طرح سوال کے گوشوں کی الگ الگ تحلیل فرمائی جس سے بغیر کوئی جواب اصل مسئلے کا دیئے ہوئے آپ کے علم کی گہرائیوں کا یحییٰ اور تمام اہلِ محفل کو اندازہ ہو گیا۔ یحییٰ خود بھی اپنے کو سبک پانے لگا اور تمام مجمع کو بھی اس کا سبک ہونا محسوس ہونے لگا آپ نے جواب میں فرمایا: اے یحییٰ! تمہارا سوال بالکل مبہم اور مہمل ہے۔ سوال کے ذیل میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکار حل میں تھا یا حرم میں، شکار کرنے والا مسئلہ سے واقف تھا یا ناواقف۔ اس نے عمداً اُس جانور کو مار ڈالا، یا دھوکے سے قتل ہو گیا۔ وہ شخص آزاد تھا یا غلام کمسن تھا یا بالغ۔ پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا۔ یا اُس کے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا۔ شکار پرند کا تھا یا کوئی اور چھوٹا تھا یا بڑا۔ وہ اپنے فعل پر اصرار رکھتا ہے یا پشیمان ہے۔ رات کو یا پوشیدہ طریقہ پر اُس نے یہ شکار کیا یا دن دہاڑے اور علانیہ۔ احرام عمرہ کا تھا یا حج کا۔ جب تک یہ تمام تفصیلات نہ بتائے جائیں اس مسئلہ کا کوئی معین حکم نہیں بتایا جا سکتا۔

یحییٰ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہوتا، بہر حال فقہی مسائل پر کچھ نہ کچھ اس کی نظر تھی، وہ ان کثیر التعداد شقوں کے پیدا کرنے ہی سے خوب سمجھ گیا کہ ان کا مقابلہ میرے لیے آسان نہیں ہے اُس کے چہرے پر ایسی شکستگی کے آثار پیدا ہوئے جن کا تمام دیکھنے والوں نے اندازہ کر لیا۔ اب

اُس کی زبان خاموش تھی اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔

مامون نے اُس کی کیفیت کا صحیح اندازہ کر کے اُس سے کچھ کہنا بیکار سمجھا اور حضرت سے عرض کیا کہ پھر آپ ان تمام شقوں کے احکام بیان فرما دیجئے تاکہ ہم سب کو استفادہ کا موقع مل سکے۔

امام علیہ السّلام نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں کے جدا گانہ جو احکام تھے بیان فرما دیئے آپ نے فرمایا کہ " اگر احرام باندھنے کے بعد " حل " میں شکار کرے اور وہ شکار پرندہ ہو اور بڑا بھی ہو تو اُس کا کفّارہ ایک بکری ہے اور اگر ایسا شکار حرم میں کیا ہے تو دو بکریاں ہیں۔ اور اگر کسی چھوٹے پرندہ کو حل میں شکار کیا تو دُنبے کا ایک بچّہ جو اپنی ماں کا دُودھ چھوڑ چکا ہو، کفّارہ دے گا ۔ اور اگر حرم میں شکار کیا ہو تو اُس پرندہ کی قیمت اور ایک دُنبہ کفّارہ دے گا، اور اگر وہ شکار چوپایہ ہو تو اس کی کئی قسمیں ہیں، اگر وہ وحشی گدھا ہے تو ایک گائے اور اگر شتر مُرغ ہے تو ایک اونٹ، اور اگر ہرن ہے تو ایک بکری کفّارہ دے گا۔ یہ کفّارہ تو جب ہے کہ حل میں شکار کیا ہو۔ لیکن اگر حرم میں کئے ہوں تو یہی کفّارے دُگنے دینے ہوں گے اور اُن جانوروں کو جنھیں کفّارے میں دے گا۔ اگر احرام عمرہ کا تھا، تو خانہ کعبہ تک پہنچائے گا اور مکّہ میں قربانی کرے گا۔ اور اگر احرام حج کا تھا تو منیٰ میں قربانی کرے گا اور ان کفّاروں میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں اور ارادے سے شکار کرنے میں کفّارہ دینے کے علاوہ گناہگار بھی ہوگا، ہاں بھُولے سے شکار کرنے میں گناہ نہیں ہے اور آزاد اپنا کفّارہ خود دے گا۔ اور غلام کا کفّارہ اُس کا مالک دے گا اور چھوٹے بچے پر کوئی کفّارہ نہیں ہے اور بالغ پر کفّارہ دینا واجب ہے اور جو شخص اپنے اس فعل پر نادم ہو آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا۔ لیکن اگر اس فعل پر اصرار کرے گا تو آخرت میں بھی اُس پر عذاب ہوگا"!

یہ تفصیلات سُن کر یحییٰ ہکّا بکّا رہ گیا اور سارے مجمع سے احسنت احسنت کی آواز بلند ہونے لگی ۔ مامون کو بھی کد تھی کہ وہ یحییٰ کی رُسوائی کو انتہائی درجہ تک پہنچا دے۔ اُس نے امام سے عرض کی کہ اگر مناسب معلوم ہو، تو آپ بھی یحییٰ سے کوئی سوال فرمائیں۔ حضرت نے اخلاقاً یحییٰ سے دریافت فرمایا کہ کیا میں بھی تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، یحییٰ اب اپنے متعلق کسی دھوکہ میں مبتلا نہ تھا، اُس نے کہا کہ " حضور دریافت فرمائیں، اگر مجھے معلوم ہوگا، تو عرض کر دوں گا ورنہ خود ہی حضور سے معلوم کر لوں گا۔ حضرت نے سوال کیا!

"اُس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے صبح کو ایک عورت کی طرف نظر کی تو وہ اُس پر حرام تھی دن چڑھے حلال ہوگئی پھر ظہر کے وقت حرام ہوگئی۔ عصر کے وقت پھر حلال ہوگئی۔ غروب آفتاب پر پھر حرام ہوگئی۔ عشاء کے وقت پھر حلال ہوگئی۔ آدھی رات کو حرام ہوگئی، صبح کے وقت

پھر حلال ہوگئی، بتاؤ ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام و حلال ہوتی رہی
امام علیہ السّلام کی زبان معجز بیان سے اس سوال کو سُن کر قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم مبہوت ہوگئے اور کوئی جواب نہ دے سکے، بالآخر انتہائی عاجزی کے ساتھ کہا کہ فرزند رسولؐ آپ ہی اس کی وضاحت فرمادیں اور مسئلہ کو حل کردیں۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا! سنو وہ عورت کسی کی لونڈی تھی، اُس کی طرف صبح کے وقت ایک اجنبی شخص نے نظر کی، تو وہ اس کے لیے حرام تھی۔ دن چڑھے اُس نے وہ لونڈی خرید لی حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اُس کو آزاد کردیا۔ وہ حرام ہوگئی۔ عصر کے وقت اس نے نکاح کرلیا پھر حلال ہوگئی۔ مغرب کے وقت اُس سے ظہار کیا تو پھر حرام ہوگئی۔ عشا کے وقت ظہار کا کفارہ دے دیا تو پھر حلال ہوگئی۔ آدھی رات کو اُس شخص نے اس عورت کو طلاق رجعی دی، جس سے پھر حرام ہوگئی۔ اور صبح کے وقت اُس طلاق سے رجوع کرلیا "حلال ہوگئی"۔

مسئلہ کا حل سُن کر صرف یحییٰ ہی نہیں بلکہ سارا مجمع حیران رہ گیا اور سب میں مسرّت کی لہر دوڑ گئی۔ مامون کو اپنی بات کے اونچا رہنے کی خوشی تھی، اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہ گھرانا ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے بچوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

مجمع میں جوش و خروش تھا۔ سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ بے شک جو آپ کی رائے ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور یقیناً ابوجعفر محمد بن علیؑ کا کوئی مثل نہیں ہے۔ (صواعق محرقہ صـ۱۲۲ روائح المصطفےٰ صـ۱۹۱، نورالابصار صـ۱۴۲ شرح ارشاد صـ۴۷۸-۴۷۹، تاریخ آئمہ صـ۴۸۵، سوانح محمد تقی صـ۶)۔

اِمام محمد تقیؑ کے ساتھ شہزادی اُم الفضل کا عقد اور خطبۂ نکاح

اس عظیم الشّان مناظرہ میں حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی شاندار کامیابی نے مامون کو آپ کا اور گرویدہ بنادیا، اور اُس کی منزل اعتراف میں انتہائی بلندی پیدا ہوگئی، اس کے ہر قسم کے حسن ظن میں یقین کی روح دوڑ گئی۔ علماء لکھتے ہیں کہ "مامون نے اس کے بعد فوراً ہی اپنے دلی مراد کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کرلیا اور ذرا بھی تاخیر مناسب نہ سمجھتے ہوئے اسی جلسہ میں امام محمد تقی علیہ السّلام کے ساتھ اپنی بیٹی ام الفضل کا عقد کردیا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام نے خطبہ اور نکاح پڑھا اور یہ تقریب پوری کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہوئی، مامون نے خوشی میں بڑی فیاضی سے کام لیا، لاکھوں روپے خیر و خیرات میں تقسیم کیے گئے اور تمام رعایا کو انعامات و عطایا کے ساتھ مالا مال کیا گیا۔

(سفرنامۂ حج و زیارات صفحہ ۴۳۴ طبع پشاور ۱۹۷۰ء)۔

علامہ شیخ مفید اور علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبۂ نکاح پڑھا وہ یہ تھا " الحمد للہ اقرار ابنعمتہ و لا الہ الا اللہ اخلاصاً لوحدانیتہ الخ" اور جو مہر مقرر کیا وہ مہر فاطمی مبلغ پانچ سو درہم تھا۔ (ارشاد مفید صفحہ ۴۷۷، نورالابصار صفحہ ۱۴۶) ۔ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبۂ نکاح اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا وہ وہی ہے جو اس وقت بھی نکاح کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ میری نظر میں اس خطبہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خطبہ کا پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ علامہ شبلنجی کا بیان ہے کہ ہر قسم کی خوشبو کی باس میں عقد نکاح ہوا، اور حاضرین کی حلوے سے تواضع کی گئی (نورالابصار صفحہ ۱۴۶، صواعق محرقہ ۱۲۲ شواہد النبوت صفحہ ۲۰۴، روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۷، ارشاد صفحہ ۴۷۷، کشف الغمہ صفحہ ۱۱۶) علامہ شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد شب عروسی کی صبح کو جہاں اور لوگ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں مبارک باد ادا کرنے کے لیے آئے۔ ایک شخص محمد بن علی ہاشمی بھی پہنچے۔ اُن کا بیان ہے کہ مجھے دفعتہً سخت پیاس محسوس ہوئی، میں ابھی پاس ادب سے پانی مانگنے نہ پایا تھا کہ آپ نے میرے چہرے کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم پیاسے ہو میں تمھیں پانی منگوائے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے حکم دیا اور آب خنک آ گیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر ایسا ہی واقعہ درپیش ہوا۔ میں حضرت کے اس علم ضمائر سے بے حد متاثر ہوا، اور مجھے یقین ہو گیا کہ امامیہ آپ کے جملہ علوم میں ماہر ہونے کا جو عقیدہ رکھتے ہیں بالکل درست ہے۔ (ارشاد صفحہ ۴۸۱)

اُم الفضل کی رخصتی، امام محمد تقی ع کی مدینہ کو واپسی اور حضرت کے اخلاق و اوصاف عادات و خصائل

اس شادی کا پس منظر جو بھی ہو، لیکن مامون نے نہایت اچھوتے انداز سے اپنی لخت جگر اُم الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حبالۂ نکاح میں دے دیا۔ تقریباً ایک سال تک امام علیہ السلام بغداد میں مقیم رہے، مامون نے دوران قیام بغداد میں آپ کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہیں کی " الی ان توجہ بزوجتہ ام الفضل الی المدینۃ المشرفۃ" یہاں تک آپ اپنی زوجہ اُم الفضل سمیت مدینہ مشرفہ تشریف لے آئے۔ (نورالابصار صفحہ ۱۴۶) مامون نے بہت ہی انتظام و اہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرت کے ساتھ رخصت کر دیا۔

(سفرنامۂ حج و زیارات ص۲۳۴ طبع پشاور ۱۹۷۲ء)۔
علامہ شیخ مفید اور علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبۂ نکاح پڑھا وہ یہ تھا "الحمد للہ اقرار ابنعمتہ ولا الہ الا اللہ اخلاصاً لوحدانیتہ الخ" اور جو مہر مقرر کیا وہ مہر فاطمی مبلغ پانچ سو درہم تھا۔ (ارشاد مفید ص۴۷۷، نورالابصار ص۱۴۶) — معلوم ہونا چاہیے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبۂ نکاح اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا وہ وہی ہے جو اس وقت بھی نکاح کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ میری نظر میں اس خطبہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خطبہ کا پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ علامہ شبلنجی کا بیان ہے کہ ہر قسم کی خوشبو کی باس میں عقد نکاح ہوا، اور حاضرین کی حلوے سے تواضع کی گئی (نورالابصار ص۱۴۶، صواعق محرقہ ص۱۲۳، شواہد النبوت ص۲۰۴، روضۃ الصفا جلد ۳ ص۱۷، ارشاد ص۴۷۷، کشف الغمہ ص۱۱۹) علامہ شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد شب عروسی کی صبح کو جہاں اور لوگ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں مبارک باد ادا کرنے کے لیے آئے۔ ایک شخص محمد بن علی ہاشمی بھی پہنچے۔ اُن کا بیان ہے کہ مجھے دفعۃً سخت پیاس محسوس ہوئی، میں ابھی پاس ادب سے پانی مانگنے نہ پایا تھا کہ آپ نے میرے چہرے کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم پیاسے ہو میں تمھیں پانی منگوائے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے حکم دیا اور آب خنک آگیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر ایسا ہی واقعہ درپیش ہوا۔ میں حضرت کے اس علم ضمائر سے بے حد متاثر ہوا، اور مجھے یقین ہو گیا کہ امامیہ آپ کے جملہ علوم میں ماہر ہونے کا جو عقیدہ رکھتے ہیں بالکل درست ہے۔ (ارشاد ص۴۸۱)

اُم الفضل کی رخصتی، امام محمد تقیؑ کی مدینہ کو واپسی اور حضرت کے اخلاق و اوصاف عادات و خصائل

اس شادی کا پس منظر جو بھی ہو، لیکن مامون نے نہایت اچھوتے انداز سے اپنی لخت جگر اُم الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حبالۂ نکاح میں دے دیا۔ تقریباً ایک سال تک امام علیہ السلام بغداد میں مقیم رہے، مامون نے دوران قیام بغداد میں آپ کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہیں کی "الی ان توجہ بزوجتہ ام الفضل الی المدینۃ المشرفۃ" یہاں تک آپ اپنی زوجہ اُم الفضل سمیت مدینہ مشرفہ تشریف لے آئے۔ (نورالابصار ص۱۴۶) مامون نے بہت ہی انتظام و اہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرت کے ساتھ رخصت کر دیا۔

علامہ شیخ مفید، علامہ طبرسی، علامہ شبلنجی، علامہ جامی علیہم الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لئے ہوئے مدینہ تشریف لیے جا رہے تھے، آپ کے ہمراہ بہت سے حضرات بھی تھے چلتے چلتے شام کے وقت آپ وارد کوفہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے جناب مسیب کے مکان پر قیام فرمایا اور نمازِ مغرب پڑھنے کے لیے وہاں کی ایک نہایت ہی قدیم مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا، پانی آنے پر آپ ایک ایسے درخت کے تھالے میں وضو کرنے لگے جو بالکل خشک تھا اور مدتوں سے سرسبزی اور شادابی سے محروم تھا۔ امام علیہ السلام نے اس جگہ وضو کیا، پھر آپ نمازِ مغرب پڑھ کر وہاں سے واپس تشریف لائے اور اپنے پروگرام کے مطابق وہاں سے روانہ ہو گئے۔

امام علیہ السلام تو تشریف لے گئے لیکن ایک عظیم نشانی چھوڑ گئے اور وہ یہ تھی کہ جس خشک درخت کے تھالے میں آپ نے وضو فرمایا تھا وہ سرسبز و شاداب ہو گیا، اور رات ہی بھر میں وہ تیار پھلوں سے لد گیا۔ لوگوں نے اُسے دیکھ کر بے انتہا تعجب کیا (ارشاد ص۴۷۹ اعلام الوریٰ ص۲۰۵ نور الابصار ص۱۴۷، شواہد النبوت ص۲۰۵) کوفہ سے روانہ ہو کر طے مراحل و قطع منازل کرتے ہوئے آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں منہمک و مشغول ہو گئے۔ پند و نصائح، تبلیغ و ہدایت کے علاوہ آپ نے اخلاق کا عملی درس دینا شروع کر دیا۔ خاندانی طرۂ امتیاز کے بموجب ہر ایک سے جھک کر ملنا۔ ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا مساوات اور سادگی کو ہر حال میں پیش نظر رکھنا۔ غرباء کی پوشیدہ طور پر خبر لینا، دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرتے رہنا۔ مہمانوں کی خاطر داری میں انہماک اور علمی و مذہبی پیاسوں کے لیے فیض کے چشموں کو جاری رکھنا، آپ کی سیرت زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ اہل دنیا جو آپ کی بلندیٔ نفس کا پورا اندازہ نہ رکھتے تھے۔ انھیں یہ تصور ضرور ہوتا تھا کہ ایک کمسن بچے کا عظیم الشان مسلمان سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہو جانا۔ یقیناً اس کے چال ڈھال، طور طریقے کو بدل دے گا اور اُس کی زندگی دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہو سکتا ہے جو مامون کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا۔ بنی اُمیہ یا بنی عباس کے بادشاہوں کو آلِ رسولؐ کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا، جتنا اُن کی صفات سے تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے درپے رہتے تھے کہ بلندیٔ اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدینہ منورہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادی اقتدار کے مقابلہ میں ایک مثالی روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے، یہ کسی طرح ٹوٹ جائے۔ اسی کے لیے گھبرا گھبرا کر وہ مختلف تدبیریں کرتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کرنا، اسی کی ایک شکل تھی اور پھر امام رضا کو ولی عہد بنانا اسی کا دوسرا طریقہ تھا۔ فقط ظاہری

شکل وصورت میں ایک کا انداز معاندانہ اور دوسرے کا طریقۂ ارادت مندی کے رُوپ میں تھا۔ مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں کی ایک تھی، جس طرح امام حسینؑ نے بیعت نہ کی، تو وہ شہید کر ڈالے گئے، اسی طرح امام رضا علیہ السلام ولی عہد ہونے کے باوجود حکومت کے مادی مقاصد کے ساتھ ساتھ نہ چلے تو آپ کو زہر کے ذریعہ سے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا۔

اب مامون کے نقطۂ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضا کا جانشین ایک آٹھ، نو برس کا بچہ ہے، جو تین چار برس پہلے ہی باپ سے چھڑا لیا جا چکا تھا۔ حکومت وقت کی سیاسی سُوجھ بوجھ کہہ رہی تھی کہ اس بچہ کو اپنے طریقے پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز جو حکومت وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم ہے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

مامون رشید عباسی، امام رضا علیہ السلام کے ولی عہدی کی مہم میں اپنی ناکامی کو مایوسی کا سبب نہیں تصور کرتا تھا۔ اس لیے کہ امام رضا کی زندگی ایک اصول پر قائم رہ چکی تھی، اس میں تبدیلی نہیں ہوئی تو یہ ضروری نہیں کہ امام محمد تقی جو آٹھ، نو برس کے سن سے قصرِ حکومت میں نشو ونما پاکر بڑھیں وہ بھی بالکل اپنے بزرگوں کے اصول زندگی پر برقرار رہیں۔

سوائے اُن لوگوں کے جو ان مخصوص افراد کے خداداد کمالات کو جانتے تھے اس وقت کا ہر شخص یقیناً مامون ہی کا ہم خیال ہوگا، مگر دنیا کو حیرت ہوگئی، جب یہ دیکھا کہ وہ نو برس کا بچہ جسے شہنشاہِ اسلام کا داماد بنایا گیا ہے۔ اس عمر میں اپنے خاندانی رکھ رکھاؤ اور اصول کا اتنا پابند ہے کہ وہ شادی کے بعد محلِ شاہی میں قیام سے انکار کر دیتا ہے، اور اس وقت بھی کہ جب بغداد میں قیام رہتا ہے تو ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرماتے ہیں۔ اس سے بھی امام کی مستحکم قوت ارادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ عموماً مالی اعتبار سے لڑکی والے جو کچھ بھی بڑا درجہ رکھتے ہوتے ہیں تو وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہیں وہیں داماد بھی رہے۔ اس گھر میں نہ سہی تو کم از کم اسی شہر میں اس کا قیام رہے، مگر امام محمد تقی نے شادی کے ایک سال بعد ہی مامون کو حجاز واپس جانے کی اجازت پر مجبور کر دیا۔ یقیناً یہ امر ایک چاہنے والے باپ اور مامون ایسے با اقتدار کے لیے انتہائی ناگوار تھا۔ مگر اُسے لڑکی کی جدائی گوارا کرنا پڑی اور امام مع ام الفضل کے مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینہ تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی عالم رہا جو اس کے پہلے تھا، نہ پہرہ دار نہ کوئی خاص روک ٹوک، نہ تزک و احتشام، نہ اوقاتِ ملاقات، نہ ملاقاتیوں کے ساتھ برتاؤ میں کوئی تفریق زیادہ تر نشست مسجدِ نبوی میں رہتی تھی۔ جہاں مُسلمان حضرت کے وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ روایانِ حدیث، اخبار و احادیث دریافت کرتے تھے۔ طالب علم مسائل پوچھتے تھے، صاف

ظاہر تھا کہ جعفر صادقؑ ہی کا جانشین اور امام رضاؑ کا فرزند ہے جو اسی مسند علم پر بیٹھا ہوا ہدایت کا کام انجام دے رہا ہے۔

اُمورِ خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود میں رکھا ہُوا تھا انھیں حدود میں آپ نے ام الفضل کو بھی رکھا، آپ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ آپ کی بیوی ایک شہنشاہ وقت کی بیٹی ہے۔ چنانچہ ام الفضل کے ہوتے ہوئے۔ آپ نے حضرت عمار یاسر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی فرمایا اور قدرت کو نسلِ امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھی، یہی امام علی نقی کی ماں ہوئیں۔ ام الفضل نے اس کی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی، مامون کے دل کے لیے بھی یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا، مگر اُسے اب اپنے کیے کو نباہنا تھا۔ اس نے ام الفضل کو جواب میں لکھا کہ میں نے تمھارا عقد ابوجعفر کے ساتھ اس لیے نہیں کیا ہے کہ اُن پر کسی حلال خدا کو حرام کر دوں۔ خبردار! مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔

یہ جواب دے کر حقیقت میں اس نے اپنی خفت مٹائی ہے۔ ہمارے سامنے اس کی نظریں موجود ہیں کہ اگر مذہبی حیثیت سے کوئی با احترام خاتون ہوئی ہے تو اس کی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا گیا، جیسے پیغمبر اسلام علیہ السلام کے لیے جناب خدیجہؑ اور حضرت علی المرتضیٰ کے لیے جناب فاطمۃ الزہراؑ۔ مگر شہنشاہ دنیا کی بیٹی کو یہ امتیاز دینا صرف اس لیے کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اسلام کی اُس روح کے خلاف تھا جس کے آلِ محمد محافظ تھے۔ اس لیے امام محمد تقی علیہ السلام نے اس کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرنا اپنا فریضہ سمجھا۔ (سوانح محمد تقی جلد ۲ ص ۱۱)

امام محمد تقی علیہ السلام اور طی الارض

امام محمد تقی علیہ السلام اگرچہ مدینہ میں قیام فرماتے لیکن فرائض کی وسعت نے آپ کو مدینہ ہی کے لیے محدود نہیں رکھا تھا۔ آپ مدینہ میں رہ کر اطرافِ عالم کے عقیدت مندوں کی خبرگیری فرمایا کرتے تھے یہ ضروری نہیں کہ جس کے ساتھ کرم گستری کی جائے۔ وہ آپ کے کوائف وحالات سے بھی آگاہ ہو۔ عقیدہ کا تعلق دل کی گہرائی سے ہے کہ زمین وآسمان ہی نہیں ساری کائنات اُن کے تابع ہوتی ہے۔ انھیں اس کی ضرورت نہیں پڑتی کہ وہ کسی سفر میں طے مراحل کے لیے زمین اپنے قدموں سے ناپا کریں، اُن کے لیے یہی بس ہے کہ جب اور جہاں چاہیں چشم زدن میں پہنچ جائیں اور یہ عقلاً محال بھی نہیں ہے۔ ایسے خاصانِ خدا کے اس قسم کے واقعات قرآن مجید میں بھی ملتے ہیں۔ آصف بن برخیا وصی جناب سُلیمان علیہ السلام کے لیے علمائے اس قسم کے واقعات کا حوالہ دیا ہے۔ اُن میں سے ایک واقعہ ہے کہ آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر شام پہنچے، وہاں

ایک شخص کو اُس مقام پر عبادت میں مصروف و مشغول پایا جس جگہ امام حسینؑ کا سرِ مبارک لٹکایا گیا تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو وہ روانہ ہوا، ابھی چند قدم بھی نہ چلا تھا، کہ کوفہ کی مسجد میں جا پہنچا، وہاں نماز ادا کرنے کے بعد جو روانگی ہوئی، تو صرف چند منٹوں میں مدینہ منورہ جا پہنچے اور زیارت و نماز سے فراغت کی گئی، پھر وہاں سے چل کر چند لمحوں میں مکہ معظمہ رسیدگی ہوگئی، طواف و دیگر عبادت سے فراغت کے بعد آپ نے چشم زدن میں اُسے شام کی مسجد میں پہنچا دیا۔ اور خود نظروں سے اوجھل ہو کر مدینہ منورہ جا پہنچے پھر جب دوسرا سال آیا تو آپ بدستور شام کی مسجد میں تشریف لے گئے اور اُس عابد سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو، چنانچہ وہ چل پڑا، آپ نے چند لمحوں میں اُسے سالِ گزشتہ کی طرح تمام مقدس مقامات کی زیارت کرا دی۔ پہلے ہی سال کے واقعہ سے وہ شخص بے انتہا متاثر تھا ہی، کہ دوسرے سال بھی ایسا ہی واقعہ ہوگیا۔ اب کی مرتبہ اُس نے مسجد شام واپس پہنچتے ہی اُن کا دامن تھام لیا اور قسم دے کر پوچھا کہ فرمایئے آپ اس عظیم کرامت کے مالک "کون ہیں" آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن علی (امام محمد تقی) ہوں اُس نے بڑی عقیدت اور تعظیم و تکریم کے مراسم ادا کئے۔

آپ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد یہ خبر بجلی کی طرح تمام پھیل گئی، جب والی شام محمد بن عبد الملک کو اس کی اطلاع ملی اور یہ بھی پتہ چلا کہ لوگ اس واقعہ سے بے انتہا متاثر ہو گئے ہیں تو اُس نے اس عابد پر "مدعی نبوت" ہونے کا الزام لگا کر اُسے قید کر دیا اور پھر شام سے منتقل کر کے عراق بھجوا دیا۔ اُس نے والی کو قید خانہ سے ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ میں بے خطا ہوں، مجھے رہا کیا جائے، تو اُس نے خط کی پشت پر لکھا کہ جو شخص تجھے شام سے کوفہ اور کوفہ سے مدینہ اور وہاں سے مکہ اور پھر وہاں سے شام پہنچا سکتا ہے۔ اپنی رہائی میں اُسی کی طرف رجوع کر

اس جواب کے دوسرے دن یہ شخص مکمل سختی کے باوجود، سخت ترین پہرہ کے ہوتے ہوئے قید خانہ سے غائب ہوگیا، علی بن خالد راوی کا بیان ہے کہ جب میں قید خانہ کے پھاٹک پر پہنچا تو دیکھا کہ تمام ذمہ داران حیران و پریشان ہیں، اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ عابد شامی زمین میں سما گیا یا آسمان پر اٹھا لیا گیا، علامہ مفید علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے علی بن خالد جو دوسرے مذہب کا پیرو تھا، امامیہ مسلک کا معتقد ہوگیا۔ (شواہد النبوت ص ۲۰۵، نور الابصار ص ۱۴۶، اعلام الوریٰ ص ۲۰۱، ارشاد مفید ص ۴۸۱)۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے بعض کرامات

صاحبِ تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے

کرامات بے شمار ہیں۔ (روضۃ الشہداء ص ۴۳۸) میں بعض کا تذکرہ مختلف کتب سے کرتا ہوں۔
علامہ عبدالرحمٰن جامی تحریر کرتے ہیں کہ (۱) مامون رشید کے انتقال کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام
نے ارشاد فرمایا کہ اب تیس ۳۰ ماہ بعد میرا بھی انتقال ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا (۲) ایک شخص نے
آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک مسماۃ (اُم الحسن) نے آپ سے درخواست کی ہے
کہ اپنا کوئی جامہ کہنہ دیجئے تاکہ میں اُسے اپنے کفن میں رکھوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب جامہ
کہنہ کی ضرورت نہیں ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں وہ جواب لے کر جب واپس ہوا تو معلوم
ہوا کہ ۱۳-۱۴ دن ہوگئے ہیں کہ وہ انتقال کر چکی ہے۔ (۳) ایک شخص (اُمیہ بن علی) کہتا ہے
کہ میں اور حماد بن عیسیٰ ایک سفر میں جاتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ
سے رخصت ہولیں، آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم آج اپنا سفر ملتوی کر دو، چنانچہ میں حسب الحکم
ٹھہر گیا، لیکن میرے ساتھی حماد بن عیسیٰ نے کہا کہ میں نے سارا سامانِ سفر گھر سے نکال رکھا ہے
اب اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ سفر ملتوی کردوں، یہ کہہ کر وہ روانہ ہوگیا اور چلتے چلتے رات کو
ایک وادی میں جا پہنچا اور وہیں قیام کیا، رات کے کسی حصہ میں عظیم الشان سیلاب آگیا۔
اور وہ تمام لوگوں کے ساتھ حماد کو بھی بہا کر لے گیا (شواہد النبوت ص ۲۰۲) (۴) علامہ اربلی تحریر
فرماتے ہیں کہ معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ ایک دن مدینہ منورہ میں جب کہ آپ بہت کمسن تھے
مجھ سے فرمایا کہ چلو میرے ہمراہ چلو! چنانچہ میں ساتھ ہوگیا۔ حضرت نے مدینہ سے باہر ایک وادی
میں جا کر مجھ سے فرمایا کہ تم ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ آپ نظروں سے غائب ہوگئے اور
تھوڑی دیر کے بعد واپس ہوئے۔ واپسی پر آپ بے انتہا ملول اور رنجیدہ تھے، میں نے
پوچھا: فرزند رسولؐ! آپ کے چہرہ مبارک سے آثار حزن و ملال کیوں ہویدا ہیں۔ ارشاد
فرمایا! کہ اسی وقت بغداد سے واپس آرہا ہوں۔ وہاں میرے والد ماجد حضرت امام رضا
علیہ السلام زہر سے شہید کر دیئے گئے ہیں۔ میں اُن پر نماز وغیرہ ادا کرنے گیا تھا۔ (۵) قاسم
بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں بغداد میں تھا میں نے دیکھا کہ کسی شخص کے پاس تمام لوگ
برابر آتے جاتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ جس کے پاس آنے جانے کا تانتا بندھا ہوا ہے
یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابوجعفر محمد بن علی علیہ السلام ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں
کہ آپ ناقہ پر سوار اُس طرف سے گذرے، قاسم کہتا ہے کہ انھیں دیکھ کر میں نے دل میں کہا
کہ وہ لوگ بڑے بیوقوف ہیں جو آپ کی امامت کے قائل ہیں اور آپ کی عزت و توقیر کرتے
ہیں، یہ تو بچے ہیں اور میرے دل میں ان کی کوئی وقعت محسوس نہیں ہوتی۔ میں اپنے دل میں یہی
سوچ رہا تھا کہ آپ نے قریب آکر فرمایا کہ اے قاسم بن عبدالرحمٰن جو شخص ہماری اطاعت سے

گریزاں ہے وہ جہنم میں جائے گا۔ آپ کے اس فرمانے پر میں نے خیال کیا کہ یہ جادوگر ہیں کہ انھوں نے میرے دل کے ارادے کو معلوم کرلیا ہے۔ جیسے ہی یہ خیال میرے دل میں آیا آپ نے فرمایا کہ تمھارا خیال بالکل غلط ہے تم اپنے عقیدے کی اصلاح کرو۔ یہ سن کر میں نے آپ کی امامت کا اقرار کیا اور مجھے ماننا پڑا کہ آپ حجت اللہ ہیں (۶) قاسم بن الحسن کا بیان ہے کہ میں ایک سفر میں تھا، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مفلوک الحال شخص نے مجھ سے سوال کیا، میں نے اُسے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک زبردست آندھی آئی اور وہ میری پگڑی اُڑا کر لے گئی۔ میں نے بڑی تلاش کی لیکن وہ دستیاب نہ ہوئی۔ جب میں مدینہ پہنچا اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے ملنے گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے قاسم تمھاری پگڑی ہوا اُڑا لے گئی۔ میں نے عرض کی "جی حضور!" آپ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ان کی پگڑی لے آؤ۔ غلام نے پگڑی حاضر کی۔ میں نے بڑے تعجب سے دریافت کیا کہ مولا! یہ پگڑی یہاں کیسے پہنچی، آپ نے فرمایا کہ تم نے جو راہِ خدا میں روٹی کا ٹکڑا دیا تھا، اُسے خدا نے قبول فرمایا ہے۔ اے قاسم خداوند عالم یہ نہیں چاہتا کہ جو اُس کی راہ میں صدقہ دے وہ اُسے نقصان پہنچنے دے (۷) ام الفضل نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شکایت اپنے والد مامون رشید عباسی کو لکھ کر بھیجی کہ ابوجعفر میرے ہوتے ہوئے دوسری شادی بھی کر رہے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے تیری شادی اُن کے ساتھ اس لیے نہیں کی کہ حلال خدا کو حرام کردوں۔ انھیں قانونِ خداوندی اجازت دیتا ہے کہ وہ دوسری شادی کریں، اس میں تیرا کیا دخل ہے۔ دیکھ آئندہ سے اس قسم کی کوئی شکایت نہ کرنا اور سُن تیرا فریضہ ہے کہ تو اپنے شوہر ابوجعفر کو جس طرح ہو راضی رکھ۔ اِس تمام خط و کتابت کی اطلاع حضرت کو ہو گئی۔ (کشف الغمہ ص۱۲۰) علامہ شیخ حسین بن عبدالوہاب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن ام الفضل نے حضرت کی ایک بیوی کو جو عمار یاسر کی نسل سے تھی، دیکھا تو مامون رشید کو کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ حضرت کے قتل پر آمادہ ہو گیا، مگر قتل نہ کر سکا۔ (عیون المعجزات ص۱۵۴ طبع ملتان)۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ہدایات و ارشادات

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ بہت سے بزرگ مرتبہ علماء نے آپ سے علوم اہل بیتؑ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے ایسے مختصر حکیمانہ مقولوں کا بھی ایک ذخیرہ ہے، جیسے آپ کے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کے بعد امام محمد تقی علیہ السلام کے مقولوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ بعض علماء نے آپ کے مقولوں کی تعداد کئی ہزار بتائی ہے۔ علامہ شبلنجی بحوالہ فصول المہمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ (۱)

خداوندِ عالم جسے جو نعمت دیتا ہے بہ ارادہ دوام دیتا ہے، لیکن اُس سے وہ اس وقت زائل ہو جاتی ہے، جب وہ لوگوں یعنی مستحقین کو دینا بند کر دیتا ہے۔ (۲) ہر نعمتِ خداوندی میں مخلوق کا حصّہ ہے۔ جب خدا کسی کو عظیم نعمتیں دیتا ہے تو لوگوں کی حاجتیں بھی کثیر ہو جاتی ہیں۔ اِس موقع پر اگر صاحبِ نعمت (مالدار) عہدہ برآ ہو سکا تو خیر ورنہ نعمت کا زوال لازمی ہے (۳) جو کسی کو بڑا سمجھتا ہے اُس سے ڈرتا ہے (۴) جس کی خواہشات زیادہ ہوں گی، اس کا جسم موٹا ہوگا۔ (۵) صحیفہ حیاتِ مسلم کا سرنامہ "حسنِ خلق" ہے (۶) جو خدا کے بھروسہ پر لوگوں سے بے نیاز ہو جائے گا، لوگ اُس کے محتاج ہوں گے (۷) جو خدا سے ڈرے گا لوگ اُسے دوست رکھیں گے (۸) اِنسان کی تمام خوبیوں کا مرکز زبان ہے۔ (۹) اِنسان کے کمالات کا دار و مدار عقل کے کمال پر ہے (۱۰) اِنسان کے لیے فقر کی زینت "عفت" ہے۔ خدائی امتحان کی زینت شکر ہے حسب کی زینت تواضع اور فروتنی ہے، کلام کی زینت "فصاحت" ہے۔ روایات کی زینت "حافظہ" ہے۔ علم کی زینت "انکسار" ہے۔ ورع وتقویٰ کی زینت "حسن ادب" ہے۔ قناعت کی زینت "خندہ پیشانی" ہے۔ ورع و پرہیزگاری کی زینت تمام مہملات سے کنارہ کشی ہے (۱۱) ظالم اور ظالم کا مددگار اور ظالم کے فعل کو سراہنے والے ایک ہی زمرے میں ہیں۔ یعنی سب کا درجہ برابر ہے (۱۲) جو زندہ رہنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ برداشت کرنے کے لئے اپنے دل کو صبر آزما بنالے۔ (۱۳) خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے تین چیزیں ہونی چاہئیں۔ اوّل استغفار۔ دوم نرمی و فروتنی سوم کثرتِ صدقہ (۱۴) جو جلد بازی سے پرہیز کرے گا، لوگوں سے مشورہ لے گا، اللہ پر بھروسہ رکھے گا وہ کبھی شرمندہ نہیں ہوگا (۱۵) اگر جاہل زبان بند رکھے تو اختلافات نہ ہوں (۱۶) تین باتوں سے دل موہ لیے جاتے ہیں۔ (ل) معاشرے میں انصاف (ب) مصیبت میں ہمدردی (ج) پریشان خاطری میں تسلّی (۱۷) جو کسی بُری بات کو اچھی نگاہ سے دیکھے گا، وُہ اس میں شریک سمجھا جائے گا (۱۸) کفرانِ نعمت کرنے والا خدا کی ناراضگی کو دعوت دیتا ہے (۱۹) جو تمھارے کسی عطیہ پر شکریہ ادا کرے، گویا اُس نے تمھیں اُس سے زیادہ دے دیا (۲۰) جو اپنے بھائی کو پوشیدہ طور پر نصیحت کرے وُہ اُس کا محسن ہے، اور جو علانیہ نصیحت کرے، گویا اُس نے اُس کے ساتھ بُرائی کی۔ (۲۱) عقلمندی اور حماقت جوانی کے قریب تک ایک دوسرے پر انسان پر غلبہ کرتے رہتے ہیں اور جب ۱۸ سال پورے ہو جاتے ہیں تو استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور راہ معیّن ہو جاتی ہے (۲۲) جب کسی بندہ پر نعمت کا نزول ہو اور وہ اس نعمت سے متاثر ہو کر یہ سمجھے کہ یہ خدا کی عنایت و مہربانی ہے تو خداوندِ عالم شکر کرنے سے پہلے اس کا نام شاکرین میں لکھ لیتا ہے۔ اور جب کوئی گناہ کرنے کے ساتھ یہ محسوس کرے کہ میں خدا کے ہاتھ میں ہوں، وہ جب اور جس طرح چاہے

عذاب کرسکتا ہے تو خداوند عالم اُسے استغفار سے قبل بخش دیتا ہے (۲۳) شریف وہ ہے جو عالم ہے اور عقلمند وہ ہے جو متقی ہے۔ (۲۴) جلد بازی کر کے کسی امر کو شہرت نہ دو، جب تک تکمیل نہ ہوجائے (۲۵) اپنی خواہشات کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ دل تنگ ہوجاؤ (۲۶) اپنے ضعیفوں پر رحم کرو اور اُن پر ترحم کے ذریعہ سے اپنے لیے خدا سے رحم کی درخواست کرو (۲۷) عام موت سے بُری موت وہ ہے جو گناہ کے ذریعہ سے ہو، اور عام زندگی سے خیر و برکت کے ساتھ والی زندگی بہتر ہے (۲۸) جو خدا کے لیے اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچائے وہ ایسا ہے جیسے اُس نے اپنے لیے جنّت میں گھر بنا لیا (۲۹) جو خدا پر اعتماد رکھے اور اُس پر توکّل اور بھروسہ کرے، خدا اُسے ہر بُرائی سے بچاتا ہے اور اُس کی ہر قسم کے دشمن سے حفاظت کرتا ہے۔ (۳۰) دین عزّت ہے، علم خزانہ ہے اور خاموشی نور ہے۔ (۳۱) زہد کی انتہا ورع اور تقویٰ ہے (۳۲) دین کو تباہ کر دینے والی چیز بدعت ہے (۳۳) انسان کو برباد کرنے والی چیز "لالچ" ہے (۳۴) حاکم کی صلاحیت رعایا کی خوشحالی کا دارومدار ہے (۳۵) دُعا کے ذریعہ سے ہر بلا ٹل سکتی ہے (۳۶) جو صبر و ضبط کے ساتھ میدان میں آجائے وہ کامیاب ہوگا (۳۷) جو دُنیا میں تقویٰ کا بیج بوئے گا، آخرت میں دلی مرادوں کا پھل پائے گا۔ (نور الابصار ص۱۴۰ طبع مصر)۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی ایک روایت

مورخ دمشق علامہ شمس الدین ابن طالون لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام نے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نے بیان فرمایا ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تھا تو چند خاص وصیتیں کی تھیں۔ جن میں ایک یہ تھی "یا علی ماخاب من استخار ولاندم من استشار" جو شخص اپنے کاموں میں استخارہ کرلیا کرے گا۔ وہ خائب و خاسر نہ ہوگا۔ اور جو اپنے مخلص دوستوں سے مشورہ کیا کرے گا وہ نادم و شرمندہ نہ ہوگا . . . من استفاد اخا فی اللہ فقد استفاد بیتاً فی الجنت جو اپنے بھائی کو فی سبیل اللہ فائدہ پہنچائے گا، وہ جنّت میں اپنا گھر بنوالے گا۔ (الائمۃ الاثنا عشر ص۱۰۳ طبع بیروت)

مامون کی وفات، معتصم کی خلافت

اور حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی گرفتاری

شادی کے بعد سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام مدینہ میں قدرے پُرسکون زندگی بسر کر رہے تھے

یعنی آپ کا وہ خدشہ نہ تھا جو حکومتِ وقت کی طرف سے آپ کے آباؤ اجداد کو ہر وقت لگا رہتا تھا اور جس کے نتیجہ میں شہادت کا درجہ نصیب ہوتا رہتا تھا۔ آپ کو جو تکلیف تھی وہ ام الفضل کے شکائتی خطوط کی تھی جن کے ذریعہ سے وہ مامون کی عنانِ توجہ آپ کی مخالفت کی طرف موڑنا چاہتی تھی۔ مامون چونکہ ہوشیار اور اپنے کیئے کے نباہنے کا عادی تھا، اس لیے اس نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ لیکن اس کے بعد آنے والے خلیفہ نے اس کو پوری اہمیت دے کر آپ کا کام تمام کر دیا۔ علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ ۲۱۸ھ میں مامون نے دُنیا کو خیر باد کہا۔ اب مامون کا بھائی اور ام الفضل کا چچا موتمن جو امام رضا کے بعد ولیعہد بنایا جا چکا تھا۔ تخت سلطنت پر بیٹھا اور معتصم باللہ عباسی کے نام سے مشہور ہوا، اس کے بیٹھتے ہی امام محمد تقی علیہ السّلام کے متعلق ام الفضل کے اسی طرح کے شکایتی خطوط کی رفتار بڑھ گئی، جس طرح کہ اُس نے اپنے باپ مامون کو بھیجے تھے۔ مامون نے جو تمام بنی عباسیوں کی مخالفتوں کے باوجود بھی اپنی لڑکی کا نکاح امام محمد تقی علیہ السّلام کے ساتھ کر دیا تھا اس لیے اپنی بات کی پچ اور کیئے کی لاج رکھنے کی خاطر اُس نے اُن شکائتوں پر کوئی توجہ نہیں دی، بلکہ مایوس کر دینے والے جواب سے بیٹی کی زبان بندی کر دی، مگر معتصم کو جو امام رضا علیہ السّلام کی ولی عہدی کا داغ اپنے سینے پر لیے ہوئے تھا اور امام محمد تقی علیہ السّلام کو داماد بنائے جانے سے تمام بنی عباس کے نمائندے کی حیثیت سے پہلے ہی اختلاف کرنے والوں میں پیش پیش رہ چکا تھا۔ اب ام الفضل کے شکائتی خطوط کو اہمیت دے کر اپنے اس اختلاف کو جو اس نکاح سے تھا حق بجانب ثابت کرنا چاہتا تھا۔ پھر سب سے زیادہ امام محمد تقی علیہ السّلام کی علمی مرجعیت آپ کے اخلاقی اثر کا شہرہ جو حجاز سے بڑھ کر عراق تک پہنچا ہوا تھا، وہ بنائے مخاصمت جو معتصم کے بزرگوں کو امام محمد تقی کے بزرگوں سے رہ چکی تھی اور پھر اس سیاست کی ناکامی اور منصوبہ کی شکست کا محسوس ہو جانا جو اس عقد کا محرک ہوا تھا، جس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ یہ تمام باتیں تھیں کہ معتصم مخالفت کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اس نے اپنی سلطنت کے دوسرے ہی سال امام محمد تقی کو مدینہ سے بغداد کی طرف جبراً بلوا بھیجا۔ حاکم مدینہ عبدالملک کو اس بارے میں تاکیدی خط لکھا مجبوراً امام محمد تقی علیہ السّلام اپنے فرزند حضرت امام علی نقی علیہ السّلام اور اُن کی والدہ کو مدینہ میں چھوڑ کر بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔

ملا محمد مبین فرنگی محلی کہتے ہیں کہ جب مامون کے بعد معتصم خلیفہ ہوا، اور اس نے امام محمد تقی کے فضائل کا آوازہ سنا تو براہ بغض و عناد مدینہ منورہ سے بمقام بغداد آپ کو طلب کر لیا۔ امام محمد تقی علیہ السّلام جب مدینہ سے چلنے لگے تو انھوں نے اپنے فرزند امام علی النقی کو اپنا وصی اور خلیفہ

قرار دے کر کتب علوم الٰہی اور آثار جناب رسالت پناہی انھیں سپرد فرمایا، بعد ازاں مدینہ سے روانہ ہو کر نویں محرم ۲۲۰ھ کو بغداد پہنچے اور معتصم نے اسی سال اُن کو شہید کر دیا (وسیلۃ النجات ص۳۹۴)

امام محمد تقیؑ کی نظر بندی، قید اور شہادت

مدینہ رسولؐ سے فرزند رسول کو طلب کرنے کی غرض چونکہ نیک نیتی پر مبنی نہ تھی، اس لیے عظیم شرف کے باوجود آپ حکومت وقت کی کسی رعایت کے قابل نہیں متصور ہوئے معتصم نے بغداد بلوا کر آپ کو قید کر دیا۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں، کہ "چون معتصم بخلافت بہ نشست آنحضرت را از مدینہ طیبہ بدار الخلافۃ بغداد آوردہ حبس فرمودہ۔ (کشف الغمہ ص۱۲۱) ایک سال تک آپ نے قید کی سختیاں صرف اس جرم میں برداشت کیں کہ آپ کمالات امامت کے حامل کیوں ہیں اور آپ کو خدا نے یہ شرف کیوں عطا فرمایا ہے۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ آپ پر اس قدر سختیاں تھیں اور اتنی کڑی نگرانی اور نظر بندی تھی کہ آپ اکثر اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتے تھے۔ بہر حال وہ وقت آگیا کہ آپ صرف ۲۵ سال ۳ ماہ ۱۲ یوم کی عمر میں قید خانہ کے اندر آخر ذی قعد (بتاریخ ۲۹ ذی قعدہ ۲۲۰ھ یوم سہ شنبہ) معتصم کے زہر سے شہید ہو گئے۔ (کشف الغمہ ص۱۲۱، صواعق محرقہ ص۱۲۳، روضۃ الصفا جلد ۳ ص۱۶، اعلام الوریٰ ص۲۰۵، ارشاد ص۴۸۰، انوار نعمانیہ ص۱۲۷، انوار الحسینیہ ص۵۴)۔

آپ کی شہادت کے متعلق مُلا مبین کہتے ہیں کہ معتصم عباسی نے آپ کو زہر سے شہید کیا۔ (وسیلۃ النجات ص۲۹۷) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ کو امام رضا کی طرح زہر سے شہید کیا گیا (صواعق محرقہ ص۱۲۳) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ "گویند بہ زہر شہید شد" کہتے ہیں کہ آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں (روضۃ الشہداء ص۴۳۸) ملا جامی کی کتاب میں ہے "قیل مات مسموماً" کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی ہے (شواہد النبوت ص۲۰۴) علامہ نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں "مات مسموماً قد سمہ المعتصم" آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں اور یقیناً معتصم نے آپ کو زہر دیا ہے، انوار نعمانیہ ص۱۹۵) یہی کچھ علامہ طبرسی نے بھی تحریر فرمایا ہے (اعلام الوریٰ ص۲۰۵) اور علامہ عبد الرضا نے بھی یہی لکھا ہے (انوار الحسینیہ ص۵۴) نواب صدیق حسن لکھتے ہیں کہ معتصم عباسی نے زہر سے آپ کو مار دیا (الفرح التامی) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ انہ مات مسموماً آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ "یقال ان ام الفضل بنت المامون سقتہ بامر ابیہا" کہا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی اُم الفضل نے اپنے باپ مامون کے حکم کے مطابق (معتصم کی مدد سے) زہر دے کر شہید کیا (نور الابصار ص۱۴۷، ارجح المطالب ص۴۶۰) مطلب یہ ہوا کہ مامون رشید نے امام محمد تقی کے والد ماجد امام رضا کو اور اس کی بیٹی نے امام محمد تقی

علیہ السلام کو بقول امام شبلنجی شہید کر کے اپنے وطیرۂ مستمرہ اور اصول خاندانی کو فروغ بخشا ہے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ " دخلت امراتہ ام الفضل الی قصر المعتصم" کہ امام محمد تقی کو شہید کر کے اُن کی بیوی اُم الفضل معتصم کے پاس چلی گئی۔ بعض معاصرین لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے شہادت کے وقت اُم الفضل کے بدترین مستقبل کا ذکر فرمایا تھا جس کے نتیجہ میں اُس کے ناسُور ہو گیا تھا اور وہ آخر میں دیوانی ہو کر مری۔

مختصر یہ کہ شہادت کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے آپ کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی اور نمازِ جنازہ پڑھائی، اور اس کے بعد آپ مقابر قریش میں اپنے جدِ نامدار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ چونکہ آپ کے دادا کا لقب کاظم اور آپ کا لقب جواد بھی تھا، اس لیے اُس شہر کو آپ کی شرکت سے "کاظمین" اور وہاں کے اسٹیشن کو آپ کے دادا کی شرکت کی رعایت سے "جوادین" کہا جاتا ہے۔

اِس مقبرۂ قریش میں جسے کاظمین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۳۵۶ھ ہجری مطابق ۹۹۸ء میں معز الدولہ اور ۴۵۲ھ ہجری مطابق ۱۰۴۴ء میں جلال الدولہ شاہان آل بویہ کے جنازے اعتقاد مندی سے دفن کیے گئے۔ کاظمین میں جو شاندار روضہ بنا ہوا ہے اس پر بہت سے تعمیری دور گزرے لیکن اس کی تعمیری تکمیل شاہ اسماعیل صفوی نے ۹۲۶ھ ہجری مطابق ۱۵۲۰ء میں کرائی۔ ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۳۹ء میں محمد شاہ قاچار نے اُسے جواہرات سے مرصع کیا۔

آپ کی ازواج اور اولاد

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے چند بیویاں تھیں جن میں ام الفضل بنت مامون رشید عباسی اور سمانہ خاتون یاسری نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ جنابِ سمانہ خاتون جو کہ حضرت عمار یاسر کی نسل سے تھیں، کے علاوہ کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، آپ کی اولاد کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ دو نرینہ اور دو غیر نرینہ تھیں، جن کے اسماء یہ ہیں (۱) حضرت امام علی نقی علیہ السلام (۲) جنابِ موسیٰ مبرقع علیہ الرحمۃ (۳) جنابِ فاطمہ (۴) جنابِ امامہ (ارشاد مفید ص ۴۹۳، صواعق محرقہ ص ۱۲۳، روضۃ الشہداء ص ۴۳۸، نور الابصار ص ۱۴۷، انوار نعمانیہ ص ۱۲۷، کشف الغمہ ص ۱۱۶، اعلام الوریٰ ص ۲۰۵ وغیرہ۔

سلسلۂ سادات رضویہ

حضرت امام علی الرضا علیہ السلام کے حالات میں بحوالہ امام المحدثین حجۃ الاسلام حضرت علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ و علامہ معتمد طبرسی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے ایک نرینہ

فرزند، حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام تھے، ان حضرات کی تحقیق پر اعتماد و اعتقاد کرنے کے بعد یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السّلام کی نسل صرف حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام سے بڑھی، بیٹے کی اولاد کا دادا کی طرف انتساب خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ باپ کے علاوہ دادا کے کوئی اور اولاد نہ ہو، نہایت مناسب ہے، اسی لیے علّامہ حسین واعظ کاشفی، علّامہ سیّد نور اللہ شوشتری (شہید ثالث) علّامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی اولاد کو "رضوی" کہا جاتا ہے۔ (روضۃ الشہداء ص۴۳۸، مجالس المومنین و بحار الانوار)
علّامہ معاصر مولانا سیّد علی نقی مجتہد العصر رقمطراز ہیں کہ "یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنے سادات "رضوی" کہلاتے ہیں وہ دراصل نقوی ہیں یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی اولاد ہیں۔ اگر حضرت امام رضا علیہ السّلام کی اولاد امام محمد تقیؑ کے علاوہ کسی اور فرزند کے ذریعہ سے بھی ہوتی تو امتیاز کے لیے وہ اپنے کو "رضوی" کہتی اور امام محمد تقی علیہ السّلام کی اولاد اپنے کو تقوی کہتی، مگر چونکہ امام رضاؑ کی نسل امام محمد تقیؑ سے چلی اور حضرت امام رضا علیہ السّلام کی شخصی شہرت سلطنت عباسیہ کے ولی عہد ہونے کی وجہ سے جمہور مسلمین میں بہت ہو چکی تھی، اس لیے تمام اولاد کا حضرت امام رضا کی طرف منسوب کر کے تعارف کیا جانے لگا اور رضوی کے نام سے مشہور ہوئے۔
حضرت امام محمد تقیؑ کی نسل دو بیٹوں سے بڑھی، ایک امام علی نقی علیہ السّلام دوسرے حضرت موسیٰ مبرقع علیہ الرحمۃ (کتاب رحمۃ للعالمین جلد ۲ ص۱۴۵) امام علی نقی علیہ السّلام کی اولاد اپنے کو نقوی اور موسیٰ مبرقع کی اولاد مذکورہ وجہ کی بنا پر اپنے کو رضوی کہتی ہے۔
جناب موسیٰ بن امام محمد تقی علیہ السّلام کے فرزند بہ طابق تحریر سیّد حامد حسین کراروی متوفی ۱۲۷۱ھ بحوالہ "لطائف الشرف" تین تھے۔ ۱۔ سیّد محمد ۲۔ سیّد عمران ۳۔ سیّد احمد۔ آپ کی نسل صرف سیّد احمد سے بڑھی۔ علّامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔ "عقب مبرقع از سیّد احمد است و عقب احمد از محمد اعرج است" (روضۃ الشہداء ص۴۳۸) سیّد احمد کے تین بیٹے تھے ۱۔ سیّد صالح ۲۔ سیّد جلیل ۳۔ سیّد محمد اعرج محمد اعرج کے فرزند ابو عبداللہ سیّد احمدؒ نقیب القمؒ تھے۔ جس کے معنی رئیس اعظم، نگران اعلیٰ، سربراہ اور قوم کے ہر داخلی اور خارجی امر میں تدبیر اور سازگاری پیدا کرنے والے کے ہیں (مجمع البحرین ص۱۵۷) سادات کراری ضلع الٰہ آباد کا سلسلۂ نسب آپ ہی کی وساطت سے امام محمد تقی اور امام علی رضا علیہما السّلام تک پہنچتا ہے۔ سادات کراری کے مورث اعلیٰ سیّد حسام الدین اعلیٰ اللہ مقامہٗ گورنر متھرا بہ عہد فیروز شاہ تغلق تھے۔ سیّد ریاض الحسن کراروی مقیم کراچی لکھتے ہیں کہ "آپ ایران سے ہندوستان آکر زید پور ضلع بارہ بنکی میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کو پہلے صوبۂ متھرا کا گورنر پھر فوج کا کمانڈر بنا

دیا گیا تھا"۔ آپ بہت بڑے بہادر اور سخی تھے۔ آپ کا سلسلہ نو واسطوں سے نقیب القم تک پھر چار واسطوں سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ۷۱۷ھ میں جنگل کاٹ کر "کراری" کو آباد کیا جو تقریباً ڈھائی سو مواضعات پر مشتمل ہے، جن پر آپ کی اولاد قابض اور متصرف ہے (کتاب شجرۂ سادات کراری مؤلفہ سید ریاض حسین مرحوم ص۱۵-۱۸ طبع لکھنؤ ۱۹۲۷ء)۔

سید حسام الدین کے قم سے ہندوستان تشریف لانے کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ چنگیز خاں نے جب ایران فتح کرنے کے لیے لشکر بھیجا اور اس لشکر نے قیامت خیز تباہی مچائی تھی، اسی موقع پر دیگر حضرات کی طرح آپ بھی ہندوستان تشریف لائے۔ تاریخ روضۃ الصفا جلد ۵ ص۲۵ تا ص۳۹ طبع لکھنؤ میں ہے کہ چنگیز خاں کا لشکر ۶۱۵ ھجر میں فتح ایران کے لیے نکلا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ سیل حوادث کی طرح جس طرف گزرتا تھا تباہ و برباد کر چھوڑتا تھا، کسی نے کسی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ "آمدند و کندند و سوختند وکشتند و بردند" کہ لشکر والے آئے، اکھاڑا پچھاڑا جلایا پھونکا، قتل کیا اور سب لوٹ کر لے گئے۔ "ص۲۶" چنگیز خاں کے دست برد سے ایران کا کوئی شہر اور نمایاں قریہ نہیں بچا۔ اس نے قتل و غارت کا سلسلہ ۶۲۱ ھجر تک جاری رکھا۔ یوں تو ہر جگہ تباہ ہوئی اور سب ہی قتل ہوئے۔ لیکن وہ مقامات جن کی تباہی سے ہمارے دلوں کو روحی صدمہ پہنچا۔ وہ بلخ خراسان سبزوار، نیشاپور اور قم جیسے شہر ہیں۔ بلخ میں پچاس ہزار سادات تھے، جو قتل ہوئے۔ خراسان میں قریب صد ہزار مومن موحد را شہید ساختند" تقریباً ایک لاکھ مومن قتل ہوئے۔ ص۳۶ سبزوار میں ستر ہزار قتل کیے گئے ص۳۶ نیشاپور میں تو مقتولین کی اتنی کثرت تھی کہ بارہ دن تک لاشوں کا شمار ہوتا رہا۔ ہرات میں بھی شدید اندھیر گردی تھی، بے شمار سادات قتل کیے گئے۔ ان ہنگاموں میں نہایت بربریت کا ثبوت دیا گیا، آگ لگائی گئی عصمت دری کی گئی، پانی بند کیا گیا اور بے دریغ قتل و خونریزی سے سرزمین ایران لالہ زار بنائی گئی۔ بعض مقامات کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ ظالم یہ کہتے تھے کہ یہ رافضی لوگ ہیں، ان کا قتل کرنا "عین صواب و مستلزم ثواب است"۔ نہایت صحیح عمل ہے اور بے حد ثواب کا موجب ہے ص۳۰ بہر حال انھیں حالات سے متاثر ہو کر سادات ایران سے جان بچا کر نکل کھڑے ہوئے اور اطرافِ عالم میں جہاں جس کو سوجھا، وہاں جا ٹھہرا ص۳۹ صاحب عمدۃ الطالب کی تحریر کے مطابق حضرت موسیٰ مبرقع کی اولاد بھی ہندوستان آئی۔ بدر مشعشع ص۳۱ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، سید حسام الدین کا تشریف لانا بھی اسی عہد سے متعلق ہے۔

حضرت امام محمد تقیؑ کے فرزندِ ارجمند جنابِ موسیٰ مبرقع کے مختصر حالات

حضرت موسیٰ مبرقع علیہ الرحمۃ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کے فرزند اور حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کے برادرِ عزیز تھے، آپ کی کنیت ابوجعفر اور ابواحمد تھی۔ آپ کمال حسن و جمال کی وجہ سے ہمیشہ چہرہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے اسی لیے آپ کے نام کے ساتھ "مبرقع" بھی مستعمل ہوتا ہے۔ آپ بہترین عالمِ دین سخی اور بہادر تھے۔ آپ ۱۰ رجب المرجب ۲۱۲ھ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ پھر ۲۸ سال کی عمر میں ۲۵۵ھ میں کوفہ تشریف لے گئے، پھر وہاں سے ۲۵۶ھ میں قم منتقل ہوگئے۔ علماء کا بیان ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سادات رضویہ سے قم میں مستقل قیام کا ارادہ کیا۔

علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ کوفہ سے قم پہنچے تو وہاں کے رؤسا نے آپ کے مستقل قیام کی مخالفت کی اور آپ کی بھرپور کوشش قیام کے باوجود آپ کو وہاں ٹکنے نہ دیا، بالآخر آپ وہاں سے روانہ ہوکر "کاشان" پہنچے، آپ کی نسلی عظمت اور تبلیغی سرگرمیوں کی شہرت کی وجہ سے وہاں کے باشندوں نے آپ کی بڑی آؤ بھگت کی اور پوری عزت و توقیر کے ساتھ ان کو اپنی آنکھوں پر جگہ دی، چنانچہ ان کے سربراہ احمد بن عبدالعزیز بن دلف عجلی نے دل و جان سے خیر مقدم کیا اور لباس فاخرہ پہنا کر اُن کے لیے شاندار گھوڑے فراہم کئے اور ایک ہزار مثقال سونا، سالانہ اُن کے لیے مقرر کیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ اہلِ کاشان آپ کے وہاں قیام کرنے سے بے انتہا خوش تھے اور آپ کے قیام کو سارے کاشان کی خوش قسمتی سمجھتے تھے۔ لیکن اسی دوران میں جب قم والوں کو ہوش آیا اور اُن کے بعض معزز حضرات جو کہ باہر تھے جیسے "ابوالصید بن الحسین بن علی بن آدم" جب قم واپس پہنچے اور انھیں اس حادثۂ اخراج کا علم ہوا تو وہ بے حد شرمندہ ہوئے اور اُن لوگوں کی سخت مذمت کی۔ جن کا ان کے اخراج میں ہاتھ تھا۔ "فارسلوا رؤساء العرب"۔ پھر ان معززین اور عرب کے رؤسا نے، آپ کو واپس لانے کے لیے ایک جمعیت بھیج دی، اس نے عذر و معذرت کے بعد آپ کو قم واپس تشریف لانے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ آپ نہایت عزت و احترام کے ساتھ قم واپس تشریف لائے، ان حضرات نے ان کے لیے ایک شاندار مکان اور بہت سی ضروری چیزیں خریدیں اور جائداد میں اُن کو وافر حصہ دیا اور بیس ہزار درہم سے نقد خدمت کی آپ کے قم میں مستقل قیام کے بعد آپ کی بہنیں، زینت، ام محمد، میمونہ وغیرہا بھی پہنچ گئیں اور آپ کی لڑکی بریھہ بھی جا پہنچی۔ یہ بیبیاں مستقل وہیں مقیم رہیں بالآخر سب کی سب حضرت معصومہ

قُم کے گرداگرد دفن ہوئیں۔

آپ اپنے بھائی حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے پیرو تھے اور انھیں بے حد مانتے تھے۔ اور مسائل کے جواب دینے میں بوقت ضرورت انھیں سے مدد لیا کرتے تھے جیسا کہ یحییٰ بن اکثم کے سوال کے جواب میں آپ کا امام علیہ السلام کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہے۔ (سفینۃ البحار جلد ۱ ص۵۹۱) آپ کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ امام علی نقی علیہ السلام کی مرضی کے خلاف ایک دفعہ متوکل سے ملنے کے لیے گئے تھے "غلط ہے" کیونکہ اس خبر کی روایت یعقوب بن یاسر نے کی ہے اور وہ متوکل کا آدمی تھا یعنی "یہ ہوائی اُسی دشمن کی اُڑائی ہوئی ہے"۔ اس کی کوئی اصلیت نہیں (بدرشعشع علامہ نوری و سفینۃ البحار ۲ ص۶۵۲)۔

آپ نے شب چہارشنبہ ۲۲ ربیع الثانی ۲۹۶ھ میں بعمر ۷۹ سال وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ امیر قم عباس بن عمر وغنوی نے پڑھائی اور آپ اسی مقام پر دفن ہوئے جس جگہ آپ کا روضہ بنا ہوا ہے۔ ایک روایت کی بنا پر یہ وہ جگہ ہے جس جگہ محمد بن الحسن بن ابی خالد اشعری ملقب بہ "شنبولہ" کا مکان تھا (منتہی الآمال جلد ۲ ص۲۵۱) راقم الحروف نے ۱۹۶۶ء میں آپ کے مزار مقدس پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی ہے۔

مؤلف کتاب کا شجرۂ نسب

مؤلف کتاب اور راقم الحروف کا شجرۂ نسب یہ ہے:-
سید نجم الحسن بن سید فیض محمد بن سید طیب حسین ابن سید امیر حسین (قاضی شریعت بعہدِ ملکۂ وکٹوریہ) بن سید شریف علی بن سید روشن علی بن سید فیض محمود بن سید شریف محمد بن سید عیسیٰ بن سید محمد قائم بن سید روح اللہ بن سید فتح اللہ بن سید فیض بن سید ہاشم بن سید یعقوب بن سید امام الدین بن سید حیدر بن سید محمد بن سید فیروز بن سید قطب الدین بن سید امام الدین بن سید فخر الدین بن سید حسام الدین (مورثِ اعلیٰ سادات کراری) بن سید کمال الدین (چھتیم) بن سید بدر الدین بن سید تاج الدین (شہید)۔ بن سید یحییٰ بن سید عبد العزیز بن سید ابراہیم بن سید محمود بن سید زین بن سید عبد اللہ (زر بخش) بن سید یعقوب بن ابو عبد اللہ سید احمد (نقیب القم) بن سید ابو علی محمد اعرج بن ابو احمد سید ابو المکارم بن سید موسیٰ مبرقع بن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بن حضرت امام علی رضا علیہ السلام۔

۱۲
ابوالحسن
حضرت
امام علی نقی
علیہ السلام
علیؑ کا نام اور خلق حسن لے کر محمدؐ کا
نقیؑ دنیا میں آئے دین ہے محو ثنا خوانی
ستارہ اوج پر ہے دسویں منزل کا امامت کا
نقیؑ کے گھر میں نازل ہو رہا ہے نور یزدانی
(صابر تھاریانی (کراچی))

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۱۲

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام

آج دسواں نائب خیر البشر پیدا ہوا ہیں لقب ہادی نقی جس کے علی ہے جس کا نام
رہبر دینِ خدا ہے یہ محمّد کا پسر عترتِ اطہار میں چوتھا علی عالی مقام

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسویں جانشین اور ہمارے دسویں امام اور سلسلہ معصومین کی بارہویں کڑی ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب سمانہ خاتون تھیں، آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے، آپ علم سخاوت طہارت نفس، بلندیٔ کردار اور جملہ صفات حسنہ میں اپنے والدِ ماجد کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۳ مطالب السؤل ص۲۹۱ نورالابصار ص۱۴۹) آپ کی والدہ کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ آپ "سیدہ ام الفضل" کے نام سے مشہور تھیں (مناقب جلد ۵ ص۱۱۶)

امام علی نقی علیہ السّلام کی ولادتِ باسعادت

آپ بتاریخ ۵ رجب المرجب ۲۱۴ھ یوم سہ شنبہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے۔ (نورالابصار ص۱۴۹، دمعہ ساکبہ ص۱۲) شیخ مفید کا کہنا ہے کہ مدینہ کے قریب ایک قریہ ہے جس کا نام صریا ہے۔ آپ وہاں پیدا ہوئے ہیں۔ (ارشاد ص۴۹۴)

اِسم گرامی کنیت اور القاب

آپ کا اسم گرامی علی، آپ کے والدِ ماجد حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام نے رکھا، اِسے یوں سمجھنا چاہیے کہ سرورِ کائنات نے جو اپنے بارہ جانشین اپنی ظاہری حیات کے زمانہ میں معیّن فرمائے تھے۔ اُن میں سے ایک آپ کی ذات گرامی بھی تھی۔ آپ کے والدِ ماجد نے اُسی معین اِسم سے موسوم کر دیا۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ چہاردہ معصومین کے اسماء لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ سرورِ کائنات

نے اُسی کے مطابق سب کے نام معین فرمائے ہیں اور ہر ایک کے والد نے اُسی کی روشنی میں اپنے فرزند کو موسوم کیا ہے۔ (اعلام الوریٰ ص۲۲۵) کتاب کشف الغطاء ص۴۲ میں ہے کہ آنحضرت نے سب کے نام حضرت عائشہ کو لکھوا دیئے تھے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ . . آپ کے القاب بہت کثیر ہیں جن میں نقی، ناصح، متوکل، مرتضیٰ اور عسکری زیادہ مشہور ہیں۔ (کشف الغمہ ص۱۲۲، نورالابصار ص۱۴۹، مطالب السؤل ص۲۹۱)۔

آپ کا عہد حیات اور بادشاہان وقت

آپ جب ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے تو اُس وقت بادشاہ وقت مامون رشید عباسی تھا۔ ۲۱۸ء میں مامون رشید نے انتقال کیا اور معتصم خلیفہ ہوا (ابوالفداء) ۲۲۷ھ میں واثق ابن معتصم خلیفہ بنایا گیا (ابوالفداء) ۲۳۲ھ میں واثق کا انتقال ہوا۔ اور متوکل عباسی خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (ابوالفداء) پھر ۲۴۷ھ میں منتصر بن متوکل اور ۲۴۸ھ میں مستعین اور ۲۵۲ھ میں زبیر ابن متوکل المکنی بہ "معتز باللہ" علی الترتیب خلیفہ بنائے گئے (ابوالفداء دومعہ ساکبہ ص۱۲۱) ۲۵۴ھ میں معتز کے زہر دینے سے امام علی نقی علیہ السلام شہید ہوئے۔ (تذکرۃ المعصومین)

حضرت امام محمد تقیؑ کا سفر بغداد اور حضرت امام علی نقیؑ کی ولیعہدی

مامون رشید کے انتقال کے بعد جب معتصم باللہ خلیفہ ہوا تو اس نے بھی اپنے آبائی کردار کو سراہا اور خاندانی رویہ کا اتباع کیا۔ اُس کے دل میں بھی آل محمدؐ کی طرف سے وُہی جذبات اُبھرے جو اُس کے آباؤ و اجداد کے دلوں میں اُبھر چکے تھے، اُس نے بھی چاہا کہ آل محمدؐ کی کوئی فرد سطح ارض پر باقی نہ رہے۔ چنانچہ اُس نے تخت نشیں ہوتے ہی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد طلب کر کے نظر بند کر دیا۔ امام محمد تقی علیہ السلام نے جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح قیامت تک کے حالات سے واقف تھے۔ مدینہ سے چلتے وقت اپنے فرزند کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور وہ تمام تبرکات جو امام کے پاس ہوا کرتے ہیں۔ آپ نے امام علی نقی علیہ السلام کے سپرد کر دیئے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر آپ ۹ محرم الحرام ۲۲۰ھ کو وارد بغداد ہوئے۔ بغداد میں آپ کو ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ معتصم عباسی نے آپ کو بتاریخ ۲۹ ذی قعد ۲۲۰ھ زہر سے شہید کر دیا۔ (نورالابصار ص۱۴۷)۔

اصول کافی میں ہے کہ جب امام محمد تقی علیہ السلام کو پہلی بار مدینہ سے بغداد طلب کیا گیا تو راوی خبر اسماعیل بن مہران نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی مولا، آپ کو بلانے والا دشمن آل محمدؐ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بے امام ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو علم ہے تم گھبراؤ نہیں اس سفر میں ایسا نہ ہوگا۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ جب دوبارہ آپ کو معتصم نے بلایا تو پھر میں حاضر ہو کر

عرض پرداز ہوا کہ مولا یہ سفر کیسا رہے گا۔ اس سوال کا جواب آپ نے آنسوؤں کے تار سے دیا اور باچشمِ نم کہا کہ اے اسماعیل میرے بعد علی نقی کو اپنا امام جاننا اور صبر و ضبط سے کام لینا۔ (تذکرۃ المعصومین ص ۲۱۷)۔

حضرت امام علی نقیؑ علیہ السلام کا علمِ لدُنّی

بچپن کا ایک واقعہ

یہ ہمارے مسلمات سے ہے کہ ہمارے آئمہ کو علمِ لدُنّی ہوتا ہے۔ یہ خدا کی بارگاہ سے علم و حکمت لے کر کامل اور مکمل دُنیا میں تشریف لاتے رہے ہیں۔ انھیں کسی سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور انھوں نے کسی دُنیا والے کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں فرمایا۔ ذاتی علم و حکمت کے علاوہ مزید شرفِ کمال کی تحصیل اپنے آباؤ اجداد سے کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی کمسنی میں بھی یہ دُنیا کے بڑے بڑے عالموں کو علمی شکست دینے میں ہمیشہ کامیاب رہے اور جب کسی نے اپنے کو ان کی کسی فرد سے مافوق سمجھا تو وہ ذلیل ہو کر رہ گیا، یا پھر سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ علامہ مسعودی کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات کے بعد امام علی نقی علیہ السلام جن کی اُس وقت عمر ۷ - ۶ سال کی تھی مدینہ میں مرجع خلائق بن گئے تھے، یہ دیکھ کر وہ لوگ جو آلِ محمد سے دلی دُشمنی رکھتے تھے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کسی طرح ان کی مرکزیت کو ختم کیا جائے اور کوئی ایسا معلّم ان کے ساتھ لگا دیا جائے جو انھیں تعلیم بھی دے اور ان کی اپنے اصول پر تربیت کرنے کے ساتھ ان کے پاس لوگوں کے پہونچنے کا سدِ باب کرے، یہ لوگ اسی خیال میں تھے کہ عمر بن فرج رجحی فراغت حج کے بعد مدینہ پہنچا۔ لوگوں نے اُس سے عرض مدعا کیا۔ بالآخر حکومت کے دباؤ سے ایسا انتظام ہو گیا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو تعلیم دینے کے لیے عراق کا سب سے بڑا عالم، ادیب عبیداللہ جنیدی معقول مشاہرہ پر لگایا گیا۔ یہ جنیدی آلِ محمدؐ کی دُشمنی میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ الغرض جنیدی کے پاس حکومت نے امام علی نقی علیہ السلام کو رکھ دیا اور جنیدی کو خاص طور پر اس امر کی ہدایت کر دی کہ ان کے پاس روافض نہ پہنچنے پائیں۔ جنیدی نے آپ کو قصرِ صربا میں اپنے پاس رکھا۔ ہوتا یہ تھا کہ جب رات ہوتی تھی تو دروازہ بند کر دیا جاتا تھا اور دن میں بھی شیعوں کے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اس طرح آپ کے ماننے والوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور آپ کا فیض جاری بند ہو گیا۔ لوگ آپ کی زیارت اور آپ سے استفادہ سے محروم ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن جنیدی سے کہا۔ غلام ہاشمی کا کیا حال ہے۔ اُس نے نہایت بُری صورت بنا کر کہا۔ اُنھیں غلام ہاشمی نہ کہو، وہ رئیسِ ہاشمی ہیں، خدا کی قسم وہ اس کمسنی میں مجھ سے کہیں

زیادہ علم رکھتے ہیں "سنو" میں اپنی پوری کوشش کے بعد جب ادب کا کوئی باب اُن کے سامنے پیش کرتا ہوں تو وہ اُس کے متعلق ایسے ابواب کھول دیتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا ہوں" یظن الناس انی اعلمہ وانا واللہ اتعلم منہ"۔ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں اُنھیں تعلیم دے رہا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم میں اُن سے تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ میرے بس میں یہ نہیں کہ میں اُنھیں پڑھا سکوں "ھذا واللہ خیر اھل الارض وافضل من بقا اللہ"۔ خدا کی قسم وہ حافظِ قرآن ہی نہیں۔ وہ اُس کی تاویل و تنزیل کو بھی جانتے ہیں اور مختصر یہ ہے کہ وہ زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر اور کائنات میں سب سے افضل ہیں۔ (اثبات الوصیت و دمعہ ساکبہ صـ۱۲۱)۔

حضرت امام علی نقیؑ کے کرامات اور آپ کا علمِ باطن

امام علی نقی علیہ السلام تقریباً ۲۹ سال مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔ آپ نے اِس مدّتِ عمر میں کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ تقریباً ہر ایک نے آپ کی طرف رُخ کرنے سے احتراز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ امورِ امامت کو انجام دینے میں کامیاب رہے۔ یعنی تبلیغِ دین اور تحفظ بنائے مذہب اور رہبری ہواخواہاں میں فائز المرام رہے۔ آپ چونکہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح علمِ باطن اور علمِ غیب بھی رکھتے تھے۔ اسی لیے آپ اپنے ماننے والوں کو ہونے والے واقعات سے باخبر فرما دیا کرتے تھے۔ اور سعی فرماتے تھے کہ حتی الوسع مقدورات کے علاوہ کوئی گزند نہ پہنچنے پائے اس سلسلہ میں آپ کے کرامات بے شمار ہیں جن میں سے ہم اس مقام پر کتاب کشف الغمہ سے چند کرامات تحریر کرتے ہیں۔

(۱) محمد بن فرج رحجی کا بیان ہے کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے مجھے تحریر فرمایا کہ تم اپنے تمام امور و معاملات کو راست اور نظام خانہ کو دُرست کر لو اور اپنے اسلحوں کو سنبھال لو۔ میں نے اُن کے حکم کے بموجب تمام دُرست کر لیا۔ لیکن یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ حکم آپ نے کیوں دیا ہے لیکن چند دنوں کے بعد مصر کی پولیس میرے یہاں آئی اور مجھے گرفتار کر کے لے گئی اور میرے پاس جو کچھ تھا سب لے لیا اور مجھے قید خانہ میں بند کر دیا۔ میں آٹھ سال اس قید خانہ میں پڑا رہا۔ ایک دن امام علیہ السلام کا خط پہنچا، جس میں مرقوم تھا کہ اے محمد بن فرج، تم اُس ناحیہ کی طرف نہ جانا جو مغرب کی طرف واقع ہے۔ خط پاتے ہی میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ میں سوچتا رہا کہ میں تو قید خانہ میں ہوں۔ میرا تو اُدھر جانا ممکن ہی نہیں۔ پھر امام نے کیوں یہ کچھ تحریر فرمایا۔ آپ کے خط آنے کو ابھی دو چار ہی یوم گزرے تھے کہ میری رہائی کا حکم آ گیا اور میں اُن کے حسب الحکم مقامِ ممنوع کی طرف نہیں گیا۔ قید خانہ سے رہائی کے بعد میں نے امام علیہ السلام

کو لکھا کہ حضور میں قید سے چھوٹ کر گھر آ گیا ہوں، اب آپ خدا سے دعا فرمائیں کہ میرا مال مغصوبہ واپس کرا دے۔ آپ نے اُس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ عنقریب تمھارا سارا مال تمھیں واپس مل جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲) ایک دن امام علی نقی علیہ السلام اور علی بن حصیب نامی شخص دونوں ساتھ ہی راستہ چل رہے تھے۔ علی بن حصیب آپ سے چند گام آگے بڑھ کر بولے۔ آپ بھی قدم بڑھا کر جلد آجائیے حضرت نے فرمایا کہ اے ابن حصیب "تمھیں پہلے جانا ہے" تم جاؤ اس واقعہ کے چار یوم بعد ابن حصیب فوت ہو گئے۔

(۳) ایک شخص محمد بن فضل بغدادی نامی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو لکھا کہ میرے پاس ایک دکان ہے میں اُسے بیچنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔ جواب نہ ملنے پر مجھے افسوس ہوا۔ لیکن جب میں بغداد واپس پہنچا تو وہ آگ لگ جانے کی وجہ سے جل چکی تھی۔

(۴) ایک شخص ابوایوب نامی نے امام علیہ السلام کو لکھا کہ میری زوجہ حاملہ ہے، آپ دعا فرمائیے کہ لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ اُس کے لڑکا ہی پیدا ہوگا اور جب پیدا ہو تو اُس کا نام محمد رکھنا۔ چنانچہ لڑکا ہی پیدا ہوا، اور اس کا نام محمد رکھا گیا۔

(۵) یحییٰ بن زکریا کا بیان ہے کہ میں نے امام علی نقی علیہ السلام کو لکھا کہ میری بیوی حاملہ ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ بعض لڑکیاں لڑکوں سے بہتر ہوتی ہیں، چنانچہ لڑکی پیدا ہوئی۔

عہدِ واثق کا ایک واقعہ

(۶) ابوہاشم کا بیان ہے کہ میں ۲۲۷ھ میں ایک دن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی نے آ کر کہا کہ ترکوں کی فوج گذر رہی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابوہاشم چلو ان سے ملاقات کریں۔ میں حضرت کے ہمراہ ہو کر لشکریوں تک پہنچا۔ حضرت نے ایک غلام ترکی سے اس کی زبان میں گفتگو شروع فرمائی اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس ترکی سپاہی نے آپ کے قدموں کا بوسہ دیا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ کونسی چیز ہے جس نے تجھے امام کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ اُس نے کہا امام نے مجھے اُس نام سے پکارا جس کا جاننے والا میرے باپ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

تہتّر زبانوں کی تعلیم

(۷) ابوہاشم کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے ہندی زبان میں گفتگو کی جس کا میں جواب نہ دے سکا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں ابھی ابھی تمام زبانوں کا جاننے والا بنائے دیتا ہوں

یہ کہہ کر آپ نے ایک سنگریزہ اُٹھایا اور اُسے اپنے منہ میں رکھ لیا اُس کے بعد اُس سنگریزہ کو مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے چوسو، میں نے مُنہ میں رکھ کر اُسے اچھی طرح چوسا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں تہتر زبانوں کا عالم بن گیا۔ جن میں ہندی بھی شامل تھی۔ اس کے بعد سے پھر مجھے کسی زبان کے سمجھنے اور بولنے میں دقت نہ ہوئی ص ۱۲۲ تا ص ۱۲۵۔

امام علی نقیؑ کے ہاتھوں میں ریت کی قلب ماہیت

(۸) آئمہ طاہرین کے اولوالامر ہونے پر قرآن مجید کی نص صریح موجود ہے۔ ان کے ہاتھوں اور زبان میں خداوند عالم نے یہ طاقت دی ہے کہ وہ جو کہیں، ہو جائے۔ جو ارادہ کریں اُس کی تکمیل ہو جائے۔ جو حکم دیں اُس کی تعمیل ہو جائے ابو ہاشم کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں اپنی تنگ دستی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا بڑی معمولی بات ہے تمھاری تکلیف دُور ہو جائے گی۔ اُس کے بعد آپ نے رمل یعنی ریت کی ایک مُٹھی زمین سے اُٹھا کر میرے دامن میں ڈال دی اور فرمایا اِسے غور سے دیکھو اور اسے فروخت کر کے کام نکالو۔ ابو ہاشم کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جب میں نے اُسے دیکھا تو وہ بہترین سونا تھا، میں نے اُسے بازار لے جا کر فروخت کر دیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱۹)۔

امام علی نقیؑ اور اسم اعظم

(۹) حضرت ثقۃ الاسلام علاّمہ کلینی اصول کافی میں لکھتے ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا۔ اسم اللہ الاعظم ۷۳ حروف ہیں ان میں سے صرف ایک حرف آصف برخیا وصی سلیمان کو دیا گیا تھا جس کے ذریعہ سے انھوں نے چشمِ زدن میں مُلک سبا سے تخت بلقیس منگوا لیا تھا۔ اور اس منگوانے میں ہوا یہ تھا کہ زمین سمٹ کر تخت کو قریب لے آئی تھی، اے نوفلی (راوی) خداوند عالم نے ہمیں اسمِ اعظم کے بہتر حروف دیے ہیں اور اپنے لیے صرف ایک حرف محفوظ رکھا ہے جو علم غیب سے متعلق ہے۔ مسعودی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد امام نے فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنی قدرت اور اپنے اذن و علم سے ہمیں وہ چیزیں عطا کی ہیں جو حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ امام جو چاہیں کر سکتے ہیں، اُن کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ (اصول کافی۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱۸ و دمعہ ساکبہ ص ۱۲۶)۔

امام علی نقیؑ اور سال کے چار اہم روزے

(۱۰) شیخ ابو جعفر طوسی کتاب مصباح میں لکھتے ہیں کہ اسحاق بن عبداللہ علوی عریضی حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں بمقام صریا (مدینہ) حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے انھیں دیکھ کر فرمایا۔ میں جانتا ہوں کہ تمھارے باپ اور تمھارے تمام چچا کے درمیان یہ امر زیر

بحث ہے کہ سال کے وہ کونسے روزے ہیں جن کا رکھنا بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے اور تم اسی کے متعلق مجھ سے سوال کرنے آئے ہو۔ اُس نے کہا اے مولا بس یہی بات ہے۔ آپ نے فرمایا سنو وہ چار روزے ہیں جن کے رکھنے کی تاکید ہے (۱) یوم ولادت حضرت پیغمبر اسلام ۱۷ ربیع الاوّل (۲) یوم بعثت و معراج ۲۷ رجب المرجب (۳) یوم دحوالارض یعنی جس دن کعبہ کے نیچے سے زمین بچھائی گئی اور سفینۂ نوح کوہ جودی پہ ٹھہرا جس کی تاریخ ۲۵ ذی قعدہ ہے۔ (۴) یوم الغدیر یعنی جس دن حضرت رسُولِ خدا صلعم نے حضرت علی علیہ السّلام کو اپنے جانشین ہونے کا اعلان عام فرمایا جس کی تاریخ ۱۸ ذوالحجہ ہے۔ اے عریضی جو ان دنوں میں سے کسی دن بھی روزہ رکھے۔ اُس کے ساٹھ اور ستّر سالہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔ (کتاب مناقب جلد ۵ صـــ۱۲۳ و دمعہ ساکبہ جلد ۳ صـــ۱۲۳)۔

امام علی نقی علیہ السّلام اور متوکّل کی تخت نشینی

(۱۱) یہ مانی ہُوئی بات ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ اُن تمام اُمور سے واقف ہوتے ہیں جن سے عوام اُس وقت تک باخبر نہیں ہوتے جب تک وہ منظرِ عام پر نہ آجائیں۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ واثق کا ایک مُنہ چڑھا رفیق اسباطی ایک دن عراق سے مدینہ منورہ پہنچا، اور وہاں جا کر امام علی نقی علیہ السّلام سے ملا، آپ نے خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ واثق باللہ خلیفۂ وقت کا کیا حال ہے۔ اُس نے کہا میں نے اُسے بہ سلامت چھوڑا ہے اور وہ بالکل بخیریت ہے۔ میں اُسی کا بھیجا ہوا یہاں آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر اسباطی نے سکوت اختیار کیا اور سمجھا کہ یہ جو آپ نے فرمایا ہے بعلمِ امامت فرمایا ہے، ہو سکتا ہے کہ درست ہو۔ پھر آپ نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ ابن الزیات کس حال میں ہے۔ اُس نے عرض کی کہ وہ بھی اچھا خاصا ہے۔ بالکل خیریت سے ہے۔ اِس وقت اُسی کا طوطی بولتا ہے۔ اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے اسباطی سُنو، حکمِ خدا کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور قلمِ قدرت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ مات الواثق و جلس جعفر المتوکل واثق کا انتقال ہو گیا ہے اور متوکل تخت نشینِ خلافت ہو گیا ہے۔" وقتل ابن الزیات اور ابن زیات قتل کر دیا گیا ہے۔ اسباطی نے چونک کر پوچھا، یا حضرت یہ سب کب ہو گیا میں تو سب کو خیریت و عافیت میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا تمھارے عراق سے نکلنے کے چھ یوم بعد یہ انقلاب آیا ہے۔ اس کے بعد اسباطی آپ سے رخصت ہو کر شہر میں کسی مقام پر جا ٹھہرا۔ چند دنوں کے بعد متوکل کا نامہ بر مدینہ پہنچا تو بالکل انھیں حالات کا انکشاف ہوا جن کی خبر امامِ زمانہ دے چکے تھے۔ (نورالابصار صـــ۱۴۹ طبع مصر) مورخ ابن الوردی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ

یہ واقعہ ۲۳۲ھ کا ہے۔ تاریخِ اسلام مسٹر ذاکر حسین میں ہے کہ ابن الزیات وزیر تھا۔ اُس کے قتل ہوتے ہی متوکل نے اپنا وزیر فتح ابن خاقان کو بنایا جو بہت ذہین و ذکی تھا۔ (فہرست ابن ندیم ص۱۷۵)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام اور صحیفۂ کاملہ کی ایک دُعا

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کے ایک صحابی یسع بن حمزہ قمی نے آپ کو تحریر کیا کہ مولا مجھے خلیفہ معتصم کے وزیر سے بہت دُکھ پہنچ رہا ہے۔ مجھے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں وہ میری جان نہ لے لے۔" حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں اور دعائے "صحیفۂ کاملہ" یامن تحل بہ عقد المکارہ الخ پڑھو مصیبت سے نجات پا جاؤ گے۔

یسع بن حمزہ کا بیان ہے کہ میں نے امام کے حسب الحکم نماز صبح کے بعد اس دُعا کی تلاوت کی جس کا پہلے ہی دن یہ نتیجہ نکلا کہ وزیر خود میرے پاس آیا مجھے اپنے ہمراہ لے گیا اور لباسِ فاخرہ پہنا کر مجھے بادشاہ کے پہلو میں بٹھا دیا۔

امام علی نقی علیہ السّلام کے آباؤ اجداد کی قبروں کے ساتھ متوکل عباسی کا سلوک

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام مدینہ ہی میں تھے کہ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں ابوالفضل جعفر متوکل عباسی تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اس نے وہ حرکتیں شروع کیں جنھوں نے زار دمشق یزید کو بھی شرما دیا۔ مورخین کی نگاہ میں متوکل عباسی کو وہی درجہ حاصل ہے۔ جو بنی امیہ میں یزید کو حاصل تھا۔ یہ دونوں اپنے ذاتی کردار کے علاوہ جو کچھ آلِ محمدؐ کے ساتھ کرتے رہے اُس سے تاریخ اسلام سخت شرمندہ ہے۔ متوکل کے متعلق مورخ ابن اثیر لکھتا ہے کہ یہ علی بن ابی طالب اور اُن کے اہل بیت سے سخت بغض رکھتا تھا۔ دمیری کا کہنا ہے کہ متوکل حضرت علیؑ سے بغض شدید رکھتا تھا اور اُن کی منقصت کیا کرتا تھا۔ تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ متوکل نے شاعر ابن سکیت کو اس جرم میں کہ اُس نے متوکل کے اس سوال کے جواب میں کہ میرے بیٹے معتز اور مؤید بہتر ہیں یا علیؑ کے بیٹے حسن حسین۔ یہ کہا تھا کہ تیرے بیٹوں کو میں حسنین کے غلام قنبر کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ متوکل نے اُن کی زبان گدی سے کھنچوا لی تھی، متوکل کی زندگی کا ایک بدترین اور سیاہ کارنامہ آلِ محمدؐ کی قبروں کا مسمار کرنا ہے۔ اس کے عام حالات یہ ہیں "یہ بڑا ظالم، دائم الخمر اور عیاش بادشاہ تھا۔ اس کی چار ہزار کنیزیں تھیں۔ ان سب سے مجامعت کر چکا تھا۔ اس کے دربار میں ہزل اور مسخرہ پن بہت ہوتا تھا، جو مسخرہ پن میں بڑھ کر ہوتا وُہی اس کا زیادہ مقرب ہوتا تھا۔ وہ محفلِ بزم میں مصاحبوں اور ندیموں کے ساتھ تکلیف دہ خوش طبعیاں کرتا تھا کبھی مجلس میں شیر کو

چھوڑا دیتا۔ کبھی کسی کی آستین میں سانپ چھوڑ دیتا تھا۔ جب وہ کاٹتا تو تریاق سے مداوا کرتا کبھی مٹکوں میں بچھو بھروا کر اُنھیں مجلس میں تڑوا دیتا۔ وہ مجلس میں پھیل جاتے کسی کو حرکت کرنے کا یارا نہ ہوتا۔ اُس نے ایک فرمان کی رو سے مذہب معتزلہ کو خلاف حکومت قرار دیا تھا معتزلیوں کو سرکاری عہدوں سے معزول کر دیا تھا۔ علی اور اولادِ علی سے دُشمنی رکھتا تھا۔ سیوطی لکھتا ہے کہ متوکّل ناصبی تھا۔ علی اور اولادِ علی کا سخت دُشمن تھا۔ صاحب گلزار شاہی لکھتے ہیں کہ اس کے وقت میں۔ سادات بے چارے مصیبت کے مارے جلا وطن ہو گئے۔ کربلا کے روضے جو عمر بن عبدالعزیز نے بنوائے تھے اور اُن کے گرد کے مکانات اُس نے مسمار کروا دیے اور لوگوں کو زیارت سے منع کیا۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ ۲۳۶ھ میں متوکّل نے حکم دیا کہ کوئی مزار حیدر کرار اور اُن کی اولاد . . . کی زیارت کو نہ جایا کرے اور حکم دیا کہ امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کے روضے ہموار کر کے اُن پر زراعت کے لیے پانی چھوڑ دیں اور تاریخ گزیدہ اور تاریخ کامل میں ہے کہ متوکّل نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے مزار اور اس کے گرد کے مکانات وغیرہ منہدم کر کے وہاں زراعت کی جائے اور لوگوں کو اُس مقام میں جانے کی ممانعت کر کے یہ مُنادی کرائی کہ جو شخص وہاں دکھائی دے گا وہ قید کیا جائے گا۔ تواریخ میں ہے کہ ہر چند فرمان بردوں نے کوشش کی مگر پانی امام اور تمام شہدا و عترت طاہرہ کی قبروں پر جاری نہ ہوا جس سے خلقت کو سخت حیرت ہوئی اور اُس وقت سے اور اسی سبب سے اُس مشہد مقدّس کو حائر کہنے لگے۔

متوکّل کی اِس حرکت سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اہل بغداد نے مسجدوں اور گھروں کی دیواروں پر اُسے گالیاں لکھیں اور ہجو میں اشعار کہے۔ اس نے بنی فاطمہ سے باغ فدک بھی چھین لیا تھا۔ غیر مسلموں کو عہدوں سے برطرف کر دیا تھا۔ نصاریٰ کو حکم دیا کہ گلے میں زنار نہ باندھیں۔ گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔ بلکہ گدھے اور خچر پر سوار ہوں۔ اور رکابیں کاٹھ کی رکھیں . . . ۲۳۴ھ میں اُس نے تمام محدثین کو سامرہ میں جمع کیا اور انعام و اکرام دے کر حکم دیا کہ صفات و رویت و خلق قرآن کے متعلق حدیثیں بیان کریں۔ چنانچہ اسی لیے ابوبکر ابنِ شیبہ کو جامع مسجد "رصافہ" میں اور اُن کے بھائی "عثمان" کو جامع منصور میں مقرر کیا۔ ان دونوں کے وعظ میں ہر روز قریب ہزار آدمی کے جمع ہوتے تھے۔ سیوطی لکھتا ہے کہ متوکّل وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے شافعی مذہب اختیار کیا۔

متوکّل کے زمانہ میں بڑی بڑی آفتیں نازل ہوئیں۔ بہت سے علاقوں میں زلزلے آئے۔ زمینیں دھنس گئیں۔ آگیں لگیں۔ آسمان سے ہولناک آوازیں سُنائی دیں۔ بادِ سموم سے بہت سے آدمی اور جانور ہلاک ہوئے، آسمان سے مثل ٹڈیوں کے تارے ٹوٹے۔ دس دس رطل کے پتھر آسمان سے برسے (تاریخِ اسلام جلد ۱ ص ۶۵)۔

قمقام زخار میں ہے کہ متوکل چونکہ حضرت علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا اس کا مستقل رویہ یہ تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو اپنے پاس جمع رکھتا تھا جو امیر المومنین سے بغض و عناد رکھتے تھے اور اُن کی توہین میں مسرت محسوس کرتے تھے۔ جیسے ابن جہم شاعر۔ عمر بن فرج رخجی ابوالحظ ابن اترجہ ابوالعبر، یہ لوگ متوکل کو ہمیشہ اولادِ علی کے قتل کی طرف متوجہ کرتے تھے اور اس سے کہتے تھے کہ اگر تو نے انھیں باقی رہنے دیا تو یہ ایک نہ ایک دن تیری سلطنت پر قبضہ کرلیں گے۔ ان لوگوں کے ہر وقت اُبھارنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل کے دل میں آلِ محمدؐ کی دشمنی پوری طرح قائم ہوگئی۔

وہ چونکہ گانے والی عورتوں کا شائق تھا۔ لہٰذا اُس نے شراب پینے کے بعد ایک ایسی عورت کو طلب کیا جس سے وہ بہت زیادہ مانوس تھا۔ لوگوں نے کہا کہ دوسری عورتیں حاضر ہیں ان سے کام نکالا جائے، وہ آجائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وہ تھوڑی دیر کے بعد پہنچی تو بادشاہ نے پوچھا کہاں گئی تھی، اُس نے کہا میں حج کو گئی تھی۔ متوکل نے کہا ماہِ شعبان میں کون حج کرتا ہے۔ سچ بتا، اس نے جواب دیا حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے لیے چند عورتوں کے ہمراہ چلی گئی تھی یہ سُن کر متوکل بہت غضبناک ہوا اور اُسے قید کرا دیا۔ اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا اور لوگوں کو زیارتِ کربلا سے روک دیا اور تین روز کے بعد منادی کرا دی کہ جو شخص حسینؑ کی زیارت کو جائے گا قید کیا جائے گا۔ اور ہر طرف ایک ایک میل کے فاصلہ سے پہرے بٹھا دیے کہ جو شخص زیارت کو جاتا ہوا پایا جائے، فوراً قید میں بھیج دیا جائے۔ پھر ایک نومسلم یہودی جس کا نام دیزج تھا کو حکم دیا کہ کربلا جا کر "حسینؑ" کی قبر کا نشان مٹا دے۔ اور اُس جگہ کو جتوا کر وہاں کھیت بوا دے۔ اور "ضریح" کو کسی طرف پھنکوا دے۔ حکم پاتے ہی نومسلم یہودی جسے اسلام اور اسلام کے بانیوں کا صحیح تعارف بھی نہ تھا تعمیل کے لیے روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر دو سو جریب زمین اُس نے جتوا ڈالی۔ جب قبر منور امام حسینؑ کو جوتنے کے لیے آگے بڑھا، تو مسلمانوں نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا، اور کہا کہ یہ فرزندِ رسول ہیں اور شہید ہیں۔ قرآن مجید انھیں زندہ بتاتا ہے ہم ہرگز ایسی ناجائز حرکت نہیں کر سکتے۔ یہ سُن کر دیزج نے یہودیوں سے مدد لی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ اُس کے بعد نہر کاٹ کر قبر منور کو زیرِ آب کرنا چاہا۔ پانی نہر سے چل کر جب قبر کے قریب پہنچا تو اُس پہ رواں نہ ہوا۔ بلکہ اس کے اردگرد جاری ہو گیا۔ قبر مبارک خشک ہی رہی۔ اس یہودی نے بڑی کوشش کی، لیکن کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ وہ زمین جہاں تک پانی پھیلا ہوا تھا اُسے حائر کہتے ہیں۔ کتاب تصویر عزا میں بحوالہ کتاب سرائر مرقوم ہے کہ اس زمین کو حائر اس سبب سے کہتے ہیں کہ لغت عرب میں حائر کے معنی زمین پست کے ہیں۔ اس جگہ بہتا ہوا پانی پہنچ کر ساکن اور حیران ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بہنے کا رستہ نہیں پاتا۔ شیخ شہید علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ زمانۂ متوکل میں

چونکہ آپ کی قبر کے نشان کو مٹانے کے لیے پانی جاری کیا گیا تھا اور وہاں پہنچ کر باعجاز حسینی حیران رہ گیا تھا اور اُس پر جاری نہیں ہو سکا۔ اس لیے اس مقام کو جس میں پانی ٹھہرا ہوا تھا "حائر" کہتے ہیں۔ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتا ہے کہ یہ واقعہ انہدام قبر امام حسینؑ ۲۳۶ھ کا ہے اُس نے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کی قبر ڈھا دی جائے اور نشان قبر مٹا دیا جائے اور اُن کے مزار کے اردگرد جتنے مکانات ہیں انھیں بھی مسمار کر کے اُس مقام کو ایک صحرا کی شکل دے دی جائے۔ اور وہاں پر کھیتی کی جائے اور لوگوں کو زیارت امام حسینؑ سے قطعاً روک دیا جائے۔ اس کے بعد سیوطی لکھتا ہے کہ متوکل بڑا ناصبی تھا۔ اُس کے اس فعل سے مسلمانوں میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا اور لوگوں نے اُس کی ہجو کی اور دیواروں پر اس کے لیے گالیاں لکھیں یہی کچھ حبیب السیر تاریخ اسلام، تاریخ کامل، جلاء العیون، دمعۂ ساکبہ، امالی شیخ طوسی وغیرہ میں ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر جن بہت سے شعراء نے اشعار لکھے۔ اُن میں ایک شاعر نے کئی شعر کہے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) خدا کی قسم بنی اُمیہ نے اپنے نبی کے نواسہ کو کربلا میں بھوکا اور پیاسا ظلم و جور کے ساتھ قتل کر دیا۔ (۲) تو بنی عباس جو رسول کے چچا کی اولاد ہیں انھوں نے بھی اُن پر ظلم میں کمی نہیں کی اور اُن کی قبر کھدوا کر اُسی قسم کے ظلم کا ارتکاب کیا ہے (۳) بنی عباس کو اس قسم کا صدمہ تھا کہ وہ قتل حسینؑ میں شریک نہ ہو سکے، تو انھوں نے اس صدمہ کی آگ کو بجھانے کے لیے حضرت کی ہڈیوں پر دھاوا بول دیا (تاریخ الخلفاء ص۲۳۷)۔

امالی شیخ طوسی میں ہے کہ متوکل کا فرستادہ جب زیارت سے منع کرنے کے لیے کربلا پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے زیارت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اگر متوکل ہم سب کو قتل کر دے تب ہی یہ سلسلہ بند ہو سکتا ہے۔ اُس نے واپس جا کر متوکل سے واقعہ بیان کیا تو متوکل ۲۴۷ھ تک کے لیے خاموش ہو گیا۔

تواریخ میں ہے کہ خلیفہ کے حکم کے مطابق امیر فوج نے کربلا والوں کو زیارت امام حسینؑ کرنے سے روکنا چاہا تو اُن لوگوں نے فوج سے مرعوب ہونے کے بجائے مقابلہ کا پروگرام بنا لیا، اور اپنی جانوں پر کھیل کر اطراف و جوانب سے دس ہزار افراد جمع کر لیے اور سرکاری فوج کے بالمقابل آ کر کہا کہ اگر متوکل ہم میں سے ایک ایک کو قتل کر ڈالے تب بھی یہ سلسلہ بند نہ ہو گا۔ ہماری اولادیں ہماری نسلیں مسلسل اس سنت زیارت کو ادا کریں گی۔ سنو ہمارے آباؤ اجداد یہی کرتے چلے آئے جو ہم کر رہے ہیں اور ہمارے ابناء و احفاد وہی کریں گے۔ جو ہم کر رہے ہیں، بہتر ہو گا کہ تم ہمیں باز رکھنے کی کوشش نہ کرو اور متوکل سے کہہ دو کہ وہ شراب کے نشہ میں ایسی حرکتیں نہ کرے اور اپنے فیصلہ پر

نظر ثانی کرکے حکم واپس لے لے۔ امیر فوج واپس گیا اور اُس نے ساری داستان متوکل کے سامنے دُھرا دی۔ متوکل چونکہ اُن دنوں سامرہ کی تکمیل میں مشغول تھا۔ اس نے منصور دوانقی کی طرح تقریباً دس سال خاموش رہا۔ یعنی منصور دوانقی جو تعمیر بغداد کی وجہ سے دس سال تک امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف متوجہ نہ ہو سکا تھا۔ متوکل بھی سامرہ کی وجہ سے تقریباً اتنی ہی مدت کے لیے خاموش ہوگیا۔

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ سامرہ ایک زبردست شہر ہے جو دجلہ کے مشرق میں تکریت اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ اس کی بنیاد ۲۲۱ھ میں معتصم عباسی نے ڈالی تھی اور مدتوں اس کی تکمیل کا سلسلہ جاری رہا۔ (نورالابصار ص۱۴۹ و تاریخ قرمانی قلمی)۔

حکومت کی طرف سے امام علی نقیؑ کی مدینہ سے سامرہ میں طلبی

اور راستہ کا ایک اہم واقعہ

متوکل ۲۳۲ھ میں خلیفہ ہوا۔ اور اُس نے ۲۳۶ھ میں امام حسین علیہ السلام کی قبر کے ساتھ پہلی بار بے ادبی کی، لیکن اس میں پوری کامیابی نہ حاصل ہونے پر اپنے فطری بغض کی وجہ سے جو آلِ محمدؐ کے ساتھ تھا، وہ حضرت علی نقی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا۔ متوکل ۲۴۳ھ میں امام علی نقیؑ کو ستانے کی طرف متوجہ ہوا، اور اس نے حاکم مدینہ عبداللہ بن محمد کو خفیہ حکم دے کر بھیجا کہ فرزند رسول امام علی نقیؑ کو ستانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ چنانچہ اس نے حکومت کے منشار کے مطابق پوری توجہ اور پورے انہماک کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا۔ خود جس قدر ستا سکا اُس نے ستایا اور آپ کے خلاف ریکارڈ کے لیے متوکل کو شکایات بھیجنی شروع کیں۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام کو یہ معلوم ہوگیا کہ حاکم مدینہ نے آپ کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دی ہیں اور اس سلسلہ میں اس نے متوکل کو آپ کی شکایات بھیجنی شروع کر دی ہیں تو آپ نے بھی ایک تفصیلی خط لکھا جس میں حاکم مدینہ کی بے اعتدالی اور ظلم آفرینی کا خاص طور سے ذکر کیا۔ متوکل نے آپ کا خط پڑھ کر آپ کو اس کے جواب میں لکھا کہ آپ ہمارے پاس چلے آئیے۔ اس میں حاکم مدینہ کے عمل کی معذرت بھی تھی، یعنی جو کچھ وہ کر رہا ہے اچھا نہیں کرتا۔ ہم اس کی طرف سے معذرت خواہ ہیں مطلب یہ تھا کہ اسی بہانہ سے انھیں سامرہ بُلالے۔ خط میں اس نے اتنا نرم لہجہ اختیار کیا تھا جو ایک بادشاہ کی طرف سے نہیں ہوا کرتا۔ یہ سب حیلہ سازی تھی اور غرض محض یہ تھی کہ آپ مدینہ چھوڑ کر سامرہ پہنچ جائیں۔ (نورالابصار ص۱۴۹) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ متوکل نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں آپ کی خاطر

سے عبداللہ ابن محمد کو معزول کر کے اس کی جگہ پر محمد بن فضل کو مقرر کر رہا ہوں (جلاء العیون ص۲۹۲)۔
علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ متوکل نے صرف یہی نہیں کیا کہ علی نقی علیہ السلام کو خط لکھا ہو کہ آپ سامرہ چلے آئیے بلکہ اس نے تین سو کا لشکر یحییٰ بن ہرثمہ کی قیادت میں مدینہ بھیج کر انھیں بلانا چاہا۔ یحییٰ بن ہرثمہ کا بیان ہے کہ میں حکم متوکل پاکر امام علیہ السلام کو لانے کے لیے بہ ارادہ مدینہ منورہ روانہ ہو گیا۔ میرے ہمراہ تین سو کا لشکر تھا اور اس میں ایک کاتب بھی تھا جو امامیہ مذہب رکھتا تھا۔ ہم لوگ اپنے راستہ پر جا رہے تھے اور اس سعی میں تھے کہ کسی طرح جلد سے جلد مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام کو لے آئیں اور متوکل کے سامنے پیش کریں۔ ہمارے ہمراہ جو ایک شیعہ کاتب تھا اس سے ایک لشکر کے افسر سے راستہ بھر مذہبی مناظرہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم لوگ ایک عظیم الشان وادی میں پہنچے، جس کے اردگرد میلوں کوئی آبادی نہ تھی۔ اور وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے انسان کا مشکل سے گزر ہوتا تھا بالکل جنگل اور بے آب وگیاہ صحرا تھا۔ جب ہمارا لشکر وہاں پہنچا تو اس افسر نے جس کا نام "شادی" تھا، اور جو کاتب سے مناظرہ کرتا چلا آرہا تھا۔ کہنے لگا اے کاتب تمہارے امام حضرت علیؑ کا یہ قول ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی وادی نہ ہوگی جس میں قبر نہ ہو یا عنقریب قبر نہ بن جائے۔ کاتب نے کہا بے شک ہمارے امام علیہ السلام غالب کل غالب کا یہی ارشاد ہے۔ اس نے کہا بتاؤ اس زمین پر کس کی قبر ہے۔ یا کس کی قبر بن سکتی ہے۔ تمہارے امام یونہی کہہ دیا کرتے ہیں۔ ابن ہرثمہ کا کہنا ہے کہ میں چونکہ حشوی خیال کا تھا۔ لہٰذا جب یہ باتیں ہم نے سنیں تو ہم سب ہنس پڑے اور کاتب شرمندہ ہو گیا۔ غرض کہ لشکر بڑھتا رہا اور اسی دن مدینہ پہنچ گیا۔ وارد مدینہ ہونے کے بعد میں نے متوکل کا خط امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ امام علیہ السلام نے اسے ملاحظہ فرما کر لشکر پر نظر ڈالی اور سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابن ہرثمہ چلنے کو تیار ہوں لیکن ایک دو روز کی مہلت ضروری ہے۔ میں نے عرض کی حضور "خوشی سے"۔ جب حکم ہو فرمائیں میں حاضر ہو جاؤں اور روانگی ہو جائے۔ ابن ہرثمہ کا بیان ہے کہ امام علیہ السلام نے میرے سامنے ملازمین سے کہا کہ درزی بلا دو، اور اس سے کہو کہ مجھے سامرہ جانا ہے۔ لہٰذا راستے کے لیے گرم کپڑے اور گرم ٹوپیاں جلد سے جلد تیار کر دے۔ میں وہاں سے رخصت ہو کر اپنے قیام گاہ پر پہنچا اور راستے بھر یہ سوچتا رہا کہ امامیہ کیسے بیوقوف ہیں کہ ایک شخص کو امام مانتے ہیں جسے (معاذاللہ) یہ تک تمیز نہیں ہے کہ یہ گرمی کا زمانہ ہے یا جاڑے کا۔ اتنی شدید گرمی میں جاڑے کے کپڑے سلوا رہے ہیں اور اسے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں۔ الغرض میں دوسرے دن ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ جاڑے کے بہت سے کپڑے سلے ہوئے رکھے ہیں اور آپ سامان سفر درست فرما رہے ہیں اور اپنے ملازمین سے کہتے جاتے ہیں دیکھو کلاہ بارانی اور برساتی وغیرہ رہنے نہ پائے۔ سب ساتھ میں باندھ دو۔ اس کے بعد مجھے

کہا اے یحییٰ بن ہرثمہ جاؤ تم بھی اپنا سامان درست کرو تاکہ مناسب وقت میں روانگی ہوجائے ۔ میں وہاں سے نہایت بد دل واپس آیا۔ دل میں سوچتا تھا کہ انھیں کیا ہوگیا ہے کہ اس شدید گرمی کے زمانہ میں سردی اور برسات کا سامان ہمراہ لے رہے ہیں اور مجھے بھی حکم دیتے ہیں کہ تم بھی اس قسم کے سامان ہمراہ لے لو۔ مختصر یہ کہ سامانِ سفر درست ہوگیا اور روانگی ہوگئی ۔میرا لشکر امام علیہ السلام کو گھیرے میں لیے ہوئے جارہا تھا کہ ناگاہ اسی وادی میں جا پہنچے ، جس کے متعلق کاتب امامیہ اور افسر شادی میں یہ گفتگو ہوئی تھی کہ یہاں پر کس کی قبر ہے یا ہوگی ۔ اس وادی میں پہنچنا تھا کہ قیامت آگئی ، بادل گرجنے لگے، بجلی چمکنے لگی اور دوپہر کے وقت اس قدر تاریکی چھائی کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتا تھا، یہاں تک کہ بارش شروع ہوئی اور ایسی موسلادھار بارش ہوئی کہ عمر بھر نہ دیکھی تھی امام علیہ السلام نے آثار کے پیدا ہوتے ہی ملازمین کو حکم دیا کہ برساتی اور بارانی ٹوپیاں پہن لو اور ایک برساتی یحییٰ بن ہرثمہ اور ایک کاتب کو دے دو ۔ غرض کہ خوب بارش ہوئی اور ہوا اتنی ٹھنڈی چلی کہ جان کے لالے پڑ گئے ۔ جب بارش تھمی اور بادل چھٹے تو میں نے دیکھا کہ ۸۰ افراد میری فوج کے ہلاک ہوگئے ہیں ۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ بن ہرثمہ اپنے مردوں کو دفن کرو اور یہ جان لو کہ "خدائے تعالیٰ ہم چنیں پرمی گرواند بقاع را از قبور"۔ اس طرح خداوند عالم ہر بقعہ ارض کو قبروں سے پر کرتا ہے ۔ اسی لیے میرے جد نامدار حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا نہ ہوگا جس میں قبر نہ بنی ہو" یہ سن کر میں اپنے گھوڑے سے اتر پڑا ، اور امام علیہ السلام کے قریب جاکر پابوس ہوا ، اور ان کی خدمت میں عرض کی "مولا" میں آج آپ کے سامنے مسلمان ہوتا ہوں ، یہ کہہ کر میں نے اس طرح کلمہ پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ و انکم خلفاء اللہ فی ارضہ اور یقین کرلیا کہ یہی حضرت خدا کی زمین پر خلیفہ ہیں اور دل میں سوچنے لگا کہ اگر امام علیہ السلام نے جاڑے اور برسات کا سامان نہ لیا ہوتا اور اگر مجھے نہ دیا ہوتا تو میرا کیا حشر ہوتا ۔ پھر وہاں سے روانہ ہوکر "عسکر" پہنچا اور آپ کی امامت کا قائل رہ کر زندہ رہا اور تاحیات آپ کے جد نامدار کا کلمہ پڑھتا رہا ۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۲۴) علامہ جامی اور علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ دوسو سے زائد افراد آپ کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے سامرہ پہنچے ۔ وہاں آپ کے قیام کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا ۔ اور حکم تھا متوکل کا کہ انھیں فقیروں کے ٹھہرانے کی جگہ اتارا جائے ۔ چنانچہ آپ کو "خان الصعالیک" میں اتارا گیا ، وہ جگہ بدترین تھی وہاں شرفا نہیں جایا کرتے تھے ۔ ایک دن صالح بن سعید نامی ایک شخص جو آپ کے ماننے والے تھے ۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے "مولا" یہ لوگ آپ کی قدر و منزلت پر پردہ ڈالنے اور نورِ خدا کو چھپانے کی کس قدر کوشش کرتے ہیں ۔ کجا حضور کی ذاتِ اقدس اور کجا یہ قیام گاہ"۔ حضرت نے فرمایا اے صالح تم دل تنگ نہ ہو۔

میں اُس کی عزت افزائی کا خواہاں اور اُن کی کرم گستری کا جویاں نہیں ہوں۔ خداوند عالم نے آلِ محمد کو جو درجہ دیا ہے اور جو مقام عطا فرمایا ہے اُسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ اے صالح بن سعید میں تمھیں خوش کرنے کے لیے بتانا چاہتا ہوں کہ تم مجھے اس مقام پر دیکھ کر پریشان نہ ہو۔ خداوند عالم نے یہاں بھی میرے لیے بہشت جیسا بندوبست فرمایا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے انگلی سے اشارہ کیا اور صالح کی نظر میں بہترین باغ، بہترین قصور اور بہترین نہریں وغیرہ نظر آنے لگیں۔ صالح کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر مجھے قدرے تسلی ہوگئی۔ (شواہد النبوت ص۲۰۲ و نورالابصار ص۱۵۰)۔

امام علی نقی علیہ السلام کی نظر بندی

امام علی نقی علیہ السلام کو دھوکہ سے بلانے کے بعد پہلے تو خان الصعالیک میں پھر اس کے بعد ایک دوسرے مقام میں آپ کو نظر بند کر دیا اور تا حیات اسی میں قید رکھا۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ متوکل آپ کے ساتھ ظاہر داری ضرور کرتا تھا، لیکن آپ کا سخت دشمن تھا۔ اُس نے حیلہ سازی اور دھوکا بازی سے آپ کو بلایا۔ اور درپردہ ستانے اور تباہ کرنے اور مصیبتوں میں مبتلا کرنے کے درپے رہا۔ (نورالابصار ص۱۵۰)۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ متوکل نے آپ کو جبراً بلا کر سامرہ میں نظر بند کر دیا اور تا زندگی باہر نہ نکلنے دیا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۴)۔

امام علی نقی علیہ السلام کا جذبۂ ہمدردی

مدینہ سے سامرہ پہنچنے کے بعد بھی آپ کے پاس لوگوں کی آمد کا تانتا بندھا رہا۔ لوگ آپ سے فائدے اٹھاتے اور دینی اور دنیاوی امور میں آپ سے مدد چاہتے رہے۔ اور آپ حل مشکل میں اُن کے کام آتے رہے۔ علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ سامرہ پہنچنے کے بعد جب کہ آپ کی نظر بندی میں سختی اور شدت نہ تھی۔ ایک دن آپ سامرہ کے ایک قریہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد ایک سائل آپ کے مکان پر آیا، اُسے یہ معلوم ہوا کہ آپ فلاں گاؤں میں تشریف لے گئے ہیں، وہ وہاں چلا گیا اور جا کر آپ سے ملا۔ آپ نے پوچھا کہ "تم کیسے آئے ہو، تمھارا کیا کام ہے؟"۔ اُس نے عرض کی مولا میں غریب آدمی ہوں، مجھ پر دس ہزار درہم قرض ہو گیا ہے اور اس کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہیں، مولا خدا کے لیے مجھے اس بلا سے نجات دلائیے۔ حضرت نے فرمایا گھبراؤ نہیں، انشاء اللہ تمھارے قرضہ کی ادائیگی کا بندوبست ہو جائے گا۔ وہ سائل رات کو آپ کے ہمراہ مقیم رہا۔ صبح کے وقت آپ نے اس سے کہا کہ میں تمھیں جو کہوں، اس کی تعمیل کرنا اور دیکھو اس امر میں ذرا

بھی مخالفت نہ کرنا، اُس نے تعمیلِ ارشاد کا وعدہ کیا۔ آپ نے اُسے ایک خط لکھ کر دیا جس میں یہ مرقوم تھا کہ "میں دس ہزار درہم اِس کے ادا کرُدوں گا۔ اور فرمایا کہ کل میں سامرہ پہنچ جاؤں گا جس وقت میں وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوں تو تم مجھ سے روپے کا تقاضا کرنا۔ اس نے عرض کی حضور یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ میں لوگوں میں آپ کی توہین کروں۔ حضرت نے فرمایا کوئی حرج نہیں، میں تم سے جو کہوں وہ کرو۔ غرض کہ سائل چلا گیا اور جب آپ سامرہ واپس ہوئے اور لوگوں کو آپ کی واپسی کی اطلاع ملی تو اعیانِ شہر آپ سے ملنے آئے۔ جس وقت آپ لوگوں سے محوِ ملاقات تھے۔ سائل مذکور بھی پہنچ گیا۔ سائل نے ہدایت کے مطابق آپ سے رقم کا تقاضہ کیا۔ آپ نے بہت نرمی سے اُسے ٹالنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ ٹلا اور بدستور رقم مانگتا رہا۔ بالآخر حضرت نے اُس سے تین دن میں ادائیگی کا وعدہ فرمایا اور وہ چلا گیا۔ یہ خبر جب بادشاہ وقت کو پہنچی تو اس نے مبلغ تیس ہزار درہم آپ کی خدمت میں بھیج دیئے۔ تیسرے دن جب سائل آیا تو آپ نے اُسے فرمایا کہ یہ تیس ہزار درہم لے لے اور اپنی راہ لگ۔ اُس نے عرض کی مولا میرا قرضہ تو صرف دس ہزار ہے۔ آپ تیس ہزار دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو قرضہ کی ادائیگی سے بچے اُسے اپنے بچوں پر صرف کرنا۔ وہ بہت خوش ہوا اور یہ پڑھتا ہوا "اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ" خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت و امامت کا کون اہل ہے) اپنے گھر چلا گیا۔ (نور الابصار ص ۱۴۹، صواعق محرقہ، ص ۱۲۳، شواہد النبوت ص ۲۰۷، ارجح المطالب ص ۴۶۱)۔

امام علی نقیؑ کی حالت سامرہ پہنچنے کے بعد

متوکل کی نیت خراب تھی ہی۔ امام علیہ السلام کے سامرہ پہنچنے کے بعد اُس نے اپنی نیت کا مظاہرہ عمل سے شروع کیا اور آپ کے ساتھ نامناسب طریقہ سے دل کا بخار نکالنے کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن "اللہ" جس کی لاٹھی میں آواز نہیں اس نے اسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا مگر اس کی زندگی میں بھی ایسے آثار اور اثرات ظاہر کئے جس سے وہ بھی یہ جان لے کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا۔ خداوند اُسے پسند نہیں کرتا۔ مورخ اعظم لکھتے ہیں کہ متوکل کے زمانہ میں بڑی آفتیں نازل ہوئیں بہت سے علاقوں میں زلزلے آئے۔ زمینیں دھنس گئیں۔ آگیں لگیں۔ آسمان سے ہولناک آوازیں سُنائی دیں۔ بادِ سموم سے بہت سے جانور اور آدمی ہلاک ہوئے۔ آسمان سے مثل ٹڈی کے کثرت سے ستارے ٹوٹے۔ دس دس رطل کے پتھر آسمان سے برسے۔ رمضان ۲۴۳ھ ہجری میں حلب میں ایک پرندہ کوے سے بڑا آکر بیٹھا اور یہ شور مچایا۔ "یا ایھا الناس اتقوا اللہ اللہ اللہ" چالیس دفعہ یہ آواز لگا کر اُڑ گیا۔ دو دن ایسا ہی ہوا۔ (تاریخ اسلام جلد ا ص ۶۵)۔

حضرت امام علی نقی ؑ اور سواری کی برق رفتاری

علامہ طبرسی رقمطراز ہیں کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے مدینہ سے سامرہ تشریف لے جانے کے بعد ایک دن ابو ہاشم نے کہا۔ مولا میرا دل نہیں مانتا کہ میں ایک دن بھی آپ کی زیارت سے محروم رہوں، بلکہ جی چاہتا ہے کہ ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں۔ حضرت نے پوچھا اس کے لیے تمھیں کونسی رکاوٹ ہے۔ انھوں نے عرض کی میرا قیام بغداد ہے اور میری سواری کمزور ہے۔ حضرت نے فرمایا "جاؤ" اب تمھاری سواری کا جانور طاقتور ہو جائے گا، اور اس کی رفتار بہت تیز ہو جائے گی۔ ابو ہاشم کا بیان ہے کہ حضرت کے اس ارشاد کے بعد سے ایسا ہو گیا کہ میں روزانہ نماز صبح بغداد میں نماز ظہر سامرہ عسکر میں اور نماز مغرب بغداد میں پڑھنے لگا (اعلام الوریٰ ص۲۰۷)

دو ماہ قبل عزل قاضی کی خبر

علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سے آپ کے ایک ماننے والے نے اپنی تکلیف بیان کرتے ہوئے بغداد کے قاضی شہر کی شکایت کی اور کہا کہ مولا وہ بڑا ظالم ہے۔ ہم لوگوں کو بے حد ستاتا ہے۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں وہ دو ماہ بعد بغداد میں نہ رہے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ جونہی دو ماہ پورے ہوئے قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر اپنے گھر بیٹھ گیا۔ (شواہد النبوت)۔

آپ کا احترام جانوروں کی نظر میں

علامہ موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ متوکل کے مکان میں بہت سی بطخیں پلی ہوئی تھیں۔ جب کوئی وہاں جاتا تو وہ اتنا شور مچایا کرتی تھیں کہ کان پڑی بات سنائی نہ دیتی تھی۔ لیکن جب امام علیہ السلام تشریف لے جاتے تھے تو وہ سب خاموش ہو جاتی تھیں اور جب تک آپ وہاں تشریف رکھتے تھے، وہ چپ رہتی تھیں۔ (شواہد النبوت ص۲۰۹)۔

حضرت امام علی نقی ؑ اور خواب کی عملی تعبیر

احمد بن عیسیٰ الکاتب کا بیان ہے کہ میں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوں، حضرت نے میری طرف نظر اُٹھا کر دیکھا اور اپنے دست مبارک سے ایک مٹھی خرما اس طشت سے عطا فرمایا جو آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ میں نے انھیں گنا تو وہ پچیس تھے۔ اس خواب کو ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام سامرہ سے تشریف لائے ہیں۔ میں اُن کی زیارت کے لیے

حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ اُن کے سامنے ایک طشت رکھا ہے جس میں خرمے ہیں۔ میں نے حضرت کو سلام کیا۔ حضرت نے جواب سلام دینے کے بعد ایک مُٹھی خرمہ مجھے عطا فرمایا۔ میں نے ان خرموں کو شمار کیا تو وہ پچیس ۲۵ تھے۔ میں نے عرض کی مولا کیا کچھ خرمہ اور مل سکتا ہے۔ جواب میں فرمایا! اگر خواب میں تمھیں رسُولِ خدا نے اِس سے زیادہ دیا ہوتا تو میں بھی اضافہ کر دیتا۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۴) اسی قسم کا واقعہ امام جعفر صادق علیہ السّلام اور امام علی رضا علیہم السّلام کے لیے بھی گزرا ہے۔

حضرتِ امام علی نقی علیہ السّلام اور فقہائے مسلمین

یہ تو مانی ہُوئی بات ہے کہ آلِ محمدؐ ہی وہ ہیں جن کے گھر میں قرآن مجید نازل ہوا۔ ان سے بہتر نہ قرآن کا سمجھنے والا ہے، نہ اس کی تفسیر جاننے والا۔ علماء کا بیان ہے کہ جب متوکل کو زہر دیا گیا تو اُس نے یہ نذر مانی کہ "اگر میں اچھا ہو گیا تو راہِ خدا میں مالِ کثیر دوں گا۔" پھر صحت پانے کے بعد اُس نے اپنے علماءِ اسلام کو جمع کیا اور ان سے واقعہ بیان کر کے مالِ کثیر کی تفصیل معلوم کرنا چاہی۔ اس کے جواب میں ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ بیان دیا۔ ایک فقیہہ نے کہا مالِ کثیر سے ایک ہزار درہم دوسرے فقیہہ نے کہا دس ہزار درہم۔ تیسرے نے کہا ایک لاکھ درہم مراد لینا چاہیے۔ متوکل نے جب ہر فقیہہ سے علیحدہ جواب سُنا تو تشویش میں پڑ گیا اور غور کرنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ متوکل ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دربان سامنے آیا جس کا نام "حسن" تھا اور عرض کرنے لگا کہ حضور اگر مجھے حکم ہو تو میں اس کا صحیح جواب لا دُوں۔ متوکل نے کہا کہ بہتر ہے "جواب لاؤ" اگر تم صحیح جواب لائے تو دس ہزار درہم تم کو انعام دوں گا۔ اور اگر تسلی بخش جواب نہ لا سکے تو سو کوڑے ماروں گا۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد دربان حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کی خدمت میں گیا۔ امام علیہ السّلام جو نظربندی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دربان کو دیکھ کر بولے "اچھا" مالِ کثیر کی تفصیل پوچھنے آیا ہے "جا" اور متوکل سے کہہ دے۔ مالِ کثیر سے اَسّی درہم مراد ہے۔ دربان نے متوکل سے یہی کہہ دیا۔ متوکل نے کہا جا کر دلیل معلوم کر، وہ واپس آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید میں آنحضرت علیہ السّلام کے لیے آیا ہے کہ "لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ" اے رسُولؐ اللہ نے تمھاری مدد مواطن کثیرہ یعنی بہت سے مقامات پر کی ہے۔ جب ہم نے ان مقامات کا شمار کیا جن میں خدا نے آپ کی مدد فرمائی ہے تو وہ حساب سے اسّی ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ لفظِ کثیر کا اطلاق اَسّی ۸۰ پر ہوتا ہے۔ یہ سن کر متوکل خوش ہو گیا اور اُس نے اَسّی درہم صدقہ نکال کر دس ہزار درہم دربان کو انعام دیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ صفحہ ۱۱۶)۔

اسی قسم کا ایک واقعہ یہ ہے کہ متوکل کے دربار میں ایک نصرانی پیش کیا گیا جو مسلمان عورت سے زنا

کرتا ہوا پکڑا گیا۔ جب وُہ دربار میں آیا تو کہنے لگا مجھ پر حد جاری نہ کی جائے۔ میں اس وقت مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ سُن کر قاضی یحییٰ بن اکثم نے کہا کہ اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ مسلمان ہوگیا۔ ایک فقیہہ نے کہا کہ نہیں حد جاری ہونا چاہیئے۔ غرض کہ فقہائے مسلمین میں اختلاف ہوگیا۔ متوکل نے جب یہ دیکھا کہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا تو حکم دیا کہ امام علی نقیؑ کو خط لکھ کر ان سے جواب منگایا جائے۔ چنانچہ مسئلہ لکھا گیا۔ حضرت امام علیہ السّلام نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ "یضرب حتی یموت" کہ اسے اتنا مارنا چاہیئے کہ مر جائے۔ جب یہ جواب متوکل کے دربار میں پہنچا تو یحییٰ بن اکثم قاضی شہر اور فقیہہ سلطنت نیز دیگر فقہا نے کہا۔ اس کا کوئی ثبوت قرآن مجید میں نہیں ہے۔ براہِ مہربانی اس کی وضاحت فرمایئے۔ آپ نے خط ملاحظہ فرما کر یہ آیت تحریر فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ (جب کافروں نے ہماری سختی دیکھی تو کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے کفر سے توبہ کرتے ہیں۔ یہ اُن کا کہنا اُن کے لیے مفید نہ ہوا، اور نہ ایمان لانا کام آیا) آیت پڑھنے کے بعد متوکل نے تمام فقہا کے اقوال کو مسترد کر دیا۔ اور نصرانی کے لیے حکم دے دیا کہ اسے اس قدر مارا جائے کہ "مر جائے"۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰)۔

شاہِ رُوم کو حضرت امام علی نقیؑ کا جواب

علامہ محمد باقر نجفی لکھتے ہیں کہ بادشاہِ رُوم نے خلیفہ وقت کو لکھا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ جو شخص اس سُورہ کی تلاوت کرے جس میں یہ سات لفظ نہ ہوں (۱) ث (۲) ج (۳) خ (۴) ز (۵) ش (۶) ظ (۷) ف۔ وہ جنت میں جائے گا۔ اسے دیکھنے کے بعد میں نے توریت و زبُور کا اچھی طرح مطالعہ کیا۔ لیکن اس قسم کا کوئی سُورہ اس میں نہیں ملا۔ آپ ذرا اپنے علمار سے تحقیق کر کے لکھیئے کہ شاید یہ بات آپ کے قرآن مجید میں ہو۔ بادشاہِ وقت نے بہت سے علمار جمع کیے اور اُن کے سامنے یہ چیز پیش کی۔ سب نے بہت دیر تک غور کیا۔ لیکن کوئی اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکا کہ تسلی بخش جواب دے سکے۔ جب خلیفہ وقت تمام علمار سے مایوس ہوگیا۔ تو امام علی نقیؑ کی طرف توجہ کی۔ جب آپ دربار میں تشریف لائے اور آپ کے سامنے مسئلہ لایا گیا تو آپ نے بلا تاخیر فرمایا وُہ سُورہ حمد ہے۔ اب جو غور کیا گیا تو بالکل ٹھیک پایا گیا۔ بادشاہ اسلام خلیفہ وقت نے عرض کی، ابن رسُول اللہؐ کیا اچھا ہوتا اگر آپ اس کی وجہ بھی بتا دیتے کہ یہ حروف اس سُورہ میں کیوں نہیں لائے گئے۔ آپ نے فرمایا یہ سُورہ رحمت و برکت ہے۔ اس میں یہ حروف اس لیے نہیں لائے گئے کہ (ث) سے ثبور ہلاکت تباہی، بربادی کی طرف (ج) سے جحیم (جہنم) کی طرف (خ) خبیث یعنی خسران کی طرف (ز) سے زقوم یعنی تھوہڑ کی طرف۔ (ش) سے شقاوت کی طرف (ظ) سے ظلمت کی طرف (ف) سے فرقت کی طرف تبادر ذہنی ہوتا

ہے اور یہ تمام چیزیں رحمت و برکت کے منافی ہیں۔

خلیفۂ وقت نے آپ کا تفصیلی بیان شاہِ روم کو بھیج دیا۔ بادشاہِ رُوم نے جونہی اسے پڑھا وہ مسرور ہوگیا اور اسی وقت اسلام لایا اور تاحیات مسلمان رہا۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۱ بحوالہ شرح شافیہ ابو فراس)۔

متوکل کے کہنے سے ابن سکیت و ابن اکثم کا امام علی نقیؑ سے سوال

علماء کا بیان ہے کہ ایک دن متوکل اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ دیگر کاموں سے فراغت کے بعد ابن سکیت کی طرف متوجہ ہو کر بولا ابوالحسن سے ذرا سخت سخت سوال کرو۔ ابن سکیت نے اپنی قابلیت بھر سوال کئے۔ امام علیہ السّلام نے تمام سوالات کے مفصل اور مکمل جواب دیئے۔ یہ دیکھ کر یحییٰ بن اکثم قاضی سلطنت نے کہا اے ابن سکیت تم نحو۔ شعر۔ لغت کے عالم ہو، تمھیں مناظرہ سے کیا دلچسپی۔ ٹھہرو میں سوال کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک سوالنامہ نکالا جو پہلے سے لکھ کر اپنے ہمراہ رکھے ہوئے تھا۔ اور حضرت کو دے دیا۔ حضرت نے اس کا اسی وقت جواب لکھنا شروع کر دیا اور ایسا مکمل جواب دیا کہ قاضی شہر کو متوکل سے کہنا پڑا کہ ان جوابات کو پوشیدہ رکھا جائے، ورنہ شیعوں کی اور حوصلہ افزائی ہوگی۔ ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قرآن مجید میں "سبعتہ ابحر" اور" مانفدت کلمات اللہ" جو ہے اس میں کن سات دریاؤں کی طرف اشارہ ہے اور کلمات اللہ سے کیا مراد ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ وہ سات دریا یہ ہیں (۱) عین الکبریت (۲) عین الیمن (۳) عین البرہوت (۴) عین الطبریہ (۵) عین السیدان (۶) عین الافریقہ (۷) عین الیا حوران" اور کلمات سے ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ مراد ہیں جن کے فضائل کا احصا ناممکن ہے۔ (مناقب جلد ۵ صفحہ ۱۱۷)۔

قضا و قدر کے متعلق امام علی نقی علیہ السّلام کی رہبری و رہنمائی

قضا و قدر کے بارے میں تقریباً تمام فرقے جادہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اس کی وضاحت میں کوئی جبر کا قائل نظر آتا ہے کوئی مطلقاً تفویض پر ایمان رکھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح قضاؤ قدر کی وضاحت ان لفظوں میں فرمائی ہے "لاجبر ولا تفویض بل امر بین الامرین" نہ انسان بالکل مجبور ہے نہ بالکل آزاد ہے۔ بلکہ دونوں حالتوں کے درمیان ہے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۴) میں حضرت کا مطلب یہ سمجھتا ہوں کہ انسان اسباب و اعمال میں بالکل آزاد ہے اور نتیجہ کی برآمدگی میں خدا کا محتاج ہے۔

بہت سے کرتب دکھلائے۔ متوکل نے اس سے کہا کہ میرے دربار میں ایک نہایت شریف شخص عنقریب آنے والا ہے۔ اگر تو اپنے کرتب سے اُسے شرمندہ کر دے تو میں تجھے ایک ہزار اشرفی انعام دوں گا۔ اُس نے کہا اے بادشاہ جب وہ آجائے تو کھانے کا بندوبست کر اور مجھے اُن کے پہلو میں بٹھا دے میں ایسا کروں گا کہ سخت شرمندہ ہوگا۔ یہ سُن کر متوکل خوش ہوگیا اور جب آپ تشریف لائے تو کھانا لایا گیا اور سب کھانے کے لیے بیٹھے۔ امام علیہ السّلام نے جونہی لقمہ اٹھایا اور تناول فرمانا چاہا اُس نے جادو کے زور سے اُسے اُڑا دیا۔ اسی طرح تین مرتبہ اس نے کیا، آخر میں سارا مجمع ہنس پڑا۔ امام علی نقی علیہ السّلام یہ دیکھ کر اُس قالین کی طرف متوجہ ہوئے جو دیوار میں لگا ہوا تھا اور اُس پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آپ نے شیرِ قالین کو حکم دیا کہ مجسم ہوکر اس کافر ازلی کو نگل لے۔ شیر مجسّم ہوا اور اُس نے بڑھ کر کافر ہندی کو مسلّم نگل لیا۔ اس واقعہ سے دربار میں ہلچل مچ گئی۔ متوکل سرنگوں ہوگیا اور امام علیہ السّلام سے درخواست کرنے لگا کہ اس شیرِ قالین کو جو پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا ہے حکم دیجئے کہ اس کافر ہندی کو اُگل دے۔ آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہ ہوگا اور اُٹھ کر چلے گئے۔ ایک روایت کی بنا پر آپ نے جواب دیا۔ کہ اگر موسیٰ کے اژدھے نے فرعون کے سانپوں کو نگل لینے کے بعد اُگل دیا ہوتا تو یہ شیر بھی اُگل دیتا۔ چونکہ اس نے نہیں اُگلا تھا، اس لیے یہ بھی نہیں اُگلے گا۔ (شواہد النبوت ص ۲۰۹ دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۲۵)۔

حضرت امام علی نقیؑ اور عبدالرّحمٰن مصری کا ذہنی انقلاب

علاّمہ اربلی لکھتے ہیں کہ ایک دن متوکل نے برسرِ دربار امام علی نقیؑ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کرکے آپ کو دربار میں طلب کیا۔ آپ سواری پر تشریف لائے۔ عبدالرحمٰن مصری کا بیان ہے کہ میں سامرہ گیا ہوا تھا اور متوکل کے دربار کا یہ حال سنا کہ ایک علوی کے قتل کا حکم دیا گیا ہے تو میں دروازے پر اس انتظار میں کھڑا ہوگیا کہ دیکھوں وہ کون شخص ہے جس کے قتل کے انتظامات ہو رہے ہیں اتنے میں دیکھا کہ امام علی نقیؑ تشریف لا رہے ہیں۔ مجھے کسی نے بتایا کہ اسی علوی کے قتل کا بندوبست ہوا ہے۔ میری نظر جونہی ان کے چہرہ پر پڑی۔ میرے دل میں ان کی محبّت سرایت کرگئی اور میں دُعا کرنے لگا۔ خدایا متوکل کے شر سے اس شریف علوی کو بچانا۔ میں دل میں دُعا کر رہا تھا کہ آپ نزدیک آپہنچے اور مجھ سے بلا جانے پہچانے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن تمہاری دُعا قبول ہوگئی ہے اور میں انشاء اللہ محفوظ رہوں گا۔ چنانچہ دربار میں آپ پر کوئی ہاتھ اُٹھا نہ سکا اور آپ محفوظ رہے۔ پھر آپ نے مجھے دُعا دی اور میں مالا مال ہوگیا اور صاحبِ اولاد ہوگیا۔ عبدالرحمٰن کہتا ہے کہ میں اسی وقت آپ کی امامت کا قائل ہوکر شیعہ ہوگیا۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۳ و دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۲۵)

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام اور برکتہ السباع

علماء کا بیان ہے کہ ایک دن متوکل کے دربار میں ایک عورت جوان اور خوبصورت آئی اور اُس نے آکر کہا کہ میں زینب بنت علی و فاطمہ ہوں۔ متوکل نے کہا کہ تو جوان ہے اور زینب کو پیدا ہوئے اور وفات پائے عرصہ دراز گذر گیا۔ اگر تجھے زینب تسلیم کر لیا جائے تو یہ کیسے مانا جائے۔ کہ زینب اتنی عمر تک جوان رہ سکتی ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے رسُولِ خدا نے یہ دُعا دی تھی کہ میں ہر چالیس اور پچاس سال کے بعد جوان ہو جاؤں۔ اسی لیے میں جوان ہوں۔ متوکل نے علمائے دربار کو جمع کر کے ان کے سامنے اس معاملہ کو پیش کیا۔ سب نے کہا یہ جھوٹ ہے۔ زینب کے انتقال کو عرصہ ہو گیا ہے۔ متوکل نے کہا کوئی ایسی دلیل دو کہ میں اُسے جھٹلا سکوں۔ سب نے اپنے عجز کا حوالہ دیا۔ فتح ابنِ خاقان وزیرِ متوکل نے کہا کہ اس مسئلہ کو "ابن الرضا" علی نقیؑ کے سوا کوئی حل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انھیں بُلایا جائے۔ متوکل نے حضرت کو زحمت تشریف آوری دی۔ جب آپ دربار میں پہنچے۔ متوکل نے صورتِ مسئلہ پیش کی۔ امام نے فرمایا جھوٹی ہے، متوکل نے کہا کوئی ایسی دلیل دیجئے کہ میں اسے جھوٹی ثابت کر سکوں۔ آپ نے فرمایا میرے جدِ نامدار کا ارشاد ہے کہ "حرم لحوم اولادی علی السباع" درندوں پر میری اولاد کا گوشت حرام ہے۔ اے بادشاہ تو اس عورت کو درندوں میں ڈال دے، اگر یہ سچی ہوگی اور اس کا زینب ہونا تو درکنار اگر یہ "سیّدہ" بھی ہوگی تو جانور اسے نہ چھیڑیں گے۔ اور اگر سیادت سے بھی بے بہرہ اور خالی ہوگی تو درندے اسے پھاڑ کھائیں گے۔ ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ دربار میں اشارہ بازی ہونے لگی اور دُشمنوں نے مل جل کر متوکل سے کہا کہ اس کا امتحان امام علی نقیؑ ہی کے ذریعہ سے کیوں نہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ آیا درندے سیّدوں کو کھاتے ہیں یا نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر انھیں جانوروں نے پھاڑ کھایا تو متوکل کا منشا پُورا ہو جائے گا۔ اور اگر یہ بچ گئے تو متوکل کی وہ اُلجھن دُور ہو جائے گی جو زینب کذابہ نے ڈال رکھی ہے۔ غرض کہ متوکل نے امام علیہ السّلام سے کہا۔ "اے ابن الرضا" کیا اچھا ہو تا کہ آپ خود برکتہ السباع میں جا کر اسے ثابت کر دیجئے کہ آلِ رسُول کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ امام علیہ السّلام تیار ہو گئے۔ متوکل نے اپنے بنائے ہوئے "برکت السباع" شیر خانہ میں آپ کو ڈلوا کر پھاٹک بند کروا دیا، اور خود مکان کے بالاخانہ پر چلا گیا تاکہ وہاں سے امام کے حالات کا مطالعہ کرے۔ علّامہ ابن حجر مکّی لکھتے ہیں کہ جب درندوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سُنی تو خاموش ہو گئے۔ جب آپ صحن میں پہنچ کر سیڑھی پر چڑھنے لگے تو درندے آپ کی طرف بڑھے (جن میں تین اور بروایت دمعہ ساکبہ چھ شیر بھی تھے)

اور ٹھہر گئے۔ اور آپ کو چھو کر آپ کے گرد پھرنے لگے، آپ اپنی آستین اُن پر ملتے تھے۔ پھر درندے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ متوکل امام علیہ السلام کے متعلق چھت پر سے یہ باتیں دیکھتا رہا اور اُتر آیا، پھر جناب صحن سے باہر تشریف لے آئے۔ متوکل نے آپ کے پاس گراں بہا صلہ بھیجا۔ لوگوں نے متوکل سے کہا تو بھی ایسا کر کے دکھلا دے۔ اس نے کہا شاید تم میری جان لینا چاہتے ہو۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ زینب کذابہ نے جب ان حالات کو بچشم خود دیکھا تو فوراً اپنی کذب بیانی کا اعتراف کر لیا۔ ایک روایت کی بنا پر اُسے توبہ کی ہدایت کر کے چھوڑ دیا گیا۔ دوسری روایت کی بنا پر متوکل نے اُسے درندوں میں ڈلوا کر پھڑوا ڈالا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۴، ارجح المطالب ص۴۶۱ دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۴۵ جلاء العیون ص۲۹۳، روضۃ الصفاء، فصل الخطاب، علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ اسی قسم کا واقعہ عہد رشید عباسی میں جناب یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ ابن امام حسن علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام اور متوکّل کا علاج

علامہ عبدالرحمن جامی تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام نظر بندی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ متوکل کے بیٹھنے کی جگہ یعنی کمر کے نیچے جسم کے پچھلے حصہ میں ایک زبردست زہریلا پھوڑا نکل آیا۔ ہر چند کوشش کی گئی مگر کسی صورت سے شفا کی امید نہ ہوئی۔ جب جان خطرہ میں پڑ گئی تو متوکل کی ماں نے منت مانی کہ اگر متوکل اچھا ہو گیا تو میں ابن الرضا کی خدمت میں مال کثیر نذر کروں گی اور فتح بن خاقان نے متوکل سے درخواست کی کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں مرض کی کیفیت ابوالحسن سے بیان کر کے کوئی دوا تجویز کرا لاؤں۔ متوکل نے اجازت دی اور ابن خاقان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے سارا واقعہ بیان کر کے دوا کی تجویز چاہی، امام علیہ السلام نے فرمایا۔ "کسب غنم" (بکری کی مینگنیاں) لے کر گلاب کے عرق میں حل کر کے لگا دو، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وزیر فتح ابن خاقان نے دربار میں امام علیہ السّلام کی تجویز پیش کی، لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ امام ہو کر کیا دوا تجویز فرمائی ہے۔ وزیر نے کہا اے خلیفہ تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے۔ اگر حکم ہو تو میں انتظام کروں۔ خلیفہ نے حکم دیا، دوا لگائی گئی، پھوڑا پھوٹا، متوکل کی آنکھ کھل گئی اور رات بھر پور سویا تین یوم کے اندر شفا کامل ہو جانے کے بعد متوکل کی ماں نے دس ہزار اشرفی کی سربمہر تھیلی امام علیہ السّلام کی خدمت میں بھجوا دی۔ (شواہد النبوت ص۲۰۷، اعلام الوریٰ ص۲۰۸)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی دوبارہ خانہ تلاشی

ورندوں کی جبہہ سائی اور متوکل کے علاج میں امام علیہ السلام کی شاندار کامیابی نے دشمنوں کے دلوں میں حسد کی لگی ہوئی آگ کو اور بھڑکا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل جس کی جان آپ ہی کے علاج سے بچی تھی وہ ممنون احسان ہونے کی بجائے امام کے درپے آزار ہو کر کھلم کھلا انھیں ستانے کی طرف خصوصی طور پر متوجہ ہو گیا۔ ملا جامی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ واقعہ صحت کے چند ہی دنوں بعد لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی اور کہا کہ امام علی نقیؑ کے گھر میں سلاح جنگ جمع ہیں اور وہ عنقریب اپنے جانثیوں کے بل بوتے پر تیری حکومت کا تختہ اُلٹ دیں گے۔ اور حاکم وقت بن کر تیرے لئے کا بدلہ لیں گے۔ متوکل جو پہلے ہی سے آل محمدؐ کا شدید دشمن تھا، لوگوں کے کہنے سے پھر بھڑک اُٹھا۔ اور اُس نے سعید کو بلا کر حکم دیا۔ (جن کی نظر بندی میں اس وقت آپ تھے) کہ تو آدھی رات کو دفعتہً امام کے مکان میں جا کر تلاشی لے اور جو چیز برآمد ہوئے میرے پاس لے آ۔ سعید حاجب کا بیان ہے کہ میں آدھی رات کو حضرت کے مکان میں کوٹھے کی طرف سے گیا۔ مجھے راستہ نہ ملتا تھا، کیونکہ سخت تاریکی تھی۔ امام علیہ السلام نے اپنے مصلّی پر سے جو اندر بچھا ہوا تھا آواز دی۔ اے سعید اندھیرا ہے۔ ٹھہرو! میں شمع لا رہا ہوں غرض کہ میں نے جا کر دیکھا کہ آپ زمین پر مصلّے بچھائے ہوئے ہیں اور آپ کے گھر میں ایک شمشیر کے سوا کوئی اسلحہ نہیں ہے اور ایک وہ تھیلی ہے جو متوکل کی ماں نے بھیجی تھی میں نے ان چیزوں کو متوکل کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے انھیں واپس کیا اور وہ اپنے مقام پر شرمندہ ہوا۔ (شواہد النبوت صـ ۲۰۵، جلاء العیون صـ ۲۹۴)۔

علامہ مجلسی کا بیان ہے کہ متوکل نے آپ پر پوری سختی شروع کر دی اور آپ کو قید کر دیا۔ پہلے زرافہ کی قید میں رکھا اور زراقی کی قید میں محبوس رکھا (جلاء العیون صـ ۲۹۳) علامہ محمد باقر نجفی کا بیان ہے کہ متوکل نے آپ کے پاس جانے پر مکمل پابندی عاید کر دی۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صـ ۱۳۱) اور حکم دیا کہ کوئی بھی آپ کے قریب تک نہ جانے پائے۔ (کشف الغمہ صـ ۱۲۴)۔

امام علی نقیؑ کے تصوّرِ حکومت پر خوفِ خدا غالب تھا

حضرت کی سیرت زندگی اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلہ عصمت کی ہر فرد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے۔ قید خانہ اور نظر بندی کا عالم ہو یا آزادی کا زمانہ ہر وقت ہر حال میں یادِ الٰہی۔ عبادت۔ خلق خدا سے استغنار، ثبات قدم۔ صبر و استقلال۔ مصائب کے ہجوم میں ماتھے

پر شکن کا نہ ہونا۔ دشمنوں کے ساتھ حلم و مروّت سے کام لینا۔ محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا۔ یہی وہ اوصاف ہیں جو امام علی نقیؑ کی سیرتِ زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

قید کے زمانہ میں جہاں بھی آپ رہے۔ آپ کے مصلے کے سامنے ایک قبر کھدی تیار رہتی تھی دیکھنے والوں نے جب اس پر حیرت اور دہشت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے دل میں موت کا خیال رکھنے کے لیے یہ قبر اپنی نگاہوں کے سامنے تیار رکھتا ہوں۔ حقیقت میں یہ ظالم طاقت کو اس کے باطل مطالبۂ اطاعت اور اسلام کے حقیقی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے ترک کر دینے کی خواہش کا ایک عملی جواب تھا۔ یعنی زیادہ سے زیادہ سلاطین وقت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ جان کا لے لینا۔ مگر جو شخص موت کے لیے اتنا تیار ہو کر ہر وقت کھدی ہوئی قبر اپنے سامنے رکھے۔ وہ ظالم حکومت سے ڈر کر سرِ تسلیم خم کرنے پر کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ دنیاوی سازشوں میں شرکت یا حکومت وقت کے خلاف کسی بے محل اقدام کی تیاری سے آپ کا دامن اس طرح بری رہا کہ باوجود دار السلطنت کے اندر مستقل قیام اور حکومت کے سخت ترین جاسوسی انتظام کے کبھی آپ کے خلاف کوئی الزام صحیح ثابت نہیں ہو سکا اور کبھی سلاطین وقت کو کوئی دلیل آپ کے خلاف تشدد کے جواز کی نہ مل سکی۔ باوجودیکہ سلطنتِ عباسیہ کی بنیادیں اس وقت اتنی کھوکھلی ہو رہی تھیں کہ دار السلطنت میں ہر روز ایک نئی سازش کا فتنہ کھڑا ہوتا تھا۔

متوکل سے خود اس کے بیٹے کی مخالفت اور اس کے انتہائی عزیز غلام باغر رومی کی اس سے دشمنی منتصر کے بعد اُمرائے حکومت کا انتشار اور آخر متوکل کے بیٹوں کو خلافت سے محروم کرنے کا فیصلہ مستعین کے دورِ حکومت میں یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید علوی کا کوفہ میں خروج اور حسن بن زید الملقب بہ داعی الحق کا علاقہ طبرستان پر قبضہ کر لینا اور مستقل سلطنت قائم کر لینا۔ پھر دار السلطنت میں ترکی غلاموں کی بغاوت، مستعین کا سامرہ کو چھوڑ کر بغداد کی طرف بھاگنا اور قلعہ بند ہو جانا آخر کو حکومت سے دست برداری پر مجبور ہونا اور کچھ عرصہ کے بعد معتز باللہ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اُترنا، پھر معتز باللہ کے دور میں رومیوں کا مخالفت پر تیار رہنا۔ معتز باللہ کو خود اپنے بھائیوں سے خطرہ محسوس ہونا اور مؤید کی زندگی کا خاتمہ اور موفق کا بصرہ میں قید کیا جانا، ان تمام ہنگامی حالات، ان تمام شورشوں، ان تمام بے چینیوں اور جھگڑوں میں سے کسی میں بھی امام علی نقیؑ کی شرکت کا شبہہ تک نہ پیدا ہونا کیا اس طرزِ عمل کے خلاف نہیں ہے؟ جو ایسے موقعوں پر جذبات سے کام لینے والوں کا ہوا کرتا ہے۔ ایک ایسے اقتدار کے مقابلہ میں جسے نہ صرف وہ حق و انصاف کے رو سے ناجائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کے

ہاتھوں انھیں جلا وطنی۔ قید اور اہانتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔" مگر" وہ جذبات سے بلند اور عظمت نفس کے کامل مظہر دنیاوی ہنگاموں اور وقت کے اتفاقی موقعوں سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا اپنی بے لوث حقانیت اور کوہ سے بھی گراں صداقت کے خلاف سمجھتا ہے اور مخالفت پر پس پشت حملہ کرنے کو اپنے بلند نقطۂ نگاہ اور معیار عمل کے خلاف جانتے ہوئے ہمیشہ کنارہ کش رہتا ہے۔ (دسویں امام ص۱۶)۔

قبر حسینی کے ساتھ متوکل کی دوبارہ بے ادبی

۲۴۷ ھجری

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کو قید کرنے کے بعد پھر متوکل قبر امام حسینؑ کے انہدام کی طرف متوجہ ہوا اور چاہا کہ اسے نیست و نابود کر دے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ کربلا میں قبر حسینی کی زیارت کے لیے اطراف عالم سے عقیدت مندوں کی آمد کا تانتا بندھا ہوا ہے اور بے شمار حضرات زیارت کو آتے ہیں تو متوکل کی آتش حسد بھڑک اٹھی اور اس نے اس سلسلہ کو بند کرنے کا تہیہ کر لیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ یہ وہی قبر ہے جس پر حسب تحقیق پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی ستر ہزار فرشتے آسمان سے اتر کر خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد جاتے وہاں روتے اور اس کی زیارت کرتے اور مجاورت کے فرائض روزانہ ادا کرتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص۲۴۷ مجمع البحرین ص۵۰۲) امالی شیخ طوسی اور جلاء العیون میں ہے کہ متوکل نے اپنی فوج کے دستے کو زیارت کے روکنے اور نہر علقمی کو کاٹ کے قبر پر سے گذارنے کو بھیجا اور حکم دیا کہ جو شخص زیارت کے لیے آئے اُسے قتل کر دیا جائے اور بعض علماء کے بیان کے مطابق یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ پہلے ہاتھ کاٹے جائیں پھر اگر باز نہ آئے تو قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک ایسا حکم تھا جس نے معتقدین کو بے چین کر دیا۔ حضرت زید مجنون جو دوست داران آل محمدؐ میں سے تھے، جو خبر سُن کر زیارت کے لیے مصر سے چل کر کوفہ پہنچے وہاں پہنچ کر حضرت بہلول دانا سے ملے جو اُس وقت بمصلحت اپنے کو دیوانہ بنائے ہوئے تھے۔ دونوں میں تبادلہ خیالات ہوا، اور دونوں زیارت قبر منور کے لیے کربلا روانہ ہو گئے۔ انھوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ ہاتھ کاٹے جائیں تو کٹوائیں گے قتل ہونے کی ضرورت محسوس ہو تو قتل ہو جائیں گے۔ لیکن زیارت ضرور کریں گے۔ جب یہ دونوں کربلا پہنچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ قبر کی طرف نہر کا پانی قبر پر سے گزرنے کی بے ادبی نہیں کرتا۔ پانی قبر تک پہنچ کر پھٹ جاتا ہے اور کتراکر اطراف و جوانب قبر کا بوسہ لیتا ہُوا گزر جاتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر ان کا جذبۂ محبت اور اُبھر گیا، یہ ابھی اسی مقام پر تھے کہ وہ شخص ان

کی طرف متوجہ ہُوا جو انہدام قبر پر متعین تھا۔ اُس نے پوچھا تم کیوں آئے ہو۔ اُن لوگوں نے کہا زیارت کے لیے۔ اُس نے جواب دیا جو زیارت کو آئے میں اُسے قتل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہوں۔ ان حضرات نے کہا کہ ہم قتل ہی ہونے کی تمنا میں آئے ہیں۔ یہ سن کر وہ ان کے پیروں پہ گر پڑا، اور اپنے عمل سے تائب ہو کر متوکل کے پاس واپس گیا۔ متوکل نے اُسے قتل کرا کے سُولی پر چڑھوا دیا۔ پھر پیروں میں رسّی باندھ کر بازاروں میں کھنچوایا۔ زید کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا، فوراً سامرہ پہنچے اور اُس کی لاش دفن کی اور اُس پر قرآن مجید پڑھا۔

ابھی حضرت زید سامرہ ہی میں تھے کہ ایک دن بڑے دُھوم دھام سے ایک جنازہ اُٹھایا گیا سیاہ علم ساتھ تھے۔ ارکانِ دولت اور عمائدین سلطنت ہمراہ تھے۔ چاروں طرف سے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ زید نے سمجھا کہ شاید متوکل کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد حضرت زید نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا "اللہ اللہ" فرزندِ رسُول امام حسین علیہ السلام کربلا میں تین دن کے بھُوکے پیاسے شہید کر دیئے گئے۔ ان پر کوئی رونے والا نہیں تھا۔ بلکہ اُن کی قبر کے نشان کو مٹانے کے بھی لوگ درپے ہیں اور ایک منحوس کنیز کا یہ احترام ہے۔ اس کے بعد اسی قسم کے مضامین پر مشتمل چند اشعار لکھ کر حضرت زید مجنون نے متوکل کے پاس بھجوا دیا، اُس نے انھیں مقید کر دیا۔ متوکل نے رات کو خواب دیکھا کہ ایک مردِ مومن آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ زید کو اسی وقت رہا کر دے۔ ورنہ میں تجھے ابھی ابھی ہلاک کر دُوں گا۔ چنانچہ اُس نے اسی وقت رہا کر دیا۔

متوکّل کا قتل

متوکّل کے ظلم و تعدی نے لوگوں کو زندگی سے بے زار کر دیا تھا۔ اب اس کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ برسرِ عام آلِ محمّدؐ کو گالیاں دینے لگا تھا۔ ایک دن اُس نے اپنے بیٹے مستنصر کے سامنے حضرت فاطمہ زہرا کے لیے ناسزا الفاظ استعمال کیے مستنصر نے علماء سے دریافت کیا کہ جو شخص ایسے الفاظ بنتِ رسُولؐ کے لیے استعمال کرے اُس کے لیے کیا حکم ہے۔ علماء نے کہا وہ واجبُ القتل ہے۔ تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ مستنصر نے رات کے وقت بحالتِ خلوت بہت سے آدمیوں کی مدد سے ظالم متوکل کو قتل کر دیا۔ ہادی التواریخ، تاریخ اسلام جلد ۱ ص۶۶ و دمعہ ساکبہ ص۱۴۷ میں ہے کہ یہ واقعہ ۴ شوال ۲۴۷ھ کا ہے۔ بعض معاصرین لکھتے ہیں کہ متوکّل نے اپنے عہدِ سلطنت میں کئی لاکھ شیعہ قتل کرائے ہیں۔

امام علی نقیؑ کو پیدل چلنے کا حکم

علّامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ قتل متوکل سے تین چار یوم قبل اسی ظالم متوکل نے حکم دیا تھا کہ میری سواری کے ساتھ تمام لوگ پیدل تفریح کے لیے چلیں۔ حکم میں امام علیہ السلام خاص طور پر مامور تھے چنانچہ آپ بھی کئی میل پیدل چل کر واپس تشریف لائے اور آپ کو اس سے اس درجہ تعب ہوا کہ آپ

سخت علیل ہو گئے۔ (جلاء العیون ص۲۹۲)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت

متوکل کے بعد اس کا بیٹا مستنصر پھر مستعین پھر ۲۵۲ھ میں معتز باللہ خلیفہ ہوا۔ معتز ابن متوکل نے بھی اپنے باپ کی سنت کو نہیں چھوڑا اور حضرت کے ساتھ سختی ہی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی نے آپ کو زہر دے دیا۔ "سمۂ المعتز" (انوار الحسینیہ جلد ۲ ص۵۵) اور آپ بتاریخ ۳ رجب ۲۵۴ھ یوم دوشنبہ انتقال فرما گئے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۴۹) علامہ ابن جوزی تذکرہ خواص الامۃ میں لکھتے ہیں کہ آپ معتز کے زمانۂ خلافت میں شہید کئے گئے ہیں اور آپ کی شہادت زہر سے واقع ہوئی ہے۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپ کو زہر سے شہید کیا گیا ہے۔ (انوار الابصار ص۱۵۰) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں (صواعق محرقہ ص۱۲۴) دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۴۸ میں ہے کہ آپ نے انتقال سے قبل امام حسن عسکری علیہ السلام کو مواریث انبیاء وغیرہ سپرد فرمائے تھے۔ وفات کے بعد جب امام حسن عسکری علیہ السلام نے گریبان چاک کیا تو لوگ معترض ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سنت انبیاء ہے۔ حضرت موسیٰ نے وفات حضرت ہارون پر اپنا گریبان پھاڑا تھا (دمعہ ساکبہ ص۱۴۸ جلاء العیون ص۲۹۴) آپ پر امام حسن عسکریؑ نے نماز پڑھی اور آپ سامرہ ہی میں دفن کئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات انتہائی کس مپرسی کی حالت میں ہوئی۔ انتقال کے وقت آپ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ (جلاء العیون ص۲۹۲)۔

آپ کی ازواج و اولاد

آپ کی کئی بیویاں تھیں، اُن سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں جن کے اسماء یہ ہیں (۱) امام حسن عسکری (۲) حسین بن علی (۳) محمد بن علی (۴) جعفر بن علی[۱] (۵) دختر موسومہ عائشہ بنت علی (ارشاد مفید ص۵۰۲ و صواعق محرقہ ص۱۲۴ طبع مصر)۔

---

[۱] علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ریٹائرڈ جج ریاست پٹیالہ لکھتے ہیں "کہ امام علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو فرزندوں ابو عبداللہ جعفر کذاب اور حسن عسکری رضؓ سے نسل جاری ہے۔ ابو عبداللہ جعفر کے نام کے ساتھ لقب "کذاب" بعض لوگ اس لیے شامل کیا کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے بھائی حسن عسکریؓ کی وفات کے بعد خود امام ہونے کا دعویٰ کیا تھا، ان کی اولاد ان کو جعفر تواب کہتی ہے اور اپنے آپ کو "رضوی" کہلاتی ہے ۔ ۔ ۔ سادات امروہہ انھیں کی نسل سے ہیں۔ (کتاب رحمۃ للعالمین جلد ۲ ص۱۴۶ طبع لاہور) میرے نزدیک مصنف کو یا تو علم نہیں یا انھیں دھوکہ ہو گیا ہے۔ دراصل جناب جعفر علیہ الرحمۃ کی اولاد کو نقوی کہا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۱۳

حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام

بو محمّد امام یازدھم جانشین رسُول عرش مقام
جس کے جد وجہ خلقتِ عالم جس کے فرزند سے جہاں کو قیام

حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے گیارھویں جانشین اور سلسلہ عصمت کی تیرھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت امام علی نقی علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب حدیثہ خاتون تھیں۔ مخترمہ کے متعلق علّامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ آپ عفیفہ کریمہ نہایت سنجیدہ اور ورع وتقویٰ سے بھرپور تھیں۔ (جلاء العیون صـ۲۹۵)۔

حضرت امام علیہ السّلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ (ارشاد مفید صـ۵۰۲) آپ کو صفاتِ حسنہ علم وسخاوت وغیرہ اپنے والد کے ورثہ میں ملے تھے۔ (ارجح المطالب صـ۴۶۱) علّامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آپ کو خداوندِ عالم نے جن فضائل ومناقب اور کمالات اور بلندی سے سرفراز کیا ہے، ان میں مکمل دوام موجود ہے۔ نہ وہ نظر انداز کئے جا سکتے ہیں اور نہ ان میں کہنگی آسکتی ہے اور آپ کا ایک اہم شرف یہ بھی ہے کہ امام مہدی علیہ السّلام آپ ہی کے اکلوتے فرزند ہیں جنھیں پروردگارِ عالم نے طویل عمر عطا کی ہے (مطالب السؤل صـ۲۹۲)۔

امام حسن عسکری کی ولادت اور بچپن کے بعض حالات

علمائے فریقین کی اکثریت کا اتّفاق ہے کہ آپ بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ یوم جمعہ بوقت صبح بطن جنابِ حدیثہ خاتون سے بمقام مدینہ منوّرہ متولّد ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو شواہد النبوت صـ۲۱۰ صواعق محرقہ صـ۱۲۴، نور الابصار صـ۱۱۰، جلاء العیون صـ۲۹۵، ارشاد مفید صـ۵۰۲ دمعہ ساکبہ جلد ۳ صـ۱۹۳۔ آپ کی ولادت کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السّلام نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے رکھے

ہوئے "نام حسن بن علی" سے موسوم کیا۔ (ینابیع المودۃ)۔

آپ کی کنیت اور آپ کے القاب

آپ کی کنیت "ابو محمد" تھی اور آپ کے القاب بے شمار تھے۔ جن میں عسکری، ہادی، زکی خالص، سراج اور ابن الرضا زیادہ مشہور ہیں۔ (نورالابصار ص۱۵۰ شواہد النبوت ص۲۱۰۔ دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۲۲ و مناقب ابن شہر آشوب جلد ص۱۲۵) آپ کا لقب عسکری اس لیے زیادہ مشہور ہوا کہ ۱ آپ جس محلہ میں بمقام "سرمن رائے" رہتے تھے اُسے عسکر کہا جاتا تھا اور بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ جب خلیفہ معتصم باللہ نے اس مقام پر لشکر جمع کیا تھا اور خود بھی قیام پذیر تھا تو اُسے "عسکر" کہنے لگے تھے، اور خلیفہ متوکل نے امام علی نقی علیہ السلام کو مدینہ سے بلوا کر یہیں مقیم رہنے پر مجبور کیا تھا۔ نیز یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ خلیفہ وقت نے امام زمانہ کو اسی مقام پر نوے ہزار لشکر کا معائنہ کرایا تھا اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان سے اُسے اپنے خدائی لشکر کا مطالعہ کرا دیا تھا۔ انھیں وجوہ کی بنا پر اس مقام کا نام "عسکر" ہو گیا تھا جہاں امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام مدتوں مقیم رہ کر عسکری مشہور ہو گئے۔ (بحارالانوار جلد ۱۲ ص۱۵۴، وفیات الاعیان جلد ۱ ص۱۳۵، مجمع البحرین ص۳۲۲، دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۲۳، تذکرۃ المعصومین ص۲۲۲)۔

آپ کا عہدِ حیات اور بادشاہانِ وقت

آپ کی ولادت ۲۳۲ھ میں اس وقت ہوئی جبکہ واثق باللہ بن معتصم بادشاہ وقت تھا جو ۲۲۷ھ میں خلیفہ بنا تھا۔ (تاریخ ابوالفداء) پھر ۲۳۳ھ میں متوکل خلیفہ ہوا (تاریخ ابن الوردی) جو حضرت علی اور اُن کی اولاد سے سخت بغض و عناد رکھتا تھا، اور اُن کی منقصت کیا کرتا تھا۔ (حیوٰۃ الحیوان و تاریخ کامل) اسی نے ۲۳۶ھ میں امام حسینؑ کی زیارت جرم قرار دی اور اُن کے مزار کو ختم کرنے کی سعی کی (تاریخ کامل) اور اسی نے امام علی نقیؑ کو جبراً مدینہ سے سرمن رائے میں طلب کرالیا۔ (صواعق محرقہ) اور آپ کو گرفتار کرا کے آپ کے مکان کی تلاشی کرائی (وفیات الاعیان) پھر ۲۴۷ھ میں منتصر بن متوکل خلیفہ وقت ہوا۔ (تاریخ ابوالفداء) پھر ۲۴۸ھ میں مستعین خلیفہ بنا (ابوالفداء) پھر ۲۵۲ھ میں معتز باللہ خلیفہ ہوا (ابوالفداء) اسی زمانہ میں امام علی نقی علیہ السلام کو زہر سے شہید کر دیا گیا (نورالابصار) پھر ۲۵۵ھ میں مہدی باللہ خلیفہ بنا (تاریخ ابن الوردی) پھر ۲۵۶ھ میں معتمد علی اللہ خلیفہ ہوا۔ (تاریخ ابوالفداء) اسی زمانہ میں ۲۶۰ھ میں امام علیہ السلام زہر سے شہید ہوئے (تاریخ کامل) ان تمام خلفاء نے آپ کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو آلِ محمدؐ کے ساتھ برتاؤ کیے جانے کا دستور چلا آرہا تھا۔

چار ماہ کی عمر اور منصب امامت

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی عمر جب چار ماہ کے قریب ہوئی تو آپ کے والد امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے بعد کے لیے منصب امامت کی وصیت کی اور فرمایا کہ میرے بعد یہی میرے جانشین ہوں گے۔ اور اس پر بہت سے لوگوں کو گواہ بھی کر دیا۔ (ارشاد مفید صفحہ ۵۰۲ و دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ بحوالہ اصول کافی) علامہ ابن حجر مکی کا کہنا ہے کہ امام حسن عسکری ؑ۔ امام علی نقی ؑ کی اولاد میں سب سے زیادہ اجل و ارفع اعلیٰ و افضل تھے۔

چار سال کی عمر میں آپ کا سفر عراق

متوکل عباسی جو آل محمدؐ کا ہمیشہ سے دشمن تھا اس نے امام حسن عسکری کے والد بزرگوار امام علی نقی علیہ السلام کو جبراً ۲۳۶ ھ میں مدینہ سے "سر من رائے" بلایا۔ آپ ہی کے ہمراہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو بھی جانا پڑا۔ اس وقت آپ کی عمر چار سال چند ماہ کی تھی۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲)۔

یوسف آل محمدؐ کنوئیں میں

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نہ جانے کس طرح اپنے گھر کے کنوئیں میں گر گئے، آپ کے گرنے سے عورتوں میں کہرام عظیم برپا ہو گیا۔ سب چیخنے اور چلانے لگیں، مگر حضرت امام علی نقی علیہ السلام جو محو نماز تھے، مطلق متاثر نہ ہوئے اور اطمینان سے نماز کا اختتام کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں حجت خدا کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ اسی دوران میں دیکھا کہ پانی بلند ہو رہا ہے اور امام حسن عسکری پانی میں کھیل رہے ہیں۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۹)۔

امام حسن عسکریؑ اور کمسنی میں عروج فکر

آل محمدؐ جو تدبر قرآنی اور عروج فکر میں خاص مقام رکھتے ہیں ان میں سے ایک بلند مقام بزرگ حضرت امام حسن عسکری ؑ ہیں۔ علماء فریقین نے لکھا ہے کہ ایک دن آپ ایک ایسی جگہ کھڑے رہے جس جگہ کچھ بچے کھیل میں مصروف تھے۔ اتفاقاً اُدھر سے عارف آل محمدؐ جناب بہلول دانا گذرے، انھوں نے یہ دیکھ کر کہ سب بچے کھیل رہے ہیں اور ایک خوب صورت سرخ و سفید بچہ کھڑا رو رہا ہے۔ اُدھر متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے نونہال مجھے بڑا افسوس ہے کہ تم اس لیے رو رہے ہو کہ تمھارے پاس وہ کھلونے نہیں جو ان بچوں کے پاس ہیں۔ سنو! میں ابھی ابھی تمھارے لیے کھلونا لے کر آتا ہوں۔ یہ کہنا تھا کہ آپ کمسنی کے باوجود بولے، انا نہ سمجھ! ہم کھیلنے کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ ہم علم و عبادت کے لیے خلق ہوئے ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ تمھیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ غرض خلقت علم و عبادت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی طرف قرآن مجید رہبری کرتا ہے

کیا تم نے نہیں پڑھا کہ خدا فرماتا ہے " افحسبتم انما خلقناکم عبثاً " الخ (پ۱۸ رکوع ۶) کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث (کھیل کود) کے لیے پیدا کیا ہے؟ اور کیا تم ہماری طرف پلٹ کر نہ آؤ گے۔ یہ سن کر بہلول حیران رہ گئے، اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اے فرزند تمھیں کیا ہو گیا تھا کہ تم رو رہے تھے۔ گناہ کا تصور تو ہو نہیں سکتا کیونکہ تم بہت کم سن ہو۔ آپ نے فرمایا کہ کمسنی سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے اپنی والدہ کو دیکھا ہے کہ بڑی لکڑیوں کو جلانے کے لیے چھوٹی لکڑیاں استعمال کرتی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں جہنم کے بڑے ایندھن کے لیے ہم چھوٹے اور کمسن لوگ استعمال نہ کیے جائیں۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۴، نور الابصار ص۱۵۰، تذکرۃ المعصومین ص۲۳۰)۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کیساتھ بادشاہان وقت کا سلوک اور طرز عمل

جس طرح آپ کے آباؤ اجداد کے وجود کو ان کے عہد کے بادشاہ اپنی سلطنت اور حکمرانی کی راہ میں روڑا سمجھتے رہے۔ اُن کا یہ خیال رہا کہ دنیا کے قلوب ان کی طرف مائل ہیں۔ کیونکہ یہ فرزند رسولؐ اور اعمال صالح کے تاج دار ہیں لہذا ان کو انظار عامہ سے دور رکھا جائے ورنہ امکان قوی ہے کہ لوگ انھیں اپنا بادشاہ وقت تسلیم کر لیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بغض و حسد بھی تھا کہ ان کی عزت بادشاہ وقت کے مقابلہ میں زیادہ کی جاتی ہے اور یہ کہ امام مہدی انھیں کی نسل سے ہوں گے جو سلطنتوں کا انقلاب لائیں گے۔ انھیں تصورات نے جس طرح آپ کے بزرگوں کو چین نہ لینے دیا اور ہمیشہ مصائب کی آماجگاہ بنائے رکھا۔ اسی طرح آپ کے عہد کے بادشاہوں نے بھی آپ کے ساتھ کیا۔ عہد واثق میں آپ کی ولادت ہوئی اور عہد متوکل کے کچھ ایام میں بچپنا گزرا۔ متوکل جو آل محمدؐ کا جانی دشمن تھا۔ اُس نے صرف اس جرم میں کہ آل محمدؐ کی تعریف کی ہے۔ ابن سکیت شاعر کی زبان گدی سے کھنچوالی (ابوالفداء جلد ۲ ص۱۴۱) اُس نے سب سے پہلے تو آپ پر یہ ظلم کیا کہ چار سال کی عمر میں ترک وطن کرنے پر مجبور کیا۔ یعنی امام علی نقی علیہ السلام کو جبراً مدینہ سے سامرہ بلوالیا۔ جن کے ہمراہ امام حسن عسکری علیہ السلام کو لازماً جانا تھا۔ پھر وہاں آپ کے گھر کی لوگوں کے کہنے سننے سے تلاشی کرائی اور آپ کے والد ماجد کو جانوروں سے پھڑوا ڈالنے کی کوشش کی۔ غرضکہ جو جو سعی آل محمدؐ کو ستانے کی ممکن تھی۔ وہ سب اس نے اپنے عہد حیات میں کر ڈالی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مستنصر خلیفہ ہوا۔ یہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر آل محمدؐ کو ستانے کی سنت ادا کرتا رہا۔ اور اس کی مسلسل کوشش یہی رہی کہ ان لوگوں کو سکون نصیب نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد مستعین کا جب عہد آیا تو اس نے آپ کے والد ماجد کو قید خانہ میں رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی سعی پیہم کی کہ کسی صورت سے امام حسن عسکری کو قتل کرا دے اور

اس کے لیے اُس نے مختلف راستے تلاش کیے۔ مُلّا جامی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اُس نے اپنے شوق کے مُطابق ایک نہایت زبردست گھوڑا خریدا، لیکن اتفاق سے وہ کچھ اس درجہ سرکش نکلا کہ اُس نے بڑے بڑے لوگوں کو سواری نہ دی اور جو اس کے قریب گیا اس کو زمین پر دے مارکر ٹاپوں سے کچل ڈالا۔ ایک دن خلیفہ مستعین باللہ کے ایک دوست نے رائے دی کہ امام حسن عسکریؑ کو بلا کر حکم دیا جائے کہ وہ اِس پر سواری کریں، اگر وہ اس پر کامیاب ہو گئے تو گھوڑا رام ہو جائے گا اور اگر کامیاب نہ ہوئے اور کچل ڈالے گئے تو تیرا مقصد حل ہو جائے گا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن اللہ رے شانِ امامت جب آپ اس کے قریب پہنچے تو وہ اس طرح بھیگی بلی بن گیا کہ جیسے کچھ جانتا ہی نہیں۔ بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ گھوڑا حضرت ہی کے حوالے کر دے۔ (شواہد النبوت ص۲۱۱) پھر مستعین کے بعد جب معتز باللہ خلیفہ ہوا تو اس نے بھی آلِ محمدؐ کو ستانے کی سنّت جاری رکھی۔ اور اِس کی کوشش کرتا رہا کہ عہدِ حاضر کے امامِ زمانہ اور فرزندِ رسولؐ امام علی نقی کو درجۂ شہادت پر فائز کر دے۔ چنانچہ یہی ہوا اور اس نے ۲۵۴ھ میں آپ کے والد بزرگوار کو زہر سے شہید کرا دیا۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ جس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو بے انتہا مایوس کر دیا۔ امام علی نقی کی شہادت کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام خطرات میں محصور ہو گئے۔ کیونکہ حکومت کا رُخ اب آپ ہی کی طرف رہ گیا۔ آپ کو کھٹکا لگا ہی تھا کہ حکومت کی طرف سے عمل درآمد شروع ہو گیا۔ معتز نے ایک شقی ازلی اور ناصب ابدی ابن یارش کی حراست اور نظر بندی میں امام حسن عسکری علیہ السلام کو دے دیا اُس نے ان کو ستانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لیکن آخر میں وہ آپ کا معتقد بن گیا آپ کی عبادت گزاری اور روزہ داری نے اس پر ایسا گہرا اثر کیا کہ اُس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لی اور آپ کو دولت سرا تک پہنچا دیا۔ علی بن محمد زیاد کا بیان ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے ایک خط تحریر فرمایا جس میں لکھا کہ تم خانہ نشین ہو جاؤ۔ کیونکہ ایک بہت بڑا فتنہ اُٹھنے والا ہے۔ غرضکہ تھوڑے دنوں کے بعد ایک ہنگامہ عظیم برپا ہوا۔ اور حجاج بن سفیان نے معتز کو قتل کر دیا۔ (کشف الغمہ ص۱۲۷) پھر جب مہدی باللہ کا عہد آیا تو اُس نے بھی بدستور اپنا عمل جاری رکھا اور حضرت کو ستانے میں ہر قسم کی کوشش کرتا رہا۔ ایک دن اُس نے صالح بن وصیف نامی ناصبی کے حوالہ آپ کو کر دیا اور حکم دیا کہ ہر ممکن طریقہ سے آپ کو ستائے۔ صالح کے مکان کے قریب ایک بدترین حجرہ تھا جس میں آپ قید کیے گئے۔ صالح بدبخت نے جہاں اور طریقہ سے ستایا۔ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ آپ کو کھانا اور پانی سے بھی حیران اور تنگ رکھتا تھا۔ آخر ایسا ہوتا رہا کہ آپ تیمم سے نماز ادا فرماتے رہے۔ ایک دن اُس کی بیوی نے

کہا کہ اے دشمن خدا یہ فرزند رسولؐ ہیں ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کر، اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ ایک دن کا ذکر ہے بنی عباسیہ کے ایک گروہ نے صالح سے جاکر درخواست کی کہ حسن عسکری پر زیادہ ظلم کیا جانا چاہیے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان کے اوپر دو ایسے شخصوں کو مسلط کر دیا ہے جن کا ظلم و تشدد میں جواب نہیں ہے، لیکن میں کیا کروں کہ ان کے تقویٰ اور ان کی عبادت گذاری سے وہ اس درجہ متاثر ہو گئے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ میں نے اُن سے جواب طلبی کی تو انھوں نے قلبی مجبوری ظاہر کی۔ یہ سُن کر وہ لوگ مایوس واپس گئے۔ (تذکرۃ المعصومین ص۲۲۳) غرضکہ مہدی کا ظلم و تشدد زوروں پر تھا۔ اور یہی نہیں کہ وہ امام علیہ السلام پر سختی کرتا تھا بلکہ یہ کہ وہ اُن کے ماننے والوں کو برابر قتل کر رہا تھا۔ ایک دن آپ کے ایک صحابی احمد بن محمد نے ایک عریضہ کے ذریعہ سے اُس کے ظلم کی شکایت کی، تو آپ نے تحریر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں کہ مہدی کی عمر اب صرف پانچ یوم باقی رہ گئی ہے چنانچہ چھٹے دن اُسے کمال ذلت و خواری کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ (کشف الغمہ ص۱۲۶) اسی کے عہد میں جب آپ قید خانہ میں پہنچے تو عیسیٰ بن فتح سے فرمایا کہ تمہاری عمر اس وقت ۶۵ سال ایک ماہ دو یوم کی ہے۔ اُس نے نوٹ بک نکال کر اس کی تصدیق کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خدا تمھیں اولاد نرینہ عطا کرے گا وہ خوش ہو کر کہنے لگا مولا! کیا آپ کو خدا فرزند نہ دے گا۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم عنقریب مجھے مالک ایسا فرزند دے گا جو ساری کائنات پر حکومت کرے گا۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ (نور الابصار ص۱۰۱) پھر جب اُس کے بعد معتمد خلیفہ ہوا تو اس نے امام علیہ السلام پر ظلم و جور، و ستم و استبداد کا خاتمہ کر دیا۔

امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت اور امام حسن عسکریؑ کا آغاز امامت

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کی شادی جناب نرجس خاتون سے کر دی جو قیصر روم کی پوتی اور شمعون وصی عیسیٰ کی نسل سے تھیں۔ (جلاء العیون ص۲۹۸) اس کے بعد آپ ۳ رجب ۲۵۴ھ کو درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی امامت کا آغاز ہوا۔ آپ کے تمام معتقدین نے آپ کو مبارک باد دی اور آپ سے ہر قسم کا استفادہ شروع کر دیا۔ آپ کی خدمت میں آمد و رفت اور سوالات و جوابات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ آپ نے جوابات میں ایسے حیرت انگیز معلومات کا انکشاف فرمایا کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ آپ نے علم غیب اور علم بالموت تک کا ثبوت پیش فرمایا اور اس کی بھی وضاحت کی کہ فلاں شخص کو اتنے دنوں میں موت آجائے گی۔

علامہ ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے والد سمیت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

کی راہ میں بیٹھ کر یہ سوال کرنا چاہا کہ باپ کو پانچ سو درہم اور بیٹے کو تین سو درہم اگر امام دے دیں تو سارے کام ہو جائیں، یہاں تک امام علیہ السّلام اس راستے پر آپہنچے۔ اتفاقاً یہ دونوں امام کو پہچانتے نہ تھے۔ امام خود ان کے قریب گئے اور ان سے کہا کہ تمھیں آٹھ سو درہم کی ضرورت ہے۔ آؤ میں تمھیں دے دوں۔ دونوں ہمراہ ہو لیے اور رقم معہود حاصل کر لی۔ اسی طرح ایک اور شخص قید خانہ میں تھا۔ اُس نے قید کی پریشانی کی شکایت امام علیہ السّلام کو لکھ کر بھیجی اور تنگ دستی کا ذکر شرم کی وجہ سے نہ کیا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ تم آج ہی قید سے رہا ہو جاؤ گے۔ اور تُم نے جو شرم سے تنگدستی کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے متعلق معلوم کرو کہ میں اپنے مقام پر پہنچتے ہی سو دینار بھیج دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی طرح ایک شخص نے آپ سے اپنی تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ نے زمین کرید کر ایک اشرفی کی تھیلی نکالی اور اُس کے حوالے کر دی۔ اس میں سو دینار تھے۔ اسی طرح ایک شخص نے آپ کو تحریر کیا کہ مشکوٰۃ کے معنی کیا ہیں؟ نیز یہ کہ میری عورت حاملہ ہے اس سے جو فرزند پیدا ہوگا۔ اس کا نام رکھ دیجئے۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ مشکوٰۃ سے مراد قلب محمد مصطفےٰ صلعم ہے اور آخر میں لکھ دیا "عظم اللہ اجرک و اخلف علیک" خدا تمھیں اجر دے اور نعم البدل عطا کرے۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ اُس کے یہاں مُردہ لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے بعد اُس کی بیوی حاملہ ہوئی، فرزند نرینہ متولد ہوا۔ ملاحظہ ہو (شواہد النبوت صلا۲۱)۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ حسن ابن ظریف نامی ایک شخص نے حضرت سے لکھ کر دریافت کیا کہ قائم آلِ محمدؐ پوشیدہ ہونے کے بعد کب ظہور کریں گے۔ آپ نے تحریر فرمایا جب خدا کی مصلحت ہوگی۔ اس کے بعد لکھا کہ تم تپ ربع کا سوال کرنا بھول گئے جسے تم مجھ سے پوچھنا چاہتے تھے، تو دیکھو ایسا کرو کہ جو اس میں مبتلا ہو اس کے گلے میں آیۂ "یا نارکونی برداً وسلاماً علیٰ ابراہیم" لکھ کر لٹکا دو شفایاب ہو جائے گا۔ علی بن زید ابن حسین کا کہنا ہے کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس گھوڑے کی عمر صرف ایک رات باقی رہ گئی ہے۔ چنانچہ وہ صبح ہونے سے پہلے مر گیا۔ اسماعیل بن محمد کا کہنا ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے اُن سے قسم کھا کر کہا کہ میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ قسم مت کھاؤ تمھارے گھر دو سو دینار مدفون ہیں۔ یہ سُن کر وہ حیران رہ گیا، پھر حضرت نے غلام کو حکم دیا کہ انھیں سو اشرفیاں دے دو۔ عبدی روایت کرتا ہے کہ میں اپنے فرزند کو بصرہ میں بیمار چھوڑ کر سامرہ گیا اور وہاں حضرت کو تحریر کیا کہ میرے فرزند کے لیے دُعائے شفا فرمائیں۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "خدا اس پر رحمت نازل فرمائے"۔ جس دن یہ خط اُسے ملا اُسی دن اس کا فرزند انتقال کر چکا تھا۔ محمد بن افرع کہتا ہے کہ میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ کے ذریعہ سے سوال کیا

کہ "کیا آئمہ کو بھی احتلام ہوتا ہے"۔ جب خط روانہ کر چکا تو خیال ہوا کہ احتلام تو وسوسۂ شیطانی سے ہوا کرتا ہے اور امام تک شیطان پہنچ نہیں سکتا۔ بہرحال جواب آیا کہ امام نوم اور بیداری دونوں حالتوں میں وسوسۂ شیطانی سے دُور ہوتے ہیں جیسا کہ تمھارے دل میں بھی خیال پیدا ہوا ہے پھر احتلام کیونکر ہو سکتا ہے۔ جعفر بن محمد کا کہنا ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر تھا، دل میں خیال آیا کہ میری عورت جو حاملہ ہے اگر اس سے فرزند نرینہ پیدا ہو تو بہت اچھا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اے جعفر لڑکا نہیں لڑکی پیدا ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۸)۔

اپنے عقیدت مندوں میں حضرت کا دورہ

جعفر بن شریف جرجانی بیان کرتے ہیں کہ میں حج سے فراغت کے بعد حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُن سے عرض کی کہ مولا! اہلِ جرجان آپ کی تشریف آوری کے خواستگار اور خواہش مند ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم آج سے ایک سو نوّے دن کے بعد واپس جرجان پہنچو گے اور جس دن تم پہنچو گے اُسی دن شام کو میں بھی پہنچوں گا تم اُنھیں باخبر کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، میں وطن پہنچ کر لوگوں کو آگاہ کر چکا تھا کہ امام علیہ السّلام کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ نے سب سے مُلاقات کی اور سب نے شرفِ زیارت حاصل کیا۔ پھر لوگوں نے اپنی مشکلات پیش کیں۔ امام علیہ السّلام نے سب کو مطمئن کر دیا۔ اسی سلسلہ میں نصر بن جابر نے اپنے فرزند کو پیش کیا، جو نابینا تھا۔ حضرت نے اس کے چہرہ پر دستِ مُبارک پھیر کر اُسے بینائی عطا کی۔ پھر آپ اُسی روز واپس تشریف لے گئے۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۸) ایک شخص نے آپ کو ایک خط بلا روشنائی کے قلم سے لکھا۔ آپ نے اُس کا جواب مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی لکھنے والے کا اور اس کے باپ کا نام بھی تحریر فرما دیا۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ شخص حیران ہو گیا اور اسلام لایا اور آپ کی امامت کا معتقد بن گیا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۱۷۲)۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام کا پتھر پر مُہر لگانا

ثقۃ الاسلام علّامہ کلینی اور امام اہلسنت علّامہ جامی رقمطراز ہیں کہ ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی خدمت میں ایک خوب صورت سا یمنی آیا اور اس نے ایک سنگ پارہ یعنی پتھر کا ٹکڑا پیش کر کے خواہش کی کہ آپ اس پر اپنی امامت کی تصدیق میں مُہر کر دیں۔ حضرت نے مُہر نکالی اور اُس پر لگا دی۔ آپ کا اسمِ گرامی اسی طرح کندہ ہو گیا جس طرح موم پر لگانے سے کندہ ہوتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ آنے والا مجمع ابن الصلت بن عقبہ بن سمعان ابن غانم ابن امّ غانم تھا۔ یہ وُہی سنگ پارہ لایا تھا جس پر اس کے خاندان کی ایک عورت اُمّ غانم

نے تمام آئمہ طاہرین سے مُہر لگوا رکھی تھی۔ اُس کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی امامت کا دعویٰ کرتا تھا تو وہ اُس کو لے کر اُس کے پاس چلی جاتی تھی۔ اگر اس مدعی نے پتھر پر مُہر لگا دی تو اُس نے سمجھ لیا کہ یہ امام زمانہ ہیں اور اگر وہ اس عمل سے عاجز رہا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتی تھی۔ چونکہ اُس نے اِسی سنگِ پارہ پر کئی اماموں کی مُہر لگوائی تھی، اس لیے اُس کا لقب (صاحبۃ الحصاۃ) ہوگیا تھا۔ علامہ جامی لکھتے ہیں کہ جب مجمع بن صلت نے مُہر لگوائی تو اُس سے پوچھا گیا کہ تم حضرت امام حسن عسکری کو پہلے سے پہچانتے تھے۔ اس نے کہا نہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ میں ان کا انتظار کر ہی رہا تھا کہ آپ تشریف لائے، لیکن میں چونکہ پہچانتا نہ تھا اس لیے خاموش بیٹھا رہا۔ اتنے میں ایک ناشناس نوجوان نے میری نظروں کے سامنے آکر کہا کہ یہی حسن بن علی ہیں۔ راوی ابوہاشم بیان کرتا ہے کہ جب وہ جوان آپ کے دربار میں آیا تو میرے دل میں یہ آیا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کون ہے۔ دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ مُہر لگوانے کے لیے وہ سنگِ پارہ لایا ہے، جس پر میرے باپ دادا کی مُہریں لگی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اُس نے پیش کیا اور آپ نے مُہر لگا دی۔ وہ شخص آیۃ "ذریۃ بعضھا من بعض" پڑھتا ہوا چلا گیا۔ (اصولِ کافی و دمعہ ساکبہ ص۱۶۴۔ شواہد النبوت ص۲۱۱ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء اعلام الوریٰ ص۲۱۴)۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام کے علمی خدمات

تفسیر القرآن

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جب انسان کو سکون نصیب ہو تو دل و دماغ از کار رفتہ ہو جاتے ہیں اور اُس میں اتنی صلاحیت نہیں رہتی کہ وہ کوئی غیر فانی دماغی کردار پیش کر سکے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام جنہیں بالواسطہ یا بلا واسطہ خلفائے عباسیہ کے سات ظالموں کے دستِ ستم بیداد سے متاثر ہونا پڑا۔ کبھی آپ کے والد ماجد کو قید کیا گیا، کبھی آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی، کبھی آپ کو قیدِ ظلم میں مقید کیا گیا۔ کبھی نظر بندی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ غرضکہ آپ کا کوئی لمحہ حیات پُرسکون نہیں گزرا۔ پھر عمر بھی آپ نے صرف ۲۸ سال کی پائی تھی۔ انھیں وجوہ سے آپ کے کمالات علمیہ کا کماحقہ اظہار و انکشاف نہ ہو سکا۔ اسی بنا پر علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ آپ دنیا میں اتنے دنوں بقیدِ حیات رہے ہی نہیں کہ آپ کے فضائل و مناقب اور علوم و حکم لوگوں پر ظاہر ہو سکیں (اخبار الدول ص۱۱۱) تاہم ان حالات میں بھی آپ نے اپنے علم لدنی، نیز اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کردہ علم کے سہارے تبحر علمی کے ساتھ بڑے بڑے علمی کارناموں سے لوگوں کو حیران کر دیا ہے۔ آپ نے مخالفینِ اسلام اور عظیم جاثلیقوں سے اہم مناظرے کئے اور علم و حکم کے

دریا بہائے ہیں۔ آپ کے علمی کارناموں میں ایک اہم کارنامہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ جو تفسیر امام حسن عسکریؑ کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ یہ تفسیر علوم قرآنی اور علم نبوی سے مملو ہے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صـ۱۶۵) میرے نزدیک اس کا انتساب تشنۂ تحقیق ہے۔

آپ نے اپنی قلمی صلاحیت کو محل افتخار میں اکثر ذکر فرمایا ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ ہم وہ ہیں جنھیں خدا نے صاحب قلم قرار دیا ہے۔ علماء کا بیان ہے کہ جب آپ لکھتے لکھتے نماز کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔ تو آپ کا قلم برابر چلتا رہتا تھا اور آپ کا مافی الضمیر بحکم خداوندی سطح قرطاس پر مرقوم ہوتا رہتا تھا۔ (بحار الانوار، دمعہ ساکبہ جلد ۳ صـ۱۷۹ بحوالہ اثبات الہدایہ حُر عاملی۔ علامہ شیخ مفید کا کہنا ہے کہ آپ علم فضل۔ زہد و تقویٰ عقل و عصمت شجاعت و کرم اعمال و عبادت میں افضل اہل زمانہ تھے۔ (ارشاد صـ۵۰۲ ثقۃ الاسلام علامہ کلینیؒ کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے آباؤ و اجداد کی طرح تمام زبانوں سے واقف تھے۔ آپ ترکی رومی غرضکہ ہر زبان میں تکلم کیا کرتے تھے۔ خدا نے آپ کو ہر زبان سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ اور آپ علم رجال۔ علم انساب۔ علم حوادث میں کمال رکھتے تھے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صـ۱۷۷ بحوالہ اصول کافی) عبداللہ ابن محمد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت کو بھیڑ بکریوں سے بات چیت کرتے ہوئے خود سُنا ہے۔ (کتاب مناقب فاطمہ)۔

حضرت امام حسن عسکریؑ کا عراق کے ایک عظیم فلسفی کو شکست دینا

مورخین کا بیان ہے کہ عراق کے ایک عظیم فلسفی اسحاق کندی کو یہ خبط سوار ہوا کہ قرآن مجید میں تناقض ثابت کرے اور یہ بتا دے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے، اور ایک مضمون دوسرے مضمون سے ٹکراتا ہے۔ اس نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے کتاب "تناقض القرآن" لکھنا شروع کی اور اس درجہ منہمک ہو گیا کہ لوگوں سے ملنا جلنا اور کہیں آنا جانا سب ترک کر دیا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کے خبط کو دور کرنے کا ارادہ فرمایا، آپ کا خیال تھا کہ اس پر کوئی ایسا اعتراض کر دیا جائے کہ جس کا وہ جواب نہ دے سکے اور مجبوراً اپنے ارادے سے باز آ جائے۔ اتفاقاً ایک دن آپ کی خدمت میں اس کا ایک شاگرد حاضر ہوا۔ حضرت نے اس سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اسحاق کندی کو "تناقض القرآن" لکھنے سے باز رکھ سکے۔ اس نے عرض کی مولا! میں اس کا شاگرد ہوں، بھلا اس کے سامنے لب کشائی کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ تو کر سکتے ہو کہ جو میں کہوں وہ اُس تک پہنچا دو۔ اس نے کہا کر سکتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے تو تم اس سے موانست پیدا کرو۔

اور اُس پر اعتبار جماؤ، جب وہ تم سے مانوس ہو جائے اور تمھاری بات توجہ سے سُننے لگے تو اُس سے کہنا کہ مجھے ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ آپ اس کو دُور فرما دیں۔ جب وہ کہے کہ بیان کرو تو کہنا کہ " اِنْ اِتاكَ ھذا المتكلم بهذا القرآن هل يجوزان يكون مرادة بما تكلم منه عن المعاني التي قد ظننتها انك ذهبتها اليها ۔ اگر اس کتاب یعنی قرآن کا مالک تمھارے پاس اسے لائے تو کیا ہو سکتا ہے کہ اس کلام سے جو مطلب اس کا ہو، وہ تمھارے سمجھے ہوئے معانی و مطالب کے خلاف ہو، جب وہ تمھارا یہ اعتراض سُنے گا تو چونکہ ذہین آدمی ہے۔ فوراً کہے گا کہ بے شک ایسا ہو سکتا ہے۔ جب وہ یہ کہے تو تم اس سے کہنا کہ پھر کتاب "تناقض القرآن" لکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ تم اس کے جو معنی سمجھ کر اس پر اعتراض کر رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وُہ خدائی مقصود کے خلاف ہو۔ ایسی صورت میں تمھاری محنت ضائع اور برباد ہو جائے گی۔ کیونکہ تناقص تو جب ہو سکتا ہے کہ تمھارا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور مقصود خداوندی کے کے مُطابق ہو اور ایسا یقینی طور پر نہیں تو تناقض کہاں رہا؟ الغرض وہ شاگرد اسحاق کندی کے پاس گیا اور اُس نے امام کے بتائے ہوئے اصول پر اُس سے مذکورہ سوال کیا۔ اسحاق کندی یہ اعتراض سُن کر حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا کہ پھر سوال کو دُھراؤ، اس نے پر اعادہ کیا۔ اسحاق تھوڑی دیر کے لیے محوِ تفکر ہو گیا۔ اور دل میں کہنے لگا کہ بے شک اس قسم کا احتمال باعتبار لغت اور بلحاظ فکر و تدبر ممکن ہے۔ پھر اپنے شاگرد کی طرف متوجہ ہو کر بولا! میں تمھیں قسم دیتا ہوں تم مجھے صحیح صحیح بتاؤ کہ تمھیں یہ اعتراض کس نے بتایا ہے۔ اس نے جواب دیا میرے شفیق اُستاد یہ میرے ہی ذہن کی پیداوار ہے۔ اِسحاق نے کہا ہرگز نہیں، یہ تمھارے جیسے علم والے کے بس کی چیز نہیں ہے، تم سچ کہو کہ تمھیں کس نے بتایا اور اس اعتراض کی طرف کس نے رہبری کی ہے۔ شاگرد نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا تھا اور میں نے انھیں کے بتائے ہوئے اصول پر آپ سے سوال کیا ہے۔ اسحاق کندی بولا الآن جئت به اب تم نے سچ کہا ہے ایسے اعتراضات اور ایسی اہم باتیں خاندانِ رسالت ہی سے برآمد ہو سکتی ہیں" ثم انه دعا بالنار واحرق جميع ما كان الفه "۔ پھر اس نے آگ منگائی اور کتاب "تناقض القرآن" کا سارا مسودہ نذرِ آتش کر دیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب مازندرانی جلد ۵ ص ۱۲۷ و بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۷۲ و دمعہ ساکبہ ص ۱۸۳ جلد ۳)۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام اور خصوصیاتِ مذہب

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ہمارے مذہب میں اُن لوگوں کا شمار ہو گا

جو اصول و فروع اور دیگر لوازم کے ساتھ ساتھ ان دس چیزوں کے قائل بلکہ ان پر عامل ہوں (۱) شب و روز میں ۵۱ رکعت نماز پڑھنا (۲) سجدہ گاہ کربلا پر سجدہ کرنا (۳) داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا (۴) اذان و اقامت کے جملے دو دو مرتبہ کہنا (۵) اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہنا (۶) نماز میں بسم اللہ زور سے پڑھنا (۷) ہر دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا (۸) آفتاب کی زردی سے پہلے نماز عصر اور تاروں کے ڈوب جانے سے پہلے نماز صبح پڑھنا (۹) سر اور ڈاڑھی میں وسمہ کا خضاب کرنا (۱۰) نماز میت میں پانچ تکبیر کہنا۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صـ۱۷۲)۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام اور عیدِ نہم ربیع الاوّل

حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام چند عظیم اصحاب جن میں احمد بن اسحاق قمی بھی تھے، ایک دن محمد بن ابی علاء ہمدانی اور یحیی بن محمد بن جریح بغدادی کے درمیان ۹ ربیع الاوّل کے یوم عید ہونے پر گفتگو ہو رہی تھی، بات چیت کی تکمیل کے لیے یہ دونوں احمد بن اسحاق کے مکان پر گئے، دق الباب کیا، ایک عراقی لڑکی نکلی، آنے کا سبب پوچھا کہا، احمد سے ملنا ہے اس نے کہا وہ اعمال کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کیسا عمل ہے؟ لڑکی نے کہا، کہ احمد بن اسحاق نے حضرت امام علی نقیؑ سے روایت کی ہے کہ ۹ ربیع الاوّل یوم عید ہے اور ہماری بڑی عید ہے اور ہمارے دوستوں کی عید ہے۔ الغرض وہ احمد سے ملے، انھوں نے کہا میں ابھی غسل عید سے فارغ ہوا ہوں اور آج عیدِ نہم ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ میں آج ہی حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ان کے یہاں انگیٹھی سلگ رہی تھی اور تمام گھر کے لوگ اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ خوشبو لگائے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی ابن رسول اللہؐ آج کیا کوئی تازہ یوم مسرت ہے۔ فرمایا ہاں آج ۹ ربیع الاوّل ہے، ہم اہلبیت اور ہمارے ماننے والوں کے لیے یوم عید ہے۔ پھر امام علیہ السّلام نے اس دن کے یوم عید ہونے اور رسولِ خدا اور امیر المومنین کے طرز عمل کی نشان دہی فرمائی۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے پندِ سودمند

حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے پند و نصائح حکم اور مواعظ میں سے مشتے نمونہ از خروارے یہ ہیں۔ (۱) دو بہترین عادتیں یہ ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھے اور لوگوں کو فائدے پہنچائے۔ (۲) اچھوں کو دوست رکھنے میں ثواب ہے (۳) تواضع اور فروتنی یہ ہے کہ جب کسی کے پاس سے گزرے تو سلام کرے اور مجلس میں معمولی جگہ بیٹھے (۴) بلا وجہ ہنسنا جہالت کی دلیل ہے (۵)

پڑوسیوں کی نیکی کو چھپانا اور برائیوں کو اچھالنا ہر شخص کے لیے کمر توڑ دینے والی مصیبت اور بے چارگی ہے (۶) یہی عبادت نہیں ہے کہ نماز روزے ادا کرتا رہے، بلکہ یہ بھی اہم عبادت ہے کہ خدا کے بارے میں سوچ بچار کرے (۷) وہ شخص بدترین ہے جو دو مونہا اور دو زبانا ہو، جب دوست سامنے آئے تو اپنی زبان سے خوش کر دے اور جب وہ چلا جائے تو اُسے کھا جانے کی تدبیر سوچے۔ جب اُسے کچھ ملے تو یہ حسد کرے۔ اور جب اُس پر کوئی مصیبت آجائے تو قریب نہ پھٹکے (۸) غصہ ہر برائی کی کنجی ہے (۹) حسد کرنے اور کینہ رکھنے والے کو کبھی سکونِ قلب نصیب نہیں ہوتا (۱۰) پرہیزگار وہ ہے کہ جو شبہ کے وقت توقف و تدبر سے کام لے اور ہر امر میں محتاط رہے (۱۱) بہترین عبادت گذار وہ ہے جو فرائض ادا کرتا رہے (۱۲) بہترین متقی اور زاہد وہ ہے جو گناہ مطلقاً چھوڑ دے (۱۳) جو دنیا میں بوؤ گے وہی آخرت میں کاٹو گے (۱۴) موت تمھارے پیچھے لگی ہوئی ہے اچھا بوؤ گے تو اچھا کاٹو گے، بُرا بوؤ گے تو ندامت ہوگی۔ (۱۵) حرص اور لالچ سے کوئی فائدہ نہیں جو ملنا ہے وہی ملے گا (۱۶) ایک مومن دوسرے مومن کے لیے برکت ہے (۱۷) بیوقوف کا دل اُس کے منہ میں ہوتا ہے اور عقلمند کا منہ اُس کے دل میں ہوتا ہے۔ (۱۸) دُنیا کی تلاش میں کوئی فریضہ نہ گنوا دینا (۱۹) طہارت میں شک کی وجہ سے زیادتی کرنا غیر ممدوح ہے (۲۰) کوئی کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو جب وہ حق کو چھوڑ دے گا ذلیل تر ہو جائے گا (۲۱) معمولی آدمی کے ساتھ اگر حق ہو تو وہی بڑا ہے (۲۲) جاہل کی دوستی مصیبت ہے (۲۳) غمگین کے سامنے ہنسنا بے ادبی اور بدعملی ہے (۲۴) وہ چیز موت سے بدتر ہے جو تمھیں موت سے بہتر نظر آئے (۲۵) وہ چیز زندگی سے بہتر ہے جس کی وجہ سے تم زندگی کو بُرا سمجھو (۲۶) جاہل کی دوستی اور اس کے ساتھ گزارا کرنا معجزہ کے مانند ہے (۲۷) کسی کی پڑی ہوئی عادت کو چھڑانا اعجاز کی حیثیت رکھتا ہے (۲۸) تواضع ایسی نعمت ہے جس پر حسد نہیں کیا جا سکتا (۲۹) اس انداز سے کسی کی تعظیم نہ کرو جسے وہ بُرا سمجھے (۳۰) اپنے بھائی کی پوشیدہ نصیحت کرنی اس کی زینت کا سبب ہوتا (۳۱) کسی کی علانیہ نصیحت کرنا برائی کا پیش خیمہ ہے (۳۲) ہر بلا اور مصیبت کے پس منظر میں رحمت اور نعمت ہوتی ہے (۳۳) میں اپنے ماننے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈریں۔ دین کے بارے میں پرہیزگاری کو شعار بنالیں خدا کے متعلق پوری سعی کریں اور اُس کے احکام کی پیروی میں کمی نہ کریں۔ سچ بولیں، امانتیں چاہے مومن کی ہوں یا کافر کی، ادا کریں۔ اور اپنے سجدوں کو طول دیں اور سوالات کے شیریں جواب دیں تلاوتِ قرآن مجید کیا کریں۔ موت اور خدا کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہوں (۳۴) جو شخص دُنیا سے دل کا اندھا اُٹھے گا، آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ دل کا اندھا ہونا ہماری مودت سے غافل رہنا

ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن ظالم کہیں گے " رب لماحشرتنی اعمی وکنت بصیراً میرے پالنے والے ہم تو دنیا میں بینا تھے۔ ہمیں یہاں اندھا کیوں اُٹھایا ہے۔ جواب ملے گا ہم نے جو نشانیاں بھیجی تھیں تم نے انھیں نظر انداز کیا تھا "لوگو! اللہ کی نعمت اللہ کی نشانیاں ہم آلِ محمدؐ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دوشنبہ کے شر ونحوست سے بچنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز صبح کی رکعت اولی میں سورہ " ھل اتی "۔ پڑھنا چاہیئے، نیز یہ فرمایا ہے کہ نہار منہ خربوزہ نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ اس سے فالج کا اندیشہ ہے۔ (بحار جلد ۱۴)۔

امام مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

۱۵ شعبان ۲۵۵ھ ہجری میں بطن جناب نرگس خاتون سے قائم آلِ محمدؐ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی، امام حسن عسکری علیہ السلام نے دشمنوں کے خوف سے آپ کی ولادت کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ملا جامی لکھتے ہیں کہ امام مہدی کی ولادت کے بعد حضرت جبرئیل انھیں پرورش و پرداخت کے لیے اُٹھا کر لے گئے (شواہد النبوت) علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ آپ تین سال کی عمر میں دیکھے گئے اور آپ نے حجۃ اللہ ہونے کا اظہار کیا۔ (کشف الغمہ ص۱۳۸)۔

معتمد عباسی کی خلافت اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی گرفتاری

گر قلم در دستِ غدارے بود
لاجرم منصور بردارے بود

۲۵۶ھ ہجری میں معتمد عباسی خلافت مقبوضہ کے تخت پر متمکن ہوا، اس نے حکومت کی عنان سنبھالتے ہی اپنے آبائی طرز عمل کو اختیار کرنا اور جدی کردار کو پیش کرنا شروع کر دیا اور دل سے اس کی سعی شروع کر دی کہ آلِ محمدؐ کے وجود سے زمین خالی ہو جائے، یہ اگرچہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی ملکی بغاوت کا شکار ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی اپنے وظیفے اور اپنے مشن سے غافل نہیں رہا۔" اس نے حکم دیا کہ عہد حاضر میں خاندانِ رسالتؐ کی یادگار، امام حسن عسکری کو قید کر دیا جائے اور انھیں قید میں کسی قسم کا سکون نہ دیا جائے۔ حکم حاکم مرگِ مفاجات آخر امام علیہ السلام بلاجرم وخطا آزاد فضا سے قید خانہ میں پہنچا دیئے گئے، اور آپ پر علی بن اوتاش نامی ایک ناصبی مسلط کر دیا گیا جو آلِ محمد اور آل ابی طالب کا سخت ترین دشمن تھا اور اس سے کہہ دیا گیا کہ جو جی چاہے کرو، تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ابن اوتاش نے حسب ہدایت آپ پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دیں۔ اس نے نہ خدا کا خوف کیا نہ پیغمبر کی

اولاد ہونے کا لحاظ کیا، لیکن اللہ رے آپ کا زہد و تقویٰ کہ دو چار ہی یوم میں دشمن کا دل موم ہو گیا اور وہ حضرت کے پیروں پر پڑ گیا۔ آپ کی عبادت گذاری اور تقویٰ و طہارت دیکھ کر وہ اتنا متاثر ہوا کہ حضرت کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا۔ آپ کی عظمت و جلالت کی وجہ سے سر جھکا کر آتا اور چلا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ دشمن بصیرت آگیں بن کر آپ کا معترف اور ماننے والا ہو گیا۔ (اعلام الوریٰ صـ۲۱۸)۔

ابو ہاشم داؤد بن قاسم کا بیان ہے کہ میں اور میرے ہمراہ حسن بن محمد القتفی و محمد بن ابراہیم عمری اور دیگر بہت سے حضرات اس قید خانہ میں آلِ محمدؐ کی محبت کے جرم کی سزا بھگت رہے تھے کہ ناگاہ ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے امامِ زمانہ حضرت حسن عسکری علیہ السّلام بھی تشریف لا رہے ہیں۔ ہم نے اُن کا استقبال کیا وہ تشریف لا کر قید خانہ میں ہمارے پاس بیٹھ گئے، اور بیٹھتے ہی ایک اندھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو میں تمھیں یہ بتا دیتا کہ اندرونی معاملہ کیا ہے اور تم کب رہا ہو گے۔ لوگوں نے یہ سُن کر اُس اندھے سے کہا کہ تم ذرا ہمارے پاس سے چند منٹ کے لیے ہٹ جاؤ، چنانچہ وہ ہٹ گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ نابینا قیدی نہیں ہے بلکہ تمھارے لیے حکومت کا جاسوس ہے۔ اس کی جیب میں ایسے کاغذات موجود ہیں جو اُس کی جاسوسی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ سُن کر لوگوں نے اُس کی تلاشی لی اور واقعہ بالکل صحیح نکلا ابو ہاشم کہتے ہیں کہ ہم قید کے ایام گذار رہے تھے کہ ایک دن غلام کھانا لایا۔ حضرت نے شام کا کھانا کھا لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرا افطار قید سے باہر ہو گا۔ اس لیے کھانا نہ لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ عصر کے وقت قید خانہ سے برآمد ہو گئے ——— (اعلام الوریٰ صـ۲۱۴)۔

اسلام پر امام حسن عسکریؑ کا احسانِ عظیم
واقعۂ قحط

امام علیہ السّلام قید خانہ ہی میں تھے کہ سامرہ میں جو تین سال سے قحط پڑا ہوا تھا اُس نے شدّت اختیار کر لی اور لوگوں کا حال یہ ہو گیا کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ بھوک اور پیاس کی شدّت نے زندگی سے عاجز کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر خلیفہ معتمد عباسی نے لوگوں کو حکم دیا کہ تین دن تک باہر نکل کر نمازِ استسقا پڑھیں۔ چنانچہ سب نے ایسا کیا، مگر پانی نہ برسا، چوتھے روز بغداد کے نصاریٰ کی جماعت صحرا میں آئی اور ان میں سے ایک راہب نے آسمان کی جانب اپنا ہاتھ بلند کیا، اُس کا ہاتھ بلند ہوتا تھا کہ بادل چھا گئے اور پانی برسنا شروع ہوا۔ اسی طرح اُس راہب نے دوسرے دن بھی عمل کیا اور بدستور اُس دن بھی بارانِ رحمت کا نزول ہوا، یہ حالت دیکھ کر سب کو نہایت تعجب ہوا حتّٰی کہ بعض

جاہلوں کے دلوں میں شک پیدا ہوگیا، بلکہ بعض اُن میں سے اُسی وقت مُرتد ہوگئے۔ یہ واقعہ خلیفہ پر بہت شاق گزرا اور اُس نے امام حسن عسکریؑ کو طلب کر کے کہا، اے ابو محمد اپنے جد کے کلمہ گویوں کی خبر لو، اور اُن کو ہلاکت یعنی گمراہی سے بچاؤ۔ حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ اچھا راہبوں کو حکم دیا جائے کہ کل پھر وہ میدان میں آکر دعائے باران کریں، انشاء اللہ تعالیٰ میں لوگوں کے شکوک زائل کر دوں گا۔ پھر جب دوسرے دن وہ لوگ میدان میں طلب باراں کے لیے جمع ہوئے تو اس راہب نے معمول کے مطابق آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا ناگہاں آسمان پر ابر نمودار ہوا اور مینہ برسنے لگا۔ یہ دیکھ کر امام حسن عسکریؑ نے ایک شخص سے کہا کہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو چیز راہب کے ہاتھ میں ملے "لے لے"۔ اُس شخص نے راہب کے ہاتھ میں ایک ہڈی دبی ہوئی پائی اور اس سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ انھوں نے راہب سے فرمایا کہ اب تو ہاتھ اُٹھا کر بارش کی دُعا کر۔ اُس نے ہاتھ اُٹھایا تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہوگیا اور دُھوپ نکل آئی، لوگ کمال متعجب ہوئے اور خلیفہ معتمد نے حضرت امام حسن عسکری سے پوچھا، کہ اے ابو محمد یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک نبی کی ہڈی ہے جس کی وجہ سے راہب اپنے مُدعا میں کامیاب ہوتا رہا۔ کیونکہ نبی کی ہڈی کا یہ اثر ہے کہ جب وہ زیر آسمان کھولی جائے گی، تو باران رحمت ضرور نازل ہوگا۔ یہ سُن کر لوگوں نے اس ہڈی کا امتحان کیا تو اُس کی وہی تاثیر دیکھی جو حضرت امام حسن عسکریؑ نے بیان کی تھی۔ اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں کے وہ شکوک زائل ہوگئے جو پہلے پیدا ہوگئے تھے۔ پھر امام حسن عسکری علیہ السلام اس ہڈی کو لے کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ (صواعق محرقہ صـ۱۲۴ و کشف الغمہ صـ۱۲۹)

پھر آپ نے اس ہڈی کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔ (اخبار الدول صـ۱۱۷) شیخ شہاب الدین قلیوبی نے کتاب غرائب و عجائب میں اس واقعہ کو صوفیوں کی کرامات کے سلسلہ میں لکھا ہے بعض کتابوں میں ہے کہ ہڈی کی گرفت کے بعد آپ نے نماز ادا کی اور دُعا فرمائی۔ خداوند عالم نے اتنی بارش کی کہ جل تھل ہوگیا اور قحط جاتا رہا۔ یہ بھی مرقوم ہے کہ امام علیہ السلام نے قید سے نکلتے وقت اپنے ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ فرمایا تھا جو منظور ہوگیا تھا، اور وہ لوگ بھی راہب کی ہوا اکھاڑنے کے لیے ہمراہ تھے۔ (نور الابصار صـ۱۵۱) ایک روایت میں ہے کہ جب آپ نے دُعائے باران کی اور ابر آیا تو آپ نے فرمایا کہ فلاں ملک کے لیے ہے اور وہ وہیں چلا گیا، اسی طرح کئی بار ہوا پھر وہاں برسا۔

واقعہ قحط کے بعد

سنہ ۲۵۶ ھجری کے اخیر میں واقعہ قحط کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا چرچا تمام عالم میں پھیل گیا۔ اب کیا تھا موافق و مخالف

سب ہی کا میلان اور رجحان آپ کی طرف ہونے لگا، آپ کے وہ ماننے والے جن کے دلوں میں آلِ محمدؐ کی مودت کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی صورت سے امام کی خدمت میں امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کی مبارکباد پیش کریں۔ لیکن اس کا موقع نہ ملتا تھا کیونکہ یا امام قید میں ہوتے یا حراست میں، اُن سے ملنے کی کسی کو اجازت نہ ہوتی تھی، لیکن قحط کے واقعہ سے اتنا ہوا کہ آپ تقریباً ایک سال قید خانہ سے باہر رہے۔ اسی دوران میں لوگوں نے مسائل وغیرہ دریافت کیے اور جو لوگ زیارت کے مشتاق تھے انھوں نے زیارت کی اور جو خفیہ تہنیت ولادت حضرت حجت علیہ السلام ادا کرنا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے تہنیت ادا کی۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ ۲۵۷ھ میں تقریباً ۷۰ آدمی مدائن سے کربلا ہوتے ہوئے سامرہ پہنچے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر تہنیت گذار ہوئے۔ حضرت نے فرطِ مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر کر ان کا استقبال کیا اور ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔ (دمعہ ساکبہ جلد۳ صـ۱۶۲)۔

عقیدت مندوں کی آمد کا چونکہ تانتا بندھ گیا تھا اس لیے خلیفہ معتمد نے آپ کے حالات کی نگرانی کے لیے بے شمار جاسوس مقرر کر دیے۔ امام علیہ السلام جنھیں حکومت کی نیت کا بہت اچھی طرح علم تھا خاموشی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے اور آپ نے اس کا التزام رکھا کہ ملکی معاملات پر کوئی تبصرہ نہ کیا جائے اور صرف دینی امور سے بحث کی جائے۔ چنانچہ ۲۵۷ھ کے اخیر تک یہی کچھ ہوتا رہا۔ لیکن خلیفہ مطمئن نہ ہُوا۔ اور اس نے حسب عادت روک ٹوک شروع کی اور سب سے پہلے اُس نے خمس کی آمد کی بندش کر دی۔

امام حسن عسکریؑ اور عبیداللہ وزیرِ معتمد عباسی

اسی زمانہ میں ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام متوکل کے وزیر فتح ابن خاقان کے بیٹے عبیداللہ ابن خاقان جو کہ معتمد کا وزیر تھا ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اُس نے آپ کی بے انتہا تعظیم کی اور آپ سے اس طرح محوِ گفتگو رہا کہ معتمد کا بھائی موفق دربار میں آیا تو اُس نے کوئی پروا نہ کی۔ یہ حضرت کی جلالت اور خدا کی دی ہوئی عزت کا نتیجہ تھا۔ ہم اس واقعہ کو عبیداللہ کے بیٹے احمد خاقان کی زبانی بیان کرتے ہیں کتب معتبرہ میں ہے کہ جس زمانہ میں احمد خاقان قُم کا والی تھا اُس کے دربار میں ایک دن علویوں کا تذکرہ چھڑ گیا۔ وہ اگرچہ دشمن آلِ محمدؐ ہونے میں مثالی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ میری نظر میں امام حسن عسکریؑ سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ ان کی جو وقعت ان کے ماننے والوں اور ارکین دولت کی نظر میں تھی وہ ان کے عہد میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ سُنو! ایک مرتبہ میں

اپنے والد عبید اللہ ابن خاقان کے پاس کھڑا ہوا تھا کہ ناگاہ دربان نے آکر اطلاع دی کہ امام حسن عسکری تشریف لائے ہوئے ہیں وہ اجازت داخلہ چاہتے ہیں۔ یہ سن کر میرے والد نے پکار کر کہا کہ حضرت ابن الرضا کو آنے دو، والد نے چونکہ کنیت کے ساتھ نام لیا تھا اس لیے مجھے سخت تعجب ہوا کیونکہ اس طرح خلیفہ یا ولیعہد کے علاوہ کسی کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ہی میں نے دیکھا کہ ایک صاحب جو سبز رنگ، خوش قامت، خوب صورت، نازک اندام جوان تھے داخل ہوئے جن کے چہرے سے رُعب و جلال ہویدا تھا، میرے والد کی نظر جونہی اُن کے اوپر پڑی وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کے استقبال کے لیے آگے بڑھے اور انھیں سینے سے لگا کر اُن کے چہرہ اور سینہ کا بوسہ دیا۔ اور اپنے مصلےٰ پر اُن کو بٹھالیا، اور کمال ادب سے اُن کی طرف مخاطب رہے۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کہتے تھے۔ میری جان آپ پر قربان اے فرزند رسولؐ۔ اسی اثنا میں دربان نے آکر اطلاع دی کہ خلیفہ کا بھائی موفق آیا ہے۔ میرے والد نے کوئی توجہ نہ کی، حالانکہ اس کا عموماً یہ اعزاز رہتا تھا کہ جب تک واپس نہ چلا جائے۔ دربار کے لوگ دو رویہ سر جھکائے کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ موفق کے غلامانِ خاص کو اُس نے اپنی نظروں سے دیکھ لیا۔ انھیں دیکھنے کے بعد میرے والد نے کہا یا ابنِ رسول اللہ اگر اجازت ہو تو موفق سے کچھ باتیں کر لوں۔ حضرت نے وہاں سے اُٹھ کر روانہ ہو جانے کا ارادہ کیا۔ میرے والد نے انھیں سینے سے لگایا اور دربانوں کو حکم دیا کہ انھیں دو مکمل صفوں کے درمیان سے لے جاؤ کہ موفق کی نظر آپ پر نہ پڑے۔ چنانچہ حضرت اسی انداز سے واپس تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد میں نے خادموں اور غلاموں سے کہا کہ وائے ہو تم نے کنیت کے ساتھ کس کا نام لے کر اسے میرے والد کے سامنے پیش کیا تھا۔ جس کی اس نے اس درجہ تعظیم کی جس کی مجھے توقع نہ تھی۔ اُن لوگوں نے پھر کہا کہ یہ شخص سادات علویہ میں سے تھا۔ اس کا نام حسن بن علی اور کنیت ابن الرضا ہے، یہ سُن کر میرے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور میں دن بھر اسی غصہ میں بھنتا رہا کہ علوی سادات کی میرے والد نے اتنی عزت و توقیر کیوں کی یہاں تک کہ رات آگئی، میرے والد نماز میں مشغول تھے۔ جب وہ فریضۂ عشا سے فارغ ہوئے تو میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے پوچھا اے احمد اس وقت آنے کا کیا سبب ہے، میں نے عرض کی کہ اجازت دیجیے تو میں کچھ پوچھوں۔ انھوں نے فرمایا کہ جو جی چاہے پوچھو۔ میں نے کہا یہ کون شخص تھا، جو صبح آپ کے پاس آیا تھا۔ جس کی آپ نے زبردست تعظیم کی اور ہر بات میں اپنے کو اور اپنے باپ کو اس پر سے فدا کرتے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ اے فرزند یہ رافضیوں کے امام ہیں ان کا نام حسن بن علی اور ان کی مشہور کنیت ابن الرضا ہے۔ یہ فرما کر وہ تھوڑی دیر چپ رہے۔ پھر بولے اے فرزند یہ وہ کامل انسان ہے کہ اگر عباسیوں سے سلطنت چلی جائے تو اس وقت دنیا میں اس سے زیادہ اس حکومت

مستحق کوئی نہیں ہے۔ یہ شخص عفت زہد۔کثرت عبادت حسن اخلاق۔صلاح تقویٰ وغیرہ میں تمام بنی ہاشم سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اور اسے فرزند اگر تو ان کے باپ کو دیکھتا تو حیران رہ جاتا۔ وہ اتنے صاحب کرم اور فاضل تھے کہ ان کی مثال بھی نہیں تھی۔ یہ سب باتیں سن کر میں خاموش تو ہو گیا لیکن والد سے حد درجہ ناخوش رہنے لگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ابن الرضا کے حالات کا تفحص کرنا اپنا شیوہ بنا لیا۔ اس سلسلہ میں میں نے بنی ہاشم، امراء لشکر منشیان دفتر قضاۃ اور فقہا اور عوام الناس سے حضرت کے حالات کا استفسار کیا۔ سب کے نزدیک حضرت ابن الرضا کو جلیل القدر اور عظیم پایا اور سب نے بالاتفاق یہی بیان کیا کہ اس مرتبہ اور ان خوبیوں کا کوئی شخص کسی خاندان میں نہیں ہے جب میں نے ہر ایک دوست اور دشمن کو حضرت کے بیان اخلاق اور اظہار مکارم اخلاق میں متفق پایا تو میں بھی ان کا دل سے ماننے والا ہو گیا۔ اور اب ان کی قدر و منزلت میرے نزدیک بے انتہا ہے۔ یہ سن کر تمام اہل دربار خاموش ہو گئے۔ البتہ ایک شخص بول اٹھا کہ اے احمد تمھاری نظر میں ان کے برادر جعفر کی کیا حیثیت ہے۔ احمد نے کہا کہ ان کے مقابلہ میں اس کا کیا ذکر کرتے ہو وہ تو علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتا تھا۔ دائم الخمر تھا خفیف العقل تھا، انواع ملاہی و مناہی کا مرتکب ہوتا تھا، ابن الرضا کے بعد جب خلیفہ معتمد سے اُس نے ان کی جانشینی کا سوال کیا تو اس نے اُس کے کردار کی وجہ سے اُسے دربار سے نکلوا دیا تھا۔ (مناقب ابن آشوب جلد ۵ ص ۱۲۴ و ارشاد مفید ص ۵۰۵) بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ گفتگو امام حسن عسکری کی شہادت کے ۱۸ سال بعد ماہ شعبان ۲۷۸ھ کی ہے (دمعہ ساکبہ ص ۱۹۲ جلد ۳ طبع نجف اشرف)۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی دوبارہ گرفتاری

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلفائے بنی عباسیہ خوب جانتے تھے کہ سلسلہ آل محمدؐ کے وہ افراد جو رسول اللہؐ کی صحیح جانشینی کے مصداق و حقدار ہو سکتے ہیں، وہ یہی افراد ہیں جن میں سے گیارھویں ہستی امام حسن عسکری علیہ السلام کی ہے اس لیے اُن کا فرزند وہ ہو سکتا ہے جس کے بارے میں رسول صلعم کی پیشین گوئی صحیح قرار پا سکے۔ لہٰذا کوشش یہی تھی کہ ان کی زندگی کا دُنیا سے خاتمہ ہو جائے۔ اس طرح کہ ان کا جانشین دنیا میں موجود نہ ہو، یہی سبب تھا کہ امام حسن عسکری کے لیے نظر بندی پر اکتفا نہیں کی گئی جو امام علی نقی کے لیے ضروری سمجھی گئی تھی، بلکہ آپ کے لیے اپنے گھر بار سے الگ قید تنہائی کو ضروری سمجھا گیا یہ اور بات ہے کہ قدرتی انتظام کے ماتحت درمیان میں انقلابات سلطنت کے واقعے آپ کی قید مسلسل کے بیچ میں قہری رہائی کے سامان پیدا کر دیا کرتے تھے۔ مگر پھر بھی جو بادشاہ تخت پر بیٹھتا وہ اپنے پیش رو کے نظریہ کے مطابق آپ کو دوبارہ مقید کرنے پر تیار ہو جاتا تھا اس

اس طرح آپ کی مختصر زندگی جو دورِ امامت کے بعد تھی اس کا بیشتر حصہ قید و بند ہی میں گزرا۔ اس قید کی سختی معتمد کے زمانہ میں بہت بڑھ گئی تھی۔ اگرچہ وہ مثل دیگر سلاطین کے آپ کے مرتبہ اور حقانیت سے خوب واقف تھا لیکن پھر بھی وہ بغض للّٰہی کو چھوڑ نہ سکا اور دستور سابق کے مطابق انھیں زندگی کی منزلِ آخر تک پہنچانے کے درپے رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نظر بندیوں سے مطمئن نہ ہو سکا اور اُس نے ۲۵۵ھ میں امام علیہ السلام کو پھر مقید کر دیا۔ (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۱۴) اور اب کے مرتبہ چونکہ نیت بالکل خراب تھی اس لیے قید میں بھی پوری سختی کی گئی۔ حکم تھا کہ آپ کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہ کی جائے۔ چنانچہ یہی کچھ ہوتا رہا۔ لیکن اُسے اس سے تسلی نہ ہوئی اور اُس نے اپنے ایک ظالم خدمت گار جس کا نام "نحریر" تھا۔ کو بلا کر کہا کہ انھیں تو اپنی نگرانی میں لے لے اور جس درجہ ستا سکے انھیں پریشان کر۔ نحریر نے حکم پاتے ہی تشدد شروع کر دیا۔ امام کو دن کی روشنی اور پانی کی فراوانی تک سے محروم کر دیا۔ آپ کو دن اور رات کا پتہ سُورج کی روشنی سے نہ چلتا تھا صرف تاریکی ہی رہتی تھی۔ ایک دن اس کی بیوی نے اس سے درخواست کی کہ فرزندِ رسُول ہے اس کے ساتھ تمھارا یہ برتاؤ اچھا نہیں ہے اس نے کہا یہ کیا ہے ابھی تو انھیں جانوروں سے پھڑوا ڈالنا باقی ہے۔

حجتہ خُدا درندوں میں

چنانچہ اس نے اجازت حاصل کر کے امام حسن عسکری علیہ السلام کو درندوں میں ڈال دیا۔ شیر اور دیگر درندوں کی نظر جب آپ پر پڑی تو انھوں نے حجتہ خدا کو پہچان لیا اور انھیں پھاڑ کھانے کے بجائے اُن کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ امام علیہ السلام نے ان کے درمیان مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھنا شروع کر دیا۔ دشمنوں نے ایک بلند مقام سے یہ حال دیکھا اور سخت شرمندہ ہو کر امام کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۱۸ کشف الغمہ صفحہ ۱۲۷ ارشاد صفحہ ۵۱۴)۔

اس واقعہ نے آپ کی دبی ہوئی فضیلت کو اور اُبھار دیا، لوگوں میں اس کرامت کا چرچا ہو گیا۔ اب تو معتمد کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ انھیں جلد سے جلد اس دارِ فانی سے رخصت کر دے۔ چنانچہ اس نے ایک ایسے قید خانے میں آپ کو مقید کر دیا جس میں رہ کر زندہ رہنے سے موت بہتر تھی۔

اِمام حسن عسکری علیہ السّلام کی شہادت

اِمام یازدہم حضرت حسن عسکری علیہ السّلام قید و بند کی زندگی گزارنے کے دوران میں ایک دن اپنے خادم ابوالادیان سے ارشاد فرماتے ہوئے کہ تم جب اپنے سفرِ مدائن سے ۱۵ یوم کے بعد پلٹو گے

تو میرے گھر سے شیون و بکا کی آواز آتی ہوگی۔ (جلاء العیون ص۲۹۹) نیز آپ کا یہ فرمانا بھی منقول ہے کہ ۲۶۰ھ میں میرے ماننے والوں کے درمیان انقلاب عظیم آئے گا۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۷۷)۔ الغرض امام حسن عسکری علیہ السلام کو بتاریخ یکم ربیع الاول ۲۶۰ھ معتمد عباسی نے زہر دلوا دیا اور آپ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو جمعہ کے دن بوقت نماز صبح خلعت حیات ظاہری اُتار کر بطرف ملک جاودانی رحلت فرما گئے۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن"۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۴ و فصول المہمہ و ارجح المطالب ص۴۶۴ جلاء العیون ص۲۹۶۔ انوار الحسینیہ جلد ۳ ص۵۶)۔ علماء کا بیان ہے کہ وفات سے قبل آپ نے امام مہدی علیہ السلام کے سپرد تبرکات فرما دیے تھے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۹۲) انتقال کے وقت آپ کی عمر ۲۸ سال کی تھی۔ صواعق محرقہ ص۱۲۴) علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ (مطالب السؤل ص۲۹۲ وصواعق محرقہ ص۱۲۴، نور الابصار ارجح المطالب ص۴۶۲، کشف الغمہ ص۱۲۶ و اعلام الوریٰ ص۲۱۸)۔

شہادت کے بعد

واقعۂ قحط، درندوں کی سجدہ ریزی اور آپ کی مظلومیت کی وجہ سے ہر کہ ومہ کے دل میں آپ کی وقعت آپ کی محبت جاگزیں ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی رحلت کی خبر کا شہرت پانا تھا کہ ہر گھر سے رونے کی آوازیں آنے لگیں، ہر دل میں اضطراب کی لہریں دوڑنے لگیں۔ شور و شیون سے سامرہ کی گلیاں قیامت کا منظر پیش کرنے لگیں۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق جب پندرہ دن کے بعد ابوالادیان داخل سامرہ ہوئے تو آپ شہید ہو چکے تھے اور شیون و ماتم کی آوازیں بلند تھیں۔ (جلاء العیون ص۲۹۷)۔

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپ کے انتقال کی خبر کے مشہور ہوتے ہی تمام سامرہ میں ہلچل مچ گئی، ہر طرف سے رونے پیٹنے کا شور بلند ہوگیا، بازاروں میں ہڑتال ہوگئی۔ دکانیں بند ہوگئیں کہ تمام بنی ہاشم اور حاکمان قصاص۔ ارکانِ عدالت۔ اعیانِ حکومت۔ منشی، قاضی اور عامۂ خلائق آپ کے جنازے میں شرکت کے لیے دوڑ پڑے۔ سر من رائے اس دن قیامت کا نمونہ تھا (نور الابصار ص۱۶۸ فصول مہمہ ارجح المطالب ص۴۶۸)۔

غرضکہ نہایت تزک و احتشام اور ظاہری شان و شوکت کے ساتھ آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور اُس مقام پر لے جا کر رکھا گیا جس جگہ نماز پڑھائی جاتی تھی اتنے میں معتمد کے حکم سے عیسیٰ بن متوکل جو عموماً نماز میت پڑھایا کرتا تھا آگے بڑھا اور اُس نے چہرہ سے کفن سرکا کر بنی ہاشم علوی و عباسی اور سب امیروں منشیوں۔ قاضیوں غرضکہ کل اشراف و اعیان کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"مات حتف انفہ علی فراشہ"۔ دیکھو یہ اپنی موت سے مرے ہیں یعنی انھیں کسی نے کچھ کھلایا نہیں ہے۔ (تذکرۃ المعصومین ص۲۲۹) اس کے بعد جعفر تواب نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے۔ ابھی آپ تکبیرۃ الاحرام نہ کہنے پائے تھے کہ محمد بن حسن القائم المہدی برآمد ہو کر سامنے آگئے اور آپ نے اپنے چچا کو ہٹا کر نماز جنازہ پڑھائی۔ (جلاء العیون ص۲۹۲) اس کے بعد آپ کو امام علی نقی علیہ السلام ہی کے روضہ مبارک میں دفن کر دیا گیا۔ (ارجح المطالب ص۲۶۴) یہ آپ کی خاندانی کرامت ہے کہ آپ کے روضہ پہ طائر بیٹ نہیں کرتے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۷۹ طبع نجف اشرف)۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تدفین کے بعد امام مہدی علیہ السلام کے تجسّس میں آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی اور آپ کی عورتوں کو گرفتار کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ امام مہدی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے تاکہ خاندان رسالتؐ کا خاتمہ ہو جائے۔ اور قیامت کے قریب عدل و انصاف کی بستی نہ بسائی جا سکے۔ اور ظالموں کے ظلم کا بدلا نہ لایا جا سکے لیکن خداوند عالم نے اپنے وعدہ "واللہ متم نورہ" کے مطابق انھیں اس ظالم معتمد کے دسترس سے محفوظ کر دیا۔ اب انشاء اللہ جب حکم خدا ہوگا ظہور فرمائیں گے "عجل اللہ فرجہ"۔

۱۴

قائم آلِ محمدؐ

ابوالقاسم

حضرت

امام محمدؐ مہدی

علیہ السلام

صاحب الزماںؑ

ہے یہ خالق کی عدالت کا تقاضہ دمبدم! جان لیوا ہے اگر کوئی تو جاں پرور بھی ہو

چھپ کے جب پردے میں بہکاتا ہے ابلیسِ لعین ہے تقاضا عدل کا پردے میں اک رہبر بھی ہو

(صابرؔ تھاریانی کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۱۴

حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام

یا الٰہی مہدیم از غیب آر
تا بگردد، درجہاں عدل آشکار

امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سلسلۂ عصمت محمدیہ کی چودھویں اور سلک امامت علویہ کی بارھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور والدہ ماجدہ جناب نرجس[1] خاتون تھیں۔

آپ اپنے آبا و اجداد کی طرح امام منصوص معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات ہیں۔ آپ بچپن ہی میں علم و حکمت سے بھرپور تھے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۴) آپ کو پانچ سال کی عمر میں ویسی ہی حکمت دے دی گئی تھی، جیسی حضرت یحییٰ کو ملی تھی، اور آپ بطن مادر میں اسی طرح امام قرار دیے گئے تھے، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی قرار پائے تھے۔ (کشف الغمہ ص۱۳۰) آپ انبیاء سے بہتر ہیں (اسعاف الراغبین ص۱۲۸) آپ کے متعلق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار پیشین گوئیاں فرمائی ہیں اور اس کی وضاحت کی ہے کہ آپ حضورؐ کی عترت اور حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی اولاد سے ہوں گے۔ ملاحظہ ہو جامع صغیر سیوطی ص۱۶۰ طبع مصر و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص۸۴ طبع مصر و کنوز الحقائق ص۱۲۲ و مستدرک جلد ۴ ص۵۲۰ و مشکوٰۃ شریف) آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام مہدی کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری پ۱۴ ص۳۹۹ و صحیح مسلم جلد ۲ ص۹۵، صحیح ترمذی ص۲۷۰ و صحیح ابو داؤد جلد ۲ ص۲۱۰ و صحیح ابن ماجہ ص۲۰۴

---

[1] نرجس ایک مینی بوٹی کو کہتے ہیں جس کے پھول کی شعراء آنکھوں سے تشبیہ دیتے ہیں (المنجد ص۸۱۵) منتہی الارب جلد ۴ ص۲۲۲ میں ہے کہ یہ کلمہ دخیل اور معرب یعنی کسی دوسری زبان سے لایا گیا ہے۔ صراح ص۴۲۵ اور الفاظ صدیق حسن ص۴۲ میں ہے کہ یہ لفظ نرجس، نرگس سے معرب ہے جو کہ فارسی ہے، رسالہ آج کل لکھنؤ کے سالنامہ ۱۹۴۷ء کے ص۱۱۸ میں ہے کہ یہ لفظ یونانی نرکسوس سے معرب ہے، جیسے لاطینی میں نرکسس اور انگریزی میں "نرسِسس" کہتے ہیں۔ ۱۲

و ص۲۰۹ و جامع صغیر ص۱۳۴ و کنوز الحقائق ص۹۰[۴]) آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ امام مہدی میرے خلیفہ کی حیثیت سے ظہور کریں گے اور "یختم الدین به کما فتح بنا"۔ جس طرح میرے ذریعہ سے دینِ اسلام کا آغاز ہوا۔ اسی طرح اُن کے ذریعہ سے مُہرِ اختتام لگا دی جائے گی (ملاحظہ ہو کنوز الحقائق ص۲۰۹)، آپ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے، کہ امام مہدی کا اصل نام میرے نام کی طرح "محمد" اور کنیت میری کنیت کی طرح "ابوالقاسم" ہوگی، وہ جب ظہور کریں گے تو ساری دنیا کو عدل و انصاف سے اُسی طرح پُر کر دیں گے، جس طرح وہ اس وقت ظلم و جور سے بھری ہوگی، ملاحظہ ہو (جامع صغیر ص۱۰۴ و مستدرک امام حاکم ص۴۲۲ و ۴۱۵) ظہور کے بعد اُن کی فوراً بیعت کرنی چاہئے کیونکہ وہ خدا کے خلیفہ ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ اُردو ص۲۶۱ طبع کراچی ۱۳۷۷ھ)۔

حضرتِ امام محمدؐ مہدی علیہ السّلام کی ولادتِ باسعادت

مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ یوم جمعہ بوقتِ طلوعِ فجر واقع ہوئی ہے۔ جیساکہ (وفیات الاعیان، روضۃ الاحباب، تاریخ ابن الوردی، ینابیع المودۃ، تاریخ کامل طبری، کشف الغمہ، جلاء العیون، اصُول کافی، نور الابصار، ارشاد، جامع عباسی، اعلام الوریٰ اور انوار الحسینیہ وغیرہ) میں موجود ہے (بعض علماء کا کہنا ہے کہ ولادت کا سن ۲۵۶ھ اور مادۂ تاریخ نور ہے) یعنی آپ شبِ برات کے اختتام پر بوقتِ صبحِ صادق عالمِ ظہور و شہود میں تشریف لائے ہیں۔

حضرت امام حسن عسکریؑ کی پھوپھی جنابِ حکیمہ خاتون کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے پاس گئی تو آپ نے فرمایا کہ اے پھوپھی آپ آج ہمارے ہی گھر میں رہیئے، کیونکہ خداوندِ عالم مجھے آج ایک وارث عطا فرمائے گا۔ میں نے کہا کہ یہ فرزند کس کے بطن سے ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ بطنِ نرجس سے متولد ہوگا، جنابِ حکیمہ نے کہا: بیٹے! میں تو نرجس میں کچھ بھی حمل کے آثار نہیں پاتی۔ امام نے فرمایا کہ اے پھوپھی نرجس کی مثال مادرِ موسیٰ جیسی ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کا حمل ولادت کے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہوا۔ اسی طرح اس میرے فرزند کا حمل بھی بر وقت ظاہر ہوگا۔ غرضیکہ میں امام کے فرمانے سے اس شب وہیں رہی، جب آدھی رات گزر گئی تو میں اُٹھی اور نمازِ تہجد میں مشغول ہوگئی اور نرجس بھی اُٹھ کر نمازِ تہجد پڑھنے لگی۔ اس کے بعد میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ صبح قریب ہے اور امام حسن عسکری علیہ السّلام نے جو کہا تھا وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا، اس خیال کے دل میں آتے ہی امام علیہ السّلام نے اپنے حجرہ سے آواز دی: اے پھوپھی جلدی نہ کیجئے، حجتِ خدا کے ظہور کا وقت بالکل قریب ہے۔ یہ سُن کر میں نرجس کے حجرے کی طرف پلٹی، نرجس مجھے راستے ہی میں ملیں، مگر اُن کی حالت اُس وقت متغیر تھی، وہ لرزہ براندام تھیں اور اُن کا سارا

[۴] البشریٰ شرح مودۃ القربیٰ ص۱۳۹

جسم کانپ رہا تھا، میں نے یہ دیکھ کر اُن کو اپنے سینے سے لپٹا لیا، اور سورۃ قُل ھُوَاللہ، انا انزلنا وآیۃ الکرسی۔ پڑھ کر ان پر دم کیا بطنِ مادر سے بچے کی آواز آنے لگی، یعنی میں جو کچھ پڑھتی تھی، وہ بچہ بھی بطنِ مادر میں وہی کچھ پڑھتا تھا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ تمام حجرہ روشن و منور ہو گیا۔ اب جو میں دیکھتی ہوں تو ایک مولود مسعود زمین پر سجدہ میں پڑا ہوا ہے میں نے بچہ کو اٹھا لیا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے حجرہ سے آواز دی اے پھوپھی! میرے فرزند کو میرے پاس لائیے، میں لے گئی، آپ نے اُسے اپنی گود میں بٹھا لیا، اور زبان در دہان وے کرد" اور اپنی زبان بچے کے منہ میں دے دی اور کہا کہ اے فرزند! خدا کے حکم سے کچھ بات کرو، بچے نے اِس آیت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم الوارثین کی تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو زمین پر کمزور کر دیئے گئے ہیں اور ان کو امام بنائیں اور انھیں کو روئے زمین کا وارث قرار دیں۔

اس کے بعد کچھ سبز طائروں نے آکر ہمیں گھیر لیا، امام حسن عسکری نے اُن میں سے ایک طائر کو بلایا اور بچے کو دیتے ہوئے کہا۔" خذہ فاحفظہ الخ" اس کو لے جا کر اس کی حفاظت کرو۔ یہاں تک کہ خدا اس کے بارے میں کوئی حکم دے۔ کیونکہ خدا اپنے حکم کو پورا کر کے رہے گا۔ میں نے امام حسن عسکری سے پوچھا کہ یہ طائر کون تھا اور دوسرے طائر کون تھے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے، اور وہ دوسرے فرشتگان رحمت تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے پھوپھی اس فرزند کو اس کی ماں کے پاس لے آؤ تاکہ اس کی آنکھیں خنک ہوں اور محزون ومغموم نہ ہو اور یہ جان لے کہ خدا کا وعدہ حق ہے " واکثرھم لایعلمون" لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔ اس کے بعد اس مولود مسعود کو اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا گیا (شواہد النبوۃ ص ۲۱۲ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء) علامہ حائری لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد آپ کو جبرئیل پرورش کے لیے اٹھا کر لے گئے (غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۷۵) کتاب شواہد النبوت اور وفیات الاعیان و روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو مختون اور ناف بریدہ تھے اور آپ کے داہنے بازو پر یہ آیت منقوش تھی "جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" یعنی حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کے قابل تھا۔ یہ قدرتی طور پر بحرِ متقارب کے دو مصرعے بن گئے ہیں حضرت نسیم امروہوی نے اِس پر کیا خوب تضمین کی ہے وہ لکھتے ہیں ؎

چشم و چراغ دیدۂ نرجس عینِ خُدا کی آنکھ کا تارا

بدرِ کمال نیمۂ شعبان   چودھواں اختر اوجِ بقا کا
حامیِ ملت ماحیِ بدعت   کفر مٹانے خلق میں آیا
وقتِ ولادت "ماشاءاللہ"   قرآن صورت دیکھ کے بولا

جاء الحق وزھق الباطل
ان الباطل کان زھوقا

محدث دہلوی شیخ عبدالحق اپنی کتاب مناقب ائمہ اطہار میں لکھتے ہیں کہ حکیمہ خاتون جب نرجس کے پاس آئیں تو دیکھا کہ ایک مولود پیدا ہوا ہے، جو مختون اور مفروغ منہ ہے یعنی جس کا ختنہ کیا ہوا ہے اور نہلانے دھلانے کے کاموں سے جو مولود کے ساتھ ہوتے ہیں بالکل مستغنی ہے۔ حکیمہ خاتون بچے کو امام حسن عسکری کے پاس لائیں، امام نے بچے کو لیا اور اُس کی پشت اقدس اور چشم مبارک پر ہاتھ پھیرا اپنی زبانِ مطہر اُن کے منہ میں ڈالی اور داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی یہی مضمون فصل الخطاب اور بحار الانوار میں بھی ہے، کتاب روضۃ الاحباب اور ینابیع المودۃ میں ہے کہ آپ کی ولادت بمقام سرمن رائے "سامرہ میں ہوئی ہے۔

کتاب کشف الغمہ ص۱۳۰ میں ہے کہ آپ کی ولادت چھپائی گئی اور پوری سعی کی گئی کہ آپ کی پیدائش کسی کو معلوم نہ ہو سکے، کتاب دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۹۴ میں ہے کہ آپ کی ولادت اس لیے چھپائی گئی کہ بادشاہ وقت پوری طاقت کے ساتھ آپ کی تلاش میں تھا۔ اسی کتاب کے ص۱۹۲ میں ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت حجت کو قتل کر کے نسلِ رسالت کا خاتمہ کر دے۔ تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ بادشاہ وقت معتز باللہ تھا، تذکرہ خواص الامۃ میں ہے کہ اسی کے عہد میں امام علی نقی علیہ السلام کو زہر دیا گیا تھا۔ معتز کے بارے میں مورخین کی رائے کچھ اچھی نہیں ہے۔ ترجمہ تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی کے ص۳۶۳ میں ہے کہ اس نے اپنے عہد خلافت میں اپنے بھائی کو ولی عہدی سے معزول کرنے کے بعد کوڑے لگوائے تھے اور تاحیات قید میں رکھا تھا۔ اکثر تواریخ میں ہے کہ بادشاہ وقت معتمد بن متوکل تھا جس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو زہر سے شہید کیا۔ تاریخ اسلام جلد۱ ص۶۷ میں ہے کہ خلیفہ معتمد بن متوکل کمزور متلون مزاج اور عیش پسند تھا۔ یہ عیاشی اور شراب نوشی میں بسر کرتا تھا، اسی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں ہے کہ معتمد حضرت امام حسن عسکری کو زہر سے شہید کرنے کے بعد حضرت امام مہدی کو قتل کرنے کے درپے ہو گیا تھا۔

آپ کا نسب نامہ

آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے۔ محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی ابن موسیٰ ابن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی و فاطمہ بنتِ رسول اللہؐ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یعنی آپ فرزندِ رسول، دلبند علی اور نورِ نظرِ بتول علیہم السلام ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اس سلسلۂ نسب کے اسماء کو اگر کسی مجنون پر دم کر دیا جائے تو اُسے یقیناً شفاء حاصل ہوگی (مسند امام رضا ص۷) آپ کا سلسلۂ نسب ماں کی طرف سے حضرت شمعون بن حمون الصفاء وصی حضرت عیسیٰ تک پہنچتا ہے۔ علامہ مجلسی اور علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ کی والدہ جناب نرجس خاتون تھیں، جن کا ایک نام "ملیکہ" بھی تھا، نرجس خاتون یشوعا کی بیٹی تھیں، جو روم کے بادشاہ "قیصر" کے فرزند تھے جن کا سلسلۂ نسب وصی حضرت عیسیٰ جناب شمعون تک منتہی ہوتا ہے۔ ۱۳ سال کی عمر میں قیصر روم نے چاہا تھا کہ نرجس کا عقد اپنے بھتیجے سے کر دے۔ لیکن بعض قدرتی حالات کی وجہ سے وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، بالآخر ایک ایسا وقت آگیا کہ عالمِ ارواح میں حضرت عیسیٰ، جناب شمعون حضرت محمد مصطفیٰ، جناب امیرالمومنین اور حضرت فاطمہ بمقام قصرِ قیصر جمع ہوئے، جناب سیدہ نے نرجس خاتون کو اسلام کی تلقین کی اور آنحضرت صلعم نے توسط حضرت عیسیٰ جناب شمعون سے امام حسن عسکری کے لیے نرجس خاتون کی خواستگاری کی، نسبت کی تکمیل کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے ایک نوری منبر پر بیٹھ کر عقد پڑھا اور بکمال مسرت کے ساتھ یہ محفل نشاط برخواست ہوگئی جس کی اطلاع جناب نرجس کو خواب کے طور پر ہوئی، بالآخر وہ وقت آیا کہ جناب نرجس خاتون حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں آپہنچیں اور آپ کے بطنِ مبارک سے نورِ خدا کا ظہور ہوا۔ (کتاب جلاء العیون ص۲۹۸ وغایۃ المقصود ص۱۷۵)۔

آپ کا اسمِ گرامی

آپ کا نامِ نامی و اسمِ گرامی "محمدؐ" اور مشہور لقب "مہدی" ہے علماء کا کہنا ہے کہ آپ کا نام زبان پر جاری کرنے کی ممانعت ہے علامہ مجلسی اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "حکمت آں مخفی است" اس کی وجہ پوشیدہ اور غیر معلوم ہے۔ (جلاء العیون ص۲۹۸) علماء کا بیان ہے کہ آپ کا یہ نام خود حضرت محمد مصطفیٰ نے رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب و ینابیع المودۃ۔ مؤرخ اعظم مسٹر ذاکر حسین تاریخ اسلام جلد ا ص۳۱ میں لکھتے ہیں کہ "آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ قریش سے ہونگے آپ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں جب دُنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی، تو میری اولاد میں سے مہدی کا ظہور ہوگا جو ظلم و جور کو دُور کر کے دُنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ شرک و کفر کو دُنیا سے نابُود کر دے گا، نامؐ محمدؐ" اور لقب "مہدی" ہوگا۔ حضرت عیسیٰ آسمان سے اُتر کر اُس کی نصرت کریں گے اور اُس کے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور دجال کو قتل کریں گے۔

آپ کی کنیت

اِس پر علمائے فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ کی کنیت "ابوالقاسم" اور ابوعبداللہ تھی اور اس پر بھی علماء متفق ہیں کہ ابوالقاسم کنیت خود سرورِ کائنات کی تجویز کردہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ جامع صغیر ص ۱۰۴، تذکرہ خواص الامۃ ص ۲۰۴ روضۃ الشہداء ص ۴۳۹ صواعق محرقہ ص ۱۲۴، شواہد النبوت ص ۲۱۲، کشف الغمہ ص ۱۳۰ جلاء العیون ص ۲۹۸)۔

یہ مسلمات سے ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مہدی کا نام میرا نام اور اُن کی کنیت میری کنیت ہوگی۔ لیکن اس روایت میں بعض اہلِ اسلام نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مہدی کے باپ کا نام میرے والدِ محترم کا نام ہوگا۔ مگر ہمارے راویوں نے اس کی روایت نہیں کی اور خود ترمذی شریف میں بھی "اسم ابیہ اسم ابی" نہیں ہے، تاہم بقول صاحب المناقب علامہ کنجی شافعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ روایت میں لفظ "ابیہ" سے مراد ابوعبداللہ الحسین ہیں۔ یعنی اس سے اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ امام مہدی حضرت امام حسینؑ کی اولاد سے ہیں۔

آپ کے القاب

آپ کے القاب مہدی، حجۃ اللہ، خلف الصالح، صاحب العصر، صاحبُ الامر، والزمان القائم، الباقی اور المنتظر ہیں۔ ملاحظہ ہو، تذکرہ خواص الامۃ ص ۲۰۴، روضۃُ الشہداء ص ۴۳۹، کشف الغمہ ص ۱۳۱، صواعق محرقہ ص ۱۲۴ مطالب السؤل ص ۲۹۴، اعلام الوریٰ ص ۲۴، حضرت دانیال نبی نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت سے ۱۴۲۰ سال پہلے آپ کا لقب منتظر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب دانیال باب ۱۲ آیت ۱۲۔ علامہ ابن حجر مکی، المنتظر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھیں منتظر یعنی جس کا انتظار کیا جائے اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سرداب میں غائب ہو گئے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں چلے گئے۔ (مطلب یہ ہے کہ لوگ اُن کا انتظار کر رہے ہیں، شیخ العراقین علامہ شیخ عبدالرضا تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو منتظر اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کی غیبت کی وجہ سے آپ کے مخلصین آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (انوار الحسینیہ جلد ۲ ص ۵۷ طبع بمبئی)۔

آپ کا حلیہ مبارک

کتاب اکمال الدین میں شیخ صدوق تحریر فرماتے ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ امام مہدی شکل و شباہت خلق و خلق شمائل و خصائل، اقوال و افعال میں میرے مشابہ ہوں گے۔

آپ کے حلیہ کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ آپ کا رنگ گندم گون، قد میانہ ہے۔ آپ کی پیشانی کھلی ہوئی اور آپ کے ابرو گھنے اور باہم پیوستہ ہیں ۔ آپ کی ناک باریک اور بلند ہے آپ کی آنکھیں بڑی اور آپ کا چہرہ نہایت نورانی ہے۔ آپ کے داہنے رخسارہ پر ایک تل

ہے۔ "کانہ کوکب دری" جو ستارہ کی مانند چمکتا ہے، آپ کے دانت چمکدار اور کھلے ہوئے ہیں۔ آپ کی زلفیں کندھوں پر پڑی رہتی ہیں۔ آپ کا سینہ چوڑا اور آپ کے کندھے کھلے ہوئے ہیں آپ کی پشت پر اسی طرح مہرِ امامت ثبت ہے جس طرح پشت رسالت مآبؐ پر مہرِ نبوت ثبت تھی۔ (اعلام الوریٰ ص۲۶۵ و غایۃ المقصود جلد ا ص۶۴ و نور الابصار ص۱۵۲)۔

تین سال کی عمر میں حجت اللہ ہونے کا دعویٰ

کتب تواریخ و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پرورش کا کام جناب جبرئیل علیہ السلام کے سپرد تھا اور وہ ہی آپ کی پرورش و پرداخت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو بچہ ولادت کے وقت کلام کر چکا ہو اور جس کی پرورش جبرئیل جیسے مقرب فرشتہ کے سپرد ہو وہ یقیناً دنیا میں چند دن گزارنے کے بعد بہرصورت اس صلاحیت کا مالک ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے حجت اللہ ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ احمد ابن اسحاق اور سعد الاشعری ایک دن حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے خیال کیا کہ آج امام علیہ السلام سے یہ دریافت کریں گے کہ آپ کے بعد حجت اللہ فی الارض کون ہوگا جب سامنا ہوا تو امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ اے احمد! تم جو دل میں لے کر آئے ہو میں اس کا جواب تمھیں دیئے دیتا ہوں، یہ فرما کر آپ اپنے مقام سے اٹھے اور اندر جا کر یوں واپس آئے کہ آپ کے کندھے پر ایک نہایت خوب صورت بچہ تھا، جس کی عمر تین سال کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اے احمد! میرے بعد حجتِ خدا یہ ہوگا۔ اس کا نام محمد اور اس کی کنیت ابو القاسم ہے یہ خضر کی طرح زندہ رہے گا۔ اور ذوالقرنین کی طرح ساری دنیا پر حکومت کرے گا۔ احمد ابن اسحاق نے کہا۔ مولا! کوئی ایسی علامت بتا دیجئے جس سے دل کو اطمینان کامل ہو جائے۔ آپ نے امام مہدی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، بیٹا! اس کو تم جواب دو۔ امام مہدی علیہ السلام نے کمسنی کے باوجود بزبانِ فصیح فرمایا: "انا حجۃ اللہ وانا بقیۃ اللہ" میں ہی خدا کی حجت اور حکمِ خدا سے باقی رہنے والا ہوں، ایک وہ دن آئے گا جس میں میں دشمنانِ خدا سے بدلہ لوں گا، یہ سن کر احمد خوش و مسرور اور مطمئن ہو گئے۔ (کشف الغمہ ص۱۳۸)۔

پانچ سال کی عمر میں خاص الخاص اصحاب سے آپ کی ملاقات

یعقوب بن منقوش و محمد بن عثمان عمری و ابی ہاشم جعفری اور موسیٰ بن جعفر بن وہب بغدادی کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی مولا! آپ کے بعد امرِ امامت کس کے سپرد ہوگا اور کون حجت خدا قرار پائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند محمد میرے بعد

حجت اللہ فی الارض ہوگا۔ ہم نے عرض کی مولا ہمیں اُن کی زیارت کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا وہ پردہ جو سامنے آویختہ ہے اُسے اُٹھاؤ۔ ہم نے پردہ اُٹھایا، تو اُس سے ایک نہایت خوب صورت بچہ جس کی عمر پانچ سال تھی برآمد ہوا، اور وہ آکر امام حسن عسکری کی آغوش میں بیٹھ گیا۔ امام نے فرمایا کہ یہی میرا فرزند میرے بعد حجت اللہ ہوگا۔ محمد بن عثمان کا کہنا ہے کہ ہم اس وقت چالیس افراد تھے اور ہم سب نے اُن کی زیارت کی۔ امام حسن عسکری نے اپنے فرزند امام مہدی کو حکم دیا کہ وہ اندر واپس چلے جائیں اور ہم سے فرمایا: "شما او را نخواہید دید غیر از امروز" کہ اب تم آج کے بعد پھر اُسے نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر غیبت شروع ہوگئی۔ (کشف الغمہ ص ۱۳۹ و شواہد النبوت ص ۲۱۳) علامہ طبرسی کتاب اعلام الوریٰ کے ص ۲۴۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آئمہ کے نزدیک محمد اور عثمان عمری دونوں ثقہ ہیں۔ پھر اسی صفحہ میں فرماتے ہیں کہ ابو ہارون کا کہنا ہے کہ میں نے بچپن میں صاحب الزمان کو دیکھا ہے "کانہ القمر لیلۃ البدر" ان کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

امام مہدی نبوت کے آئینہ میں

علامہ طبرسیؒ بحوالہ حضرات معصومین علیہم السلام تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہم السلام میں بہت سے انبیاء کے حالات وکیفیات نظر آتے ہیں۔ اور جن واقعات سے مختلف انبیاء کو دوچار ہونا پڑا۔ وہ تمام واقعات آپ کی ذات ستودہ صفات میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے لیے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو لے لیجئے اور اُن کے حالات پر غور کیجئے، آپ کو حضرت نوحؑ کی طویل زندگی نصیب ہوئی حضرت ابراہیمؑ کی طرح آپ کی ولادت چھپائی گئی۔ اور لوگوں سے کنارہ کش ہوکر روپوش ہونا پڑا۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح حجت کے زمین سے اُٹھ جانے کا خوف لاحق ہوا، اور انھیں کی ولادت کی طرح آپ کی ولادت بھی پوشیدہ رکھی گئی، اور انھیں کے ماننے والوں کی طرح آپ کے ماننے والوں کو آپ کی غیبت کے بعد ستایا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی طرح آپ کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ایوبؑ کی طرح تمام امتحانات کے بعد آپ کو فرج وکشائش نصیب ہوگی۔ حضرت یوسفؑ کی طرح عوام اور خواص سے آپ کی غیبت ہوگئی۔ حضرت یونسؑ کی طرح غیبت کے بعد آپ کا ظہور ہوگا۔ یعنی جس طرح وہ اپنی قوم سے غائب ہوکر بڑھاپے کے باوجود نوجوان تھے۔ اسی طرح آپ کا جب ظہور ہوگا تو آپ چالیس سالہ جوان ہوں گے اور حضرت محمد مصطفےٰ کی طرح آپ صاحب السیف ہوں گے۔ (اعلام الوریٰ ص ۲۶۴ طبع بمبئی ۱۳۱۲ ھجری)

امام حسن عسکریؑ کی شہادت

امام مہدی علیہ السلام کی عمر ابھی صرف پانچ سال کی ہوئی تھی کہ خلیفہ معتمد بن متوکل عباسی نے مدتوں قید رکھنے کے بعد امام حسن عسکریؑ کو زہر دے دیا۔ جس کی وجہ سے آپ بتاریخ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ مطابق ۸۷۳ء بعمر ۲۸ سال رحلت فرما گئے۔ "وخلف من الولد ابنہ محمداً"۔ اور آپ نے اولاد میں صرف امام محمد مہدی کو چھوڑا۔ (نور الابصار ص۱۵۲ و صواعق محرقہ ص۱۲۴) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ جب آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی، تو سارے شہر سامرہ میں ہلچل مچ گئی۔ فریاد و فغاں کی آوازیں بلند ہوگئیں، سارے شہر میں ہڑتال کر دی گئی۔ یعنی ساری دکانیں بند ہوگئیں۔ لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دیئے۔ تمام بنی ہاشم حکام دولت، منشی، قاضی، ارکان عدالت، اعیان حکومت اور عامہ خلائق حضرت کے جنازے کے لیے دوڑ پڑے، حالت یہ تھی کہ شہر سامرہ قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تجہیز اور نماز سے فراغت کے بعد آپ کو اسی مکان میں دفن کر دیا گیا جس میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام مدفون تھے۔ نور الابصار ص۱۵۲ و تاریخ کامل صواعق محرقہ و فصول مہمہ، جلاء العیون ص۲۹۶)۔ علامہ محمد باقر تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد نماز جنازہ حضرت امام مہدی علیہ السلام نے پڑھائی، ملاحظہ ہو، دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص۱۹۲ و جلاء العیون ص۲۹۷)۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ نماز کے بعد آپ کو بہت سے لوگوں نے دیکھا اور آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دیا (اعلام الوریٰ ص۲۴۲) علامہ ابن طاؤس کا ارشاد ہے کہ ۸ ربیع الاول کو امام حسن عسکری کی وفات واقع ہوئی اور ۹ ربیع الاول سے حضرت حجت کی امامت کا آغاز ہوا ہم ۹ ربیع الاول کو جو خوشی مناتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے (کتاب اقبال) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ ۹ ربیع الاول کو عمر بن سعد بدست مختار آل محمدؐ قتل ہوا ہے۔ (زاد المعاد ص۵۸۵) جو عبید اللہ ابن زیاد کا سپہ سالار تھا جس کے قتل کے بعد آل محمدؐ نے پورے طور پر خوشی منائی۔ (بحار الانوار و مختار آل محمدؐ) کتاب دمعہ ساکبہ کے ص۱۹۲ میں ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ۲۵۹ھ میں اپنی والدہ کو حج کے لیے بھیج دیا تھا، اور فرما دیا تھا کہ ۲۶۰ھ میں میری شہادت ہو جائے گی۔ اسی سن میں آپ نے حضرت امام مہدی کو جملہ تبرکات دے دیئے تھے اور اسم اعظم وغیرہ تعلیم کر دیا تھا۔ (دمعہ ساکبہ و جلاء العیون ص۲۹۸) انھیں تبرکات میں حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا وہ قرآن بھی تھا جو ترتیب نزولی پر سرور کائنات کی زندگی میں مرتب کیا گیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء و اتقان) اور جسے حضرت علیؑ نے اپنے عہد خلافت میں بھی اس لیے رائج نہ کیا تھا کہ اسلام میں دو قرآن رواج پا جائیں گے۔ اور اسلام میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ (ازالۃ الخفاء ص۲۷۳) میرے نزدیک اسی سن میں حضرت نرجس خاتون کا انتقال ہوا ہے اور اسی سن میں حضرت نے غیبت اختیار فرمائی ہے۔

حضرت امام مہدی علیہ السّلام کی غیبت اور اُس کی ضرورت

بادشاہِ وقت خلیفہ معتمد بن متوکل عباسی جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح ظلم وستم کا خُوگر اور آلِ محمدؐ کا جانی دشمن تھا۔ اُس کے کانوں میں مہدی کی ولادت کی بھنک پڑ چکی تھی۔ اُس نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی شہادت کے بعد تکفین و تدفین سے پہلے بقول علاّمہ مجلسی حضرت کے گھر پر پولیس کا چھاپہ ڈلوایا اور چاہا کہ امام مہدی علیہ السّلام کو گرفتار کرالے۔ لیکن چونکہ وہ بحکم خدا ۲۳ رمضان المبارک سنہ ۲۵۹ھ کو سرداب میں جاکر غائب ہوچکے تھے۔ جیسا کہ شواہد النبوت، نور الابصار، دمعہ ساکبہ روضۃُ الشہدار، مناقب الائمہ، انوار الحسینیہ وغیرہ سے مستفاد و مستنبط ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اُسے دستیاب نہ ہوسکے۔ اِس نے اُس کے ردِعمل میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تمام بیبیوں کو گرفتار کرا لیا اور حکم دیا کہ اس امر کی تحقیق کی جائے کہ آیا کوئی ان میں سے حاملہ تو نہیں ہے اگر کوئی حاملہ ہو تو اس کا حمل ضائع کر دیا جائے، کیونکہ وہ حضرت سرورِ کائنات صلعم کی پیشین گوئی سے خائف تھا کہ آخری زمانہ میں میرا ایک فرزند جس کا نام مہدی ہوگا۔ کائنات عالم کے انقلاب کا ضامن ہوگا۔ اور اُسے یہ معلوم تھا، کہ وہ فرزندِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی اولاد سے ہی ہوگا۔ لہٰذا اُس نے آپ کی تلاش اور آپ کے قتل کی پوری کوشش کی۔ تاریخ اسلام جلد ا صـ۳۱ میں ہے کہ سنہ ۲۶۰ھ میں امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد جب معتمد خلیفہ عباسی نے آپ کے قتل کرنے کے لیے آدمی بھیجے تو آپ سرداب[1] "سرمن رائے" میں غائب ہوگئے۔ بعض اکابر علمار اہلِ سنت بھی اس امر میں شیعوں کے ہم زبان ہیں۔ چنانچہ ملا جامی نے شواہد النبوت میں امام عبدالوہاب شعرانی نے لواقح الانوار والیواقیت والجواہر میں اور شیخ احمد محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں اور خواجہ پارسا نے

---

[1] یہ سرداب، مقام "سرمن رائے" میں واقع ہے جسے اصل میں سامرا، کہتے ہیں

سامرا کی آبادی بہت ہی قدیمی ہے اور دُنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک شہر ہے اسے سام بن نوح نے آباد کیا تھا (معجم البلدان) اس کی اصل سام راہ تھی بعد میں سامرا ہوگیا آب وہوا کی عمدگی کی وجہ سے خلیفہ معتصم نے فوجی کیمپ بنا کر آباد کیا تھا اور اسی کو دارالسلطنت بھی بنایا تھا، اس کی آبادی ۸ فرسخ لمبی تھی، اس نے اسے نہایت خوبصورت شہر بنا دیا تھا۔ اسی لیے اس کا نام سرمن رائے، رکھ دیا تھا یعنی وُہ شہر جسے جو بھی دیکھے خوش ہو جائے، عسکر اسی کا ایک محلہ ہے جس میں امام علی نقی علیہ السّلام نظر بند تھے بعد میں اُنھوں نے دلیل بن یعقوب نصرانی سے ایک مکان خرید لیا تھا جس میں اب بھی آپ کا مزارِ مقدس واقع ہے۔

سامرا میں ہمیشہ غیر شیعہ آبادی رہی اس لیے اب تک وہاں شیعہ آباد نہیں ہیں وہاں کے جملہ خدام بھی غیر شیعہ ہیں۔
حضرت حجۃ علیہ السّلام کے غائب ہونے کا سرداب وہیں ایک مسجد کے کنارے واقع ہے جو کہ حضرت امام علی نقیؑ اور حضرت امام حسن عسکریؑ کے مزاراقدس کے قریب ہے۔ ۱۲ منہ

فصل الخطاب میں اور عبد الحق محدث دہلوی نے رسالہ ائمہ طاہرین میں اور جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں، اور ابو عبد اللہ شامی صاحب کفایۃ الطالب نے کتاب التبیان فی اخبار صاحب الزمان میں اور سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ میں اور ابن صباغ نور الدین علی مالکی نے فصول المہمہ میں اور کمال الدین ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل میں اور شاہ ولی اللہ نے فضل المبین میں اور شیخ سلیمان حنفی نے ینابیع المودۃ میں اور بعض دیگر علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اور جو لوگ ان حضرت کے طول عمر میں تعجب کر کے انکار کرتے ہیں۔ ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے جس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے اور عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا، تمام اہل اسلام نے حضرت خضرؑ کو اب تک زندہ مانا ہوا ہے، ادریس بہشت میں اور حضرت عیسیٰ آسمان پر اب تک زندہ مانے جاتے ہیں اگر خدائے تعالیٰ نے آل محمدؐ میں سے ایک شخص کو طول عمر عنایت کیا تو تعجب کیا ہے؟ حالانکہ اہل اسلام کو دجال کے موجود ہونے اور قریب قیامت ظہور کرنے سے بھی انکار نہیں ہے۔ کتاب شواہد النبوت کے صـ۳۰۹ میں ہے کہ خاندان نبوت کے گیارھویں امام حسن عسکری ۲۶۰ھ میں زہر سے شہید کر دیئے گئے تھے۔ ان کی وفات پر ان کے صاحبزادے محمد ملقب بہ مہدی شیعوں کے آخری امام ہوئے، مولوی امیر علی لکھتے ہیں کہ خاندان رسالت کے ان اماموں کے حالات نہایت دردناک ہیں۔ ظالم متوکل نے حضرت امام حسن عسکری کے والد ماجد امام علی نقی کو مدینہ سے سامرہ پکڑ بلایا تھا۔ اور وہاں اُن کی وفات تک اُن کو نظر بند رکھا تھا۔ (پھر زہر سے ہلاک کر دیا تھا) اسی طرح متوکل کے جانشینوں نے بدگمانی اور حسد کے مارے حضرت امام حسن عسکری کو قید رکھا تھا، اُن کے کمسن صاحبزادے محمد المہدی جن کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت پانچ سال کی تھی۔ خوف کے مارے اپنے گھر کے قریب ہی ایک غار میں چھپ گئے اور غائب ہو گئے الخ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ جس غار میں امام مہدی کی غیبت بتائی جاتی ہے۔ اُسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (نورالابصار جلد ا صـ۱۵۲) علامہ ابن حجر مکی کا ارشاد ہے، کہ امام مہدی سرداب میں غائب ہوئے ہیں "فلم یعرف این ذھب" پھر معلوم نہیں کہاں تشریف لے گئے۔ (صواعق محرقہ صـ۱۲۴)۔

غیبت امام مہدی پر علماء اہل سنت کا اجماع

جمہور علماء اسلام امام مہدی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، اس میں شیعہ اور سُنی کا سوال نہیں۔ ہر فرقہ کے علماء یہ مانتے ہیں کہ آپ پیدا ہو چکے ہیں اور موجود ہیں ہم علماء اہل سنت کے اسماء مع اُن کی کتابوں اور مختصر اقوال کے درج کرتے ہیں (۱) علامہ محمد بن طلحہ شافعی کتاب مطالب السؤل میں فرماتے ہیں کہ امام مہدی سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں جو بغداد سے ۲۰ فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ (۲)

علّامہ علی بن محمد بن صباغ مالکی کی کتاب فصول المہمہ میں ہے کہ امام حسن عسکری گیارھویں امام نے اپنے بیٹے امام مہدی کی ولادت بادشاہِ وقت کے خوف سے پوشیدہ رکھی۔ (۳) علّامہ شیخ عبداللہ بن احمد خشّاب کی کتاب تاریخ موالید میں ہے کہ امام مہدی کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ آپ آخری زمانہ میں ظہور و خروج کریں گے۔ (۴) علّامہ محی الدین ابن عربی حنبلی کی کتاب فتوحات میں ہے کہ جب دُنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی تو امام مہدی ظہور کریں گے۔ (۵) علّامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب الیواقیت والجواہر میں ہے کہ امام مہدی ۱۵ر شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اب اس وقت یعنی ۹۵۸ھ میں اُن کی عمر ۷۰۶ سال کی ہے، یہی مضمون علّامہ بدخشانی کی کتاب مفتاح النجاۃ میں بھی ہے (۶) علّامہ عبدالرحمٰن جامی حنفی کی کتاب شواہد النبوت میں ہے کہ امام مہدی سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں اور اُن کی ولادت پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ وہ امام حسن عسکری کی موجودگی میں غائب ہوگئے ہیں۔ اسی کتاب میں ولادت کا پورا واقعہ حکیمہ خاتون کی زبانی مندرج ہے۔ (۷) علّامہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی کتاب مناقب الائمہ میں ہے کہ امام مہدی ۱۵ر شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ امام حسن عسکری نے اُن کے کان میں اذان و اقامت کہی ہے اور تھوڑے عرصہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ اُس مالک کے سپرد ہوگئے۔ جن کے پاس حضرت موسیٰ بچپنے میں تھے۔ (۸) علّامہ جمال الدین محدّث کی کتاب روضۃ الاحباب میں ہے کہ امام مہدی ۱۵ر شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور زمانہ معتمد عباسی میں بمقام "سرمن رائے" از نظر برایا غائب شد۔ لوگوں کی نظر سے سرداب میں غائب ہوگئے۔ (۹) علّامہ عبدالرحمٰن صوفی کی کتاب مرآۃ الاسرار میں ہے کہ آپ بطن نرجس سے ۱۵ر شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ (۱۰) علّامہ شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر بحر مواج کی کتاب ہدایۃ السعداء میں ہے کہ خلافت رسُول حضرت علیؑ کے واسطے سے امام مہدی تک پہنچی آپ ہی آخری امام ہیں (۱۱) علّامہ نصر بن علی جہضمی کی کتاب موالید ائمہ میں ہے کہ امام مہدی نرجس خاتون کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں (۱۲) علّامہ ملّا علی قاری کی کتاب مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ امام مہدی بارھویں امام ہیں شیعوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ اہل سنّت اہل بیت کے دشمن ہیں (۱۳) علّامہ جواد ساباطی کی کتاب براہین ساباطیہ میں ہے کہ امام مہدی اولادِ فاطمہ سے ہیں، وہ بقول ۲۵۵ھ میں پیدا ہوکر ایک عرصہ کے بعد غائب ہوگئے ہیں۔ (۱۴) علّامہ شیخ حسن عراقی جن کی تعریف کتاب الواقع میں ہے کہ انھوں نے امام مہدی سے ملاقات کی ہے (۱۵) علّامہ علی خواص جن کے متعلق شعرانی نے الیواقیت میں لکھا ہے کہ انھوں نے امام مہدی سے ملاقات کی ہے (۱۶) علّامہ شیخ سعدالدین کا کہنا ہے کہ امام مہدی پیدا ہوکر غائب ہوگئے ہیں۔ "دور آخر زمانہ آشکا گردد"۔ اور وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ جیسا کہ کتاب مقصدِ اقصیٰ میں ہے (۱۷) علّامہ علی اکبر

ابن سعد اللہ کی کتاب مکاشفات میں ہے کہ آپ پیدا ہو کر قطب ہو گئے ہیں (۱۸) علامہ احمد بلاذری احادیث لکھتے ہیں کہ آپ پیدا ہو کر محجوب ہو گئے ہیں (۱۹) علامہ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کے رسالہ نوادر میں ہے، محمد بن حسن (المہدی) کے بارے میں شیعوں کا کہنا درست ہے (۲۰) علامہ شمس الدین جزری نے بحوالہ مسلسلات بلاذری اعتراف کیا ہے۔ (۲۱) علامہ علاء الدولہ احمد سمنانی صاحب تاریخ خمیس در احوال النفس نفیس اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ امام مہدی غیبت کے بعد ابدال پھر قطب ہو گئے (۲۳) علامہ نور اللہ بحوالہ کتاب بیان الاحسان لکھتے ہیں کہ امام مہدی تکمیل صفات کے لیے غائب ہوئے ہیں۔ (۲۴) علامہ ذہبی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ امام مہدی ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر معدوم ہو گئے ہیں (۲۵) علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ میں ہے کہ امام مہدی المنتظر پیدا ہو کر سرداب میں غائب ہو گئے ہیں (۲۶) علامہ عصر کی کتاب وفیات الاعیان کی جلد ۲ ص ۴۵۱ میں ہے کہ امام مہدی کی عمر امام حسن عسکری کی وفات کے وقت ۵ سال کی تھی وہ سرداب میں غائب ہو کر پھر واپس نہیں ہوئے۔ (۲۷) علامہ سبط ابن جوزی کی کتاب تذکرہ خواص الامہ کے ص ۲۰۴ میں ہے کہ آپ کا لقب القائم، المنتظر، الباقی ہے۔ (۲۸) علامہ عبید اللہ امرتسری کی کتاب ارجح المطالب کے ص ۳۷۷ میں بحوالہ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان مرقوم ہے کہ آپ اسی طرح زندہ و باقی ہیں جس طرح عیسیٰ، خضر، الیاسؑ وغیرہم زندہ اور باقی ہیں۔ (۲۹) علامہ شیخ سلیمان قندوزی نے کتاب ینابیع المودۃ ص ۳۹۳ میں (۳۰) علامہ ابن خشاب نے کتاب موالید اہل بیت میں (۳۱) علامہ شبلنجی نے نور الابصار کے ص ۱۵۲ طبع مصر ۱۲۲۲ھ میں بحوالہ کتاب البیان لکھا ہے کہ امام مہدی غائب ہونے کے بعد اب تک زندہ اور باقی ہیں اور ان کے وجود کے باقی، اور زندہ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ وہ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ، حضرت خضر، اور حضرت الیاس وغیرہم زندہ اور باقی ہیں۔ ان اللہ والوں کے علاوہ دجال، ابلیس بھی زندہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید صحیح مسلم، تاریخ طبری وغیرہ سے ثابت ہے لہٰذا "لا امتناع فی بقائہ"۔ ان کے باقی اور زندہ ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ علامہ چلپی کتاب کشف الظنون کے ص ۲۰۸ میں، لکھتے ہیں کہ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان ابو عبداللہ محمد بن یوسف کنجی شافعی کی تصنیف ہے۔ (علامہ فاضل روزبہان کی ابطال الباطل میں ہے کہ امام مہدی قائم و منتظر ہیں وہ آفتاب کی مانند ظاہر ہو کر دنیا کی تاریکی، کفر زائل کر دیں گے (۳۳) علامہ علی متقی کی کتاب کنز العمال کی جلد ۷ کے ص ۱۱۴ میں ہے کہ آپ غائب ہیں ظہور کر کے ۹ سال حکومت کریں گے (۳۴) علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب درمنثور جلد ۳ ص ۲۳ میں ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد عیسیٰ نازل ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

امام مہدی کی غیبت اور آپ کا وجود وظہور قرآن مجید کی روشنی میں

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت اور آپ کے موجود ہونے اور آپ کے طول عمر نیز آپ کے ظہور وشہود اور ظہور کے بعد سارے دین کو ایک کر دینے کے متعلق ۹۴ آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جن میں سے اکثر دونوں فریق نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح بے شمار خصوصی احادیث بھی ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو غایۃ المقصود و غایۃ المرام علامہ ہاشم بحرانی و ینابیع المودۃ، ہیں اس مقام پر صرف دو تین آیتیں لکھتا ہوں۔ ۱ آپ کی غیبت کے متعلق الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایمان بالغیب سے امام مہدی کی غیبت مراد ہے۔ نیک بخت ہیں وہ لوگ جو اُن کی غیبت پر صبر کریں گے اور مبارک باد کے قابل ہیں۔ وہ سمجھدار لوگ جو غیبت میں بھی اُن کی محبت پر قائم رہیں گے۔ (ینابیع المودۃ صـ۴۲۷ طبع بمبئی) آپ کے موجود اور باقی ہونے کے متعلق "جعلها كلمة باقية في عقبه" ہے۔ ابراہیم کی نسل میں کلمہ باقیہ کو قرار دیا ہے جو باقی اور زندہ رہے گا اس کلمہ باقیہ سے امام مہدی کا باقی رہنا مراد ہے اور وہی آل محمدؐ میں باقی ہیں۔ (تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی صـ۲۲٦) ۳ آپ کے ظہور اور غلبہ کے متعلق "ليظهره على الدين كله"۔ جب امام مہدی بحکم خدا ظہور فرمائیں گے تو تمام دینوں پر غلبہ حاصل کرلیں گے۔ یعنی دنیا میں سوا ایک دینِ اسلام کے کوئی اور دین نہ ہوگا۔ (نور الابصار صـ۱۵۳ طبع مصر)۔

اِمام مہدی کا ذِکر کُتبِ آسمانی میں

حضرت داؤدؑ کی زبور کی آیت ۴ مرموز ۹۷ میں ہے کہ آخری زمانہ میں جو انصاف کا مجسمہ انسان آئے گا، اُس کے سر پر ابر سایہ فگن ہوگا۔ کتاب صفیائے پیغمبر کے فصل ۳ آیت ۹ میں ہے۔ آخری زمانے میں تمام دُنیا موحّد ہوجائے گی۔ کتاب زبور مرموز ۱۲۰ میں ہے، جو آخر الزمان آئے گا، اُس پر آفتاب اثر انداز نہ ہوگا۔ صحیفہ شعیا پیغمبر کے فصل ۱۱ میں ہے کہ جب نورِ خدا ظہور کرے گا تو عدل وانصاف کا ڈنکا بجے گا۔ شیر اور بکری ایک جگہ رہیں گے۔ چیتا اور بزغالہ ایک ساتھ چریں گے شیر اور گوسالہ ایک ساتھ رہیں گے، گوسالہ اور مُرغ ایک ساتھ ہوں گے۔ شیر اور گائے میں دوستی ہوگی۔ طفلِ شیر خوار سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالے گا اور وہ کاٹے گا نہیں۔ پھر اسی صحیفہ کے فصل ۲۷ میں ہے کہ یہ نورِ خدا جب ظاہر ہوگا، تو تلوار کے ذریعہ سے تمام دُشمنوں سے بدلہ لے گا۔ صحیفہ تنجاس حرفِ الف میں ہے کہ ظہور کے بعد ساری دُنیا کے بُت مٹا دیئے جائیں گے، ظالم اور منافق ختم کر

دیئے جائیں گے۔ یہ ظہور کرنے والا کنیزِ خدا (نرجس) کا بیٹا ہوگا۔ توریت کے سفرِ انبیاء میں ہے کہ مہدی ظہور کریں گے۔ عیسیٰؑ آسمان سے اُتریں گے، دجال کو قتل کریں گے۔ انجیل میں ہے کہ مہدی اور عیسیٰ دجال اور شیطان کو قتل کریں گے۔ اسی طرح مکمل واقعہ جس میں شہادت امام حسینؑ اور ظہور مہدی علیہ السلام کا اشارہ ہے۔ انجیل کتاب دانیال باب ۱۲ فصل ۹ آیت ۲۴ رویائے ۲ میں موجود ہے (کتاب الوسائل ص ۱۲۹ طبع بمبئی ۱۳۳۹ھ)۔

امام مہدیؑ کی غیبت کی وجہ

مذکورہ بالا تحریروں سے علماءِ اسلام کا اعتراف ثابت ہو چکا یعنی واضح ہو گیا کہ امام مہدیؑ کے متعلق جو عقائد اہلِ تشیع کے ہیں وُہی منصف مزاج اور غیر متعصب اہلِ تسنن کے علماء کے بھی ہیں اور مقصدِ اصل کی تائید قرآن کی آیتوں نے بھی کر دی، اب رہی غیبت امام مہدی کی ضرورت اُس کے متعلق عرض ہے کہ (۱) خلاقِ عالم نے ہدایتِ خلق کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور کثیر التعداد اُن کے اوصیاء بھیجے۔ پیغمبروں میں سے ایک لاکھ تیئیس ہزار ۹ سو ننانوے انبیاء کے بعد چونکہ حضور رسولِ کریمؐ تشریف لائے تھے۔ لہٰذا اُن کے جملہ صفات و کمالات و معجزات حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلعم میں جمع کر دیئے گئے تھے اور آپ کو خدا نے تمام انبیاء کے صفات کا جلوہ بردار بنایا بلکہ خود اپنی ذات کا مظہر قرار دیا تھا اور چونکہ آپ کو بھی اس دُنیائے فانی سے ظاہری طور پر جانا تھا۔ اس لیے آپ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علیؑ کو ہر قسم کے کمالات سے بھرپور کر دیا تھا۔ یعنی حضرت علی اپنے ذاتی کمالات کے علاوہ نبوی کمالات سے بھی ممتاز ہو گئے تھے۔ سرورِ کائنات کے بعد کائناتِ عالم میں صرف ایک علی کی ہستی تھی جو کمالات انبیاء کی حامل تھی آپ کے بعد سے یہ کمالات اوصیاء میں منتقل ہوتے ہوئے امام مہدی تک پہنچے۔ بادشاہِ وقت امام مہدی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اگر وُہ قتل ہو جاتے تو دُنیا سے انبیاء و اوصیاء کا نام ونشان مٹ جاتا اور سب کی یادگار بیک ضربِ شمشیر ختم ہو جاتی اور چونکہ اُنھیں انبیاء کے ذریعہ سے خداوندِ عالم متعارف ہوا تھا۔ لہٰذا اُس کا بھی ذکر ختم ہو جاتا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ ایسی ہستی کو محفوظ رکھا جائے جو جملہ انبیاء اور اوصیاء کی یادگار اور تمام کے کمالات کی مظہر ہو (۲) خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے "وجعلها كلمة باقية في عقبه"۔ ابراہیم کی نسل میں کلمہ باقیہ قرار دے دیا ہے۔ نسلِ ابراہیم دو فرزندوں سے چلی ہے ایک اسحاق اور دوسرے اسمٰعیل۔ اسحاق کی نسل سے خداوندِ عالم جنابِ عیسیٰ کو زندہ و باقی قرار دے کر آسمان پر محفوظ کر چکا تھا۔ اب بہ مقتضائے انصاف ضرورت تھی کہ نسلِ اسمٰعیل سے بھی کسی ایک کو باقی رکھے اور وہ بھی زمین پر کیونکہ آسمان پر ایک باقی موجود تھا، لہٰذا امام مہدی کو جو نسلِ اسمٰعیل سے ہیں زمین پر زندہ اور باقی

رکھا اور انھیں بھی اسی طرح دشمنوں کے شر سے محفوظ کر دیا جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو محفوظ کیا تھا (۳) یہ مسلمات اسلامی سے ہے کہ زمین حجت خدا اور امام زمانہ سے خالی نہیں رہ سکتی (اصول کافی ص۱۰۳ طبع نولکشور) چونکہ حجت خدا اُس وقت امام مہدی کے سوا کوئی نہ تھا، اور انھیں دشمن قتل کر دینے پر تلے ہوئے تھے اس لیے اُنھیں محفوظ و مستور کر دیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ حجت خدا کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور انھیں کے ذریعہ سے روزی تقسیم کی جاتی ہے (بحار) (۴) یہ مسلم ہے کہ حضرت امام مہدی جملہ انبیاء کے مظہر تھے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ انھیں کی طرح اُن کی غیبت بھی ہوتی یعنی جس طرح بادشاہِ وقت کے مظالم کی وجہ سے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عہد حیات میں مناسب مدت تک غائب رہ چکے تھے۔ اسی طرح یہ بھی غائب رہتے۔ (۵) قیامت کا آنا مسلم ہے اور واقعہ قیامت میں امام مہدی کا ذکر بتاتا ہے کہ آپ کی غیبت مصلحت خداوندی کی بناء پر ہوئی ہے (۶) سورۂ انا انزلناہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملائکہ شب قدر میں ہوتا رہتا ہے یہ ظاہر ہے کہ نزول ملائکہ انبیاء و اوصیاء ہی پر ہوا کرتا ہے۔ امام مہدی کو اس لیے موجود اور باقی رکھا گیا ہے تاکہ نزول ملائکہ کی مرکزی غرض پوری ہو سکے، اور شب قدر میں اُنھیں پر نزول ملائکہ ہو سکے۔ حدیث میں ہے کہ شب قدر میں سال بھر کی روزی وغیرہ امام مہدی تک پہنچا دی جاتی ہے اور وہی اُسے تقسیم کرتے رہتے ہیں (۷) حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ عام لوگ اُس حکمت و مصلحت سے واقف نہ ہوں۔ غیبت امام مہدی اُسی طرح مصلحت و حکمت خداوندی کی بنا پر عمل میں آئی ہے۔ جس طرح طواف کعبہ، رمی جمرہ وغیرہ ہے، جس کی اصل مصلحت خداوند عالم ہی کو معلوم ہے (۸) امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمانا ہے کہ امام مہدی کو اس لیے غائب کیا جائے گا تاکہ خداوند عالم اپنی ساری مخلوقات کا امتحان کر کے یہ جانچے کہ نیک بندے کون ہیں اور باطل پرست کون لوگ ہیں (اکمال الدین) (۹) چونکہ آپ کو اپنی جان کا خوف تھا اور یہ طے شدہ ہے کہ "من خاف علی نفسہ احتاج الی الاستتار" کہ جسے اپنے نفس اور اپنی جان کا خوف ہو وہ پوشیدہ ہونے کو لازمی جانتا ہے۔ (المرتضیٰ) (۱۰) آپ کی غیبت اس لئے واقع ہوئی ہے کہ خداوند عالم ایک وقت معین میں آل محمدؐ پر جو مظالم کئے گئے ہیں۔ ان کا بدلہ امام مہدی کے ذریعہ سے لے گا یعنی آپ عہد اوّل سے لے کر بنی اُمیہ اور بنی عباس کے ظالموں سے مکمل بدلہ لیں گے۔ (اکمال الدین)۔

غیبت امام مہدی جفر جامعہ کی روشنی میں

علامہ شیخ قندوزی بلخی حنفی رقمطراز ہیں کہ سدیر صیرفی کا بیان ہے کہ

ہم اور مفضل بن عمر، ابو بصیر، امان بن تغلب ایک دن صادق آلِ محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ زمین پر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ "اے محمد! تمھاری غیبت کی خبر نے میرا دل بے چین کر دیا ہے"۔ میں نے عرض کی، حضور خدا آپ کی آنکھوں کو کبھی نہ رولائے، بات کیا ہے، کس لیے حضور گریہ کناں ہیں۔ فرمایا۔ اے سُدیر! میں نے آج کتاب "جعفر جامع" میں بوقتِ صبح امام مہدی کی غیبت کا مطالعہ کیا ہے، اے سُدیر! یہ وہ کتاب ہے جس میں "علم ماکان ومایکون" کا اندراج ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب اس میں لکھا ہوا ہے۔ اے سُدیر! میں نے اس کتاب میں یہ دیکھا ہے کہ ہماری نسل سے امام مہدی ہوں گے۔ پھر وہ غائب ہو جائیں گے۔ اور اُن کی غیبت نیز عمر بہت طویل ہوگی۔ اُن کی غیبت کے زمانہ میں مومنین مصائب میں مبتلا ہوں گے اور اُن کے امتحانات ہوتے رہیں گے اور غیبت میں تاخیر کی وجہ سے اُن کے دلوں میں شکوک پیدا ہوتے ہوں گے۔ پھر فرمایا: اے سُدیر سُنو! ان کی ولادت حضرت موسیٰ کی ولادت کی طرح ہوگی۔ اور ان کی غیبت عیسیٰؑ کی مانند ہوگی اور اُن کے ظہور کا حال حضرت نوحؑ کے مانند ہوگا اور ان کی عمر حضرت خضر کی عمر جیسی ہوگی (ینابیع المودۃ)

اس حدیث کی مختصر شرح یہ ہے، کہ (۱) تاریخ میں ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ میری سلطنت کا زوال ایک مولود بنی اسرائیل کے ذریعہ ہوگا۔ تو اُس نے حکم جاری کر دیا کہ ملک میں کوئی عورت حاملہ نہ رہنے پائے۔ اور کوئی بچہ باقی نہ رکھا جائے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ۴۰ ہزار بچے ضائع کیے گئے۔ لیکن خدا نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی تمام ترکیبوں کے باوجود پیدا کیا، باقی رکھا اور اُنھیں کے ہاتھوں سے اُس کی سلطنت کا تختہ اُلٹوا دیا۔ اسی طرح امام مہدی کے لیے ہوا کہ تمام بنی اُمیہ اور بنی عباسیہ کی سعی بلیغ کے باوجود آپ بطنِ نرجس خاتون سے پیدا ہوئے اور کوئی آپ کو دیکھ تک نہ سکا۔ (۲) حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تمام یہودی اور نصرانی متفق ہیں کہ آپ کو سُولی دے دی گئی اور آپ قتل کیے جا چکے، لیکن خداوندِ عالم نے اُس کی رد فرما دی اور کہہ دیا کہ وہ نہ قتل ہوئے ہیں اور نہ اُن کو سُولی دی گئی ہے۔ یعنی خداوندِ عالم نے اپنے پاس بُلا لیا ہے اور وہ آسمان پر امن و امانِ خدا میں ہیں۔ اُسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے بارے میں بھی لوگوں کا کہنا ہے کہ پیدا ہی نہیں ہوئے۔ حالانکہ وہ پیدا ہو کر حضرت عیسیٰ کی طرح غائب ہو چکے ہیں (۳) حضرت نوحؑ نے لوگوں کی نافرمانی سے عاجز آ کر خدا کے عذاب کے نزول کی درخواست کی۔ خداوندِ عالم نے فرمایا کہ پہلے ایک درخت لگاؤ وہ پھل لائے گا تب عذاب کروں گا۔ اسی طرح نوحؑ نے سات مرتبہ کیا بالآخر اس تاخیر کی وجہ سے آپ کے تمام دوست و موالی اور ایمان دار کافر ہو گئے۔ اور صرف ستر مومنین رہ گئے۔ اسی طرح غیبت امام مہدی اور تاخیر

ظہور کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ لوگ فرامین پیغمبر اور آئمہ علیہم السلام کی تکذیب کر رہے اور عوام مسلم بلا وجہ اعتراضات کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں اور شاید اسی وجہ سے مشہور ہے کہ جب دنیا میں چالیس مومن کامل رہ جائیں گے۔ تب آپ کا ظہور ہوگا۔ (۴) حضرت خضر جو زندہ اور باقی ہیں اور قیامت تک زندہ اور موجود رہیں گے۔ انھیں کی طرح حضرت امام مہدی بھی زندہ اور باقی ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے اور جب کہ حضرت خضر کے زندہ اور باقی رہنے میں مسلمانوں کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت امام مہدی کے زندہ اور باقی رہنے میں بھی کوئی اختلاف کی وجہ نہیں ہے۔

غیبت صغریٰ و کبریٰ اور آپ کے سفراء

آپ کی غیبت کی دو حیثیت تھی، ایک صغریٰ اور دوسری کبریٰ غیبت صغریٰ کی مدت ۶۵، یا ۷۳، سال تھی۔ اس کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہوگئی۔ غیبت صغریٰ کے زمانہ میں آپ کا ایک نائب خاص ہوتا تھا۔ جس کے زیر اہتمام ہر قسم کا نظام چلتا تھا۔ سوال و جواب خمس و زکوٰۃ اور دیگر مراحل اسی کے واسطے طے ہوتے تھے مخصوص مقامات محروسہ میں اسی کے ذریعہ اور سفارش سے سفراء مقرر کئے جاتے تھے۔

سب سے پہلے جنہیں نائب خاص ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان کا نام نامی واسم گرامی حضرت عثمان بن سعید عمری تھا۔ آپ حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے معتمد خاص اور اصحاب خلص میں سے تھے۔ آپ قبیلہ بنی اسد سے تھے آپ کی کنیت ابو عمر تھی، آپ سامرہ کے قریہ عسکر کے رہنے والے تھے۔ وفات کے بعد آپ بغداد میں دروازہ جبلہ کے قریب مسجد میں دفن کئے گئے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد بحکم امام علیہ السلام آپ کے فرزند، حضرت محمد بن عثمان بن سعید اس عظیم منزلت پر فائز ہوئے، آپ کی کنیت ابو جعفر تھی۔ آپ نے اپنی وفات سے ۲ ماہ قبل اپنی قبر کھدوا دی تھی، آپ کا کہنا تھا کہ میں یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ مجھے امام علیہ السلام نے بتا دیا ہے اور میں اپنی تاریخ وفات سے واقف ہوں۔ آپ کی وفات جمادی الاوّل ۳۰۵ھ میں واقع ہوئی اور آپ ماں کے قریب بمقام دروازہ کوفہ سرراہ دفن ہوئے۔

پھر آپ کی وفات کے بعد بواسطہ مرحوم حضرت امام علیہ السلام کے حکم سے حضرت حسین بن روح اس منصب عظیم پر فائز ہوئے۔ جعفر بن محمد بن عثمان سعید کا کہنا ہے کہ میرے والد حضرت محمد بن عثمان نے میرے سامنے حضرت حسین بن روح کو اپنے بعد اس منصب کی ذمہ داری کے متعلق امام علیہ السلام کا پیغام پہنچایا تھا۔ حضرت حسین بن روح کی کنیت ابو القاسم تھی آپ محلہ نوبخت کے رہنے والے تھے۔ آپ خفیہ طور پر جملہ ممالک اسلامیہ کا دورہ کیا کرتے تھے۔ آپ دونوں فرقوں کے نزدیک معتمد، ثقہ، صالح

اور امین قرار دیئے گئے ہیں۔ آپ کی وفات شعبان ۳۲۶ھ میں ہوئی اور آپ محلہ نوبخت کوفہ میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد بحکم امام علیہ السلام حضرت علی بن محمد السمری اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی، آپ اپنے فرائض انجام دے رہے تھے، جب وقت قریب آیا تو آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنے بعد کا کیا انتظام کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اب آئندہ یہ سلسلہ قائم نہ رہے گا۔ (مجالس المومنین ص۸۹ وجزیرہ خضرا ص۶ وانوار الحسینیہ ص۵۵)۔ ملا جامی اپنی کتاب شواہد النبوت کے ص۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ محمد السمری کے انتقال سے ۶ یوم قبل امام علیہ السلام کا ایک فرمان ناحیہ مقدسہ سے برآمد ہوا جس میں اُن کی وفات کا ذکر اور سلسلۂ سفارت کے ختم ہونے کا تذکرہ تھا۔ امام مہدی کے خط کے عیون الفاظ یہ ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"یا علی بن محمد عظم اللہ اجر اخوانک فیک فانک میت مابنیک وبین ستۃ ایام فاجمع امرک ولا توص الی احد یقوم مقامک بعد وفاتک فقد وقعت الغیبۃ التامۃ فلا ظہور الا بعد اذن اللہ تعالیٰ وذالک بعد طول الامد الخ

ترجمہ:۔ اے علی بن محمد! خداوند عالم تمھارے بارے میں تمھارے بھائیوں اور دوستوں کو اجر جمیل عطا کرے، تمھیں معلوم ہو، کہ تم چھ یوم میں وفات پانے والے ہو، تم اپنے انتظامات کر لو۔ اور آئندہ کے لیے اپنا کوئی قائم مقام تجویز و تلاش نہ کرو۔ اس لیے کہ غیبت کبریٰ واقع ہو گئی ہے اور اذن خدا کے بغیر ظہور ناممکن ہوگا۔ یہ ظہور بہت طویل عرصہ کے بعد ہوگا۔

غرضکہ چھ یوم گزرنے کے بعد حضرت ابوالحسن علی بن محمد السمری بتاریخ ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ انتقال فرما گئے۔ اور پھر کوئی مخصوص سفیر مقرر نہیں ہوا اور غیبت کبریٰ شروع ہو گئی۔

سفراء عمومی کے اسماء

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن سفراء کے اسماء بھی درج ذیل کر دیئے جائیں۔ جو اُنھیں نوّاب خاص کے ذریعہ اور سفارش سے بحکم امام ممالک محروسہ مخصوصہ میں امام علیہ السلام کا کام کرتے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔

(۱) بغداد سے حاجز۔ بلالی۔ عطار۔ (۲) کوفہ سے عاصمی (۳) اہواز سے محمد بن ابراہیم بن مہریار (۴) ہمدان سے محمد ابن صالح (۵) رے سے بسامی واسدی (۶) آذربائیجان سے قسم بن علاء (۷) نیشاپور سے محمد بن شاذان (۸) قسم سے احمد بن اسحاق۔ (غایۃ المقصود جلد ۱ ص۱۲۰)۔

حضرت امام مہدی علیہ السّلام کی غیبت کے بعد

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت چونکہ خداوندِ عالم کی طرف سے بطورِ لطفِ خاص عمل میں آئی تھی، اس لیے آپ خدائی خدمت میں ہمہ تن منہمک ہوگئے اور غائب ہونے کے بعد آپ نے دینِ اسلام کی خدمت شروع فرمادی مسلمانوں، مومنوں کے خطوط کے جوابات دینے۔ ان کی بوقتِ ضرورت رہبری کرتے اور انھیں راہِ راست دکھلانے کا فریضہ اَدا کرنا شروع کردیا۔ ضروری خدمات آپ زمانۂ غیبت صغریٰ میں بواسطۂ سفراء یا بلاواسطہ اور زمانۂ غیبت کبریٰ میں بلاواسطہ انجام دیتے رہے اور قیامت تک انجام دیتے رہیں گے۔

۳۰۷ھ میں آپ کا حجرِ اسود نصب کرنا

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ زمانۂ نیابت میں بعہدِ حسین بن روح، ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ بارادۂ حج بغداد گئے اور وہ مکہ معظمہ پہنچ کر حج کرنے کا فیصلہ کیے ہوئے تھے۔ لیکن وہ بغداد پہنچ کر سخت علیل ہوگئے، اسی دوران میں آپ نے سُنا کہ قرامطہ نے حجرِ اسود کو نکال لیا ہے اور وُہ اُسے کچھ دُرست کرکے ایامِ حج میں پھر نصب کریں گے۔ کتابوں میں چونکہ پڑھ چکے تھے کہ حجرِ اسود صرف امامِ زمانہ ہی نصب کرسکتا ہے جیسا کہ پہلے آنحضرت صلعم نے نصب کیا تھا، پھر زمانۂ حجاج میں امام زین العابدین نے نصب کیا تھا۔ اسی بناء پر اُنھوں نے اپنے ایک کرم فرما "ابنِ ہشام" کے ذریعہ سے ایک خط ارسال کیا اور اُسے کہہ دیا کہ جو حجرِ اسود نصب کرے اُسے یہ خط دے دینا۔ نصبِ حجر کی لوگ سعی کررہے تھے۔ لیکن وہ اپنی جگہ پر قرار نہیں لیتا تھا کہ اتنے میں ایک خوب صورت نوجوان ایک طرف سے سامنے آیا اور اُس نے اُسے نصب کردیا اور وہ اپنی جگہ پر مستقر ہوگیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوا تو ابنِ ہشام اُن کے پیچھے ہولیے۔ راستے میں انھوں نے پلٹ کر کہا اے ابنِ ہشام، تو جعفر بن محمد کا خط مجھے دے دے۔ دیکھ اُس میں اُس نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ اُس سے کہہ دینا کہ وہ ابھی تیس ۳۰ سال اور زندہ رہے گا یہ کہہ کر وہ نظروں سے غائب ہوگئے۔ ابنِ ہشام نے سارا واقعہ بغداد پہنچ کر جعفر بن قولویہ سے بیان کردیا۔ غرضکہ وہ تیس ۳۰ سال کے بعد وفات پاگئے۔ (کشف الغمہ ص ۱۳۳) اسی قسم کے کئی واقعات کتاب مذکور میں موجود ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن ملّا جامی رقمطراز ہیں کہ ایک شخص اسماعیل بن حسن ہرقلی جو نواحی حِلہ میں مقیم تھا اُس کی ران پر ایک زخم نمودار ہوگیا تھا جو ہر زمانۂ بہار میں اُبل آتا تھا جس کے علاج سے تمام دُنیا کے اطباء عاجز اور قاصر ہوگئے تھے۔ وُہ ایک دن اپنے بیٹے شمس الدین کو ہمراہ لے کر سیّد رضی الدین علی بن

طاؤس کی خدمت میں گیا۔ انھوں نے پہلے تو بڑی سعی کی، لیکن کوئی چارۂ کار نہ ہوا۔ ہر طبیب یہ کہتا تھا کہ یہ پھوڑا "رگ اکحل" پر ہے، اگر اسے نشتر دیا جائے تو جان کا خطرہ ہے اس لیے اس کا علاج ناممکن ہے۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ "چون از اطبا مایوس شدم عزیمت مشہد شریف" سر من رائے کردم"۔ جب میں تمام اطباء سے مایوس ہو گیا تو سامرہ کے سرداب کے قریب گیا، اور وہاں پر حضرت صاحب الامر کو متوجہ کیا۔ ایک شب دریائے دجلہ سے غسل کر کے واپس آ رہا تھا کہ چار سوار نظر آئے، اُن میں سے ایک نے میرے زخم کے قریب ہاتھ پھیرا اور میں بالکل اچھا ہو گیا۔ میں ابھی اپنی صحت پر تعجب ہی کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک سوار نے جو سفید ریش تھے کہا کہ تعجب کیا ہے تجھے شفا دینے والے امام مہدی علیہ السلام ہیں، یہ سن کر میں نے اُن کے قدموں کا بوسہ دیا اور وہ لوگ نظروں سے غائب ہو گئے۔ (شواہد النبوت ص۲۱۴ و کشف الغمہ ص۱۳۲)۔

اسحاق بن یعقوب کے نام امام عصر کا خط

علامہ طبرسی بحوالہ محمد بن یعقوب کلینی لکھتے ہیں کہ اسحٰق بن یعقوب نے بذریعہ محمد بن عثمان عمری حضرت امام مہدی علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا جس میں کئی سوالات مندرج تھے۔ حضرت نے بخطِ خود جواب تحریر فرمایا اور تمام سوالات کے جوابات تحریراً عنایت فرما دیئے۔ جس کے اجزاء یہ ہیں:۔

(۱) جو ہمارا منکر ہے، وہ ہم سے نہیں (۲) میرے عزیزوں میں سے جو مخالفت کرتے ہیں، اُن کی مثال ابن نوح اور برادرانِ یوسف کی ہے (۳) فقاع یعنی جو کی شراب کا پینا حرام ہے۔ (۴) ہم تمھارے مال صرف اس لیے (بطور خمس قبول کرتے ہیں کہ تم پاک ہو جاؤ اور عذاب سے نجات حاصل کر سکو (۵) میرے ظہور کرنے اور نہ کرنے کا تعلق صرف خدا سے ہے جو لوگ وقت ظہور مقرر کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں جھوٹ بولتے ہیں (۶) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ قتل نہیں ہوئے وہ کافر جھوٹے اور گمراہ ہیں (۷) تمام واقع ہونے والے حوادث میں میرے سفراء پر اعتماد کرو، وہ میری طرف سے تمھارے لیے حجت ہیں اور میں حجت اللہ ہوں (۸) "محمد بن عثمان" امین اور ثقہ ہیں اور ان کی تحریر میری تحریر ہے (۹) محمد بن علی مہزیار اہوازی کا دل انشاء اللہ بہت صاف ہو جائے گا اور انھیں کوئی شک نہ رہے گا (۱۰) گانے والی کی اُجرت و قیمت حرام ہے (۱۱) محمد بن شاذان بن نعیم ہمارے شیعوں میں سے ہیں (۱۲) ابو الخطاب محمد بن ابی زینب اجدع ملعون ہے اور ان کے ماننے والے بھی ملعون ہیں۔ میں اور میرے باپ دادا اس سے اور اس کے باپ دادا سے ہمیشہ بے زار رہے ہیں۔ (۱۳) جو ہمارا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں (۱۴) خمس ہمارے سادات شیعہ کے لیے حلال ہے (۱۵) جو لوگ دین خدا میں شک کرتے ہیں وہ اپنے خود ذمہ دار ہیں (۱۶) میری

غیبت کیوں واقع ہوئی ہے ۔ یہ بات خدا کی مصلحت سے متعلق ہے اس کے متعلق سوال بیکار ہے ۔ میرے آباؤ واجداد دُنیا والوں کے شکنجہ میں ہمیشہ رہے ہیں لیکن خدا نے مجھے اس شکنجہ سے بچالیا ہے جب میں ظہور کروں گا بالکل آزاد ہوں گا ۔ (۱۷) زمانۂ غیبت میں مجھ سے فائدہ کیا ہے ؟ اس کے متعلق یہ سمجھ لو کہ میری مثال غیبت میں ویسی ہے ، جیسے اَبر میں چھُپے ہُوئے آفتاب کی ۔ میں ستاروں کی مانند اہلِ ارض کے لیے امان ہُوں ۔ تم لوگ غیبت اور ظہور سے متعلق سوالات کا سلسلہ بند کرو اور خداوندِ عالم کی بارگاہ میں دُعا کرو کہ وہ جلد میرے ظہور کا حکم دے ، اے اسحٰق ! تم پر اور ان لوگوں پر میرا سلام ہو جو ہدایت کی اتباع کرتے ہیں ۔ (اعلام الوریٰ صفحہ ۲۵۸ مجالس المومنین صفحہ ۱۹۰ ، کشف الغمہ صفحہ ۱۴۱) ۔

شیخ محمّد بن محمّد کے نام امامِ زمانہ کا مکتوبِ گرامی

علما کا بیان ہے کہ حضرت امامِ عصر علیہ السلام نے جناب شیخ مفید ابوعبداللہ محمد بن محمد بن نعمان کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا ہے ۔ جس میں اُنھوں نے شیخ مفید کی مدح فرمائی ہے اور بہت سے واقعات سے موصُوف کو آگاہ فرمایا ہے ۔ اُن کے مکتوبِ گرامی کا ترجمہ یہ ہے :-

میرے نیک برادر اور لائق مُحِبّ ، تُم پر میرا سلام ہو تمھیں دینی معاملہ میں خلوص حاصل ہے اور تم ہمارے بارے میں یقین کامل رکھتے ہو ۔ ہم اُس خدا کی تعریف کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ ہم دُرود بھیجتے ہیں حضرت محمد مصطفےٰ اور اُن کی پاک آل پر ہماری دُعا ہے کہ خدا تمھاری توفیقاتِ دینی ہمیشہ قائم رکھے اور تمھیں نصرتِ حق کی طرف ہمیشہ متوجہ رکھے ۔ تم جو ہمارے بارے میں صدق بیانی کرتے رہتے ہو ، خُدا تم کو اس کا اجر عطا فرمائے ۔ تُم نے جو ہم سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا اور دوستوں کو فائدہ پہنچایا ، وُہ قابلِ مدح و ستائش ہے ۔ ہماری دُعا ہے کہ خدا تم کو دُشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب رکھے ۔ اب ذرا ٹھہر جاؤ ، اور جیسا ہم کہتے ہیں اُس پر عمل کرو ۔ اگرچہ ہم ظالموں کے امکانات سے دُور ہیں ۔ لیکن ہمارے لیے خدا کافی ہے جس نے ہم کو ہمارے شیعہ مومنین کی بہتری کے لیے ذرائع دکھا دیئے ہیں ۔ جب تک دولتِ دُنیا فاسقوں کے ہاتھ میں رہے گی ۔ ہم کو تمھاری خبریں پہنچتی رہیں گی اور تمھارے معاملات کے متعلق کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہ رہے گی ۔ ہم اُن لغزشوں کو جانتے ہیں جو لوگوں سے اپنے نیک اسلاف کے خلاف ظاہر ہو رہی ہیں ۔ (شاید اس سے اپنے چچا جعفر کی طرف اشارہ فرمایا ہے) اُنھوں نے اپنے عہدوں کو پسِ پُشت ڈال دیا ہے ، گویا وُہ کچھ جانتے ہی نہیں ۔ تاہم ہم ان کی رعایتوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ اُن کے ذکر بھُولنے والے ہیں اگر ایسا ہوتا تو ان پر مصیبتیں نازل ہو جاتیں اور دُشمنوں کو غلبہ

حاصل ہوجاتا، پس اُن سے کہو کہ خدا سے ڈرو اور ہمارے امر و نہی کی حفاظت کرو اور اللہ اپنے نور کا کامل کرنے والا ہے، چاہے مشرک کیسے ہی کراہت کریں۔ تقیہ کو پکڑے رہو، میں اُس کی نجات کا ضامن ہوں جو خدا کی مرضی کا راستہ چلے گا۔ اس سال جمادی الاوّل کا مہینہ آئے گا تو اس کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا۔ تمہارے لیے آسمان و زمین سے روشن آیتیں ظاہر ہوں گی مسلمانوں کے گروہ حزن و قلق میں بمقام عراق پھنس جائیں گے۔ اور اُن کی بداعمالیوں کی وجہ سے رزق میں تنگی ہوجائے گی۔ پھر یہ ذلت و مصیبت شریروں کی ہلاکت کے بعد دور ہوجائے گی۔ ان کی ہلاکت سے نیک اور متقی لوگ خوش ہوں گے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے کام کریں جن سے اُن میں ہماری محبت زیادہ ہو۔ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جب موت یکایک آجائے گی تو باب توبہ بند ہوجائے گا۔ اور خدائی قہر سے نجات نہ ملے گی۔ خدا تم کو نیکی پر قائم رکھے، اور تم پر رحمت نازل کرے۔"

میرے خیال میں یہ خط عہد غیبت کبریٰ کا ہے، کیونکہ شیخ مفید کی ولادت ۱۱ ذیقعد ۳۳۶ھ اور وفات ۳ رمضان ۴۱۳ھ میں ہوئی ہے اور غیبت صغریٰ کا اختتام ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ میں ہوا ہے۔ علامہ کبیر حضرت شہید ثالث علامہ نور اللہ شوشتری مجالس المومنین کے صفحہ ۲۰۶ میں لکھتے ہیں کہ شیخ مفید کے مرنے کے بعد حضرت امام عصر نے تین شعر ارسال فرمائے تھے جو مرحوم کی قبر پر کندہ ہیں

اُن حضرات کے نام جنھوں نے زمانۂ غیبتِ صغریٰ میں امام کو دیکھا ہے

چار وکلائے خصوصی اور سات وکلائے عمومی کے علاوہ جن لوگوں نے حضرت امام عصر علیہ السّلام کو دیکھا ہے۔ ان کے اسماء میں سے بعض کے نام یہ ہیں :-

بغداد کے رہنے والوں میں سے (۱) ابوالقاسم بن رئیس (۲) ابوعبداللہ ابن فروخ۔ (۳) مسرور الطباخ (۴-۵) احمد و محمد پسران حسن (۶) اسحاق کاتب از نوبخت (۷) صاحب الفرا (۸) صاحب الصرۃ المختومہ (۹) ابوالقاسم بن ابی جلیس (۱۰) ابوعبداللہ الکندی (۱۱) ابوعبداللہ الجنیدی (۱۲) ہارون الفراز (۱۳) النیلی (ہمدان کے باشندوں میں سے) (۱۴) محمد بن کشمرد (۱۵) جعفر بن ہمدان (دینور کے رہنے والوں میں سے) (۱۶) حسن بن ہروان (۱۷) احمد بن ہراون (از اصفہان) (۱۸) ابن بازشالہ (از ضیمر) (۱۹) زیدان (از قم) (۲۰) حسن بن نصر (۲۱) محمد بن محمد (۲۲) علی بن محمد بن اسحاق (۲۳) محمد بن اسحاق (۲۴) حسن بن یعقوب (از رے) (۲۵) قسم بن موسیٰ (۲۶) فرزند قسم بن موسیٰ (۲۷) ابن محمد بن ہارون (۲۸) صاحب الحصاۃ (۲۹) علی بن محمد (۳۰) محمد بن یعقوب کلینی، (۳۱) ابوجعفر الرفاء (از قزوین) (۳۲) مرداس (۳۳) علی بن احمد (از فارس) (۳۴) المجروح، (از شہزور) (۳۵) ابن الجمال (از قدس) (۳۶) مجر فرح (از مرو) (۳۷) صاحب الالف دینار (۳۸)

صاحب المال والرقعۃ البیضاء (۳۹) ابوثابت (از نیشاپور) (۴۰) محمد بن شعیب بن صالح (از یمن) (۴۱) فضل بن یزید (۴۲) حسن بن فضل (۴۳) جعفری (۴۴) ابن الاعجمی (۴۵) شمشاطی (از مصر) (۴۶) صاحب المولودین (۴۷) صاحب المال (۴۸) ابورجاء (از نصیبین) (۴۹) ابومحمد ابن الوجنا، (از اہواز) (۵۰) الحسینی (غایۃ المقصود جلد ا ص۱۲۱)۔

زیارت ناحیہ اور اصول کافی

کہتے ہیں کہ اسی زمانۂ غیبت صغریٰ میں ناحیۂ مقدسہ سے ایک ایسی زیارت برآمد ہوئی ہے جس میں تمام شہدائے کربلا کے نام اور اُن کے قاتلوں کے اسماء ہیں۔ اسے "زیارت ناحیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصول کافی جو کہ حضرت ثقۃ الاسلام علامہ کلینی المتوفی ۳۲۸ھ کی ۲۰ سالہ تصنیف ہے۔ وہ جب امام عصر کی خدمت میں پیش ہوئی تو آپ نے فرمایا: "ھذا کافٍ لشیعتنا"۔ یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔ زیارت ناحیہ کی توثیق بہت سے علماء نے کی ہے جن میں علامہ طبرسی اور مجلسی بھی ہیں۔ دعائے سباسب بھی آپ ہی سے مروی ہے۔

غیبت کبریٰ میں امام مہدیؑ کا مرکزی مقام

امام مہدی علیہ السلام چونکہ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں جس طرح حضرت عیسیٰؑ حضرت ادریسؑ، حضرت خضر، حضرت الیاس۔ نیز دجال بطال، یاجوج ماجوج اور ابلیس لعین زندہ اور باقی ہیں اور اُن سب کا مرکزی مقام موجود ہے۔ جہاں یہ رہتے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ چوتھے آسمان پر (قرآن مجید) حضرت ادریس جنت میں (قرآن مجید) حضرت خضر اور الیاس، مجمع البحرین یعنی دریائے فارس و رُوم کے درمیان پانی کے قصر میں (عجائب القصص علامہ عبدالواحد ص۱۶۲) اور دجال بطال طبرستان کے جزیرہ مغرب میں (کتاب غایۃ المقصود جلد ص۱۰۲) اور یاجوج ماجوج۔ بحیرۂ رُوم کے عقب میں دو پہاڑوں کے درمیان (غایۃ المقصود جلد ۲ ص۴۷) اور ابلیس لعین، استعمار ارضی کے وقت والے پایۂ تخت مُلتان میں (کتاب ارشاد الطالبین علامہ اخوند درویزہ ص۲۴۳) تو لامحالہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا بھی کوئی مرکزی مقام ہونا ضروری ہے۔ جہاں آپ تشریف فرما ہوں اور وہاں سے ساری کائنات میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ زمانہ غیبت میں حضرت امام مہدی علیہ السلام (جزیرہ خضرا اور بحرابیض) میں اپنی اولاد اپنے اصحاب سمیت قیام فرما ہیں اور وہیں سے باعجاز تمام کام کیا کرتے اور ہر جگہ پہنچا کرتے ہیں، یہ جزیرہ خضرا، سرزمین ولایت بربر میں درمیان دریائے اُندلس واقع ہے یہ جزیرہ معمور و آباد ہے، اس دریا کے ساحل میں ایک موضع بھی ہے جو بشکل جزیرہ ہے

اُسے اُندلس والے (جزیرۂ رافضہ) کہتے ہیں، کیونکہ اُس میں ساری آبادی شیعوں کی ہے۔ اِس تمام آبادی کی خوراک وغیرہ جزیرۂ خضرا سے براہ بحرِ ابیض سال میں دوبار ارسال کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو (تاریخ جہاں آرا۔ ریاض العلماء، کفایۃ المہدی، کشف القناع، ریاض المومنین، غایۃ المقصود، رسالہ جزیرہ خضرا، وبحرِ ابیض اور مجالس المومنین۔ علامہ نور اللہ شوشتری و بحار الانوار، علامہ مجلسی کتاب روضۃ الشہدا علامہ حسین واعظ کاشفی ص۴۳۹ میں امام مہدی کے اقصائے بلادِ مغرب میں ہونے اور اُن کے شہروں پر تصرف رکھنے اور صاحب اولاد وغیرہ ہونے کا حوالہ ہے۔ امام شبلنجی علامہ عبدالمومن نے بھی اپنی کتاب نور الابصار کے ص۱۵۲ میں اس کی طرف بحوالہ کتاب جامع الفنون اشارہ کیا ہے۔

غیاث اللغات کے ص۲ میں ہے کہ یہ وہ دریا ہے جس کے جانب شرق چین، جانب غربی مین، جانب شمالی ہند، جانب جنوبی دریائے محیط واقع ہے۔ اس بحرِ ابیض و اخضر کا طول ۲ ہزار فرسخ اور عرض پانچ سو فرسخ ہے۔ اِس میں بہت سے جزیرے آباد ہیں جن میں ایک سراندیپ بھی ہے اِس کتاب کے ص۲۹۵ میں ہے کہ "صاحب الزمان" حضرت امام مہدی علیہ السلام کا لقب ہے۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ جس مکان میں رہتے ہیں اُسے "بیت الحمد" کہتے ہیں۔ (اعلام الوریٰ ص۲۶۳)

جزیرۂ خضرا میں امام علیہ السلام سے ملاقات

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی قیام گاہ جزیرۂ خضرا میں جو لوگ پہنچے ہیں۔ اُن میں سے شیخ صالح، شیخ زین العابدین علی بن فاضل مازندرانی کا نام نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ آپ کی ملاقات کی تصدیق، فضل بن یحییٰ بن علی طیبی کوفی وشیخ عالم عامل شیخ شمس الدین نجیح حلی وشیخ جلال الدین، عبداللہ ابن عوام حلی نے فرمائی ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے آپ کے سفر کی ساری روئداد ایک رسالہ کی صورت میں ضبط کیا ہے۔ جس کا مفصل ذکر بحار الانوار میں موجود ہے رسالہ جزیرۂ خضرا کے ص۱ میں ہے کہ شیخ اجل سعید شہید بن محمد مکی اور میر شمس الدین محمد اسد اللہ شوشتری نے بھی تصدیق کی ہے۔

مولف کتاب ہذا کہتا ہے کہ حضرت کی ولادت حضرت کی غیبت، حضرت کا ظہور وغیرہ جس طرح رمزِ خداوندی اور رازِ الٰہی ہے اُسی طرح آپ کی جائے قیام بھی ایک راز ہے جس کی اطلاع عام ضروری نہیں ہے، واضح ہو کہ کولمبس کے ادراک سے قبل بھی امریکہ کا وجود تھا۔

امام غائب کا ہر جگہ حاضر ہونا

احادیث سے ثابت ہے کہ امام علیہ السلام جو کہ مظہر العجائب حضرت علیؑ کے پوتے ہیں، ہر مقام پر پہنچتے اور ہر جگہ اپنے ماننے والوں کے کام آتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ بوقت ضرورت مذہبی لوگوں سے ملتے ہیں، لوگ انھیں دیکھتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ انھیں پہچان نہ سکیں۔ (غایۃ المقصود)۔

اِمام مہدیؑ اور حج کعبہ

یہ مسلمات سے ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہر سال حج کعبہ کے لیے مکہ معظمہ اسی طرح تشریف لے جاتے ہیں جیسی طرح حضرت خضر و الیاس جاتے ہیں۔ (سراج القلوب ص۷۷) علی احمد کوفی کا بیان ہے کہ میں طواف کعبہ میں مصروف و مشغول تھا کہ میری نظر ایک نہایت خوبصورت نوجوان پر پڑی، میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا "انا المھدی وانا القائم"۔ میں مہدی آخر الزماں اور قائم آل محمدؐ ہوں۔ غانم ہندی کا بیان ہے کہ میں امام مہدی کی تلاش میں ایک مرتبہ بغداد گیا، ایک پل سے گزرتے ہوئے مجھے ایک صاحب ملے اور وہ مجھے ایک باغ میں لے گئے اور انھوں نے مجھ سے ہندی زبان میں کلام کیا اور فرمایا کہ تم امسال حج کے لیے نہ جاؤ، ورنہ نقصان پہنچ جائے گا۔ محمد بن شاذان کا کہنا ہے کہ میں ایک دفعہ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت امام مہدی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انھوں نے میرا پورا نام لے کر مجھے پکارا، چونکہ میرے پورے نام سے کوئی واقف نہ تھا اس لیے مجھے تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں امام زمانہ ہوں۔ علامہ شیخ سلیمان قندوزی بلخی تحریر فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن صالح نے کہا کہ میں نے غیبت کبریٰ کے بعد امام مہدی علیہ السلام کو حجر اسود کے نزدیک اس حال میں کھڑے ہوئے دیکھا کہ انھیں لوگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ (ینابیع المودۃ)۔

زمانۂ غیبتِ کبریٰ میں امام مہدیؑ کی بیعت

حضرت شیخ عبداللطیف حلبی حنفی کا کہنا ہے کہ میرے والد شیخ ابراہیم حسین کا شمار حلب کے مشائخ عظام میں تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے مصری استاد نے بیان کیا کہ میں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ (ینابیع المودۃ باب ۸۵ ص۳۹۲)۔

امام مہدیؑ کی مومنین سے ملاقات

رسالہ جزیرہ خضراء کے ص۱۶ میں بحوالہ احادیث آل محمدؐ مرقوم ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سے ہر مومن کی ملاقات ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مومنین انھیں مصلحت خداوندی کی بنا پر اس طرح نہ پہچان سکیں جس طرح پہچاننا چاہیئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے اس مقام پر میں اپنا ایک خواب لکھ دوں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کل جبکہ میں امام زمانہ کے حالات لکھ رہا ہوں۔ حدیث مذکورہ پر نظر ڈالنے کے بعد فوراً ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مولا سب کو دکھائی دیتے ہیں، لیکن مجھے آج تک نظر نہیں آئے، اس کے بعد میں بستر استراحت پر گیا اور سونے کے ارادے سے لیٹا، ابھی نیند نہ آئی تھی اور قطعی طور پر نیم بیداری کی حالت تھی کہ ناگاہ میں نے دیکھا کہ میرے مکان سے جانب مشرق تا بحد نظر ایک قوسی خط پڑا ہوا ہے یعنی شمال کی جانب کا سارا حصۂ عالم پہاڑ ہے اور

اُس پر امام مہدی علیہ السلام برہنہ تلوار لیے کھڑے ہیں اور یہ کہتے ہوئے کہ "نصف دُنیا آج ہی فتح کرلوں گا" شمال کی جانب ایک پاؤں بڑھا رہے ہیں - آپ کا قد عام انسانوں کے قد سے ڈیوڑھا اور جسم دوہرا ہے، بڑی بڑی سرمگیں آنکھیں اور چہرہ انتہائی روشن ہے آپ کے پٹے کٹے ہوئے ہیں اور سارا لباس سفید ہے اور وقت عصر کا ہے ۔

یہ واقعہ ۳۰ نومبر ۱۹۵۸ء شب یکشنبہ بوقت ۴½ بجے شب کا ہے ۔

مُلّا محمّد باقر داماد کا امام عصر سے استفادہ کرنا

ہمارے اکثر علمار علمی مسائل اور مذہبی ومعاشرتی مراحل حضرت امام زمانہ ہی سے طے کرتے آئے ہیں۔ مُلّا محمّد باقر داماد جو ہمارے عظیم القدر مجتہد تھے ۔اُن کے متعلق ہے کہ ایک شب آپ نے ضریح نجف اشرف میں ایک مسئلہ لکھ کر ڈالا اُس کے جواب میں اُن سے تحریراً کہا گیا کہ تمھارا امام زمانہ اِس وقت مسجدِ کوفہ میں نماز گذار رہے تم وہاں جاؤ ، وہ وہاں جا پہنچے ، خود بخود دروازہ مسجد کھل گیا ۔ اور آپ اندر داخل ہوگئے ۔ آپ نے مسئلہ کا جواب حاصل کیا اور آپ مطمئن ہوکر برآمد ہوئے ۔

جناب بحرالعلوم کا امام زمانہ سے مُلاقات کرنا

کتاب قصص العلمار مؤلفہ علاّمہ تنکابنی صفحہ ۵۵ میں مجتہد اعظم کربلائے مُعلیٰ جناب آقا سیّد محمّد مہدی بحرالعلوم کے تذکرہ میں مرقوم ہے کہ ایک شب آپ نماز میں اندرونِ حرم مشغول تھے کہ اتنے میں امامِ عصر اپنے اب وجد کی زیارت کے لیے تشریف لائے جس کی وجہ سے اُن کی زبان میں لکنت ہوئی اور بدن میں ایک قسم کا رعشہ پیدا ہوگیا۔ پھر جب وہ واپس تشریف لے گئے تو اُن پر جو ایک خاص قسم کی کیفیت طاری تھی وہ جاتی رہی ۔اس کے علاوہ آپ کے اسی قسم کے کئی واقعات کتاب مذکور میں مندرج ہیں ۔

اِمام مہدی علیہ السّلام کا حمایت مذہب فرمانا واقعۂ انار

کتاب کشف الغمہ صفحہ ۱۳۳ میں ہے کہ سیّد باقی بن عطوہ امامیہ مذہب کے تھے اور اُن کے والد زیدیہ خیال رکھتے تھے۔ ایک دن ان کے والد عطوہ نے کہا کہ میں سخت علیل ہوگیا ہوں اور اب بچنے کی کوئی اُمید نہیں ۔ ہر قسم کے اطبّار کا علاج کرچکا ہوں ، اے نور نظر! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے تمھارے امام نے شفا دے دی ، تو میں مذہب امامیہ اختیار کرلوں گا ۔ یہ کہنے کے بعد جب یہ رات کو بستر پر گئے تو امام زمانہ کا ان پر ظہور ہوا ، امام نے مقامِ مرض کو اپنے ہاتھ سے مس کردیا اور وہ مرض جاتا رہا عطوہ نے اُسی وقت مذہب امامیہ اختیار کرلیا اور رات ہی میں جاکر اپنے فرزند

باقی علوی کو خوشخبری دے دی۔

اسی طرح کتاب جواہر البیان میں ہے کہ بحرین کا والی نصرانی اور اس کا وزیر خارجی تھا، وزیر نے بادشاہ کے سامنے چند تازہ انار پیش کیے جن پر خلفاء کے نام علی الترتیب کندہ تھے۔ اور بادشاہ کو یقین دلایا کہ ہمارا مذہب حق ہے اور ترتیب خلافت منشاء قدرت کے مطابق درست ہے بادشاہ کے دل میں یہ بات کچھ اس طرح بیٹھ گئی کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ وزیر کا مذہب حق ہے اور امامیہ راہ باطل پر گامزن ہیں، چنانچہ اُس نے اپنے خیال کی تکمیل کے لیے جملہ علماء امامیہ کو جو اُس کے عہد حکومت میں تھے بلا بھیجا اور اُنھیں انار دکھا کر اُن سے کہا کہ اس کی رد میں کوئی معقول دلیل لاؤ، ورنہ ہم تمھیں قتل کر کے تمام مذہب کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ دیں گے، اس واقعہ نے علماء کرام میں ایک عجیب قسم کا ہیجان پیدا کر دیا، بالآخر سب علماء آپس میں مشورہ کے بعد ایسے دس علماء پر متفق ہو گئے جو ان میں نسبتاً مقدس تھے اور پروگرام یہ بنایا کہ جنگل میں ایک ایک عالم بوقت شب جا کر امام زمانہ سے استعانت کرے، چونکہ ایک شب کی مہلت و مدت ملی تھی، اس لیے پریشانی زیادہ تھی غرضکہ علماء نے جنگل میں جا کر امام زمانہ سے فریاد کا سلسلہ شروع کیا۔ دو عالم اپنی اپنی مدت، فریاد و فغاں ختم ہونے پر جب واپس آئے اور تیسرے عالم حضرت محمد بن علی کی باری آئی تو آپ نے بدستور صحرا میں جا کر مصلے بچھا دیا، اور نماز کے بعد امام زمانہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہو کر واپس آتے ہوئے اُنھیں ایک شخص راستے میں ملا۔ اُس نے پوچھا۔ کیا بات ہے کیوں پریشان ہو، آپ نے عرض کی امام زمانہ کی تلاش ہے اور وہ تشریف لا نہیں رہے۔ اُس شخص نے کہا: "انا صاحب العصر فاذکر حاجتک" میں ہی تمھارا امام زمانہ ہوں، کہو کیا کہتے ہو" محمد بن علی نے کہا کہ اگر آپ صاحب العصر ہیں تو آپ سے حاجت بیان کرنے کی ضرورت کیا، آپ کو خود ہی علم ہو گا۔

اس کے جواب میں اُنھوں نے فرمایا کہ سنو! وزیر کے فلاں کمرہ میں ایک لکڑی کا صندوق ہے اس میں مٹی کے چند سانچے رکھے ہوئے ہیں۔ جب انار چھوٹا ہوتا ہے وزیر اس پر سانچہ چڑھا دیتا ہے۔ اور جب وہ بڑھتا ہے تو اس پر وہ نام کندہ ہو جاتے ہیں جو سانچہ میں کندہ ہیں۔ محمد بن علی! تم بادشاہ کو اپنے ہمراہ لے جا کر وزیر کے دجل و فریب کو واضح کر دو، وہ اپنے ارادہ سے باز آ جائے گا اور وزیر کو سزا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وزیر برخاست کر دیا گیا۔ (کتاب بدایع الاخبار ملا اسماعیل سبزواری ص۱۵۰ و سفینۃ البحار جلد ا ص۵۳۶ طبع نجف اشرف)۔

امام عصر کا واقعۂ کربلا بیان کرنا

حضرت امام مہدی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ "کھیعص" کا کیا مطلب ہے تو فرمایا کہ اس میں ک

ہے کربلا (ک) سے ہلاکت عترت (ی) سے یزید ملعون (ع) سے عطش حسینی (ص) سے صبر آلِ محمدؐ مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آیت میں جناب زکریا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب زکریا کو واقعۂ کربلا کی اطلاع ہوئی تو وہ تین روز تک مسلسل روتے رہے۔ (تفسیر صافی ص۲۷۹)۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے طولِ عمر کی بحث

بعض مستشرقین و ماہرین اعمار کا کہنا ہے کہ "جن کے اعمال و کردار اچھے ہوتے ہیں اور جن کا صفائے باطن کامل ہوتا ہے اُن کی عمریں طویل ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمار فقہا۔ اور صلحار کی عمریں اکثر طویل دیکھی گئی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ طول عمر مہدی علیہ السلام کی یہ بھی ایک وجہ ہو، ان سے قبل جو آئمہ علیہم السلام گزرے وہ شہید کر دیئے گئے، اور ان پر دشمنوں کا دسترس نہ ہوا، تو یہ زندہ رہ گئے اور اب تک باقی ہیں۔ لیکن میرے نزدیک عمر کا تقرر و تعین دست ایزدی میں ہے اُسے اختیار ہے کہ کسی کی عمر کم رکھے کسی کی زیادہ اُس کی معین کردہ مدتِ عمر میں ایک پل کا بھی تفرقہ نہیں ہوسکتا تواریخ و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوندِ عالم نے بعض لوگوں کو کافی طویل عمریں عطا کی ہیں۔ عمر کی طوالت مصلحت خداوندی پر مبنی ہے۔ اِس سے اُس نے اپنے دوست اور دشمن دونوں کو نوازا ہے۔ دوستوں میں حضرت عیسیٰ، حضرت ادریس، حضرت خضر، حضرت الیاس اور دشمنوں میں سے ابلیس لعین، دجال بطال، یاجوج ماجوج وغیرہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ چونکہ قیامت اصولِ دینِ اسلام سے ہے اور اس کی آمد میں امام مہدی کا ظہور خاص حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اُن کا زندہ و باقی رکھنا مقصود رہا ہو، اور اُن کے طولِ عمر کے اعتراض کو رَد اور رفع و دفع کرنے کے لیے اُس نے بہت سے افراد کی عمریں طویل کر دی ہوں۔ مذکورہ افراد کو جانے دیجیئے۔ عام انسانوں کی عمروں کو دیکھئے بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جن کی عمریں کافی طویل رہی ہیں، مثال کے لیے ملاحظہ ہو:-

(۱) لقمان کی عمر ۳۵۰۰ سال (۲) عوج بن عنق کی عمر ۳۳۰۰ سال اور بقولے ۳۶۰۰ سال۔ (۳) ذوالقرنین کی عمر ۳۰۰۰ سال (۴) حضرت نوحؑ و (۵) ضحاک و (۶) طہمورث کی عمریں ۱۰۰۰ سال (۷) قینان کی عمر ۹۰۰ سال (۸) مہلائیل کی عمر ۸۰۰ سال (۹) نفیل بن عبداللہ کی عمر ۷۰۰ سال (۱۰) ربیعہ بن عمر عرف سطیح کاہن کی عمر ۶۰۰ سال (۱۱) حاکم عرب عامر بن ضرب کی عمر ۵۰۰ سال (۱۲) سام بن نوح کی عمر ۵۰۰ سال (۱۳) حرث بن مضاض جرہمی کی عمر ۴۰۰ سال (۱۴) ارفخشد کی عمر ۴۰۰ سال (۱۵) درید بن زید کی عمر ۴۵۶ سال (۱۶) سلمان فارسی کی عمر ۴۰۰ سال (۱۷) عمرو بن دوسی کی عمر ۴۰۰ سال (۱۸) زہیر بن جناب بن عبداللہ کی عمر ۴۳۰ سال (۱۹) حرث بن ضیاص کی عمر ۴۰۰ سال (۲۰) کعب بن جمجمہ کی عمر ۳۹۰ سال (۲۱) نصر بن دھمان بن سلیمان کی عمر ۳۹۰ سال (۲۲) قیس

بن ساعدہ کی عمر ۳۸۰ سال (۲۳) عمر بن ربیعہ کی عمر ۳۳۳ سال (۲۴) اکثم بن صیفی کی عمر ۳۳۶ سال۔ (۲۵) عمر بن طفیل عدوانی کی عمر ۲۰۰ سال تھی (غایۃ المقصود ص۱۰۳ اعلام الوریٰ ص۲۷)۔ ان لوگوں کی طویل عمروں کو دیکھنے کے بعد یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ "چونکہ اتنی عمر کا انسان نہیں ہوتا، اس لیے امام مہدی کا وجود ہم تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ امام مہدی علیہ السلام کی عمر اس وقت ۱۳۹۲ھ میں صرف گیارہ سو اٹھتیس سال کی ہوتی ہے۔ جو مذکورہ عمروں میں سے لقمان حکیم اور ذوالقرنین جیسے مقدس لوگوں کی عمروں سے بہت کم ہے۔

الغرض قرآن مجید، اقوال علماء اسلام اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ امام مہدیؑ پیدا ہو کر غائب ہو گئے ہیں اور قیامت کے قریب ظہور کریں گے، اور آپ اسی طرح زمانۂ غیبت میں بھی حجت خدا ہیں جس طرح بعض انبیاء اپنے عہد نبوت میں غائب ہونے کے دوران میں بھی حجت تھے (عجائب القصص ص۱۹۱) اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ آپ زندہ اور باقی موجود ہیں، کیونکہ جس کے پیدا ہونے پر علماء کا اتفاق ہو اور وفات کا کوئی ایک بھی غیر متعصب عالم قائل نہ ہو اور طویل العمر انسانوں کے ہونے کی مثالیں بھی موجود ہوں تو لامحالہ اُس کا موجود اور باقی ہونا ماننا پڑے گا۔ دلیل منطقی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا امام مہدی زندہ اور باقی ہیں۔

ان تمام شواہد اور دلائل کی موجودگی میں جن کا ہم نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے، مولوی محمد امین مصری کا رسالہ "طلوع اسلام" کراچی جلد ۱۴ ص۴۵ ص۹۴ میں یہ کہنا کہ

"شیعوں کو ابتداءً روئے زمین پر کوئی ظاہری مملکت قائم کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی، اِن کو تکلیفیں دی گئیں اور پراگندہ اور منتشر کر دیا گیا تو انھوں نے ہمارے خیال کے مطابق امامِ منتظر اور مہدی وغیرہ کے پُر امید عقائد ایجاد کر لیے تاکہ عوام کی ڈھارس بندھی رہے"

اور مُلّا اخوند درویزہ کا کتاب ارشاد الطالبین ص۳۹۶ میں یہ فرمانا کہ :۔

"ہندوستان میں ایک شخص عبداللہ نامی پیدا ہوگا جس کی بیوی ایمنہ (آمنہ) ہوگی، اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کا نام محمدؐ ہوگا۔ وُہی کوفہ جا کر حکومت کرے گا... لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ امام مہدی وُہی ہیں جو امام حسن عسکری کے فرزند ہیں۔ الخ

حد درجہ مضحکہ خیز، افسوسناک اور حیرت انگیز ہے، کیونکہ علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ "المھدی من ولد الامام الحسن العسکری"۔ امام مہدی حضرت امام حسن عسکریؑ کے بیٹے ہیں اور ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہو چکے ہیں، ملاحظہ ہو، اسعاف الراغبین، وفیات الاعیان، روضۃ الاحباب تاریخ ابن الوردی، ینابیع المودۃ، تاریخ کامل، تاریخ طبری، نورالابصار، اصول کافی، کشف الغمہ،

جلاء العیون، ارشاد مفید، اعلام الوریٰ، جامع عباسی، صواعق محرقہ، مطالب السوٴل، شواہد النبوت ارجح المطالب، بحارالانوار، مناقب وغیرہ۔

حدیث نعثل اور امام عصرؑ

نعثل ایک یہودی تھا، جس سے حضرت عائشہ حضرت عثمان کو تشبیہہ دیا کرتی تھیں، اور رسول اسلام علیہ السلام کے بعد فرمایا کرتی تھیں :۔ اس نعثل اسلامی عثمان کو قتل کردو۔ (ملاحظہ ہو، نہایۃ اللغۃ علامہ ابن اثیر جزری ص۳۲۱) یہی نعثل ایک دن حضور رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض پرواز ہوا مجھے اپنے خدا، اپنے دین، اپنے خلفاء کا تعارف کرائیے، اگر میں آپ کے جواب سے مطمئن ہوگیا، تو مسلمان ہوجاؤں گا۔ حضرت نے نہایت بلیغ اور بہترین انداز میں خلاق عالم کا تعارف کرایا، اس کے بعد دین اسلام کی وضاحت کی "قال صدقت" نعثل نے کہا آپ نے بالکل درست فرمایا پھر اس نے عرض کی مجھے اپنے وصی سے آگاہ کیجئے اور بتائیے کہ وہ کون ہے یعنی جس طرح ہمارے نبی حضرت موسیٰ کے وصی یوشع بن نون ہیں اس طرح آپ کے وصی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے وصی علی بن ابی طالب اور ان کے فرزند حسن وحسین پھر حسین کے صلب سے نو بیٹے قیامت تک ہوں گے۔ اس نے کہا سب کے نام بتائیے آپ نے بارہ اماموں کے نام بتائے، ناموں کو سننے کے بعد وہ مسلمان ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں نے کتب آسمانی میں ان بارہ ناموں کو اسی زبان کے الفاظ میں دیکھا ہے۔ پھر اس نے ہر وصی کے حالات بیان کئے، کربلا کا ہونے والا واقعہ بتایا۔ امام مہدی کی غیبت کی خبر دی اور کہا کہ ہمارے بارہ اسباط میں سے لاوی بن برخیا غائب ہوگئے تھے۔ پھر مدتوں کے بعد ظاہر ہوئے اور از سر نو دین کی بنیادیں استوار کیں۔ حضرت نے فرمایا اسی طرح ہمارا بارہواں جانشین امام مہدی محمد بن حسن طویل مدت تک غائب رہ کر ظہور کرے گا۔ اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ (غایۃ المقصود ص۱۳۴ بحوالہ فرائد السمطین حموینی)۔

علامات ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق ارباب عصمت کے ارشادات

امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے بیشمار علامات ظاہر ہوں گے، پھر آخر میں آپ کا ظہور ہوگا۔ مغرب ومشرق پر آپ کی حکومت ہوگی۔ زمین خود بخود تمام دفائن اگل دے گی، دنیا کی کوئی ایسی زمین نہ باقی رہے گی جس کو آپ آباد نہ کردیں۔ علامات ظہور میں چند یہ ہیں۔

(۱) عورتیں مردوں کے مشابہہ ہوں گی۔ (۲) مرد عورتوں جیسے ہوں گے (۳) عورتیں زین جیسی چیزوں گھوڑے سائیکلوں پر سواری کرنے لگیں گی۔ (۴) نماز جان بوجھ کر قضا کی جانے لگے گی۔ (۵) لوگ خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے لگیں گے (۶) قتل کرنا معمولی چیز سمجھا جائے گا (۷) سود

کا زور ہوگا (۸) زنا عام ہوگا (۹) اچھی اچھی عمارتیں بہت بنیں گی (۱۰) جھوٹ بولنا حلال سمجھا جائے گا۔
(۱۱) رشوت عام ہوگی (۱۲) شہوتِ نفسانی کی پیروی کی جائے گی (۱۳) دین کو دنیا کے بدلے بیچا جائے گا
(۱۴) عزیزداری کی پرواہ نہ ہوگی (۱۵) احمقوں کو عامل بنایا جائے گا (۱۶) بردباری کو کمزوری و بزدلی
پر محمول کیا جائے گا (۱۷) ظلم فخر کے طور پر کیا جائے گا (۱۸) بادشاہ و اُمرا فاسق و فاجر ہوں گے۔
(۱۹) وزیر جھوٹے ہوں گے (۲۰) امانت دار خائن ہوں گے (۲۱) ہر ایک کے مددگار ظلم پرور ہوں گے
(۲۲) قاریانِ قرآن فاسق ہوں گے (۲۳) ظلم و جور عام ہوگا (۲۴) طلاق بہت زیادہ ہوگی۔
(۲۵) فسق و فجور نمایاں ہوں گے (۲۶) فریبی کی گواہی قبول کی جائے گی (۲۷) شراب نوشی عام
ہوگی (۲۸) اغلام بازی کا زور ہوگا (۲۹) سحق یعنی عورتیں عورتوں کے ذریعہ شہوت کی آگ بجھائیں
گی (۳۰) مالِ خدا و رسولؐ کو مالِ غنیمت سمجھا جائے گا (۳۱) صدقہ و خیرات سے ناجائز فائدہ
اٹھایا جائے گا (۳۲) شریروں کی زبان کے خوف سے نیک بندے خاموش رہیں گے (۳۳)
شام سے سفیانی کا خروج ہوگا (۳۴) یمن سے یمانی برآمد ہوگا (۳۵) مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام
'لد' زمین دھنس جائے گی۔ (۳۶) رکن اور مقام کے درمیان آلِ محمدؐ کی ایک معزز فرد قتل ہوگی
(نورالابصار ص۱۵۵ طبع مصر) (۳۷) بنی عباس میں شدید اختلاف ہوگا۔ (۳۸) ۱۵ شعبان کو
سورج گرہن اور اسی ماہ کے آخر میں چاند گرہن ہوگا۔ (۳۹) زوال کے وقت آفتاب تا وقتِ عصر
قائم رہے گا۔ (۴۰) مغرب سے آفتاب نکلے گا (۴۱) نفسِ ذکیہ اور ستر صالحین کا قتل (۴۲) مسجدِ
کوفہ کی دیوار خراب و برباد کر دی جائے گی (۴۳) خراسان کی جانب سے سیاہ جھنڈے برآمد ہوں
گے (۴۴) مصر میں ایک مغربی کا ظہور ہوگا (۴۵) ترک جزیرہ میں ہوں گے (۴۶) رُوم رملہ میں
پہنچ جائیں گے (۴۷) مشرق میں ایک ستارہ نکلے گا جس کی روشنی مغرب تک پھیلے گی (۴۸) ایک
سُرخی ظاہر ہوگی جو آسمان اور سورج پر غالب آجائے گی (۴۹) مشرق سے ایک زبردست آگ
بھڑکے گی جو ۳ یا ۷ روز باقی رہے گی اور بروایت شبلنجی ص۲۱ وہ آگ مغرب تک پھیل کر عالم کو
تہس نہس کر دے گی (۵۰) عرب مختلف بلاد پر قابو پائیں گے اور عجم کے بادشاہ کو مغلوب کر دیں گے
(۵۱) مصری اپنے بادشاہ و حاکم کو قتل کر دیں گے۔ (۵۲) شام تباہ و برباد ہو جائے گا (۵۳) قیس و
عرب کے جھنڈے مصر پر لہرائیں گے (۵۴) خراسان پر بنی کندہ کا پرچم لہرائے گا (۵۵) فرات کا پانی
اس درجہ چڑھ جائے گا کہ کوفہ کی گلی کوچوں میں پانی ہوگا (۵۶) ۶۰ عدد مدعیانِ نبوت ظاہر ہوں گے
(۵۷) ۱۲ نفر اولادِ ابوطالب سے دعویٰ امامت کریں گے (۵۸) بنی عباس کا ایک عظیم شخص بمقام
حلوان و خانقین نذرِ آتش کیا جائے گا (۵۹) بغداد میں کرخ جیسا پل بنایا جائے گا (۶۰) سیاہ آندھی
کا آنا (۶۱) زلزلوں کا آنا (۶۲) اکثر مقام پر زمین کا دھنس جانا (۶۳) موت فجاۃ یعنی ناگہانی موت

کا زیادہ ہونا (۶۴) جان و مال اور ثمرات کی تباہی (۶۵) چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی کثرت جو کھیتی کو کھا جائیں (۶۶) غلّہ کا کم اُگنا (۶۷) باہمی کُشت و خون کی کثرت (۶۸) اپنے پیدا کرنے والوں سے لوگوں کا نافرمان ہونا (۶۹) اپنے سرداروں کو قتل کرنا (۷۰) بعض گروہ کا سُور اور بندر کی صورت میں مسخ ہونا (۷۱) آسمان سے ایک آواز کا آنا جسے تمام اہل زمین سُنیں گے (۷۲) آسمانی آواز کا ہر زبان والے کے کان میں اُسی کی زبان میں پہنچنا (۷۳) بعض صورتوں کا مقام عین الشمس میں ظاہر ہونا (۷۴) ۲۴ بارشوں کا پے در پے ہونا (۷۵) زمین کا زندہ ہو کر اپنے تمام معلومات ظاہر کرنا (کشف الغمہ ص۱۳۴) (۷۶) اچھائی اور بُرائی ایک نظر سے دیکھی جائے گی (۷۷) بُرائی کا حکم اپنی اولاد کو دیا جائے گا اور اچھائی سے روکا جائے گا (۷۸) لالچ کی وجہ سے باطن خراب ہو جائیں گے (۷۹) خوفِ خدا دل سے نکل جائے گا (۸۰) قرآن کا صرف نشان رہ جائے گا (۸۱) مسجدیں آباد مگر ہدایت سے خالی ہوں گی (۸۲) فقہا فتنہ پرور ہوں گے (۸۳) عورتوں سے مشورہ لیا جائے گا (۸۴) گناہ کھُلم کھُلا کیا جائے گا (۸۵) بدعہدی عام ہو گی (۸۶) عورتوں کو تجارت میں شریک کیا جائے گا (۸۷) ذلیل ترین شخص قوم کا سردار ہو گا (۸۸) گانے والیوں کا زور ہو گا (۸۹) اُس زمانے کے لوگ اگلوں پر بلا وجہ لعنت کریں گے (۹۰) جھوٹی گواہی دی جائے گی (۹۱) حق ختم ہو جائے گا۔ باطل فروغ پائے گا (۹۲) قرآن ایک کہنہ کتاب سمجھی جائے گی۔ (۹۳) دین اندھا کر دیا جائے گا۔ (۹۴) بدکاری اعلان کے ساتھ کی جائے گی (۹۵) فسق و فجور میں جس کی مدح کی جائے گی خوش ہو گا (۹۶) لڑکے عورتوں کی طرح اُجرت پر استعمال ہوں گے (۹۷) معصیت پر مال خرچ کرنے والے کو ٹوکا نہ جائے گا (۹۸) ہمسایہ ہمسایہ کو اذیّت دے گا (۹۹) نیکی کا حکم کرنے والا ذلیل رہے گا (۱۰۰) نیکی کے راستے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ (۱۰۱) بیت اللہ معطل کر دیا جائے گا (۱۰۲) عورتیں انجمنیں قائم کریں گی (۱۰۳) لوگ عورتوں کی طرح کنگھی کریں گے۔ مردوں کو شرمگاہوں کا معاوضہ ملے گا (۱۰۵) مومن سے زیادہ صاحبِ مال کی عزّت ہو گی (۱۰۶) عورتیں اپنے شوہروں کو مردوں کے ساتھ بدفعلی پر مجبور کریں گی (۱۰۷) عورتوں کی دلالی کرنے والے معزّز سمجھے جائیں گے (۱۰۸) مومن غمگین اور ذلیل ہو گا (۱۰۹) حرام کو حلال کیا جائے گا (۱۱۰) دین میں خود رائی کی جائے گی (۱۱۱) معاصی کے لیے پردۂ شب کی ضرورت نہ ہو گی (۱۱۲) بڑے بڑے مال خدا کی معصیت میں صرف ہوں گے (۱۱۳) حکام دینداروں سے دُور بھاگیں گے (۱۱۴) جج فیصلہ میں رشوت لیں گے (۱۱۵) حرام عورتوں سے زنا کیا جائے گا جیسے ماں بہنیں (۱۱۶) مرد اپنی زوجہ کی حرام کمائی کھائے گا۔ (۱۱۷) عورتیں اپنے مردوں پر حکومت کریں گی (۱۱۸) مرد اپنی زوجہ اور لونڈی کو کرایہ پر چلائے گا۔ (۱۱۹) شریف کو ذلیل سمجھا جائے گا (۱۲۰) حکام میں اُس کی عزّت ہو گی جو آلِ محمدؐ کو بُرا کہے گا (۱۲۱)

قرآن پڑھنا اور سُننا بار ہوگا (۱۲۲) چغل خوری عام ہوگی (۱۲۳) غیبت کو اچھا سمجھا جائے گا (۱۲۴) حج اور جہاد خدا کے لیے نہیں دیگر مقاصد کے لیے کیا جائے گا (۱۲۵) بادشاہ یعنی برسرِ اقتدار طبقہ مومن کو کافر کے لیے ذلیل کرے گا۔ (۱۲۶) ویرانہ آبادی سے بدل جائے گا (۱۲۷) ناپ تول میں کمی لوگوں کا ذریعہ معاش ہوگا (۱۲۸) لوگ ریاست طلبی کے لیے اپنے کو بدزبانی میں مشہور کریں گے تاکہ خوف کے مارے حکومت اُن کے سپرد کر دی جائے (۱۲۹) نماز بالکل سُبک کر دی جائے گی (۱۳۰) مالِ کثیر کے باوجود زکوٰۃ نہ دی جائے گی۔ (۱۳۱) میّت قبر سے نکالی جائے گی (۱۳۲) قبر سے کفن چُرا کر بیچا جائے گا (۱۳۳) اِنسان صبح و شام نشہ میں ہوگا (۱۳۴) چوپایوں کے ساتھ بدفعلی کی جائے گی (۱۳۵) چوپائے چوپایوں کو پھاڑ کھائیں گے (۱۳۶) لوگ جانماز پر برہنہ جائیں گے (۱۳۷) لوگوں کے قلوب سخت ہو جائیں گے (۱۳۸) لوگوں کی آنکھیں بیحیائی کریں گی (۱۳۹) ذکرِ خُدا لوگوں پر بار ہوگا۔ (۱۴۰) مالِ حرام عام ہوگا (۱۴۱) نماز صرف ریا و سمعہ یعنی دکھانے کے لیے پڑھی جائے گی (۱۴۲) فقیہہ دین کے ماسوا دُوسرے کاموں کے لیے فقہ حاصل کرے گا (۱۴۳) لوگ غاصب کا ساتھ دیں گے (۱۴۴) حلال روزی کمانے والے کی مذمّت کی جائے گی (۱۴۵) طالبِ حرام کی مدح کی جائے گی (۱۴۶) حرمین شریفین میں ایسے عمل ہوں گے جو منشائے خُداوندی کے خلاف ہوں گے (۱۴۷) آلاتِ غنا مکّہ و مدینہ میں عام ہو جائیں گے (۱۴۸) حق کی ہدایت کو منع کیا جائے گا (۱۴۹) لوگ ایک دُوسرے کی طرف دیکھیں گے اور اہلِ شہر اُن کی اقتدار کریں گے چاہے وہ کچھ کریں (۱۵۰) نیکی کے راستے خالی ہو جائیں گے۔ (۱۵۱) میّت کا مضحکہ اُڑایا جائے گا (۱۵۲) ہر سال بُرائیوں میں نمایاں اضافہ ہوگا (۱۵۳) مجالس میں صرف مالدار کی عزّت کی جائے گی (۱۵۴) فقیروں کو مضحکہ کے طور پر مال دیا جائے گا۔ (۱۵۵) آسمانی مخاوف سے کوئی خوف نہ کھائے گا (۱۵۶) مرد اور عورتیں سب کے سامنے خواہشاتِ نفسانی کی آگ بجھائیں گے (۱۵۷) اپنی عزّت کے خوف سے کوئی شریف کسی کو روک ٹوک نہ سکے گا (۱۵۸) معصیّت میں مال خوشی سے صرف کیا جائے گا، لیکن خدا کی راہ میں بالکل نہ دیا جائے گا۔ (۱۵۹) والدین کی طرف سے اولاد کو عاق کرنا عام ہو جائے گا (۱۶۰) والدین اپنی اولاد کی نگاہ میں سبک ہوں گے (۱۶۱) اولاد اپنے والدین پر افترا کرنے میں خوشی محسوس کرے گی (۱۶۲) عورتیں ملک و حکومت پر غالب ہو جائیں گی (۱۶۳) فرزند اپنے باپ پر بہتان باندھے گا (۱۶۴) لڑکا ماں باپ پر بددعا کرے گا۔ (۱۶۵) فرزند ماں باپ کے جلد مرنے کی تمنا کرے گا۔ (۱۶۶) اِنسان جس دن کوئی گناہ نہ کرے گا اُس دن غمگین رہے گا (۱۶۷) بادشاہ گرانی کے لیے غلّہ روکے گا۔ (۱۶۸) اعزا کا مال فریب سے تقسیم کیا جائے گا (۱۶۹) جوا کھیلا جائے گا (۱۷۰) شراب کے ذریعہ سے مریضوں کا علاج کیا جائے گا (۱۷۱) اچھائی اور بُرائی دونوں کی تلقین برابر حیثیت رکھے گی۔

(۱۷۲) منافق اور دشمن خدا کی ہوا بندھے گی اور اہل حق مقہور رہیں گے (۱۷۳) اُجرت لے کر اذان کہی جائے گی اور عوض لے کر نماز پڑھائی جائے گی (۱۷۴) خدا سے نہ ڈرنے والے مسجدوں پر قابض ہوں گے۔ (۱۷۵) مسجدوں میں نا اہل جمع ہو کر غیبتیں کریں گے (۱۷۶) بدمست رسمی طور پر جماعت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے (۱۷۷) یتیموں کا مال کھانے والے کی مدح کی جائے گی (۱۷۸) قاضی حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرے گا (۱۷۹) حکام لالچ کی وجہ سے خائنوں پر بھروسہ کریں گے (۱۸۰) میراث بدکاری میں صرف کی جائے گی (۱۸۱) منبروں پر تقویٰ کا ذکر کیا جائے گا لیکن واعظ خود عمل نہیں کریں گے (۱۸۲) نماز کے اوقات کی پروا نہ کی جائے گی (۱۸۳) صدقہ و خیرات خوشنودیِ خدا کے لیے نہیں صرف سفارش پر دیا جائے گا (۱۸۴) انسان کا مقصودِ حیات صرف پیٹ پالنا اور عیش کرنا ہوگا (۱۸۵) حق کی نشانیاں مٹ جائیں گی (۱۸۶) بھائی بھائی سے حسد کرے گا (۱۸۷) اپنے دوستوں کے ساتھ خیانت کی جائے گی (۱۸۸) دلوں میں زہر کی طرح تکبر دوڑ جائے گا (۱۸۹) زہد ختم ہو جائے گا (۱۹۰) لوگوں کی شکلیں انسانی اور دل شیطانی ہو جائیں گے (۱۹۱) اِن کی عمریں قلیل اور اِن کی تمنائیں کثیر ہوں گی (بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۷۴ طبع ایران) (۱۹۲) کنیزوں سے مشورے کیے جائیں گے (۱۹۳) بچے منبروں پر بیٹھیں گے (۱۹۴) ایسے حاکم ہوں گے کہ جب اُن سے کوئی بات کرے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ (۱۹۵) حکام شرفا کے مال کو اپنا مال سمجھیں گے (۱۹۶) عورتوں کی آبرو ریزی کریں گے (۱۹۷) کچھ چیزیں مشرق سے اور کچھ مغرب سے لائی جائیں گی جن سے اُمت کا امتحان کیا جائے گا (۱۹۸) مسجدیں نقش و نگار سے مُزیّن کی جائیں گی (۱۹۹) قرآن مجید سجائے جائیں گے (۲۰۰) مسجدوں کی مینا ریں بلند بنائی جائیں گی (۲۰۱) مرد سونا استعمال کریں گے (۲۰۲) ریشمی کپڑے پہنیں گے (۲۰۳) چیتے کی کھال کا فرش بنائیں گے (۲۰۴) سُود خوری ظاہر بظاہر ہوگی (۲۰۵) حدِ شرعی جاری نہ کی جائے گی (۲۰۶) شریر افراد حاکم ہوں گے (۲۰۷) مالدار تفریح کے لیے، غریب دکھاوے کے لیے متوسط تجارت کے لیے حج کریں گے (۲۰۸) قرآن مجید سُر سے پڑھا جائے گا (۲۰۹) ولد الزنا کی کثرت ہوگی (۲۱۰) خوشامد بہت زیادہ رائج ہوگی (۲۱۱) لباس پر فخر و مُباہات کیا جائے گا (۲۱۲) اُمرا شطرنج کھیلیں گے (۲۱۳) قاریانِ قرآن اور عبّاد ایک دوسرے پر لعنت کریں گے (۲۱۴) مالدار فقیروں سے دُور بھاگیں گے (۲۱۵) مُلکی نظم و نسق میں وہ لوگ دخیل ہوں گے۔ جن کو اُس سے حس و مس نہ ہوگا۔ (۲۱۶) زمین اطراف سے دھنس جائے گی (تفسیر علی بن ابراہیم قمی ص ۲۲۹) (۲۱۷) درندے انسانوں سے باتیں کرنے لگیں گے (۲۱۸) لوگوں سے اُن کے کوڑے اور جوتے کلام کرنے لگیں گے (۲۱۹) انسان کی رانیں بولنے لگیں گی اور وہ اس کے گھر کے لوگوں نے جو کچھ کیا ہوگا گھر کے مالک سے بتلانے

لگیں گی، (ینابیع المودۃ ص۴۳۱ بحوالہ ترمذی) (۲۲۰) سفیانی، خراسانی، یمانی کا خروج ایک ہی دن، ایک ہی مہینہ، ایک ہی سال میں ہوگا (۲۲۱) حکومت شام، حمص، فلسطین، اردن، قنسرین پر غالب آجائے گی (۲۲۲) طوفان کا زور ہوگا (۲۲۳) وادی یابس سے "ابن آکلۃ الاکباد" خروج کرے گا (۲۲۴) مومنین کا امتحان خوف، جوع، نقص اموال، نقص النفس، نقص ثمرات سے ہوگا (۲۲۵) شام کا "قریہ" جابیہ" زمین میں دھنس جائے گا (۲۲۶) قتل نفس زکیہ کے ۱۵ دن بعد امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا (اعلام الوریٰ طبرسی ص۲۶۲ طبع بمبئی ۱۳۱۲ھ) (۲۲۷) دنیا میں جھگڑے بکھیڑے بے انتہا ہوں گے (۲۲۸) نئے نئے فتنے پیدا ہوں گے (۲۲۹) آمد و رفت کے راستے بند ہوجائیں گے (۲۳۰) لوگ ایک دوسرے کو لوٹنے لگیں گے (ارجح المطالب ص۴۶۲) (۲۳۱) مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی ہوگی (۲۳۲) حجاز سے آگ نکلے گی (۲۳۳) مسجدوں سے (لاؤڈ سپیکر وغیرہ کے ذریعہ سے) آوازیں بلند ہوں گی (۲۳۴) ریشمی لباس مرد پہننے لگیں گے (۲۳۵) مشرق مغرب اور جزیرۃ عرب میں زمینیں دھنس جائیں گی (۲۳۶) یمن اور عدان سے آگ بھڑکے گی، (مشکوٰۃ ص۴۶۱)۔ (۲۳۷) اچھے لوگ ختم ہوجائیں گے اور بروں کی کثرت ہوگی۔ (۲۳۸) مقدرات الٰہی کی مخالفت عام ہوگی (۲۳۹) مال کے لانے لے جانے والے چوری کریں گے (۲۴۰) حرام خوری عام ہوگی (۲۴۱) گرانی حد سے بڑھ جائے گی (۲۴۲) دریا خشک ہوجائیں گے (۲۴۳) بارش بند ہوجائے گی (۲۴۴) اہل بربر زرد جھنڈے لے کر مصر پہنچ جائیں گے (۲۴۵) صخر کی اولاد سے ایک شخص خروج کرے گا (۲۴۶) برسر عام عورتوں کی چھاتیوں سے کھیلا جائے گا (۲۴۷) سفید پنڈلیوں کی عورتیں برہنہ سڑکوں پر ملیں گی (۲۴۸) ایک یمنی بادشاہ "حسن" نامی یمن سے خروج کرے گا (۲۴۹) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں، قرص آفتاب کے قریب آسمان پر ایک ہاتھ ظاہر ہوگا (۲۵۰) حج کا راستہ بند کردیا جائے گا (۲۵۱) مردوں سے بدفعلی کے لیے مقوی غذائیں کھائی جائیں گی (۲۵۲) دولت کے زور سے حکومت حاصل کی جائے گی (۲۵۳) جھوٹی قسم کھانا فیشن میں داخل ہوگا (۲۵۴) ذخیرہ اندوزی ہوگی (۲۵۵) مسجد براثا جو جنگ نہروان کے بعد حضرت علیؑ نے راہب کے ذریعہ سے بنائی تھی تباہ کردی جائے گی (۲۵۶) قزوین میں ایک کافر کی عظیم حکومت ہوگی (۲۵۷) تکریت سے ایک شخص "عوف سلمی" نامی خروج کرے گا (۲۵۸) مقام قرقیا میں جنگ عظیم ہوگی (۲۵۹) ترک میدان جنگ میں اتر آئیں گے (۲۶۰) اہل ناقوس "نصاریٰ" کی حکومت عالم پر چھا جائے گی (۲۶۱) اسلامی ممالک میں بے شمار کلیسے بنائے جائیں گے۔ (کتاب الوسائل الحاج ظہر علی ص۲۰۷ طبع بمبئی ۱۳۲۹ھ) (۲۶۲) عورتیں اونٹ کے کوہان کی طرح سر کے بال بنائیں گی (۲۶۳) عورتیں ایسے کپڑے پہنیں گی کہ برہنہ معلوم ہوں گی (۲۶۴) عورتیں زینت کرکے باہر

نکلا کریں گی (بحار الانوار)۔ (۲۶۵) لڑکے لمبے بال رکھیں گے (۲۶۶) بیوقوف تفریح کے لیے استعمال کیے جائیں گے (۲۶۷) مسجدیں خوبصورت بنائی جائیں گی (۲۶۸) بڑی بڑی عمارتیں بنائی جائیں گی (۲۶۹) قہوہ کی مختلف قسمیں استعمال ہوں گی (۲۷۰) لوگ سواریوں سے ٹکرا کر مریں گے (۲۷۱) لوگ رات میں سوئیں گے اور صبح کو مُردہ ہوں گے (۲۷۲) رویت ہلال پر اختلاف ہوں گے (۲۷۳) لوگ آلات غنا جیب میں رکھ کر گھوما کریں گے (۲۷۴) ہند تبت کی وجہ سے تباہ ہوگا۔ اور تبت کی تباہی چین کی وجہ سے ہوگی (مناقب)۔ (۲۷۵) مصر میں امیر الامراء کا قیام ہوگا (۲۷۶) عربوں کی حکومت چھن جائے گی۔ (کشف الغمہ) (۲۷۷) عدن کی گہرائی سے آگ نکلے گی۔ (رسالہ غیبت طوسی ص۲۸۱)۔ (۲۷۸) دُنیا میں حبشیوں کی حکومتیں قائم ہوجائیں گی (۲۷۹) شام میں چینی گھس جائیں گے تب ظہور ہوگا (الزام الناصب ص۱۸۳)۔

حضرت امام مہدی علیہ السّلام کا ظہور موفور السُرور

حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہور سے پہلے جو علامات ظاہر ہوں گے اُن کی تکمیل کے دوران ہی میں نصاریٰ فتح ممالک عالم کا ارادہ کر کے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور بیشمار ممالک پر قابو حاصل کرنے کے بعد ان پر حکمرانی کریں گے۔ اسی زمانہ میں ابوسفیان کی نسل سے ایک ظالم پیدا ہوگا جو عرب و شام پر حکمرانی کرے گا۔ اس کی دلی تمنا یہ ہوگی کہ سادات کے وجود سے ممالک محروسہ خالی کر دیے جائیں۔ اور نسل محمدی کا ایک فرزند بھی باقی نہ رہے۔ چنانچہ وہ سادات کو نہایت بیدردی سے قتل کرے گا۔ پھر اسی اثناء میں بادشاہ روم کو نصاریٰ کے ایک فرقہ سے جنگ کرنا پڑے گی۔ شاہ روم ایک فرقہ کو ہمنوا بنا کر دوسرے فرقہ سے جنگ کرے گا اور شہر قسطنطنیہ پر قبضہ کر لے گا۔ قسطنطنیہ کا بادشاہ وہاں سے بھاگ کر شام میں پناہ لے گا، پھر وہ نصاریٰ کے دوسرے فرقہ کی معاونت سے فرقہ مخالف کے ساتھ نبرد آزما ہوگا۔ یہاں تک کہ اسلام کو زبردست فتح نصیب ہوگی۔ فتح اسلام کے باوجود نصاریٰ شہرت دیں گے کہ "صلیب" غالب آگئی، اس پر نصاریٰ اور مسلمانوں میں جنگ ہوگی اور نصاریٰ غالب آجائیں گے۔ بادشاہ اسلام قتل ہوجائے گا۔ اور ملک شام پر بھی نصرانی جھنڈا لہرانے لگے گا اور مسلمانوں کا قتل عام ہوگا۔ مسلمان اپنی جان بچا کر مدینہ کی طرف کوچ کریں گے اور نصرانی اپنی حکومت کو وسعت دیتے ہوئے خیبر تک پہنچیں گے۔ اسلامیان عالم کے لیے کوئی پناہ نہ ہوگی۔ مسلمان اپنی جان بچانے سے عاجز ہوں گے اُس وقت وہ گروہ در گروہ سارے عالم میں امام مہدی علیہ السّلام کو تلاش کریں گے، تاکہ اسلام محفوظ رہ سکے اور ان کی جانیں بچ سکیں اور عوام ہی نہیں بلکہ قطب، ابدال اور اولیاء جستجو میں مشغول و مصروف

ہوں گے کہ ناگاہ آپ مکہ معظمہ میں رکن و مقام کے درمیان سے برآمد ہوں گے۔ (قیامت نامہ قدوۃ المحدثین شاہ رفیع الدین دہلوی ص۳ طبع پشاور ۱۹۲۶ء) علمائے فریقین کا کہنا ہے کہ آپ قریہ "کرعہ" سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ سے ظہور فرمائیں گے (غایۃ المقصود ص۱۶۵، نور الابصار ص۱۵۴) علامہ گنجی شافعی اور علی بن محمد صاحب کفایۃ الاثر کا بحوالہ ابوہریرہ بیان ہے کہ حضرت سرور کائنات صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام مہدی قریۂ (کرعہ) - (جو مدینہ سے بطرف مکہ تیس ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے (مجمع البحرین ص۴۳۵) نکل کر مکہ معظمہ سے ظہور کریں گے، وہ میری زرہ پہنے ہوں گے۔ میری تلوار لگائے ہوں گے اور میرا عمامہ باندھے ہوں گے۔ اُن کے سر پر ابر کا سایہ ہوگا اور ملک آواز دیتا ہوگا کہ یہی امام مہدی ہیں۔ اِن کی اتباع کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل آواز دیں گے اور "ہوا" اس کو ساری کائنات میں پہنچا دے گی اور لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے (غایۃ المقصود ص۱۶۵)۔

لغات سروری ص۵۳ میں ہے کہ آپ قصبہ خیروان سے ظہور فرمائیں گے معصوم کا فرمانا ہے کہ امام مہدیؑ کے ظہور کے متعلق کسی کا کوئی وقت معین کرنا فی الحقیقت اپنے آپ کو علم غیب میں خدا کا شریک قرار دینا ہے۔ وہ مکہ میں بے خبر ظہور کریں گے، اُن کے سر پر زرد رنگ کا عمامہ ہوگا۔ بدن پر رسالت مآب صلعم کی چادر اور پاؤں میں اُنھیں کی نعلین مبارک ہوگی۔ وہ اپنے سامنے چند بھیڑیں رکھیں گے، کوئی اُنھیں پہچان نہ سکے گا۔ اور اسی حالت میں بکہ و تنہا بغیر کسی رفیق کے کعبۃ اللہ میں آجائیں گے۔ جس وقت عالم سیاہی شب کی چادر اوڑھ لے گا اور لوگ سو جائیں گے اُس وقت ملائکہ صف بہ صف اُن پر اتریں گے۔ اور حضرت جبرائیل و میکائیل اُنھیں نوید الٰہی سنائیں گے۔ کہ اُن کا حکم تمام دُنیا پر جاری و ساری ہے۔ یہ بشارت پاتے ہی امام علیہ السلام شکر خدا بجالائیں گے اور رکن حجر اسود اور مقامِ ابراہیمؑ کے درمیان کھڑے ہو کر باآواز بلند ندا دیں گے کہ اے وہ گروہ جو میرے مخصوصوں اور بزرگوں سے ہو اور وہ لوگو! جن کو حق تعالیٰ نے روئے زمین پر میرے ظاہر ہونے سے پہلے میری مدد کے لیے جمع کیا ہے۔ "آجاؤ"۔ یہ ندا حضرت کے اُن لوگوں تک خواہ وہ مشرق میں ہیں یا مغرب میں پہنچ جائے گی اور وہ لوگ یہ آواز سن کر چشم زدن میں حضرت کے پاس جمع ہو جائیں گے یہ لوگ ۳۱۳ ہوں گے، اور نقیب امام کہلائیں گے۔ اُسی وقت ایک نور زمین سے آسمان تک بلند ہوگا۔ جو صفحہ دنیا میں ہر مومن کے گھر میں داخل ہوگا جس سے اُن کی طبیعتیں مسرور ہو جائیں گی۔ مگر مومنین کو معلوم نہ ہوگا کہ امام علیہ السلام کا ظہور ہوا ہے۔ صبح امام علیہ السلام مع اُن ۳۱۳، اشخاص کے جو رات کو اُن کے پاس جمع ہو گئے تھے کعبہ میں کھڑے ہوں گے اور دیوار سے تکیہ لگا کر اپنا ہاتھ کھولیں گے جو موسیٰ کے ید بیضا کی مانند ہوگا اور کہیں گے کہ جو کوئی اِس ہاتھ پر بیعت کرے گا، وہ ایسا ہے گویا اُس نے "ید اللہ" پر بیعت کی، سب سے پہلے جبرئیل شرف بیعت سے مشرف ہوں گے۔

ان کے بعد ملائکہ بیعت کریں گے پھر مقدم الذکر نقبا (۳۱۳) بیعت سے مشرف ہوں گے۔ اس ہلچل اور اژدحام میں مکہ میں تہلکہ مچ جائے گا اور لوگ حیرت زدہ ہو کر ہر سمت سے استفسار کریں گے کہ یہ کون شخص ہے، یہ تمام واقعات طلوع آفتاب سے پہلے سرانجام ہو جائیں گے، پھر جب سورج چڑھے گا، تو قرص آفتاب کے سامنے ایک منادی کرنے والا ظاہر ہو گا اور باآواز بلند کہے گا جس کو تمام ساکنانِ زمین و آسمان سنیں گے کہ "اے گروہ خلائق یہ مہدی آلِ محمدؐ ہیں، ان کی بیعت کرو، پھر ملائکہ اور (۳۱۳) آدمی تصدیق کریں گے اور دنیا کے ہر گوشہ سے جوق در جوق آپ کی زیارت کے لیے لوگ روانہ ہو جائیں گے، اور عالم پر حجت قائم ہو جائے گی اس کے بعد دس ہزار افراد بیعت کریں گے۔ اور کوئی یہودی اور نصرانی باقی نہ چھوڑا جائے گا صرف اللہ کا نام ہو گا اور امام مہدیؑ کا کام ہو گا۔ جو مخالفت کرے گا اس پر آسمان سے آگ برسے گی اور اسے جلا کر خاکستر کر دے گی۔ (نور الابصار امام شبلنجی شافعی ص۱۵۵، اعلام الوریٰ ص۲۶۴)۔

علماء نے لکھا ہے کہ ۲۷ مخلصین آپ کی خدمت میں کوفہ سے اس قسم کے پہنچ جائیں گے جو حاکم بنائے جائیں گے۔ جن کے اسماء (کتاب منتخب بصائر) یہ ہیں۔ یوشع بن نون، سلمان فارسی، ابودجانہ انصاری، مقداد بن اسود، مالک اشتر، اور قوم موسیٰ کے ۱۵ افراد اور سات اصحاب کہف (اعلام الوریٰ ص۲۶۴، ارشاد مفید ص۵۳۹) علامہ عبدالرحمٰن جامی کا کہنا ہے کہ قطب، ابدال، عرفا سب آپ کی بیعت کریں گے، آپ جانوروں کی زبان سے بھی واقف ہوں گے اور آپ انسانوں اور جنوں میں عدل و انصاف کریں گے۔ (شواہد النبوت ص۲۱۶) علامہ طبرسی کا کہنا ہے کہ آپ حضرت داؤد کے اصول پر احکام جاری کریں گے، آپ کو گواہ کی ضرورت نہ ہو گی۔ آپ ہر ایک کے عمل سے بالہام خداوندی واقف ہوں گے۔ (اعلام الوریٰ ص۲۶۴) امام شبلنجی شافعی کا بیان ہے کہ جب امام مہدی کا ظہور ہو گا تو تمام مسلمان خواص اور عوام خوش و مسرور ہو جائیں گے۔ ان کے کچھ وزراء ہوں گے۔ جو آپ کے احکام پر لوگوں سے عمل کرائیں گے۔ (نور الابصار ص۱۵۳، بحوالہ فتوحات مکیہ) علامہ حلبی کا کہنا ہے کہ اصحاب کہف آپ کے وزراء ہوں گے (سیرت حلبیہ) حموینی کا بیان ہے کہ آپ کے جسم کا سایہ نہ ہو گا۔ (غایۃ المقصود جلد ۲ ص۱۵۰) حضرت علیؑ کا فرمانا ہے کہ انصار و اصحاب امام مہدی، خالص اللہ والے ہوں گے (ارجح المطالب ص۴۶۹) اور آپ کے گرد اس طرح لوگ جمع ہو جائیں گے جس طرح شہد کی مکھی اپنے "یعسوب" بادشاہ کے گرد جمع ہو جاتی ہیں۔ (ارجح المطالب ص۴۶۹) ایک روایت میں ہے کہ ظہور کے بعد آپ سب سے پہلے کوفہ تشریف لے جائیں گے اور وہاں کے کثیر افراد قتل کریں گے۔

امام مہدی کا سنِ ظہور

خلاقِ عالم نے پانچ چیزوں کا علم اپنے لیے مخصوص رکھا ہے جن میں ایک قیامت بھی ہے (قرآن مجید) ظہور امام مہدی علیہ السلام چونکہ لازمۂ قیامت سے ہے، لہٰذا اس کا علم بھی خدا ہی کو ہے کہ آپ کب ظہور فرمائیں گے۔ کونسی تاریخ ہوگی۔ کونسا سن ہوگا، تاہم احادیثِ معصومین جو الہام اور قرآن سے مستنبط ہوتی ہیں ان میں اشارے موجود ہیں۔ علامہ شیخ مفید، علامہ سید علی، علامہ طبرسی، علامہ شبلنجی رقمطراز ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ طاق سن میں ظہور فرمائیں گے جو ۱، ۳، ۵، ۷، ۹ سے مل کر بنے گا۔ مثلاً ۱۳ سو، ۱۵ سو، ۱۷ سو، ۱۹ سو یا ایک ہزار، ۳ ہزار، ۵ ہزار، ۷ ہزار ۹ ہزار۔ اِسی کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کے اسمِ گرامی کا اعلان بذریعہ جناب جبرئیلؑ ۲۳ تاریخ کو کر دیا جائے گا اور ظہور یومِ عاشورہ ہوگا۔ جس دن امام حسین علیہ السلام بمقام کربلا شہید ہوئے ہیں (شرحِ ارشاد مفید ص۵۳۲، غایۃ المقصود جلد ا ص۱۶۱، اعلام الوریٰ ص۲۶۲، نور الابصار ص۱۵۵) میرے نزدیک ذی الحجہ کی ۲۳ تاریخ ہوگی کیونکہ نفس زکیہ کے قتل اور ظہور میں ۱۵ راتوں کا فاصلہ ہونا مسلم ہے۔ امکان ہے کہ قتلِ نفس زکیہ کے بعد ہی نام کا اعلان کر دیا جائے، پھر اس کے بعد ظہور ہو، ملا جواد ساباطی کا کہنا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام یوم جمعہ بوقت صبح بتاریخ ۱۰ محرم الحرام ۱۰۰۰ھ میں ظہور فرمائیں گے غایۃ المقصود ص۱۶۱ بحوالہ براہین ساباطیہ) امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ امام مہدی کا ظہور بوقت عصر ہوگا اور وہی عصر آیۂ " والعصر ان الانسان لفی خسر" سے مراد ہے۔ شاہ نعمت اللہ ولی کاظمی المتوفی ۸۲۷ھ (مجالس المومنین ص۲۷۶) جو شاعر ہونے کے علاوہ عالم اور منجم بھی تھے۔ آپ کو علمِ جفر میں بھی دخل تھا۔ آپ نے اپنی مشہور پیشین گوئی میں ۱۳۸۰ھ کا حوالہ دیا ہے جس کا غلط ہونا ثابت ہے کیونکہ ۱۳۹۳ھ ہے (قیامت نامہ قدوۃ المحدثین شاہ رفیع الدین ص۳۸) - (والعلم عند اللہ) -

ظہور کے وقت امام علیہ السلام کی عمر

یوم ولادت سے تا بظہور آپ کی کیا عمر ہوگی؟ اسے تو خدا ہی جانے۔ لیکن یہ مسلمات سے ہے کہ جس وقت آپ ظہور فرمائیں گے مثل حضرت عیسیٰؑ آپ چالیس سالہ جوان کی حیثیت میں ہوں گے، (اعلام الوریٰ ص۲۶۵، وغایۃ المقصود ص۷۶، ص۱۱۹) -

آپ کا جھنڈا

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے جھنڈے پر "البیعۃ اللہ" لکھا ہوگا اور آپ اپنے ہاتھوں پر خدا کے لیے بیعت لیں گے اور کائنات میں صرف دینِ اسلام کا پرچم لہرائے گا۔ (ینابیع المودۃ ص۴۳۴) -

ظہور کے بعد

ظہور کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوں گے۔ ابر کا سایہ آپ کے سرِ مبارک پر ہوگا، آسمان سے آواز آتی ہوگی کہ "یہی امام مہدی ہیں" اُس کے بعد آپ ایک منبر پر جلوہ افروز ہوں گے۔ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیں گے اور دینِ حق کی طرف آنے کی سب کو ہدایت فرمائیں گے۔ آپ کی تمام سیرت پیغمبر اسلام کی سیرت ہوگی اور انہیں کے طریقہ پر عمل پیرا ہوں گے۔ ابھی آپ کا خطبہ جاری ہوگا کہ آسمان سے جبرئیل و میکائیل آکر بیعت کریں گے، پھر ملائکہ آسمانی کی عام بیعت ہوگی۔ ہزاروں ملائکہ کی بیعت کے بعد وہ ۳۱۳ مومنین بیعت کریں گے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہوں گے۔ پھر عام بیعت کا سلسلہ شروع ہوگا۔ دس ہزار افراد کی بیعت کے بعد آپ سب سے پہلے کوفہ تشریف لے جائیں گے، اور دشمنانِ آلِ محمدؐ کا قلع قمع کریں گے۔ آپ کے ہاتھ میں عصائے موسیٰ ہوگا جو اژدھے کا کام کرے گا اور تلوار حمائل ہوگی۔ (عین الحیات مجلسی ص۹۲) تواریخ میں ہے کہ جب آپ کوفہ پہنچیں گے تو کئی ہزار کا ایک گروہ آپ کی مخالفت کے لیے نکل پڑے گا، اور کہے گا کہ ہمیں بنی فاطمہ کی ضرورت نہیں، آپ واپس جائیے یہ سُن کر آپ تلوار سے اُن سب کا قصہ پاک کر دیں گے اور کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ جب کوئی بھی دشمن آلِ محمدؐ اور منافق وہاں باقی نہ رہے گا تو آپ ایک منبر پر تشریف لے جائیں گے اور واقعہ کربلا کا ذکر کریں گے یعنی مجلسِ حسینؑ پڑھیں گے۔ اُس وقت لوگ محو گریہ ہو جائیں گے اور کئی گھنٹے تک رونے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ پھر آپ حکم دیں گے کہ مشہدِ حسینؑ تک نہر فرات کاٹ کر لائی جائے اور ایک مسجد کی تعمیر کی جائے۔ جس کے ایک ہزار در ہوں، چنانچہ ایسا ہی کیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ زیارت سرور کائنات کے لیے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے۔ (اعلام الوریٰ ص۲۹۳، ارشاد مفید ص۵۳۲ نور الابصار ص۱۵۵)۔

قدوۃ المحدثین شاہ رفیع الدین رقمطراز ہیں کہ حضرت امام مہدیؑ جو علم لدنی سے بھرپور ہوں گے جب مکہ سے آپ کا ظہور ہوگا اور اس ظہور کی شہرت اطراف و اکناف عالم میں پھیلے گی تو افواج مدینہ و مکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گی اور شام و عراق و یمن کے ابدال اور اولیاء خدمت شریف میں حاضر ہوں گے اور عرب کی فوجیں جمع ہو جائیں گی، آپ اُن تمام لوگوں کو اُس خزانہ سے مال دیں گے جو کعبہ سے برآمد ہوگا۔ اور مقامِ خزانہ کو "تاج الکعبہ" کہتے ہوں گے، اسی اثنا میں ایک شخص خراسانی عظیم فوج لے کر حضرت کی مدد کے لیے مکہ معظمہ کو روانہ ہوگا۔ راستے میں اس لشکر خراسانی کے مقدمہ الجیش کے کمانڈر منصور سے نصرانی فوج کی ٹکر ہوگی، اور خراسانی لشکر نصرانی فوج کو پسپا کر کے

حضرت کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد ایک شخص سفیانی جو بنی کلب سے ہوگا حضرت سے مقابلہ کے لیے لشکرِ عظیم ارسال کرے گا۔ لیکن بحکمِ خدا جب وہ لشکر مکہ معظمہ اور کعبہ منورہ کے درمیان پہنچے گا اور پہاڑ میں قیام کرے گا تو زمین میں وہیں دھنس جائے گا۔ پھر سفیانی جو دشمنِ آلِ محمدؐ ہوگا نصاریٰ سے ساز باز کرکے امام مہدیؑ سے مقابلہ کے لیے زبردست فوج فراہم کرے گا۔ نصرانی اور سفیانی فوج کے اسّی نشان ہوں گے اور ہر نشان کے نیچے ۱۲ ہزار کی فوج ہوگی۔ ان کا دار الخلافہ شام ہوگا۔ حضرت امام مہدی علیہ السّلام بھی مدینہ منورہ ہوتے ہوئے جلد سے جلد شام پہنچیں گے جب آپ کا وُرودِ مسعود دمشق میں ہوگا، تو دشمنِ آلِ محمدؐ سفیانی اور دشمنِ اسلام نصرانی آپ سے مقابلہ کے لیے صف آرا ہوں گے، اس جنگ میں فریقین کے بے شمار افراد قتل ہوں گے۔ بالآخر امام علیہ السّلام کو فتح کامل ہوگی، اور ایک نصرانی بھی زمین شام پر باقی نہ رہے گا۔ اُس کے بعد امام علیہ السّلام اپنے لشکریوں میں انعام تقسیم کریں گے اور اُن مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے واپس بلا لیں گے جو نصرانی بادشاہ کے ظلم و جور سے عاجز آکر شام سے ہجرت کر گئے تھے۔ (قیامت نامہ ص۴) اس کے بعد آپ مکہ معظمہ واپس تشریف لے جائیں گے اور مسجد سہلہ میں قیام فرمائیں گے (ارشاد ص۵۳۳) اس کے بعد مسجد الحرام کو از سرِ نو بنائیں گے اور دُنیا کی تمام مساجد کو شرعی اصُول پر کر دیں گے ہر بدعت کو ختم کریں گے اور ہر سُنّت کو قائم کریں گے، نظامِ عالم درست کریں گے اور شہروں میں فوجیں ارسال کریں گے، انصرام و انتظام کے لیے وزراء روانہ ہوں گے۔ (اعلام الوریٰ ص۲۶۲، ص۲۶۴)۔

اس کے بعد آپ مومنین، کاملین اور کافرین کو زندہ کریں گے، اور اس زندگی کا مقصد یہ ہوگا کہ مومنین اسلامی عروج سے خوش ہوں اور کافرین سے بدلہ لیا جائے۔ ان زندہ کیے جانے والوں میں قابیل سے لے کر امتِ محمدیہ کے فراعنہ تک زندہ کیے جائیں گے، اور ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ انھیں دیا جائے گا۔ جو جو ظلم انھوں نے کیے اُن کا مزہ چکھیں گے۔ غریبوں، مظلوموں اور بیکسوں پر جو ظلم ہوا ہے۔ اُس کی (ظالم کو) سزا دی جائے گی، سب سے پہلے جو واپس لایا جائے گا وہ یزید بن معاویہ ملعون ہوگا اور امام حسین علیہ السّلام تشریف لائیں گے۔ (غایۃ المقصود)۔

دجال اور اُس کا خروج

دجال، دجل سے مشتق ہے جس کے معنی فریب کے ہیں اس کا اصل نام صائف، باپ کا نام صائد، ماں کا نام کاہتہ لعرف قطامہ ہے، یہ عہدِ رسالت مآبؐ میں بمقام تیمہ جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، چہار شنبہ کے دن بوقت غروبِ آفتاب پیدا ہوا ہے، پیدائش کے بعد آناً فاناً بڑھ رہا تھا، اُس کی داہنی آنکھ پھوٹی ہوئی تھی اور بائیں آنکھ پیشانی پر چمک رہی تھی، وہ چند دنوں میں کافی بڑھ کر دعویٰ خدائی کرنے لگا، سرورِ کائنات جو حالات سے برابر مطلع ہو رہے تھے۔ انھوں نے

سلمان فارسی اور چند اصحاب کو لیا اور بمقام تیہہ جا کر اُس کو تبلیغ کرنا چاہی، اُس نے بہت بُرا بھلا کہا اور چاہا کہ حضرت پر حملہ کر دے۔ لیکن آپ کے اصحاب نے مدافعت کی، آپ نے اُس سے یہ فرمایا تھا کہ خُدائی کا دعویٰ چھوڑ دے اور میری نبوت کو مان لے۔ علماء نے لکھا ہے کہ دجال کی پیشانی پر بخطِ یزدانی "الکافر باللہ" لکھا ہوا تھا اور آنکھ کے ڈھیلے پر بھی (ک، ف، ر) مرقوم تھا۔ غرضکہ آپ نے وہاں سے مدینہ منوّرہ واپس تشریف لانے کا ارادہ کیا۔ دجال نے ایک سنگِ گراں جو پہاڑ کی مانند تھا حضرت کی راہ میں رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبرئیل آسمان سے آئے اور اُسے ہٹا دیا۔ ابھی آپ مدینہ پہنچے ہی تھے کہ دجال لشکرِ عظیم لے کر مدینہ کے قریب جا پہنچا۔ حضرت نے بارگاہِ احدیت میں عرض کی، خُدایا! اِسے اُس وقت تک کے لیے محبوس کر دے، جب تک اِسے زندہ رکھنا مقصود ہے، اِسی دوران میں جناب جبرئیل آئے اور انھوں نے دجال کی گردن کو پُشت کی طرف سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور اُسے لے جا کر جزیرۂ طبرستان میں محبوس کر دیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ جبرئیل اُسے لے کر جانے لگے تو اُس نے زمین پر دونوں ہاتھ مار کر تحت الثریٰ تک کی دو مُٹھّی خاک لے لی، اور اُسے طبرستان میں ڈال دیا۔ جبرئیل نے سرورِ کائنات کے سوال کے جواب میں کہا کہ آپ کی وفات سے ۹۷۰ سال بعد یہ خاک عالم میں پھیلے گی اور اُسی وقت سے آثارِ قیامت شروع ہو جائیں گے۔ (غایۃ المقصود ص۶۴، ارشاد الطالبین ص۳۹۴) پیغمبرِ اسلام کا ارشاد ہے کہ دجال کو محبوس ہونے کے بعد تمیم داری نے جو پہلے نصرانی تھا، جزیرۂ طبرستان، میں بچشمِ خود دیکھا ہے۔ اِس کی مُلاقات کی تفصیل کتاب صحاح المصابیح، زہرۃ الریاض، صحیح بُخاری، صحیح مسلم میں موجود ہے۔

غرضکہ اکثر روایات کے مُطابق دجال حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے ظہور فرمانے کے ۱۸ یوم بعد خروج کرے گا (مجمع البحرین ص۵۶۰ وغایۃ المقصود جلد ۲ ص۶۹) ظہورِ امام اور خروجِ دجال سے پہلے تین سال تک سخت قحط پڑے گا۔ پہلے سال ⅓ بارش اور ⅓ زراعت ختم ہو جائے گی دوسرے سال آسمان و زمین کی برکت و رحمت ختم ہو جائے گی تیسرے سال بالکل بارش نہ ہوگی، اور ساری دُنیا والے موت کی آغوش میں پہنچنے کے قریب ہو جائیں گے۔ دُنیا ظلم و جور، اضطراب و پریشانی سے بالکل پُر ہوگی۔ امام مہدیؑ کے ظہور کے بعد ۱۸ ہی دن میں کائنات نہایت اچھی سطح پر پہنچی ہوگی۔ کہ ناگاہ دجال ملعون کے خروج کا غلغلہ اُٹھے گا۔ وہ بروایتِ اخوند درویزہ ہندوستان کے ایک پہاڑ پر نمودار ہوگا اور وہاں سے بآوازِ بلند کہے گا۔ "میں خُدائے بزرگ ہوں، میری اطاعت کرو"۔ یہ آواز مشرق و مغرب میں پہنچے گی۔ اِس کے بعد ۳ یوم یا بروایت ۴۰ یوم اسی پر مقیم رہ کر لشکر تیار کرے گا۔ پھر شام و عراق ہوتا ہوا اِصفہان کے ایک قریہ "یہودیہ" سے خروج کرے گا۔ اُس کے ہمراہ

بہت بڑا لشکر ہوگا، جس کی تعداد ستّر لاکھ مرقوم ہے۔ جِنّ، دیو، پری، شیطان ان کے علاوہ ہوں گے۔ وُہ ایک گدھے پر سوار ہوگا۔ جو ابلق رنگ کا ہوگا۔ اُس کے جسم کا بالائی حصّہ سُرخ، ہاتھ پاؤں تا زانو سیاہ اِس کے بعد سے سم تک سفید ہوگا۔ اُس کے دونوں کانوں کے درمیان ۴۰ میل کا فاصلہ ہوگا۔ وہ ۱۲ میل اُونچا اور ۹۰ میل لمبا ہوگا۔ اُس کا ہر قدم ایک میل کا ہوگا۔ اُس کے دونوں کانوں میں خلق کثیر بیٹھی ہوگی۔ چلنے میں اُس کے بالوں سے ہر قسم کے باجوں کی آواز آئے گی، وہ اُسی گدھے پر سوار ہوگا۔ سواری کے بعد جب وہ روانہ ہوگا تو اُس کے داہنے طرف ایک پہاڑ ہوگا جو ہمراہ چلتا رہے گا اُس میں نہریں میوہ جات اور ہر قسم کی نعمتیں ہوں گی، اور بائیں جانب ایک پہاڑ ہوگا جس میں ہر قسم کے سانپ بچھو ہوں گے، وہ لوگوں کو اِنھیں چیزوں کے ذریعہ سے بہکائے گا اور کہے گا کہ میں خدا ہوں جو میرا حکم مانے گا جنّت میں رکھوں گا جو نہ مانے گا اُسے جہنّم میں ڈال دُوں گا۔ اسی طرح چالیس یوم میں ساری دُنیا کا چکر لگا کر اور سب کو بہکا کر امام مہدی علیہ السلام کی اسکیم کو ناکامیاب بنانے کی سعی میں وہ خانۂ کعبہ کو گرانا چاہے گا اور ایک عظیم لشکر بھیج کر کعبہ اور مدینہ کو تباہ کرنے پر مامُور کریگا اور خود بارادہ کُوفہ روانہ ہوگا۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ کُوفہ جو امام مہدیؑ کی آماجگاہ ہے اُسے تباہ کر دے۔ "چوں آں لعین نزدیک کُوفہ برسد امام محمّد مہدیؑ باستیصال او برسد"۔ لیکن خُدا کا کرنا دیکھئے کہ جب وہ کُوفہ کے قریب پہنچے گا، تو حضرت امام مہدی علیہ السّلام خود وہاں پہنچ جائیں گے، اور اُسے بحکمِ خُدا بیخ و بُن سے اکھاڑ دیں گے۔ غرضکہ گھمسان کی جنگ ہوگی اور شام تک پھیلے ہوئے لشکر پر امام مہدی علیہ السّلام زبردست حملے کریں گے، بالآخر وہ ملعُون آپ کی ضربوں کی تاب نہ لا کر شام کے مقام عقبۂ رفیق یا بمقام لُدّ جمعہ کے دن تین گھڑی دن چڑھے مارا جائے گا۔ اُس کے مرنے کے بعد دس میل تک دجال اور اُس کے گدھے اور لشکر کا خون زمین پر جاری رہے گا۔ علما کا کہنا ہے کہ قتلِ دجال کے بعد امام علیہ السّلام اُس کے لشکریوں پر ایک زبردست حملہ کریں گے اور سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ اُس وقت جو کافر زمین کے کسی گوشہ میں چھپے گا، وُہ آواز دے گا کہ فلاں کافر یہاں روپوش ہے۔ امام علیہ السّلام اُسے قتل کر دیں گے۔ آخر کار زمین پر کوئی دجال کا ماننے والا نہ رہے گا۔ (ارشاد الطالبین ص۳۹۷، غایۃ المقصود جلد ۲ ص۱۷، عین الحیات ص۱۲۶، کتاب الوسائل ص۱۸۱، قیامت نامہ ص۷، معارف الملۃ ص۴۰۸، صحیح مسلم، لمعات شرح مشکوٰۃ عبدالحق، مرقات شرح مشکوٰۃ، مجمع البحار) بعض روایات میں ہے کہ دجال کو حضرت عیسیٰؑ بحکم حضرت مہدی علیہ السلام قتل کریں گے۔

نزُولِ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

حضرت اِمام مہدی علیہ السّلام سُنّت کے قائم کرنے اور بدعت کے مٹانے نیز انصرام و انتظامِ عالم میں مشغول و مصروف

ہوں گے کہ ایک دن نمازِ صبح کے وقت بروایتے نمازِ عصر کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے منارۂ شرقی پر نزول فرمائیں گے۔ حضرت امام مہدیؑ ان کا استقبال کریں گے۔ اور فرمائیں گے کہ آپ نماز پڑھائیے، حضرت عیسیٰ کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے، نماز آپ کو پڑھانی ہوگی۔ چنانچہ حضرت امام مہدی علیہ السلام امامت کریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے۔ (نورالابصار ۱۵۴ غایۃ المقصود ص۱۰۴-۱۵۴ بحوالہ مسلم و ابنِ ماجہ مشکوٰۃ ص۴۵۸) اُس وقت حضرت عیسیٰؑ کی عمر چالیس۴۰ سالہ جوان جیسی ہوگی۔ وہ اس دنیا میں شادی کریں گے، اور ان کے دو۲ لڑکے پیدا ہوں گے۔ ایک کا نام احمد اور دوسرے کا نام موسیٰ ہوگا۔ (اسعاف الراغبین برحاشیہ نورالابصار ص۱۳۵، قیامت نامہ ص۹۔ بحوالہ کتاب الوفا ابنِ جوزی و مشکوٰۃ ص۴۶۵ و سراج القلوب ص۷۷)۔

امام مہدیؑ اور عیسیٰؑ ابنِ مریم کا دورہ

اِس کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاد، ممالک کا دَورہ کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے لیے برآمد ہوں گے اور دجال ملعون کے پہنچائے ہوئے نقصانات اور اُس کے پیدا کیے ہوئے بدترین حالات کو بہترین سطح پر لائیں گے، حضرت عیسیٰ خنزیر کو قتل کرنے، صلیبوں کو توڑنے اور لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا انصرام و بندوبست فرمائیں گے۔ عدلِ مہدوی سے بلادِ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجے گا اور ظلم و ستم کا تختہ تباہ ہو جائے گا۔ (قیامت نامہ قدوۃ المحدثین ص۸ بحوالہ صحیح مسلم)۔

حضرت امام مہدیؑ کا قسطنطنیہ کو فتح کرنا

روایت میں ہے کہ امام مہدی علیہ السلام قسطنطنیہ، چین اور جبل دیلم کو فتح کریں گے، یہ وہی قسطنطنیہ ہے جسے استنبول کہتے ہیں اور جس پر اُس زمانہ میں نصاریٰ کا قبضہ ہوگا۔ اور اُن کا قبضہ بھی مسلمان بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد ہوا ہوگا۔ چین اور جبل دیلم پر بھی نصاریٰ کا قبضہ ہوگا اور وہ حضرت امام مہدی سے مقابلہ کا پورا انتظام کریں گے، چین جس کو عربی میں "صین" کہتے ہیں اس کے بارے میں روایت کے حوالہ سے علامہ طریحی نے مجمع البحرین کے ص۶۱۵ میں لکھا ہے کہ صین۱ ایک پہاڑی ہے ۲ مشرق میں ایک مملکت ہے ۳ کوفہ میں ایک موضع ہے۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ ساری چینیوں فتح کی جائیں گی، اِن کے علاوہ سندھ اور ہند کے مکانات کی طرف بھی اشارہ ہے، بہر حال امام مہدی علیہ السلام شہر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوں گے اور ان کے ہمراہ جو ستر ہزار بنو اسحاق کے نوجوان ہوں گے انھیں دریائے رُوم کے کنارے شہر میں جا کر اُسے فتح کرنے کا حکم ہوگا، جب وہ وہاں پہنچ کر فصیل کے کنارے نعرۂ تکبیر لگائیں گے تو خود بخود راستہ

پیدا ہو جائے گا اور یہ داخل ہو کر اُسے فتح کر لیں گے، کفار قتل ہوں گے اور اُس پر پُورا پُورا قبضہ ہو جائے گا۔ (نورالابصار ص ۱۵۵ بحوالہ طبرانی، غایۃ المقصود جلد ا ص ۱۵۲ بحوالہ ابونعیم، اعلام الوریٰ، بحوالہ امام جعفر صادق ص ۲۶۴، قیامت نامہ بحوالہ صحیح مسلم)۔

یاجوج ماجوج اور اُن کا خروج

قیامتِ صغریٰ یعنی ظہور آلِ محمدؐ اور قیامت کبریٰ کے درمیان دجال کے بعد یاجوج اور ماجوج کا خروج ہوگا۔ یہ سدِ سکندری سے نکل کر سارے عالم میں پھیل جائیں گے اور دُنیا کے امن و امان کو تباہ و برباد کر دینے میں پُوری سعی کریں گے۔

یاجوج ماجوج حضرت نوحؑ کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہیں، یہ دونوں چار سو قبیلوں اور اُمتوں کے سردار اور سربرآوردہ ہیں، ان کی کثرت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا مخلوقات میں ملائکہ کے بعد انھیں کثرت دی گئی ہے، ان میں کوئی ایسا نہیں جس کے ایک ایک ہزار اولاد نہ ہو۔ یعنی یہ اُس وقت تک مرتے ہی نہیں جب تک ایک ہزار بہادر پیدا نہ کرلیں۔ یہ تین قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو تاڑ سے زیادہ لمبے ہیں، دُوسرے وہ جو لمبے اور چوڑے برابر ہیں جن کی مثال بہت بڑے ہاتھی سے دی جا سکتی ہے۔ تیسرے وہ جو اپنا ایک کان بچھاتے اور دُوسرا اوڑھتے ہیں۔ ان کے سامنے لوہا، پتھر، پہاڑ تو وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں دُنیا کے اخیر میں اُس جگہ پیدا ہوئے ہیں، جہاں سے پہلے پہل سُورج نے طلوع کیا تھا۔ زمانہ فترت سے پہلے یہ لوگ اپنی جگہ سے نکل پڑتے تھے اور اپنے قریب کی ساری دُنیا کو کھا پی جاتے تھے۔ یعنی ہاتھی، گھوڑا، اُونٹ، انسان، جانور، کھیتی باڑی غرضکہ جو کچھ سامنے آتا تھا سب کو ہضم کر جاتے تھے۔ وہاں کے لوگ اُن سے سخت تنگ اور عاجز تھے، یہاں تک کہ زمانہ فترت میں حضرت عیسیٰؑ کے بعد بروایتے جب ذُوالقرنین اُس منزل تک پہنچے تو انھیں وہاں کا سارا واقعہ معلوم ہوا اور وہاں کی مخلوق نے اُن سے درخواست کی کہ ہمیں اس بلائے بے درمان یاجُوج ماجُوج سے بچائیے۔ چنانچہ انھوں نے دُو پہاڑوں کے اُس درمیانی راستہ کو جس سے وہ آیا کرتے تھے۔ بحکم خُدا لوہے کی دیوار سے جو دو سو گز اُونچی اور پچاس یا ساٹھ گز چوڑی تھی بند کر دیا۔ اسی دیوار کو "سدِ سکندری" کہتے ہیں۔ کیونکہ ذوالقرنین کا اصل نام سکندرِ اعظم تھا، سدِ سکندری کے لگ جانے کے بعد ان کی خوراک سانپ قرار دی گئی، جو آسمان سے برستے ہیں۔ یہ تا بظہور امام مہدی علیہ السّلام اسی میں محصُور رہیں گے۔ ان کا اصول اور طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی زبان سے سدِ سکندری کو ساری رات چاٹ کر کاٹتے ہیں، جب صبح ہوتی ہے اور دُھوپ لگتی ہے تو ہٹ جاتے ہیں پھر دُوسری رات کٹی ہوئی دیوار بھی پُر ہو جاتی ہے اور وُہ پھر اُسے کاٹنے میں لگ جاتے ہیں۔

حکمِ خدا سے یہ لوگ امام مہدی علیہ السّلام کے زمانہ میں خروج کریں گے دیوار کٹ جائے گی اور یہ نکل پڑیں گے۔ اُس وقت کا عالم یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنی ساری تعداد سمیت ساری دُنیا میں پھیل کر نظامِ عالم کو درہم برہم کرنا شروع کر دیں گے، لاکھوں جانیں ضائع ہوں گی اور دُنیا کی کوئی چیز ایسی باقی نہ رہے گی جو کھائی اور پی جا سکے، اور یہ اس پر تصرف نہ کریں۔ یہ بلا کے جنگجو لوگ ہوں گے دُنیا کو مار کر کھا جائیں گے اور اپنے تیر آسمان کی طرف پھینک کر آسمانی مخلوق کو مارنے کا حوصلہ کریں گے اور جب اُدھر سے بحکمِ خدا تیر خُون آلود آئے گا تو یہ بہت خُوش ہوں گے اور آپس میں کہیں گے کہ اب ہمارا اقتدار زمین سے بلند ہو کر آسمان پر پہنچ گیا ہے۔ اسی دوران میں حضرت امام مہدی علیہ السّلام کی برکت اور حضرت عیسیٰؑ کی دُعا کی وجہ سے خداوند عالم ایک بیماری بھیج دے گا۔ جس کو عربی میں "نغف" کہتے ہیں، یہ بیماری ناک سے شروع ہو کر طاعون کی طرح ایک ہی شب میں اُن سب کا کام تمام کر دے گی۔ پھر اُن کے مردار کو کھانے کے لیے "عنقا" نامی طائر پیدا ہوگا۔ جو زمین کو اُن کی گندگی سے صاف کرے گا۔ اور انسان اُن کے تیر و کمان اور قابلِ سوختنی آلاتِ حرب کو سات سال تک جلائیں گے۔ (تفسیر صافی ص۲۷۸ مشکوٰۃ ص۳۶۹ صحیح مسلم ترمذی، ارشاد الطالبین ص۳۹۸، غایۃ المقصود جلد ۲ ص۷۶، مجمع البحرین ص۴۶۶، قیامت نامہ ص۸)

امام مہدی علیہ السّلام کی مدّتِ حکومت اور خاتمۂ دُنیا

حضرت امام مہدی علیہ السّلام کا پایۂ تخت شہر کوفہ ہوگا۔ مکّہ میں آپ کے نائب کا تقرر ہوگا۔ آپ کا دیوان خانہ اور آپ کے اجراءِ حکم کی جگہ مسجدِ کوفہ ہوگی۔ بیت المال، مسجدِ سہلہ قرار دی جائے گی۔ اور خلوت کدہ نجف اشرف ہوگا۔ (حق الیقین ص۱۴۵) آپ کے عہدِ حکومت میں مکمل امن و سکون ہوگا۔ بکری اور بھیڑ، گائے اور شیر، انسان اور سانپ، زنبیل اور چوہے سب ایک دُوسرے سے بے خوف ہوں گے (درِ منشور سیوطی جلد ۳ ص۲۳) معاصی کا ارتکاب بالکل بند ہوگا اور تمام لوگ پاکباز ہو جائیں گے۔ جہل، جبن، بُخل کافور ہو جائیں گے۔ عاجزوں، ضعیفوں کی دادرسی ہوگی۔ ظلم دنیا سے مٹ جائے گا۔ اسلام کے قالبِ بے جان میں رُوحِ تازہ پیدا ہو جائے گی۔ دُنیا کے تمام مذاہب ختم ہو جائیں گے۔ نہ عیسائی ہوں گے نہ یہودی، نہ کوئی اور مسلک ہوگا۔ صرف اسلام ہوگا۔ اور اُسی کا ڈنکا بجتا ہوگا۔ آپ دعوت بالسیف دیں گے جو آپ کے درپئے نزاع ہوگا قتل کر دیا جائے گا۔ جزیہ موقوف ہوگا۔ خُدا کی جانب سے شہرِ عکا کے ہرے بھرے میدان میں مہمانی ہوگی، ساری کائنات مسرتوں سے مملو ہوگی۔ غرضکہ عدل و انصاف سے دُنیا بھر جائے گی، (الیواقیت الجواہر جلد ۲ ص۱۲۷)۔

دُنیا کے تمام مظلوم بُلائے جائیں گے اور اُن پر ظلم کرنے والے حاضر کئے جائیں گے، حتیٰ کہ آلِ محمدؐ تشریف لائیں گے اور اُن پر ظلم کے پہاڑ توڑنے والے بُلائے جائیں گے حضرت امام علیہ السلام مظلوم کی دادرسی فرمائیں گے اور ظالم کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں گے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام امور میں نگرانی کا فریضہ ادا فرمانے کے لیے جلوہ افروز ہوں گے۔ اسی دوران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی سابقہ ارضی ۳۳ سالہ زندگی میں ۷ سالہ موجودہ ارضی زندگی کا اضافہ کر کے چالیس سال کی عمر میں انتقال کر جائیں گے اور آپ کو روضۂ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم میں دفن کر دیا جائے گا۔ (حاشیۂ مشکوٰۃ صـ۴۶۳۔ سراج القلوب صـ۷۷، عجائب القصص صـ۲۲۳) اس کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اور حضرت امیر المومنین نظامِ کائنات پر حکمرانی کریں گے جس کی طرف قرآنِ مجید میں "دابۃ الارض" سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اب رہ گیا یہ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی مدتِ حکومت کیا ہو گی؟ اس کے متعلق سخت اختلاف ہے۔ ارشاد مفید کے صـ۵۳۳ میں سات سال اور صـ۵۳۷ میں اُنیس سال اور اعلام الوریٰ کے صـ۲۶۵ میں ۱۹ سال، مشکوٰۃ کے صـ۴۶۲ میں ۷، ۸، ۹ سال، نور الابصار کے صـ۱۵۴ میں ۷، ۸، ۹، ۱۰ سال۔ غایۃ المقصود جلد ۲ صـ۱۶۲ میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء ۷، ۸، ۹ سال اور ینابیع المودۃ شیخ سلیمان قندوزی بلخی کے صـ۴۳۳ میں بیس سال مرقوم ہے۔ میں نے حالات احادیث، اقوالِ علماء سے استنباط کر کے بیس سال کو ترجیح دی ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک سال دس سال کے برابر ہو۔ (ارشاد مفید صـ۵۳۳، نور الابصار صـ۱۵۵) غرضکہ آپ کی وفات کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام آپ کو غسل و کفن دیں گے اور نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے، جیسا کہ علامہ سید علی بن عبد الحمید نے کتاب انوار المضیئہ میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عہدِ ظہور میں قیامت سے پہلے زندہ ہونے کو رجعت کہتے ہیں۔ یہ رجعت ضروریاتِ مذہبِ امامیہ سے ہے۔ (مجمع البحرین صـ۴۲۲)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہور کے بعد بحکم خدا شدید ترین کافر اور منافق اور کامل ترین مومنین، حضرت رسولِ کریمؐ، آئمہ طاہرین، بعض انبیاء سلف برائے اظہارِ دولتِ حقِ محمدی دُنیا میں پلٹ کر آئیں گے۔ (تکلیف المکلفین فی اصول الدین صـ۲۵) اس میں ظالموں کو ظلم کا بدلہ اور مظلوموں کو انتقام کا موقع دیا جائے گا۔ اور اسلام کو اتنا فروغ دے دیا جائے گا کہ "لیظہرہٗ علی الدین کلہ"۔ دُنیا میں صرف ایک اسلام رہ جائے گا۔ (معارف الملۃ الناجیہ والناریہ صـ۳۸۰) امام حسین علیہ السلام کا مکمل بدلہ لیا جائے گا۔ (غایۃ المقصود جلد ۱ صـ۱۸۶ بحوالہ تفسیر عیاشی) اور دشمنانِ آلِ محمدؐ کو قیامت میں عذابِ اکبر سے پہلے رجعت میں عذابِ ادنیٰ کا مزہ چکھایا جائے گا (حق الیقین صـ۱۴۷ بحوالہ قرآن مجید) شیطان سرورِ کائنات کے ہاتھوں سے نہرِ فرات پر ایک عظیم جنگ کے بعد قتل ہو گا۔ آئمہ طاہرین کے ہر عہدِ حکومت

میں اچھے بُرے زندہ کیے جائیں گے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عہد میں جو لوگ زندہ ہوں گے اُن کی تعداد چار ہزار ہوگی (غایۃ المقصود جلد ۱ صـ۱۷۱) شہدار کو بھی رجعت میں ظاہری زندگی دی جائے گی تاکہ اس کے بعد جو موت آئے اُس سے آیت کے حکم "کُل نفسٍ ذائقۃ الموت" کی تکمیل ہو سکے اور انھیں موت کا مزہ نصیب ہو جائے (غایت المقصود جلد ۱ صـ۱۷۳) اسی رجعت میں بوعدہ قرآنی آلِ محمدؐ کو حکومتِ عامہ عالم دی جائے گی، اور زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جس پر آلِ محمدؐ کی حکومت نہ ہو، اس کے متعلق قرآن مجید میں: "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون"۔ و" نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم الوارثین" موجود ہے (حق الیقین صـ۱۴۶)۔

اب رہ گیا یہ کہ کائنات کی ظاہری حکومت و وراثت آلِ محمدؐ کے پاس کب تک رہے گی؟ اس کے متعلق ایک روایت آٹھ ہزار سال کا حوالہ دے رہی ہے اور پتہ یہ چلتا ہے کہ امیرالمومنینؑ، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیرِ نگرانی حکومت کریں گے اور دیگر آئمہ طاہرین اُن کے وزرار اور سفرار کی حیثیت سے ممالکِ عالم میں انتظام و انصرام فرمائیں گے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ہر امام علی الترتیب حکومت کریں گے۔ حق الیقین و غایۃ المقصود۔ حضرت علیؑ کے ظہور اور نظامِ عالم پر حکمرانی کے متعلق قرآن مجید میں بصراحت موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

" اخرجنا لھم دابۃً من الارض"۔ (پ ۲۰ رکوع ۱)

علمائے فریقین یعنی شیعہ وسُنی کا اتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال علامہ ذہبی و معالم التنزیل علامہ بغوی و حق الیقین علامہ مجلسی و تفسیر صافی علامہ محسن فیض اُس کی طرف توریت میں بھی اشارہ موجود ہے۔ (تذکرۃ المعصومین صـ۲۴۶)۔

آپ کا کام یہ ہوگا کہ آپ ایسے لوگوں کی تصدیق نہ کریں گے جو خدا کے مخالف اور اس کی آیتوں پر یقین نہ رکھنے والے ہوں گے۔ . . . وہ صفا اور مروہ کے درمیان سے برآمد ہوں گے، اُن کے ہاتھ میں حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰؑ کا عصا ہوگا۔ جب قیامت قریب ہوگی تو آپ عصار اور انگشتری سے ہر مومن و کافر کی پیشانی پر نشان لگائیں گے۔ مومن کی پیشانی پر "ھذا مومن حقا" اور کافر کی پیشانی پر "ھذا کافر حقا" تحریر ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو: کتاب ارشاد الطالبین اخوند درویزہ صـ۴۰ و قیامت نامہ قدوۃ المحدثین علامہ رفیع الدین صـ۱۔ علامہ بغوی کتاب مشکوٰۃ المصابیح کے صـ۴۶۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ دابۃ الارض دوپہر کے وقت نکلے گا، اور جب اس دابۃ الارض کا عمل درآمد شروع ہو جائے گا تو بابِ توبہ بند ہو جائے گا اور اُس وقت کسی کا ایمان لانا کارگر نہ ہوگا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت

علی مسجد میں سو رہے تھے، اتنے میں حضرت رسول کریمؐ تشریف لائے، اور آپ نے فرمایا "قم یا دابتہ اللہ" اس کے بعد ایک دن فرمایا: "یا علی اذا کان اخرجک اللہ الخ" اے علی! جب دُنیا کا آخری زمانہ آئے گا، تو خداوندِ عالم تمھیں برآمد کرے گا۔ اس وقت تم اپنے دشمنوں کی پیشانیوں پر نشان لگاؤ گے۔ (مجمع البحرین ص۱۲۷) آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ علیؑ "دابتہ الجنۃ" ہیں۔ لغت میں ہے کہ دابہ کے معنی پیروں سے چلنے پھرنے والے کے ہیں۔ (مجمع البحرین ص۱۲۷)

کثیر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آلِ محمدؐ کی حکمرانی جسے صاحب ارجح المطالب نے بادشاہی لکھا ہے اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک دُنیا کے ختم ہونے میں چالیسؑ یوم باقی رہیں گے۔ (ارشاد مفید ص۱۳۷ و اعلام الوریٰ ص۲۶۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چالیسؑ دن کی مدت قبروں سے مُردوں کے نکلنے اور قیامتِ کبریٰ کے لیے ہوگی حشر و نشر، حساب و کتاب، صور پھونکنا اور دیگر لوازم قیامت کبریٰ اسی میں ادا ہوں گے۔ (اعلام الوریٰ ص۲۶۵) اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام لوگوں کو جنت کا پروانہ دیں گے۔ لوگ اُسے لے کر پُل صراط پر سے گزریں گے۔ (صواعق محرقہ علامہ ابن حجر مکی ص۷۵ و اسعاف الراغبین ص۶۷ برحاشیہ نور الابصار) پھر آپ حوضِ کوثر کی نگرانی کریں گے۔ جو دشمنِ آلِ محمدؐ حوضِ کوثر پر ہوگا، اُسے آپ اُٹھا دیں گے۔ ارجح المطالب ص۶۷۰) پھر آپ لواء الحمد یعنی محمدی جھنڈا لے کر جنت کی طرف چلیں گے، پیغمبرِ اسلامؐ آگے آگے ہوں گے۔ انبیاء اور شہداء و صالحین اور دیگر آلِ محمدؐ کے ماننے والے پیچھے ہوں گے۔ (مناقب اخطب خوارزمی قلمی و ارجح المطالب ص۷۷۰) پھر آپ جنت کے دروازے پر جائیں گے اور اپنے دوستوں کو بغیر حساب داخلِ جنت کریں گے اور دشمنوں کو جہنم میں پھونک دیں گے (کتاب شفا قاضی عیاض و صواعق محرقہ) اسی لیے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور بہت سے اصحاب کو جمع کر کے فرما دیا تھا کہ علی زمین اور آسمان دونوں میں میرے وزیر ہیں اگر تم لوگ خدا کو راضی کرنا چاہتے ہو تو علی کو راضی کرو، اس لیے کہ علی کی رضا خدا کی رضا اور علی کا غضب خدا کا غضب ہے۔ (مودۃ القربیٰ ص۵۵-۶۲) علی کی محبت کے بارے میں تم سب کو خُدا کے سامنے جواب دینا پڑے گا اور تم علی کی مرضی کے بغیر جنت میں نہ جا سکو گے اور علی سے کہہ دیا کہ تم اور تمھارے شیعہ "خیر البریہ" یعنی خدا کی نظر میں اچھے لوگ ہیں۔ یہ قیامت میں خُوش ہوں گے اور تمھارے دشمن ناشاد و نامراد رہیں گے، مُلاحظہ ہو (کنز العمال جلد ۶ ص۲۱۸ و تحفۂ اثنا عشریہ ص۶۰۴ تفسیر فتح البیان جلد ۱ ص۲۲۳)۔ والسّلام

سیّد نجم الحسن کراروی

کوچہ مولانا صاحب، پشاور سٹی

قطعۂ تاریخ

کتاب چودہ ستارے

از
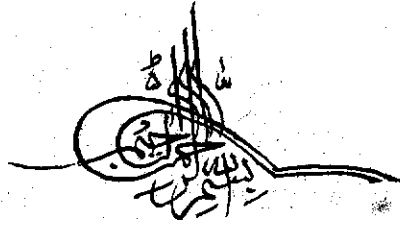
عمدۃ الشعراء جناب مومن علی صاحب مومن جے پوری مقیم پشاور

ملے پیشوا ہم کو معصوم سارے
چمکتے رہیں گے مقدر ہمارے
زمانے میں ظلمت تھی گویا جو ہوتے
نہ برج شریعت کے چودہ ستارے

۱۹۶۵۹

چاردہ خورشید پاکیزہ

نتیجۂ فکر بلند خاقانی سرحد حضرت سید جگر کاظمی (پشاور)

دار شان علوم قرانی — اے بہ اثبات شرح ایقانی
پارہ ہائے کتاب ناطق حق! — واقفان رموز عرفانی
حاملان کتاب مکنونی — التجائے خلیل رحمانی
اے ز آدم بہ عیسیٰ مریم — ہمہ را نسخائے دربانی
مدعائے درود مصطفوی — اے صلوٰۃ خدائے ربانی
بہر کونین اسوۂ حسنہ — پے تطہیر شرف سبحانی
ہر یکے رحمتے پے تکوین — آئینہ دار خلق یزدانی
تا محمد شد از محمد چوں — خلفائے کلیم یزدانی
باد بر روح شان درود و سلام — آنکہ ہستند فخر انسانی
بروہ نجم الحسن چہ سعی عجب — گر قبول او فتد زہے شانی
طبع ذکر چہاردہ معصوم — گوش کن اے مکش پریشانی

چاردہ رہبراں ز عرش کریم
از سر احمد اے جگر خوانی

۱۳ ۸۷ ۷۸

قطعۂ تاریخ

نتیجۂ فکر بلند فرزدق سرحد حضرت کوکب تبریزی (پشاور)

فاضل عصر، قبلہ نجم الحسن — ماہ تابان آسمان علوم
کردہ تصنیف نسخۂ زیبا — در بیان آئمۂ مظلوم
حرف حرفش بہشت قلب و نظر — سطر سطرش لآئی منظوم

سال طبعش شد از سر اخلاص
ذکر تقدیس چہاردہ معصوم

۱۹ ۶ ۵۹